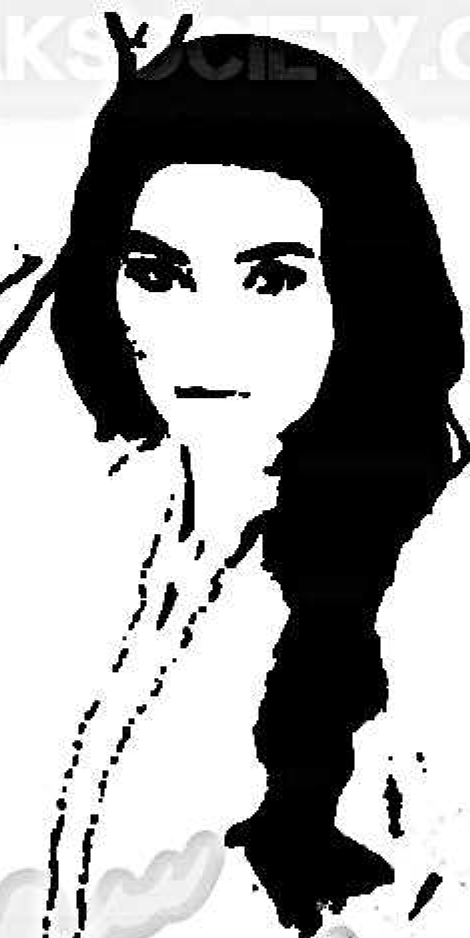


ٹوٹا ہوا تارا

سمیرا شریف طور



قسط نمبر 31

تیری خوشبو نہیں ملتی تیرا لہجہ نہیں ملتا
ہمیں تو شہر میں کوئی تیرے جیسا نہیں ملتا
زمانے کو قرینے سے وہ اپنے ساتھ رکھتا ہے
مگر میرے لیے اس کو کوئی لمحہ نہیں ملتا

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

انا کے رشتے سے انکار پر وقار بذات خود انا سے بات کرتے ہیں لیکن وہ انہیں مطمئن کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ ولید کے پوچھنے پر بھی اس کے رویے میں وہی اجنبیت اور سرد مہری نظر آتی ہے جبکہ ولید اس کے حال پر چھوڑ کر پلٹ جاتا ہے چیک اپ کے لیے وہ صبوحی اور ولید کے ہمراہ جس اسپتال جاتی ہے وہیں بابا صاحب بھی زیر علاج ہوتے ہیں تب ہی اس کی ملاقات شہوار سے ہوتی ہے شہوار اپنی دوست کے بدلتے رویے کو جاننے کی خاطر اسے اپنے گھر لے آتی ہے۔ انا اس کی ہمدردی پا کر سب بتا دینا چاہتی ہے لیکن حماد کی آمد کے سبب وہ خاموش ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف حماد اسے تنہا پا کر محبت کا اظہار کر بیٹھتا ہے۔ جبکہ انا یہ سن کر ساکت رہ جاتی ہے۔ اسی دوران ولید اور روشی اسے لینے پہنچ جاتے ہیں جبکہ ولید اسے حماد کے ہمراہ دیکھ کر خائف ہو جاتا ہے۔ عباس اور مصطفیٰ کی زیر حراست عادلہ اپنے مذموم مقاصد میں ناکام ہو جاتی ہے۔ مصطفیٰ کی زبانی ایاز کی گرفتاری اور تھانے میں کچھ وقت گزار کر اس کا سارا غرور جھاگ کی مانند بیٹھ جاتا ہے۔ ایسے میں عباس رابعہ سے رابطہ کر کے اسے آفس آنے کا کہتا ہے لیکن وہ اپنی شادی کا ذکر کرتے صاف انکار کر دیتی ہے ہادیہ ابوبکر سے ملنے کی خواہش مند ہوتی ہے دوسری طرف ابوبکر بھی اچانک گھر پہنچ کر رابعہ سے ملنے آتا ہے لیکن ہادیہ کی آواز اسے ماضی کی یادوں میں دھکیل دیتی ہے اور وہ پلٹ جاتا ہے۔ کاشفہ کے دھمکی آمیز میسج کے آگے ہار مانتے انا حماد کے نمبر پر رابطہ کرتی اس سے ملنے کی درخواست کرتی ہے اور اپنا پرپوزل پیش کرتی ہے۔ حماد کے لیے انا کی ملاقات اور پھر واضح لفظوں میں اقرار باعث حیرت ہوتا ہے لیکن وہ اپنے اور ولید کے رشتے کو بڑوں کا طے کردہ فیصلہ کہہ کر ٹال دیتی ہے دوسری طرف حماد جلد اپنے گھر والوں کو اس کی طرف بھیجنے کا وعدہ کر لیتا ہے۔ بابا صاحب اپنے گناہوں اور پچھتاوں کی آگ میں جلتے مصطفیٰ کے سامنے اعتراف کر لیتے ہیں وہ تابندہ کو تلاش کرنے کا کہہ کر ان سے معافی مانگنا چاہتے ہیں جبکہ تابندہ کا کچھ پتا نہیں چل پاتا۔ چوہدری حیات علی اپنے والدین کی اکلوتی اولاد اور نہایت فرمانبردار ہیں۔ کم عمری میں شادی کے سبب ان کے تین بیٹے اور بیٹیاں ہیں۔ وہ کام کے سلسلے میں شہر آتے ہیں جب ہی صفدر نامی شخص ان کی گاڑی کی زد میں آ جاتا ہے وہ اس کی مرہم پٹی کرا کر اس کے بتائے ایڈریس پر لے آتے ہیں۔ گھر میں صفدر کی بیٹی اور بیوی ہوتی ہے جب ہی اس حادثے کے بعد ان کی زیب النساء سے پہلی ملاقات ہوتی ہے اور یہ ملاقات ان کی زندگی کا نیا روپ سامنے لاتی ہے۔ انا کے گھر نہ پہنچنے پر ولید اور وقار اس کی تلاش میں نکلتے ہیں اور اسے حماد کے ہمراہ پارک میں دیکھ کر نہایت ذلت محسوس کرتے

ہیں۔ گھر پہنچ کر انا صاف الفاظ میں حماد کے لیے اپنے رشتہ بھیجنے کی بات کرتے ولید کے لیے واضح انکار کی وجہ بھی بتا دیتی ہے۔ جس پر وقار کا ہاتھ انا پر اٹھ جاتا ہے۔ جبکہ یہ سب حقیقت جان کر ضیاء صاحب کی طبیعت بگڑ جاتی ہے اور سب انا کو چھوڑ کر ان کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)



ضیاء ماموں کو اٹیک ہوا تھا' وہ لوگ ان کو فوراً اسپتال لے گئے اور انا بے حس و حرکت اپنے کمرے میں بیٹھی رہ گئی تھی۔ مسرتاں گھر میں تھی' وہ آتے جاتے اسے تسلی دیتی لیکن اس طرح تسلیاں دینے سے بھلا دل تسلی پا لیتا تو گلہ ہی کیا تھا۔

ضمیر پر ایک اور بوجھ آن گرا تھا' اس نے ولید ضیاء سے ٹوٹ کر محبت کی تھی۔ اس کی محبت میں دیوانگی کی حد تک جذباتی ہو چکی تھی اور اب اس سے دستبردار ہوگئی تھی۔ کاش وہ کسی کو بتا سکتی کہ محبت سے دستبردار ہونا کتنا جان لیوا ہوتا ہے۔ وہ کمرے میں بیٹھی شدت سے رو رہی تھی' اس کا نروس سسٹم متاثر ہو رہا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ اپنے دل سے محبت کو نوچ کر نکال دے گی۔

''ولید ضیاء سے رشتے سے انکار کرنا۔'' وہ کیسے کسی کو بتاتی کہ اس نے اپنے جسم سے کیسے اپنی جان نکلنے کا اہتمام کیا تھا' وہ محبت سے دستبردار ہوگئی تھی اور اب...... روتے ہوئے اس نے موبائل دیکھا' وہ سائلنٹ پر تھا۔ حماد سے ملنے گئی تھی تو پارک میں اس کی کال ریسیو کرنے کے بعد اس نے موبائل سائلنٹ پر لگا دیا تھا۔ گھر سے روشی کی لاتعداد کالز آئی تھیں اور اس نے ایک کال بھی ریسیو نہ کی تھی' موبائل اب بھی وائبریٹ ہو رہا تھا اس نے اسکرین دیکھی ''کاشفہ کالنگ'' کے الفاظ تھے۔ اس نے لب بھینچ لیے ایک جنون طاری ہونے لگا' جی چاہا کہ موبائل اٹھا کر دیوار پر دے مارے اس نے از حد دیوانگی میں کال پک کی تھی۔

''بولو......''

''تم دو دن سے میری کال کیوں نہیں ریسیو کر رہیں؟'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''تمہیں ولید ضیاء چاہیے' میں نے اس سے منگنی توڑ دی ہے۔ اب میرا کسی بھی ولید ضیاء سے کوئی تعلق' کوئی رشتہ نہیں۔ اللہ کا واسطہ ہے اب میری جان چھوڑ دو' مت کرو مجھے کالز......'' کاشفہ کے جواب میں وہ غصے سے چیخی۔

''ہمارے درمیان صرف رشتہ توڑنے کی بات پر ڈیل نہیں ہوئی تھی' باقی بھی بہت سی باتیں تھیں۔'' دوسری طرف سے بغیر کسی لچک کے کہا گیا۔

''تم ولید ضیاء کو جیسے مرضی حاصل کرو' تمہارا مسئلہ ہے میں نے جو کرنا تھا وہ کر دیا۔'' وہ غم و غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

''ایسے تو نہیں چھوڑوں گی تمہیں' جب تک تم میرا اصل کام نہیں کر لیتیں' اگر تم نے مجھے دھوکہ دیا تو تم جانتی ہو میں کیا کر سکتی ہوں۔'' دوسری طرف سے کاشفہ نے کہا تو انا ساکت ہوئی اور بے دم ہو کر زمین پر بیٹھ گئی تھی۔

''میرے پاس وقت نہیں ہے' جو بھی کرنا ہے جلدی کرو اور ہاں اب اگر تم نے میری کال اگنور کی تو میں سیدھی تمہارے گھر پہنچ جاؤں گی۔'' کاشفہ تختی سے کہہ کر کال بند کر چکی تھی۔

انا روتے ہوئے گھٹنوں میں منہ چھپا گئی تھی' کچھ دیر بعد گھٹنوں سے سر اٹھایا' موبائل مٹھی میں بھینچا ہوا تھا۔

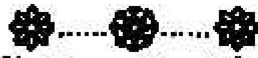
اس نے روشی کا نمبر نکالا۔

''ہیلو......'' تھوڑی دیر بعد کال ریسیو کرلی گئی تھی' روشی کی آواز سنائی دی۔

''ماموں کیسے ہیں اب؟''

''ٹھیک ہیں' خطرے والی کوئی بات نہیں۔ ہم گھر آرہے ہیں' رستے میں ہیں۔ ولی بھائی اور پھوپا اسپتال میں رک گئے ہیں۔'' اس کے ایک سوال پر اس نے بہت سنجیدگی سے تمام صورت حال بتائی اور مزید کچھ بھی کہے بغیر کال کاٹ دی۔

اس سے پہلے اس نے جتنی بھی کال کی تھیں روشی نے ایک بھی ریسیو نہ کی تھی' ماموں کی خیریت کا سن کر وہ پھر رو دی۔ ان کو کچھ ہو جاتا تو شاید وہ زندگی بھر خود کو بھی معاف نہ کرتی۔ وہ موبائل بستر پر پھینک کر واش روم میں گھس گئی۔ اس نے سوچا تھا کہ ماموں ٹھیک ہو گئے تو وہ نوافل ادا کرے گی' وہ وضو کر کے جائے نماز بچھا کر کھڑی ہو گئی تھی۔



آج رات بابا صاحب کے پاس عباس بھائی رک گئے تھے' مصطفیٰ گھر پر ہی تھا۔ وہ لیٹ آفس سے آیا تھا' کچھ فائلز اس کے پاس تھیں۔ وہ کھانا کھانے کے بعد اپنے کمرے میں بند ہو گیا تھا۔

شہوار کے پاس کرنے کو سو کام تھے' ابھی تک دونوں پھوپیاں اور دیگر رشتہ دار موجود تھے۔ صبا اور عائشہ بھی یہیں تھیں۔ دو تین دن سے رات گئے تک گفتگو کا سلسلہ چلتا رہا تھا۔ شاہ زیب صاحب سارا دن کی بھاگ دوڑ سے تھک چکے تھے وہ تو کمرے میں سونے جا چکے تھے باقی سبھی لاؤنج میں ہی براجمان تھے۔ کچن کا سارا کام مکمل کر کے شہوار بھی وہیں آ گئی تھی۔

''مصطفیٰ بھائی کچھ زیادہ بزی نہیں ہو گئے۔'' عائشہ کو مصطفیٰ کی غیر موجودگی فوراً محسوس ہوئی تو کہا۔

''کوئی فائل ہے جس پر وہ کام کر رہے ہیں۔ کہہ رہے تھے کہ کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔ میرے سوالات سے تنگ آ کر مجھے بھی کمرے سے نکال دیا۔'' شہوار جو اس بات پر خفا تھی' سو خفگی سے کہا تو عائشہ ہنس دی۔

''میں بلا کر لاتی ہوں' ایسی بھی کیا جاب کی مصروفیات کہ بندہ بہن بھائیوں سے بھی ملنے سے جائے۔'' عائشہ بولتی ہوئی اٹھ گئی۔ عاصمہ اور دریہ آپس میں باہر کا کلچر ڈسکس کر رہی تھیں۔ ماں جی اور دونوں پھپھو کسی خاندانی مسئلے کو چھیڑے ہوئے تھیں جبکہ لائبہ' صبا اور عائشہ اپنے اپنے شوہر کے قصے لے کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ مرد حضرات کی اپنی باتیں تھیں' ایسے میں شہوار کو مصطفیٰ کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی' کچھ دیر بعد عائشہ زبردستی مصطفیٰ کا ہاتھ پکڑے کھینچ کر لے ہی آئی تھی۔

''لو شہوار! تمہارے مجرم کو میں نے تمہارے سامنے لا کر پیش کر دیا ہے اب تم جلدی سے سزا سناؤ۔'' سبھی ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ شہوار جھینپی' جبکہ ماسوائے دریہ کے باقی سب ہنس دیئے تھے۔

شادی کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ وہ دونوں یوں سب کے درمیان موجود تھے۔

''کیسی سزا' کیا کیا ہے میں نے؟'' مصطفیٰ نے عائشہ کو گھورا۔

''بقول آپ کی بیگم کے آپ ان کو بالکل بھی ٹائم نہیں دیتے' سارا سارا دن آفس فائلز اور دوسرے کام۔'' عائشہ نے شرارت سے دونوں کو دیکھتے کہا تو شہوار نے گھورا۔

اس نے تو کسی اور معنوں میں اسے یہ بتایا تھا' کیا پتا تھا کہ وہ یہ سب کے سامنے کہہ دے گی۔

بھلا کوئی رسالت کا قدر دان نہیں ہے؟

کفار نے چھاپے ہیں میرے نبی ﷺ کے خاکے
بھلا کوئی رسالت کا قدر دان نہیں ہے؟
پھر سے اس ظالم کو ہوئی کیسے یہ جرأت
کیوں بنایا اسے عبرت کا نشان نہیں ہے
پوچھتے ہو میرے آقا ﷺ کی عظمت کیا ہے
کیا تم میں کسی نے پڑھا قرآن نہیں ہے؟
وہ خیر البشر اللہ کے محبوب پیارے
کیا نبی ﷺ رحمت جہان نہیں ہے
وہ میرا محمد ﷺ وہ احمد قوموں کا ہادی
کوئی تمہیں یاد ان کا احسان نہیں ہے؟
کامل وہ اکمل وہ رحیم وہ عادل
کچھ تو بولو منہ میں تمہارے زبان نہیں ہے
کوئی تو ہو جو آنکھیں دکھا کر پوچھے
کیا کوئی عقل مند حکمران نہیں ہے؟
تاج فہم اسلام گر ہم میں آجائے
پھر دیکھنا کیسے بھاگتا شیطان نہیں ہے

نورین لطیف.....ٹوبہ ٹیک سنگھ

"میں نے ایسا کب کہا ہے؟" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے اسے دیکھا تو اس نے جواباً عائشہ کو دیکھا۔
"یہ کیا سن رہی ہوں مصطفیٰ تم شہوار کو ٹائم نہیں دیتے؟" ماں جی بھی فوراً چہیتی بہو کے حق میں ایک دم سنجیدہ ہوگئی تھیں۔
"ایسا کچھ بھی نہیں ماں جی! بابا صاحب کی وجہ سے کچھ زیادہ بزی ہوگیا ہوں اوپر سے آفس کے جھنجٹ، گھر پر جتنا وقت ملے گا اب اتنا ہی گزار سکتا ہوں۔" وہ سجاد کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔
"پھر بھی گھر پر توجہ دیا کرو، آفس کے کام آفس تک ہی رکھو۔ نئی نئی شادی ہے تمہاری، گھومو پھرو تم تو شہوار کو لے کر کہیں گئے بھی نہیں۔" ماں جی نے سنجیدگی سے ٹوکا۔
"آپ کے سامنے ہی ہے سب کچھ ماں جی! فارغ کب ہوتا ہوں میں۔" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔
"ہمارے ہاں بھی دعوت پر نہیں آئے آپ، کئی کالز کی تھیں میں نے مجال ہے جو ایک بھی سنی ہو۔" صبا کو بھی فوراً اپنا شکوہ یاد آیا۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔
"ایک دو کیسز ہیں وہ دیکھ لوں پھر کچھ فارغ ہوا تو ان شاء اللہ سب کے گلے شکوے دور کر دوں گا۔" شہوار کی طرف دیکھ کر اس نے کہا تو وہ مسکرا دی۔
"بابا صاحب تو اب بہتر ہیں ان شاء اللہ ایک دو دن میں گھر بھی آجائیں گے۔ مصطفیٰ کا ولیمہ بھی نیٹ ہوتا

جارہا ہے۔ میں سوچ رہی ہوں' بابا صاحب کی طبیعت سنبھلتی ہے تو یہ نیک فریضہ بھی سرانجام دے دیتے ہیں۔''
مہرالنساء زمنب پھپھو سے مخاطب ہوئیں۔

''تو اور کیا سب ہی لوگ کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ مصطفیٰ کا ولیمہ کب ہوگا؟'' لائبہ بھابی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔''ہم تو بڑی دھوم دھام سے ولیمہ کریں گے۔'' مصطفیٰ بھض مسکرا دیا۔

''میرے یہ جو چند کام ہیں وہ نبٹ جائیں تو پھر رکھ لیجیے گا کوئی تاریخ' لیکن ابھی میں بہت بزی ہوں۔ ابھی کچھ بھی فائنل نہ کیجیے گا۔''

''کام کا بہانہ تو مت بناؤ' آج یہ کیس نبٹا تو اگلے دن کوئی نیا لل جائے گا۔ تمہارے بابا کے ساتھ ساری عمر گزاری ہے لیکن فرصت کبھی نہ ملی ان کو۔ وہ تو اللہ اللہ کرکے انہوں نے وقت سے پہلے ریٹائرمنٹ لی اور بزنس شروع کیا تو گھر والوں کے لیے اب کچھ وقت نکال لیتے ہیں۔'' مصطفیٰ مسکرا دیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ماں جی کو یہ پروفیشن بالکل بھی پسند نہیں۔

''چلیں کوشش کروں گا لیکن ابھی بالکل بھی فری نہیں ہوں۔'' وہ ماں جی سے کہہ کر سجاد اور حماد کے ساتھ باتوں میں شریک ہوگیا۔ کچھ دیر بعد امجد خان کی کال آگئی تو وہ اٹھ کر آ گیا تھا' شہوار کمرے میں آئی تو مصطفیٰ الماری کھولے کھڑا تھا۔ وہ کچھ فائلز نکال کر دیکھ رہا تھا۔

''ادھر میں نے ایک گرین والی فائل رکھی تھی؟'' مصطفیٰ نے اسے دیکھتے ہی پوچھا' وہ چڑ گئی۔

''ہر وقت فائلز' آفس کالز' بھاگ دوڑ کوئی اور کام نہیں آپ کو۔'' مصطفیٰ نے اسے دیکھا' وہ ناگواری سے فائلز کو دیکھ رہی تھی جو اس نے ہاتھ میں تھام رکھی تھی۔

''یہ سب میرے کام کا لازمی حصہ ہے ان سب سے تو تمہیں سمجھوتہ کرنا ہوگا۔''

''بشرطیکہ یہ کام صرف آفس تک ہی محدود رہیں تو۔'' شہوار نے ناراضگی سے کہا تو وہ مسکرایا۔

''لیکن اس وقت مجھے گرین فائل کی اشد ضرورت ہے وہ مل نہیں رہی۔'' مصطفیٰ نے کہا تو شہوار نے قریب آکر خود الماری کا پٹ وا کرکے دیکھا تو فائل وہاں نہیں تھی۔ اسے یاد تھا کہ اس نے خود الماری کی صفائی کرکے ساری فائلز ایک جگہ رکھی تھیں۔ پھر لاکر دیکھا' لاکر میں فائل موجود تھی شاید مصطفیٰ یا پھر اس نے خود ہی یہاں رکھ دی تھی' اس نے فائل نکال کر مصطفیٰ کو تھمائی۔

''یہ لیں۔''

''شکر ہے مل گئی' امجد خان نے یہ سارا کیس اور اس سے متعلقہ معلومات اکٹھی کی تھیں' اب مجھے اس فائل کی ضرورت تھی۔'' وہ فائل لے کر دوسری فائلز واپس الماری میں رکھنے لگا۔ شہوار سنجیدگی سے مصطفیٰ کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔

''کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے آپ کی یہ جاب میری سوتن ہے۔'' شہوار کا انداز بے پناہ خفگی لیے ہوئے تھا۔ مصطفیٰ نے پلٹ کر دیکھا وہ بستر کی چادر درست کر رہی تھی۔ مصطفیٰ بے اختیار مسکرا دیا' وہ آج کل بے پناہ مصروفیت کے سبب شہوار تو کیا کسی کو بھی ٹائم نہیں دے پا رہا تھا۔ مصطفیٰ نے ایک نظر ہاتھ میں تھامی فائل کو دیکھا اور پھر ڈریسنگ کے سامنے کھڑے ہو کر بالوں سے کیچر اتارتی شہوار کو اور پھر مصطفیٰ شہوار کی طرف چلتا۔

''بڑی شکایتیں لگا رکھی ہیں تم نے میری ماں جی اور عائشہ سے۔'' وہ برش لے کر بالوں میں پھیرنے لگی تھی مصطفیٰ نے کندھوں سے تھامتے مسکرا کر پوچھا۔

رشک وفا

السلام علیکم! قارئین کیا حال ہے؟ یقیناً ٹھیک ہوں گے اب آتی ہوں اپنے تعارف کی طرف تو جناب میرا نام (سوری) میرا تخلص رشک وفا ہے۔ گجرات کے ایک گاؤں برنالی سے تعلق ہے بائیس جولائی بروز جمعتہ المبارک کی ایک تپتی دوپہر میں اس دنیا میں تشریف آوری ہوئی۔ چار بہن بھائی ہیں اور میں سب سے چھوٹی ہوں اس لیے لاڈلی بھی ہوں۔ بڑے بھائی وقاص کی تو سب سے زیادہ لاڈلی ہوں۔ کھانے میں بریانی اور چکن کی ہر چیز اچھی لگتی ہے۔ کلرز میں بلیک اینڈ وائٹ موسٹ فیورٹ ہے اینڈ بیسٹ فرینڈز بہت سی ہیں کچھ کے نام یہ ہیں فوزیہ اقراء آنسہ مقدس بھابی رضوانہ فوزیہ شادی کی بہت بہت مبارک ہو۔ لباس میں گھیر دار فراک اور چوڑی دار پاجامہ موسٹ فیورٹ ہیں۔ ایکٹرز میں شاہ رخ خان فیصل قریشی اور سنگرز میں عاطف اسلم، رحت فتح علی خان اور ثریا گھوشال موسٹ فیورٹ ہیں۔ غزلیں سننا اور لکھنا اچھا لگتا ہے۔ آخر میں اپنی پیاری آپی سحرش کو سلام اور بہت بہت پیار اپنی ڈیرسٹ ہادیہ کو ڈھیر سارا پیار اور ارمان جانی دنیا میں ویلکم او کے رب دا کھا ٹیک کیئر۔

''میں نے کوئی شکایت نہیں لگائی۔'' اس نے چڑ کر کہا۔

''ہاں ماں جی اور عائشہ کو تو میں نے بتایا ہوگا کہ میں تمہیں ٹائم نہیں دے رہا۔'' شہوار نے آئینے میں دیکھا مصطفیٰ اسے دیکھتے مسکرا رہا تھا۔

''عائشہ آپ کی روٹین پوچھ رہی تھی میں نے تو عام انداز میں ہی بتایا تھا اب ان دونوں نے یہ سمجھ لیا کہ آپ مجھے ٹائم نہیں دے رہے تو اس میں غلط کیا ہے؟''

''اُف یہ شکوے......؟'' مصطفیٰ نے ہنس کر اس کے ہاتھ سے برش لے کر واپس ڈریسنگ پر رکھا اور پھر گہری سانس لے کر کہا۔

''چلو آؤ آج سب فائلز ایک طرف رکھ کر تمہارے سب شکوے دور کر دیتا ہوں۔'' مسکرا کر شرارت سے کہا تو وہ جھینپ گئی۔

''رہنے دیں خوامخواہ آپ کا حرج ہوگا۔'' اس نے پہلو بچانا چاہا تو مصطفیٰ نے گھورا۔

''دیکھو میں تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر فوراً تمہاری خدمت میں حاضر ہوگیا ہوں اب تم خود ہی پہلو بچا رہی ہو۔'' مصطفیٰ نے دونوں کندھوں سے تھام کر اپنے سامنے کرتے مسکرا کر کہا تو وہ ہنس دی۔ بڑی دلکش معطر جھلملاتی سی ہنسی تھی۔

''ذرہ نوازی ہے آپ کی۔'' مصطفیٰ کو دیکھتے اس نے شرارت سے کہا تو مصطفیٰ نے بے اختیار اسے اپنے اور بھی قریب کرلیا۔

''اور کیا کیا شکوے ہیں وہ بھی کہہ دو۔'' شہوار کے بالوں کو انگلیوں سے چھیڑتے اس نے کہا تو وہ شرمائی۔

''کہا تو ہے ایسی کوئی بات نہیں۔'' مصطفیٰ نے مسکرا کر دیکھا۔

''مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں لیکن جب آپ اس طرح گھر کو بھی آفس بنا لیتے ہیں تو الجھن ہوتی ہے۔''

''ان چند دنوں میں، میں کچھ زیادہ ہی بزی ہوگیا ہوں شاید خیر کوشش کروں گا کہ آئندہ گھر اور آفس کی روٹین کا خیال رکھوں۔'' وہ مسکرا دی۔

مصطفیٰ سے قدرے پرے ہٹ کر دوبارہ برش اٹھا کر بالوں میں پھیرنے لگی تھی۔

''اچھا آپ سے ایک بات کرنی ہے۔'' شہوار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تو واپس پلٹتا مصطفیٰ رک گیا۔

''ہاں کہو۔''

''یہ دریہ واپس کب جائے گی؟'' اس نے سرسری سے انداز میں پوچھا لیکن لہجے میں کچھ ایسی بے زاری تھی کہ مصطفیٰ ٹھٹک گیا۔

''کیوں خیریت؟''

''کافی عرصہ ہوگیا ہے اسے یہاں آئے ہوئے' جس مقصد کے لیے وہ یہاں آئی ہے وہ تو ہوتا نظر نہیں آرہا پھر وہ یہاں کیوں رکی ہوئی ہے؟'' مصطفیٰ نے گہرا سانس لیا اور پلٹ کر بستر پر جا بیٹھا۔

''اب اس کی مرضی' وہ کچھ عرصہ مزید رکنا چاہتی ہے' زبردستی تو کوئی نہیں کرسکتا نا۔'' مصطفیٰ کا انداز سرسری سا تھا۔ شہوار نے برش رکھ کر بالوں کو دوبارہ کیچر میں جکڑ لیا۔

''لیکن اس طرح اس کے یہاں رہنے کی بھی تو کوئی وجہ نہیں ہے نا۔'' شہوار کے لہجے میں ناگواری تھی' مصطفیٰ چونکا۔

''کیا بات ہے کوئی پریشانی ہے' پھر کچھ کہا ہے اس نے؟'' مصطفیٰ دریہ کا شہوار سے متعلق رویہ اچھی طرح دیکھ چکا تھا اس لیے فوراً متوجہ ہوا تھا۔ شہوار سنجیدگی سے چلتے بستر پر آ بیٹھی تھی۔

''اس کا میرے ساتھ رویہ بہت خراب ہوتا ہے' ہر وقت کوئی نہ کوئی طنز' خاندان کو لے کر بحث کرنا' آتے جاتے جملے کسنا' میں اب تک برداشت کررہی تھی لیکن اب اس نے جو روٹین اپنائی ہے وہ برداشت نہیں ہورہی مجھ سے۔''

''تم نے پہلے کیوں نہیں ذکر کیا' میں سمجھا تھا کہ میرے ایک بار کے خبردار کرنے اور اچھی طرح سمجھا دینے کے بعد اسے عقل آ گئی ہوگی۔'' مصطفیٰ واقعی حیران ہوا تھا۔

''میں اپنی وجہ سے کوئی بدمزگی نہیں چاہتی' آپ نے شاید نوٹ کیا ہو یا نہیں لیکن دریہ آپ کو لے کر میرے ساتھ بہت غلط برتاؤ کر جاتی ہے اور جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کرتی ہے کہ مجبوراً مجھے خاموش ہو جانا پڑتا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا تو مصطفیٰ پرسوچ انداز میں سر ہلا گیا۔

''میں ماں جی سے ذکر کروں گا وہ اسے سمجھائیں گی تم ٹینشن نہ لو۔'' مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے کہا تو وہ مسکرائی۔

وہ تو اس دن سے ہی دریہ کی گاڑی میں مصطفیٰ کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ جانے والی حرکت سے پریشان ہوگئی تھی۔ وہ مصطفیٰ سے فوراً بات کرنا چاہتی تھی لیکن مصطفیٰ فری ہی نہ تھا اب موقع ملا تو اس نے فوراً یہ موضوع چھیڑ دیا تھا۔

''اور مجھے آپ کا دریہ کو امپورٹنس دینا بھی اچھا نہیں لگتا۔'' اس نے صاف لفظوں میں دل کی بات کی تو مصطفیٰ ایک دم حیران ہوا' اس نے سنجیدگی سے شہوار کو دیکھا وہ سنجیدہ تھی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''گھر میں ڈرائیور ہے اور باقی لوگ بھی ہوتے ہیں لیکن باہر کہیں بھی آنا جانا ہو فوراً آپ کو کہتی ہے خصوصاً لیٹ نائٹ۔'' شہوار نے کہا تو مصطفیٰ نے گہرا سانس خارج کیا۔

''چھوڑو یار! وہ کزن ہے میری اس کی تمام تر بے وقوفیوں کے باوجود میں اسے ایک دم انکار نہیں کرسکتا۔''

گیا آسمان سے پرندہ

زمین پر چل نہ سکا اور آسمان سے بھی گیا
کٹا کے پر وہ پرندہ اڑنے سے بھی گیا
بھولا دیا تو بھولنے کی انتہا کردی
اب میں اس شخص کے وہم و گماں سے بھی گیا
کسی کے ہاتھ سے نکلا ہوا تیرا ہوں میں
جو ہدف کو چھو نہ سکا اور کمان سے بھی گیا
تباہ کرگئی مجھے پکے مکان کی خواہش
میں اپنے گاؤں کے کچے مکان سے بھی گیا
پرائی آگ میں کودا تو کیا ملا تجھ کو عادی
اسے بچا نہ سکا اور اپنی جان سے بھی گیا

صنعاء سندھو...... حضرت کیلیانوالہ

شہوار نے خفگی سے دیکھا تو مصطفیٰ نے مسکرا کر کہا۔

''یار وہ کم عقل سی ابروڈ کی بگڑے مزاج کی لڑکی ہے' تم کیوں پریشان ہورہی ہو چلی جائے گی واپس۔ وہ یہاں ٹھہرنے تھوڑی آئی ہے۔ میں بھی اس سے واضح بات کرچکا ہوں اب بار بار ایک ہی بات دہرانا اچھا نہیں لگتا' اگر تم اس کو لے کر جیلس ہورہی ہو تو یہ اور بات ہے۔'' بات کرتے کرتے مصطفیٰ آخر میں کچھ شرارتی ہوا تو شہوار نے گھور کر دیکھا۔

''میں کوئی جیلس ویلس نہیں ہورہی اور نہ ہی مجھے اس سے کوئی ذاتی پرخاش ہے لیکن جب وہ منہ اٹھائے ہمارے کمرے میں گھسے گی' کہیں بھی آتے جاتے بلاوجہ آپ کو ساتھ گھسیٹے گی تو مجھے اچھا نہیں لگے گا اور مجھ پر بلاوجہ کی تنقید آتے جاتے طنز کرے گی تو میں بھی خاموش نہیں رہوں گی پھر۔'' بے پناہ خفگی سے کہا تو مصطفیٰ زور سے ہنس دیا۔

''میں تو سمجھتا تھا تم خاصی منفرد سی لڑکی ہو لیکن در یہ والے معاملے سے لگ رہا ہے کہ چاہے لڑکی کسی بھی طبقے کی ہو شوہر کے معاملے میں جذبات ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔'' شہوار کی خفگی سے مصطفیٰ نے حظ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''ویسے تھوڑا مزاج بدل لے اور ہر وقت شو آف رہنے کی بجائے ہم سب میں گھل مل جائے تو در یہ اتنی بری بھی نہیں' چھوٹے موٹے افیئر کے بارے میں سوچا جاسکتا ہے۔'' مصطفیٰ نے شرارتی انداز میں کہا تو شہوار ایک دم بپھیر ہی۔

''آپ...... آپ......''

''دیکھو بھئی شریعت میں تو چار شادیاں بھی جائز ہیں ویسے میں افورڈ بھی کرسکتا ہوں اب جب کہ وہ خود لفٹ کرواتی ہے تو کیا حرج ہے۔'' مصطفیٰ کے الفاظ پر وہ واقعی سنجیدہ ہوگئی تھی۔

''مصطفیٰ پلیز...... خبردار آپ نے ایسا سوچا بھی تو۔ اگر آپ مذاق میں بھی ایسی کوئی بات کہیں گے تو مجھ سے

بُرا کوئی نہیں ہوگا۔" شہوار نے سنجیدگی سے کہا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔

"سوچنے میں کیا حرج ہے؟"

"پلیز مصطفیٰ۔" اس نے چڑ کر کہا تو مصطفیٰ نے ہنس کر اس کا ہاتھ تھام کر پھر خود سے قریب کرلیا۔

"تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے رعب میں آجاؤں گا۔" شہوار نے خفگی سے دیکھا' مصطفیٰ نے شرارت سے اس کی ناک دبائی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے میں کوئی کم عمر بچہ ہوں جو دریہ جیسی لڑکی کی اداؤں سے گھائل ہوجائے گا اور انگلی پکڑ کر وہ جدھر لے چلے گی میں چل دوں گا۔" مصطفیٰ نے مسکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا تو وہ گہرا سانس لیتے نفی میں سر ہلاگئی۔

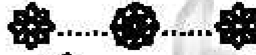
"تو پھر پریشان کیوں ہوتی ہو؟ نظر انداز کردیا کرو' جیسے میں اسے کردیتا ہوں ہاں جب بات میرے کنٹرول میں نہ ہوئی تو میں اسے ٹوک دوں گا۔ بی کول یار اور یہ جیسی لاکھوں بھی آجائیں تو بھی مجھ جیسے شخص کو اپنی طرف مائل نہیں کرسکتیں۔"

"مجھے اپنی قسمت سے ڈر لگنے لگا ہے' دریہ جب مجھے خاندان اور بے نام ونشان ہونے کے طعنے دیتی ہے تو اتنا غلط بھی تو نہیں کہتی۔" اس کے اندر وہی پرانا احساس کمتری عود کر آیا تھا' مصطفیٰ نے جواباً گھورا۔

"اُف' وہی باتیں یعنی تمہیں مجھ پر اور میری محبت پر کوئی اعتبار نہیں۔" مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"آپ پر اعتبار نہ ہوتا تو ابھی یہ سب آپ سے نہیں کہہ رہی ہوتی۔"

"تو پھر ذہن سے ہر خدشہ مٹا کر خوش رہا کرو' اس دل میں صرف ایک لڑکی کی محبت نے جگہ بنائی ہے اور اس کا نام مسز شہوار مصطفیٰ ہے اور اس کے بعد اس دل کا دروازہ سختی سے بند ہوگیا ہے۔ اب اس دل میں اور کوئی نہیں آسکتا۔" مصطفیٰ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر بڑے اسٹائل میں ڈائیلاگ ادا کیا جبکہ وہ ایک دم ہنس دی۔ جھلملاتی ہنسی مصطفیٰ کو لگا اس کی روح تک سیراب ہوگئی ہو۔ اس نے بہت محبت ونرمی سے شہوار کو اپنی ذات میں سمیٹ لیا۔



ضیاء صاحب کی طبیعت کافی بہتر تھی' ولید کے علاوہ سب ہی گھر پر تھے۔ انا سارا وقت کمرے میں قید رہی تھی۔ احسن اور روشی سمیت سب کو ہی صورت حال کا علم ہوچکا تھا۔ احسن کا بس نہیں چل رہا تھا کہ یا تو انا کا دماغ درست کردے یا پھر اس حماد کو جا دبوچے جس کی وجہ سے یہ سارا کھڑاک پیدا ہوا تھا۔ وہ انا کے کمرے میں آیا تو وہ دیوار سے ٹیک لگائے قالین پر بیٹھی ہوئی تھی' اسے دیکھ کر سیدھی ہوگئی تھی۔ احسن نے دیکھا اس کا چہرہ ستا ہوا اور آنکھیں متورم اور سرخ تھیں۔

"کیوں کررہی ہو تم ایسا؟" احسن نے پوچھا تو اس نے خاموشی سے سر جھکالیا۔

"کیا کمی ہے ولید میں؟" دوسرا سوال کیا۔

"انا...... کچھ دیر بعد وہ چیخا۔ "جواب دو مجھے خاموش کیوں ہو؟" اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے مقابل کھڑا کرتے اسے بغور دیکھتے اس نے پھر پوچھا۔ "جواب دو انا! میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔" احسن نے پھر کہا۔

"کیوں کررہی ہو تم ایسا؟" وہ پھر خاموش رہی تھی اس طرح سر جھکائے مہر بہ لب۔

"جانتی ہو کتنا بھروسہ کرتا تھا تم پر میں فخر کیا کرتا تھا تم پر میں سمجھتا تھا کہ میری بہن عام لڑکیوں جیسی نہیں ہے۔

آج تک میں نے تمہاری کوئی بات نہیں ٹالی اور اب ایک دم سے یہ تماد چلا آیا' کیوں؟'' وہ پوچھ رہا تھا' انا سر جھکائے کھڑی تھی۔ احسن نے بڑی بے بسی سے اسے دیکھا۔

''ماموں کی طبیعت مسلسل خراب ہے' مرتے مرتے بچے ہیں وہ' تمہاری اور ولید کی شادی ان کی زندگی کا خواب تھا۔'' احسن نے کہا تو انا کے اندر شدید اذیت نے سر اٹھایا۔

''ہر انسان کو اپنی مرضی سے اپنی زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے' اگر میں نے اپنے دل کی خوشی کی خاطر اپنا حق استعمال کیا ہے تو آپ سب کو میرا ری ایکشن اتنا بُرا کیوں لگ رہا ہے۔ یہ میری زندگی ہے' میں جو چاہے فیصلہ کروں' کسی کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ میرے معاملے میں بولے۔'' اندر کی اذیت کا طوفان ایک دم پھٹا تھا۔ وہ ہیجانی انداز میں بولی تھی' احسن ششدر رہ گیا تھا۔

''تمہارا دماغ ٹھیک ہے' جانتی ہو کیا کہہ رہی ہو؟'' اس کے الفاظ پر ایک دم مشتعل ہوتے احسن نے اس کا بازو جھنجوڑا۔

''بہت اچھی طرح۔'' احسن کی گرفت سے اپنا بازو کھینچ کر پیچھے ہٹتے اس نے بے رحمی سے کہا۔ احسن حیرت زدہ رہ گیا تھا اس نے بغور انا کو دیکھا وہ اس کی طرف سے رخ موڑ گئی تھی۔

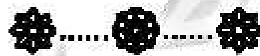
انا بہت بدلی بدلی' بدتمیز اور گستاخ محسوس ہو رہی تھی' احسن کو اس وقت وہ بہت بُری لگ رہی تھی۔

''میں جان سے مار دوں گا اگر اب تم نے ایسا کچھ بھی کہا تو۔'' احسن نے بہت غصے سے کہا تو انا طنزیہ ہنسی۔

''یہ بھی کرکے دیکھ لیں' اگر اس طرح مجھے مار کر آپ لوگوں کو سکون مل جائے تو کرلیں۔'' احسن حیرت سے گنگ رہ گیا' انا واش روم بند ہوگئی تھی۔ احسن نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں...... یہ واقعی ان کی انا نہیں تھی' وہ تو بہت مختلف لڑکی تھی۔ انتہائی بااخلاق اور باکردار۔ احسن نے آج تک اس کے کردار میں ہلکا سا جھول تک نہ دیکھا تھا' وہ تو ہمیشہ اپنے کردار کے معاملے میں بہت پکی رہی تھی پھر ایک دم یہ سب کیسے ہوگیا تھا۔

وہ اس قدر کیونکر بدل گئی تھی اتنی جلدی کہ کسی کو خبر بھی نہ ہوسکی تھی۔ احسن بے یقینی میں گھرا مسلسل واش روم کے بند دروازے کو گھور رہا تھا۔



سہیل بھائی پاکستان آچکے تھے' شادی کی تیاریوں میں زور و شور سے اضافہ ہوچکا تھا۔ رابعہ آفس نہیں جا رہی تھی' ثریا بیگم اس کے آفس چھوڑ دینے پر مطمئن ہوگئی تھیں۔ رابعہ بہت مطمئن تھی' فیس بک پر اپ لوڈ ہونے والی تصاویر والا معاملہ اس کے گھر والوں اور ابوبکر کے علم میں نہیں آیا تھا۔

وہ گھر کی صفائی بھابی کے ساتھ کروا کر فارغ ہوئی تو اس کے موبائل پر کال آنے لگی' آفس سے کال تھی۔ آفس چھوڑ دینے کے بعد کی فارمیلیٹیز مکمل کرتے اور اپنے واجبات کلیئر کروا لینے کے سلسلے میں آفس والوں نے بلوایا تھا' وہ امی کو بتا کر تیار ہوگئی تھی۔

سہیل بھائی گھر پر ہی تھے' ان کے ساتھ وہ آفس آگئی تھی۔ وہ سب سے ملتی ہیلو ہائے کرتے اپنے کیبن کی طرف چلی آئی تھی۔ وہ شادی کے کارڈز بھی ساتھ لائی تھی۔ اس کا کیبن ابھی بھی خالی تھا۔ سہیل بھائی کو وزیٹر روم میں بٹھا کر وہ سر عباس کے روم کی طرف چلی آئی اور دروازے پر ناک کرتے خود کو قدرے ریلیکس کیا۔ وہ بھلے آفس چھوڑ چکی تھی لیکن وہ اذیت ناک واقعہ ایسا تھا کہ وہ چاہ کر بھی اسے بھلا نہ پا رہی تھی۔

شگفتہ الطاف

ڈیئر قارئین اور آنچل اسٹاف کو میرا پیار بھرا سلام قبول ہو۔ ایسے آنکھیں پھاڑ کر کیا دیکھ رہی ہیں یہ میں ہوں شگفتہ الطاف۔ جی تو چلیں آپ سے اپنی ہستی کو متعارف کرواتی ہوں میرا نام تو جیسا کہ آپ جانتے ہی ہیں میں 10 اپریل 1999ء کو اس جہان فانی میں تشریف لا کر اس کی رنگینیوں میں اضافے کا باعث بنی۔ پچھلے کئی سالوں سے میں آنچل کی خاموش قاری ہوں اور اب باقاعدہ شرکت کرنے کا شرف حاصل کررہی ہوں۔ ہم آٹھ فیملی ممبرز ہیں تین بہنیں اور تین ہی بھائی ہیں اور میرا نمبر چوتھا ہے میٹرک کے امتحانات سے فارغ ہوں اور اب راوی چین ہی چین لکھ رہا ہے۔ سرخ گلاب بہت پسند ہے بارش بھی پسند ہے لیکن کیچڑ نہ ہو بس۔ سبھی رنگ پسند ہیں لیکن پنک اور اسکائی بلیو فیورٹ ہیں۔ کھانے میں بریانی بہت پسند ہے رائٹرز میں نازیہ کنول نازی، عشنا کوثر سردار، شریف طور، ام مریم، نبیلہ عزیز بہت جیسی ضیاء بہت پسند ہیں۔ بہت زیادہ فرینڈز بناتی ہوں (ارے) آپ ابھی سے بور ہو رہے ہیں ابھی تو میں نے انٹری دی ہے۔ بیسٹ فرینڈز میں شائستہ جمیل، ثریا جمیل اور اقراء کریم بخش شامل ہیں آخر میں دعا ہے کہ آنچل دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے اور اس مشکل آزمائش کے دور میں ہمیں صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ اب اجازت چاہوں گی اللہ حافظ۔

”لیس کم ان۔“ سر عباس کی آواز پر وہ اندر داخل ہوئی۔

”السلام علیکم سر!“ فائل میں مصروف سر عباس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تو چونکے۔

”ارے آپ وعلیکم السلام۔“ وہ ایک دم کھڑے ہوگئے تھے وہ ان کی ٹیبل کے پاس پہنچ کر کھڑی ہوگئی تھی۔

”کیسی ہیں آپ؟“ انہوں نے پوچھا تو وہ مسکرائی۔

”بیٹھیں نا۔“ وہ آہستگی سے ایک چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

”اور سنائیں کیا ہو رہا ہے آج کل؟“ عباس نے بڑی فرصت سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میرے بھائی پاکستان آئے ہوئے ہیں تو بس اسی سلسلے میں مصروف ہیں سب۔“

”زبردست مبارک ہو۔“

”تھینک یو سر!“ وہ مسکرائی۔ عباس نے اسے دیکھتے گہرا سانس لیا۔

وہ کئی دن بعد دکھائی دی تھی تو دل و نظر ایک دم بے قرار اور بے اختیار سے ہوگئے تھے۔

”مجھے آفس کی طرف سے کال آئی تھی؟“ اس نے کہا تو عباس نے سر ہلایا۔

”آپ نے یوں بالکل اچانک چھوڑ دیا تھا بس اسی سلسلے میں آپ کو کال کرنا پڑی آپ نیچے آفس میں وقار صاحب سے مل لیں میں کہہ چکا ہوں آپ کی پے کلیئر کردیں گے اور جو پچھلے چند ماہ کے الاؤنسز ہیں وہ بھی کلیئر کروالیں۔ اس کے بعد آفس ورک کے سلسلے میں جو فائلز آپ کے پاس تھیں وہ مس ہادیہ کو ہینڈ اوور کردیجیے گا۔ ابھی تک نیو اپائنمنٹ تو نہیں ہوئی لیکن یہ فائلز بہت ضروری تھیں، اس لیے بھی کال کرنا پڑی۔“ عباس نے کہا تو اس نے سر ہلایا۔

”کیا لیں گی چائے یا کافی؟“ عباس نے انٹرکام اٹھایا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”اٹس اوکے سر! آپ تکلف مت کریں میں بس زیادہ دیر نہیں رکوں گی۔“

”تکلف کیسا میں چائے منگواتا ہوں۔“ انہوں نے کہا تو وہ چپ ہوگئی۔ ”اکیلی آئی ہیں کیا؟“ عباس نے

قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

"نہیں سہیل بھائی ساتھ ہیں ان کو وزیٹر روم میں بٹھا کر آئی ہوں۔"

"ارے ان کو یہیں لے آتیں میں بھی مل لیتا ان سے۔"

"کوئی بات نہیں سر!" رابعہ کا انداز تکلف بھرا تھا۔

"عادلہ نے دوبارہ تو رابطہ نہیں کیا؟" عباس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں۔"

"وہ اب کرے گی بھی نہیں اس کا بھائی حوالات میں بند ہے آج کل میں جیل منتقل ہونے والا ہے اس کے باپ کی کنڈیشن بھی قابل گرفت ہے دھوکہ دہی اور فریب سے حاصل کردہ دولت اسی طرح بعض اوقات انسان کے لیے وبال جان بن جاتی ہے۔ عادلہ کو مصطفیٰ اچھی طرح سمجھا چکا ہے اس کے باوجود وہ پھر کوئی کم عقلی دکھائے گی تو نقصان اٹھائے گی۔" عباس نے کہا تو رابعہ نے گہرا سانس لیا۔ وہ اندر سے بے شک مطمئن تھی لیکن دل میں عادلہ کی طرف سے پھر کسی سازش کا خدشہ کلبلا رہا تھا۔

"بہرحال آپ مطمئن رہیں۔ عادلہ اب کچھ بھی نہیں کرے گی وہ مسلسل مصطفیٰ اور اس کے عملے کی نگرانی میں ہے اور دیگر سرگرمیوں پر کڑی نگاہ ہے اگر وہ کچھ الٹا سیدھا کرے گی بھی تو فوراً ایکشن لے لیا جائے گا۔" عباس نے بتایا تو رابعہ نے ایک اطمینان بھری سانس خارج کی۔

"تھینک یو سر!" وہ واقعی مشکور تھی۔

"اب شکریہ کہہ کر شرمندہ مت کریں آپ پر یہ ساری آفت میری ذات کے سبب ہی تو تھی۔ عادلہ یہ ساری انتقامی کارروائی میری وجہ سے ہی تو کر رہی تھی اور بدقسمتی سے آپ آلۂ کار بن گئیں۔" عباس نے سنجیدگی سے کہا تبھی ملازم چائے کی ٹرے لیے چلا آیا تھا۔ ٹرے لا کر اس نے ٹیبل پر رکھی ملازم چلا گیا تو عباس نے ٹرے اپنے سامنے رکھ لی۔

کپ میں گرم پانی ڈال کر دودھ اور چینی ڈال کر اس نے ٹی پیک ڈالا تھا کپ رابعہ کی طرف بڑھایا تو وہ مسکرائی۔

"شکریہ سر۔"

"یہ بھی لیں۔" عباس نے دیگر لوازمات بھی اس کے سامنے کر دیئے تھے۔ "آپ کی شادی کی تیاری کہاں تک پہنچی ہیں۔" اپنے لیے چائے بناتے عباس نے اسے دیکھا وہ جھینپ سی گئی۔

"ابوبکر گھر ڈیکوریٹ کر رہے ہیں ہماری طرف سے بھی تیاریاں مکمل ہیں۔ سہیل بھائی بھی آگئے ہیں باقی کام وہ دیکھ رہے ہیں۔"

"ابوبکر بہت اچھا لڑکا ہے ایک بار ہی ملا ہوں لیکن بہت متاثر ہوا ہوں۔ بہت محنتی اور خوددار انسان ہیں وہ۔" عباس نے خلوص دل سے کہا رابعہ کے چہرے پر ایک اطمینان اور فخر کا احساس ابھر رہا تھا۔ ابوبکر واقعی ایک نائس انسان تھا۔

"شادی کے کارڈ چھپ گئے؟"

"جی۔"

"کیوں بھئی ہمیں انوائٹ نہیں کر رہی ہیں؟" چائے کے سپ لیتے عباس نے پوچھا۔

غزل

معصوم محبت کا بس اتنا فسانہ ہے
کاغذ کی حویلی ہے بارش کا زمانہ ہے
کیا شرط محبت ہے کیا شرط فسانہ ہے
آواز بھی زخمی ہے اور گیت بھی گانا ہے
اس پار اترنے کی امید بہت کم ہے
کشتی بھی پرانی ہے طوفاں کو بھی آنا ہے
معصوم محبت کا بس اتنا فسانہ ہے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب جانا ہے

شگفتہ گل..... بھکر

"آپ آئیں گے؟"

"بالکل اگر آپ انوائٹ کریں گی تو؟" رابعہ نے اپنا بیگ کھولا تھا' کارڈ تو لائی تھی لیکن سب کو دینے کے باوجود سر عباس کو دینے پر ڈبل مائنڈ ہو رہی تھی۔ کہاں وہ اتنے بڑے آفس کے مالک اور کہاں وہ ایک عام سی لڑکی پتا نہیں وہ آئیں بھی کہ نہیں اب تک وہ اس کے ساتھ تعاون کر رہے تھے شاید عادلہ کی وجہ سے لیکن وہ اپنی اس قسم کی سوچ کا اظہار سر عباس کے سامنے نہیں کر سکتی تھی اس نے آہستگی سے کارڈ نکال کر سر عباس کی طرف بڑھا دیا۔

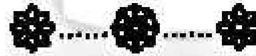
"نائس کارڈ۔" کارڈ بہت خوب صورت انداز میں پرنٹڈ تھا' عباس کھول کر دیکھنے لگا۔

"ہم ضرور آئیں گے۔" عباس نے مسکرا کر کہا تو وہ مسکرائی۔

"اگر کسی بھی قسم کی کوئی خدمت درکار ہو تو ضرور کہیے گا' یقین جانیئے گا ہمیں بہت خوشی ہوگی۔" عباس نے خلوص سے کہا۔

"نہیں سر ایسی کوئی بات نہیں' بس آپ شامل ہو جایئے گا میری فیملی اس پر بہت خوش ہو جائے گی۔"

"چلیں ان شاء اللہ ضرور آئیں گے۔" عباس نے پھر یقین دہانی کروائی اس نے محض سر ہلا دیا تھا۔



وہ بہت دن بعد کالج آئی تھی۔ اتنے دنوں کی غیر حاضری کے بعد دوبارہ آنا تقریباً سب ہی لڑکیوں اور جاننے والوں نے خیریت دریافت کی تھی۔ شہوار نے جس لڑکی سے بھی کال پر رابطہ کر کے انا کی گمشدگی کے بارے میں پوچھا تھا وہ سب ہی متجسس تھیں۔ وہ ان کو ٹالتی رہی تھی' باقی وقت کلاسز لینے اور معروفیت میں گزرا تھا' وہ کالج سے گھر آئی تو پھر وہی روٹین تھی۔ روشی گھر پر تھی ہلکی پھلکی سی چہل پہل تھی' ماموں گھر آچکے تھے ان کی طبیعت کافی سنبھل چکی تھی تاہم وہ اپنے کمرے میں ہی تھے۔ وہ ان کے سامنے نہیں گئی تھی' عجیب سا گلٹ محسوس ہوتا تھا' گھر والوں سے اس کی مکمل بات چیت بند تھی۔ وہ چینج کر کے کچن میں آئی تو ٹھٹک گئی۔

ولید کرسی پر بیٹھا ہوا تھا روشی اس کے سامنے کھانا رکھ رہی تھی۔ بہت دن بعد وہ یہ منظر دیکھ رہی تھی ورنہ اتنے دنوں میں ولید سارا وقت ہسپتال میں ہی رہتا تھا۔ انا اندر داخل ہوئی تو روشی نے خاموشی سے اسے دیکھا' ولید کی بھی نگاہ پڑی تھی اس نے لب دانت تلے دبا لیے تھے۔

انا دونوں کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے فریج کی طرف بڑھی تھی۔ بہت دنوں بعد کچھ کھانے پینے کو دل کر رہا تھا ورنہ گزرے دنوں میں تو کھانا پینا ایک طرف وہ تو سونا تک بھول چکی تھی۔ شاید سارا دن کالج میں مصروف رہنے کا نتیجہ تھا کہ ذہن گزرے دنوں والی کشمکش میں نہیں تھا۔ فریج میں پھل اور جوسز کے پیک موجود تھے اس نے فریج بند کیا۔ ان کے ہاں دوپہر میں کھانا فریش بنتا تھا' ماموں کی طبیعت کے مطابق ہلکا پھلکا کھانا ہوتا تھا' اس کے علاوہ ماما کے بوتیک اور احسن کے آفس بھجوانے کے لیے بھی کھانا پکتا تھا جو روزانہ ڈرائیور دے کر آتا تھا۔ وہ چولہے کی طرف بڑھی تو روشی پاس چلی آئی۔

''تم بیٹھو میں کھانا نکال دیتی ہوں۔'' ماموں کی طبیعت کی خرابی کے بعد یہ پہلا جملہ تھا جو روشی نے کہا تھا۔

''نہیں میں کرلوں گی۔'' پتا نہیں اجنبیت مزاج میں آئی تھی یا حالات میں انا گزرے دنوں میں مکمل طور پر بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔ روشی نے اسے بغور دیکھا۔

دوپٹہ کندھوں پر ڈالے ڈھیلے ڈھالے لباس میں وہ جیسے ساری دنیا سے بے زار تھی' چہرے پر کسی بھی قسم کا کوئی تاثر نہ تھا۔ روشی نے بغور دیکھا تو دل دکھنے لگا' انا کا چہرہ زرد اور کملایا ہوا تھا' آنکھوں کے گرد حلقے تھے۔ وہ ہمہ وقت فریش اور تروتازہ دکھائی دینے والی لڑکی اس وقت سخت بے زار اور مرجھائی ہوئی تھی۔

انا نے چولہے پر رکھے برتن دیکھے بریانی کے علاوہ سالن بھی تھا اور ماموں کے لیے علیحدہ سے پرہیزی کھانا' اس نے خاموشی سے پلیٹ میں تھوڑی سی بریانی نکالی تھی روشی اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

''بابا کو کچھ ہلکا پھلکا کھلا کر میڈیسن دے دو۔'' ولید نے سنجیدگی سے یوں مسلسل انا کو دیکھتی روشی کو دیکھا اور پھر ناگواری سے ٹوکا۔

''میں دیکھتی ہوں۔'' وہ کہہ کر فوراً فریج کی طرف بڑھی تھی۔ سیب نکال کر پلیٹ میں رکھ کر وہ پلٹی تو چونکی انا ٹرے میں اپنے لیے تھوڑی سی بریانی اور پانی کا گلاس رکھ رہی تھی۔

''یہ رائتہ اور کباب بھی رکھے ہوئے ہیں لے لو۔'' اسے یونہی ٹرے اٹھائے دیکھ کر روشی نے کہا۔

''اٹس اوکے۔'' وہ کہہ کر کچن سے نکل گئی تھی۔ روشی کے اندر عجیب سے انداز میں کچھ ٹوٹا تھا۔ وہ ابھی تک یہ سب کوئی خواب سمجھ کر یقین کرنے پر آمادہ ہی نہیں ہو پا رہی تھی لیکن آج اتنے دنوں بعد انا کا رویہ اور پھر اس کی حالت دیکھ کر اس کے دل کو سخت اذیت ہو رہی تھی۔ فریج بند کر کے وہ پلٹی تو ٹھٹکی' ولید ابھی تک بالکل ویسے ہی بیٹھا ہوا تھا۔

اس نے جو تھوڑا بہت کھانا پلیٹ میں ڈالا تھا وہ جوں کا توں تھا' ولید نے سختی سے لب بھینچ رکھے تھے اور چمچ سے پلیٹ میں رکھے' کباب کے پیسز کر رہا تھا' سر جھکا ہوا تھا۔ وہ اس کے چہرے سے کچھ اندازہ نہ لگا پائی تھی۔ روشی نے ٹوکنا چاہا لیکن پھر نفی میں سر ہلا کر چھری لے کر کچن سے نکل گئی تھی۔ ولید نے سر اٹھا کر اسے جاتے دیکھا اور پھر پلیٹ کھسکا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا کھانا کھانے کا موڈ بالکل غارت ہو چکا تھا' اتنے دنوں بعد انا سے سامنا ہوا تھا۔

وہ گزرے دنوں میں اس قدر اپ سیٹ رہ چکا تھا کہ اب کسی بھی معاملے کو سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ آفس نہیں جا رہا تھا وہ مسلسل ضیاء صاحب کی دیکھ بھال میں لگا ہوا تھا۔ وہ کچن سے نکلنے لگا تو صغراں داخل ہوئی۔ برتن جوں کے توں دیکھ کر رک گئی۔

''صاحب کھانا نہیں کھایا۔'' باہر نکلتے ولید کو دیکھ کر پوچھا۔

سیدہ فرزین حبیب

السلام علیکم! آنچل کے دوستوں! کیسے ہیں آپ سب؟ میں نے بھی اپنی خاموشی کو زبان دی اور آپ کی محفل میں شریک ہوگئی۔ نام سے تو واقف ہوگئے کچھ دوست اور دل کے قریب لوگ پنکی بھی کہتے ہیں۔ اکیس اپریل کی پُر بہار اور روشن صبح اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئی لہٰذا ہمارا اسٹار ثور ہے خامیاں بے شمار ہیں مثلاً بہت زیادہ جذباتی، غلط بات برداشت نہ کرنا، اپنی امی کو تنگ کرنا وغیرہ وغیرہ مگر خوبیاں صرف گنتی کی ہیں بقول دوستوں کے ملنسار، معاون اور پُر خلوص ہوں جس سے دل مل جائے اس سے ہر بات شیئر کرلیتی ہوں اور جو ہم مزاج نہ ہو اس سے زیادہ بے تکلفی پسند نہیں۔ تعلیمی قابلیت صرف ایم ایڈ، ایم ایس سی اور بی ایڈ میں پوزیشن ہولڈر ہوں اور پچھلے تین سال سے گورنمنٹ سیکٹر میں سائنس کے شعبہ تدریس سے وابستہ ہوں۔ تمام طالبات کی ہر دلعزیز ٹیچر ہوں (آہم) فارغ اوقات میں اچھی سی شاعری کی کتاب یا آنچل پڑھنا پسند ہے۔ پسندیدہ شاعر وصی شاہ، احمد فراز، آر بی سید محفوظ الحسن اور پروین شاکر ہیں۔ فلموں اور انڈین ڈراموں سے کوئی لگاؤ نہیں، پی ٹی وی اور پاکستانی ڈرامے شوق سے دیکھتی ہوں۔ کھانے میں بریانی، اچار گوشت، دال چاول اور آئس کریم بہت رغبت سے کھاتی ہوں۔ پنک اور بلیک فیورٹ کلرز ہیں، ہر وہ لباس جو مشرقی روایت کے ساتھ حیا کا عنصر بھی لیے ہو پہننا اچھا لگتا ہے۔ مذہب سے بہت لگاؤ ہے پانچ وقت کی نماز پابندی سے پڑھتی ہوں اس کے علاوہ اکثر نفلی روزے اور نماز دلی سکون کا باعث بنتی ہے۔ دوست کوئی خاص نہیں، میری بہن فرحانہ اور اللہ پاک ہی بہترین دوست ہے۔ میرے پاپا کی دعائیں اور امی کی قربانیاں میری کامیابیوں کا اصل خزانہ ہیں اللہ پاک ان کا سایہ ہمیشہ ہم پر سلامت رکھے اور ہم چار بہنیں اور ایک چھوٹا مگر نٹ کھٹ سے شرارتی بھائی فرحان ہے جو ہم سب کی جان اور مان ہے۔ اپنے بھانجا اور بھانجی (شاذل اور عدن) کو بہت یاد کرتی ہوں جو لاہور میں رہتے ہیں۔ میری امی کی محبت میرے جسم میں خون بن کر دوڑتی ہے ان کے بغیر میری ذات بالکل ادھوری ہے۔ لکھنے لکھانے کا شوق بھی ان کی ہمت اور آنچل کی مطالعے سے پیدا ہوا۔ فیورٹ رائٹرز نازیہ کنول نازی، عمیرہ احمد، اشفاق احمد، ام مریم، سمیرا شریف طور، ثمرہ بخاری، بانو قدسیہ ہیں۔ آخر میں اس بات کے ساتھ اجازت ”نفرت کو محبت سے بدلنے کی کوشش کروا گر نا کام بھی ہو گئے تو سرخرو ہو گے“ لہٰذا خوش رہیں اور خوشیاں بانٹیں، بتائیے گا ضرور میرا تعارف کیسا لگا۔

بھوک نہیں ہے۔“ وہ سنجیدگی سے کہہ کر کچن سے نکل آیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں آیا تو اس کا موبائل بج رہا تھا، کوئی انجان نمبر تھا اس نے کال ریسیو کی۔

”السلام علیکم!“ زنانہ آواز پر ٹھٹکا لیکن آواز سنی سنائی سی تھی۔

”وعلیکم السلام!“

”میں شہوار بات کررہی ہوں۔“ دوسری طرف سے تعارف کروایا گیا تو ولید نے گہرا سانس لیا۔

”آج انا کالج آئی تھی بتارہی تھی کہ انکل کی طبیعت خراب ہے، کچھ دن ہاسپٹلائزڈ رہے ہیں۔“ وہ پوچھ رہی تھی۔ ولید کے اندر انا کے ذکر پر عجیب سا اشتعال برپا ہوا تھا۔

”جی۔“

”ادھر بابا صاحب بھی بیمار تھے شکر ہے کل گھر آگئے ہیں لیکن گھر میں ٹریٹمنٹ چل رہی ہے اس لیے ہم لوگ بزی تھے۔ آپ سے بھی کوئی رابطہ نہ ہوسکا اور نہ ہی مصطفیٰ نے ذکر کیا ورنہ میں انکل کی عیادت کو ضرور آتی۔ آج

کل میرا انا سے بھی تقریباً رابطہ نہ ہونے کے برابر رہا ہے ورنہ اس سے انکل کی خراب طبیعت کا علم ہو جاتا۔" شہوار نے کہا تو ولید نے خود کو کمپوز کرتے مسکرانے کی کوشش کی۔

"اٹس او کے بابا اب کافی بہتر ہیں۔" انداز میں اطمینان تھا۔

"مصطفیٰ سے میرا بھی رابطہ نہیں بس بابا کی وجہ سے بہت بزی اور پریشان رہا ورنہ وہ ہی شاید آپ کو بتا دیتا۔"

"ہاں وہ بھی آج کل ایک دو کیسز میں بہت بزی ہیں آج گھر آئیں گے تو میں اور وہ ان شاء اللہ انکل کی عیادت کو آئیں گے۔"

"جی ضرور۔" ولید نے خلوص دل سے کہا۔

شہوار انا کی دوست نہ ہوتی تو بھی اس سے بات کرنے کے لیے مصطفیٰ کا حوالہ کافی تھا۔ شہوار نے کچھ دیر اور بات کی اور پھر کال منقطع کر دی تھی۔ موبائل بستر پر ڈالتے ولید نے چند پل کچھ سوچا اور پھر موبائل پاکٹ میں ڈالتے وہ ضیاء صاحب کے کمرے میں آ گیا تھا۔ روشی ان کے کندھے دبا رہی تھی اور ساتھ ساتھ بات بھی کر رہی تھی۔

"میڈیسن دے دی؟" ولید نے پوچھا تو ضیاء صاحب نے آنکھیں کھول کر بیٹے کو دیکھا۔

"جی۔"

"بس کرو تم آرام کرو سارا دن لگی رہتی ہو میں اب ٹھیک ہوں۔" بابا نے دھیمی نقاہت زدہ آواز میں کہا تو روشی مسکرائی۔

"کوئی بات نہیں۔"

"اپنی طبیعت کا خیال رکھا کرو میرا کیا ہے اپنی زندگی اور وقت پورا کر چکا ہوں آج ہوں کل کا کوئی بھروسہ نہیں۔" انہوں نے کہا تو روشی نے ناراضگی سے دیکھا۔

"پھر وہی باتیں شروع کر دیں آپ ایسی باتیں مت کیا کریں آپ جانتے ہیں کہ مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے آپ کو ہزاروں سال جینا ہے ہمارے لیے۔" روشی ایک دم رنجیدہ ہو گئی تھی۔ ضیاء صاحب نے اپنا لرزتا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا تھا۔

"خوش رہا کرو۔" ان کی آواز میں لرزش تھی۔ ولید خاموشی سے بستر کے قریب کھڑا تھا۔

"کھڑے کیوں ہو بیٹھو نا؟" انہوں نے کہا تو وہ بیٹھ گیا انہوں نے بغور دیکھا ولید کا انداز سنجیدہ تھا۔

"کیا بات ہے پریشان ہو؟ اب تو میں ٹھیک ہوں پھر کیوں ٹینشن لیتے ہو۔" انہوں نے کہا تو ولید نے دھیرے سے مسکرا کر ان کا ہاتھ تھاما۔

"بس آپ کی فکر ہے آپ بس جلدی سے ٹھیک ہو جائیں پھر کوئی ٹینشن نہیں۔"

"تم دونوں بہن بھائی نے مجھے بچہ بنا رکھا ہے دیکھو یہ معمولی اٹیک تھا اب ٹھیک ہوں تم دونوں بھی مطمئن ہو جاؤ کچھ نہیں ہوگا ابھی مجھے۔" وہ مسکرا رہے تھے ولید نے بھی ان کی ہمت پر مسکرا کر سر ہلا دیا اس سے پہلے کہ جواباً وہ کچھ کہتا کمرے کے دروازے پر انا آ رکی تھی۔ ولید دروازے کی طرف ہی بیٹھا ہوا تھا اسے دیکھ کر لب بھینچ گیا تھا جو کھانا کھا کر برتن کچن میں رکھ کر ادھر آئی تھی مگر وہاں روشی کے علاوہ ولید کو دیکھ کر ایک دم رک گئی تھی۔

اس کا جی چاہا کہ وہ فوراً واپس پلٹ جائے تب ہی ولید کو سامنے دیکھتے پا کر روشی اور ضیاء صاحب نے بھی

غزل

کچھ محبت سے کچھ سیاست سے
چال چلتے ہیں لوگ چاہت سے
کتنی سادہ ہے یہ تحسیں دنیا
قتل کرتی ہے کس مروت سے
راستہ اپنا تم جدا کرلو
سوچتے کیا ہو ایک مدت سے
درد بڑھتا ہے بڑھتے رہنے دو
درد ملتا ہے دوست قسمت سے
ہے خوشی ہی اس مسئلے کا حل
بات الجھے گی اب وضاحت سے
اس کے منصب بھی مقدس ہیں
اس کو نسبت ملی ہے جنت سے
گھر بھی اس کے بن سُونا ہے
سر پہ سایہ تھا ماں کی شفقت سے

انتخاب آسیہ اشرف...... گنگاپور

دروازے کی طرف دیکھا تھا۔

''انا...'' روشی نے اسے پکارا اب کمرے میں داخل ہونے کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

''السلام علیکم!'' وہ اندر آ گئی تھی دھیمے سے کہا تو ضیاء صاحب نے سر ہلا دیا۔ ان کے دل و دماغ پر پھر وہی لمحے تازہ ہونے لگے جب انا شادی سے انکار کرتے کسی اور لڑکے کا نام لے کر اپنے باپ کے سامنے کھڑی تھی اور پھر وقار کا ہاتھ اٹھا تھا۔ ضیاء صاحب کے چہرے کا رنگ ایک دم زرد ہو گیا تھا' ولید جو باپ کو دیکھ رہا تھا ایک دم چونکا۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے بابا!'' اس نے فوراً پریشانی سے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' انہوں نے آہستگی سے کہہ کر انا کو دیکھا۔

''بیٹھو انا۔'' وہ اندر آ تو گئی تھی لیکن اب سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیا کرے۔

''میں آپ کی خیریت پوچھنے آئی تھی' کیسے ہیں آپ اب؟'' ان کے کہنے پر اس نے جھجکتے ہوئے کہا تو وہ ہلکا سا مسکرائے۔

''اللہ کا کرم ہے' تمہارے سامنے ہوں۔ یہ روشی اور ولید تو خوامخواہ ہی پریشان ہو گئے تھے ورنہ میں تو اگلے دن ہی گھر آنا چاہ رہا تھا۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا تو انا نے سر ہلا دیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اب بھلا مزید کیا پوچھے' وہ کھڑی لب بھینچ گئی۔

روشی سر جھکائے اپنے ہاتھوں سے کھیل رہی تھی اور ولید اس کی توجہ صرف اور صرف ضیاء صاحب کی طرف

تھی۔ اسے ایک دم بے پناہ اجنبیت کا احساس ہوا تو دل کے اندر بہت کچھ ٹوٹنے لگا۔
''چلتی ہوں۔'' لہجے میں عجیب سی شکستگی تھی' ولید نے سر جھکا کر دیکھا۔
''رکو نا۔'' اس کے پلٹنے پر رضا صاحب نے کہا۔
''نہیں' بس آپ کو دیکھنے آئی تھی۔ آج بہت دن بعد کالج گئی تھی تو اسٹڈی کا بہت سارا میٹر ہے' وہ سب دیکھنا ہے۔'' دھیمے سے کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئی' تینوں نے خاموشی سے اسے جاتے دیکھا تھا۔



وہ اپنے کمرے میں کتابیں پھیلائے بیٹھی ہوئی تھی' ایک کتاب اس کی گود میں کھلی پڑی تھی لیکن اس کی توجہ کتاب کی طرف نہیں تھی' وہ نجانے خلا کی وسعتوں میں کس نادیدہ نقطے کو دیکھ رہی تھی۔
روشی کچھ دیر دروازے میں کھڑی دیکھتی رہی تھی اور اس کے پاس قالین پر آ بیٹھی۔ انا نے چونک کر اسے دیکھا روشی اس کی قریب موجود تھی۔
''تم ایسا کیوں کر رہی ہو؟'' روشی نے انا کو بغور دیکھتے پوچھا۔ انا کے چہرے کے رنگ میں ایک اذیت سی گھل گئی تھی۔ وہ سر جھکا کر کتاب میں نادکھائی دینے والے حروف کھوجنے لگی۔
''جواب نہیں دو گی یا تمہارے پاس سرے سے ہمارے کسی سوال کا جواب ہی نہیں؟'' روشی کے لہجے میں تلخی تھی' انا نے لب بھینچ لیے تھے۔
ماما پاپا سے بول چال بند تھی' احسن بھی سخت پریشان تھا اور باقی لوگوں کے تو گویا دن رات کانٹوں پر گزر رہے تھے۔
''محبت کرنا یا کسی کو پسند کرنا جرم ہے کیا؟'' روشی کی تلخی نے اسے اندر سے ریزہ ریزہ کر دیا تھا جواباً لفظوں میں اذیت گھل گئی تھی۔
''محبت جرم تب بنتی ہے جب اس کے حصول کے لیے غلط طریقہ اختیار کیا جاتا ہے' محبت تو بہت پاکیزہ جذبہ ہے جو ہر کسی کے لیے پیدا نہیں ہوتا۔'' بہت دن بعد روشی خود سے اس کے پاس آئی تھی اور خود سے ہی بات کا آغاز کیا تھا۔
''میں نے کوئی غلط طریقہ اختیار نہیں کیا تو پھر میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا جا رہا ہے؟'' انا کے الفاظ میں اذیت سی گھل گئی تھی۔ وہ اذیت جو وہ پچھلے کچھ دنوں میں جھیل رہی تھی۔
''سچ سچ بتاؤ انا' یہ حماد کہاں سے آ گیا ہے' بالکل یوں اچانک ایک دم سے۔'' انا نے سر جھکا کر ایک گہرا سانس لیا۔
''وہ محبت کرتا ہے مجھ سے۔'' اس نے دھیمے سے کہا' روشی نے اسے بغور دیکھا۔ انا کتاب کے صفحات پلٹ رہی تھی روشی نے کتاب پر اپنا ہاتھ رکھا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔
''اور تم؟'' انا نے ایک گہرا سانس لیا۔
''ہاں میں بھی محبت کرتی ہوں اس سے۔'' اس نے اپنے الفاظ میں مضبوطی پیدا کرنا چاہی تھی' روشی طنزیہ ہنسی' انا نے الجھ کر اسے دیکھا۔
''اور ولی بھائی۔'' ولید کے نام پر اس کے چہرے پر سخت اذیت کی لہر پیدا ہوئی تھی۔
''ان کی کیا حیثیت ہے تمہاری زندگی میں؟ بہت سے لوگوں کی موجودگی میں تمہارا اور ان کا رشتہ طے پایا تھا۔

اگر تم کسی اور سے محبت کرتی تھیں تو انکار کیوں نہیں کیا تم نے اتنے ماہ تک کیوں کھیلتی رہیں ہم سب کے جذبات سے۔" روشی کا انداز یک دم جارحانہ ہوا تھا۔ انا نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"میں نے کسی کو بھی دھوکہ نہیں دیا' تم اپنے بھائی سے جا کر پوچھ سکتی ہو میں نے کبھی ان کو چیٹ نہیں کیا۔ میں نے تو بہت فیئر ہو کر ان کی اور تم سب کی زندگی سے نکلنے کی کوشش کی ہے۔ حماد ایک اچھا انسان ہے' محبت کرتا ہے مجھ سے اور میں بھی اسے پسند کرتی ہوں۔ بہت صاف الفاظ میں سب کو کہہ دیا تھا' دھوکہ تو یہ ہوتا کہ میں ڈبل کراس کرتی پھر یہ الزام کیوں؟" انا نے بہت ہی سنجیدگی سے کہا۔

"انا پلیز' کس کو بے وقوف بنا رہی ہو' تم سمجھتی ہو کہ یہ حماد حماد کر کے تم ہمیں بے وقوف بنا لوگی۔ میں نہیں جانتی کہ وہ کیا وجہ ہے جس کی وجہ سے تم ولید بھائی کو چھوڑ رہی ہو' لیکن میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ تم ولید بھائی کے ساتھ بہت خوش تھیں' تم اس رشتے پر مطمئن تھیں۔ دیکھو انا ہم کزنز ہی نہیں اچھی دوست بھی تھیں' کیا ولید بھائی اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا ہوا تھا۔" روشی نے براہ راست اس کا ہاتھ تھام کر پوچھا تو وہ چند پل کو ساکت رہ گئی۔

"میرا اور ولید کا کبھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا امی سے پوچھ سکتی ہو مجھے شروع سے ہی اس رشتے پر اعتراض تھا۔ میں بس تمہاری شادی کی وجہ سے اس منگنی کے لیے راضی ہوئی تھی اس کے بعد بھی بس اس لیے خاموش رہی کہ شاید میں مطمئن ہو جاؤں لیکن میں خود کو راضی نہیں کر پائی۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

احسن' وقار اور صبوحی کے سامنے وہ یہ سب باتیں نہیں کر سکتی تھی اور نہ اس نے کی تھیں لیکن اس نے روشی کی سامنے سب کہہ دیا تھا وہ جانتی تھی کہ یہ سب احسن بھائی تک پہنچ جائے گا اور پھر ماما پاپا تک بھی۔

"یعنی تم حماد کی خاطر ہم سب کو چھوڑ دوگی؟" روشی نے دکھ سے پوچھا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"اگر حماد سے رشتہ جوڑنے کی سزا تم لوگوں کے نزدیک تم سب کو چھوڑ دینا ہے تو میں پھر کیا کر سکتی ہوں۔ بہر حال یہ زندگی میری ہے اور میں اپنی شادی سے متعلق اپنی مرضی کا فیصلہ کرنے کا حق رکھتی ہوں۔ مجھے تمہارا بھائی پسند نہیں اگر میں ولید کی جگہ حماد کو سپورٹ کر رہی ہوں تو اس میں غلط کیا ہے؟ براہ راست دل کی بات کی ہے کوئی جرم تو نہیں کر لیا۔" بہت تلخی سے کہہ کر وہ اٹھی تھی' پلٹ کر اسٹڈی ٹیبل کی طرف بڑھی تھی لیکن دروازے میں ولید کو کھڑے دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی اسے یوں ٹھٹکتے دیکھ کر روشی نے بھی دیکھا تھا ولید لب بھینچے کھڑا تھا انداز بتا رہا تھا کہ وہ کافی دیر سے موجود تھا۔ یقیناً ان کی گفتگو کا سارا حصہ سن چکا تھا۔ انا کا دل ایک دم ڈوب کر ابھرا تھا' وہ اپنی جگہ ساکت سی ہو گئی تھی۔

"تمہیں احسن بلا رہا تھا۔" ولید نے روشی کو دیکھ کر کہا تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی' ولید اسی طرح اپنی جگہ پر کھڑا رہا تھا' روشی ولید کے پاس سے گزر کر چلی گئی تھی۔

"تم سمجھتی ہو تم نے یہ جو ڈرامہ شروع کیا ہے اس سے ہم سب کو بے وقوف بنا لوگی۔" ولید کے لہجے میں اس قدر تلخی تھی کہ وہ ایک دم ساکت رہ گئی تھی۔

"مائنڈ یور لینگویج۔ میں کوئی ڈرامہ نہیں کر رہی۔" ولید اتنے دنوں بعد براہ راست اس سے مخاطب تھا۔ وہ بھی فوراً اس کے الفاظ "ڈرامہ" پر مشتعل ہوئی تھی۔

"تو یہ سب کیا ہے؟ بے وقوف نہیں ہیں ہم سب لوگ' ہمیں چلا رہی ہو اور ہم تمہاری اس بکواس اسٹوری پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیں گے۔" ولید غصے سے چند قدم بڑھ کر اس کے مقابل آ ٹھہرا تھا۔

اسماء خان

السلام علیکم! میرا نام اسماء خان ہے 14 دسمبر کو دنیا میں جلوہ افروز ہوئی ہم سات بہن بھائی ہیں۔ پانچ بہنیں دو بھائی، میرا نمبر پہلا ہے مطالعے کی بچپن سے عادت ہے جواب جنون بن گئی ہے آنچل بہت پسند ہے خوبصورت رنگ سیاہ ہے۔ کھانے میں بیف بریانی بہت پسند ہے میٹھا میں نہیں کھاتی۔ خوبی کوئی نہیں خامیاں بہت ہیں غلط بات برداشت نہیں ہوتی نہ جھوٹ اس لیے لڑاکا ہوں۔ شوق کتابیں پڑھنا ہے اور دوسرا ایک اسکول کھولنا اور اپنے لیے ایک گھر بنانا ہے۔ دعا کیجیے گا میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں آمین۔ مجھے صرف اپنی ماں سے بہت محبت ہے دوسرے نمبر والی بہن اور سب سے چھوٹے بھائی محمد احمد سے بھی پیار ہے رشتوں نے بہت دکھ دیا ہے ہر بار اعتبار مان توڑا ہے بہت اذیت اٹھائی ہے میں نے۔ میری سب سے درخواست ہے خدارا کسی کا اعتبار مت توڑیں دھوکہ مت دیں جھوٹ نہ بولیں جب اعتبار ٹوٹتا ہے تو کچھ نہیں بچتا۔ بہت تکلیف ہوتی ہے اللہ پاک آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا کرے آمین۔

انا نے تلخی سے دیکھا۔

''میں آپ کے سامنے اپنے کسی بھی عمل کی جواب دہ نہیں ہوں' بہتر ہے مسٹر ولید ضیاء احمد آپ یہاں سے تشریف لے جائیں۔''

''تم..... تم.....'' ولید ایک دم غصے سے اس کی طرف لپکا تھا۔ کلائی سے تھام کر قریب کیا۔

''میں چاہوں تو ایک پل میں تمہارا دماغ درست کرسکتا ہوں' ایک ہی پل میں ساری اکڑ نکل جائے گی تمہاری۔'' مضبوط گرفت میں اس کی کلائی ایسے جکڑی جیسے ابھی کاٹ دی جائے گی۔

''کیا بدتمیزی ہے چھوڑیں مجھے۔'' اس کی مضبوط گرفت سے اپنا بازو نکالنے کی کوشش کرتے وہ چیخی۔

''تم ذہنی طور پر ایک بیمار لڑکی ہو' ایک شکی مزاج اور بے وقوف۔ تمہاری کم عقلی نے ساری فیملی کو ڈسٹرب کر کے رکھ دیا ہے۔ تم سمجھتی ہو یہ سب کر کے تم کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے لوگی تو بھول ہے تمہاری۔ تم صرف اپنا نقصان کر رہی ہو صرف اپنا۔'' بجائے اس کے کہ وہ اس کا بازو چھوڑتا ایک دم تلخی سے اسے دھکیلتے اس نے کہا۔ انا ٹیبل کے کونے سے ٹکرائی اور اس کی کمر پر ٹیبل کا کونا بڑے زور سے لگا تھا۔

''آہ.....'' وہ ایک دم کراہ اٹھی تھی جبکہ ولید نے دھیان نہ دیا تھا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنے چھوٹے ذہن کی لڑکی ہو' کاشفہ جیسی لڑکی کو بنیاد بنا کر تم مجھے ریجیکٹ کرو گی۔ تم خود کو سمجھتی کیا ہو۔''

''ولید چھوڑیں مجھے۔'' وہ چیخ اٹھی تھی۔ ولید نے طنزیہ نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا جبکہ اس کی کمر سے درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

''میں کچھ بھی نہیں سمجھتی خود کو' میں جو ہوں وہی کر رہی ہوں۔ میں ایک بے وقوف' کم عقل نان سینس لڑکی ہوں تو کیوں وقت ضائع کر رہے ہیں آپ میرے ساتھ' چلے جائیں یہاں سے میں آپ کا رستہ کلیئر کر چکی ہوں۔ آپ کے رستے سے ہٹ کر آپ کو آگے بڑھنے کا موقع دے چکی ہوں اب کیوں چلا رہے ہیں مجھ پر۔''

''شٹ اپ۔'' وہ انا کے چلانے پر اس سے زیادہ زور سے چلایا تھا۔

''مجھ پر چلانے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو۔'' انا بغیر ڈرے چلائی تھی۔

''یو ایڈیٹ......'' ولید کا ہاتھ ایک دم طیش کے عالم میں بلند ہوا لیکن پھر اس نے ہاتھ روک لیا تھا۔
''تم ایک چھوٹی سی بے بنیاد بات کو ایشو بنا کر یہ سب کرو گی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میں نہیں جانتا تم حماد کو کیوں درمیان میں لائی ہو لیکن ایک بات یاد رکھنا' تم یہ سب کر کے بہت پچھتاؤ گی۔ بہت......'' غصے سے ہاتھ ہٹاتے اسے ایک دم جھٹکے سے چھوڑ کر اس نے کہا۔ انا کی آنکھیں بہنے لگیں' کمرے کے دراحساس توہین سے وہ جم سی گئی تھی۔
''میں پچھتاؤں' مروں یا جیوں میرا آپ سے کوئی تعلق نہیں کہ آپ کے سامنے جواب دہ ہوں۔ میں کچھ بھی کروں آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے اور بے فکر رہیے گا۔ میں مر بھی جاؤں تو بھی مدد مانگنے آپ کے پاس نہیں آؤں گی۔'' بھیگی آنکھوں اور رندھی آواز میں اس نے کہا تو ولید نے از حد تاسف سے اسے دیکھا۔
''جان بوجھ کر خود کو کسی کھائی میں گرا لینا شاید اسے ہی کہتے ہیں۔ تمہارا خیال ہے مجھے تمہاری پروا ہوگی یا تمہاری فکر میں مرا جا رہا ہوں' ہونہہ...... نائی فٹ۔'' بہت تنفر اور غصے سے کہا۔ انا نے بے دردی سے دوپٹے سے چہرہ صاف کرتے ولید کو دیکھا۔
''تو پھر اس وقت میرے کمرے میں کیا کر رہے ہیں؟'' سوال ایسا چبھتا ہوا اور تکلیف دہ تھا کہ ولید نے لب بھینچ لیے تھے۔
''میری طرف سے بھاڑ میں جاؤ۔'' وہ رستے میں آئی ہر چیز کو ٹھوکر مارتے غصے سے کہتا وہاں سے چلا گیا تھا۔ انا اپنے چہرے پر ہاتھ رکھے وہیں قالین پر بیٹھ گئی اس کا دل جل رہا تھا' آنکھوں سے بے تحاشا آنسو بہہ رہے تھے' اسے ایک دم احساس توہین سے اپنا آپ جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا وہ وہیں بیٹھ کر گھٹنوں میں منہ چھپا کر شدت سے سسک اٹھی تھی۔



مصطفیٰ گھر آیا تو شہوار بابا صاحب کے پاس بیٹھی ہوئی تھی' بابا صاحب گھر شفٹ ہو چکے تھے۔ ان کی حالت پہلے سے بہتر تھی لیکن شاہ زیب صاحب نے ان کو واپس گاؤں جانے نہیں دیا تھا' سب ہی ان کا خاص خیال رکھ رہے تھے۔ دونوں پھپھو جا چکی تھیں عائشہ اور صبا بھی ساتھ چلے گئے تھے۔
زاہد بھائی اسی شہر میں تھے سو وہ روزانہ شام میں بیگم اور حماد کے ساتھ چکر لگا رہے تھے' اس وقت بھی آئے ہوئے تھے۔ مصطفیٰ سیدھا ان کے پاس ہی آ کر بیٹھا تھا۔
''آپ کو پتا ہے ولید بھائی کے والد صاحب کی طبیعت کافی خراب رہی ہے وہ کچھ دن اسپتال میں رہے ہیں اب گھر آ چکے ہیں۔'' اس نے مصطفیٰ سے کہا' مصطفیٰ چونکا۔
''اچھا کب......؟ مجھے تو ولید نے کچھ بھی نہیں بتایا اور میں بھی اس سے رابطہ نہیں کر پایا۔''
''ہاں وہ بھی یہی کہہ رہے تھے' میں تیار ہوتی ہوں پھر ان کی عیادت کر آتے ہیں۔'' اس نے کہا تو مصطفیٰ نے سر ہلایا۔
''اوکے چلو میں بھی تیار ہو جاتا ہوں۔'' مصطفیٰ بھی کھڑا ہو گیا تھا۔
''ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ چلتے ہیں' بابا صاحب سے مل لیا ہے تمہارے ساتھ ولید کے ہاں بھی ہو لیتے ہیں۔ کیوں کیا خیال ہے؟'' حماد نے فوراً کہا تھا' زاہد بھائی نے سر ہلا دیا تھا۔
''ہم تیار ہو کر آتے ہیں پھر چلتے ہیں۔'' مصطفیٰ کہہ کر چلا گیا تھا۔ حماد نے پر سوچ نظروں سے انہیں جاتے

آنسو

اداس شہروں میں ساحلوں پہ
بہہ رہے ہیں کمال آنسو
محبتوں کے زوال میں یہ
بھٹک رہے ہیں سوال آنسو
برستی بارش چمکتی بجلی
سمٹ رہے ہیں نڈھال آنسو
اداس شاموں میں ڈھل گئے ہیں
وقت کے یہ بے مثال آنسو
راج دل کے الٹ گئے ہیں
یہ خشک آنکھوں میں سیلاب آنسو

سیدہ عبادت راج...... ڈیرہ اسماعیل خان

دیکھا‘ دو دن سے انا کا موبائل بند تھا‘ کوئی رابطہ نہ تھا۔ انا نے اس سے خود ہی رابطہ کیا تھا۔ خود ہی اس کی محبت کو پذیرائی بخشی تھی۔

اس کے بعد اس نے اسے پارک میں بلایا تھا اور پھر اس کے والد آئے تھے وہ اسے ساتھ لے گئے تھے۔ اس کے بعد اس کا نمبر تو آن تھا لیکن اس نے کال پک نہ کی تھی اور اب نمبر بند تھا۔ مصطفیٰ اور شہوار تیار ہو کر آ گئے تھے۔ دوسری گاڑی میں زاہد بھائی‘ شائستہ بھابی اور حماد تھے‘ جس وقت وہ لوگ انا کے گھر پہنچے تو رات کے آٹھ بج چکے تھے۔ ولید کو مصطفیٰ اپنی آمد سے آگاہ کر چکا تھا وہ اسے دیکھ کر خوش ہوا‘ لیکن حماد اور باقی لوگوں کو دیکھ کر اس کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔ حماد کی موجودگی کی وجہ سے ان کے گھر میں آگ لگی ہوئی تھی۔ باقی لوگوں کا ری ایکشن ولید جیسا ہی تھا تاہم شہوار اور مصطفیٰ کی وجہ سے خاموش تھے انا اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔

روشی انا کے کمرے میں آئی تو وہ اندھیرا کیے بیٹھی ہوئی تھی۔

”انا......“ اس نے لائٹ آن کی تو چونکی۔

انا بیڈ کے پاس قالین پر گھٹنوں میں منہ دیے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا وجود ہولے ہولے ہل رہا تھا۔

”کیا ہوا انا؟“ اس نے فوراً قریب آ کر پوچھا تو انا کا ہلتا وجود یک دم ساکت ہو گیا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

بے تحاشا سرخ چہرہ اور متورم آنکھیں۔ روشی کو یاد آیا کچھ دیر قبل ولید اس کے کمرے میں تھا یقیناً دونوں میں کچھ گڑبڑ ہوئی تھی۔

”کچھ نہیں ہوا۔“ وہ کہہ کر اپنا چہرہ صاف کرنے لگی تھی۔ روشی نے چند پل اسے دیکھا۔

”شہوار اور مصطفیٰ بھائی آئے ہیں ساتھ میں حماد اس کا بھائی اور بھابی بھی ہیں۔“ انا نے چونک کر دیکھا روشی سنجیدہ تھی۔

”کیوں؟“

''بابا کی عیادت کو آئے ہیں، شہوار تمہارا پوچھ رہی تھی تم فوراً باہر آؤ۔'' انا نے لب بھینچ لیے تھے۔

''منہ ہاتھ دھولو۔'' روشی کہہ کر اٹھ گئی تھی۔

''میں کسی سے بھی نہیں ملوں گی اگر کوئی میرا پوچھے تو کہہ دینا میں گھر میں نہیں ہوں۔'' روشی ایک دم رک گئی تھی۔

چونک کر دیکھا انا سنجیدہ تھی۔

''کیوں حماد سے بھی نہیں ملو گی؟'' سوال ایسا تھا کہ انا نے ایک دم دانتوں تلے دبا لیے تھے۔

''مجھے لگتا ہے حماد خصوصی طور پر تمہارے لیے ہی آیا ہے اور شاید تمہارا منتظر بھی ہے۔''

''میں نے کہا ناں مجھے کسی سے بھی نہیں ملنا پلیز میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے کوئی میرے کمرے میں بھی نہیں آئے۔'' وہ تیزی سے کہہ کر واش روم میں گھس گئی تو روشی نے بس خاموشی سے اسے جاتے دیکھا۔

وہ باہر آ گئی تھی۔ سب کو چائے سرو کی تو شہوار اور شائستہ انا کا پوچھنے لگ گئی تھیں۔

''کہاں ہے انا، اس کا نمبر بھی بند مل رہا ہے۔'' شہوار نے چائے پیتے پوچھا تو حماد بھی متوجہ ہو گیا تھا۔

''اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں، سو رہی ہے میں نے بھی ڈسٹرب نہیں کیا۔'' روشی نے کہا مصطفیٰ سے بات کرتے ولید کے چہرے کے عضلات میں شدید کھنچاؤ سا آ گیا تھا۔

''کیا ہوا اسے؟ کالج میں تو ٹھیک ٹھاک تھی۔''

''بس سر میں درد اور بی پی کا پرابلم ہے۔'' روشی کی بات پر صبوحی بیگم نے ایک گہرا سانس لیا' وقار صاحب بھی خاموش تھے۔ گھر آئے مہمان تھے ورنہ حماد کو دیکھ کر ان کا جی چاہ رہا تھا کہ اس لڑکے کو ابھی فوراً اپنے گھر سے نکل جانے کو کہہ دیں۔

''میں دیکھتی ہوں۔'' شہوار نے اٹھنا چاہا۔

''وہ سو رہی ہے۔'' روشی نے فوراً کہا۔

''کوئی بات نہیں میں اسے اٹھا لوں گی۔'' چائے کا کپ خالی کر کے ٹیبل پر رکھ کر شہوار کھڑی ہو گئی تھی۔

''چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔'' شائستہ بھی کھڑی ہو گئی تھی۔

مجبوراً روشی کو بھی اٹھنا پڑا تھا۔ وہ انا کے کمرے میں آئیں تو لائٹس آف تھیں۔ روشی نے آن کیں انا کمرے میں نہیں تھی واش روم کا دروازہ بند تھا۔ روشی نے ایک پرسکون سانس لی۔

کچھ دیر بعد وہ باہر نکلی تو گیلے بالوں کو تاول میں لپیٹ رکھا تھا۔ وہ سنجیدگی کے ساتھ شہوار اور شائستہ سے ملی تھی۔

''کیا ہوا تمہیں۔ کالج میں تو تم ٹھیک ٹھاک تھیں۔'' نہانے سے انا کے چہرے کی سرخی تو کم ہو گئی تھی تاہم آنکھوں کی سرخی برقرار تھی۔

''بس سر میں درد ہو رہا تھا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ ان کے ساتھ ہی بستر پر بیٹھ گئی تھی۔

شہوار نے اسے بغور دیکھا وہ بڑی بجھی بجھی سی لگی۔ بلکہ کالج میں بھی وہ اسے ایسی ہی لگی تھی۔ اس نے بارہا پوچھا تھا اور وہ ہر بار میں ٹھیک ہوں بس تمہارا وہم ہے کہہ کر ٹال گئی تھی۔ لیکن اس وقت انا کا ستا ہوا چہرہ اور متورم آنکھیں دیکھ کر الجھ گئی تھی۔ شائستہ بھابی ساتھ نہ ہوتیں تو شاید وہ اس کے رویے کی وجہ جاننے کی کوشش ضرور کرتی۔

"کسی دن تم لوگ بھی ہمارے گھر آؤ نا۔" روشی کی کسی بات پر شائستہ نے مسکرا کر کہا تو روشی نے انا کو دیکھا۔

"کیوں نہیں، آج کل انا کا دل کر رہا ہے آپ لوگوں کے ہاں آنے کا۔ دیکھیے بڑوں سے کب اجازت ملتی ہے۔" روشی نے سنجیدگی سے کہا تو انا اپنی انگلیوں کے ناخن دیکھنے لگی۔ روشی کی بات کا پس منظر وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔

"اگر ایسی بات ہے تو ہم بڑوں سے اجازت لے لیتے ہیں۔ مجھے یقین ہے تم دونوں کو ہمارے ہاں آ کر بہت خوشی ہوگی۔" شائستہ نے سادگی سے کہا۔

"میں تو کہیں آتے جاتے کم ہی خوش ہوتی ہوں لیکن مجھے یقین ہے انا آپ کے ہاں جا کر بہت خوش ہوگی۔"

"تو پھر کب آ رہی ہو تم انا ہمارے ہاں؟" شائستہ نے مسکرا کر کہا تو انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

"انا تو جانے کو تیار ہے، بس ہماری طرف سے ہی لیٹ ہو رہا ہے۔" روشی نے ہنس کر کہا۔

انا محض مسکرائی تھی ورنہ دل چاہ رہا تھا کہ ایک دم پھٹ پڑے اور شہوار سمیت سب کو کمرے سے نکال باہر نکال دے۔ وہ کچھ دیر اور اس کے پاس بیٹھی تھیں اور پھر جانے کو اٹھ گئی تھیں۔

"تم بھی آ کر باقی لوگوں سے مل لو۔" روشی نے کہا تو شہوار نے لب بھینچ کر اسے دیکھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ روشی یہ سب کیوں کر رہی ہے۔

"جس سے ملنا ہوگا تمہیں بتائے بغیر بھی مل سکتی ہوں۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" انداز دھیما لیکن لہجہ تلخ تھا اب کے روشی نے لب دانتوں تلے دبا لیے تھے۔ شہوار نے حیران ہو کر دونوں کو دیکھا تھا۔

"کیا ہوا بھئی؟"

"کچھ نہیں تم سے میں نے جن لیکچرز کا کہا تھا وہ ضرور تیار کر دینا۔ میں پھر فوٹو کاپی کرا لوں گی۔" انا نے کہا تو دونوں اپنے کالج کی باتیں کرنے لگ گئی تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ تینوں انا کے کمرے سے نکل آئی تھیں۔ انا ان کے ساتھ باہر نہیں آئی تھی۔ وہ تینوں ڈرائنگ روم میں پہنچیں تو حماد کے چہرے پر ایک دم مایوسی کی کیفیت چھائی تھی۔

وہ بطور خاص انا سے ملنے آیا تھا لیکن اب انا کہیں بھی نہ تھی۔ وہ صاف محسوس کر رہا تھا کہ یہاں سب لوگ اس سے سرد مہری سے پیش آ رہے تھے۔ وقار صاحب تو کچھ دیر ہی ان کے پاس بیٹھ کر اٹھ گئے تھے۔

ضیا صاحب اپنے کمرے میں ہی تھے وہ تینوں ان کے کمرے میں جا کر عیادت کر آئے تھے احسن اور ولید ہی موجود تھے احسن زیادہ تر خاموش تھا اور ولید کی توجہ بھی مصطفیٰ کی طرف تھی کبھی کبھار وہ زاہد کی بات میں بھی شامل ہو جاتا تھا جبکہ اس نے حماد کو سرے سے ہی نظر انداز کر دیا تھا۔ حماد کو بڑا انسلٹنگ رویہ لگا تھا۔ جاتے وقت اس نے جب احسن اور ولید سے ہاتھ ملایا تو سرد مہری صاف دکھائی دی تھی۔ حماد کو شدید ہتک کا احساس ہوا تھا۔ وہ لب بھینچ کر مصطفیٰ اور زاہد سے بھی پہلے وہاں سے نکل گیا تھا۔

احسن نے انتہائی ناگواری سے اسے جاتے دیکھا تھا۔ ان لوگوں کے جانے کے فوراً بعد صبوحی بیگم انا کے کمرے میں آئی تھیں۔ انا خاموشی سے بستر کے کنارے پر دونوں ہاتھ گود میں رکھے بیٹھی ہوئی تھی۔ صبوحی کو دیکھ کر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"یہ حماد یہاں کیا لینے آیا تھا؟" اتنے دنوں بعد وہ اس سے مخاطب تھیں۔ انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

"آپ اس سے پوچھ لیتیں؟"

''سر جھکا کر کہا تھا صبوحی نے ناگواری سے اسے دیکھا۔
''یہ سب کیا ہے انا؟ کیوں کر رہی ہو تم ایسا، اپنے ماموں کی حالت دیکھی ہے، کیا تمہیں ہم پر ذرا بھی ترس نہیں آتا؟'' انہوں نے بے چارگی وتلخی سے کہا۔
''میں نے کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی، رہ گئے ماموں اور ان کی طبیعت اب ان کے متعلق میں کیا کہہ سکتی ہوں۔''
''دیکھو انا ہم بہن بھائی کا برسوں کا ساتھ ہے اب اگر تم انکار کرو گی تو رشتوں میں دراڑ آ جائے گی بھائی صاحب کی طبیعت کا دیکھو تمہارا ذرا سا انکار سن کر وہ بستر سے جا لگے ہیں اور اگر خدانخواستہ انہیں کچھ ہو گیا تو؟''
انا نے لب دانتوں تلے دبا لیے تھے۔
''تمہارے بابا تم سے اس قدر ناراض ہیں کہ وہ تم سے بات تک نہیں کرنا چاہتے اور احسن اسے میں نے سمجھا بجھا کر بٹھا رکھا ہے ورنہ وہ فوراً حماد سے بات کرنا چاہتا ہے۔ دیکھو ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا تم سب بھول جاؤ ہم بھی دوبارہ نہیں دہرائیں گے۔ تم بس حماد کو منع کردو اور یہ بھی کہ وہ ہمارے ہاں دوبارہ مت آئے۔''
''اپنی مرضی سے شادی کرنا تو ہر انسان کا حق ہے میں اگر ولید کی جگہ اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں تو اس میں غلط کیا ہے۔'' وہ ابھی تک اسی مقام پر تھی۔ صبوحی نے انتہائی بے بسی سے اسے دیکھا۔
''وہ کسی بھی لحاظ سے ولید کے مقابل نہیں تم سمجھ کیوں نہیں رہی۔''
''ٹھیک ہے میں مان لیتی ہوں وہ ولید کے مقابل نہیں لیکن یہ طے ہے کہ میں شادی پھر بھی آپ کے بھتیجے سے نہیں کروں گی ہاں ولید کے علاوہ کسی کا بھی نام لیں گی میں تیار ہوں۔'' انداز سنجیدہ اور فیصلہ کن تھا صبوحی حیرت سے گنگ رہ گئی تھیں یعنی یہاں مسئلہ حماد کا نہیں ولید کی ذات سے تھا۔ وہ الجھ گئی تھیں۔
نجانے کیوں ایک پل کے لیے انہیں محسوس ہوا کہ انا کو مسئلہ ولید سے ہے نہ کہ حماد سے شادی کرنے میں دلچسپی۔
''کیوں، کیا کمی ہے ولید میں؟''
''ان میں ہر چیز کی کچھ زیادہ ہی فراوانی ہے کمی تو مجھ میں ہے۔ بہرحال مجھے ان کی ذات یا کسی کمی بیشی سے کوئی لینا دینا نہیں اصل بات تو یہ ہے کہ میں حماد سے شادی کرنا چاہتی ہوں آگے آپ کو جو مناسب لگے۔''
''لیکن انا؟'' انہوں نے کچھ کہنا چاہا لیکن انا نے بات کاٹ دی۔
''پلیز ماما آپ کو لگتا ہے میں غلط ہوں یا میں غلط کرسکتی ہوں۔'' صبوحی خاموش ہو گئی تھیں۔
''آپ نے مجھے ہر طرح کی آزادی دی میں نے ہمیں آپ کی عزت اور اپنے وقار کا خیال رکھا پھر میں کچھ غلط کیسے کرسکتی ہوں میرا قصور صرف یہ ہے کہ میں نے حماد کے حق میں رائے دی ہے اور ولید سے انکار کیا ہے اگر آپ کو میرا یہ قصور نہایت ناقابل معافی لگتا ہے تو پھر مجھے سزا دیں اس طرح میرا بائیکاٹ کیوں کر رہے ہیں سب، زبردستی تو رشتے جوڑے جاسکتے ہیں مگر دل نہیں اور یہی سمجھ لیں میرا دل ولید کے ساتھ کبھی بھی نہیں جڑ سکتا۔'' اس کا انداز حتمی اور فیصلہ کن تھا۔ صبوحی نے بہت بے بسی سے اسے دیکھا۔ انہیں لگ رہا تھا کہ جیسے انا کے سامنے وہ بالکل بے بس ہو چکی ہیں انہوں نے نہایت تکلیف سے اسے دیکھا جو اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھ رہی تھی۔



حیات علی گاؤں واپس آچکے تھے لیکن انہیں لگتا تھا کہ ان کا دل وہیں ٹوٹی پھوٹی دیواروں والے گھر میں ہی

اٹک گیا ہے۔ وہ بہت پریشان تھے وہ تین بیٹیوں اور دو بیٹوں کے باپ تھے بھلے اپنی عمر کے لڑکوں کے مقابل بہت جلد پانچ بچوں کے باپ بن چکے تھے لیکن دل ابھی بھی کم عمری کی لپیٹ میں تھا وہ کوئی دل پھینک یا عاشق مزاج انسان نہ تھے۔ جس عمر میں لڑکے مختلف کھیل تماشے اور ہنگامے کرتے ہیں انہوں نے اپنی وہ عمر بھی انتہائی سنجیدگی سے اپنی تعلیم مکمل کرنے میں گزار دی تھی۔

والدین کی اکلوتی اولاد ہر طرف سے پیسے کی فراوانی لیکن سراج صاحب نے ان پر ایسی کڑی نگاہ رکھی تھی کہ کبھی بھٹکنے کا موقع ہی نہ ملا تھا۔ وہ کئی دن تک اس پسماندہ سے گھر میں موجود اس دلکش سی لڑکی زیبن کو بھلانے کی کوشش کرتے رہے تھے لیکن نجانے کیا بات تھی کہ وہ لڑکی ان کے دل و دماغ میں بس کر رہ گئی تھی۔

انہوں نے سوچا وہ اب کبھی بھی شہر نہیں جائیں گے۔ کچھ دن گزرے اور وہ سنبھل گئے ان کی بیوی، خوب صورت دل موہ لینے والی بچے دولت کی فراوانی کسی چیز کی کمی نہ تھی بلکہ اب تو سراج دین صاحب کے بہت سے کام خود بخود حیات علی کے ذمے آ گئے تھے۔ ان کا ذمہ دارانہ انداز دیکھتے سراج دین صاحب اب ان پر خصوصی طور پر اعتماد کرتے تھے۔

اس دن کوئی تین ماہ بعد کسی کام سے انہیں پھر سے شہر جانا پڑ گیا تھا چار پانچ دن کا قیام تھا شہر میں ان کا ذاتی گھر تھا ان کا کام دو دن میں مکمل ہو چکا تھا۔ وہ واپسی کی تیاری کر رہے تھے جب ان کے دل میں صفدر سے ملنے اور اس کے گھر جانے کی خواہش پیدا ہوئی تھی۔ انہوں نے ملازم کو گاڑی تیار کرنے کو کہا۔

وہ صفدر کے گھر چلے آئے تھے۔ کافی سارے پھل اور دیگر لوازمات ساتھ میں تھے۔ گاڑی گھر کے سامنے رکی تو ملازم نے دروازہ کھول دیا تھا۔ حیات علی دروازے کی طرف بڑھے تھے لیکن کھلے دروازے سے چھوٹے سے گھر کے اندر ہونے والی اونچی اونچی آوازوں کی بازگشت باہر تک سنائی دے رہی تھی۔

''میرا دماغ مت کھا صفدر، اس نشے اور جوئے کی لت نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ مال دولت رشتے دار ہر چیز ساتھ چھوڑ چکی ہے پھر بھی تجھے عقل نہیں آئی۔'' آواز ایسی تھی کہ چوہدری حیات علی وہیں رک گئے تھے۔

ملازم فروٹس کے شاپر سارا سامان لیے پیچھے کھڑا تھا یہ بخشو ان کا خاص ملازم تھا ہر وقت حیات علی کے ساتھ رہتا تھا۔

''میرے ساتھ زیادہ بک بک نہ کیا کر جو کہا ہے وہ کر ورنہ جان سے مار دوں گا میں۔'' دوسری طرف صفدر اونچی آواز میں چلایا اور شاید اس نے کسی پر ہاتھ بھی اٹھایا تھا۔

''مہرالنساء کے ساتھ جو تو نے کیا میں ابھی تک دل پر ہاتھ رکھ کر صبر کر رہی ہوں اب زیبن کو تباہ نہیں ہونے دوں گی۔ بھلے تو جان سے ہی مار دے مجھے کوئی پروا نہیں۔'' روتی آواز میں کہا گیا تھا۔

''میں شام کو گھر آؤں گا وہ لوگ میرے ساتھ ہوں گے تو زیبن کو تیار کر دینا خبردار اب زیادہ بک بک کی تو۔'' صفدر کہتا ہوا باہر کے دروازے کی طرف بڑھا لیکن کھلے دروازے میں کھڑے دو نفوس کو دیکھ کر ٹھٹکا۔

''ارے چوہدری صاحب آپ؟'' وہ پہچانا تو اس کی باچھیں کھل گئیں۔

''آئیں نا باہر کیوں کھڑے ہیں آپ اندر آئیں چوہدری صاحب آئیں نا۔'' وہ ایک دم بچھ بچھ جا رہا تھا۔

پہلی ملاقات میں چوہدری صاحب اسے جو رقم دے چکے تھے وہ ایسی معقول تھی کہ وہ ان کے سامنے قدموں میں بھی بچھ جاتا تو کم تھا۔ چوہدری حیات علی اندر گئے تھے وہی پرانے والے مخصوص کمرے میں صفدر نے انہیں لا بٹھایا تھا۔

ملازم بھی اندر آ کر پھل اور دیگر ساز و سامان رکھ گیا تھا۔ ملازم واپس چلا گیا تو حیات علی نے صفدر کو بغور دیکھا۔

''تم ٹھیک ہو؟''

''آپ کی دعائیں ہیں چوہدری صاحب۔'' ساتھ والے کمرے سے عورتوں کے بولنے اور رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ صفدر شرمندہ ہو رہا تھا۔

''آپ بیٹھیں چوہدری صاحب میں آتا ہوں۔'' وہ کہہ کر ساتھ والے کمرے میں چلا گیا تھا۔

''چوہدری حیات علی آئے ہیں آہستہ بول۔'' دوسرے کمرے سے صفدر کی دھیمی آواز حیات علی کے کانوں میں پڑی تھی۔

''کیوں بولوں آہستہ روز تو کسی نہ کسی کو اٹھا کر لے آتا ہے برباد کر کے رکھ دیا ہے تو نے ہمیں اپنے نشے اور جوئے کے علاوہ تجھے کسی اور کی خبر ہی نہیں۔'' عورت کی آواز خاصی بلند تھی۔

''چپ کر جا ورنہ ڈلنے ہاتھ کا دوں گا تیرے منہ پر۔'' صفدر کی غراہٹ واضح تھی۔

''چل زبین اٹھ جا کر چوہدری صاحب کے لیے چائے بنا۔'' زبین کے نام پر چوہدری حیات علی کی ساری حسیات ایک دم جاگ اٹھی تھیں۔ اتنے ماہ گزر جانے کے باوجود وہ اس لڑکی کا صاف شفاف کم سن حسن نہیں بھول پائے تھے۔

دوشیزگی اور خوب صورتی کی تمام تر رعنائیوں سے سجا وہ پیکر ایسا تھا کہ جس نے مہینوں ان کے ذہن کو اپنے سحر میں جکڑ رکھا تھا۔ صفدر واپس کمرے میں آ گیا تھا۔ چوہدری حیات علی ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے وہ عاجزی کے ساتھ ان کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

''آپ نے ہمارے گھر میں قدم رکھ کر ہماری قسمت جگا دی ہے یہ سب لانے کی کیا ضرورت تھی چوہدری صاحب میں تو سمجھا تھا کہ آپ مجھ غریب کو بھول بھال گئے ہوں گے۔'' خوشامدی لہجے میں وہ کہہ رہا تھا۔ حیات علی ہلکا سا مسکرایا تھا۔

''تم سناؤ تمہاری چوٹیں کیسی ہیں؟'' حیات علی کے لہجے میں تمکنت اور خاندانی وقار کی جھلک تھی۔

صفدر خود بخود ہی متاثر ہو رہا تھا۔

''آپ کی دعائیں ہیں صاحب۔''

''تم نشہ کرتے ہو؟'' ویسے تو انہیں پہلی ملاقات میں ہی علم ہو چکا تھا لیکن آج صفدر کا اپنی بیوی اور بیٹی سے رویہ دیکھ کر انہوں نے پوچھ لیا تھا۔

''بس صاحب۔'' وہ سر جھکا کر شرمندہ ہونے کی ایکٹنگ کرنے لگا۔

''اپنی صحت دیکھو، گھر کے حالات دیکھو، کیوں کرتے ہو تم نشہ؟''

''بس صاحب پرانی عادت ہے بڑی کوشش کی لیکن چھوٹتی ہی نہیں۔''

''بڑے افسوس کی بات ہے، کیا کام کرتے ہو؟'' چوہدری حیات علی نے اگلا سوال کیا۔

''بس صاحب کوئی بھی محنت مزدوری والا کام مل جائے تو کر لیتا ہوں۔ کبھی دیہاڑی لگ جاتی ہے اور کبھی ہفتوں فاقوں میں گزر جاتے ہیں۔''

''ابھی تمہاری اور تمہاری بیوی کی باتیں سن رہا تھا جوا بھی کھیلتے ہو تم؟'' حیات علی نے پوچھا تو وہ شرمندگی کا

مظاہرہ کرتے سر جھکا گیا تھا۔

''کتنے بچے ہیں تمہارے؟'' اگلا سوال کیا۔

''دو بیٹیاں ہیں جی بس ایک بیٹی کی شادی کردی ہے دوسری کا رشتہ دیکھا ہے۔'' زبین کے ذکر پر حیات علی کے حواس فوراً بیدار ہوئے تھے۔

''پڑھی لکھی ہے تمہاری بیٹی کیا؟''

''جی صاحب شروع میں ہمارے حالات بہت اچھے تھے لیکن پھر غربت اور بدبختی نے گھر کا رستہ دیکھ لیا۔''

''وہ تو دیکھنا ہی تھا جب نشے اور جوئے جیسی لت لگ جائے تو پھر بچتا ہی کیا ہے؟'' تبھی ساتھ والے کمرے سے صفدر کی بیوی باہر نکلی تھی۔

ستا ہوا چہرہ، بکھرے بال، روتی آنکھیں، وہ چوہدری حیات کو دیکھ کر رک گئی تھی۔

''السلام علیکم!'' چوہدری حیات علی نے کھڑے ہوکر سلام کیا تو اس نے محض سر ہلایا تھا۔

''دیکھو زبین نے چائے بنالی ہے تو لے آ۔'' صفدر نے کہا تو وہ چہرے پر سنجیدگی لیے چلی گئی تھی۔

چوہدری حیات علی نے اسے پرسوچ نظروں سے جاتے دیکھا تھا۔

''تمہارا اپنی بیوی سے کس بات پر جھگڑا ہوا ہے؟''

''بس ویسے ہی دماغ خراب ہے اس عورت کا ہر بات پر ''چیں، چیں'' کرتی ہے مجال ہے جو کبھی کوئی بات سن لے آرام سے۔'' لہجے میں تلخی تھی۔

چوہدری حیات نے خاموشی سے دیکھا تبھی ٹرے میں چائے کے کپ رکھے صفدر کی بیوی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ ایک چھوٹی سی ٹوٹی پھوٹی تپائی کے اوپر ٹرے رکھ دی تھی۔

''چوہدری صاحب آپ کسی اچھے گھرانے کے لگتے ہیں آپ اس کو سمجھائیں، اس طرح اولاد کو تباہ مت کرے۔'' ٹرے رکھ کر صفدر کی بیوی نے روتے ہوئے کہا تو حیات علی نے چونک کر اسے دیکھا جبکہ صفدر کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔

''زیادہ بک بک نہ کر دفع ہوجا یہاں سے۔'' وہ فوراً اپنی بیوی کو جھڑک کر بولا۔

''تم کیسے بات کررہے ہو، بیوی ہے تمہاری۔'' حیات علی کو ناگوار گزرا تو اسے ٹوک دیا۔ اس نے کھا جانے والی نظروں سے اپنی بیوی کو دیکھا۔

''میں ان کے بھلے کے لیے ہی یہ سب کررہا ہوں۔'' ''خالی ہاتھ ہوں میں، کون بیاہنے آئے گا اس کی بیٹی کو۔'' تلخی سے کہہ کر اس نے بیوی کو گھورا۔

''اس کے نشے اور جوئے کی لت نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا، اچھا بھلا خاندان اور گھر تھا اس کی حرکتوں کی وجہ سے خاندان نے ہمیں چھوڑ دیا۔ جوئے میں گھر ہار دیا۔ یہ ٹوٹے پھوٹے کرائے کے مکان میں لا بٹھایا بڑی بیٹی کو ایک بوڑھے سیٹھ سے بیاہ دیا۔ جس کا قرض دینا تھا اس نے اور اب میری چھوٹی بیٹی اس کے لیے یہ رشتہ لایا ہے ایک جواری زمانے بھر کے آوارہ اور بدمعاش کا۔ کہتا ہے جوئے میں رقم ہارا ہے اب رقم نہیں دے گا تو وہ اسے ماردے گا۔ جواباً یہ اس سے میری بیٹی کی شادی کرے گا۔ میری معصوم اور بھولی بھالی سی بیٹی وہ تو جیتے جی مر جائے گی سال کے گیارہ ماہ وہ شخص جیل میں گزارتا ہے لیکن یہ نہیں مانتا۔'' صفدر کی بیوی روتے ہوئے سب کچھ بتاتے اس کے سامنے زمین پر بیٹھ گئی تھی۔

چوہدری حیات کے سامنے ایک دم روشنیاں بکھیرتا وجود آ ٹھہرا تھا۔ انہوں نے تاسف سے صفدر کو دیکھا۔ وہ نظریں چرانے لگا تھا۔

"چوہدری صاحب اگر اسے ایک دو دن میں رقم نہ دی تو وہ مجھے مار دے گا۔"

"اور تم اپنی جان بچانے کے لیے اپنی بیٹی کو مار ڈالو گے؟" چوہدری حیات علی نے تاسف سے پوچھا۔

"وہ شادی کر کے اپنے گھر میں رکھے گا۔ وعدہ کیا ہے اس نے مجھ سے کہ شہزادیوں کی طرح وہ میری بیٹی کو رکھے گا۔" اس نے کہا۔

"جس کو شہزادیوں کی طرح یہ جواری نہیں رکھ سکا وہ بدمعاش کیسے رکھے گا۔" صفدر کی بیوی نے روتے ہوئے کہا۔

"کتنی رقم دینی ہے تمہیں؟" صفدر سے پوچھا تو اس کی آنکھوں کی چمک ایک دم بڑھی تھی۔

"صاحب پچاس ہزار۔" سر جھکا کر ندامت سے کہا۔

"پچاس ہزار۔" ایک بہت بڑی رقم تھی۔

"صاحب میں اپنی ساری زندگی بھی لگا دوں اپنا آپ بھی بیچ دوں تو بھی اتنی بڑی رقم نہیں بنا سکتا۔"

"تو اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ تم بیٹی کو بیچ دو گے۔"

"بیچ کب رہا ہوں شادی کروں گا۔" وہ فوراً کہنے لگا۔ چائے پڑے پڑے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

"اتنی بڑی رقم کیسے بن گئی کیا جوا لگایا تھا تم نے؟" اس نے سر جھکا کر سر ہلایا تھا۔

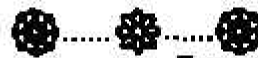
"کچھ قرضہ لیا تھا اور کچھ جوئے کی رقم ہے۔"

"تمہاری غیرت گوارا کرے گی کہ تمہاری بیٹی جوئے میں دے دی جائے۔"

"اس میں غیرت ہوتی تو پہلی بیٹی ہی کیوں بیچتا۔ میری شہزادیوں جیسی بیٹی نوکروں کی سی زندگی گزارتی ہے وہ بوڑھا سیٹھ اسے عورتوں کی کمی تھوڑی ہے بس دل بہلانے کو میری بیٹی پر ظلم توڑتا ہے اور اب دوسری کو بھی اس جہنم میں دھکیل رہا ہے۔" صفدر کی بیوی رو رو کر کہہ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے اس وقت میرے پاس اتنی رقم نہیں گاؤں واپس جا رہا ہوں ایک دو دن میں چکر لگاؤں گا تب تک تم انتظار کرنا تم اس شخص کو سمجھا بجھا لینا میں رقم دے دوں گا۔" صفدر کی بیوی کی گریہ وزاری پر حیات علی کا دل فوراً نرم پڑ گیا تھا۔

"اللہ آپ کا بھلا کرے گا صاحب ہم پر یہ ایک بہت بڑی نیکی ہوگی۔ میں بہت دعائیں دوں گی آپ کو۔" صفدر کی بیوی ایک دم ہاتھ جوڑ کر رو دی تھی۔



ولید آفس میں تھا جب وہ اس کے آفس میں آئی تھی۔

"کیسے ہو ولید؟" کافی دن بعد سامنا ہوا تھا سو انداز بھی بدلا ہوا تھا۔ ولید نے محض سر ہلایا تھا۔

"بیٹھنے کو نہیں کہو گے؟" وہ سامنے کھڑی تھی۔

اگر پچھلے دنوں میں ان دونوں کے درمیان بہت ساری تلخ کلامیاں نہ ہو چکی ہوتیں تو شاید وہ اس کی آمد پر کسی ری ایکشن کا مظاہرہ ضرور کرتا۔

"بیٹھو۔" وہ سامنے بیٹھ گئی تھی۔

"کیسے ہو؟" اس نے محبت سے دیکھتے ہوئے پوچھا تو ولید کے اندر شدید اشتعال کی لہر اٹھی تھی۔
"جو کہنا ہے وہ کہو؟" انداز دوٹوک اور سرد مہر تھا۔ وہ مسکرائی۔
"محبت کرنے والوں کی اس طرح توہین نہیں کرتے ولید ضیاء احمد ورنہ محبت بہت خوار کرتی ہے مجھے دھتکارو گے تو کیا خود خوش رہو گے۔"
"اگر تم نے یہی بکواس کرنی ہے تو گیٹ لاسٹ۔" وہ سخت اپ سیٹ تھا۔ اب اسے سامنے دیکھ کر غصہ ایک دم بڑھ گیا تھا۔
اس لڑکی کی وجہ سے انا اس حد تک جارہی تھی ورنہ شاید حالات کچھ مختلف ہوتے۔ انا اتنی بے حس اور بے وقوف تو نہ تھی جو اس لڑکی کو لے کر اپنا آپ تباہ کر لیتی۔ لیکن اب یہ سب ہو رہا تھا۔
"محبت کا جواب نفرت سے نہیں دیتے ولید ضیاء، تمہارے در پر سوالی بن کر آئی ہوں ایک بار پھر۔"
"تم ساری عمر بھکاریوں کی طرح بھی بیٹھی رہو گی تو بھی مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں نے محض تم سے دوستی کی تھی اور انا وقار سے میری بات طے ہے اور میں بار بار فیصلہ بدلنے والا انسان نہیں ہوں۔" لہجے میں مضبوطی اور سختی تھی۔ کاشفہ ایک دم ہنسی۔
"انا وقار۔" ولید نے تخی سے دیکھ کر لب بھینچ لیے۔
"جانتی ہوں انا وقار کی حیثیت بھی اور اس کی عقل مندی بھی۔ قبول تو تم مجھے ہی کرو گے ولید ضیاء جتنا بھی انکار کرلو، بس یہ انا کسی کنارے لگ جائے ذرا۔" ہنس کر کہتی کروہ کھڑی ہوئی تھی۔ ولید ضیاء نے بہت تخی سے دیکھا تھا۔
"چلتی ہوں پھر آؤں گی تمہیں انا وقار کی شادی کی مبارک باد دینے۔" مسکرا کر کہہ کر وہ چلی گئی اور ولید ششدر سا رہ گیا تھا۔
یہ بات ابھی صرف ان کے گھر کے افراد کے درمیان تھی پھر بھلا کاشفہ جیسی لڑکی کو کیسے معلوم ہوگئی تھی۔ وہ حیرت زدہ تھا۔
"تو کیا کاشفہ اور انا کا آپس میں کوئی رابطہ ہے؟" ولید کے ذہن میں یہ سوال ایک دم ابھرا اور پھر وہ اس سوال کے ہر پہلو کے متعلق سوچنے لگا تھا۔ وہ جیسے جیسے سوچتا جا رہا تھا توں توں الجھتا جا رہا تھا۔
ایک دم ہاتھ میں تھامے قلم کو ٹیبل پر پھینک کر اس نے سر ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔



شہوار کچن میں کھڑی اپنے لیے چائے بنا رہی تھی دریہ اندر داخل ہوئی تو شہوار نے پلٹ کر دیکھا اور پھر توجہ دیے بغیر چائے کی طرف متوجہ ہوگئی۔
"ایک کپ مجھے بھی چائے دے دینا۔" اس نے نخوت سے آرڈر دیا تو شہوار نے ناگواری سے اسے دیکھا۔
"تم تو کافی پینے والی لڑکی ہو، چائے کا کیا کرو گی۔"
"میں کافی پیئوں یا چائے جو کہا ہے وہ کرو۔" انداز میں کافی غرور اور تکبر تھا۔
"میں تمہاری ملازمہ نہیں ہوں جو تم مجھ سے اس لہجے میں بات کرو، باہر ملازم بہت ہیں کسی سے بھی بنوا کر پی سکتی ہو۔" شہوار دریہ کے اس انداز پر ایک دم سلگ اٹھی تھی۔
"ملازمہ کی بیٹی سے مالک اگر شادی کر لے تو بھی اس کی حیثیت اور اوقات نہیں بدل جاتی۔ تحمل میں تاثر کا

صباء الیاس

تمام قارئین وآنچل کے خوب صورت بلبلوں کو السلام علیکم! امید ہے سب اپنی اپنی زندگی کو انجوائے کررہی ہوں گی۔ میرا نام صباء الیاس ہے یکم جولائی کو ماہندر جیسے خوب صورت گاؤں میں پیدا ہوئی میرا اسٹار سرطان ہے اور اس پر یقین رکھتی ہوں' ہم سات بہن بھائی ہیں چار بھائی اور تین بہنیں۔ سب سے بڑی بابرہ باجی ان کے بعد دو بھائی پھر میں پھر دو بھائی ان کے بعد چھوٹی بہن حلیمہ سعدیہ۔ خوبیوں اور خامیوں کی بات کی جائے تو خوبیاں تو نام ہی کی ہیں اور خامیاں بے شمار۔ دوسروں پر اعتبار بہت جلدی کرلیتی ہوں' رونا بہت آتا ہے' دوسروں کو اداس نہیں دیکھ سکتی۔ ایف ایم شوق سے سنتی ہوں۔ کرکٹ کی دیوانی ہوں' محمد حفیظ اور فواد عالم میرے بیسٹ پلیئر ہیں۔ سب سے قریبی دوست سونیا اور صائقہ جن سے میں ہر بات شیئر کرلیتی ہوں' ویسے تو امی بھی بہت اچھی دوست ہیں اب اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

پیوند لگا بھی لو اس کا نام ٹاٹ ہی رہے گا مخمل نہیں بن جائے گا۔'' الفاظ ایسے تھے کہ شہوار کو لگا اس کے اندر گویا کسی نے آتش فشاں بھر دیا ہو۔

''شٹ اپ، میں جو بھی ہوں کم از کم تمہاری طرح کردار کی ہلکی نہیں ہوں شرم آنی چاہیے تمہیں، میں ماں جی سے بات کروں گی۔''

''ہاہاہا۔'' دریہ بے اختیار ہنسی تھی۔

''بصد شوق۔''

''ان جیسے سیدھے سادے لوگوں کو ورغلا کر مطلب نکلوا لینے والی تمہاری ماں حویلی سے کب کی بھاگ چکی ہے بے چارے یہ لوگ پردہ ڈالتے پھر رہے ہیں بڑا شوق ہے، تمہیں خاندانی بننے کا پہلے اپنے خاندان کا پتا تو لگا لو پھر کسی اور پر چلانے کی جرأت بھی کرلینا۔'' دریہ کے الفاظ پر شہوار ششدر رہ گئی تھی۔

تابندہ بی حویلی چھوڑ کر چلی گئی تھیں اور یہ بات سب نے پوشیدہ رکھی تھی لیکن دریہ شہوار پر طنز کررہی تھی صاف پتا چل رہا تھا کہ یہ بات اب اتنی بھی چھپی ہوئی نہیں رہی تھی۔ شہوار چائے کا چولہا بند کرکے تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

''سنو۔'' شہوار رک گئی تھی۔

''تمہاری ماں نجانے کہاں سے بھاگ کر یہاں آئی تھی اور حویلی میں آکر اپنا مطلب پورا کرنے والی اب نجانے کہاں بھاگ گئی ہے تمہارا بھی جب بھاگنے کا ارادہ ہو مجھے ضرور بتانا میں تمہارا ساتھ ضرور دوں گی۔'' الفاظ ایسے تھے گویا بھالے سیدھے دل میں پیوست ہوگئے تھے۔

شہوار جو اس معاملے میں پہلے ہی احساس کمتری میں مبتلا تھی ایک دم کچن سے بھاگ کر اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ وہ اذیت سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔

اس کی طبیعت کچھ گری گری سی ہورہی تھی وہ کالج بھی نہیں جاسکی تھی۔ اس نے کافی سارا وقت بابا صاحب کے پاس گزارا تھا اور موڈ چائے بنا کر پینے کا تھا لیکن دریہ کی آمد نے اس قدر ہرٹ کیا تھا کہ اس کا وجود اذیت کی بھٹی میں جلنے لگا تھا وہ خاموشی سے بستر پر لیٹ گئی تھی۔ تابندہ بوا کی یاد آئی تو آنکھوں میں ایک دم جھڑی سی لگ گئی تھی۔

وہ سب کچھ بھلا کر خوش رہنا سیکھ چکی تھی۔ وہ مصطفیٰ کے ساتھ زندگی گزارنے کی ہر ممکن کوشش کرتی تھی کہ اپنا احساس کمتری سامنے نہ آنے دے۔

یہ اس کی زندگی کا سب سے تاریک پہلو تھا وہ بھلا کیسے اس سے بچ سکتی تھی۔ وہ بستر پر لیٹ کر تکیہ میں منہ چھپا کر سسکنے لگی تھی۔ آج ایک دم تابندہ بوا بڑی شدت سے یاد آئی تھیں۔ نجانے وہ کہاں تھیں اور کن حالات میں تھیں۔ اس کا دل کسی ننھے بچے کی طرح ہمک ہمک کران کے پاس جانے کو مچلنے لگا تھا۔



وہ عصر کے وقت اٹھی تو طبیعت میں عجیب سی کسلمندی تھی۔ وہ واش روم میں گھسی تو اپنا سر چکراتا سا محسوس ہوا اسے منہ بھر کر تے آئی تھی۔ اس کی طبیعت مزید گری گری سی رہنے لگی تھی وہ منہ ہاتھ دھو کر واش روم سے نکلی تو بھابی کو روم میں دیکھ کر ٹھٹکی۔

"کیا ہوا طبیعت ٹھیک ہے؟" وہ اس کے نڈھال سے انداز کو دیکھ کر چونکیں۔ لائبہ فوراً قریب آئی تھیں۔ انہوں نے بازو پکڑ کر پوچھا۔ شہوار نے مسکرا کر سر ہلانے کی کوشش کی۔ بھابی نے بغور دیکھا۔

"سچ سچ بتاؤ آج کالج بھی نہیں گئی کیا بات ہے؟" وہ تاول سے منہ صاف کرکے بستر کے کنارے آ ٹکی۔

"کہیں کوئی خوش خبری تو نہیں؟" انہوں نے پوچھا تو وہ جھینپ سی گئی۔

"میں سوچ رہی ہوں چیک اپ کرالوں۔" کچھ جھجکتے اس نے کہا تو بھابی کا چہرہ ایک دم کھل اٹھا۔

"ارے... " وہ ہنس دی تھیں فوراً اس کے پاس بیٹھی تھیں۔

"مصطفیٰ اور ماں جی کو علم ہے؟" ایک دم پرجوش ہوتے پوچھا تو اس نے جھینپ کر نفی میں سر ہلایا۔

"کب سے طبیعت ایسی؟" خالص عورتوں والا سوال تھا۔

"چند دن سے ہے میں نے توجہ ہی نہ دی کہ شاید تھکن وغیرہ کا اثر ہے۔"

"لو جی مستقبل کی ڈاکٹر کا اپنے بارے میں یہ حال ہے۔" بھابی نے مذاق اڑایا وہ مسکرا دی۔

"ابھی ڈاکٹر بن رہی ہوں بنی تو نہیں۔" بھابی کھلکھلا کر ہنسی تھیں۔

"آپ کی اسپیشلسٹ کے پاس چلتے ہیں پہلے شیور کرلوں۔" اس نے کہا تو لائبہ نے سر ہلایا تھا۔

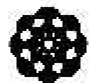
"ماں جی کو بتاتی ہوں ذرا، وہ تو سن کر ہی خوش ہو جائیں گی۔" وہ ہنس دیں۔

"ابھی رہنے دیں پہلے مجھے شیور کر لینے دیں پھر بتا دیجیے گا۔"

"او کے تم چینج کرلو میں ماں جی سے اپنے چیک اپ کا کہہ کر اجازت لے کر آتی ہوں پھر چلتے ہیں۔" وہ کہہ کر چلی گئی تھی۔

شہوار سونے سے پہلے از حد رنجیدہ اور دکھی ہو رہی تھی مگر اس وقت ایک نئے احساس سے اس کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔ لب خود بخود ہی مسکرا اٹھے تھے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارا

سمیرا شریف طور

خود سے روٹھوں تو کئی روز نہ خود سے بولوں
پھر کسی درد کی دیوار سے لگ کر رو لوں
تو سمندر ہے تو پھر اپنی سخاوت بھی دکھا
کیا ضروری ہے کہ میں پیاس کا دامن کھولوں

﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

انا کا انکار ضیاء صاحب کا کمزور دل برداشت نہیں کر پاتا چند دن اسپتال میں گزار کر ان کی طبیعت میں بہتری آتی ہے تمام گھر والے اس صورت حال کا ذمہ دار انا کو ٹھہراتے ہیں دوسری طرف انا شدید شرمندگی کا شکار ان مصائب کو خود ہی برداشت کرتی رہتی ہے جبکہ کاشفہ کے دھمکی آمیز فون اسے مزید اضطراب میں مبتلا کیے رکھتے ہیں۔ روشی اس معاملے پر انا سے تفصیلی بات کرنے کا ارادہ کرتی ہے لیکن انا اپنی پسندیدگی حماد سے ظاہر کرتے ولید کے رشتے سے منکر ہوجاتی ہے۔ دوسری طرف ولید اپنی ذات کی یہ توہین برداشت نہیں کر پاتا اور نہایت جارحانہ انداز میں اس کی کلائی دبوچ لیتا ہے انا کے دوبدو جواب دینے پر ولید کا ہاتھ انا پر اٹھتے اٹھتے رہ جاتا ہے نہایت غصے کے عالم میں اسے دھکا دے کر ولید کمرے سے چلا جاتا ہے جبکہ انا اس ذلت آمیز سلوک پر ولید سے مزید بدظن ہوجاتی ہے۔ بابا صاحب کی طبیعت سنبھلتی ہے تو سب انہیں گھر لے آتے ہیں جب ہی شہوار کی زبانی مصطفیٰ کو ضیاء صاحب کے ہارٹ اٹیک کے متعلق پتا چلتا ہے۔ وہ عیادت کی غرض سے وہاں جانا چاہتے ہیں حماد بھی اپنی بھابی کے ہمراہ وہاں جانے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ دوسری طرف وقار ان لوگوں کے ہمراہ حماد کو دیکھ کر خود پر ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہیں ایسا ہی رویہ ولید کا بھی ہوتا ہے جبکہ انا ان لوگوں سے ملنے سے صاف انکار کردیتی ہے۔ اس وقت وہ شہوار سے بھی نہیں ملنا چاہتی۔ رابعہ اپنے بھائی سہیل کے ہمراہ آفس پہنچ کر اپنے واجبات کلیئر کراتی ہے اور ساتھ ہی اپنی شادی کا ذکر کرتے عباس صاحب کی تمام فیملی کو مدعو کرتی ہے۔ حیات علی شہر کے تمام امور نمٹا کر گاؤں چلے جاتے ہیں لیکن ان کا دل وہیں اس چھوٹے سے گھر میں الجھا رہتا ہے جب ہی ایک مرتبہ پھر وہ اس گھر تک جا پہنچتے ہیں۔ صفدر اپنی بیٹی زبین کا رشتہ کسی جواری سے طے کردیتا ہے اور صفدر کی بیوی ان تمام حالات کے متعلق حیات علی کو بتا کر مدد کی درخواست کرتی ہے صفدر کی نشے کی لت نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا وہ اپنی ایک بیٹی کو بھی اسی طرح بوڑھے جواری سے بیاہ چکا تھا۔ اب زبین کے متعلق بھی یہی طے کیے بیٹھا تھا ان حالات میں حیات علی اس شخص کے قرضے کی رقم لوٹانے کا وعدہ کرتے واپس گاؤں آجاتے ہیں۔ دریہ رقابت کی آگ میں جلتی شہوار کے ساتھ نہایت ذلت آمیز سلوک کرتی ہے اور اس کی ماں کے حویلی سے بھاگ جانے کا ذکر کرکے اسے احساس کمتری میں مبتلا کردیتی ہے جبکہ دریہ کے منہ سے تابندہ کے متعلق یہ سچائی جان کر وہ شدید کرب میں مبتلا ہوجاتی ہے۔ دریہ کی باتوں پر ٹینشن لیتے وہ عجیب کیفیت سے دوچار ہوتی ہے لیکن لائبہ بھابی اس کی حالت کو کسی خوش خبری سے تعبیر کرتی ہیں جس پر وہ خود بھی خوش گوار حیرت میں مبتلا ہوجاتی ہے۔ کاشفہ ولید کے آفس پہنچ کر انا اور ولید کے تعلق پر طنز کرتی انا کی شادی کا ذکر کرتی ہے کاشفہ کے منہ سے یہ حقیقت جان

کر ولید چونک جاتا ہے کہ ضرور انا اور کاشفہ کے درمیان کوئی رابطہ ہے ایسے میں وہ تمام معاملات کو نہایت محتاط انداز میں جانچنے کا عہد کرتا ہے۔

﴿اب آگے پڑھیے﴾

❁......❁......❁

وہ لائبہ بھابی کے ساتھ ان کی اسپیشلسٹ کے پاس آئی تھی۔ چیک اپ کے بعد اس نے پازیٹو رپورٹ دی تو لائبہ بھابی اور شہوار کو بے حساب خوشی کا احساس ہوا۔

”شکر کرو اللہ بڑا مہربان ہے ورنہ ایک سال گزر جاتا تو نجانے دل میں کیا کیا وسوسے آنے لگتے میں تو بہت ڈری ہوئی تھی اس سلسلے میں عادلہ بھابی کے ہاں آفاق پیدا ہوا تو اور شدت سے اس کمی کا احساس ہونے لگا تھا۔ وہ تو اللہ کا کرم تھا کہ اس نے مہربانی کی ورنہ میں تو ہر وقت الجھی رہتی تھی۔“ گاڑی میں بیٹھ کر بھابی نے کہا تو وہ مسکرادی۔

واقعی اس پر اللہ مہربان تھا۔ مصطفیٰ جیسے شوہر کا ساتھ اتنی محبت کرنے والی سسرال اور اب اس طرح اللہ کا اسے اولاد کی نعمت سے نواز دینا۔ وہ واقعی دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی تھی جسے اللہ اس کی بساط اور استطاعت سے بڑھ کر نواز رہا تھا۔ شہوار کا دل شکر کے احساس سے بھرنے لگا اور آنکھوں میں تشکر کی نمی اتر آئی۔

”مصطفیٰ کو کال کرو۔“ بھابی نے اس کے خوشی کے احساس سے چمکتے دمکتے چہرے کو پیار سے دیکھتے کہا تو وہ جھینپی۔

”نہیں، جب وہ گھر آئیں گے تو پھر بتاؤں گی۔“ چہرے پر ان گنت ستاروں کی چمک تھی۔

”اوکے......اور باقی لوگوں کو بتاؤں گی یا ابھی ٹھہرو گی۔“

”نہیں پہلے مصطفیٰ جان لیں پھر آپ ماں جی کو بتادیجیے گا۔“ بھابی مسکرادی۔

”خوش رہو اور سدا سہاگن بھی...... آمین۔“ انہوں نے دل سے دعا دی۔

”آمین۔“ وہ دل ہی دل میں کہتے گاڑی کی پشت سے سر ٹکا گئی۔

وہ دریہ کی وجہ سے شدید احساس کمتری کا شکار ہوئی تھی لیکن اس وقت اس کا دل ہر احساس سے عاری مسرت کے احساس سے لبریز تھا اور وہ ذہن سے باقی ہر سوچ جھٹک کر ان لمحوں کو شدت سے محسوس کرکے خوش ہونا چاہتی تھی۔

❁......❁......❁

احسن اپنے تمام کاموں سے وقت نکال کر خصوصی طور پر آفس سے نکلا تھا۔ وہ حماد کے آفس پہنچا تو پتا چلا وہ آفس میں موجود نہیں۔ احسن کا کوفت سے برا حال ہوتا ہے۔ وہ کچھ وقت گزارنے کے بعد وہاں سے نکلنے ہی والا تھا تو حماد آفس چلا آیا تھا۔ اس کی پیون نے اسے احسن کی آمد کی اطلاع دی تو وہ فوراً اس کے پاس آتا ہے۔

”ایم سوری احسن آپ کو انتظار کرنا پڑا۔ میں آفس کے کام کے سلسلے میں سائٹ پر نکلا ہوا تھا آیئے میرے آفس میں چلتے ہیں۔“ ہاتھ ملانے کے بعد وہ خوش اخلاقی سے بولا۔

احسن نے مارے بندھے ہاتھ ملا کر سر ہلایا۔ حماد مصطفیٰ کا کزن نہ ہوتا تو وہ شاید اس سے بہت بری طرح پیش آتا۔ وہ دونوں احسن کے آفس میں آگئے تھے۔

”کیا لیں گے آپ، چائے کولڈ ڈرنک یا کافی؟“

”کچھ بھی نہیں، میں یہاں کچھ کھانے پینے نہیں آیا مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔“ بہت سنجیدگی سے احسن نے کہا تو حماد چونکا۔ بغور احسن کو دیکھا جس کے تیور ازحد کشیدہ اور اعصاب میں واضح کھنچاؤ دکھائی دے رہا تھا۔

”اوکے، وائے ناٹ۔“ اس نے ریسیور رکھ دیا۔

''تم انا کو کب سے جانتے ہو؟'' بہت رکھائی سے احسن نے پوچھا۔

''کیا مطلب؟'' احسن کے انداز پر وہ بھی سنجیدہ ہوا۔

''مطلب تو تم بہت اچھی طرح سے سمجھ گئے، ہو جو پوچھ رہا ہوں وہ بتاؤ۔'' احسن کا انداز اب بدلحاظی لیے ہوئے تھا حماد کے تیور بھی بدلے تھے۔

''یہ بات تم اپنی بہن سے بھی پوچھ سکتے تھے۔'' حماد نے سنجیدگی سے کہا تو احسن کے تیور مزید تیزی بدلے تھے۔

''شٹ اپ۔'' وہ پھنکارا۔

''میں مصطفیٰ کی وجہ سے تمہیں رعایت دے رہا ہوں ورنہ جس طرح تم میری بہن کو ورغلا کر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہو کوئی اور شخص ہوتا تو میں اسے جان سے مارنے میں ایک لمحہ نہ لگاتا۔'' اب کی بار احسن کے لب ولہجے میں کسی بھی قسم کی رعایت نہ تھی۔

''تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو۔'' حماد کا لب ولہجہ بھی ایک دم بدلا تھا۔

''یہ محض دھمکی نہیں ہے اگر تم اب انا کی طرف بڑھے تو میں اپنے کہے پر عمل بھی کر سکتا ہوں۔'' اس نے انگلی اٹھا کر وارن کیا تو حماد طنزیہ مسکرا دیا۔

''بہتر یہ تھا کہ تم مجھے دھمکیاں دینے کی بجائے اپنی بہن کو سمجھاتے بہرحال میں اسے پسند کرتا ہوں اور وہ بھی مجھے پسند کرتی ہے میں اس سے افیئر نہیں چلا رہا۔ باقاعدہ شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں انا کی طرف سے جواب کا منتظر تھا ورنہ اب تک میں اپنی فیملی کو رشتہ کے لیے بھیج چکا ہوتا۔'' انداز دوٹوک اور حتمی تھا۔

''بکواس بند کرو تم اچھی طرح جانتے ہو کہ انا اور ولید ایک دوسرے کے ساتھ انگیج ہیں اس کے باوجود تم نے اسے ورغلانے کی کوشش کی۔'' بڑے غصیلے انداز میں کھڑے ہو کر اس نے کہا تو حماد نے ایک گہرا سانس لیا۔

''میں نے انا کو ورغلانے کی قطعی کوشش نہیں کی۔ مجھے علم تھا کہ انا اور ولید آپس میں منسوب ہیں میں نے کوئی پیش رفت نہیں کی تھی انا نے خود مجھے بتایا تھا کہ وہ ولید سے اپنی منگنی ختم کر چکی ہے جب ہی میں نے اسے پروپوز کیا اور اس نے میرا پروپوزل قبول کر لیا اینڈ ڈیٹس آل۔'' حماد کا انداز مطمئن اور پرسکون تھا۔ احسن نے چند پل اسے گھورا۔

''تم انا اور ولید کے درمیان سے ہٹ جاؤ اگر تم سمجھ رہے ہو کہ ہم انا کی ضد مان لیں گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے بہتر ہے تم شرافت کے ساتھ ایک طرف ہو جاؤ ورنہ جو کچھ ہوگا اچھا نہیں ہوگا۔'' وہ دھمکی دے کر جانے لگا حماد نے اسے جاتے دیکھا۔

''سنو احسن میں محض انا کی وجہ سے یہ سب کر رہا ہوں، میں ایک باحیثیت خاندان سے تعلق رکھتا ہوں میں فلرٹ نہیں کر رہا۔ شادی کرنا چاہتا ہوں میں زبان دے کر واپس لینے والوں میں سے نہیں ہوں۔ ہاں اگر انا خود آ کر مجھے ریجیکٹ کرتی ہے تو میں پیچھے ہٹنے کا سوچ بھی سکتا ہوں، لیکن ایک لڑکی کو اس طرح درمیان میں لا کر بیچ منجدھار میں چھوڑنے والوں میں سے نہیں ہوں۔'' انداز اٹل اور فیصلہ کن تھا۔

احسن نے پلٹ کر دیکھا پھر چند پل کھڑا اسے دیکھتا رہا اور مٹھیاں بھینچ کر تیزی سے وہاں سے نکل گیا' حماد پرسوچ نظروں سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

❁......❁......❁

وہ کالج سے واپس آئی تو ضیاء ماموں روشی کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے دوسری طرف صوفے پر وقار اور احسن تھے۔ وہ سب کوئی بات کر رہے تھے۔ لیکن اسے دیکھ کر خاموش ہو گئے تھے۔

وہ بھی اس وقت سب کو دیکھ کر الجھی تھی وقار صاحب نے اس کے دیکھنے پر گردن موڑی تو اس کے اندر شدید توڑ پھوڑ سی ہوئی' وہ خاموشی سے پلٹی اور اپنے کمرے میں آ گئی۔ سب نے اسے جاتے دیکھا تھا۔ کمرے میں آ کر وہ خاموشی سے بستر پر ٹک گئی اور کافی دیر تک اسی طرح خاموشی سے بیٹھی رہی تھی۔

ڈرائیور اسے کالج لا اور لے جا رہا تھا وہ آج کل وقت پر گھر آ جا رہی تھی۔ آج شہوار کالج نہیں آئی تھی۔ وہ اب اپنا موبائل یوز نہیں کر رہی تھی موبائل آف کر کے اس نے دراز میں ڈال دیا تھا' اس نے سوچا کہ کال کر کے شہوار کے کالج نہ آنے کی وجہ ہی پوچھ لے۔ اس نے دراز سے موبائل نکالا تو موبائل کی بیٹری چارج نہیں تھی اور اس نے چارجز لگا کر موبائل بھی آن کیا تو ساتھ ہی کئی نمبرز سے ان گنت میسجز کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ جس میں شہوار کے میسجز کے علاوہ حماد اور کاشفہ دونوں کے میسجز تھے۔ اس نے کاشفہ کے تمام میسجز کو بنا پڑھے ڈیلیٹ کر دیے تھے۔ اس نے حماد کے میسجز پڑھنا شروع کر دیے تھے۔ لاسٹ والے میسج پر وہ ٹھٹک گئی تھی۔

''میں اپنے گھر والوں کو آپ کے گھر لانا چاہ رہا ہوں، جب بھی میسج پڑھیں مجھ سے رابطہ کریں۔'' میسج پڑھ کر وہ گم صم سی ہو گئی تھی۔ وہ خود بھی اس معاملے کو آر یا پار کرنا چاہتی تھی۔ اس نے کال ملائی تو کچھ دیر بیل ہوتی رہی اور پھر کال کاٹ دی گئی۔

ابھی وہ دوبارہ کال کرنے کا سوچ رہی تھی کہ حماد کی کال آ گئی تھی۔

''السلام علیکم۔'' اس نے کال پک کی۔

''وعلیکم السلام...... کہاں تھیں آپ؟'' دوسری طرف سے فوراً پوچھا گیا۔

''آپ اندازہ نہیں کر سکتیں اس دن پارک میں آپ کے فادر کے آنے کے بعد اور آپ کے چلے جانے کے بعد سے میں کتنا اپ سیٹ رہا ہوں، مسلسل آپ سے رابطہ کرنے کی کوشش میں تھا میں پاگلوں کی طرح آپ کا نمبر ڈائل کر رہا تھا۔'' وہ اپنی بے قراریاں بتا رہا تھا جبکہ انا کے اندر شدید قسم کے گلٹ کا احساس پیدا ہونے لگا۔

''آپ کا نمبر کیوں بند تھا؟'' اس نے پوچھا۔

''میں آپ کے گھر بھی آیا لیکن آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔'' اس نے مزید پوچھا۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''اوہ...... کیا ہوا، اب کیسی ہیں؟''

''ٹھیک ہوں۔''

''اور موبائل کیوں آف تھا؟''

''بیٹری چارج نہیں تھی۔'' اس کی وہی سنجیدگی تھی۔

''اوہ...... میں پریشان ہوتا رہا کہ نجانے کیا مسئلہ ہے کسی سے کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ مجبوراً بھابی اور بھائی کے ہمراہ مصطفیٰ بھائی کے بہانے آپ کے ماموں کی عیادت کو آنا پڑا، لیکن سب کا رویہ بہت بدلا ہوا تھا خصوصاً آپ کے والدین کا۔'' وہ بتا رہا تھا اور انا کے اندر شدید شرمندگی کا احساس پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا۔

''ایم سوری! میں آپ کو اس دن ان سب متوقع رویوں کے بارے میں پیشگی بتا چکی تھی۔ اگر آپ کو میری وجہ سے مسئلہ ہو رہا ہے، ان سب کو ہینڈل نہیں کر سکتے تو آپ مجھے انکار کر سکتے ہیں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا تو دوسری طرف حماد فوراً پریشان ہوا۔

''ایسی کوئی بات نہیں، میں ایک باعزت خاندان سے تعلق رکھتا ہوں اور ہمارے ہاں زبان دے کر مکرنے کا رواج

نہیں، اگر آپ میرے لیے آگے بڑھی ہیں تو میں آپ کو کبھی بھی تنہا نہیں چھوڑوں گا چاہے حالات کچھ بھی ہو یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔'' انداز اٹل اور فیصلہ کن تھا۔ انا نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

''آج آپ کے بھائی میرے آفس آئے تھے۔'' حماد نے بتایا تو وہ ایک دم ساکت ہوگئی۔

''احسن بھائی؟'' وہ بڑبڑائی۔

''جی ہاں، آپ کی وجہ سے میں ان کی بہت عزت کرتا ہوں لیکن ان کا رویہ قطعی اچھا نہ تھا کافی دھمکیاں دے کر گئے ہیں۔''

''کیسی دھمکیاں؟'' اس کا سانس اکھڑنے لگا۔

''یہ کہ اگر میں نے آپ کا نام بھی لیا تو جان سے ماردیں گے فلاں فلاں۔'' انا نے بمشکل سانس خارج کیا۔

''لیکن میں ان دھمکیوں سے ڈرنے والا نہیں، میں آپ سے فلرٹ نہیں کررہا اور نہ ہی کوئی افیئر چلارہا ہوں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ میں فوراً اپنے والدین کو آپ کی طرف بھیجوں، میں سب پر واضح کردینا چاہتا ہوں کہ میں آپ کے معاملے میں مکمل طور پر سنجیدہ ہوں۔'' انداز سخت اور فیصلہ کن تھا۔

''لیکن یہ سب اتنی جلدی۔''

''مجھے بہت جلدی ہے۔'' حماد نے اس کی بات کاٹی۔

''آپ شاید یقین نہ کریں آپ میری پہلی نظر کی پسند تھیں۔ آپ کو دیکھا اور محبت کرنے کو جی چاہا تھا۔ ولید بھائی سے آپ کے ریلیشن کے بارے میں جان کر میں پیچھے ہٹ گیا تھا۔ لیکن اب جبکہ ولید بھائی والا معاملہ آپ ختم کرچکی ہیں تو میں اب کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔'' وہ واقعی بہت سنجیدہ تھا۔ انا خاموشی سے بستر کے کنارے ٹک گئی تھی۔

''ٹھیک ہے آپ جب چاہیں اپنے والدین کو بھیج سکتے ہیں۔'' اس نے دھیمے سے کہہ دیا۔

''تھینکیو سو مچ۔ میں فوراً اپنے گھر والوں سے بات کرتا ہوں۔'' اس نے کہا تو انا چپ ہی رہی۔

حماد نے چند اور باتیں بھی کی اور اس کے بعد اس نے کال بند کردی تھی۔ انا نے خاموشی سے موبائل کو دیکھا اور اب شہوار کو کال کرنا ذہن سے نکل چکا تھا۔

وہ موبائل سائیڈ پر پھینکتے بستر سے کھڑی ہوگئی اور وہ کپڑے بدل کر آئی تو موبائل بج رہا تھا۔ اس نے اسکرین دیکھی تو اعصاب کشیدہ ہونے لگے۔ اتنے دن سے موبائل بند تھا تو اسے لگ رہا تھا کہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرکے بیٹھ جانے سے وہ کاشفہ جیسی لڑکی کی دسترس سے دور ہوچکی ہے لیکن نہیں یہ اس کی خام خیالی تھی۔ اب بھی کاشفہ کا نام دیکھ کر اس کے اندر نجانے کیا کیا عذاب اترے تھے۔

''ہیلو۔'' کچھ سوچ کر اس نے بہت مضبوط لہجے میں کہا۔

''زہے نصیب محترمہ انا وقار صاحبہ نے کال ریسیو کرنے کی زحمت گوارا کرلی۔'' دوسری طرف وہ طنزیہ ہنسی۔

''جو کہنا ہے وہ کہو۔''

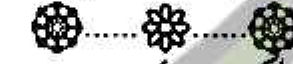
''تم نے میرے ساتھ جو ڈیل کی تھی اب اس میں چیٹنگ کررہی ہو تم سمجھتی ہو، یہ موبائل بند کرکے تم مجھ سے دور ہوجاؤ گی تو تمہاری بھول ہے، میں چاہوں تو ایک پل میں تمہارے گھر پہنچ جاؤں۔'' انا نے لب بھینچ لیے تھے۔

''ولید سے میں منگنی ختم کرچکی ہوں میں کسی اور سے شادی کررہی ہوں ولید تمہارا ہیڈک تھا، تم اس تک کیسے پہنچتی ہو یہ تمہارا مسئلہ تھا تم کیوں بار بار مجھے کال کرکے تنگ کرتی ہو اب جو جی چاہے کرو خدارا میری جان چھوڑدو۔'' وہ ایک دم چیخی۔

''میں تمہاری پوری فیملی کو ختم کرادوں گی آگ لگادوں گی اگر تم نے میری بات نہ مانی۔'' دوسری طرف وہ اس سے زیادہ چیخی۔

''گو ٹو ہیل میں نہیں ڈرنے والی اب تم سے، تم نے مجھے بلیک میل کیا ہے، میں اب تمہاری کسی بات میں نہیں آنے والی۔ مائی فٹ تم کچھ کرو گی تو میں بھی خاموش نہیں رہوں گی سب کو بتادوں گی اوکے۔'' انا کو لگ رہا تھا کہ وہ ایک سائیکی کیس بنتی جارہی ہے اب ایک دم پھٹی اور اب اس کی برداشت جواب دے چکی تھی بہت غصے سے کہہ کر اس نے کال بند کردی۔

موبائل ہاتھ میں لیے وہ پلٹی لیکن دروازے پر کھڑے وجود کو دیکھ کر ساکت رہ گئی تھی۔



چوہدری حیات علی دو دن بعد واپس آئے تھے لیکن وہاں کی صورت حال دیکھ کر ایک دم ساکت ہوگئے تھے صفدر اپنی بیٹی زبین کی شادی کررہا تھا چوہدری حیات علی کی پیشکش کے باوجود وہ اپنے جواری دوست سے اسے بیاہ رہا تھا بخشو ہمراہ تھا حیات علی کو دیکھ کر صفدر چونکا۔

''یہ سب کیا ہے؟'' گھر کے باہر پکتی دیگوں کو دیکھتے حیات علی نے بہت غصے سے صفدر سے پوچھا تو وہ کھسیا گیا۔

''میں نے کہا تھا نا کہ میں تمہیں پیسے دے دوں گا، تم اس کے باوجود اپنی بیٹی کی زندگی برباد کررہے ہو؟'' حیات علی کا لہجہ سخت تھا۔ صفدر علی ایک دم ہاتھ جوڑنے لگا۔

''میں نے منع کردیا تھا لیکن وہ شخص نہیں مانا زبردستی پیسے تھما گیا کہ بارات کے کھانے کا انتظام کروں۔ شام کو نکاح کرنے آئے گا وہ، آپ تو چلے گئے تھے اور مجھے یہ تھا کہ آپ آتے ہیں یا نہیں میں ڈر گیا تھا۔'' حیات علی کا چہرہ ایک دم غصے سے سرخ ہوگیا تھا۔

''جب میں وعدہ کرکے گیا تھا، تو پھر کیوں نہ تم انتظار کرسکتے تھے یہ خاصی بڑی رقم تھی، ایک دم بندوبست کرنا مشکل تھا کچھ وقت لگنا تھا۔'' غصے سے کہا تو صفدر کا رنگ بدلا۔

''ہاں بھائی کیا بات ہے کون ہے یہ شخص؟'' کچھ فاصلے پر کھڑا ایک درمیانی عمر کا شخص دونوں کے درمیان آ کھڑا ہوا تھا کافی بدلحاظی سے مخاطب ہوا تھا۔

حیات علی نے ناپسندیدگی سے اس بڑی بڑی مونچھوں اور سرخ آنکھوں والے شخص کو دیکھا تھا۔

''کوئی نہیں، کوئی نہیں، تم جاؤ بس۔'' صفدر نے گھبرا کر دوسرے شخص کو ٹالنا چاہا۔

''یہ کس قسم کی بات کررہا ہے۔'' بجائے ٹلنے کے وہ شخص اگلا سوال لیے کھڑا تھا۔

''کہا نا کچھ نہیں تم جاؤ؟'' جھنجلا کر صفدر نے کہا۔

''کیسے جاؤں پیسے لگائے ہوئے ہیں میں نے، تم پر اور تمہاری اس بیٹی پر۔'' وہ تو ایک دم مرنے مارنے پر تل گیا تھا۔

''کون ہے یہ شخص اسے ذرا تمیز نہیں ہم لوگ بات کررہے ہیں اور یہ گھسا آرہا ہے۔'' حیات علی صاحب کو اس شخص کا طریقہ گفتار انتہائی ناگوار گزرا اور صفدر کو کہا تو اس کی حالت اور متغیر ہوگئی۔

''میں اس کو سمجھالوں گا آپ اس کو چھوڑیں آپ اندر چل کر بیٹھیں۔'' اردگرد لوگوں کو اکٹھا ہوتے دیکھ کر صفدر گھبرا گیا تھا۔ حیات علی کے ہاتھ تھام کر خوشامدی انداز میں کہا تھا۔

صفدر کے بار بار کہنے پر وہ بخشو کو وہیں چھوڑ کر اندر آگئے تھے۔ باہر کی نسبت گھر میں خاموشی تھی۔ صفدر بھی ان ہی کے چلا آیا تھا۔

''یہ سب کیا ہے صفدر؟ میں تم سے کہہ کر گیا تھا کہ میں تمہیں پیسے دے دوں گا، تم اپنی بیٹی کی زندگی برباد مت کرو۔''

''میں مجبور تھا صاحب وہ شخص مرنے مارنے پر تل گیا تھا۔ دو دن سے مسلسل میرے گھر پر نظر رکھے ہوئے ہے کہ میں کہیں بھاگ نہ جاؤں۔''

''وہ جو باہر الجھ رہا تھا وہی شخص ہے یہ، جس سے شادی کررہے ہو اپنی بیٹی کی۔'' حیات علی کے پوچھنے پر صفدر نے سر ہلایا۔

''تم سے بھی چند سال بڑا ہوگا وہ تو؟'' حیات علی کو ایک دم شدید افسوس نے آن گھیرا کم عمر خوب صورت سی زبین کا عکس ایک دم دماغ میں لہرا کر معدوم ہوگیا تھا۔

''صاحب وہ سمجھتا ہے میں پیسے نہ دینے کی وجہ سے انکار کررہا ہوں۔'' حیات علی نے افسوس بھری نگاہ اس پر ڈالی۔ ہاتھ میں پکڑے چرمی چھوٹے سے بیگ کو کھول کر اس میں سے رقم کا لفافہ نکالا۔

''بلاؤ اس شخص کو اور یہ رقم اس کو دو اور سنو باقاعدہ کاغذات پر دستخط کروا کر ایسے رقم مت دینا۔'' لفافہ صفدر نے تھام لیا تھا۔

اتنی بڑی رقم دیکھ کر اس کے ہاتھ کانپنے لگے تھے۔ اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

وہ طبعاً ایک حریص اور بدنیت آدمی تھا مڈل کلاس گھرانے سے تعلق رکھنے والے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا والدین اپنی بساط کے مطابق تھوڑی بہت جمع پونجی چھوڑ کر مرے تھے جو اس نے اپنی ہڈحرامی اور خراب عادتوں کے سبب سب گنوا دیا تھا نوبت فاقوں تک آن پہنچی تھی۔ قرض خواہ جان سے مار دینے کے درپے تھے۔ گھر بیچا اور پھر اپنی کم عمر بیٹی کو ایک عیاش کے ساتھ کچھ رقم کے بدلے بیاہ دیا۔ اب دوسری کو اپنے جوئے اور قرض کی رقم کے عوض دے رہا تھا کہ قدرت نے نجانے کہاں سے حیات علی کو اس کے سامنے لاکھڑا کیا تھا حیات علی فطرتاً اسے رحم دل اور سادہ مزاج چوہدری لگا تھا اور جس طرح پہلی بار وہ اس کو کئی نوٹ تھما گیا تھا اس نے اس کے اندر کی حریص فطرت کو اور حریص بنادیا تھا اور جب حیات علی نے رقم کے متعلق پوچھا تھا تو اس نے بڑھا چڑھا کر بتادیا تھا۔

اصل میں وہ دونوں طرف سے رقم بٹورنا چاہتا تھا لیکن برا ہو اس شخص کا جو اس کے دام میں آنے کے بجائے اس کے گھر کے باہر قبضہ جما کر بیٹھ گیا تھا اب اس کے کہنے پر شادی کی تیاریاں ہورہی تھیں ایسے میں حیات علی کی آمد۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی بھی وجہ سے معاملہ بگڑے اور گھر آئی لکشمی واپس چلی جائے۔

''اللہ آپ کو سدا خوش رکھے چوہدری صاحب، آپ نے میری ایک بہت بڑی مصیبت دور کی ہے اللہ آپ کو لمبی عمر اور صحت عطا کرے۔'' صفدر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اتنی بڑی رقم لے کر چوہدری حیات علی کے قدموں میں لوٹنے لگے۔

''اس شخص کو بلاؤ میں اپنے سامنے سارا معاملہ کلیئر کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ پیسے لے کر چلا جاتا ہے تو ٹھیک ورنہ وہ اگر الجھے تو میں بھی پولیس کو بلوالوں گا، بہت اچھے تعلقات ہیں یہاں کی پولیس سے۔ بات اگر تمہاری بیٹی کی نہ ہوتی تو ایسے لوگوں کو لمحوں میں ٹھیک کرنا آتا ہے ہمیں۔'' حیات علی نے کہا تو صفدر کا رنگ اڑ گیا۔

اس شخص کو سامنے بلوانے کا مطلب تھا کہ رقم کی اصلیت کھل جاتی اور صفدر اب بنے بنائے کھیل کو بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔

''آپ اس کی فکر مت کریں، اب میں اس سے اچھی طرح نبٹ لوں گا۔ میں ابھی اچھی طرح لکھ لکھا کر رقم دوں

گا۔ آپ ادھر بیٹھیں میں چائے پانی منگواتا ہوں۔‘‘ وہ کہہ کر رقم والا لفافہ لے کر کمرے سے نکل گیا تھا۔ دو تین منٹ بعد صفدر کی بیوی آ گئی تھی اس کے چہرے پر خوشی بھی تھی اور آنکھوں میں ندامت کے آنسو بھی۔

’’اللہ آپ کا بھلا کرے آپ نے ایک ماں پر بہت بڑا احسان کیا ہے چوہدری صاحب۔‘‘ آتے ہی وہ رو دی تھیں۔ حیات علی ایک دم گھبرا گئے۔

’’ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو شاید میں اس کی بھی مدد کرتا۔‘‘ وہ ایک دم متاثر ہوئی تھی۔ بغور دیکھا۔ وجیہہ سراپا، روشن چہرہ چمکتی آنکھیں جن میں جاہ و حشمت اور دولت کا کسی بھی قسم کا کوئی غرور نہ تھا۔ ان کے دل سے ایک ہوک سی اٹھی تھی۔

وہ ان عورتوں میں شامل تھیں جن کی ممتا بیٹوں کی محرومی کے زخموں سے چور ہوتی ہے۔ شوہر کی رفاقت میں انہیں شوہر کی محبت ملی تھی اور نہ ہی شوہر کی طرف سے تحفظ۔ ایسے میں شدت سے خواہش پیدا ہوئی تھی کہ کاش ان کا کوئی بیٹا ہوتا جو باپ کو ان بری حرکتوں سے روک لیتا یا پھر ان تینوں ماں بیٹیوں کا سائبان بن جاتا۔ دل میں وہ ایسے ہی اونچے بیٹے کا تصور رکھتی تھیں دل میں۔ وہ جانتی تھیں ان کا شوہر ایک دغاباز فریبی اور مطلبی انسان ہے اور وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ حیات علی کو ان کا شوہر محض اپنے مطلب کے لیے استعمال کر رہا ہے۔

’’صفدر کہاں ہے، اسے بلوا دیں میں چلتا ہوں۔‘‘

’’وہ باہر گیا ہے آتا ہوگا آپ بیٹھیں نا۔‘‘ وہ جب سے آئے تھے مسلسل کھڑے تھے صفدر کی بیوی نے کرسی کھینچ کر سامنے کی تو حیات علی بیٹھ گئے۔

’’آپ کی بیٹی کتنا پڑھی ہے؟‘‘ حیات علی نے پوچھا۔

’’زبین نے اسی سال دسویں کا امتحان دیا تھا میری بڑی خواہش تھی میری بچیاں پڑھ لکھ جاتیں لیکن گھر کے حالات اور صفدر کی حرکتوں کی وجہ سے گھر بٹھانا پڑ گیا۔‘‘

’’آپ کی بڑی بیٹی ملتی ہے آپ سے؟‘‘

’’نہیں۔‘‘ بیٹی کے ذکر پر وہ رونے لگی تھیں۔

’’اس کا شوہر بڑا ظالم ہے گھر میں قید کر کے رکھا ہوا ہے کہتا ہے پیسوں سے خرید کر لایا ہوں، اگر گھر سے قدم بھی اس نے باہر نکالا تو جان سے مار دے گا ایک دوبار میں خود ملنے گئی تھی وہ تو کسی سے ملنے بھی نہیں دیتا۔‘‘

’’آپ پریشان نہ ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔‘‘ حیات علی نے دلاسہ دیا تو صفدر کی بیوی نے اپنے آنسو صاف کیے۔

’’ایک بات کہوں چوہدری صاحب؟‘‘ جھجکتے ہوئے اس نے پوچھا۔ حیات علی نے سر ہلایا۔

’’اماں۔‘‘ اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتی دروازے سے آواز سن کر دونوں پلٹے تھے زبین چائے کا کپ لیے کھڑی تھی۔ حیات علی کی تمام تر حسیں یکجا ہو کر زبین کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

’’یہ چائے۔‘‘ وہ اپنی ماں سے مخاطب تھی۔

ماں نے اٹھ کر چھوٹی سی ٹرے تھام لی تھی اور زبین چائے پکڑا کر واپس پلٹ گئی تھی اور حیات علی کو لگا گویا زندگی یہیں کہیں رک گئی ہو۔ اتنے دنوں کی بے سکونی، بے چینی اور بے آرامی سب ختم ہو گئی تھی یک دم۔ زبین پلٹ کر جا چکی تھی لیکن حیات علی کی نگاہیں گویا دہلیز پر ہی جم گئی تھیں۔

’’صفدر ایک دھوکے باز انسان ہے وہ سب کو دھوکہ دے رہا ہے آپ کو مجھے اپنی اولاد کو اس آدمی کو جس سے وہ آج

زیبن کا نکاح پڑھوانے کا کہہ رہا تھا۔" کپ حیات علی کی طرف بڑھاتے صفدر کی بیوی نے کہا تو حیات علی نے چونک کر نگاہوں کا زاویہ بدل کر صفدر کی بیوی کو دیکھا۔ جس کے چہرے پر زمانے کی سختی نے عجیب سی کرختگی پیدا کر رکھی تھی۔

"آپ سے پیسے لے کر وہ اس شخص کو چلتا کردے گا لیکن چند دن بعد وہ ایک اور جواری کو لے کر آ جائے گا اور اس کے عوض پھر بیٹی کو بیاہنے کی بات کرے گا میری بڑی بیٹی مہرن کے ساتھ بھی اس نے ایسا ہی کیا تھا، سیٹھ کو پھانسا تھا اور پھر کسی جواری سے بیاہنے کا کہا تھا سیٹھ سے وہ قرض پر قرض لے چکا تھا دوسرا شخص فوری شادی کرنا چاہتا تھا لیکن سیٹھ سے پیسے لے کر دوسرے کو دے کر سیٹھ سے شادی کردی تھی۔" وہ پھر رونے لگیں تھیں حیات علی کو سمجھ نہ آئی کہ کس طرح اسے چپ کرائے۔

نجانے صفدر کہاں رہ گیا تھا۔ کچھ دیر پہلے باہر جو شور کی آواز آ رہی تھی اب وہاں بھی خاموشی تھی۔

"چوہدری صاحب آپ عزت دار آدمی ہیں آپ ایک دکھی ماں کی فریاد سن لیں اس سے پہلے کہ صفدر پھر کوئی ڈرامہ کھیلے آپ میری بیٹی کو اپنے ساتھ لے جائیں۔" حیات علی ساکت رہ گئے۔

"یہ بھلا کیسے ممکن ہے؟"

"صفدر کی آنکھوں پر پیسے کی پٹی بندھی ہوئی ہے وہ بار بار یہ کھیل کھیلے گا اس سے بہتر یہی ہے کہ آپ میری بیٹی سے نکاح کر کے اسے ساتھ لے جائیں۔"

"کیا......؟" حیات علی ایک دم گنگ سے رہ گئے تھے۔

✿......✿......✿

روشی دروازے پر کھڑی تھی انا کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا تھا پتا نہیں اس نے کیا کیا سنا تھا روشی کے چہرے پر حیرت اور الجھن کی کیفیت تھی۔

"چائے ریڈی ہے تم بھی آ جاؤ۔" روشی نے کہا تو انا نے بمشکل اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری تھی۔ ان کے گھر میں شام کی چائے کا سب اہتمام کرتے تھے۔

"مجھے چائے نہیں پینی۔" روشی نے سنجیدگی سے کہا۔

"کس کی کال تھی؟"

"چائے پر کون کون ہے؟" روشی کے سوال کو ان سنا کرتے اس نے پوچھا۔

"پھپو کے علاوہ باقی ہم سب ہی ہیں۔" یعنی ولید آفس سے آ چکا تھا۔

"تم بھی سب میں آ کر بیٹھو چائے پیو، تو سب کو اچھا لگے گا ویسے بھی مجھے انکل نے خود تمہیں لینے بھیجا تھا۔" روشی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

"اوکے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور موبائل ابھی بھی انا کے ہاتھ میں تھا۔ وہ کمرے سے نکلی تو روشی ساتھ چلنے لگی۔ انا نے موبائل مٹھیوں میں بھینچ رکھا تھا۔ وہ لاؤنج میں آئی تو سبھی نے اسے بہت سنجیدگی سے دیکھا تھا ماسوائے ضیاء ماموں کے۔

"ادھر آ جاؤ میرے پاس۔" انہوں نے محبت سے کہتے اپنے پاس جگہ بنائی تو وہ خاموشی سے ان کے پاس بیٹھ گئی۔

وہ آج بہت دنوں بعد ان سب کے درمیان بیٹھی تھی۔ اسے یہ سب بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔ روشی نے اسے چائے کا کپ تھمایا تو وہ سر جھکائے سپ لینے لگی۔ ولید اور احسن آہستہ آہستہ آپس میں کوئی بات کر رہے تھے۔ ولید کی آواز اس کی سماعتوں کو ڈسٹرب کر رہی تھی۔ وقار صاحب ٹی وی کی طرف متوجہ تھے ماموں نے کئی بار اس کے جھکے سر کو دیکھا تھا۔

"تمہاری اسٹڈی کیسی جا رہی ہے؟" انہوں نے پوچھا تو وہ چونکی۔

"جی ٹھیک ہے اور آپ ٹھیک ہیں؟" وہ مسکرائے۔

"یہ عمر ایسی ہے کبھی دل، کبھی جگر اور کبھی معدہ کمزور ہو جاتا ہے، خیر گزر رہی جانی ہے۔" ہنس کر کہا۔ انا مسکرا بھی نہ سکی تھی۔ نجانے کیوں ان کو دیکھ کر بار بار اس کے اندر عجیب سا گلٹ پیدا ہونے لگتا تھا اور وہ اپنے اندر ان گنت آوازوں کا شور اٹھتا محسوس کرتی تھی۔ وہ سبھی سے دور ہو گئی تھی۔ ماما، بابا اور احسن بھائی۔

ان سب کے ساتھ اس کی زندگی کا ایک طویل دور گزرا تھا اور اب اس مقام پر آ کر وہ ان کو ہرٹ کر رہی تھی انا کو ایک دم خود سے شدید نفرت محسوس ہونے لگی۔ وہ یہ سب کیوں کر رہی تھی کس کے لیے محض ایک لڑکی اور ولید ضیاء کے لیے۔ اسے ایک دم ماحول میں حبس سی محسوس ہونے لگی تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

"کیا ہوا؟" اس کے چہرے پر عجیب سا تاثر تھا ماموں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ خالی کپ واپس رکھ کر موبائل لے کر وہاں سے نکل گئی تھی۔ سبھی نے اسے جاتے دیکھا تھا۔

ولید کی آنکھوں میں پرسوچ سا تاثر تھا۔ انا کمرے میں جانے کے بجائے باہر لان میں آ گئی تھی۔ اس کے وجود پر اضطراب اور چال میں عجیب سی کشمکش تھی۔ کسی پل سکون نہ تھا۔

"جو لوگ اپنی مرضی کے فیصلے کرتے ہیں اس کے باوجود وہ خوش دکھائی نہیں دیتے حیرت ہے۔" اپنے عقب سے جاندار آواز سن کر وہ ایک دم ساکت ہو گئی تھی۔ اس نے پلٹنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے تمام اعصاب عجیب سے تناؤ کا شکار ہوئے تھے۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کرنا چاہی تھی لیکن سنبھل نہیں پا رہی تھی۔

"حماد جیسے انسان کا ساتھ پا کر تمہیں خوشی سے پھولے نہیں سمانا چاہیے تھا میرا تو خیال تھا کہ ہواؤں میں اڑنا شروع کر دو گی لیکن یہاں تو فتح کے کوئی آثار ہی نظر نہیں آ رہے۔ ہاں البتہ میدان جنگ میں شکست کھانے کے بعد ایک شخص کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ ضرور دکھائی دے رہی ہے۔" وہ عقب سے نکل کر سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ ہمیشہ کی طرح تر و تازہ، خوشبوؤں میں مہکتا ہوا انا کا وجود ایک دم ان دیکھی آگ میں بھڑ بھڑ جلنے لگا تھا۔

وہ سب کچھ کر کے بھی شکست خوردہ تھی اور وہ سب کچھ کھو کر بھی فاتح جیسا تھا۔ انا نے ولید ضیاء کی آنکھوں میں دیکھا وہاں عجیب سلگتا سا احساس تھا۔ وہ لب بھینچ کر جانے لگی تھی ولید کے پاس سے گزر کر آگے بڑھنے کو تھی۔

"سنو۔" اس کی کلائی ولید کی مضبوط گرفت میں تھی۔ وہ ساکت ہو گئی تھی۔

"کس کے کہنے پر کر رہی ہو یہ سب؟" ولید کی آنکھوں میں کھوج کی کیفیت تھی۔ وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا گویا اس کا چہرہ ایک دم ہر راز اگل دے گا، انا نے ایک دم منفرد انداز میں اپنی کلائی مضبوط گرفت سے نکالی تھی۔

"کوئی فاتحہ ہو یا شکست خوردہ آپ سے کوئی مطلب نہیں۔"

"مطلب؟ ہاہ...... تمہارا کیا خیال ہے، ہم سب جو خاموش ہیں اور تمہیں اپنی من مانیاں کرتے دیکھ رہے ہیں ہم سب اتنے بے بس ہیں کہ کچھ کر نہیں سکتے یہ مت بھولو تمہارے کسی بھی اقدام پر ہم بہت مضبوط ردعمل ظاہر کر سکتے ہیں لیکن ہم خاموش ہیں صرف اس لیے کہ کہیں نادانستگی میں تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچا دیں اور تم ہو کہ مسلسل سارے گھر کو ایک اذیت کی ان دیکھی سولی پر لٹکا رکھا ہے۔" نہایت غصے سے اس کے کندے پر ہاتھ رکھتے ولید نے کہا۔

"آپ کو کیا فرق پڑتا ہے آپ چھوڑیں مجھے دوغلے پرفریب اور دھوکے باز لوگوں سے نفرت ہے مجھے۔" وہ شدت سے احتجاج کرتے اپنے کندھوں کو جھٹکتے پیچھے ہوئی تھی۔

''انا......؟'' ولید نے بہت طیش کے عالم میں پھر سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ ہاتھ میں تھما موبائل چھینا تھا۔

انا نے اسکرین دیکھنا چاہی تھی تبھی ولید نے دوسرے ہاتھ سے اس کی گرفت سے موبائل نکال لیا تھا اس سے پہلے کہ وہ اسکرین دیکھتا انا نے جھپٹا مار کر موبائل چھین کر سامنے دیوار پر دے مارا تھا موبائل دیوار کے ساتھ لگ کر کئی حصوں میں ٹوٹ کر گرا تھا ولید ایک پل کو ششدر رہ گیا تھا لیکن اگلے ہی پل بے اختیار بہت غصے کے عالم میں اس کا ہاتھ اٹھا تھا اور انا بے اختیار زمین پر گری تھی۔

''دماغ خراب ہے نجانے کیا کرتی پھر رہی ہو۔'' ولید ادھر سے ادھر چکر کاٹنے لگا تھا۔ انا اسی طرح زمین پر بیٹھی گال پر ہاتھ رکھے سسکتی رہی تھی۔

ولید نے ایک دو پل اسے دیکھا اور پھر ایک غصیلی نگاہ ڈال کر تیزی سے وہاں سے نکل گیا تھا۔



مصطفیٰ گھر لیٹ آیا تھا تقریباً سب اپنے اپنے کمروں میں سونے جاچکے تھے شہوار بھی اپنے کمرے میں آچکی تھی نیند تو آ نہیں رہی تھی بکس لے کر بیٹھ گئی تھی آج کالج نہیں جا سکی تھی درمیان میں دو تین بار انا سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن رابطہ نہیں ہوسکا تھا ہر بار نمبر بند ملا تھا۔

پتا نہیں کیا ہوتا جا رہا تھا اس لڑکی کو شہوار اندر ہی اندر انا کے رویوں اور گزشتہ حالات کو لے کر پریشان تھی۔ نجانے کیوں اسے لگ رہا تھا کہ انا کے ساتھ کوئی سیریس مسئلہ ہے لیکن وہ ڈسکس نہیں کر رہی تھی۔ اپنی اپنی پریشانیوں میں الجھ کر دونوں ایک دوسرے سے کتنی دور ہوچکی تھیں، ورنہ دونوں میں کتنی محبت اور دوستی تھی کہ اپنی ہر بات ایک دوسرے سے شیئر کیا کرتی تھیں اور اب حالات کتنے بدل چکے تھے۔ انا کو سوچتے سوچتے نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ دوبارہ آنکھ ایک نرم سے احساس پر بیدار ہوئی تھی۔ اس نے آنکھ کھولی تو دیکھا مصطفیٰ اس پر جھکا بڑی محبت سے متوجہ تھا۔

''آپ آگئے؟'' یونہی لیٹے لیٹے پوچھا۔ مصطفیٰ کے ہونٹوں نے اس کی صبیح پیشانی کو چھوا تھا۔

''ہاں ابھی آیا ہوں۔ ایسے کیوں لیٹی تھی آرام سے سوجاتی۔'' وہ تکیے پر نیم دراز سینے پر کتاب رکھے لیٹی ہوئی تھی وہ مسکرائی اور مصطفیٰ نے کتاب اٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو آج خیر ہے نا؟''

''پڑھ رہی تھی پتا ہی نہیں چلا کب آنکھ لگ گئی۔'' وہ سیدھی ہوئی وہ آج نک سک سے تیار اچھے سے لباس میں ملبوس مقابل کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔

''آج بہت دیر کردی گھر آنے میں؟'' خود پر سے مصطفیٰ کی توجہ ہٹانا چاہی۔

''بس ایک میٹنگ تھی اور اس کے علاوہ کچھ ضروری کام تھے وقت کا پتا نہیں چلا۔'' شرٹ کا اوپری بٹن کھولتے جواب دیا۔

''کھانا کھائیں گے؟'' وہ بھی اٹھی بیٹھی۔ مصطفیٰ اٹھا تو اس نے پوچھا۔

''نہیں ایک کپ چائے اگر زحمت نہ ہو تو......'' مصطفیٰ کافی تھکا ہوا لگ رہا تھا وہ الماری کی طرف بڑھا تو شہوار بستر سے اتر آئی خود آگے بڑھ کر الماری سے نائٹ ڈریس نکال کر تھما دیا۔

''تھینکس۔''

''کبھی کبھار آپ بہت فارمل ہوجاتے ہیں۔'' لباس لے کر پلٹتا مصطفیٰ رک گیا۔ پلٹ کر خوب صورت دل آویز سی بیوی کو دیکھا نگاہیں پھر جم گئی تھیں۔ الماری کا پٹ بند کرتے خود مصطفیٰ کے قریب آتے شرٹ کے بٹن کو چھوتے مصطفیٰ

کو دیکھا۔

''یہ تھینکس ونکس کہہ کر۔'' مصطفیٰ مسکرایا۔

''ایسے لگتا ہے جیسے ڈیوٹی آورز میں کوئی ڈیوٹی سرانجام دینے پر باس نے تھینکس کہا ہو۔'' مصطفیٰ رک دم ہنس دیا۔

''کسی اور انداز میں تھینکس کہتا تو بھی بیگم صاحبہ نے اعتراض جڑ دینا تھا اب روکھا پھیکا ویلکم ہوگا تو روکھا پھیکا سا ہی تھینکس ہوگا نا......'' کمر کے گرد بازو حمائل کرتے اس کے چہرے پر جھکتے ہنس کر کہا تو وہ جھینپی۔

''میرا خیال ہے پہلے آپ فریش ہولیں باقی تھینکس چائے کے بعد کہہ لیجیے گا۔'' اس نے تیزی سے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا تو مصطفیٰ زور سے ہنس دیا۔

''بڑی چالاک ہوگئی ہو۔''

''آپ کی صحبت کا اثر ہے صاحب۔''

''اف......'' مصطفیٰ نے دل پر ہاتھ رکھتے ایکٹنگ کی تو شہوار بے اختیار ہنس دی۔

''فریش ہولیں میں چائے لاتی ہوں۔'' مصطفیٰ کو واش روم کی طرف دھکیل کر اپنا دوپٹہ سنبھالتے وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ وہ چائے لے کر آئی تو مصطفیٰ نائٹ ڈریس میں ملبوس، ڈریسنگ کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا۔ شہوار نے ٹرے بستر پر رکھی تو مصطفیٰ پلٹا۔

''آج بن کے ہی بڑا خصوصی اہتمام کیا ہوا ہے خیر تو ہے نا؟'' مصطفیٰ کا اشارہ اس کی سج دھج کی طرف تھا۔ لباس کے علاوہ ہلکی پھلکی جیولری اور میک اپ کا بھی استعمال کیا ہوا تھا۔ وہ مسکراتی ہاتھ میں موجود کنگن کو گھماتی بستر کے کنارے ٹک گئی۔

''کیا آپ کو یہ اہتمام اچھا نہیں لگا؟'' کنگن کو دیکھتے دھیمے سے پوچھا۔ مصطفیٰ اس کے سامنے آکر بیٹھ گیا تھا نرمی سے کلائی تھامی۔

''یہ سوال تم میری آنکھوں میں دیکھ کر پوچھو تو جواب بھی دوں گا۔'' مسکراتے لہجے میں کہا تو وہ مسکرادی۔

''چائے پی لیں۔'' وہ دو کپ لائی تھی۔

''کاش روز اتنی ہی چاہ کے ساتھ یہ چائے ملا کرے تو......'' مصطفیٰ کا انداز شریر ہوا۔

''آپ آرام سے چائے پئیں پھر آپ کو ایک چیز دکھانی ہے۔'' مصطفیٰ کو نرمی سے ٹوکتے اس نے کہا تو مصطفیٰ نے ہنس کر کپ تھام لیا۔ دونوں نے ہلکی پھلکی باتوں میں چائے پی پھر چائے پینے کے بعد اس نے ٹرے ایک طرف رکھ دی۔

''بھئی کیا بات ہے ایسا سسپنس کیوں کری ایٹ کر رہی ہو؟'' وہ اٹھ کر الماری کی طرف بڑھی تو مصطفیٰ نے چھیڑا وہ جھینپی۔ الماری سے اپنا بیگ نکال کر اس میں سے لفافہ نکالا مصطفیٰ یہ سب خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے قریب آئی۔

''آج میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی کالج بھی نہ جاسکی۔'' اس نے سنجیدگی سے بتایا تو مصطفیٰ چونکا۔

''کیا ہوا تھا زیادہ طبیعت خراب تھی کیا؟'' فوراً فکرمندی سے پوچھا۔

''ہاں......'' چہرے پر چھائی چمک اور روشنی کو سنجیدگی کے تاثرات میں چھپانے کی کوشش کرنی چاہی۔

''بھابی کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جانا پڑا۔''

''اوہ......اتنی طبیعت خراب تھی۔ میں نے دو دفعہ کال کی تھی بتایا کیوں نہیں، ویسے ہوا کیا تھا؟'' مصطفیٰ بھی ایک دم

سنجیدہ ہوا۔

''یہ خود دیکھ لیں۔'' اس نے انویلپ مصطفیٰ کو تھمادیا۔ مصطفیٰ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا اور پھر انویلپ کو۔ شہوار کے چہرے پر ایک دم ڈھیروں ستاروں کی چمک اور روشنی سی در آئی تھی۔ مصطفیٰ ایک بار پھر چونکا تھا۔ اس نے فوراً انویلپ کھولا، شہوار انگلیاں چٹخا رہی تھی۔ ہونٹ کو دانت تلے دبائے وہ سر جھکائے اپنے چہرے پر ڈھیروں کے حساب سے شرم کے تاثرات محسوس کرسکتی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ۔'' مصطفیٰ کی ایک دم ایکسائٹمنٹ سے بھری آواز ابھری۔

''اٹس آمیزنگ یار، گریٹ بلیسنگ فارمی۔'' مصطفیٰ نے ایک دم اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''اتنی بڑی خبر اب بتا رہی ہو، مائی گاڈ ان بلیو ایبل ایم آئی سو ایکسائٹڈ یار، تھینک یو سو مچ، تھینک یو......'' مصطفیٰ نے ایک دم بے پناہ وارفتگی سے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹا۔

''تھینک یو اللہ جی تھینک یو سو مچ۔'' مصطفیٰ کا خوشی سے برا حال تھا۔ شہوار کی آنکھیں بند تھیں پلکیں لرز رہی تھیں۔ مصطفیٰ نے بے پناہ وارفتگی سے اسے تھام رکھا تھا۔

''اتنی دیر سے کیوں بتایا؟'' جذبات میں ٹھہراؤ آیا تو محبت سے پوچھا۔

''آپ ہی لیٹ آئے ہیں میں نے تو آج سارا دن آپ کا انتظار کیا ایک ایک پل، ایک ایک لمحہ۔'' جھینپی آواز میں کہا تو مصطفیٰ ایک دم ڈھیر سارا فدا ہوا۔

''تو تم کال کرلیتیں۔''

''آپ کی جاب کے فرائض بھی تو بہت ضروری تھے۔'' دھیما لہجہ تھا مصطفیٰ ہنسا اور اس پل مصطفیٰ کو اپنا آپ دنیا کا سب سے خوش قسمت ترین وجود لگ رہا تھا۔

''اور کون کون جانتا ہے اس خبر کے بارے۔''

''بس بھابی اور میں۔''

''ماں جی کو نہیں بتایا؟''

''بھابی کل بتادیں گی۔'' مصطفیٰ مسکرادیا۔

''کیا فیل کررہی ہو؟''

''صبح میں خود کو بہت اکیلی غم زدہ اور تنہا محسوس کیا تھا۔ آج امی بہت یاد آئیں اپنے خاندان کے حوالے کا شدت سے احساس ہوا لیکن جب یہ خوش خبری سنی تو سب کچھ بھول گئی۔ دل چاہتا تھا میں اللہ کے سامنے سر جھکا کر بہت روؤں۔ میں اتنی ناشکری، بے صبری اور اللہ مجھے اتنے بڑے رتبے سے نواز رہا ہے، مجھے پچھلے کچھ دنوں سے اپنی خراب طبیعت سے اندازہ تو ہو رہا تھا لیکن میں نے توجہ ہی نہ دی۔ میں تو ایک عام سی لڑکی تھی بس اللہ نے مجھے خاص بنادیا کہ آج میرے پاس سب کچھ ہے۔ جس کے لیے لڑکیاں خواب دیکھتی ہیں سب کچھ ہے، بس اللہ مجھ کو میری امی سے بھی ملوا دیں۔'' کہتے ہوئے وہ رونے لگی تھی۔

''ارے یہ کیا بات ہوئی، خوشی کے موقع پر روتے تو نہیں۔'' مصطفیٰ نے آنسو صاف کیے۔

''یہ تو شکر کے آنسو ہے۔'' مسکرا کر کہا تو مصطفیٰ نے ہنس کر اسے بہت نرمی سے اپنے مضبوط حصار میں مقید کرلیا۔



''میں یہ شادی نہیں کرسکتا؟'' چوہدری حیات علی نے ایک دم انکار کیا۔

''کیوں؟'' صفدر کی بیوی نے پوچھا۔

''میں پہلے سے شادی شدہ ہوں' میرے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔'' صفدر کی بیوی کو ایک دم چپ سی لگ گئی۔

''ہم جاگیردار لوگ ہیں' ہمارے ہاں خاندان' برادری سے باہر شادیاں نہیں کرتے میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں' میرے باپ نے کم عمری میں ہی میری شادی کردی تھی۔'' چوہدری حیات نے بتایا۔

چوہدری حیات علی جانتے تھے وہ ایک انجانی کشش کے سبب یہاں آتو جاتے ہیں لیکن وہ زیبن سے شادی نہیں کرسکتے تھے ان کی اولاد' ان کی بیوی انہوں نے ہمیشہ ان رشتوں سے وفا کی تھی۔ محبت کی تھی اب بھلا صرف ایک لڑکی کی وجہ سے کیسے ان سب سے بے وفائی کر جاتے۔ ان کے اندر کا انسان ایک دم جاگ اٹھا تھا۔

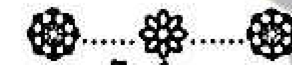
''تو پھر حیات علی تم یہاں روز کیوں آتے ہو؟ زیبن کی شادی کا سن کر کیوں پریشان ہوگئے تھے۔ اتنی بڑی رقم کوئی کسی انجان انسان کو کیوں دیتا ہے بھلا۔ اگر تمہیں اپنی بیوی سے اور اولاد سے اتنی محبت ہے تو پھر ایک نظر اس غریب سی لڑکی کو دیکھ لینے کی لگن کیوں بے چین رکھنے لگی ہے تمہیں؟'' اندر کا انسان ان کے ضمیر کو جھنجوڑ گیا تھا۔

''میں تو محض انسانیت کے ناطے یہ سب کررہا تھا۔'' انہوں نے دلیل دینی چاہی۔

''انسانیت کے ناطے تم ہر کسی کی مدد تو نہیں کرتے۔'' کوئی پھر ان کے اندر چیخ اٹھا' وہ ایک دم آگے بڑھے۔

''چوہدری صاحب! آپ کو اللہ کا واسطہ ہے، میں ایک دکھی ماں ہوں۔ آپ نے جیسے ہمارے حالات جان کر ہماری مدد کی میں نے یہ کہنے کی گستاخی کرلی مجھے معاف کردیں۔ چھوٹا منہ بڑی بات' صفدر میری بیٹی کو آج نہیں تو کل کہیں اور بیاہ دے گا لیکن ساری عمر کے لیے میری بیٹی زندہ درگور ہوجائے گی۔'' وہ وہاں سے جانے لگے تو صفدر کی بیوی کی آہ وزاری نے قدم جکڑ لیے تھے۔

''کیا ہوا اماں؟'' ماں کو روتا دیکھ کر دوسرے کمرے سے زیبن ایک دم وہاں چلی آئی اور چوہدری حیات علی کو لگا کہ وہ پھر سے پتھر کے ہوگئے ہوں۔



ولید کے کمرے کی لائٹ جلتے دیکھ کر روشی ایک دم رک گئی تھی' رات کے دو بج رہے تھے اس کی آنکھ کھلی تھی وہ پانی پینے باہر آئی تھی۔ ولید کے کمرے کے پاس رک کر چند پل سوچا اور پھر اندر قدم رکھ دیے۔ ولید بستر پر بیٹھا تھا اس کے سامنے لیپ ٹاپ کھلا ہوا تھا لیکن اس کی توجہ لیپ ٹاپ پر نہیں تھی وہ کہیں اور ہی پہنچا ہوا تھا حتیٰ کہ وہ روشی کی آمد سے بھی بے خبر تھا۔

''ولی بھائی؟'' روشی کی پکار پر ولید نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ارے روشی تم اس وقت؟'' وہ فوراً سیدھا ہوا۔

''ہاں بس آنکھ کھل گئی تھی آپ کے کمرے کی لائٹ آن دیکھی تو چلی آئی۔''

''ہاں بس، میں آفس کا کچھ کام دیکھ رہا ہے۔'' ولید نے اپنے اردگرد بکھری فائلز کو سمیٹا۔

''آؤ بیٹھو۔'' وہ قریب آگئی۔

''احسن بھی جاگ رہا ہے؟''

''نہیں وہ سو رہے ہیں۔'' روشی ولید کے پاس ہی بستر پر بیٹھ گئی۔

''بابا کی طبیعت اب کافی بہتر ہے۔''

''ہاں الحمدللہ۔'' لیپ ٹاپ کو بند کرتے اس نے کہا۔

''سب انا کے فیصلے کی وجہ سے ڈسٹرب ہیں۔'' ولید نے لب دانت تلے دبا کر پھر ایک گہرا سانس لیا۔

''اس کی وجہ سے تو سارا گھر ہی ڈسٹرب ہے۔'' لہجے میں خود بخود تلخی سمٹ آئی تھی۔

''آپ کو کچھ اندازہ تو ہوگا کہ وہ ایسا کیوں کررہی ہے؟'' بھائی کو بغور دیکھتے اس نے پوچھا تو لیپ ٹاپ کو بند کرکے بیگ میں ڈالتا ولید رکا تھا۔

''تمہارا خیال ہے وہ جو بھی کررہی ہے' وہ سب میرے ساتھ پلاننگ کرکے کررہی ہے۔'' تلخی سے کہا تو روشی شپٹائی۔

''میں نے ایسا کب کہا؟'' ولید نے سر جھٹکا۔

''وہ پاگل ہے بالکل پاگل...... وہ دنیا کی احمق ترین لڑکی ہے' خود بھی تباہ ہورہی ہے اور اوروں کو بھی تباہ کررہی ہے۔'' وہ ایک دم پھٹ پڑا۔

''وہ چاہتی ہے وہ جن مفروضوں کو بنیاد بنا کر جس کنوئیں میں گررہی ہے سب خاموشی سے اسے اس کنوئیں میں گرنے دیں۔''

''وہ ایسا کیوں کررہی ہے' کوئی وجہ ہوگی نا؟''

''تم نے اس سے پوچھا نہیں؟''

''وہ کچھ بتاتی ہی نہیں۔'' ولید نے نفی میں سر جھٹکا۔

''وہ کچھ بھی ڈسکس نہیں کرتی' اپنی فیلنگز اپنے جذبات کچھ بھی اس نے خود کو ایک سیکریٹ کی طرح رکھا ہوا ہے۔ کچھ بھی ڈس کلوز نہیں کرتی۔ میں پاکستان آئی تو وہ ہمارے ساتھ گھل مل گئی تھی لیکن اس کے مزاج کے جو رنگ ہیں وہ اس پر اسی طرح غالب ہیں، وہ کبھی دل کی بات کسی کو بھی نہیں بتاتی۔'' ولید خاموشی سے سنتا رہا۔

''اور شاید یہی ہماری غلطی تھی' ہم نے اسے جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ پھپو اپنے بوتیک میں بزی' احسن اور انکل اپنے بزنس میں' وہ ہمیشہ سے دوسروں کی توجہ کی متلاشی رہی۔ وہ رشتہ داروں کی کمی شدت سے فیل کرتی ہے' اس کی بہت ساری دوستیں نہیں ہیں۔ وہ تنہائی پسند لڑکی ہے شاید سب ہی اس کی طبیعت کے اس رجحان کا سبب بنے ہیں۔'' روشی نے اس کا بہت گہرائی سے تجزیہ کیا تھا۔ ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

''لیکن میں ایک بات پر آکر الجھ جاتی ہوں۔'' ولید نے روشی کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''آپ سے منگنی کے بعد وہ بہت پرسکون اور مطمئن دکھائی دیتی تھی۔'' ولید نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

''لیکن شہوار کی شادی کے بعد سے وہ کافی الجھی الجھی پریشان رہنے لگی تھی۔ یہیں سے وہ ہم سب سے کٹ آؤٹ ہوئی شاید شہوار کی شادی کے دوران ہی اس کی حماد سے سلام دعا بڑھی ہو' اس کے بعد سے وہ ٹوٹلی بدلی ہے۔ مجھ سے چاہے جتنی بھی دوستی تھی لیکن اپنے دل کی بات اس نے کبھی بھی مجھ سے نہ کہی۔''

''گھر میں سب پریشان ہیں' احسن تو آج حماد سے مل کر آئے تھے کہہ رہے تھے حماد اپنے گھر والوں کو بھیجنے کی بات کررہا تھا۔'' ولید نے چونک کر اسے دیکھا یعنی انا مکمل طور پر ان سب سے ہر رشتہ ختم کرنے کی ٹھان چکی تھی۔

''دماغ خراب ہے اس کا اور کچھ نہیں۔'' اس خبر نے تو جیسے دل پر آری سی چلا دی تھی۔

وہ ولید ضیاء تھا' وہ ولید ضیاء جو وجاہت و مردانگی میں ثانی نہیں رکھتا تھا۔ وہ ہر جگہ سراہا گیا تھا۔ دلوں میں اس کو فوراً جگہ دی جاتی تھی' لڑکیاں اس پر مرتی تھیں...... لیکن ضیاء احمد نے ہمیشہ اسے باور کروایا تھا کہ وہ کسی اور کی امانت ہے' ایک ایسی لڑکی کی جس کا نام انا وقار ہے جو پاکستان میں اس کے نام سے منسوب ہے اور اس نے ہمیشہ بابا کی بات کی

پاسداری کی تھی۔

کہیں بھی دل نہیں لگایا تھا' کسی سے بھی وقت پاس نہیں کیا تھا۔ وہ دل میں تمام تر جذبات لیے پاکستان آیا اور پھر یہاں اسے ایک الجھی ہوئی لڑکی ملی تھی' ایسی لڑکی جو الجھی ہوئی جذباتی اور بے وقوف سی لگی تھی لیکن وہ اس کے باپ کی پسند تھی۔

ضیاء صاحب نے ان کے لیے زندگی میں بہت سی قربانیاں دی تھیں ایسے میں اب اس کا حق بنتا تھا کہ وہ ان کی اس خواہش کا احترام کرے۔ اس کے باپ کی خواہش کے پیچھے جو بھی وجہ تھی وہ اس وجہ سے خائف بھی تھا لیکن دل سے انا وقار جیسی لڑکی پھر بھی اچھی لگی تھی۔ وہ جتنی بھی وقوف تھی لیکن اپنی انا کے حصار میں اسی قدر مضبوط تھی۔ یہ منگنی اس کے بڑوں کی خواہش تھی لیکن اس نے اس رشتے کو دل سے قبول کیا تھا اور اب؟

''انکل چاہ رہے ہیں کہ وہ ایک بار پھر انا سے بات کریں، اگر وہ ان کی بات مان جاتی ہے تو ٹھیک ورنہ وہ کہہ رہے تھے کہ وہ پھر کوئی حتمی فیصلہ کریں گے۔'' روشی کا لہجہ افسردہ تھا۔

''دیکھو روشی! انکل اگر انا کو میرے لیے فورس کریں گے تو ان کو منع کردو میں زبردستی کے رشتوں کا قائل نہیں ہوں۔ حماد اتنا بُرا لڑکا نہیں اسے اگر انا میرے مقابل لائی ہے تو یقیناً وہ اس کی خواہش بن چکا ہوگا اور خواہشیں مرجائیں تو دل مرجاتے ہیں اور دل مرنے سے انسان کی بقاء ممکن نہیں رہتی۔'' ولید کا لہجہ ایک دم مضبوط اور دوٹوک تھا۔

''آپ اپنے حق میں دستبردار ہو رہے ہیں کیا؟'' روشی نے بے یقینی سے بھائی کو دیکھا۔

''یہی ہم سب کے حق میں بہتر ہے اور وقت کی ضرورت بھی۔ انا کو اس کے انتخاب کا حق دینا ہوگا ہمیں، یہ میری مردانگی اور میرے وقار کے منافی بات ہے کہ ایک لڑکی مجھے رد کرے اور اس کے باوجود میں اس سے رشتہ بنانے کی کوشش کروں۔''

''آپ اپنی نظر اندازی کی خاطر انا کو چھوڑ دیں گے۔'' روشی ایک دم افسردہ ہوئی۔

''نہیں اپنے وقار کی خاطر' میں زبردستی رشتے بنانے کا قائل نہیں ہوں۔ رشتوں میں جب تک دل کی وابستگی محبت اور لگاؤ نہ ہو رشتے نہیں چلتے۔ رشتے کچی دوڑ کی مانند ہوتے ہیں جن کے ہر لحہ ٹوٹ جانے کا خدشہ رہتا ہے' مجھے ایسا کوئی بھی رشتہ نہیں بنانا جس میں اعتماد اور خلوص نہ ہو۔'' ولید کا انداز حتمی اور فیصلہ کن تھا روشی نے رنجیدگی سے اپنے بھائی کو دیکھا تھا۔

''محبت چھین کر نہیں لی جاتی اور نہ ہی محبت زور وزبردستی کا نام ہے۔ محبت میں سب سے پہلا رشتہ جو بنتا ہے وہ اعتماد کا ہوتا ہے کہ آپ کسی پر کتنا اعتماد کرتے ہیں۔ پیار الفت یگانگت کی باتیں تو بعد کا حصہ ہوتی ہیں۔'' ولید کے الفاظ پر روشی نے اپنی نم آنکھیں صاف کی۔

''آپ کو دکھ تو ہوگا نا؟'' ولید مسکرایا۔ بڑی سنجیدہ پراذیت مسکراہٹ تھی۔

''شاید......'' اس نے کندھے اچکائے۔

''لیکن یہ دکھ وقتی ہوگا' میں کوئی ٹین ایج لڑکا نہیں ہوں کہ کسی چیز کے چھن جانے پر واویلا کروں۔ میں ایک میچور ایجوکیٹڈ پرسن ہوں اور مجھے اپنی سیلف ریسپیکٹ اپنی خودداری اور انا ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے' اینڈ ڈیٹس آل۔'' روشی نے آنکھوں کی نمی اپنے دوپٹے میں جذب کی تھی۔

''مجھے ہمیشہ اس چیز کا دکھ رہے گا' کاش انا آپ سے محبت کرتی اور آپ کو سمجھنے کی کوشش کرتی۔'' ولید خاموش رہا تھا' روشی اٹھ کھڑی ہوئی' وہ جانے لگی تھی اور پھر کچھ یاد آنے پر رکی۔

''ایک بات کہنی تھی؟'' ولید نے سوالیہ دیکھا۔

''مجھے لگتا ہے کہ جیسے انا ہم سے کچھ چھپا رہی ہے' اسے فون پر کوئی دھمکیاں دیتا ہے۔ کوئی بلیک میل کررہا ہے اسے۔'' وہ خود بھی الجھی ہوئی تھی جو ذہن میں تھا کہہ دیا' ولید چونکا۔

''کیا مطلب......کون بلیک میل کررہا ہے؟''

''زیادہ تر اس کا موبائل بند رہتا ہے' آج شام جب میں اسے چائے کا کہنے گئی تھی تو کسی سے بات کررہی تھی میں نے صرف چند ایک باتیں ہی سنی تھیں وہ کہہ رہی تھی کہ میں نہیں ڈرنے والی اب جو کرنا ہے کرلو۔ کوئی بلیک میلنگ کی بات ہو رہی تھی اور یہ بھی کہہ رہی تھی کہ وہ اب خاموش نہیں رہے گی سب کو بتادے گی۔'' ولید نے بہت حیرت سے دیکھا۔

''یہ سب انا کہہ رہی تھی؟'' وہ یقین کرنے پر متامل تھا۔

''ہاں اور پھر اس نے کال بند کردی تھی وہ مجھے وہاں دیکھ کر ڈر گئی تھی مجھے تو یہی لگا، میں نے پوچھا بھی کہ کس کی کال تھی لیکن اس نے جواب ہی نہیں دیا۔'' روشی کے الفاظ پر ولید چونکا تھا۔ پہلے بھی کئی بار ایسا ہوا تھا کسی کی کال آتی اور انا کال کاٹ دیتی تھی یعنی کوئی اسے واقعی بلیک میل کررہا تھا۔

ولید کو ایک دم شام کا واقعہ یاد آیا وہ انا کے پاس کھڑا تھا' جب اس کا موبائل بجا تھا۔ اس نے انا کا موبائل پکڑا تھا لیکن انا نے زبردستی موبائل چھین کر اس کے ہاتھ سے جھپٹ کر دیوار کے ساتھ دے مارا تھا۔ جواباً اس کا ہاتھ اٹھ گیا تھا۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ انا نے ایسا محض غصے یا جذباتیت میں کیا تھا......لیکن نہیں......اس کے پیچھے کوئی لاجک تھی؟ کوئی کہانی تھی؟

''کون ہوسکتا ہے؟ اور بھلا انا کو کوئی بلیک میل کیوں کرے گا؟'' وہ ازحد حیران تھا۔

''بھائی میں بہت پریشان ہوں' جس طرح انا رات گئے تک گھر سے غائب رہی تھی اور پھر اس کا واپس آنا۔ اس کا نروس سسٹم بریک ہونا' سب سمجھتے ہیں کہ انا حماد کے ساتھ ہوگی لیکن میرا دل اس بات کو قبول نہیں کرتا۔ انا ایسی لڑکی نہیں ہے مجھے نہیں پتا وہ کس وجہ سے حماد کی طرف انوالو ہوئی ہے لیکن میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ انا کریکٹر کے لحاظ سے کوئی کمزور لڑکی نہیں ہے۔ انا کا غائب ہونا پھر رات گئے واپس آنا اور اس کے بعد نروس سسٹم کا بریک ہونا' اس سب کے پیچھے کوئی سولڈ ریزن ہے۔ ہمیں چاہیے تھا کہ ہم انا کا سیل چیک کرتے لیکن ہم نے ایسا نہ کیا' وہ ٹھیک ہوکر گھر آئی تو اس کا نمبر زیادہ تر بند رہنے لگا اور اس کے بعد اس کا ایک دم رشتے سے انکار اور پھر ایک دم حماد کا نام لینا' مجھے یقین نہیں ہے بھائی۔'' وہ واقعی آج سارا وقت اسی سب کو لے کر ازحد الجھ رہی تھی۔ ولید بھی ایک دم کنفیوژ ہوچکا تھا۔

روشی وکیل تھی' وہ بات کو وکیلوں والے انداز میں پرکھ رہی تھی وہ بزنس میں تھا لیکن یہ ساری باتیں اور روشی کے اٹھائے گئے پوائنٹس قطعی ایسے نہ تھے کہ ان کو نظر انداز کردیا جاتا۔

''کیا واقعی انا کسی وجہ سے بلیک میل ہو رہی تھی؟'' ولید کے اندر ایک دم سوال اٹھنا شروع ہوچکے تھے۔

''شام کے بعد انا سارا وقت کمرہ بند کیے رہی ہے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا ورنہ میں ایک بار اس کے کمرے میں ضرور جاتی اس سے ڈسکشن کرتی یا پھر اس کا موبائل چیک کرتی۔'' روشی کے کہنے پر ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔ انا کا موبائل ٹوٹ چکا تھا اور وہ خود شاید روشی کو کچھ بھی نہ بتائے۔

''انا کا موبائل ٹوٹ چکا ہے۔'' ولید نے بتایا تو روشی چونکی۔

''کیسے؟'' جواباً ولید نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔

''اس کا مطلب ہے واقعی اس سب کے پیچھے کوئی وجہ موجود ہے جو انا ہم سے چھپا رہی ہے۔'' روشی کا انداز پُرسوچ تھا۔

''تم فکر مت کرو اب اس سب کا میں پتا لگا لیتا ہوں۔ تم ٹینشن نہ لو اپنی صحت کا خیال رکھا کرو' نجانے یہ پاگل لڑکی کیا کچھ کر بیٹھی ہے اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ہم سب سے چھپا بھی رہی ہے، ہم سے جو اس کے سب سے زیادہ ہمدرد اور نزدیک ہیں۔ کاش وہ واقعی ہم پر اعتماد اور یقین کر سکتی تو حالات اس حد تک بگاڑ کا شکار نہ ہوتے۔'' ولید نے روشی کو دلاسہ دیا تو اس نے ایک گہرا سانس لیتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔



وہ صفدر کی بیوی کو بغیر کوئی جواب دیئے وہاں سے آ گئے تھے' اپنی بیوی اور بچوں میں آ کر پرسکون ہونا چاہتے تھے لیکن نجانے اس بار دل کو کیا ہوا تھا کہ اپنے جان سے پیارے بچوں میں آ کر بھی دل کو سکون نہیں مل رہا تھا۔ ہر بار زبین کا چہرہ نگاہوں میں آ جاتا تو دل ہر چیز سے اچاٹ ہونے لگتا تھا۔ ایک شادی شدہ پانچ بچوں کا باپ اور دل کی یہ حالت تھی۔ بھی کبھار انہیں اپنے مزاج پر حیرت ہونے لگتی تھی کہ گویا وہ واقعی اتنے دل پھینک انسان تھے جو ایک چہرے نے اس طرح سے جکڑ لیا۔

نہ اپنا خاندان یاد رہا تھا نہ اپنا حسب نسب اور نہ ہی اپنی امیری۔ وہ لڑکی کیا تھا ایک ٹوٹے پھوٹے گھر کی مکین جس کی اضافی خوبی صرف اس کا حسین ہونا تھا تو کیا وہ واقعی صرف اس لڑکی کے حسن پر مر مٹے تھے..... لیکن ہر بار دل کو کھنگالنے پر بس یہی جواب ملا تھا کہ ایسا نہیں ہوا۔ وہ نہ دل پھینک تھے اور نہ ہی رنگین مزاج' وہ عمر جس میں لڑکے دل پھینک ہوتے ہیں ان کے دل نے انہیں کبھی شرمندہ نہیں کروایا تھا تو پھر اس عمر میں آ کر جہاں ان کی بیوی کے علاوہ پانچ بچے تھے وہ کیسے بہک جاتے۔

یقیناً یہ معاملہ اور تھا' وہ بمشکل ہی گاؤں میں ٹک سکے تھے فوراً شہر چلے آئے تھے' ان کا رخ صفدر کے گھر کی طرف تھا۔ ہمیشہ کی طرح وفادار ملازم بخشو ساتھ تھا' بخشو ان کے بچپن کا ساتھی ان کا خاص وفادار ملازم تھا۔ وہ ہمہ وقت ان کے ہمراہ رہتا تھا۔

دستک دینے پر جس چہرے نے دروازہ کھولا تھا حیات علی کو لگا گویا دل کی خواہش پوری ہو گئی ہو۔ زبین دروازہ کھول کر دروازے کی اوٹ میں ہو گئی تھی۔

''جی؟'' آنے والے اس نیک دل چوہدری کو وہ بھی جانتی تھی جس نے اسے اس کے لالچی باپ کو پیسے دے کر ایک جواری کی دلہن بننے سے بچا لیا تھا لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ نیک دل جاگیردار اس کے گھر کے چکر بار بار کیوں کاٹتا ہے' وہ کون سا مقصد ہے جس کے سبب وہ یہاں بھاگا چلا آتا ہے؟

''صفدر......'' کچھ نہ سوجھا تو اس کے باپ کا نام لیا۔

''ابا تو گھر پر نہیں ہے۔'' دھیمی آواز میں بتایا گیا۔

''اور تمہاری ماں؟''

''اماں تو بیمار ہے' بستر پر پڑی ہوئی ہے۔''

''اچھا' اپنی اماں سے پوچھو کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟'' اب تک وہ جتنی بار آئے تھے' صفدر خود گھر کے اندر لے کر گیا تھا اس بار خود سے اندر جانا اور دروازے سے ہی پلٹ جانے کو دل نہیں مانا تھا۔

''میں اماں سے پوچھتی ہوں۔'' وہ اندر چلی گئی اور بخشو گاڑی میں' وہ خود دروازے پر انتظار کر رہے تھے۔

''اماں کہتی ہے اندر آ جائیں۔'' کچھ پل بعد وہ پھر چلی آئی تھی۔

وہ بخشو کو وہیں رکنے کا کہہ کر زبین کے پیچھے ایک دوسرے کمرے میں چلے آئے تھے۔ یہ کمرہ پہلے والے کمرے سے بھی زیادہ بُری حالت میں تھا۔ وہاں دو چار پائیاں تھیں ایک پر زبین کی ماں لیٹی ہوئی تھی' دوسری پاس پڑی ہوئی تھی۔ زبین کی ماں دروازے کو ہی دیکھ رہی تھی' انہوں نے سلام کیا تو سر کے اشارے سے جواب دیا' وقفے وقفے سے کھانسی کا دورہ پڑ رہا تھا۔

''بڑی دیر کی صاحب آنے میں' میں تو روز انتظار کرتی تھی۔'' اس کے لہجے میں آس تھی اور آنکھوں میں امید' کہہ کر وہ پھر کھانسنے لگی تھی۔ حیات علی کا دل سکڑ کر سمٹا تھا۔

وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آ تو گئے تھے لیکن ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا اگر وہ صرف شادی شدہ ہوتے تو شاید کچھ سوچتے بھی لیکن یہاں بات تو ان بچوں کی تھی جو ان کی نسل کے امین تھے۔

''آپ کیسی ہیں؟'' زبین کی ماں بالکل کمزور اور نحیف ہو چکی تھی' بستر پر پڑی بالکل ہڈیوں کا ڈھانچہ لگ رہی تھی۔

''زندگی سے اب کوئی امید نہیں' بس زبین کی فکر کھائے جا رہی ہے ورنہ مرنے میں گھڑی نہ لگتی۔'' دروازے کی چوکھٹ میں کھڑی بیٹی کی طرف بڑی آس بھری نگاہ ڈالی تھی۔

''کیا ہوا ان کو...... کسی ڈاکٹر کو دکھایا؟'' حیات علی نے پلٹ کر زبین کو دیکھا۔

''گلی والا ڈاکٹر دیکھنے آتا ہے لیکن دو دن سے وہ بھی نہیں آ رہا۔''

''کیوں؟''

''دوائی کے لیے پیسے ختم ہو گئے ہیں۔'' حیات علی نے ایک گہرا سانس لیا۔

''کب سے ہے طبیعت خراب؟''

''ہفتہ ہو گیا ہے۔'' حیات علی نے خود آگے بڑھ کر زبین کی ماں کی کلائی تھامی تو جسم بخار سے تپ رہا تھا۔

''ان کو ڈاکٹر کو دکھانا ہوگا۔'' انہوں نے کہا۔

''میں ٹھیک ہوں' بس صفدر کی بے حسی کا قرض چکا رہی ہوں بیٹا! اب تم ایک مرتی ہوئی ماں پر احسان کر دو' کسی ایسے بندے کا بندوبست کر دو جس کو میں اپنی بیٹی سونپ کر آرام سے مر سکوں۔ تم نیک دل انسان ہو پوری دنیا میں کوئی بھروسے کے قابل نہیں لگا جس پر اپنا بوجھ ڈال کر آنکھیں بند کر سکوں۔'' روتے ہوئے کہا تو حیات علی کا دل ایک دم سکڑا تھا پھر وہ فیصلہ لمحوں میں ہوا تھا۔

''میں ان کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جا رہا ہوں' دروازہ بند کر کے تم بھی ساتھ چلو۔'' زبین سے کہہ کر وہ اس کی ماں کی طرف بڑھے تھے' زبین کی مدد سے انہوں نے اسے گاڑی میں بیٹھایا' زبین بھی بھاگ کر دروازے بند کرتی ان کے ساتھ آ گئی تھی۔ ڈاکٹر مریضہ کی حالت سے مطمئن نہ تھے ہسپتال میں داخل کروانے کو کہا تھا اس لیے حیات علی نے فوراً اسپتال داخل کروا دیا تھا۔ مختلف ٹیسٹ اور رپورٹ کے بعد ٹی بی کی تشخیص ہوئی تھی۔ ٹی بی کا سنتے ہی زبین کا رونا دھونا شروع ہو گیا تھا۔ حیات علی اسے تسلی دلاسے دیتے رہے تھے۔

''تمہارے والد کہاں ہیں اور کب تک آ جائیں گے؟'' کچھ دیر بعد زبین سے پوچھا۔

''پتا نہیں' جس دن آپ ابا کو پیسے دے کر گئے تھے۔ اس سے اگلے دن ابا اور اس کے دوست کا جھگڑا ہوا تھا' ابا نے آپ سے زیادہ رقم لی تھی اور اپنے دوست کو تھوڑی رقم دی تھی۔ اماں نے بھی ابا کو سمجھایا تو ابا ساری رقم لے کر گھر سے چلا گیا تھا' اس دن کے بعد ابا کا کوئی پتا نہیں۔ ابا کا دوست روز آ کر اماں کو تنگ کرتا ہے اسی دن سے اماں بیمار ہے' بیمار تو

بہت عرصے سے ہے لیکن اس دن سے اماں چارپائی کی ہو کر رہ گئی تھی۔" ساری کہانی سامنے تھی' حیات علی نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ بخشو کو کچھ سمجھایا اور خود صفدر کی بیوی کے پاس چلا آیا تھا۔

"صاحب! مجھ غریب کو یہاں کیوں لے آئے ہو؟ آپ تو چلے جاؤ گے میں بھلا بعد میں کہاں سے یہاں کے بل دیتی رہوں گی۔" کھانستے ہوئے اس نے کہا۔

"میں سارے بل ادا کرچکا ہوں' کھانا وغیرہ ہر چیز میسر ہو گی۔" حیات علی نے تسلی دی تو وہ رونے لگی۔

"آپ کے مجھ پر بہت سارے احسانات ہیں صاحب! اللہ آپ کو سدا خوش رکھے' بس ایک آخری احسان اور کردو کسی اچھے سے انسان کا بندوبست کردو مجھے اب اپنی زندگی کی کوئی امید نہیں۔ میں مرگئی تو میری زبین کو صفدر اور اس کے آوارہ دوست لوٹ کا مال سمجھ لیں گے۔" صفدر نے آپ کو اور اپنے دوست دونوں کو دھوکہ دیا ہے' وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے واپس آتا بھی ہے یا نہیں۔ اس کا جواری دوست روز شور ہنگامہ کرنے آجاتا ہے' وہ زبردستی زبین سے شادی کرلے گا۔"

"آپ فکر مت کریں زبین کو کچھ نہیں ہوگا۔ میں ابھی اور اسی وقت اس سے شادی کو تیار ہوں۔" چوہدری حیات علی نے پورے ہوش و حواس میں اپنی رائے کا اظہار کیا تو زبین کی ماں تو گویا ایک دم کھل اٹھی تھی۔

❁......❁......❁

انا اگلے دن کالج آئی تھی' شہوار موجود نہ تھی وہ پریشان ہوگئی۔ نجانے کیا وجہ تھی جو شہوار کالج نہیں آرہی تھی اور اس کی کوئی خیر خبر بھی نہ تھی۔ واپسی پر اس نے سوچا کہ شہوار کے گھر کا چکر لگائے گی۔

اس نے جب منصور خان کو شہوار کے گھر چلنے کا کہا تو اس نے ایک دم انکار کردیا۔

"بڑے صاحب اور بیگم صاحبہ نے سختی سے منع کر رکھا ہے کہ آپ کو کہیں بھی لے کر نہیں جانا۔"

"کیوں؟" وہ اس پابندی سے ششدر رہ گئی تھی۔

"مجھے بس حکم ملا ہے وجہ نہیں بتائی۔" ڈرائیور کے سامنے عجیب سبکی کا احساس ہوا تھا۔

"لیکن میں تو شہوار کے ہاں جانا چاہتی ہوں۔"

"صاحب نے سختی سے منع کیا ہے' بھلے وہ شہوار بی بی کا ہی گھر کیوں نہ ہو' صاحب نے کہہ رکھا ہے کہ آپ اکیلی نہیں جاسکتیں۔" انا کے اندر ایک دم انتہائی ذلت کا احساس پیدا ہوا تھا۔ وہ لب بھینچ کر بیٹھی رہی تھی۔ موبائل ٹوٹ چکا تھا۔ وہ شہوار سے رابطہ بھی نہیں کرسکتی تھی۔ وہ گھر آئی تو اندر باہر سے جھلس رہی تھی۔ جی چاہ رہا تھا کہ ہر چیز کو تہس نہس کردے۔ یعنی اس کے والدین کو اب اس پر اعتبار نہیں رہا تھا۔ ایسا دکھ تھا کہ دل چاہ رہا تھا کہ اپنا آپ ختم کرڈالے۔ شام تک وہ کمرے سے نہیں نکلی تھی۔

صبوحی گھر آئیں تو روشی نے بتایا کہ وہ مسلسل کمرے میں بند ہے' کل رات سے کھانا پینا بھی بند ہے' پتا نہیں کالج میں بھی کچھ کھایا تھا کہ نہیں۔ صبوحی کے اندر شدید اذیت کی لہر اٹھی تھی۔

انہیں اپنی یہ عزیز از جان اکلوتی بیٹی اب اپنی زندگی کا بہت بڑا امتحان محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ اس کے کمرے میں آئیں تو دروازہ لاک تھا' دستک دی تو جواباً انا کی آواز سنائی دی تھی۔

"کھانا مجھے نہیں کھانا پینا' اس لیے اب کوئی ادھر آیا تو میں اس کا سر پھاڑ دوں گی۔" صبوحی نے گہرا سانس لیا۔ انا ایسی تو نہ تھی۔

"انا! دروازہ کھولو میں ہوں......" انہوں نے قدرے اونچی آواز میں کہا تو کچھ لمحوں بعد دروازہ کھل گیا تھا۔

غزل

عجب مشکل پڑی ہے شہر جاں پر
لگی ہے بس نگاہ آسماں پر
ہماری آزمائش لینے والو
کرو احسان قلب ناتواں پر
وہی آوارگی قسمت میں میری
وہی بجلی گری ہے آشیاں پر
کہیں نہ ڈوب جائے دل کی دنیا
ابھی تک ضبط ہے اشک رواں پر
میری ماں کی دعا ہی کام دے گی
میں گھر سے چل پڑا ہوں امتحاں پہ
نہیں ہر گز مجھے منظور رانا
کوئی الزام آئے مہرباں پر

قدیر رانا......راولپنڈی

وہ اس کے کمرے میں آئیں تو ہر چیز تہس نہس تھی۔ انہوں نے تاسف بھری نگاہ کمرے پر ڈال کر انا کو دیکھا' وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی تھی۔

"یہ سب کیا ہے انا! کیوں کر رہی ہو تم ایسا؟" انہوں نے برہمی سے پوچھا تو انا نے پلٹ کر دیکھا۔ عجیب سی شکست خوردہ' بکھری سی لگی تھی وہ انہیں' روئی روئی سوجی آنکھیں' متورم چہرہ۔

"آپ لوگوں کو مجھ پر اب اعتبار نہیں رہا' آپ سب کے نزدیک میں ایک ناقابل اعتبار لڑکی ہوں۔" جواباً اس نے کہا تو صبوحی نے گہرا سانس لیا۔

"بات آپ لوگوں تک رہتی تو ٹھیک تھا' لیکن دکھ تو یہ ہے کہ مجھے اپنے ہی گھر کے ڈرائیور کی نظروں سے گرانے کی کوشش کی گئی ہے یہ کہہ کر کہ انا بی بی کہیں بھی اکیلی نہیں جاسکتی۔" اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

"یہ سب ہم تمہاری سکیورٹی کے لیے کر رہے ہیں بیٹا۔" انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔

"نہیں چاہیے مجھے ایسی سکیورٹی' جس میں بے اعتباری ہو۔ اگر میں اتنی ہی ناقابل اعتبار ہوچکی ہوں تو مجھے کالج کیوں جانے دے رہے ہیں' گھر کیوں نہیں بٹھالیا۔" وہ زور سے چیخی تھی تبھی دروازے میں سے اندر داخل ہوتے وقار نے نہایت ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

"تمیز سے بات کرو انا۔" بہت برہمی سے کہا تھا۔ باپ کو دیکھ کر وہ لب بھینچ گئی تھی۔

"جو کچھ تم کرچکی ہو اس کے بعد تم اعتبار یا یقین کی بات کرو تو احمقانہ سی بات ہے۔ ہم بہت حوصلے سے تمہاری یہ ساری بدتمیزیاں جھیل رہے ہیں' یہی کافی ہے۔" وہ باپ کے سامنے سر جھکا کر کھڑی رہی تھی۔

"زندگی ایک دم سے عذاب بنادی ہے تم نے' آخر کیا کمی ہے ولید میں کیوں کر رہی ہو تم یہ سب؟" پھر وہی سوال

تھے انا کا جی چاہا کہ خود کو شوٹ کرلے۔

"اگر تم حماد جیسے لڑکے کو ولید کے مقابل لاکر ہمیں یہ باور کروانا چاہتی ہو کہ ہم تمہارے فیصلے کو اہمیت دیں تو غلط کررہی ہو ولید کی جگہ ہم کسی کو نہیں دے سکتے۔" انا نے خاموشی سے باپ کو دیکھا۔

"اس لیے اب یہ جذباتیت ختم کرو اور نارمل لوگوں کی طرح زندگی گزارنا سیکھو تم اب بچی نہیں رہی کہ تمہیں چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہم ڈکٹیٹ کرتے پھریں۔" انداز میں تحکم تھا۔

"میں آج کل میں تمہاری اور ولید کی شادی کی تاریخ فائنل کررہا ہوں اب اگر تم نے کوئی ری ایکٹ کیا تو میں سمجھوں گا کہ میری کوئی بیٹی ہی نہ تھی۔ حماد یا ہم میں سے کسی ایک کو چننا ہوگا۔ انتخاب تمہارا ہوگا' ہم بھی صبر کرلیں گے اور بہت سے زندہ مرجانے والوں پر انسان آخر کار صبر کرہی لیتا ہے۔" انداز فیصلہ کن تھا۔ صبوحی نے ڈر کر شوہر کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں چٹانوں کی سی سختی تھی' انہوں نے انا کو بھی دیکھا وہ لب بھینچے کھڑی تھی۔

"تمہارے پاس کل کا دن ہے اچھی طرح سوچ لینا اور پھر جواب دینا۔" وہ پلٹے اور پھر رکے تھے۔

"حماد کا انتخاب کروگی تو پھر ہم سب سے سب رشتے توڑ کر جانا ہوگا۔" انداز اٹل اور فیصلہ کن تھا' وہ کمرے سے نکل گئے تھے' انا خاموشی سے زمین پر بیٹھی چلی گئی تھی۔

"انا...... دیکھو بیٹا! زندگی میں اونچ نیچ ہوجاتی ہے' والدین اولاد کی بہت سی خطائیں معاف کردیا کرتے ہیں۔ تم اپنے پاپا کی بات مان لو وہ بالکل بھی خفا نہیں رہیں گے۔" انا خاموشی سے گھٹنے پر سر ٹکا گئی تھی۔ اس کا انداز سپاٹ اور بے حس تھا' صبوحی کا جی چاہا کہ ایک دم اسے جھنجوڑ دیں۔

"ولید ایک بہت ہی قابل انسان ہے' کوئی بھی لڑکی اس کے ساتھ پر فخر کرسکتی ہے۔"

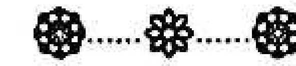
"لیکن میں اس قابل انسان کے لائق نہیں ہوں اور میں اس کے ساتھ پر فخر کرنے والوں کی لائن میں شامل نہیں ہوسکتی۔" انا کا انداز اٹل اور سپاٹ تھا۔

صبوحی کو لگا جیسے کسی نے ان کا دل مٹھی میں لے کر بھینچ دیا ہو۔

"پاپا کو کہہ دیں حماد ان کو قابل قبول نہیں تو ٹھیک ہے کسی بھی اپنے پسندیدہ انسان کے ساتھ لمحوں میں مجھے اس گھر سے نکال دیں' مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن ان کی اس پسندیدہ انسان کی لسٹ میں ولید ضیاء نہیں ہوگا۔" روشی کے ساتھ اندر آتا ولید وہیں رک گیا تھا۔

"مجھے کبھی بھی ولید ضیاء قبول نہیں' نہ آج اور نہ کل۔" ولید ایک دم تیزی سے واپس پلٹا تھا۔ روشی نے بہت دکھ سے اپنے بھائی کو جاتے دیکھا تھا۔ صبوحی نے تاسف سے اپنے سامنے بیٹھی انا کو دیکھا جو گھٹنوں میں منہ دے کر ایک دم بُری طرح رودی تھی' ان کے اندر اسے اس طرح روتے دیکھ کر سمیٹ لینے کی خواہش پیدا نہیں ہوئی تھی۔ وہ بہت اذیت بھری نگاہ ڈال کر وہاں سے ہٹ گئی تھیں۔ انا فیصلہ کرچکی تھی وہ جانتی تھی وقار احمد بھی ایک فیصلہ کرچکے ہیں اور وہ یہ بھی اچھی طرح جانتی تھیں کہ یہ دونوں اپنے اپنے فیصلوں سے اب کبھی بھی نہیں ہٹیں گے' ان کے اندر کی ماں ایک دم تڑپی تو وہ چہرے پر ہاتھ رکھ کر اپنی ہچکیوں کا گلہ دباتیں تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھیں۔

روشی نے خاموشی سے انہیں جاتے دیکھا اور پھر وہ بھی پلٹ آئی تھی۔ وہ جانتی تھی اس وقت اس کی کہی کوئی بھی بات انا پر اثر نہیں کرے گی وہ انا کا فیصلہ جان کر خود بھی دکھی تھی۔ اسے انا پر غصہ بھی آرہا تھا اور ترس بھی۔ کاش وہ اپنے بھائی کے لیے انا سے لڑسکتی' روشی کے اندر بہت کچھ بہت شدت سے ٹوٹا تھا۔



ہادیہ رابعہ سے ملنے آئی تھی' سہیل اور ابوبکر کسی کام سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ رابعہ اسے اپنے کمرے میں لے آئی' وہ اسے اپنے جہیز کی اشیاء دکھانے لگ گئی تھیں۔ ابوبکر نے جہیز لینے سے منع کردیا تھا وہ اپنا گھر خود ڈیکوریٹ کررہا تھا' تاہم ثریا بیگم نے اپنے ابوبکر کے منع کرنے کے باوجود کافی کچھ تیار کرلیا تھا۔

کپڑوں اور زیورات کے علاوہ الیکٹرانکس کی اشیاء اور گھر کی سجاوٹ کے لیے فرنیچر وہ دے رہے تھے۔ ابوبکر نے بہت منع کیا لیکن پھر ان کی محبت کے سامنے بے بس ہوگیا تھا۔

''کتنی عجیب سی بات ہے میں ابھی تک اپنے ہونے والے جیجاجی کو ہی نہیں دیکھ سکی۔'' کپڑے اور زیورات دیکھتے ہادیہ نے حسرت سے کہا۔

''ماشاءاللہ ابوبکر بہت ہی پیارا انسان ہے' ہماری رابعہ کے ساتھ تو بہت ہی جچے گا۔'' بھابی نے محبت سے کہا تو رابعہ مسکرادی۔

''خالی خولی تعریفوں سے کام نہیں چلے گا بلکہ میں تو ان سے ملے بغیر آج ٹلنے والی نہیں۔ کتنی حیرت کی بات ہے نا' شادی میں محض چند دن باقی ہیں اور ابھی تک مجھے جناب عزت مآب دلہا صاحب سے شرف ملاقات ہی حاصل نہیں ہوسکا۔''

''ہاں تو وہ سہیل کے ساتھ کسی کام سے نکلا ہے' کچھ دیر میں آجاتا ہے تو مل لینا۔'' بھابی نے چیزیں سمیٹتے کہا تو اس نے سر ہلادیا۔

''تمہارے آفس سے کون کون آئے گا رابعہ؟'' بھابی نے جاتے جاتے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''کیوں..... تم نے انوائٹ نہیں کیا؟''

''چند ایک لوگوں کو بلایا ہے اور سر کو بھی کارڈ دے دیا تھا' زیادہ کو میں نے نہیں بلایا۔''

''تم چائے پیوگی؟'' بھابی سامان سمیٹ چکی تھیں رابعہ کو چائے کی طلب ہورہی تھی اس نے ہادیہ سے پوچھا۔

''بالکل۔''

رابعہ چائے بنانے باہر آگئی تھی وہ ابھی کچن میں چائے تیار کررہی تھی جب ابوبکر اور سہیل بھائی چلے آئے تھے۔

سہیل بھائی باہر سے بیکری کا سامان لائے تھے' شاپر لاکر اسے تھمادیے تھے۔

''ہمارے لیے بھی چائے لانا گڑیا!'' سہیل بھائی نے آواز لگائی تو اس نے سر ہلادیا۔

ابھی گھر میں مہمان آنا شروع نہیں ہوئے تھے ابوبکر ابھی ادھر ہی تھا' اسے ایک دو دن میں اپنے گھر شفٹ ہونا تھا' دونوں کا آمنا سامنا صرف سلام دعا کی حد تک تھا۔

وہ سب کے لیے چائے لائی تھی' آج ماموں بھی گھر پر تھے۔ اس نے ٹرے لاکر صحن میں ٹیبل پر رکھ دی' ابوبکر ماموں اور سہیل بھائی وہیں موجود تھے' اماں بھی نماز پڑھ کر وہیں آگئی تھیں۔

''چائے تیار ہے آجائیں سب۔'' اپنے کمرے میں موجود بھابی اور ہادیہ کو کہا۔

''خالی چائے یا کچھ کھانے کو بھی ہے۔'' ہادیہ کو بھوک لگ رہی تھی۔

''فکر نہیں کرو تمہاری بھوک مٹانے کا سارا سامان موجود ہے۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

''باہر آجاؤ' سبھی صحن میں ہیں اسی بہانے تم ابوبکر سے بھی مل لوگی' وہ اور بھائی ابھی آئے ہیں۔''

''ارے واقعی۔'' ہادیہ ایک دم ایکسائٹڈ ہوئی۔

''بالکل۔'' وہ مسکرائی۔

غزل

خواب اس طرح بھی ٹوٹ جاتے ہیں
لوگ اس طرح بھی بدل جاتے ہیں
جن سے ہوتی ہیں بہت سی امیدیں وابستہ
وہ اس طرح پل بھر میں ساتھ چھوڑ جاتے ہیں
کردو اگر کسی کے لیے اپنی زندگی بھی وقف
لیکن وہ لوگ درد پھر بھی بہت دیتے ہیں
جن کو بھی چاہتے ہیں ہم بڑی شدت سے
وہ اتنی ہی شدت سے دور ہوجاتے ہیں
ہم نے تو چاہنا ہی چھوڑ دیا ہے اب کسی کو
کہ وہ لوگ بہت جلد بچھڑ جاتے ہیں

شائزہ مغل (غزل خانم).....

ہادیہ کھڑی ہوئی تھی' اپنے کپڑے درست کرتے وہ باہر نکلی تھی۔ ہادیہ کے عقب میں وہ بھی تھی' دونوں چلتی ہوئی صحن میں آگئی تھیں۔

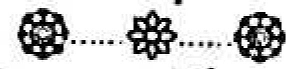
''کہاں ہے ابوبکر؟''

''یہ سہیل بھائی کے ساتھ بیٹھے ہیں؟'' سہیل بھائی اور ابوبکر دونوں کی ان کی طرف سے پشت تھی۔

''چلو میں خود جاکر سلام دعا کرلیتی ہوں۔'' ہادیہ چند قدم آگے بڑھ کر ان کے پاس آرکی تھی۔

''السلام علیکم۔'' اس نے سہیل اور ابوبکر کو سلام کیا۔ ابوبکر نے ایک دم سر اٹھا کر دیکھا تھا' ہادیہ اپنی جگہ ساکت سی ہوگئی تھی۔

''ابوبکر.....'' اس کے لب پھڑپھڑائے تھے۔ ابوبکر اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تو وہ اپنی جگہ پتھر کی بن گئی تھی۔



نکاح کے سارے انتظامات بخشو نے کیے تھے' وہی گواہان کا بندوبست کرتا رہا تھا۔ نکاح کی کارروائی ہاسپٹل میں ہی سرانجام دی گئی تھی۔ زیبن کی ماں نکاح کے بعد ایک دم پرسکون ہوگئی تھی۔ حیات علی نکاح کے وقت بہت سنجیدہ تھے تاہم زیب النساء عرف زیبن کو پاکر وہ مطمئن بھی تھے۔ زیب النساء کی ماں کو چند دن ہاسپٹل ایڈمٹ رہنا تھا وہ زیبن کو لے کر اپنے چھوٹے سے فلیٹ میں آگئے تھے۔

فلیٹ اگرچہ چھوٹا سا تھا لیکن خوب صورتی سے سجا ہوا تھا۔ زیبن اس نئے رشتے کے سبب شرمائی شرمائی سی تھی' وہ حیات علی سے بہت جھجک محسوس کررہی تھی۔ وہ اسی سادہ سے حلیے میں ملبوس تھی جس میں وہ حیات علی اور اپنی ماں کے ساتھ ہاسپٹل آئی تھی۔

''بیٹھو۔'' وہ اسے اپنے بیڈروم میں لے آئے تھے۔ وہ جھجکتے ہوئے بیٹھ گئی۔

''کچھ کھاؤ گی؟'' حیات علی نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلادیا جبکہ شدت سے بھوک لگی ہوئی تھی' رات سے کچھ نہیں کھایا تھا اس نے۔

"تم بیٹھو میں آتا ہوں۔" وہ اسے کمرے میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

ان کے جانے کے بعد وہ اطمینان سے اس سجے سجائے سے کمرے کو دیکھنے لگی تھی۔ کمرے میں بیڈ کے علاوہ ایک الماری اور ڈرائنگ ٹیبل بھی تھی' کونے میں ایک صوفہ بھی موجود تھا' کمرہ نفاست سے سجا ہوا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ آئے تھے ان کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں چائے اور کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ لگتا تھا چائے خود تیار کی تھی اور کھانے کی چیزیں باہر سے لائے تھے۔

"یہ لو چائے پیو۔" انہوں نے کپ اٹھا کر زیبن کو دیا تو اس نے جھجکتے ہوئے تھام لیا تھا۔ انہوں نے چائے کے دوران زیب النساء کو اپنے بارے میں کافی کچھ بتا دیا تھا' اپنے خاندان' بیوی اور بچوں سے متعلق ہر بات۔

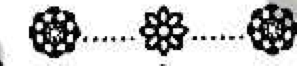
"آپ کے گھر والے تو مجھے دیکھ کر بہت ناراض ہوں گے۔" وہ سب سننے کے بعد پہلی بار مکمل جملہ ادا کر پائی تھی۔

"فی الحال تو میں وہاں کسی کو بھی نہیں بتا رہا' بابا جان تو بہت ناراض ہوں گے کوئی مناسب موقع دیکھ کر بات کروں گا۔ وہ غصے کے بہت تیز ہیں' ہمیشہ اپنی منواتے ہیں۔ سب ان کے فیصلوں کو اہمیت دیتے ہیں' میری کم عمری کی شادی بھی ان کے فیصلہ کا نتیجہ تھی۔" حیات علی نے بتایا تو زیب النساء کا خوف کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

وہ صاف محسوس کر سکتی تھی کہ آنے والی زندگی اس کے لیے مزید مشکل ہو سکتی ہے۔ حیات علی اچھے انسان تھے' بہت سادہ اور نرم مزاج۔

اگلے دن تک زیب النساء پر ان کی شخصیت کے بہت سے مثبت پہلو وا ہوئے تھے جن میں ایک پہلو یہ بھی تھا کہ وہ بہت محبت کرنے والے انسان ہیں۔ وہ اپنی ماں سے ملنے ہاسپٹل گئی تھی اس کی ماں اسے خوش دیکھ کر ایک دم مطمئن ہو گئی تھی۔

حیات علی کو گاؤں واپس جانا تھا لیکن یہاں زیب النساء اور اس کی ماں کی بھی ذمہ داری تھی۔ وہ زیب النساء کو کوئی دلاسے دے کر بخشو کو دونوں کا خیال رکھنے کا کہہ کر گاؤں واپس لوٹ آئے تھے اور پھر زیب النساء کا انتظار شروع ہو گیا تھا۔



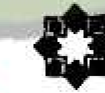
ہادیہ کچھ کہے بغیر واپس پلٹی اور تیزی سے واپس رابعہ کے کمرے میں آ گئی تھی۔

"کیا ہوا؟" ہادیہ کا ری ایکشن ایسا تھا کہ رابعہ بھی الجھ گئی تھی۔ وہ بھی پیچھے چلی آئی تھی۔

"تم تو ابوبکر سے ملنا چاہتی تھیں نا؟" ہادیہ ایک دم بے جان انداز میں بستر پر گر گئی تھی۔

"وہی ابوبکر جس کی میں کئی سالوں سے منتظر تھی۔" اگلا جملہ ایسا تھا کہ رابعہ کو لگا کہ جیسے اس کے اعصاب پر کسی نے بم پھوڑ دیا ہو۔ وہ ایک دم منہ پر ہاتھ رکھے دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)



سمیرا شریف طور

ٹوٹا ہوا تارا

قسط نمبر 33

عید سعید عید سعید عید سعید عید سعید عید سعید عید سعید

خزاں کے ہاتھ مجھے اس نے پھول بھیجے ہیں
وہ دوستوں میں ہے کہ دشمنوں میں سوچیں گے
تیرے بغیر کس طرح وقت گزاریں گے
ملے گا وقت تو فرصتوں میں سوچیں گے

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

اپنی ذات میں آنے والی اس تبدیلی پر شہوار بے حد خوش ہوتی ہے لیکن اس خوشی کے موقع پر تابندہ کی غیر موجودگی پر افسردہ ہوجاتی ہے ایسے میں مصطفیٰ اپنی چاہت وبھرپور توجہ سے اسے سنبھال لیتا ہے۔ احسن نہایت غصے کے عالم میں حماد کے آفس پہنچ کر اسے انا سے دور رہنے کا کہتا ہے حماد اس کے دھمکی آمیز رویے کو خاطر میں لائے بغیر صاف الفاظ میں انا کے لیے رشتہ بھیجنے کی بات کرتا ہے اس سلسلے میں انا کی جانب سے پیش قدمی کا سن کر احسن شدید اشتعال میں آجاتا ہے۔ حماد انا کو تمام صورت حال سے آگاہ کرتے اپنے گھر والوں کو لانے پر بضد ہے جبکہ احسن کے اس اقدام پر انا حیران رہ جاتی ہے۔ کاشفہ کی دھمکی آمیز فون کال انا کا سکون برباد کیے رکھتی ہیں۔ دوسری طرف روشی اس کے انداز پر چونک جاتی ہے لیکن انا خود سے اسے کچھ نہیں بتاتی روشی اس موضوع پر ولید سے بات کرتی ہے اسے لگتا ہے ضرور انا کو بلیک میل کیا جارہا ہے ولید ایک بار پھر انا سے بات کرتا ہے جب ہی اس کے موبائل پر کاشفہ کی کال آجاتی ہے ولید اس کے ہاتھ سے موبائل لینے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس سے پہلے انا اپنا فون دیوار پر دے مارتی ہے انا کی اس حرکت پر شدید اشتعال کا شکار ہوتے ولید کا ہاتھ اس پر اٹھ جاتا ہے جبکہ انا ولید کے اس جارحانہ سلوک پر مزید بدظن ہوجاتی ہے۔ چوہدری حیات علی رقم کا انتظام کر کے شہر پہنچتے ہیں تو وہاں شادی کی تیاریاں دیکھ کر اضطراب میں مبتلا ہوجاتے ہیں وہ اس معاملے میں صفدر سے بات کرتے ہیں جبکہ صفدر اپنی مجبوریوں کا رونا رو کر انہیں مطمئن کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے صفدر اس جواری کو فی الحال ٹال دیتا ہے اس کے لیے اتنی بڑی رقم کا تصور ہی بہت خوش آئند ہے جبکہ زیب النساء کی ماں انہیں تمام حقیقت سے آگاہ کرتے صفدر کی لالچی طبیعت کا بتا کر اپنی بیٹی سے نکاح کی درخواست کرتی ہیں لیکن حیات علی اپنی شادی شدہ زندگی کا بتا کر اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہیں دوسر طرف اس عورت کی بگڑتی حالت کے پیش نظر وہ فوراً ہی زیب النساء سے نکاح پر آمادہ ہوجاتے ہیں اور فی الحال اپنے گھر والوں کو اس بات سے لاعلم رکھتے زیب النساء کو تمام حقیقت سے آگاہ کردیتے ہیں۔ زیب النساء حالات سے سمجھوتہ کرتے یہ جان لیتی ہے کہ ابھی ایک کٹھن زندگی اس کے سامنے ہے اور چوہدری حیات علی گاؤں لوٹ جاتے ہیں اور زیب النساء کی زندگی میں سوائے انتظار کے کچھ نہیں بچتا۔ کالج سے واپسی پر انا کا ارادہ شہوار کی طرف جانے کا ہوتا ہے لیکن ڈرائیور کے انکار پر وہ شدید اشتعال میں آجاتی ہے گھر والوں کی اس بے اعتمادی پر وہ بکھر جاتی ہے جب ہی صبوحی بیگم اسے سمجھانے کی کوشش کرتی ہیں دوسری طرف وقار صاحب حماد اور گھر والوں میں کسی ایک کا چناؤ اس کے سامنے رکھ کر اسے مزید اضطراب میں مبتلا کردیتے ہیں۔ رابعہ کی شادی کی تیاریاں زوروشور سے جاری ہوتی ہیں جب ہی ہادیہ رابعہ سے اصرار کرتی ہے کہ وہ اسے ابوبکر

سے ملوائے لیکن ابوبکر سے ملنے کے بعد ہادیہ بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا ہو جاتی ہے دوسری طرف رابعہ بھی صدمے سے گنگ رہ جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



"آپ ہادیہ کو کب سے جانتے ہیں؟" ابوبکر اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا لیکن رابعہ کی بات سن کر ایک دم چونک اٹھا۔ وہ پلٹا اور رابعہ کے سامنے آ رکا۔

"ہادیہ......؟" سر جھکائے ابوبکر نے کہا تو رابعہ ایک دم تیزی سے بولی۔

"میری دوست۔" اس کے چہرے پر ایک دم کھنچاؤ کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔

"وہی جس سے آپ شام میں مل چکے ہیں۔" اس نے یاددہانی کرائی تو ابوبکر نے ایک گہرا سانس لیا۔

"جسے دیکھ کر آپ چونک گئے تھے۔" ابوبکر نے خاموشی سے اپنے ماتھے پر دائیں ہاتھ کی انگلیاں اضطرابی انداز میں رکھی اور پھر رابعہ کو دیکھا وہ بہت سنجیدگی لیے سوالیہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں تھا۔"

"جھوٹ مت بولیں۔" وہ ایک دم تیزی سے بات کاٹ گئی۔

"جھوٹ نہیں بول رہا آپ کچھ نہیں جانتیں، اس لیے آپ......!"

"میں وہ سب کچھ جانتی ہوں، جو آپ نے مجھ سے چھپایا ہے ہادیہ میری بیسٹ فرینڈ ہے اس کی زندگی کے ایک ایک گوشے ایک ایک لمحے کی گواہ ہوں میں اس کے جذبات، اس کے احساسات کچھ بھی تو مجھ سے چھپا ہوا نہیں ہے؟"

"میں نے کچھ بھی نہیں چھپایا۔ میں نے کئی بار آپ کو اپنے بارے میں بتانا چاہا لیکن آپ نے کہا کہ آپ کو کچھ نہیں جاننا آپ اپنی دوست ہادیہ کے بارے میں کیا جانتی ہیں مجھے نہیں علم۔" ابوبکر کا انداز مستحکم تھا۔ رابعہ نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"میرے باپ نے دوسری شادی کرلی تھی میری اپنی اسٹیپ مدر سے کبھی بھی نہ بن سکی تھی وہ زندگی کا بہت جذباتی دور تھا ایک دن شدید جھگڑے کے بعد میں گھر سے نکل پڑا تھا۔ مختلف جگہوں پر دھکے کھانے کے بعد میں خان بابا کے پاس پہنچا تھا۔ وہ میری والدہ کے رشتے دار تھے وہ اکثر ہمارے پاس آتے رہتے تھے وہ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے، خان بابا ہادیہ کے گھر ملازم تھے۔ برسوں پرانے ملازم۔ مجھے ہادیہ بی بی کے والد نے اپنے گھر کے سرونٹ کوارٹر میں رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ میں خان بابا کا رشتے دار تھا پہلے ٹائم کالج جاتا پھر ٹیوشنز پڑھاتا اور جو وقت بچتا میں ان کے گھر کے چھوٹے موٹے کام کر دیتا تھا مجھے ڈرائیونگ آتی تھی ہادیہ بی بی کے والد نے مجھے ڈرائیور رکھ لیا، تب ہادیہ بی بی اور ان کی والدہ کو باہر لانے لے جانے میں، میں نے محسوس کیا کہ ہادیہ بی بی میری ذات میں غیر معمولی کشش محسوس کرنے لگی ہیں میں ہمیشہ اپنی ذات کے دائرے میں گھرا رہنے والا انسان تھا۔ میں ان کی غیر معمولی دلچسپی سے ڈر گیا تھا۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھیں بھلا میں ان کے لیول کا کیونکر ہو سکتا تھا انہوں نے مجھ سے کبھی بھی محبت کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن میں ہر وقت ان کی دن بدن بڑھتی غیر معمولی توجہ دیکھ کر الجھنے لگا تھا وہ خوب صورت تھیں پڑھ رہی تھیں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھیں صاحب جائیداد تھیں بھلا میں کیونکر ان کے معیار تک پہنچ پاتا یہ ٹھیک ہے کہ میرے والد معاشرے میں ایک اچھی پوزیشن رکھتے تھے لیکن اپنی سوتیلی والدہ کے سبب میں نے گھر چھوڑ دیا تو دوبارہ کبھی اس گھر میں واپس جانے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ ہادیہ بی بی کی وجہ سے مجھے لگنے لگا کہ اگر میں وہاں مزید رہا تو میری

پوزیشن خراب ہوسکتی ہے ان کے والد مجھ پر بہت زیادہ اعتماد اور بھروسہ کرتے تھے اور میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی وجہ سے میری ساکھ خراب ہو، تبھی میں نے کچھ دوستوں کی مدد سے امریکہ ویزہ کے لیے اپلائی کردیا تھا اسکالرشپ کی بنیاد پر میری قسمت اچھی تھی جو بہت جلد میں اسکالرشپ کے لیے سلیکٹ ہوگیا تھا میں نے بس خان بابا سے ذکر کیا تھا اور پھر میں خاموشی سے وہاں سے امریکہ چلا گیا تھا وہاں جا کر ایجوکیشن کے ساتھ ساتھ میں نے جاب شروع کردی تھی مجھے اپنے بل بوتے پر اپنا کیریئر بنانا تھا سو تب ہی مجھے سہیل ملا ہماری دوستی ہوگئی جو آج بھی برقرار ہے۔'' وہ سب بتا کر خاموش ہوگیا تو رابعہ نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ ابوبکر کی کہانی میں کسی بھی قسم کا کوئی جھول نہیں تھا حرف حرف سچ تھا۔ یہ سب کچھ تو وہ ہادیہ سے بھی سن چکی تھی لیکن ابوبکر کون تھا کیا بیک گراؤنڈ تھا یا کہاں غائب ہوگیا تھا نہ ہادیہ کو علم تھا اور نہ ہی اسے پتا تھا۔ رابعہ آہستگی سے ایک طرف رکھی کرسی پر گرسی گئی تھی۔

''وہ پاگل ہے، اس نے زندگی میں صرف ایک شخص سے محبت کی تھی اور وہ آپ تھے اس کے اتنے اچھے اچھے رشتے آتے ہیں اور وہ انکار کردیتی ہے۔ اس کی وجہ بھی جانتی ہیں کہ وہ ایسا کیوں کرتی ہے اسے نجانے کیوں ایک امید سی تھی کہ آپ ضرور واپس آئیں گے۔'' رابعہ کے الفاظ پر ابوبکر نے سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔

''اس کے والدین بہت پریشان ہیں لیکن وہ شادی کے لیے نہیں مانتی۔'' ابوبکر خاموشی سے سنتا رہا۔

''ایک بات بتائیں گے؟'' رابعہ نے اچانک سر اٹھا کر ابوبکر کو بغور دیکھتے پوچھا تو وہ بھی دیکھنے لگا۔

''ہادیہ کی محبت کیا یک طرفہ تھی یا آپ بھی؟'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر بغور دیکھنے لگی۔

ابوبکر نے اضطراری انداز میں لب بھینچے انگلیاں مسلتے کمرے میں چکر لگایا۔

''ہماری شادی ہورہی ہے اب اس سوال کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں محبت وحبت پر یقین نہیں رکھتا حقیقت یہ ہے کہ سہیل اور آپ کی فیملی کے ساتھ میری کمٹمنٹ ہوچکی ہے اور میں ہر حال میں کمٹمنٹ نبھانے والا انسان ہوں۔''

''اور دوسری طرف جو ایک لڑکی کی زندگی برباد ہوجائے گی وہ......؟'' وہ تڑپ اٹھی۔

''وقت سب سے بڑا مرہم ہے، پھر میرے اور ہادیہ بی بی کے اسٹیٹس میں بہت فرق ہے۔'' انداز میں ایک دم سنجیدگی در آئی تھی۔

''وہ کوئی عام سی جذباتی لڑکی نہیں ہے، اس نے دل کی گہرائیوں سے آپ کو چاہا تھا وہ آپ کی خاطر ایک آس ایک امید میں خود پر زندگی کا ہر دروازہ بند کرکے آپ کی آمد کی منتظر تھی اور اب جبکہ اسے علم ہوچکا ہے کہ آپ واپس آچکے ہیں میری شادی آپ سے ہورہی ہے وہ بالکل ٹوٹ جائے گی۔''

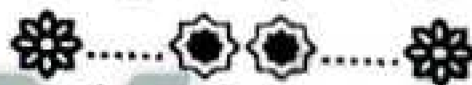
''تو بتایئے میں کیا کرسکتا ہوں؟'' ابوبکر نے پوچھا تو رابعہ خاموش ہوگئی۔

چند دن بعد اس کی شادی تھی۔ اگر وہ انکار کرتی تو سارے خاندان میں بدنام ہوجاتی اور اگر ابوبکر انکار کرتا تو سہیل اور ابوبکر کے رشتے کے درمیان ایک خلیج پیدا ہوجاتی تھی۔

''میں ایک پریکٹیکل سوچ رکھنے والا انسان ہوں میرے پاس بہت سارے رشتے نہیں ہیں سہیل کی دوستی میں، میں نے ایک بھائی کا سا پیار حاصل کیا ہے اور آپ کی فیملی سے گھر جیسی محبت۔ اب ان سب کے اعتماد کو نہیں توڑ سکتا۔''

''آپ واقعی ہادیہ سے محبت نہیں کرتے؟'' سوال ایسا تھا کہ ابوبکر چند پل کو بالکل خاموش ہوکر رہ گیا۔

رابعہ نے بہت دکھ سے ابوبکر کو دیکھا اور پھر سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔



چند دن گزرے تھے انہیں اطلاع ملی تھی کہ زیب النساء کی ماں کی طبیعت بہت خراب ہے وہ شہر جانے کی تیاری

شعر

حلف اٹھا لینے کے فوراً بعد ہر تازہ وزیر
قائد اعظم کے مرقد پر بھی جاتا ہے ضرور
اور وہاں جا کر یہ کہتا ہے وہ ان کی روح سے
میرے ہاتھوں قوم اچھا دن نہ دیکھے گی حضور

درخشاں بی...... چونالہ

کرنے لگے تھے۔

''کہاں جارہے ہیں؟'' زبیدہ نے انہیں تیار ہوتے دیکھ کر پوچھا۔

''شہر۔'' انہوں نے مختصر کہہ کر سفید شلوار قمیص کے اوپر بلیک واسکٹ پہنی۔

''آج کل آپ شہر کے بہت چکر لگانے لگے ہیں۔'' انداز میں کھوج تھی حیات علی کے ہاتھ رک دم رک گئے تھے۔

''کیا مطلب؟'' بغور بیوی کو دیکھا۔

''کچھ دن پہلے ہی تو آپ شہر سے ہو کر آئے ہیں اب ایسا کیا ضروری کام آپڑا کہ پھر چل دیے۔'' زہرہ کو اٹھائے زبیدہ سامنے آرکی تھیں۔ وہ حیات علی سے عمر میں بھی 8 سال بڑی تھیں پھر پانچ بچوں کی پیدائش نے بھی اثر دکھایا تھا زبیدہ کے جسمانی خدوخال اب ان کی عمر کو چھپا نہیں سکتے تھے وہ حیات علی کے سامنے ہمیشہ دبنے لگی تھیں اور آج کل یہ فرق حیات علی کو بڑی شدت سے محسوس ہونے لگا تھا۔ کہاں ایک کم عمر سی خوب صورت لچکیلی ڈال جیسی زیب النساء اور کہاں بڑی عمر کی پانچ بچوں کی ماں۔

انہوں نے ناگواری سے بیوی کو دیکھا۔

زبیدہ اس گھر میں راج کرتی تھی۔

حویلی کے سیاہ وسفید کی مالک تھی۔

''ہر ضروری کام بتانا ضروری نہیں ہوتا۔'' ناگواری سے کہہ کر وہ پلٹے تھے۔

''میں دیکھ رہی ہوں دن بدن آپ کا رویہ مجھ سے اور بچوں سے بدل رہا ہے کوئی بھی سوال کروں عجیب روکھا سا انداز ہو جاتا ہے۔'' زبیدہ کی بات پر وہ ٹھٹک گئے تھے۔

آج کل لاشعوری طور پر ان سے ایسا ہو رہا تھا وہ جان بوجھ کر زبیدہ یا بچوں کو اگنور نہیں کر رہے تھے۔

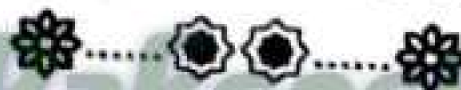
''ایسی کوئی بات نہیں، بس آج کل کچھ زیادہ ہی مصروف ہوں، اسی لیے شاید تمہیں ایسا لگ رہا ہے۔'' خود کو سنبھالتے زبیدہ کے قریب آ کر مسکرا کر کہا تو زبیدہ نے بغور دیکھا۔

''تو پھر بتایا نہیں کس لیے جارہے ہیں آپ شہر؟''

''ایک دوست ہے اس کی والدہ کافی بیمار ہیں اسی کی عیادت کو جانا ہے۔'' نظر چرا کر پیچھے ہٹے تھے۔

''واپس کب آئیں گے؟''

''شاید ایک دو دن لگ جائیں۔'' سنجیدگی سے کہہ کر نظریں چرائے وہ اپنی چند ضروری چیزیں سمیٹ کر باہر نکل گئے تھے۔ زبیدہ نے خاموشی سے انہیں جاتے دیکھا تھا۔



وہ کالج آئی تو شہوار موجود تھی۔

''کہاں تھیں تم؟'' سلام دعا کے بعد اس نے پوچھا تو شہوار مسکرادی۔

''بس گھر میں ہی تھی، تم سناؤ تمہارا نمبر کیوں آف ہے جب بھی کال کرو نمبر بند ہوتا ہے۔''

''موبائل ٹوٹ گیا ہے؟'' انا نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہائے وہ کیسے، اتنا اچھا سیٹ کیسے ٹوٹ گیا۔''

''بس ہاتھ سے گرا اور ٹوٹ گیا۔''

''میں محسوس کررہی ہوں تم آج کل بہت بدلی بدلی سی لگنے لگی ہو جب سے وہ واقعہ ہوا ہے تم وہ والی انا لگتی ہی نہیں ہو۔'' شہوار نے چلتے چلتے پوچھا تو انا ٹھٹک گئی اس نے سختی سے دانت لب تلے دبا لیے تھے۔

''کیا بات ہے کوئی پریشانی ہے؟'' شہوار نے اسے بغور دیکھتے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلاتے قدم آگے بڑھا دیے تھے۔ شہوار نے چند پل اسے آگے بڑھتے دیکھا تھا۔

''لیکن کوئی تو ریزن ہوگی نا؟'' وہ پھر تیز تیز چلتے اس کے مقابل آرکی تھی۔

''بس ویسے ہی طبیعت بیزار ہورہی ہے کچھ اسٹڈی کا بہت حرج ہوچکا ہے سوچ رہی ہوں کہ کیسے کور ہوگا یہ سب۔'' وہ بات ٹال گئی تھی۔

شہوار نے اسے چند پل بغور دیکھا اور پھر سر ہلادیا۔

''روشی کا سناؤ کیسی طبیعت ہے اب اس کی۔'' دونوں کاریڈور سے گزرتے ایک کمرے میں آبیٹھی تھیں۔ بکس اور بیگ دوسری چیئر پر رکھتے شہوار نے پوچھا۔

''اچھی ہے منگنی چیک اپ ہورہا ہے سب ٹھیک ہے۔''

''اچھی بات ہے تمہاری اور ولید بھائی کی شادی کب ہورہی ہے۔'' شہوار نے مسکرا کر پوچھا تو انا نے لب بھینچ لیے۔

''شاید کبھی بھی نہیں۔'' لہجے میں تلخی تھی۔ شہوار چونکی۔

''کیا مطلب؟''

''ہر بات کا مطلب نہیں ہوتا۔'' لہجے کی تلخی اسی طرح برقرار تھی۔ ''پھر بھی بغیر کسی ریزن کے بھی تو کوئی بات نہیں ہوئی۔''

''کیا ہوا ہے کوئی پرابلم ہے کیا؟'' شہوار پریشان ہوئی۔

''میں یہ منگنی ختم کرچکی ہوں۔'' انا کا انداز سنجیدہ اور دوٹوک تھا۔ شہوار ششدر سی رہ گئی۔

''کیوں؟'' بہت دیر بعد وہ کچھ بولنے کے قابل ہوئی تھی۔

''ہر کیوں کا جواب نہیں ہوتا؟''

''پھر بھی کوئی وجہ تو ہوگی نا؟ اور حیرت ہے مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں۔''

''میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں اور یہی سب سے بڑا ریزن ہے۔'' انا کا انداز ایک دم سپاٹ ہوگیا تھا۔ شہوار نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

انا بدل چکی تھی وہ یہ محسوس تو کرچکی تھی۔ لیکن اس حد تک بدل گئی ہوگی وہ یقین نہیں کرپارہی تھی۔

''کون ہے وہ؟''

''تم اسے جانتی ہو۔'' بیگ کی اسٹریپ سے کھیلتے انا نے کہا تو شہوار الجھی۔

''کسے؟''

''مصطفیٰ بھائی کا کزن ہے وہ۔'' شہوار نے حیران ہو کر انا کو دیکھا وہ مسلسل بیگ کا اسٹریپ کھول اور بند کر رہی تھی۔

''کون؟''

''حماد۔'' شہوار کو لگا تھا کہ جیسے انا نے اس کی سماعت پر ایک زوردار دھماکہ کیا ہو۔

''کیا.........؟'' وہ بے یقینی سے اسے تکتی رہ گئی۔



وقار صاحب آفس نہیں گئے تھے وہ پچھلی کئی راتوں سے سو نہیں پائے تھے ان کی طبیعت خراب تھی لیکن ان کا ذہن مسلسل پریشانی سے کچھ بھی کام کرنے سے قاصر تھا۔ انہیں انا بہت عزیز تھی۔ انا ان کی چہیتی بیٹی تھی۔ انہوں نے اسے بہت لاڈ اور محبت سے پالا تھا۔ انا کی کبھی بھی کوئی بھی فرمائش رد نہیں ہوئی تھی۔ اس کے منہ سے نکلی ہر بات پوری کی گئی تھی۔

ولید ان سب کی مشترکہ خواہش تھی خصوصاً ضیاء احمد کی دلی خواہش تھی کہ انا اور ولید کی شادی ہو۔ کسی کو بھی اعتراض نہ تھا۔ سب کچھ بہت اچھی طرح چل رہا تھا منگنی ہوگئی تھی لیکن اب اچانک نجانے یہ حماد کہاں سے آ ٹپکا تھا۔

اس دن انا کے ساتھ پارک میں موجود اسی لڑکے کو دیکھ کر ان کا پارہ ایک دم ہائی ہوا تھا وہ انا کو گھر لے آئے تھے۔ جی چاہ رہا تھا کہ جذباتیت کا مظاہرہ کرتے وہیں پارک میں کھڑے شخص کا گریبان پکڑ لیں لیکن انہوں نے اپنے حواس بے قابو نہیں ہونے دیے تھے وہ انا کو لے کر گھر آ گئے تھے لیکن انا سے وہ سب سن کر وہ جیسے ڈھے سے گئے تھے۔

انا کی گمشدگی اس کی دماغی کنڈیشن کا خراب ہونا سب کے پیچھے یہ ریزن تھا وہ کسی بھی طور پر یقین کرنے پر آمادہ ہی نہ تھے اور اب صبوحی بیگم نے بتایا تھا کہ وہ ولید سے مکمل طور پر انکار کر چکی ہے ان کی دھمکی کے باوجود۔

''وہ کہتی ہے اگر آپ کو حماد پسند نہیں تو کسی سے بھی میری شادی کر دیں بے شک تعلق ختم کر لیں لیکن وہ کسی بھی قیمت پر ولید سے شادی نہیں کرے گی۔''

صبوحی کے منہ سے یہ الفاظ سن کر وہ گم صم ہو گئے تھے۔ وہ ایک جہاندیدہ سمجھدار انسان تھے انہوں نے بہت کم عرصے میں اپنا کاروبار بڑھایا تھا۔ وہ اپنا ہر فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرتے تھے لیکن اس دفعہ وہ بہت جذباتی ہو رہے تھے۔ وہ ساری رات ایک پل کو بھی نہیں سو پائے تھے صبح سے ان کی طبیعت خراب تھی۔ وہ آفس بھی نہیں گئے تھے۔ آج ضیاء احمد کا چیک اپ تھا ولید ان کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا کوئی دو بجے کے قریب دونوں گھر لوٹے تھے۔

وقار کی طبیعت خرابی کے سبب آج صبوحی بیگم بھی بوتیک نہیں جا سکی تھیں۔ انا کالج اور احسن آفس میں تھے باقی لوگ گھر میں۔ ولید ضیاء احمد کو گھر چھوڑ کر آفس جانے کے لیے نکلا تو صغراں بلانے آ گئی۔

''بڑے صاحب (وقار) بلا رہے ہیں۔''

''چلو میں آتا ہوں۔'' صغراں چلی گئی تو وہ بھی اندر آ گیا تھا لاؤنج میں روشی سمیت صبوحی بیگم، وقار احمد، ضیاء صاحب بھی موجود تھے۔

''آپ نے بلایا، خیریت۔'' ولید نے پوچھا۔

''بیٹھو۔'' وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

کی سرخی بڑھنے لگی۔

"مجھے انا کے سلسلے میں بات کرنی ہے۔" دھیمے لہجے میں وقار نے کہا تو ولید کے چہرے

"انا نے جس طرح یہ منگنی ختم کی ہے، اس پر میں بہت شرمندہ ہوں۔" انہوں نے شرمندگی سے کہا تو ضیاء صاحب نے گہرا سانس لیا۔

"ایسی بات مت کرو وقار، انا بچی ہے نا سمجھ ہے جذباتی ہو رہی ہے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"وہ نہ بچی ہے اور نہ ہی نا سمجھ، وہ یہ سب کچھ جان بوجھ کر رہی ہے میں نے بھی اب فیصلہ کر لیا ہے میں اب اسے مزید ہماری عزت سے کھیلنے کی اجازت نہیں دوں گا۔" ایک دم جذباتی ہوتے وقار صاحب نے کہا تو ضیاء صاحب نے پریشان ہو کر وقار کا چہرہ دیکھا۔

"میں اس لڑکے کے والدین کو بلوا رہا ہوں تاکہ ان سے فائنل بات کروں میں نے سوچ لیا ہے کہ بہت جلد انا کو اس لڑکے کے ساتھ رخصت کر کے اس سارے سلسلے کو ہی ختم کر دوں گا میں انا سے سب تعلق ختم کروں گا اور یہ ہی میرا آخری فیصلہ ہے۔" انداز دوٹوک تھا صبوحی بیگم تو ایک دم رونے لگ گئی تھیں۔ روشی نے فوراً قریب آ کر انہیں کندھوں سے تھاما۔

ضیاء صاحب کے چہرے پر پریشانی کی کیفیت پھیل گئی تھی۔

"ایسے جذباتی فیصلے اس طرح آنا فانا نہیں ہو جاتے، وہ بچی ہے اگر جذباتی ہو رہی ہے تو تم تو کم از کم سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو، وہ ہماری بچی ہے ایسے کیسے تم یہ فیصلہ کر سکتے ہو۔" ضیاء صاحب نے ناراضگی کا اظہار کیا۔

"تو کیا میں اس وقت کا بیٹھ کر انتظار کروں، جب وہ خود اس لڑکے کے ساتھ چلی جائے۔"

"اللہ نہ کرے۔" صبوحی بیگم تو دہل سی گئی تھیں۔

"کیسی باتیں کرتے ہو تم وقار، وہ ہماری بچی ہے ہمارے ہاتھوں پرورش پائی ہے اس نے، وہ بھلا ایسی ویسی کوئی حرکت کیوں کرے گی وہ کرداری لحاظ سے کوئی کمزور لڑکی نہیں ہے۔ وہ کبھی بھی کوئی غلط قدم نہیں اٹھائے گی۔" ضیاء صاحب نے ناراضگی سے کہا تو وقار نے ایک گہرا سانس لیا۔

"کبھی میں بھی یہی سوچتا تھا وہ اس لڑکے کو ہمارے سامنے تک لے آئی ہے۔ مجھے اب اس وقت سے ڈر لگتا ہے جب کوئی انہونی ہو، میں اب اس سلسلے کو ختم کرنا چاہتا ہوں اور بس۔"

"تم ایسا کچھ نہیں کرو گے انا میرے ولید کی منگیتر ہے۔" ضیاء صاحب نے پریشان ہو کر یاد دلانا چاہا۔

"وہ خود یہ منگنی ختم کر چکی ہے۔" وقار نے سنجیدگی سے اطلاع دی۔

"میں نہیں مانتا اس پر سب سے پہلے ہمارا حق ہے۔" وقار نے ایک گہرا سانس لیا اور ولید نے ایک دم کھڑا ہو کر کہا۔

"آپ کے ماننے یا نہ ماننے سے کچھ نہیں ہوگا بابا ہوگا وہی جو انا چاہتی ہے اور میں زبردستی کے رشتوں کا قائل نہیں ہوں مجھے اپنی سیلف ریسپیکٹ ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ میرا خیال ہے انکل نے بالکل ٹھیک اور بروقت فیصلہ کیا ہے آپ بھی دل سے اس فیصلے کو مان لیں تو اچھی بات ہے۔" تلخی سے کہہ کر وہ لاؤنج سے نکل گیا تھا۔

سبھی نے بہت دکھ سے اسے جاتے دیکھا تھا۔



شہوار سارا وقت سخت پریشان رہی تھی انا حماد کو پسند کرنے لگی تھی حماد کی وجہ سے وہ ولید سے منگنی توڑ چکی تھی۔ اسے یہ بات ہضم نہیں ہو پا رہی تھی۔ باقی سارا وقت اسے انا سے بات چیت کا موقع نہیں ملا تھا کچھ انا بھی اس سے دور رہی تھی۔ وہ انا کے لیے حقیقتاً دل سے پریشان ہو چکی تھی۔ آج اسے گھر جلدی آنا تھا سو وہ دو بجے کے قریب ہی گھر آ گئی

تھی ڈرائیور لینے آیا تھا۔

گھر میں بھی کو اس کی پریگنینسی کی خبر مل چکی تھی ماں جی تو بے حد خوش تھیں خوش تو وہ خود بھی تھی لیکن تابندہ بوا کا خیال اسے غم زدہ کردیتا تھا نجانے وہ کہاں تھیں اس کا دل چاہتا تھا کہ اسے بس کوئی اطلاع مل جائے وہ اڑ کر ان تک پہنچ جائے وہ گھر آئی تو شائستہ بھابی موجود تھیں۔ وہ شاید اسی سے ملنے آئی تھیں۔

آتے ہی وہ اس کو لے کر اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

''کیا بات ہے خیریت ہے نا؟''

''تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔''

''ہاں کہیے۔''

''تمہاری دوست کے متعلق بات ہے۔'' انداز دھیما سا تھا شہوار چونکی یعنی کوئی بات تھی انا نے حماد سے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا بس یہ کہ وہ پسند کرتی ہے کیوں کیسے۔

''کیا مطلب......کون سی دوست؟''

''انا......'' شہوار کا دل ڈوبنے لگا تھا۔

''میں سمجھی نہیں۔''

''چھوڑو تمہاری تو پکی دوست ہے کچھ نہ کچھ تو بتایا ہی ہوگا تمہیں تو۔'' شائستہ نے طنزیہ انداز اختیار کیا تو شہوار ٹھٹکی۔

''مجھے آپ کی کسی بھی بات کی سمجھ نہیں آرہی جو بھی کہنا ہے صاف صاف کہیں۔''

''تمہاری دوست اور ہمارے حماد میں کوئی چکر چل رہا ہے ٹھٹک تو میں تب ہی گئی تھی جب حماد بہانے بہانے سے مجھے ساتھ لے کر اس کے گھر جاتا تھا لیکن سوچا میرا وہم ہوگا منگنی شدہ لڑکی ہے لیکن وہ تو آج حماد نے گھر میں خبر نشر کی ہے کہ وہ انا کو پسند کرتا ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے لڑکی بھی اسے پسند کرتی ہے اس کی خاطر اپنی منگنی توڑ چکی ہے اس لیے اب ہم اس کا رشتہ لے کر انا کے گھر جائیں۔'' شائستہ نے ساری کہانی کہہ سنائی تھی۔

شہوار تو گم صم حیرت سے شائستہ کی شکل دیکھ رہی تھی۔

''تو بات یہاں تک پہنچ چکی تھی۔'' وہ بے یقین تھی۔

''تم جانتی تو ہو ہمارے ہاں خاندان سے باہر شادیوں کا رواج نہیں لیکن اب نئی جنریشن کی شادیاں ہو رہی ہیں تو حماد بضد ہے کہ وہ انا سے ہی شادی کرے گا۔ دو دن سے اس نے گھر میں یہ سلسلہ کھڑا کر رکھا ہے۔''

''یہ سب حماد نے بتایا ہے کیا؟'' وہ بہت الجھی ہوئی تھی۔

''تو اور کیا......میں خود سے جھوٹ کیوں گھڑنے لگی۔ سچ کہوں لڑکی تو بہت اچھی تھی مجھے پسند بھی بہت تھی مگر یہ ولید سے منگنی توڑ کر حماد سے شادی کرنے والی بات مجھے سمجھ نہیں آئی......حماد لاابالی اور جذباتی سا لڑکا ہے ٹھیک ہے اچھی جاب پر ہے اچھے گھرانے سے ہے۔ دولت عزت سب کچھ ہے مگر وہ اور ولید بہت فرق ہے دونوں میں انا ولید کو چھوڑ کر حماد کی طرف آئے بات بنتی نہیں کچھ۔'' شائستہ کے الفاظ پر شہوار گم صم سی ہوگئی تھی۔ اتنا کچھ ہو چکا تھا اور وہ بے خبر تھی۔

کتنی دوریاں آگئی تھیں دونوں میں کہ وہ ایک دوسرے کے بارے میں دوسروں سے جان رہی تھیں۔ انا کی شخصیت کا یہ پہلو۔ شہوار یقین کرنے پر آمادہ ہی نہ تھی۔ لیکن آج کالج میں ہونے والی انا سے گفتگو وہ بھی تو نظر انداز کی جانے والی نہ تھی۔ انا نے صاف لفظوں میں کہا تھا وہ حماد کو پسند کرتی ہے اور ولید سے منگنی توڑ چکی ہے۔

انا کو وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ نہ کرداری لحاظ سے کوئی کمزور لڑکی تھی اور نہ ہی ظاہری چمک دمک دولت و

حشمت دیکھ کر مرمٹنے والوں میں سے تھی۔ جہاں تک اس نے محسوس کیا تھا صاف لگتا تھا کہ وہ ولید کے ساتھ منگنی پر بہت خوش تھی......لیکن درمیان میں آنے والا یہ یوٹرن۔

انا کہاں بدلی تھی؟

''کہاں گم ہوگئی؟''

شائستہ نے کندھے کو ہلایا تو شہوار چونکی۔

''میں حیران ہوں مجھے یقین نہیں آ رہا انا ایسی لڑکی نہیں ہے یقیناً کوئی وجہ رہی ہوگی وہ تو کبھی بھی بلاوجہ کالج میں ساتھ پڑھنے والے کلاس فیلو سے بھی مخاطب ہونے کو اچھا نہیں سمجھتی تھی وہ خود بھلا یہ سب کیسے کرسکتی ہے۔'' وہ یقین کرنے کو تیار ہی نہ تھی۔

''لیکن یہ سب ہو چکا ہے جیسے بھی ہوا ہے لیکن اب حماد بضد ہے کہ ہم چند دنوں میں اس کی طرف رشتہ لے کر جائیں۔'' شائستہ نے سنجیدگی سے بتایا۔

''تو پھر آپ لوگوں نے کیا سوچا کیا واقعی رشتہ لے کر جائیں گی۔'' اس نے پوچھا تو شائستہ نے اثبات گردن ہلادی۔

''اب بات امی جی تک پہنچی ہے بڑوں میں معاملہ ہے دیکھو کیا فیصلہ کرتے ہیں سبھی انا کو جانتے ہیں مصطفیٰ کا حوالہ مستند ہے لڑکی اچھی اور خوب صورت ہے ناپسند تو کسی کو بھی نہیں پھر تمہاری دوست ہے مگر منگنی والی بات پر آ کر بھی الجھے ہوئے ہیں۔'' شہوار کے اندر عجیب سے انداز میں سائیں سائیں سا ہونے لگا تھا۔

''مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔ بہر حال میں آج انا کی طرف چکر لگاتی ہوں دیکھتی ہوں کیا سلسلہ ہے یہ سب۔''

''ہاں بھئی ضرور چکر لگاؤ تمہاری تو دوست ہے مجھے تو یہ تھا کہ تمہیں شاید سب علم ہو لیکن تم بھی لاعلم ہو۔'' شائستہ کی بات پر وہ خاموش رہی تھی لیکن اندرون خانہ ایک جنگ سی چھڑی ہوئی تھی۔

سوچوں کا ایک اژدھام تھا جس نے دل ودماغ کو جکڑ لیا تھا۔



ولید انا کے کمرے میں آیا تو وہ ابھی تک کالج سے نہیں لوٹی تھی۔ وہ جو کچھ کر چکی تھی اور جو کچھ کر رہی تھی وہ سب دیکھا جاتا تو وہ کبھی بھی اس کی طرف نہ پلٹتا لیکن بات عزت نفس سے بڑھ کر ان لوگوں کی تھی جو اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ صبوحی بیگم، وقار احمد، احسن، روشی، ضیاء صاحب کی محبت کا تو کوئی نعم البدل ہی نہ تھا۔

ابھی وہ کمرے میں کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کرے دروازہ کھلا تھا وہ پلٹا تو انا اسے دیکھ کر رک گئی تھی ولید کو اپنی غیر موجودگی میں اپنے کمرے میں دیکھ کر وہ ٹھٹکی تھی۔ وہ بھی رک گیا تھا۔

''آپ یہاں کیا کررہے ہیں۔'' لہجے میں تلخی تھی۔

''ہمارا گھر ہے میں جدھر چاہے نظر آؤں تم سے مطلب؟'' ولید کا لہجہ اس سے زیادہ تلخ تھا۔

''یہ میرا کمرہ ہے آپ کا گھر دوسری طرف ہے اب اگر آپ یہاں بلا اجازت نظر آئے تو میں بہت بری طرح پیش آؤں گی۔'' بکس بستر پر پھینک کر وہ چیخ کر بولی۔

''شٹ اپ۔'' ولید نے سختی سے ٹوکا۔

''تم دن بدن انتہائی بدتمیز اور نان سینس ہوتی جا رہی ہو، تمہیں ذرا تمیز نہیں کہ کس سے کیسے بات کرتے ہیں۔'' اس

کے لہجے پر ولید ایک دم تپا تھا۔

"میری خوبیاں گنوانے سے پہلے آپ اپنے گریبان میں بھی جھانک لیں کسی کے کمرے میں کیسے داخل ہوتے ہیں اس بات کی تمیز تو آپ کو بھی نہیں ہے۔"

"اف...." اتنا تپادینے والا جواب تھا۔

ولید نے گھورا تو انا بغیر توجہ دیے آگے بڑھی تھی۔ ولید کے سامنے سے گزر کر الماری سے دوپٹہ نکال کر چادر اتار کر دوپٹہ اوڑھ کر وہ واش روم میں چلی گئی تھی۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر واپس آئی تو ولید اسی طرح کھڑا تھا انداز پرسوچ اور سر جھکا ہوا تھا انا کے تیور بدلنے لگے تھے۔

"آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟" لہجے میں تلخی تھی ولید نے سنجیدگی سے دیکھا۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" سنجیدگی سے دیکھتے کہا تو انا ٹھٹکی۔

"کیا ہم بغیر کسی بحث ومباحثے کے آرام وسکون سے ایک دوسرے کی بات نہیں سن سکتے؟" انا نے خاموشی سے آشے دیکھا۔

"تم یہاں بیٹھو۔" ولید نے بستر کے کنارے بیٹھ کر فوراً اسے دوسرے کنارے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"آپ کو نہیں جو کہنا ہے مجھے سخت بھوک لگی ہے۔" اسی طرح ناراضگی سے کہا۔

ولید نے ایک گہرا سانس لے کر بستر سے اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"تم یہ سب کچھ کاشفہ کی وجہ سے کر رہی ہو؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا تو انا کے چہرے پر تلخی چھانے لگی تھی۔

"میرا اور کاشفہ کا ایسا کوئی بھی تعلق نہیں تھا میں کسی وجہ سے کاشفہ کی طرف بڑھا تھا محض اس کو اعتماد میں لینا مقصد تھا۔" ولید نے سنجیدگی سے بتایا تو انا استہزائیہ مسکرائی۔

"وہ وجہ کیا تھی یہ بھی بتادیں بڑی مہربانی ہوگی۔"

"میں وہ وجہ نہیں بتا سکتا لیکن یہ یقین دلاتا ہوں کہ میں نے کسی بھی انداز ے سے کاشفہ کے ساتھ انوالمنٹ کا مظاہرہ نہیں کیا تھا جہاں تک ممکن ہوسکا میں نے اس سے بچنے کی کوشش کی تھی۔" ولید کے الفاظ پر وہ مسکرائی تھی۔

"آپ مجھے صفائیاں کیوں دے رہے ہیں آپ کاشفہ سے انوالو ہوئے یا نہیں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا میری طرف سے آپ کچھ بھی کرتے پھریں میں بھلا کون ہوتی ہوں اس بات کو ایشو بنانے والی۔"

"تو پھر یہ سارا پرابلم کیوں کری ایٹ کر رکھا ہے جب تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں کوئی دھوکے باز فلرٹی انسان ہوں کہ آج اس کے ساتھ کل اس کے ساتھ چکر چلاتا پھروں مجھے اپنا کردار اسی طرح عزیز ہے جیسے تمہیں کہنے کو تو میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ تمہارا حماد کے ساتھ تعلق تھا اور تم محض مجھ سے چھٹکارا پانے کے لیے کاشفہ کو درمیان میں لائی ہو۔" ولید کے چہرے پر آگ جیسی تپش تھی۔

"بکواس بند کریں میرا کسی کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔" ولید کے اس الزام پر وہ ایک دم تڑپ اٹھی تھی۔ غصے سے بولی تھی۔

"بہت تکلیف ہو رہی ہے جبکہ تم سب کے سامنے برملا اعلان کر چکی ہو کہ تم حماد کو پسند کرتی ہو اس سے شادی کرنا چاہتی ہو منگنی کی انگوٹھی واپس کرنے کی بھی یہی وجہ تھی اور اس رات گھر سے غائب رہنے کے پیچھے بھی شاید تمہارا یہ حماد شامل تھا۔" ولید کے الفاظ سے انا کو لگ رہا تھا کہ وہ سر سے پاؤں تک جھلس رہی ہو۔

اس نے سب کو ہی باور کرانے کی کوشش کی تھی اور اب جبکہ سب اس بات پر یقین کر چکے تھے تو ولید کے منہ سے یہ

الفاظ سن کر اس کے اندر آگ سی تپ اٹھی تھی۔ جی چاہ رہا تھا کہ خود پر الزام لگانے والے ولید کا منہ طمانچوں سے سرخ کر دے لیکن ضبط سے ہونٹ دانت تلے دبا گئی تھی۔

''خیر تم مجھے کیا ریجیکٹ کرو گی میں بھی کبھی تم جیسی لڑکی سے شادی نہ کرتا تمہیں میرے اور کاشفہ سے متعلق جو بھی سمجھنا ہے سمجھتی رہو میں کوئی صفائیاں پیش کرنے نہیں آیا میں تو بس یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ تم کس وجہ سے بلیک میل ہو رہی ہو۔'' انا ٹھٹکی تھی۔

''موبائل توڑ دینے سے تم حقیقت تو نہیں چھپا پاؤ گی تمہارے نمبر سے ساری ڈیٹیل معلوم کرنا کوئی مشکل کام نہیں لیکن سوچا پہلے تم سے کنفرم کرلوں کیا وجہ ہے جو تم یہ سارا ڈرامہ کر رہی ہو۔'' ولید کا انداز مضبوط اور دوٹوک تھا۔

''میں کوئی ڈرامہ نہیں کر رہی۔''

''ڈرامہ نہیں کر رہی تو پھر بلیک میل ہو رہی ہو تم، کون ہے وہ کیا معاملہ ہے یہ سارا۔'' سینے پر ہاتھ باندھ کر سختی سے پوچھا تو انا کے چہرے کی رنگت بدلی تھی۔ نہ ہی تو وہ پیشہ ور ایکٹر تھی جو چہرے کے تاثرات چھپا جاتی اور نہ ہی وہ بہت بہادر۔

''پتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں میں کیوں بلیک میل ہونے لگی کسی سے۔'' اس نے برہمی دکھانا چاہی تھی لیکن آواز کی لڑکھڑاہٹ غالب تھی۔

''یہ تو اب ساری ڈیٹیل سامنے آنے پر ہی پتا چلے گا کہ اصل حقیقت کیا ہے، بہر حال میں تمہیں صرف سمجھانے آیا تھا دیکھو انا ہم تمہارے اپنے ہیں خود کو تنہا مت کرو اگر کوئی وجہ ہے تو ہمیں بتاؤ ورنہ بعد میں علم تو ہو ہی جانا ہے لیکن سب سے زیادہ پریشانی تمہیں ہو گی۔'' اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے کہا تو وہ گم صم سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

''روشی نے تمہیں کسی سے بات کرتے سنا تھا تمہیں کوئی دھمکیاں دے رہا تھا اور تم پریشان تھیں وغیرہ وغیرہ۔'' انا کے چہرے کا رنگ زرد پڑ رہا تھا۔ اسے لگا کہ جیسے اس کی ساری محنت ضائع ہو گئی ہے۔

''ایسا کچھ بھی نہیں غلط فہمی ہوئی ہو گی روشی کو۔'' خود کو سنبھالتے ولید کے ہاتھ سے ہاتھ کھینچتے وہ رخ بدل گئی تھی۔

ولید نے پرسوچ نظروں سے اس کے رخ بدلتے وجود کو دیکھا۔

''کیا تمہیں حماد بلیک میل کر رہا ہے؟'' ولید کے سوال پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔

''کیوں کر رہا ہے؟'' انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ایسی کوئی بات نہیں نہ ہی مجھے کوئی بلیک میل کر رہا ہے اور نہ ہی پریشانی آپ خوامخواہ میرے معاملات میں گھسنے کی کوشش مت کریں۔'' اب کے دوبارہ تلخی سے وہ محو کلام ہوئی۔

ولید نے چند پل اسے بغور دیکھا تھا۔ انا کا چہرہ اس کی نظروں کی تپش سے جلنے لگا تو وہ پریشان ہو گئی۔

''پلیز اگر اب آپ کی تفتیش مکمل ہو چکی ہے تو آپ جا سکتے ہیں۔'' ولید ہلکا سا مسکرا دیا۔ طنزیہ مسکراہٹ...... انا کا پارہ ہائی ہونے لگا تھا۔

''انکل حماد سے رابطہ کرنے اور اس کی فیملی کو بلانے پر آمادہ ہو چکے ہیں مبارک ہو تمہاری دلی مراد پوری ہونے جا رہی ہے ابھی کچھ غصے میں ہیں لیکن بابا سنبھال لیں گے۔'' ولید کا انداز سنجیدہ تھا۔

انا کے چہرے کا رنگ ایک دم پھیکا پڑا تھا۔ ولید نے بغور دیکھا تھا۔ وہ پلٹا اور دروازے کے پاس ایک پل کو رکا اور پلٹ کر انا کو دیکھا وہ اسی طرح ساکت سی کھڑی تھی۔

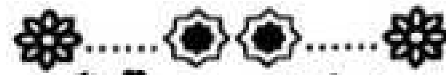
''محبت میں اعتماد رخصت ہو جائے تو محبت عذاب بن جاتی ہے یہ دل کے فیصلے ہوتے ہیں زور زبردستی سے طے

دل

امام غزالیؒ کہتے ہیں۔ ”اے انسانوں اگر کوئی بادشاہ تمہارے گھر آنے کا ارادہ کرے تو تم ہفتہ بھر پہلے گھر کو رنگ و روغن کرو گے۔ اسے صاف ستھرا رکھو گے تاکہ بادشاہ تمہارے گھر سے خوش اور مطمئن ہو کر جائے تو پھر اے انسانوں وہ جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے جس کا رہنے کا گھر تمہارا دل ہے تو اپنے دل کو صاف ستھرا کیوں نہیں رکھتے۔ اے انسانوں اپنے دل میں سے بُری خصلتیں جیسے حسد، بغض اور اللہ کی نافرمانی اور نفرت وغیرہ کو نکال دو اس میں محبت کا بیج ڈالو تاکہ تمہارے دل میں اس عظیم ہستی کی محبت پیدا ہو۔

(مقدس رباب...... چکوال)

نہیں پاتے حماد اچھا انسان ہے میری دعا ہے کہ وہ تمہارے حق میں بہتر ثابت ہو۔“ ولید کہہ کر کمرے سے نکل گیا اور رانا کو لگا وہ بالکل ڈھے سی گئی ہو...... وہ بیڈ تک آئی اور گرنے کے سے انداز میں بستر کے کنارے گری اور پھر اگلے ہی پل دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رو دی۔



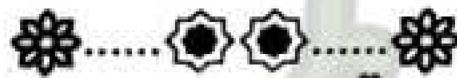
کاشفہ اپنے کمرے میں مسلسل ٹہلتے موبائل پر کوئی نمبر ملا رہی تھی لیکن ہر بار مطلوبہ نمبر بند مل رہا تھا۔ اس کا پارہ ایک دم ہائی ہونے لگا تھا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ رکی اور کچھ سوچتے اس نے پھر کوئی نمبر ملایا تھا۔

”میں کاشفہ، ہاں ہاں کیسے ہو، میں ٹھیک ہوں...... اوکے...... بس ایک کام تھا...... نہیں...... نہیں...... بس ایک نمبر چاہیے ایڈریس ابھی میسج کر دیتی ہوں...... نہیں پی ٹی سی ایل ہے...... اوکے میں ابھی ٹیکسٹ کرتی ہوں۔“ اس نے کال بند کر دی اور صوفے پر بیٹھ کر میسج کرنے لگی۔

کچھ دیر بعد پھر موبائل بجا تھا اس نے فوراً کال پک کی تھی۔

”ہاں بولو...... اوکے...... ٹیکسٹ کر دو...... تھینک یو سو مچ...... ویلکم کیوں نہیں...... تم ٹائم سیٹ کرو میں آ جاؤں گی مس یو...... لو یو...... بائے۔“ کال بند کر کے وہ پھر بیٹھ گئی تھی کچھ سیکنڈ بعد ایک میسج ریسیو ہوا تھا یہ فون نمبر تھا۔

کاشفہ اس نمبر کو ڈائل کر کے موبائل کان سے لگا کر کال ریسیو ہونے کا انتظار کرنے لگی تھی۔



وہ شہر آئے تو صفدر کی بیوی کی وفات کی خبر منتظر تھی زیب النساء کا رو رو کر برا حال تھا وہ ڈیڈ باڈی اپنے گھر لائے تھے زیب النساء کے کہنے پر اس کی بہن مہر النساء کو اطلاع کر دی گئی تھی۔ مہر النساء اپنی ایک عدد نند کے ساتھ آئی تھی صفدر غائب تھا چوہدری حیات علی کے گھر سے ہی میت کی تدفین کی تیاری ہوئی تھی اسی شام دفنا دیا گیا تھا زیبن کی بہن اپنی نند کے ساتھ روتی دھوتی بہن کو تسلی و دلاسہ دے کر رخصت ہو گئی تھی کہ شوہر کی طرف سے اسے رات رکنے کی اجازت نہ تھی۔ رات سب کاموں سے فارغ ہو کر حیات علی گھر آئے تو زیبن کا رو رو کر برا حال تھا۔

”ایسا کیسے چلے گا زیبن اگر اسی طرح روتی دھوتی رہی تو بیمار پڑ جاؤ گی۔“ محبت سے ساتھ لگا کر دلاسہ دیتے کہا تو وہ اور شدت سے رو دی۔

”ہم دونوں بہنوں نے ہمیشہ ابا کے ہوتے ہوئے بھی لاوارثوں کی سی زندگی گزاری تھی کبھی یہاں کبھی وہاں اماں نے ہمارے لیے بہت کچھ برداشت کیا تھا اب اماں بھی چلی گئیں اب بھلا کیسے جئیں گے ہم دونوں بہنیں آپا کا شوہر اتنا ظالم ہے نجانے آج کیسے آنے دیا ورنہ وہ تو کبھی گھر سے نکلنے ہی نہیں دیتا اماں کیا مری ہے میرے تو جیسے سب رشتے ہی

مر گئے ہیں۔“ زیبن کی گریہ وزاری کا اور ہی عالم تھا..... حیات علی نے ایک گہرا سانس لیا۔

”سب ٹھیک ہوجائے گا میں ہوں نا، میں تمہیں کسی بھی قسم کی کوئی کمی نہیں آنے دوں گا۔“ تسلی دی تو اس نے مایوسی سے اپنے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا۔

”آپ اتنے دن بعد آئے ہیں پھر پتا نہیں کب آئیں گے اب تو اماں کی بھی امید ختم ہوچکی ہے میں بھلا اس گھر میں تنہا کیسے رہوں گی۔“ وہ حقیقت پسند لڑکی تھی اور آنے والے حالات اسے ابھی سے ہی خوف زدہ کرنے لگے تھے۔

”کچھ دنوں کی بات ہے میں اپنے بابا صاحب کا موڈ دیکھ کر انہیں اپنی دوسری شادی کا بتادوں گا پھر تم ہمارے ساتھ حویلی میں ہی رہا کروگی۔“ حیات علی نے اسے بہلانا چاہا تھا۔

”میری ایسی قسمت کہاں کہ میں حویلی میں رہوں چوہدری صاحب مجھ پر ایک احسان کیجیے گا مجھے کبھی اکیلے مت چھوڑیے گا ورنہ میں مرجاؤں گی میں نے کبھی اماں کے بغیر زندگی نہیں گزاری۔“ وہ شدت سے روئی تو چوہدری حیات ایک دم اسے تسلی دلاسے دینے لگ گئے تھے۔

ہمیشہ ساتھ نبھانے کا وعدہ دیتے ہر مشکل گھڑی ساتھ رکھنے کے وعدے کیے تھے۔ بہت جلد چار دن گزرے تھے۔ مزید رکتے تو وہاں گاؤں میں سب نے پریشان ہوجانا تھا۔

انہوں نے زیب النساء کے لیے بخشو کی مدد سے ایک کل وقتی ملازمہ کا بندوبست کردیا تھا کھانے پینے کا سب سامان مہیا کرتے ایک معقول رقم زیبن کو سونپ کر وہ واپس گاؤں کے لیے روانہ ہوگئے تھے۔ اور زیب النساء کا انتظار ایک بار پھر شروع ہوگیا تھا۔

❁......❁❁......❁

کافی دیر سے راہداری کا فون بج رہا تھا روشی نے کال ریسیو کی تھی۔

”ہیلو۔“ دوسری طرف سے کہا گیا تو روشی الجھی۔

”کون؟“

”انا سے بات کرنی ہے۔“

”اوہ..... آپ کون؟“

”میں اس کی دوست ہوں کالج فیلو اس نے یہ نمبر دیا تھا موبائل بند تھا سوچا اس پر بات کرلوں۔“ دوسری طرف سے بہت اطمینان سے کہا گیا۔

”ہولڈ کریں ابھی انا کو بلاتی ہوں۔“ روشی ہولڈ کروا کر انا کے کمرے کی طرف آئی۔

وہ بستر پر سامنے کتابیں بکھرائے بیٹھی ہوئی تھی اس کا دھیان نجانے کہاں تھا روشی نے ڈور ناک کیا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

”تمہاری کال ہے۔“ انا الجھی اس کا موبائل تو خراب تھا۔

”کون ہے؟“

”پتا نہیں نام میں نے پوچھا نہیں، کالج فیلو کہہ رہی تھی خود کو۔ میں ہولڈ کرا آئی تھی کال سن لو آکر۔“ وہ کہہ کر باہر نکل گئی۔

انا نے باہر آکر فون کا ریسیو اٹھایا۔

”ہیلو۔“

آنچل

✿ عورت اس وقت تک عورت ہے جب تک اس کا سر پیشانی تک مقدس اور پاکیزہ آنچل سے ڈھکا ہوا ہو۔ کیونکہ لفظ عورت کا مطلب ہی ڈھکی چھپی چیز ہے اگر وہ کھل کر سامنے آجائے تو اس کی اہمیت کم ہوجاتی ہے۔ شرم سے جھکی پلکوں اور حیا سے تمتماتے رخساروں کے سامنے مغربی دنیا کی ساری خوبصورتیاں ہیچ ہیں۔

(طلعت نظامی...... کراچی)

آنچل اسٹاف کے نام

✿ تیری آنکھوں میں میرے رنگ رہیں نہ رہیں اپنی خوش بو میری سانسوں میں بسائے رکھنا؟

✿ سنا ہے تیری آنکھوں میں ستارے جگمگاتے ہیں اجازت ہو تو میں بھی اپنے دل میں روشنی بھرلوں؟

آپ سب کے لیے دعا گو۔

(خواجہ عرفانہ محبوب...... جتوئی)

''انا۔'' دوسری طرف کی آواز سن کر انا ایک دم ٹھٹکی تھی۔

''کون؟'' اس کا دل ایک پل کو عجیب سے انداز میں خوف سے دھڑ کا تھا۔

''کاشفہ بول رہی ہوں تمہارا کیا خیال ہے تم موبائل بند کردو گی تو میں تم سے رابطہ نہیں کرپاؤں گی۔''

''اب کیا مسئلہ ہے تمہیں تم میری جان چھوڑ کیوں نہیں دیتی۔'' جواباً وہ بھی ایک دم تلخی سے بولی۔

''کام مکمل کیے بغیر کیسے چھوڑ دوں تم سے ڈیل ہوئی تھی کہ تم ایک بار ولید کو بہانے سے ہمارے پاس لاؤ گی لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔''

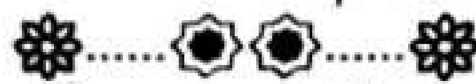
''نہیں لاؤں گی اسے کیوں لاؤں اسے تمہارے پاس تم میرے ساتھ جو کچھ کرچکی ہو اس کے بعد میں ولی کے ساتھ ایسا کچھ بھی نہیں ہونے دوں گی مجھے وہاں سے نکلنا تھا تو میں نے وقتی طور پر تمہاری بات مان لی اب میں کوئی بات نہیں مانوں گی۔'' وہ تلخی سے پھنکاری۔

وہ آج کل دوہری اذیت کا شکار تھی۔ کبھی کبھی تو جی چاہتا تھا کہ ہر چیز کو تہس نہس کردے لیکن نجانے کیوں وہ یہ سب برداشت کررہی تھی۔

''تو ٹھیک ہے اب تم دیکھنا میں کیا کرتی ہوں اوکے بائے، منتظر رہنا اب تم میرے جواب کی۔ سب سے پہلے تو تمہارے اس ولی کو دیکھتی ہوں اور پھر تمہیں مزہ چکھاؤں گی۔'' تلخی سے کہہ کر کال بند کردی تھی۔

انا کے چہرے پر ایک دم پریشانی کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ وہ پلٹی تو روشی اس کے پیچھے تھی۔

''کون تھی یہ لڑکی؟'' انا کے چہرے کا رنگ ایک دم فق ہوگیا تھا۔



وہ بہت پریشان تھی جیسے تیسے وقت گزرا تھا مصطفیٰ شام میں جلدی گھر آگیا تھا شہوار کا پریشانی سے برا حال تھا اس نے سب کچھ مصطفیٰ کو کہہ سنایا تھا۔ مصطفیٰ بھی سن کر حیران ہوا تھا۔

''حیرت ہے ولید نے تو ایسا کچھ بھی ذکر نہیں کیا۔''

''انا نے بھی تو آج سے پہلے ایسا کچھ بھی ذکر نہیں کیا تھا۔'' شہوار نے کہا تو مصطفیٰ نے سر ہلایا۔

''مجھے انا کی طرف جانا ہے، نجانے کیوں وہ یہ سب کررہی ہے میں صبح سے ہی بہت پریشان ہوں اوپر سے شائستہ

بھابی کی آمد نجانے کیا کچھ ہو رہا ہے۔" وہ واقعی بہت پریشان تھی۔
انا اسے بہنوں کی طرح عزیز تھی بہت سی باتیں وہ دونوں ایک دوسرے سے ڈسکس نہیں کر پاتی تھیں لیکن اس کے باوجود دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب تھیں ایک دوسرے سے بلا کی محبت کرتی تھیں۔
"او کے تیار ہو جاؤ چلتے ہیں میں بھی ولید سے بات کرتا ہوں اتنا اچھا کپل ہے ایسا کیوں کر رہے ہیں دونوں اگر کوئی مسئلہ تھا تو حل کیا جا سکتا تھا نا۔" وہ خود بھی الجھ چکا تھا سو فوراً جانے پر تیار ہو گیا۔
شہوار تیار ہوئی تو دونوں ماں جی سے اجازت لے کر نکل آئے تھے۔



"کیوں بلیک میل کر رہی ہے یہ تمہیں۔" روشی کا انداز تفتیشی تھا۔
"ایسا کچھ بھی نہیں، تمہیں خوامخواہ وہم ہوا ہے۔" انا نے ٹال کر جانا چاہا تھا کہ روشی ایک دم سامنے آ گئی۔
"کیا کر رہی ہو تم آج کل کیا مسئلہ ہے یار کون ہے یہ لڑکی، اس دن بھی کال تھی۔ تم ٹال گئی ولی بھائی نے آج پوچھا تم نے پھر ٹال دیا بتاتی کیوں نہیں کون ہے یہ کیوں بلیک میل کر رہی ہے تمہیں۔"
"کہا نا ایسی کوئی بات نہیں کوئی بھی مجھے بلیک میل نہیں کر رہا' کیوں تم لوگ میرے پیچھے پڑ جاتے ہو کیا میں اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتی۔" روشی خاموش ہو گئی تھی۔ تبھی صغراں آ ئی۔
"مصطفیٰ بھائی اور ان کی بیگم آ ئی ہیں۔" دونوں فوراً متوجہ ہوئی تھیں۔
"لاؤنج میں بٹھاؤ، ہم آتے ہیں۔" صغراں سر ہلا کر چلی گئی تھی۔
روشی نے انا کو دیکھا اس کے چہرے پر پریشانی کے واضح اثرات تھے۔ یہ وقت بحث کا نہیں تھا ورنہ وہ رک کر انا سے مزید کچھ ضرور پوچھتی۔
"آ جاؤ شہوار آئی ہے۔" سنجیدگی سے کہہ کر وہ چلی گئی تھی۔
انا نے ڈبڈباتی آنکھوں سے اسے جاتے دیکھا تھا۔ اس کے جانے کے بعد اس نے دوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھیں صاف کی اور جب وہ لاؤنج میں آئی تو وہاں بھی موجود تھے۔
شہوار اسے بڑے تپاک سے ملی تھی۔ مصطفیٰ سے بھی سلام دعا ہوئی تو مصطفیٰ نے خصوصاً خیریت دریافت کی تھی۔
روشی نے چائے کا اہتمام کر لیا تھا۔ چائے کے بعد شہوار کے کہنے پر وہ دونوں اٹھ کر انا کے کمرے میں آ گئی تھیں۔
"میں آج سارا دن تمہارے لیے بہت پریشان رہی ہوں، تم نے صبح صبح جو کہا وہ سارا دن میرے دل و دماغ میں گھومتا رہا ہے پھر شائستہ بھابی آ گئیں حماد بھائی نے اپنے گھر تمہارا ذکر کیا ہے وہ گھر والوں سے رشتہ لے کر آنے کا کہہ رہے تھے یار یہ سب کیا ہے یہ تمہارے اور ولید کے درمیان حماد کہاں سے آ نکلا؟" بیڈ پر بیٹھتے ہی شہوار نے موضوع چھیڑا۔
"کیوں پسند کی شادی کرنا گناہ ہے کیا؟" شہوار کے سوال کے جواب میں اس نے دھیرے سے کہا تو اس نے الجھی نظروں سے دیکھا۔ انا کا چہرہ سنجیدہ اور تاثرات بے حد سپاٹ تھے۔
"لیکن تم نے کبھی ذکر ہی نہیں کیا؟" اس کی الجھن بڑھی۔
"اب تو بتا دیا ہے نا۔" وہ اسی طرح نارمل تھی۔
"مگر ولید بھائی۔"
"میرے اور ان کے مزاج میں بہت فرق ہے۔ میں اور وہ اب ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔"

محبت کی شدت

میں نے جس شدت سے اسے چاہا ہے
شاید اس نے اسی شدت سے مجھے بھلایا ہے
وہ جو خود کو ادھورا سمجھتا تھا میرے بغیر
اب اچانک ہی مکمل ہوگیا ہے میرے بغیر
میں اسے ہر پل بھلانے کی کوشش کروں
مگر وہ مجھے پل پل یاد آئے تو میں کیا کروں
پہلے جو میرے اک آنسو پہ تڑپ اٹھتا تھا بہت
اب مجھے رلا کر خوش ہوتا ہے بہت
وہ جو تپتی دھوپ میں تھا چھاؤں کی طرح
جینے کا حوصلہ چھین لیا اس نے کسی ظالم کی طرح
وہ انسان جسے ہم نے بہت بلندی پر رکھا تھا راجا
جب گرا تو میرے معیار پر پورا نہ اترا تھا

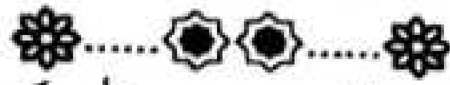
رانی راجا سلام......گوجرانوالہ

”یہ سب تو تمہیں منگنی سے پہلے سوچنا تھا۔“ شہوار کو اس پر ایک دم سے بے پناہ غصہ آیا تھا۔
”میں نے شادی سے پہلے سوچ لیا ہے یہی بہت ہے۔“ وہ ابھی بھی مطمئن نظر آنے کی کوشش کررہی تھی۔
”تم مجھے اس سارے سلسلے کا پس منظر بتاؤ جہاں تک میرا اندازہ ہے تم ولید بھائی کے ساتھ منگنی سے خوش تھی۔“
”کوئی سلسلہ ولسلہ نہیں ہے میں نے تب بھی انکار کیا تھا اور بعد میں بھی، رہ گیا یہ حماد تو اس نے مجھے پروپوز کیا تو مجھے پسند آ گیا اور میں نے پروپوزل ایکسیپٹ کرلیا بس۔“ وہ ابھی بھی پرسکون تھی شہوار نے حیرت سے اسے دیکھا۔
”یعنی اس نے پروپوز کیا اور تم نے قبول کرلیا۔ انکل، آنٹی اور باقی لوگ کسی نے کچھ بھی نہ کہا تھا کیا؟“ وہ انا کی باتوں سے پریشان ہورہی تھی۔
”وہ سب میرے اپنے ہیں انہیں ولید سے زیادہ میری خوشی کا خیال ہوگا سو انہوں نے میری بات مان لی حماد اپنے گھر والوں کو بھیج دے گا تو پھر باقی پراسس شروع ہوجائے گا۔“ نہایت مطمئن لہجے میں اس نے کہا۔
”مائی گاڈ اور ضیاء انکل کیا کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا، کہاں حماد اور کہاں ولید بھائی مجھے حیرت ہورہی ہے تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے نا۔“
”یہ میری زندگی ہے اور اپنی زندگی کے ہر فیصلے کا حق مجھے حاصل ہے رہ گیا حماد اور ولید کا مقابلہ حماد ولید سے پرسنالٹی میں ضرور مار کھا جاتا ہے لیکن خاندانی پس منظر اور باقی معاملات میں وہ کسی سے کم نہیں ہے بلکہ کافی اسٹرانگ پوزیشن ہے اس کی آخر کو مصطفیٰ بھائی کا کزن ہے تم تو اچھی طرح جانتی ہوگی اسے۔“
”تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے اور کچھ نہیں، یہ تمہاری زندگی ہے اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ تم الٹے سیدھے فیصلے کرتی پھرو کیوں اپنی زندگی کی دشمن بن رہی ہو جہاں تک میں تمہیں جانتی تھی مجھے یقین ہے تم ولید بھائی کو پسند کرتی تھی پھر اب یہ سب کیا ہے؟“ شہوار ایک دم غصے سے بولی تو انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

"پلیز شہوار ہم کوئی اور بات کرتے ہیں اس ٹاپک کو رہنے دو تم جانتی ہو میں بہت کم اپنے فیصلے بدلتی ہوں میں فیصلہ کر چکی ہوں اور اب مجھے کوئی بھی قائل نہیں کر پائے گا تم بھی نہیں۔" بہت ہی سنجیدگی سے کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

شہوار نے بہت ضبط اور تحمل سے اس کی بات ہضم کی تھی ورنہ جی چاہ رہا تھا کہ ایک دو تھپڑ تو ضرور لگا دے تاکہ اس کا دماغ ٹھکانے آجائے۔

انا اپنی کتابیں سمیٹنے لگی اور شہوار خاموشی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ دونوں کے درمیان ایک دم شدید سکوت چھا گیا تھا...... یوں جیسے اب کرنے کے لیے کوئی بات نہیں رہ گئی۔



"ہمارے مزاج نہیں ملتے اور جب مزاج نہ ملتے ہوں رستے علیحدہ کر لینے میں کوئی حرج نہیں حماد تمہارا کزن ہے اچھا لڑکا ہے وہ اگر اسے سلیکٹ کر رہی ہے تو کیا فرق پڑتا ہے۔" مصطفیٰ کے ساتھ لان میں ٹہلتا ولید از حد سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"میرے ساتھ یہ فلسفیوں والی باتیں مت کرو سچ سچ بتاؤ یہ ماجرا کیا ہے، حماد کہاں سے آ ٹپکا وہ تمہاری منگیتر تھی یار۔"

"حماد جیسے بھی آیا لیکن یہ سچ ہے کہ وہ اب ہمارے درمیان موجود ہے رہ گئی منگنی ہونے والی بات، تو انا یہ رشتہ ختم کر چکی ہے اور ماموں بھی اب سنجیدگی سے حماد کی فیملی کو بلوانے کا سوچ چکے ہیں۔" ولید پرسکون تھا۔

مصطفیٰ رکا اور ولید کو بھی رکنا پڑا تھا رات کے اس پہر لان کی لائٹس کی ہلکی سی روشنی میں ولید کا چہرہ دیکھا تو وہاں صرف اور صرف سنجیدگی تھی اور کچھ بھی نہ تھا۔

"یار یہ کیسے ممکن ہے انکل نے کچھ نہیں کیا، بلکہ تم تو اسے پسند بھی کرتے تھے۔"

"بابا بہت ڈس ہارٹ ہیں وقت کے ساتھ سنبھل جائیں گے رہ گئی میری پسند کی بات تو میں اور بھی بہت سے لوگوں کو پسند کرتا ہوں۔"

"لیکن بہت سے لوگوں کو پسند کرنے اور انا کو پسند کرنے میں بہت فرق ہے۔"

"لیو دس یار پسند تو میں کیتھی کو بھی کرتا تھا۔" شرارت سے مصطفیٰ کو دیکھتے ہوئے اس نے گھورا۔

"کیتھی ہماری بہت اچھی دوست تھی اس بے چاری کو درمیان میں مت لاؤ صاف صاف بتاؤ معاملہ کیا ہے۔"

"اوف...... تم تو بات کے پیچھے ہی پڑ گئے ہو، کہا نا ایسا کوئی معاملہ نہیں۔"

"تو پھر یہ سب ہوا کیسے انا کو جہاں تک میں جان پایا ہوں وہ جذباتی اور موڈی تو ضرور ہو گی لیکن اس طرح اچانک سب کچھ ختم کر دینے والی لڑکی نہیں ہے۔ کوئی تو وجہ ہو گی یار۔" مصطفیٰ ایک مخلص دوست کی طرح وجہ جاننے پر بضد تھا ولید نے گہرا سانس لیا۔

"جو وجہ تھی وہ بتا چکا ہوں کہ مزاج مل نہیں پائے اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔" مصطفیٰ نے چند پل ولید کو دیکھا۔

"حماد سے تو میں نبٹ لوں گا میں نے اسے وارن بھی کیا تھا لیکن خیر پھوپو لوگوں کو رشتہ نہ لانے پر قائل کرنا میری ذمہ داری ہے تم بتاؤ تم کس حد تک انا کی ذات میں انوالو ہو۔"

"اب کوئی فائدہ نہیں، ویسے بھی میرے نزدیک رشتوں کو اپنی کمزوری نہیں بنانا چاہیے ورنہ وہ ہمیں توڑ دیتے ہیں اور نہ ہی ہماری محبت بھیک کا وہ کشکول ہے جسے دوسروں کے سامنے پھیلاتے پھریں یہ دیکھیں بغیر کہ دوسروں کا ظرف اس قابل ہی نہیں کہ وہ ہمارے کشکول میں اپنی محبت کے چند سکے ہی ڈال سکے۔" ولید طنزیہ مسکرایا۔

"انا تو تمہیں پسند کرتی تھی۔"

امام

شیر اور مرغ کی دوستی ہوگئی شیر نے مرغ سے کہا

”اگر کوئی مسئلہ ہو تو درخت پر چڑھ کر اذان دینا میں آ جاؤں گا۔“

ایک دن مرغا گیدڑ کو اپنی طرف آتا دیکھ کر درخت پر چڑھ گیا اور اذان دی اُس کے بعد گیدڑ بولا۔

”نیچے آ نماز پڑھتے ہیں۔“

مرغا بولا۔ ”رک جاؤ امام صاحب آ رہے ہیں۔“ اتنے میں شیر کو آتا دیکھ کر گیدڑ بھاگا۔ مرغ بولا۔

”رکو امام صاحب آ گئے۔ نماز پڑھ لو۔“

گیدڑ بولا ”یہ امام ہمارے فرقے کا نہیں ہے۔“

ہالہ سلیم...... کراچی

”دیکھی...... وہ اب حماد سے شادی کرنا چاہتی ہے اور یہ حقیقت ہے اور تم جانتے ہو کہ میں حد سے زیادہ حقیقت پسند انسان ہوں اور مجھے اپنی عزت نفس اور اپنی ایگو ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے اور میں کسی کو بھی اجازت نہیں دیتا کہ وہ میرے جذبات و احساسات سے کھیلنے کی کوشش کرے بھلے وہ انا وقار ہی کیوں نہ ہو۔“ مصطفیٰ نے سنجیدگی سے ولید کو دیکھا جس کا چہرہ انتہائی سنجیدہ تھا۔

”تم ہر بات کے گواہ ہو میں نے ہمیشہ بابا کی خواہش کا احترام کیا تھا شعوری و لاشعوری دونوں لحاظ سے میں نے خود کو ذہنی طور پر تیار کر رکھا تھا کہ مجھے انا وقار کے ساتھ ساری زندگی گزارنی ہے اب انا وقار ایسا نہیں چاہتی تو میں زبردستی کا قائل نہیں۔“ ولید کا موقف بہت واضح اور صاف تھا۔

”محبت دل سے پیدا ہونے والا جذبہ ہے اعتماد کا پانی اسے میسر نہ ہو تو یہ مرجھا جاتا ہے سچ تو یہ ہے کہ ہم دونوں کے جذبات کو ہی اعتماد کا پانی میسر ہی نہیں ہوا، اب اس جذبے کا مرجھا جانا ایک فطری امر تھا سو مرجھا گیا۔“

”مجھے بہت افسوس ہے تم اگر اجازت دو تو میں انا سے بات کر کے دیکھ لوں ہو سکتا ہے وہ سمجھ جائے۔“ مصطفیٰ نے خلوص دل سے کہا تو ولید نے شدت سے انکار میں سر ہلا دیا۔

”نہیں...... بالکل بھی نہیں، میں کہہ چکا ہوں مجھے اپنی ذات اور اپنے جذبات کی پاسداری بہت عزیز ہے سب سے بڑھ کر اپنی عزت نفس انا وقار یہ رشتہ ختم کر چکی ہے اور میں نے اس بات کو قبول کر لیا ہے۔“ ولید کا انداز دوٹوک اور فیصلہ کن تھا۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

”مجھے بہت دکھ رہے گا تم دونوں کا کپل مجھے بہت عزیز تھا لیکن افسوس میں کچھ نہیں کر پایا۔“ ولید کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تھپکی دیتے مصطفیٰ کے لہجے میں واقعی افسردگی تھی ولید دھیرے سے مسکرا دیا۔

”شاید ہمارے رشتے کا انجام ایسے ہی لکھا تھا ڈونٹ وری۔“ ولید ایک مضبوط اعصاب کا مالک شخص تھا۔

مصطفیٰ کو اس پر ایک دم رشک سا محسوس ہوا اس نے بہت محبت سے بازو بڑھا کر ولید کو ساتھ لگایا تو ولید دھیرے سے مسکرا دیا۔

وہ محسوس کر سکتا تھا کہ مصطفیٰ کے جذبات اس وقت کیا ہو رہے ہوں گے۔



مصطفیٰ سو رہا تھا جب امجد خان کی کال آئی تھی رات کے بارہ بج رہے تھے وہ آج جلدی سو گئے تھے۔

"ہاں امجد خان بولو۔" شہوار سورہی تھی اس کی نیند ڈسٹرب نہ ہو مصطفیٰ نے دھیمی آواز میں کہا۔

"سر ایاز کا وکیل اس کی ضمانت کے پیپرز لے کر آیا ہے وہ کل دن میں بھی آیا تھا لیکن میں موجود نہ تھا اب وہ پھر آیا ہے ساتھ میں ایاز کا باپ بھی ہے۔ کورٹ کی طرف سے ضمانت کے کاغذات ہیں اب کیا کروں۔"

"یہ ایاز کی ضمانت کب ہوئی اور مجھے اطلاع کیوں نہیں ملی۔" بستر سے اترتے مصطفیٰ نے کچھ سختی سے پوچھا، مصطفیٰ نے سائیڈ لیمپ آن کیا تو کمرے میں کچھ روشنی سی ہوگئی تھی۔

وہ پچھلے کچھ دنوں سے کسی اور کیس پر کام کررہا تھا وہ بہت بزی تھا کبھی یہاں کبھی وہاں ایاز کا کیس مکمل طور پر امجد خان کے حوالے کرچکا تھا کچھ دنوں سے ایاز کے باپ کی کوششوں کے سلسلے سے مکمل طور پر غافل ہوچکا تھا لیکن اب امجد خان یہ خبر سنا رہا تھا۔

"بہت خاموشی سے یہ سب ہوا ہے کل دن کے وقت میں ایک جگہ بزی تھا یہ لوگ ضمانت کے پیپر لے کر آئے تھے مجھ سے فون پر بات ہوئی تھی میں نے منع کردیا تھا لیکن اب پھر یہ لوگ چلے آئے ہیں۔"

"پیپرز چیک کیے؟"

"یس سر لگتا ہے عبدالقیوم نے بہت پیسہ لگایا ہے ضمانت کروانے پر ورنہ اتنی جلدی ضمانت نہیں ہوسکتی تھی۔"

"آہم۔" مصطفیٰ سوچ میں پڑ گیا۔

ان کا کیس اتنا مضبوط تھا کہ ضمانت نہیں ہوسکتی تھی۔ یقیناً بہت سے لوگوں کا منہ بھرنے کے بعد ہی یہ ضمانت ہوپائی تھی ایاز امجد خان کے پاس ابھی تک حوالات میں تھا امجد خان کے تفتیشی سیل کی سیر کے دوران وہ اپنے کافی سارے اگلے پچھلے گناہوں کا اقرار کرچکا تھا لیکن ایک دفعہ پھر یہ ضمانت کے پیپرز اس کے اور ایاز کے درمیان آگئے تھے ورنہ آج کل میں وہ جیل بھی جانے والا تھا۔

"سر اب کیا کروں، شام سے کئی فون آچکے ہیں آئی جی صاحب اور چند اور لوگوں کی کالز ریسیو ہوگئی ہیں سبھی ایاز کو نکالنے کا کہہ رہے ہیں۔"

"تو مجھے فوراً اطلاع کیوں نہیں کی گئی اتنی جلدی ضمانت کیسے ہوسکتی تھی اتنے کیسز تھے اس پر۔" مصطفیٰ ایک دم غصے سے بولا ورنہ وہ ان معاملات میں اپنے غصے کو بہت کنٹرول ہی رکھتا تھا۔

"سر آپ بزی تھے میں نے سوچا میں خود سے یہ معاملہ ہینڈل کرلوں گا اسی لیے آپ کو بتایا نہیں۔"

"واٹ آنان سینس میں بزی تھا روپوش نہیں ہوگیا تھا کم از کم مجھے اطلاع کی ہوتی میں کچھ نہ کچھ کرتا۔"

"ایم سوری سر۔" امجد خان ازحد شرمندہ تھا مصطفیٰ نے لب بھینچ کر اپنے غصے پر کنٹرول کیا۔

"ٹھیک ہے ایاز کی ضمانت کے پیپرز قبول کرلو اور اسے جانے دو۔" خود کو نارمل کرتے سنجیدگی سے کہا۔

"یس سر۔"

"اور ہاں ایاز مکمل طور پر ہماری نگرانی میں ہوگا سب لوگوں کو اطلاع کردو مجھے اس کے ایک ایک پل کی رپورٹ چاہیے یہ نہ ہو اس کا باپ اسے پھر باہر بھگانے کی کوشش کرے۔"

"یس سر ایسا ہی ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔" مصطفیٰ نے ایک دو اور ہدایات دے کر کال بند کردی تھی۔

وہ لوگ نو بجے ولید کی طرف سے واپس لوٹے تھے تھکن ہورہی تھی وہ آتے ہی سو گئے تھے ولید اور رانا کی وجہ سے وہ پہلے ہی الجھا ہوا تھا اور اب یہ نئی مصیبت۔

لیاز کا باہر آ جانا مطلب 24 گھنٹے ٹینشن میں گزرنے والے تھے۔ لیاز ایک بے خوف ایسا دشمن تھا جو کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتا تھا۔

مصطفیٰ واپس بستر کی طرف آیا...... شہوار پرسکون نیند سو رہی تھی...... چہرے پر اطمینان تھا۔

"شادی کے بعد شہوار کی ذات میں بہت سی مثبت تبدیلیاں آئی تھیں جن میں سے سب سے بڑی تبدیلی یہ تھی کہ وہ اپنے ری لیشن کے بارے میں کافی پوزیسو ہوگئی تھی۔

مصطفیٰ نے اس کے پاس بیٹھ کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا...... اس کے بالوں کو چھیڑتے پیشانی پر بکھرے بال پیچھے ہٹائے تو شہوار کی آنکھ کھل گئی تھی...... وہ چند پل مصطفیٰ کو دیکھے گئی تھی جو کسی گہری سوچ میں تھا۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔" مصطفیٰ نے نفی میں سر ہلایا۔

"کچھ پریشان ہیں؟" وہ مصطفیٰ کے ساتھ رہتے رہتے اس کے چہرے کے تاثرات پڑھنے لگی تھی۔ مصطفیٰ مسکرا دیا۔

"ولید بھائی اور انا کی وجہ سے پریشان ہیں۔" یونہی لیٹے لیٹے پوچھا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔

سونے سے پہلے دونوں کافی دیر تک انا اور ولید کو ہی ڈسکس کرتے رہے تھے۔

"پریشانی کے لیے تو اس وقت وہ بات بھی کافی ہے لیکن میں اس وقت کسی اور وجہ سے پریشان تھا۔" مصطفیٰ سنجیدہ تھا یعنی کوئی بہت ہی اہم بات تھی۔ شہوار اٹھ بیٹھی تھی۔

"کس وجہ سے؟"

"امجد خان کی کال تھی ایاز کی ضمانت ہوگئی ہے۔"

"اوہ......" شہوار ایک دم پریشان ہوئی۔

"کیسے ہوگئی؟"

"میں کسی اور کیس میں بری طرح بزی تھا اور یہ کیس اوور آل امجد خان کے سپرد تھا وہی ہینڈل کر رہا تھا میں تو مطمئن تھا کہ اب وہ حوالات میں سے نکل نہیں پائے گا لیکن اس کا باپ کہاں سکون سے بیٹھنے والا تھا ضمانت کی کوششوں کی خبر تو مجھے ملتی رہی تھی لیکن میں مطمئن تھا کہ اس پر اتنے کیسز ہیں آسانی سے ضمانت نہیں ہوگی لیکن اب ضمانت ہوچکی ہے میری غلطی یہ ہے کہ میں اپنے دشمن سے غافل ہو کر اسے دوسروں کے حوالے کر دیا تھا مجھے چاہیے تھا کہ میں ہر حال میں اس کیس کو خود دیکھتا۔"

"اب کیا ہوگا؟" شہوار ایک دم خوف زدہ ہوگئی تھی۔

"بس احتیاط کرنا ہوگی۔ مجھے بھی اور تمہیں بھی ایاز کو وہ باہر نہیں بھجوا سکتا مطلب وہ اپنے گھر میں ہی رہے گا لیکن سکون سے تو نہیں رہے گا حوالات میں امجد خان نے اس پر کافی حربے آزمائے ہیں بدلہ تو ضرور لے گا اب دیکھتے ہیں کہ کیا کیا کرتا ہے۔" شہوار گم صم سی ہوگئی تھی۔

نجانے کیوں آج سارا دن وہ انا کی وجہ سے پریشان رہی تھی اور اب یہ نئی خبر سن کر تو وہ بالکل ہی گم صم ہوچکی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے دیکھا تو ایک دم مسکرا کر بازو کے حصار میں لے لیا۔

"جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کسی بھی سلسلے میں بالکل بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اپنی بیوی کو محبت کے ساتھ ساتھ تحفظ بھی فراہم کرنا بھی میرا اولین فرض ہے بالکل بھی ٹینشن نہیں لینا ویسے بھی ان دنوں تمہیں ایکسٹرا

نئی پرانی غزل

اکیسویں صدی کا یہ زمانہ ہے
پیار و محبت اب صرف افسانہ ہے
کھیتوں ای چھتوں پر ملنے کا اب رواج نہیں
اب تو پارک' ریسٹورنٹ یا پھر ڈسکو جانا ہے
گئے وہ دن جب ہیروئن مکی کا بھٹہ لیتے شرماتی تھیں
اب تو فری کا نزاکت سے مگر پیٹ بھر کا کھانا ہے
پہلے سبھی انگوٹھی یا چوڑیوں پر گزارا کرتے تھے
اب تو ایک ایکسٹرا تحفہ بیلنس بھی ڈلوانا ہے
ناداں تھی وہ سوہنی جو کچے گھڑے پر ڈوب گئی
چھری اٹھائی کلائی پر پھیری اب یہ طریقہ آزمانا ہے

شمع مسکان......جام پور

کیئر کی ضرورت ہے میں نہیں چاہتا کہ میرے بے بی کو کسی بھی قسم کا کوئی نقصان ہو۔" مصطفیٰ نے بے پناہ محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا تو وہ مسکرادی۔



"ضمانت ہو چکی ہے لیکن تم بغیر اطلاع کے کہیں بھی نہیں جاسکتے تمہاری ضمانت مصطفیٰ کے لیے ایک شکست ہے ہمارا بزنس یہاں پاکستان سے وائنڈ اپ ہو چکا ہے تھوڑا بہت کام باقی ہے وہ بھی کمپلیٹ ہو جائے تو پھر سب کو باہر سیٹل کرادوں گا یہاں کے حالات بالکل اچھے نہیں سو بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔" عبدالقیوم کی ساری فیملی گھر کے لاؤنج میں موجود تھی ایاز کی والدہ بیٹے کو دیکھ دیکھ کر نہال ہو رہی تھیں۔ ایاز کا چہرہ سنجیدہ تھا کاشفہ میگزین دیکھ رہی تھی جبکہ عادلہ باپ کے پاس بیٹھی تھی۔

"آپ نے خوامخواہ اتنا پیسہ ضائع کیا ڈیڈ اس نے کہاں چین سے بیٹھنا ہے آتے ہی شروع ہو جائے گا بس ایک دو دن گزر جانے دیں۔" میگزین کی ورق گردانی کرتے کاشفہ نے طنزیہ کہا تو سبھی نے اسے گھورا۔

"شٹ اپ۔" ایاز ایک دم پھنکارا۔

"زندہ تو میں کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گا ایک ایک سے گن گن کر بدلے لوں گا۔ مصطفیٰ پہلی بار بچ گیا تھا لیکن اس بار نہیں بچے گا۔" وہ غصے سے چیخا۔

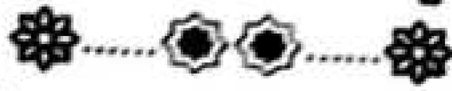
"تم ایسا کچھ نہیں کرو گے، تم مصطفیٰ کے ریسورز سے واقف نہیں ہو میں اب پرانی یا کوئی نئی بات نہیں چھیڑنا چاہتا ہمارا مقصد بس خاموشی سے یہاں سے نکلنا ہے اپنے دشمنوں کو میں بھی نہیں چھوڑتا لیکن میں موقع دیکھ کر وار کرتا ہوں۔ زندگی رہی تو بدلہ بھی لے لیں گے۔" عبدالقیوم نے بہت سنجیدگی سے ایاز کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سمجھایا تو اس نے لب بھینچ لیے تاہم بولا کچھ نہیں۔

وہ امجد خان کے ہاتھوں بہت دفعہ ٹارچر سیل کی سیر کر چکا تھا اور وہاں کا قیام اس کے اندر مصطفیٰ سے متعلق موجود نفرت کو مزید بڑھا دیا کرتا تھا۔

مصطفیٰ کا

عادلہ کو طلاق ہو چکی تھی ان کی فیملی کے لیے یہ زخم ہی کافی تھا اوپر سے ایاز کی گرفتاری اور پھر عبدالقیوم پر گرفت مضبوط کرنے کی کوشش کرنا۔ ایاز کے اندر کے کینہ پرور انسان کو مزید نفرت پالنے کے لیے یہ سب باتیں کافی تھیں اور اس نے سوچ لیا تھا وہ اب کیا کرے گا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پیدا ہوئی تو مطمئن ہو کر عادلہ سے باتیں کرنے لگ گیا تھا۔

بیگم عبدالقیوم بیٹے کو نگاہوں کے سامنے دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں نہال ہو رہی تھیں۔



چوہدری حیات علی جب سے واپس گاؤں آئے تھے۔ ذہن ہر وقت شہر میں ہی اٹکا ہوا تھا۔ وہ جاننے کے باوجود پہلے کی طرح بیوی بچوں پر توجہ نہیں دے پا رہے تھے۔ زبیدہ کئی بار بے توجہی اور بے پروائی کا ذکر کر چکی تھی۔ انہوں نے کئی بار کوشش کی کہ ان کو اعتماد میں لے کر زیب النساء کے بارے میں بتا دیں لیکن ہر بار ہمت ہار جاتے تھے۔ زبیدہ ان کے معاملے میں از حد حساس تھی۔ خصوصاً بابا صاحب انہیں اپنی بھتیجی بہت عزیز تھی حویلی کے اندر کے تمام سیاہ و سفید کی مالک۔

زبیدہ کا ایک بھائی کینیڈا شفٹ ہو چکا تھا وہ کئی بار بہن اور بہنوئی کو وہاں آنے کا کہہ چکا تھا زیب النساء کا معاملہ شروع ہونے سے پہلے ان دونوں میاں بیوی کا کچھ ماہ کے لیے کینیڈا جانے کا ارادہ بھی تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے ویزہ کے لیے اپلائی بھی کر دیا تھا۔ اس بار پھر اس نے کال کر کے اپنے پاس آنے کا کہا تو بابا صاحب نے کھلے دل سے جانے کی اجازت دے دی تھی اور کچھ دن گزرے تو ان کو ویزہ ایمبیسی سے کال آئی تھی خوش قسمتی تھی یا کیا تھا ویزہ کے لیے دی گئی درخواستیں قبول ہو چکی تھیں۔ زبیدہ تو بہت خوش تھی۔ اس کو پوری دنیا دیکھنے کا بہت شوق تھا...... جبکہ حیات علی متامل تھے۔

وہ زیب النساء کو چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے اور نہ ہی روز روز شہر کے چکر لگا سکتے تھے۔ وہ ویزہ ایمبیسی کا بہانہ کر کے پھر شہر چلے آئے تھے اس دفعہ وہ پورے دو ماہ بعد آئے تھے۔

زیب النساء سے ملے تو حیران رہ گئے تھے وہ بہت کمزور اور بیماری ہو گئی تھی۔ ماں کی وفات کا اس نے حد سے زیادہ صدمہ لیا تھا۔ ملازمہ نے انہیں جو خبر سنائی اس کو سن کر وہ سوچ میں پڑ گئے تھے۔ زیبن ماں بننے والی تھی۔ ماں کی وفات کا صدمہ اور اوپر سے ایسی حالت وہ کھانے پینے کے معاملے میں بھی کافی بے پروا تھی نتیجتاً سارا اثر اس کی دن بدن کمزور ہوتی صحت کی طرف تھا۔ وہ اس کو ڈاکٹر کے پاس لے کر آئے تھے کھانا پینا فروٹس، گوشت اور باقی ساز و سامان سے کچن بھر دیا تھا۔

"خوش رہا کرو تمہیں اس حالت میں دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔ وہ پیاری سی خوب صورت سی زیبن تو کہیں نظر ہی نہیں آ رہی ہے جسے دیکھ کر میں دیوانہ ہوا تھا۔" زبردستی کھانا کھلاتے اس کی دلجوئی کر رہے تھے۔ زیبن مسکرائی تھی اور اس کی مسکراہٹ میں عجیب سا سوز تھا۔

حیات علی کے دل میں عجیب سی ندامت کا احساس جاگا تھا۔ انہوں نے دل میں ارادہ باندھ لیا تھا کہ اب وہ حویلی گئے تو بابا صاحب سے ضرور اپنی دوسری شادی کا ذکر کریں گے۔

"اچھا...... اچھا سوچا کریں تاکہ ہمارے بچے پر اچھا اثر پڑے۔" کھانا کھلا کر اپنے ہاتھوں سے میڈیسن کھلائی تھی۔

"مجھے اماں بہت یاد آتی ہے مہر دآپا بھی نہیں مل سکتی اور ابا وہ تو میرے لیے جیتے جی مر گئے تھے نجانے کہاں چلے

خالقِ کائنات

☐ اللہ سے نزدیک ہونے کے لیے اللہ کے بندوں سے نزدیک ہو جاؤ (جبران)

☐ اس آدمی سے ہوشیار رہو جو یہ سمجھتا ہے کہ خدا صرف آسمان پر رہتا ہے (برنارڈ شاہ)

☐ تمام علماء اور اساتذہ یہ بات سمجھنے سے عاجز و قاصر ہیں کہ وجود کیونکر ہوا اور یہ کیونکر برابر ہوتا چلا جارہا ہے' ہمیں ایسے خالق حقیقی کا اقرار کرنا ہی پڑتا ہے جو ہمیشہ اور ہر وقت موجود ہے (فلامریاں)

☐ سیکنڈ منٹوں میں' منٹ گھنٹوں میں' گھنٹے دنوں میں' دن ہفتوں میں' ہفتے مہینوں میں' مہینے سالوں میں' سال صدیوں میں تبدیل ہو رہے ہیں۔

☐ سورج اور چاند نکل رہے ہیں' ستارے جگمگ کر رہے ہیں' زمین پر پودے اُگ رہے ہیں' ہوا چل رہی ہے' درختوں کے پتے ہل رہے ہیں۔ پھول اور پھل نمودار ہو رہے ہیں' شبنم گر رہی ہے' سمندر میں پانی بہہ رہا ہے۔ کوہ آتش فشاں سے چنگاریاں نکل رہی ہیں' یہ انسان ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہو رہا ہے' جانور گھوم رہے ہیں۔ غرض ساری کائنات حرکت میں ہے اور حرکت تحریک اور طاقت کے تابع ہوتی ہے تو پھر وہ کون سی تحریک...... وہ کون سی طاقت ہے جس کی وجہ سے کائنات میں حرکت کی یہ رونق موجود ہے' دل سے بے اختیار جواب آتا ہے وہ محرم نوہ طاقتور وہی اعلیٰ ذات ہے۔ جس کے وجود کے بارے میں آنکھیں رکھنے کے باوجود اندھے' کان رکھنے کے باوجود بہرے اور عقل رکھنے کے باوجود بے وقوف لوگ انکار کرتے ہیں اور ایمان' احساس اور بصیرت رکھنے والے اقرار......؟" (ابوسنان)

حرا قریشی...... بلال کالونی' ملتان

گئے ہیں کوئی اپنی اولاد سے ایسے بھی غافل ہوتا ہے چوہدری صاحب کیا؟" لہجے میں درد تھا۔ انہوں نے اسے ساتھ لگا کر ایک دم شدت سے اپنی محبت کا اظہار کیا۔

"کچھ بھی مت سوچا کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"مجھے لگتا ہے میں اس گھر میں قید ہو کر رہ گئی ہوں آپ کا انتظار کرتے کرتے میری آنکھیں جھکنے لگتی ہیں کبھی کبھی مجھے لگتا ہے آپ کبھی لوٹ کر نہیں آؤ گے اور میں انتظار کرتے کرتے مر جاؤں گی۔" اس کی آواز میں مایوسی تھی۔

"ایسا مت سوچو، تم گھر میں کیوں قید رہتی ہو، باہر نکلا کرو بازار کا چکر لگا لیا کرو یہاں پارک ہیں وہاں چلی جایا کرو باہر لوگوں میں گھلا ملا کرو۔"

"میں باہر نکلتی ہوں تو لوگ میرے شوہر کا نام پوچھتے ہیں کون ہے کہاں ہے آپ نے سختی سے کسی بھی انسان کو آپ کے بارے میں بتانے سے منع کیا ہوا ہے پھر میرا دل نہیں کرتا باہر نکلنے کو۔" اس نے دل کی بات کی تھی حیات علی نے ایک گہرا سانس لیا۔

"آپ اس دفعہ دو ماہ بعد آئے ہیں۔" وہ دنوں کا حساب رکھے ہوئے تھی۔ حیات علی کے دل میں ایک دم ندامت کا احساس جاگا تھا۔

"میں جلدی آنے کی کوشش کیا کروں گا۔" انہوں نے دلاسہ دیا۔

"بس تم خوش رہا کرو کھانا پینا اچھا رکھو۔ کسی بھی چیز کی کمی ہو ملازمہ سے منگوا لیا کرو ایک عدد ملازم بھی میں بندوبست کر دیتا ہوں باہر کسی بھی کام کے سلسلے میں وہ مدد کر دے گا بس اپنی صحت کا خیال رکھا کرو مجھے بس وہی پیاری سی زبین چاہیے جسے پہلی نظر میں دیکھ کر میں بے بس ہو گیا تھا۔" وہ اس کی دل جوئی کرنے میں کامیاب رہے تھے۔ وہ زبین کے پاس کچھ دن رہے تھے اور اس کو بہت ساری آؤٹنگ پر کرائی تھی۔

اس دن بھی اس کو لے کر باہر پارک میں آئے تھے۔ ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ "چوہدری صاحب آپ کی بیوی تنہائی اور فرسٹریشن کا شکار ہے ایسی کیفیات اکثر اوقات ماں بننے والی خواتین کو نقصان پہنچا دیتی ہیں ان کو ایکسٹرا کیئر اور نگہداشت کی ضرورت ہے جتنا بھی ممکن ہو سکے ان خیال رکھا کریں اور کوشش کریں یہ خوش رہا کریں۔" اور وہ کوشش کر رہے تھے کہ وہ جتنے دن شہر میں رہیں زیبن خوش رہے۔ پارک کی رونق اور اس میں موجود لوگوں کو دیکھ کر زیبن کا مزاج ایک دم خوش گوار ہو گیا تھا۔

حیات علی بھی دل و دماغ کو ہر طرح کے خیالات سے پاک کر کے صرف اور صرف زیبن کے ساتھ کو انجوائے کر رہے تھے۔

تبھی وہاں پارک میں انہیں اپنا بہت پرانا اور دیرینہ دوست ملا تھا۔

"سبحان احمد۔" دونوں کالج و یونیورسٹی میں کئی سال اکٹھے رہے تھے سبحان کا باپ وکیل تھا تعلیم کے بعد اس نے بھی اپنے باپ کا آفس جوائن کر لیا تھا جبکہ حیات علی اپنی تعلیم مکمل کر کے گاؤں لوٹ گئے تھے۔ پانچ سال پہلے سبحان کی شادی ہوئی تھی پھر پتا چلا تھا کہ وہ امریکہ سیٹل ہو گیا ہے۔ لیکن بہت عرصہ بعد اسے پاکستان میں دیکھ کر دونوں ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئے تھے سبحان اپنی بیوی کے ساتھ تھا۔

"یہ کون ہیں۔" سبحان اس کی حویلی جا چکا تھا وہ ایک دو بار زبیدہ سے بھی مل چکا تھا اتنا تو وہ بھی سمجھ گیا تھا کہ یہ کم عمری لڑکی زبیدہ نہیں ہے۔

"یہ میری بیوی ہے۔" اس سے پہلے سبحان احمد کچھ ایسا ویسا سوچتا حیات علی نے سچ بتا دیا۔

"لیکن تمہاری بیوی تو......!" آواز دھیمی تھی۔

"میں نے زیب النساء سے یہاں شادی کی ہے حویلی میں کسی کو بھی علم نہیں۔" مختصر الفاظ میں بتایا تھا۔

سبحان خاموش ہو گیا تھا۔ اتنا تو وہ بھی جانتا تھا کہ اس کا دوست کوئی عیاش، کرداری لحاظ سے کمزور انسان نہیں تھا دونوں کا بہت اچھا وقت گزرا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو بہت گہرائی سے جانتے تھے۔ سبحان نے زیادہ پوچھ گچھ نہیں کی تھی۔

حیات علی زیبن کو سبحان احمد کی وائف کے پاس چھوڑ کر دونوں پارک میں ٹہلتے رہے تھے حیات علی نے مختصر الفاظ میں سبحان احمد کو اپنی ساری کہانی کہہ سنائی تھی۔

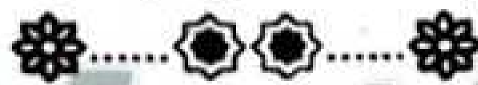
"تم کب تک پاکستان میں ہو؟" حیات نے پوچھا۔

"ہم دو ماہ تک مزید ہیں اصل میں شادی کے پانچ سال بعد بھی ہاجرہ ماں نہیں بن سکی ہم یہاں ٹریٹمنٹ کرانے آئے تھے وہاں کے سب ڈاکٹرز کو آزما چکے ہیں سو چا اب یہاں کے لوگوں کو بھی آزمالیں۔"

"اوہ۔" وہ دن زیبن کے لیے بہت خوش گوار تھا۔

وہ ہاجرہ سے مل کر بہت خوش تھی۔ ہاجرہ سے زیبن کی بہت دوستی ہو گئی تھی۔

حیات علی نے دونوں میاں بیوی کو اس کے گھر آنے جانے کا کہہ دیا تھا حیات علی کا مقصد زیبن کا دل لگا رکھنے کا تھا۔ سبحان اور اس کی بیوی نے بھی گھر چکر لگانے کی ہامی بھر لی تھی۔ اس طرح ایک بہت اچھا ہفتہ گزار کر حیات علی اپنے گاؤں کے لیے روانہ ہوئے تو زیبن ان کے جانے کے بعد ایک بار پھر اداس ہو گئی تھی۔



رابعہ ہادیہ کے پاس آئی تھی اس کا رو رو کر برا حال تھا۔

لفظ لفظ موتی

❁ زندگی کا المیہ یہ نہیں کہ یہ بہت جلد ختم ہو جاتی ہے بلکہ زندگی کا اصل المیہ یہ ہے کہ ہم جینا بہت دیر بعد سیکھتے ہیں۔

❁ اگر کسی اچھے انسان سے غلطی ہو جائے تو درگزر کرنا چاہیے کیونکہ موتی اگر کیچڑ میں بھی گر جائے تو بھی قیمتی ہی رہتا ہے۔

❁ روپے کی قیمت کتنی بھی گر جائے لیکن اتنی کبھی نہیں گر سکتی جتنا روپے کے لیے انسان گر جاتا ہے۔

❁ بُرا وقت وہ شفاف آئینہ ہے جو بہت سارے چہرے واضح کر دیتا ہے اور اچھا وقت بادلوں کی طرح ہے جو سورج کی تپش کو بھی روک لیتا ہے۔

❁ شیشے کو توڑنے کے لیے ایک پتھر کافی ہوتا ہے اور دل توڑنے کے لیے ایک لفظ۔

❁ ہمیشہ اپنی چھوٹی چھوٹی غلطیوں سے بچنے کی کوشش کرو کیونکہ انسان پہاڑوں سے نہیں پتھروں سے ٹھوکر کھاتا ہے۔

❁ اپنا فائدہ سوچے بنا سب کے ساتھ اچھا کرو کیونکہ جو لوگ پھول تقسیم کرتے ہیں ان کے ہاتھوں میں خوشبو ضرور رہ جاتی ہے۔

سدرہ احسان......سمبڑیاں

"میں نے ہمیشہ سوچا تھا کہ وہ مجھے ضرور ملے گا لیکن میں نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا کہ اس سے ملاقات تمہارے حوالے سے ہوگی میں سمجھتی تھی کہ شاید وہ بھی مجھ سے محبت کرتا ہو، میرے بارے میں سوچتا ہو لیکن جیسے وہ تو سرے سے بے خبر تھا۔"

"ہادیہ پلیز اس طرح مت روؤ، مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔" رابعہ ہادیہ کے ہاتھ تھام کر منت سے بولی۔

"اس محبت میں میرے لیے ہی بس خواری کیوں تھی وہ کسی اور حیثیت سے بھی تو مجھے مل سکتا تھا نا، میں نے اس کا برسوں انتظار کیا اور نتیجتاً مجھے کیا ملا دکھ، اذیت، تکلیف اور عمر بھر کی نارسائی۔"

"تم ایک بار ابوبکر سے مل لو اگر تم دونوں راضی ہو جاتے ہو تو میں گھر والوں سے بات کر لیتی ہوں تمہارے لیے میں کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ ویسے بھی اب وہ پہلے والی پوزیشن میں نہیں رہا خود کو کافی حد تک اسٹیبلش کر چکا ہے انکل اور آنٹی کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" محبت سے ساتھ لگا کر رابعہ نے کہا تو ہادیہ کے آنسو رک گئے۔

"لیکن تمہاری شادی ہو رہی ہے محض چند دن باقی ہیں بس۔"

"میں فیضان ماموں اور سہیل بھائی سے بات کروں گی اگر تمہارے والدین نے کوئی اعتراض کیا تو وہ ان کو بھی قائل کر سکتے ہیں بس تم ایک بار ابوبکر سے میرے ساتھ چل کر مل لو۔" اس نے خلوص دل سے کہا ہادیہ کا چہرہ ایک دم روشن ہوا تھا لیکن اگلے ہی پل پھر بجھ گیا۔

"ابوبکر کبھی راضی نہیں ہوگا اور تم میری بیسٹ فرینڈ ہو میں بھلا تمہاری زندگی کی خوشیوں کو کیسے چھین لوں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا تو رابعہ نے نرمی سے ہادیہ کا ہاتھ تھاما۔

"مری ابوبکر سے کوئی بھی جذباتی وابستگی پیدا نہیں ہوئی ابھی تک اور میں کوئی قربانی نہیں دے رہی تم میری دوست ہی نہیں بلکہ بہن بھی ہو اگر ہماری شادی ہو جاتی تو یقیناً ہم اچھی لائف گزارتے لیکن شکر ہے پہلے ہی سب کلیئر ہو گیا اب باقی معاملات کو ہینڈل کرنا میرا کام ہے رہ گئی میری شادی کی ڈیٹ بہت سے لوگوں کی شادی کسی نہ کسی وجہ سے

ٹوٹ جاتی ہے میں سمجھوں گی کہ میری بھی ٹوٹ گئی۔" وہ پرسکون تھی۔ انداز میں اطمینان تھا۔

"اگر ابوبکر نے انکار کر دیا تو؟"

"تو ہم سب مل کر اسے منالیں گے بلکہ میں خود اسے قائل کروں گی بس تم اپنے والدین کو قائل کرنے کی کوشش کرو۔"

"ماما کو کوئی پرابلم نہیں ہوگا لیکن پاپا یقیناً اعتراض کریں گے لیکن اگر تم لوگ ساتھ دو تو وہ قائل ہو سکتے ہیں وہ انسان کی اندرونی خوبیوں کو دیکھتے ہیں ان کے نزدیک بیرونی لوازمات بس بے معنی ہیں۔"

"ڈیٹس گریٹ پھر تو انکل کو قائل کرنا ماموں اور بھائی کے لیے کوئی مشکل کام نہیں۔" رابعہ واقعی پرجوش تھی ہادیہ کا رونا دھونا ایک دم ختم ہو گیا تھا۔

"واقعی سب ٹھیک ہو جائے گا نا؟" وہ اندرونی طور پر خوف زدہ تھی۔

"ان شاء اللہ بس تم دعا کرو۔"

"اور تمہاری شادی؟" وہ پھر سے گلٹی فیل کرنے لگی۔

"وہ بھی ہو جائے گی ابھی سمجھ لو میرے لیے رائٹ پرسن سامنے نہیں آیا جس دن آ گیا میری شادی بھی ہو جائے گی۔" ہادیہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔ رابعہ نے محبت سے اس کے ہاتھ دبا کر ساتھ لگایا تھا۔



وہ کالج سے گھر آئی تو حماد کی فیملی آئی ہوئی تھی مصطفیٰ کی پھپو، شائستہ اور ان کے شوہر تینوں موجود تھے۔ ان کو دیکھ کر انا کا دل ایک دم بند ہوا تھا۔

وہ لوگ صبوحی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے ایک طرف وقار احمد اور ضیاء ماموں بھی تھے۔

انا دروازے میں ہی ساکت ہو گئی تھی......وہ سمجھ سکتی تھی کہ یہ لوگ کیوں آئے ہوں گے۔

ابھی تک ان لوگوں نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ مرے قدموں سے چلتے اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ موبائل ٹوٹ جانے کی وجہ سے اس کا حماد کیا کسی سے بھی رابطہ نہیں تھا۔ اس وقت وقار گھر پر تھے یعنی ان کے علم میں ان لوگوں کی آمد تھی جبکہ وہ قطعی بے خبر تھی۔ وہ ساکت انداز میں بستر کے کنارے ٹک گئی تھی۔

اس نے یہ سارا کھیل خود شروع کیا تھا۔ اور اب یہ کھیل اس کے گلے کا پھندا بنتا جا رہا تھا۔ وہ اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی جب روشی کمرے میں داخل ہوئی تھی انداز سنجیدہ تھا۔

"حماد کی والدہ بھائی اور بھاوج آئے ہیں انکل نے مصطفیٰ بھائی کے ذریعے ان لوگوں کو آج اپنے ہاں مدعو کیا تھا وقار انکل نے ان سے تمہارے اور حماد کے رشتے کی بات کی ہے۔ وہ لوگ تمہیں بلا رہے ہیں آ کر ان سے مل لو۔" روشی نے کہا تو انا کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکا تھا۔

"ہو سکتا ہے ماموں ان لوگوں کو آج ہی ہاں کہہ دیں۔" انا نے ہراساں ہو کر روشی کو دیکھا پر روشی کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔

گھر والوں سے اس کی بول چال بند تھی۔ کوئی بھی اس سے مخاطب نہیں ہوتا تھا سوائے روشی اور ضیاء ماموں کے، وہ اسی طرح ساکت بیٹھی رہی تھی۔ تبھی صبوحی خود اسے بلانے چلی آئی تھیں۔ ان کا انداز سنجیدہ اور سپاٹ تھا۔ ان کے کہنے پر وہ آہستگی سے اٹھ کر اسی حلیے میں چلی آئی تھی۔

مصطفیٰ کی پھپو بہت محبت سے ملی تھیں انہوں نے خود اٹھ کر اسے گلے لگایا تھا شائستہ کا رویہ بھی اچھا تھا

خوش اخلاقی سے ملی تھی۔

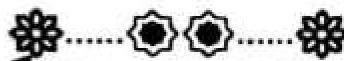
''ہمارے ہاں ایسے رشتے ناطے طے نہیں ہوتے میں ان شاء اللہ سب بڑوں کو لے کرآؤں گی اور پھر بات طے کروں گی وہی ہماری منگنی کی رسم ہوتی ہے۔آپ کے کان میں بات ڈال دی ہے اب آپ کی بیٹی ہماری بیٹی ہوئی۔حماد جاب کے سلسلے میں ایک دو ماہ کے لیے باہر جارہا ہے واپس آتا ہے تو ان شاء اللہ شادی کی ڈیٹ رکھ دیں گے۔'' زہرہ پھپو نے کہا تھا وقار اور صبوحی نے سر ہلا دیا تھا۔

صبوحی کا چہرہ ابھی بھی سنجیدہ تھا جبکہ وقار کا چہرہ نارمل تھا۔

''جب آپ کو مناسب لگے رسم کرنے آجایئے گا ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔'' نارمل انداز میں کہا۔

انا کو لگا وہ ابھی یہیں گر جائے گی......وہ بمشکل خود کو سنبھال پارہی تھی۔

''میں آتی ہوں۔'' وہ لڑکھڑاتی آواز میں کہہ کر فوراً وہاں سے نکلی تھی۔اپنے کمرے میں آکر بستر پر گر کر وہ ایک دم ضبط کھو بیٹھی تھی۔



رابعہ نے سہیل اور فیضان سے بات کی اور وہ دونوں ساری بات سن کر گم صم ہوگئے تھے۔

''مجھے ہادیہ بہت عزیز ہے ابو بکر کہہ چکے ہیں کہ وہ آپ لوگوں کا اعتماد نہیں توڑ سکتے لیکن میں بھی ہادیہ کا دل نہیں توڑ سکتی۔ہے تو ایک مشکل فیصلہ لیکن مجھے ان حالات میں اس سے بہتر کوئی فیصلہ نہیں لگ رہا۔'' سر جھکا کر اس نے دل کی بات کہہ دی۔

''میں ہادیہ کو ابو بکر سے ملوا رہی ہوں اس کے بعد آپ لوگ بھی فیصلہ کرلیجیے گا یقیناً ابو بکر ایک بہت ہی اچھے انسان ہیں مگر ان حالات میں جب ہم سب کچھ جانتے ہیں ان کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا میرا ضمیر گوارا نہیں کررہا۔'' وہ اپنے جذبات کا اظہار کھل کر رہی تھی۔

''ٹھیک ہے مجھے تمہارا فیصلہ اچھا لگا ہے میں امی اور باقی لوگوں سے بات کرلوں گا تم ہادیہ کو ابو بکر سے ملوا دو اس کے بعد ہی ہم ابو بکر سے بات کریں گے۔'' سہیل بھائی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کے فیصلے کو اہمیت اور اس کی ذات کو مان دینے کی کوشش کی تھی۔

''شکریہ بھائی یقین جانیے بھائی یہ سب کچھ جانتے بوجھتے میں اس رشتے کے لیے تیار ہوجاتی تو ساری زندگی میں اپنے ضمیر کے سامنے گناہ گار رہتی۔''

''جیتی رہو، میں تمہاری ماں سے بات کرتا ہوں دکھ تو اسے بہت ہوگا لیکن ایک انسان سے ہم زیادتی بھی تو نہیں کرسکتے جانتے بوجھتے تمہیں یا ابو بکر کو اس شادی کے لیے مجبور نہیں کرسکتے ہم۔'' ماموں نے کہا تو وہ مسکرادی۔

وہ جانتی تھی کہ اس کے بڑے، ہمیشہ اس کو سمجھ کر اس کے فیصلے کو سمجھ کر اس کو اہمیت دیں گے۔

''تم ابو بکر اور ہادیہ کو بلوالو اور دونوں جو بھی فیصلہ کرتے ہیں ہمیں بتادینا۔'' ماموں اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہہ کر باہر نکل گئے۔

سہیل بھائی نے بھی اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی تو اس کا حوصلہ ایک دم کئی گناہ بڑھ گیا تھا۔



زبین کی حالت کی وجہ سے وہ پریشان تھے۔زبیدہ کینیڈا جانے پر زور دے رہی تھی وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پارہے تھے۔شہر سے واپس آئے ان کا تیسرا دن تھا لیکن ذہن زیب النساء میں اٹکا ہوا تھا۔باباصاحب بھی چہیتی بہو کی ہاں میں

ہاں ملاتے تھے۔ ان حالات میں حیات علی نے ایک فیصلہ کیا تھا زبیدہ یا بابا صاحب کو اپنی زبین سے شادی کے بارے میں بتادیں گے۔ بابا صاحب باہر ڈیرے سے حویلی لوٹے تو وہ دالان میں ٹہل رہے تھے۔ ملازم نے ان کی آمد کی اطلاع دی تو وہ ان کے کمرے میں آگئے۔ سلام دعا کے بعد ادھر ادھر کی باتیں چلتی رہی تھیں۔

''کیا بات ہے حیات جب سے شہر سے لوٹے ہو خاموش سے ہو۔''

''ایسی کوئی بات نہیں بابا صاحب۔'' بابا صاحب کی بات کو انہوں نے مسکرا کر رد کیا۔

''اصل میں مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی۔'' انہوں نے جھجکتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔

''کیا بات کرنی ہے۔''

''بات یہ ہے کہ......!'' وہ رک گئے تھے بابا صاحب حقے کے شوقین تھے ملازم ان کے لیے حقہ تیار کر کے لایا تو وہ حقے کی نال تھام کر حقہ گڑگڑانے لگے۔

''بولو بچے کیا بات ہے؟''

''بات یہ ہے بابا صاحب کہ......!'' وہ پھر رکے اور قدرے توقف کے بعد سب بتاتے چلے گئے اور بابا صاحب وہ حیرت سے گنگ حقے کی نالی کو گڑگڑانے کی بجائے بت بنے چہیتے بیٹے کے منہ سے نکلنے والے الفاظ سن رہے تھے۔

❁......۞۞......❁

زہرہ پھپو اور باقی سب واپس جاچکے تھے انا مسلسل کمرے میں بند تھی۔ صبوحی کئی بار اس کے کمرے تک آتیں اور پھر بند دروازے کو دیکھ کر پلٹ جاتی تھیں۔ مغرب کے بعد سبھی گھر میں موجود تھے۔ احسن اور ولید کو بھی حماد کی فیملی کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ ولید کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا روشی نے کئی بار اس کا چہرہ دیکھا لیکن کوئی تاثر اخذ نہیں کرپائی تھی جبکہ احسن کا چہرہ غصے سے سرخ تھا۔ ضیاء صاحب صدمے سے نڈھال تھے۔

''پاپا کیوں کیا آپ نے ایسا، خود سے ان لوگوں کو گھر بلوایا اور پھر بات کی کیا ہم اب اتنے گئے گزرے ہیں کہ خود سے یہ سب کررہے ہیں۔'' احسن مسلسل ٹہل رہا تھا۔

''جب اولاد ایسی منہ زور ہوجائے تو والدین یہ سب کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔'' وقار صاحب انا سے حد سے زیادہ بدظن ہوچکے تھے۔

روشی کے اندر عجیب سی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی۔

''ایک بات کہوں، پتا نہیں کیوں مجھے لگ رہا ہے انا یہ سب جان بوجھ کر کررہی ہے۔'' اس نے کہا تو سبھی نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''جہاں تک میں سمجھ پائی ہوں وہ حماد سے محض ہمیں بدظن کرنے کے لیے رشتہ جوڑ رہی ہے۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا۔'' احسن ایک دم متوجہ ہوا۔

''انا کو کوئی کالز کرتا ہے اور وہ بلیک میل ہورہی ہے اس کا موبائل ٹوٹ گیا ہے نمبر بند تھا گھر کے نمبر پر ایک لڑکی کی کال آئی تھی میں نے بھی اس سے بات کرتے سنا تھا کوئی اسے دھمکا رہا تھا۔''

''کیا مطلب...... کیسا دھمکانا؟'' اب کی بار باقی لوگ بھی ایک دم متوجہ ہوئے تھے۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)



دل کے دریا کو کسی روز اتر جانا ہے
اتنا بے سمت نہ چل لوٹ کے گھر جانا ہے
میں کھلا ہوں تو اسی خاک میں ملنا ہے مجھے
وہ تو خوشبو ہے اسے اگلے نگر جانا ہے

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

ابوبکر کا تعلق کھاتے پیتے گھرانے سے ہے مگر اپنی سوتیلی ماں سے ہونے والے جھگڑوں کی بدولت وہ ہادیہ کے گھر بطور ڈرائیور کام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اپنے گھر والوں سے ہمیشہ کے لیے تعلق توڑ لیتا ہے ہادیہ اس کی ذہانت سے متاثر ہوتے یک طرفہ محبت میں مبتلا ہو جاتی ہے جبکہ ابوبکر اس کے جذبوں کو پذیرائی بخشنے کے بجائے اسکالرشپ پر بغیر کسی کو اطلاع دیئے باہر چلا جاتا ہے۔ یہاں اس کی دوستی سہیل سے ہو جاتی ہے رابعہ یہ سب جان کر دنگ رہ جاتی ہے وہ ہادیہ اور ابوبکر کو ملانے کی خاطر تمام صورت حال اپنے ماموں کو بتا کر خود اس رشتے سے دستبردار ہو جاتی ہے۔ شہوار یہ جان کر دنگ رہ جاتی ہے کہ ولید اور انا کا رشتہ ختم ہو گیا ہے جبکہ مصطفیٰ کا کزن حماد، انا کے لیے رشتہ بھیجنے پر بضد ہے۔ دوسری طرف شائستہ ان کے گھر پہنچ کر شہوار سے اس کی دوست کے متعلق جاننا چاہتی ہیں ان کی اس باز پرس پر شہوار خاموش رہ جاتی ہے۔ وہ اور مصطفیٰ اپنے طور انا اور ولید سے بات کرتے ہیں لیکن دونوں ہی اس موضوع پر بات کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ وقار انا کی ہٹ دھرمی کے ہاتھوں مجبور ہو کر حماد کے گھر والوں کو بلانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں جبکہ ضیاء انہیں اس فعل سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ولید بھی اس زبردستی کے رشتے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ روشی کے سمجھانے پر وہ دھمکی آمیز کالز کی بابت انا سے دریافت کرتا ہے لیکن وہ صاف انکار کر دیتی ہے جب ہی ولید اس کے نمبر سے تمام معلومات حاصل کرنے کا کہہ کر اسے حماد سے رشتہ طے ہو جانے کی خوش خبری سناتا ہے اس بات پر دونوں میں مزید تکرار بڑھ جاتی ہے۔ کاشفہ انا کے گھر پر رابطہ کر کے ولید سے ملاقات کے لیے اس پر دباؤ ڈالتی ہے جبکہ روشی اس بار اس دھمکی آمیز کالز کے متعلق گھر کے دیگر افراد کو بتا کر انا کو بچانے کی بھرپور کوشش کرتی ہے۔ زیب النساء کی ماں کی وفات کے بعد چوہدری حیات علی کا زیادہ وقت شہر میں گزرتا ہے جس پر ان کی بیوی اور ان کے درمیان تلخ کلامی ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف زیبی کی گرتی طبیعت کے پیش نظر وہ وہاں رکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جب ہی وہاں ان کی ملاقات اپنے دوست اور اس کی بیوی ہاجرہ سے ہوتی ہے اور وہ اسے اپنی شادی کے متعلق آگاہ کرتے ہیں۔ ہاجرہ اور زیبی میں اس مختصر سی ملاقات کے بعد کافی دوستی ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف چوہدری حیات علی اپنی خفیہ شادی کے متعلق بابا جان کو تمام حقیقت بتا کر انہیں حیرانی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ ایاز کی ضمانت ہو جانے پر مصطفیٰ ایک نئی پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف ایاز بھی بدلہ لینے کی خاطر پوری طرح تیار ہوتا ہے اُدھر مصطفیٰ کی پھپھو زاہرہ انا اور حماد کے رشتے کی خاطر ان کے گھر پہنچ جاتی ہیں اور جلد ہی شادی کی تاریخ طے کرنے کا کہتی ہیں۔

﴿اب آگے پڑھیے﴾

احسن کا حیرت سے برا حال تھا۔

روشی نے گزرے دنوں اور آج کل میں رونما ہونے والے تمام واقعات سنائے تو احسن نے بے یقینی سے روشی کو دیکھا۔

''تم نے یہ سب پہلے کیوں نہیں بتایا ہمیں؟'' صبوحی اور وقار الجھے ہوئے تھے احسن نے پوچھا تو روشی نے ایک گہرا سانس لیتے بے تاثر بیٹھے بھائی کا چہرہ دیکھا۔

''میں نے ولید بھائی کو بتایا تھا۔'' احسن نے ولید کو دیکھا ولید احسن کے دیکھنے پر سیدھا ہوا۔

''میں نے انا سے بات کی تھی۔''

''تو پھر؟''

''وہ ٹال گئی تھی۔'' ولید کا انداز سنجیدہ تھا۔

''مجھ سے بات کرتے ہم پتا کراتے کیا سلسلہ ہے یہ اگر انا کچھ چھپا رہی ہے ہم سے تو ہم خود پتا لگانے کی کوشش کرتے۔'' احسن ابھی بھی یہ سب ماننے کو تیار نہ تھا کہ انا یہ سب کر رہی ہے۔

''میں خود بات کرتا ہوں انا سے ایسا کون ہے جو اسے مس یوز کر رہا ہے۔'' احسن بے حد جذباتیت سے کہہ کر جانے لگا تھا۔

''کوئی فائدہ نہیں وہ کچھ نہیں بتائے گی۔'' ولید کے کہنے پر احسن رکا۔

''اس طرح ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بھی نہیں بیٹھ سکتے اگر روشی اس کی کالز سن چکی ہے تو اس کا مطلب ہے کوئی بات ہے ضرور۔''

''میں نے ایک آدمی سے کہا ہے وہ آج کل میں انا کے نمبر سے ہونے والی کالز کی لوکیشن ٹریس کر کے ہمیں تفصیل فراہم کر دے گا۔ اس کے بعد ہی کچھ کیا جا سکتا ہے۔ انا نے اگر بتانا ہوتا تو کچھ چھپاتی ہی کیوں اس لیے اس پر دماغ لڑانے اور وقت ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔'' ولید کے کہنے پر احسن بیٹھ گیا تھا۔

''اور یہ رشتہ؟'' اس ساری گفتگو سے صبوحی کے اندر ایک نئی آس پیدا ہوئی تھی۔

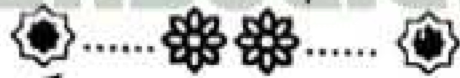
''رشتہ تو اب ہوگا، وہ خاندانی لوگ ہیں اور میں ان لوگوں سے بات کر چکا ہوں ولید اپنا بیٹا ہے اس سے رشتہ ختم ہونے پر دل کو بہت تکلیف ہے لیکن میں اب اپنی زبان سے نہیں پھروں گا اس صورت میں کہ انا خود یہاں شادی کرنا چاہتی ہے۔'' روشی، ولید اور احسن کی گفتگو کے باوجود وقار صاحب کے رویے میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا اب بھی ان کا انداز حتمی اور فیصلہ کن تھا۔

''لیکن وقار ایک دفعہ پھر سوچ لیں، ہو سکتا ہے روشی بیٹی ٹھیک کہہ رہی ہو، ہم ان لوگوں سے بات کر لیں گے معذرت کر لینے میں کیا حرج ہے۔'' ضیاء صاحب کے لہجے میں ایک بار پھر نئی آس اور امید پیدا ہوئی تھی۔

''نہیں بابا، حماد سے شادی انکل سے زیادہ انا کا ذاتی فیصلہ ہے اور ہم زبردستی کسی کو بھی کسی ان چاہے بندھن کے لیے قائل نہیں کر سکتے جو ہو رہا ہے جیسا ہو رہا ہے ہونے دیں۔'' ولید کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے انداز میں مضبوطی اور اٹل پن تھا۔

ضیاء صاحب کی ساری امیدیں ایک دم ٹوٹ سی گئی تھیں۔ انہوں نے بے چارگی سے ولید اور پھر بہن اور

بہنوئی کو دیکھا تھا۔ صبوحی اور روشی نے خاموشی سے نم آلود نگاہوں سے ولید کو جاتے دیکھا تھا۔



چوہدری سراج علی کا غم و غصے سے برا حال تھا۔ انہوں نے اپنے کم عمر بیٹے کی شادی اپنی خواہش پر کروائی تھی ان کی وسیع و عریض اراضی کا تنہا وارث انہیں بے تحاشہ خدشات رہتے تھے انہوں نے اس کی ساری ایجوکیشن کے دوران بیٹے پر کڑی نگاہ رکھی تھی ان کا بیٹا اس قدر سعادت مند تھا کہ کبھی ان کے سامنے اس نے سر نہیں اٹھایا تھا۔ ہمیشہ ان کے حکم پر سر جھکانے والا بیٹا اب بتا رہا تھا کہ وہ ایک ایسی لڑکی سے شادی کر چکا ہے۔ جس کا نہ کوئی خاندان تھا اور نہ ہی کوئی مالی حیثیت۔ ان کے سینے پر سانپ لوٹ رہے۔ تھے۔

''تم جو بھی حماقت کر چکے ہو ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہمارے لیے ہماری ایک ہی بہو ہے اور وہ ہماری بھتیجی ہے۔ تم فوراً سے پیشتر اس لڑکی کو فارغ کر دو۔'' ان کا انداز حتمی دوٹوک اور فیصلہ کن تھا۔

''میں اسے فارغ نہیں کر سکتا، وہ نہ صرف میری بیوی ہے بلکہ میرے ہونے والے بچے کی ماں بھی ہے۔'' یہ انکشاف ایسا تھا کہ چوہدری سراج علی گنگ رہ گئے تھے۔

''نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔'' انہوں نے اپنے اس بیٹے پر ساری زندگی صرف کی تھی۔ اس کی تربیت میں کوئی جھول کوئی کمی نہیں آنے دی تھی۔ پھر اب کہاں جھول آ گیا تھا۔

''تم میری بھتیجی کے ساتھ زیادتی کر رہے ہو حیات علی۔'' وہ طیش سے چیخے۔

''گستاخی معاف بابا صاحب میں نے زبیدہ کے سب حقوق پورے کیے ہیں کبھی کوئی کمی نہیں آنے دی اپنے سے بڑی عمر کی عورت سے نباہ کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے اور میں نے کبھی زبان پر شکوہ تک لانے کی کوشش نہیں کی۔'' سر جھکائے مودب لہجے میں دل کی بات کی تھی۔

''تم......!'' وہ ایک دم اپنی لاٹھی ٹیکتے کھڑے ہوئے۔

''تم آج اس قابل ہو گئے ہو کہ اپنے باپ کے سامنے سر اٹھا سکو۔'' ہمیشہ فرماں بردار نظر آنے والا بیٹا اس وقت مختلف روپ میں ان کے سامنے تھا ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کچھ کر بیٹھیں۔

''میں سر نہیں اٹھا رہا بابا صاحب، اسلام ہمیں چار شادیوں کی اجازت دیتا ہے وہ لڑکی مجھے اچھی لگی تھی اور میں نے کوئی غلط راہ نہیں اپنائی اپنے دل کی خواہش پر اس سے نکاح کر کے اپنے گھر میں بسانے کی کوشش کی ہے وہ اب آپ کی بہو ہے اور میری بیوی۔''

''مت کہو اس حرافہ کو میری بہو۔'' وہ طیش سے چلائے۔

''بابا صاحب آپ زیادتی کر رہے ہیں۔'' حیات علی نے فوراً احتجاج کیا۔

''کوئی آوارہ، راہ چلتی لڑکی بھلا ہماری خاندانی بہو بیٹی کا کیسے مقابلہ کر سکتی ہے ہم تمہاری غلطی کو یکسر فراموش کر دیں گے بس تم آج ہی اس لڑکی کو فارغ کر دو ہم دوبارہ اس لڑکی کا ذکر بھی نہیں سننا چاہیں گے۔'' بابا صاحب غیض و غضب کی تصویر بنے ہوئے تھے۔

''وہ نہ آوارہ ہے اور نہ ہی کوئی راہ چلتی بد چلن عورت۔ میں نے اس سے نکاح کر کے کوئی گناہ نہیں کیا اور نہ ہی میں اسے فارغ کروں گا۔ وہ اب ہماری عزت ہے میں نے صرف آپ کو بتانا تھا جو بتا دیا۔'' وہ کہہ کر کمرے سے نکل گئے اور بابا صاحب حیرت سے گنگ بیٹے کے باغیانہ انداز و اطوار کو دیکھ رہے تھے۔ ان کا غم و غصے سے برا حال تھا۔

دریہ کو شاپنگ کے لیے جانا تھا ماں جی اسے تنہا ڈرائیور کے ساتھ بھیجنے پر راضی نہ تھیں شہوار کالج سے لوٹی تو کھانا کھا کر لیٹی تھی آج تھکن سی ہورہی تھی۔ ویسے بھی اپنی طبیعت کے سبب وہ بہت احتیاط کررہی تھی آج بھی کالج سے جلدی لوٹ آئی تھی۔ ماں جی اس کے کمرے میں چلی آئی تھیں۔

''دریہ شاپنگ پر جانے کی ضد کررہی ہے۔ میرے ساتھ جانے پر راضی نہیں ڈرائیور کے ساتھ اکیلی جانا چاہتی ہے پرائی بچی ہے کوئی بات مانتی ہی نہیں لائبہ بھی بھائی کے ہاں گئی ہوئی ہے وہ ہوتی تو اسی کے ساتھ بھیج دیتی۔'' شہوار نے خاموشی سے ماں جی کا مدعا جاننا چاہا۔

''ایسا کرو تم ساتھ چلی جاؤ طبیعت تو تمہاری بھی خیال رکھنے والی ہے لیکن وہ لڑکی مانتی ہی نہیں۔'' انہوں نے کہا تو شہوار مسکرائی۔

''آپ ٹینشن نہ لیں میں چلی جاؤں گی کس وقت جانا ہے؟''

''جیتی رہو، میں پوچھ کر بتاتی ہوں۔'' وہ اس کا سر تھپتھپا کر چلی گئی تھیں۔

وہ اٹھ کر تیار ہوئی ہی تھی کہ کچھ دیر میں ملازمہ پیغام لیے چلی آئی تھی وہ اپنا بیگ اور چادر اٹھا کر باہر آئی تو دریہ ماں جی سے بحث میں مصروف تھی۔

''میں شہوار کے ساتھ کیوں جاؤں اکیلے جانے میں کیا حرج ہے۔'' شہوار اس کی بات سن کر رک گئی۔

''دیکھو بیٹا ہمارے خاندان میں اکیلے لڑکی ذات کو یوں منہ اٹھا کر باہر بھیج دینے کا کوئی رواج نہیں تم جب تک ادھر ہو ہماری ذمہ داری ہو اور تمہیں ہماری روایات کا احترام کرنا ہوگا۔'' ماں جی کا انداز قدرے سخت اور دو ٹوک تھا۔

''اف...... یہ روایات۔'' وہ منہ بگاڑ کر پلٹی تو شہوار کو کھڑے دیکھ کر اس کے چہرے کے زاویے ایک دم بگڑے تھے اور نہایت تنقید سے اس نے شہوار کو دیکھا تھا۔

''جاؤ ڈرائیور کو کہو گاڑی نکال لے۔'' انہوں نے ایک طرف کھڑی ملازمہ کو کہا تو وہ فوراً باہر نکل گئی۔

ڈرائیور نے گاڑی نکالی تو دریہ بہت زیادہ بگڑے موڈ کے ساتھ پچھلے حصے کی طرف بڑھی تھی ماں جی بھی باہر تک آئی تھیں شہوار بیٹھی تو دریہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی اور سارا رستہ دونوں نے کوئی بات چیت نہ کی تھی۔

دریہ کسی نہ کسی کے ہمراہ کئی بار شاپنگ کے لیے آچکی تھی اسے شاپنگ مالز کا اندازہ تھا وہ خود ہی ڈرائیور کو ہدایات دیتی رہی تھی۔ اس کی ہدایت پر ڈرائیور نے ایک پلازہ کے سامنے گاڑی روکی تو دریہ بڑے تنفر سے باہر نکلی تو شہوار بھی پیچھے ہولی تھی۔

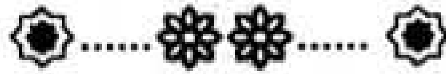
وہ پلازہ میں موجود مختلف شاپس میں جارہی تھی شہوار بالکل خاموش اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ دریہ کچھ بھی خرید نہیں رہی تھی بس ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔

''اس طرح ادھر سے ادھر گھومنے کا کوئی فائدہ نہیں خوامخواہ ہر کوئی دیکھ رہا ہے۔ تم اچھی طرح ڈیسائیڈ کرلو کہ تم نے کیا لینا ہے اور پھر اسی شاپ میں جاؤ۔'' اسے ایک ہی جگہ کا کوئی چوتھی بار چکر لگاتے دیکھ کر شہوار مجبوراً بولی۔

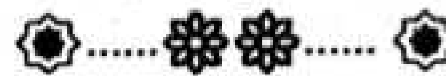
''میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا۔'' وہ ایک دم بدتمیزی سے بولی۔

''میں بھی ہر سر پھرے کو مفت مشورہ دینے کی قائل نہیں۔'' اس کے مسلسل انسلٹنگ انداز پر شہوار بھی کہے بغیر نہ رہ سکی تھی وہ رک اور دریہ نے غصے سے دیکھا۔

''شٹ اپ، مائنڈ یور لینگویج۔'' دریہ ایک دم لڑنے کو تیار کھڑی ہوگئی تھی۔
''یو ٹو مائنڈ یور لینگویج۔'' شہوار نے بھی تپ کر کہا۔
''مجھے ماں جی نے ساتھ بھیجا ہے یہ مت بھولو۔''
''تمہیں اگر برداشت نہیں ہو رہا تو تم جا کر گاڑی میں بیٹھ سکتی ہو۔'' نہایت بدتمیزی سے وہ راہ چلتے کسی بھی انسان کی پروا کیے بغیر اونچی آواز میں بول رہی تھی۔
''مجھے ماں جی نے تمہارے ساتھ بھیجا ہے میں کیوں گاڑی میں بیٹھوں۔'' شہوار نے بھی جواب دیا۔
''گو ٹو ہیل۔'' وہ پاؤں پٹخ کر آگے کی طرف چل دی۔ اس طرح پبلک میں شہوار کو دریہ کا رویہ ایک دم شدید انسلٹنگ سا لگا تھا۔
اس نے لب بھینچ لیے تھے کئی لوگوں نے پلٹ پلٹ کر دونوں کو ایک دوسرے سے الجھتے اور پھر دریہ کو آگے بڑھتے دیکھا تھا۔ کچھ کے چہروں پر سارے منظر سے محظوظ ہونے والی مسکراہٹ تھی۔ شہوار کو ایک دم شدید سبکی کا احساس ہوا تھا۔ ایک دو لڑکیوں نے گزرتے ہوئے نہایت شریر مسکراہٹ سے شہوار کو دیکھا تو شہوار کو اپنا چہرہ توہین کے احساس سے جلتا محسوس ہوا تھا۔
اس کا شدت سے جی چاہا کہ فوراً یہاں سے چلی جائے۔ اس نے جلتی ہوئی نگاہوں سے دریہ کو سیڑھیاں چڑھتے اوپر کی طرف جاتے دیکھا تھا۔
''ایکسیوزمی۔'' وہ اپنی جگہ ساکت سی کھڑی تھی جب اس آواز پر پلٹی تھی اس کے سامنے ایک شناسا چہرہ کھڑا تھا۔



ایاز مسلسل ان کے تعاقب میں تھا۔ اسے ضمانت پر رہا ہوئے آج تیسرا دن تھا۔ وہ انتقام سے پاگل ہو رہا تھا لیکن اس بار وہ کوئی جذباتی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا وہ بہت سوچ سمجھ کر سب کچھ کرنا چاہتا تھا عبدالقیوم کا پلان یہاں سے موو کرنے کا تھا جبکہ ایاز یہاں سے بھاگنے سے پہلے اپنے دشمنوں کو ایک بھاری نقصان ضرور پہنچانا چاہتا تھا۔ اس نے کل سے کچھ آدمی مصطفیٰ اور شہوار کے تعاقب میں لگا رکھے تھے اور خوش قسمتی سے اسے آج ایک اچھا موقع مل گیا تھا۔ اسے شہوار اور دریہ کے تنہا شاپنگ پر آنے کا علم ہوا تھا دو لڑکیوں کو زیر بار کرنا کوئی بڑا مسئلہ نہ تھا۔ وہ فوراً پلازہ پہنچا لیکن مسلسل تعاقب کے بعد اسے ایک جگہ دونوں تنہا مل ہی گئی تھیں۔ دونوں کسی بات پر الجھ رہی تھیں۔ مقابل لڑکی کے تیور اور چہرے کے تاثرات بہت نفرت چھلکاتے محسوس ہوئے تھے اردگرد چلتے لوگ دونوں کی تکرار سے محظوظ ہو رہے تھے۔ کچھ فاصلے پر رہنے کے باوجود ایاز اچھی طرح محسوس کر گیا تھا کہ دوسری لڑکی شہوار کے لیے نفرت رکھتی ہے۔
وہ الجھ کر کچھ کہہ کر ایک طرف چل دی تھی۔ اردگرد موجود لوگ بھی کم تھے یہ ایک سنہرا موقع تھا وہ خاموشی سے آگے بڑھا تھا لیکن شہوار کے سامنے دائیں طرف سے ایک آدمی آ رکا تھا۔ ایاز کے قدم وہیں ٹھٹک گئے۔



''السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟'' شہوار نے حیران ہو کر دیکھا تھا۔ اس کے سامنے آ کر رکنے والا شخص اس کا کالج فیلو ہاشم تھا۔
جب پہلی بار ہاشم اور ایاز کے درمیان شہوار کی وجہ سے جھگڑا ہوا تھا تو تب سے ان دونوں کے درمیان ہلکی

پھلکی بات چیت اور سلام دعا رہنے لگی تھی۔

''وعلیکم السلام، میں ٹھیک ہوں آپ سنائیں؟'' شہوار ہلکا سا مسکرائی۔

''اللہ کا کرم ہے یہ لڑکی کون تھی میں سن تو نہیں سکا لیکن دیکھ رہا تھا وہ آپ سے کافی الجھ رہی تھی خیریت تھی نا۔'' شہوار ہلکا سا مسکرائی۔

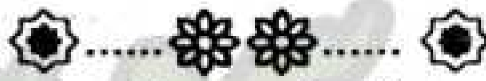
''جی بالکل، یہ مصطفیٰ کی کزن ہے کچھ موڈی سی ہیں اکیلے شاپنگ پر آنا چاہتی تھیں لیکن ہمارے خاندان میں اس کا رواج نہیں زبردستی اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے جس پر وہ خفا ہے۔'' شہوار نے ہنس کر بتایا۔

''اوہ آئی سی۔''

''کچھ زیادہ ہی موڈی ہیں۔ اس طرح پبلک پلیس میں اس طرح کا رویہ رکھنا اور اونچی آواز میں بات کرنا اخلاقیات کے دائرے میں تو نہیں آتا میں سمجھا کہ شاید کوئی لڑائی جھگڑا چل رہا ہے سوچا مدد ہی کردوں۔'' شہوار ہنس دی۔

''آپ کو میں لڑائی جھگڑے کرنے والی لڑکی لگتی ہوں کیا؟''

''بالکل نہیں لیکن مقابل کے تیور دیکھ کر ضرور لگا تھا کہ فوراً سے پیشتر ضرور ہاتھ اٹھا دینے والی ہیں لیکن خیریت رہی۔'' شہوار ایک گہرا سانس لے کر مسکرا دی۔



ایاز تھوڑا سا مزید آگے بڑھا لیکن شہوار اور ہاشم کو ایک ساتھ کھڑے دیکھ کر چونکا تھا۔

''دونوں اس وقت یہاں؟'' اسے کچھ سمجھ نہیں آئی تھی۔

ہاشم ایک نڈر، بہادر اور بے خوف وخطر کسی کی بھی مدد کے لیے کود پڑنے والا انسان تھا۔ ہاشم سے ہونے والا آخری جھگڑا وہ ابھی بھی بھولا نہ تھا۔ وہ اگر اس وقت آگے بڑھتا یقیناً معاملہ خراب ہوسکتا تھا جبکہ اس بار وہ سب کچھ بہت پلاننگ سے کرنا چاہتا تھا اس قدر کامیابی سے کہ کسی بھی قسم کی شکست کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اس نے اس وقت ان دونوں کے پاس جانے کا خیال ترک کردیا تھا۔ وہ خاموشی سے چلتا ہوا اسی طرف چلا آیا تھا جہاں دوسری لڑکی گئی تھی کچھ دیر کی تلاش کے بعد اسے وہ لڑکی ایک شاپ سے بڑا سا شاپنگ بیگ اٹھائے نکلتی دکھائی دی وہ چلتی ہوئی اس طرف آرہی تھی۔ ایاز نے ایک پل کو اسے دیکھا تھا۔ وہ بے انتہا خوب صورت لڑکی تھی اور خوب صورت لڑکیاں اسے بہت اٹریکٹ کرتی تھیں۔

وہ تیزی سے آگے بڑھا اور پھر اس لڑکی کے پاس سے گزرتے اس نے اس لڑکی سے ٹکرانے کا ڈرامہ کیا تھا لڑکی ایک دم دائیں طرف گری تھی اس کا بیگ اور شاپنگ بیگ بھی زمین پر گر گئے تھے۔

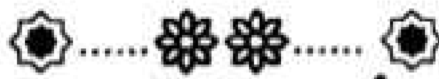
''ہاؤ ڈیئر یو۔'' وہ لڑکی چلائی۔

''ایم سوری میم، ایم سو سوری۔'' ایاز ایک دم اس کے پاس رکا تھا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھنے میں مدد دی اور پھر شولڈر بیگ اور شاپنگ بیگ بھی اٹھا کر اسے تھمائے تھے۔

''پاؤں پھسل گیا تھا اور آپ سے ٹکرا گیا۔'' چہرے پر حد سے زیادہ معصومیت طاری تھی۔ دریہ نے اپنے غصے پر کنٹرول کرتے اسے گھورا اور پھر چلنے لگی۔

''آیئے میں آپ کو باہر تک چھوڑ آتا ہوں۔'' اس نے کہا تو دریہ نے کوئی ریسپانس نہیں دیا وہ چلتی ہوئی اسی طرف آگئی جہاں وہ شہوار سے الجھ کر اکیلی اس طرف آئی تھی۔ شہوار ابھی بھی وہی تھی لیکن ایک طرف رکھے بینچ پر

بیٹھی ہوئی تھی ایک لڑکا اس کے پاس کھڑا تھا۔
کافی اٹریکٹیو اور ڈیسنٹ لڑکا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے کوئی بات بھی کررہے تھے وہ چونکی تھی۔
"یہ کس سے بات کررہی ہے؟" وہیں رک کر وہ بڑبڑائی۔
"یہ لڑکا اس لڑکی کا کلاس فیلو ہے۔" ایاز نے اس کی بڑبڑاہٹ کے جواب میں بتایا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی۔
"تم جانتے ہو اس کو؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔
"بہت اچھی طرح۔" وہ نفرت سے شہوار کو دیکھتے بولا۔
"یہ میرے کزن کی وائف ہے۔" انداز میں نفرت اور جلن کے جذبات تھے وہ مسکرایا۔
"اوہ......" وہ ریلیکس ہوا تھا۔
"اس لڑکے اور اس لڑکی کا کالج میں بڑا زبردست افیئر چلا تھا میں بھی اسی کالج میں پڑھتا ہوں لیکن پھر اس لڑکی نے شادی کرلی لیکن دونوں کی محبت اب بھی برقرار ہے۔"
"اوہ......" ایاز کے الفاظ پر وہ حیران ہورہی تھی۔
"لیکن یہ ایسی لگتی تو نہیں؟" وہ بڑبڑائی۔
"اچھی صورتوں پر مت جائیں بعض اوقات اچھی صورتوں کے پیچھے بھی برے چہرے چھپے ہوتے ہیں۔ آپ اس بات سے ہی اندازہ لگالیں کہ ایک عام سی لڑکی ہونے کے باوجود وہ ایک بہت بڑے خاندان کی بہو بنی ہوتی ہے کیسے؟" دریہ نے حیرانی سے پلٹ کر ایاز کو دیکھا
"بہو تو تم بھی بن سکتی تھیں مگر......!"
"کون ہو تم۔"
"یہ چھوڑو، اگر تم واقعی اس لڑکی کو اپنے رستے سے ہٹانا چاہتی ہو تو اس نمبر پر رابطہ کرلینا میں تمہارے کام آسکتا ہوں۔" اس نے جیب سے ایک کارڈ نکالا تھا اس پر ہاتھ سے ایک نمبر لکھا یہ اس پلازہ کی شاپ کا کارڈ تھا لیکن یقیناً نمبر ان کا نہ تھا۔ نمبر دیکھ کر اندازہ ہوگیا تھا کہ کچھ پل پہلے ہی یہ نمبر لکھا گیا تھا۔ دریہ نے کارڈ لے لیا تھا۔
"لیکن پھر بھی تم کون ہو، اتنا سب کچھ کیسے جانتے ہو؟" دریہ الجھی ہوئی تھی۔ ایاز مسکرادیا۔
"کہا نا اس کو چھوڑیں، ویسے بھی آپ کو آم کھانے سے غرض ہونی چاہیے پیڑ گننے سے نہیں بیسٹ آف لک میں آپ کی کال کا انتظار کروں گا۔" وہ کہہ کر وہاں سے تیزی سے ایک طرف نکل گیا اور دریہ حیرت سے اس عجیب و غریب شخص کو دیکھ رہی تھی۔



ولید آفس میں تھا جب اسے کال آئی وہ آفس سے نکلا اور سیدھا اس آدمی کے پاس پہنچا گیا تھا سلام دعا کے بعد اس نے اسے تمام ڈیٹیلز کی لسٹ تھمادی تھی۔
"آپ کے دیے گئے نمبر سے ہونے اور کی جانے والی تمام کالز کا یہ ریکارڈ ہے۔ ٹائمنگ ڈوریشن ہر چیز موجود ہے۔" اس آدمی نے بتایا۔
"اور لوکیشن؟"
"وہ بھی درج ہے، جن ڈیٹس کی کالز کا آپ نے اسپیشلی کہا تھا میں نے اس پر ریڈ مارک لگادیا ہے۔ زیادہ تر

اس پر کال ریسیو کی گئی ہیں۔'' اس آدمی نے ایک مارک شدہ نمبر پر انگلی رکھی۔
''یہ نمبر رجسٹرڈ نہیں تھا، آج کل یہ نمبر بند ہے۔'' اس نے مزید بتایا۔ ولید نے بغور دیکھا اور پھر اس کے سامنے درج لوکیشن۔
وہ ایک پل کو چونکا تھا اس نے جلدی سے اس نمبر پر آنے والی تمام کالز کو دیکھنا شروع کردیا تھا مختلف لوکیشنز تھیں مگر کئی کالز پر سیم صرف وہی لوکیشن تھی جس پر وہ چونکا تھا۔
''اگر آپ چاہیں تو وائس ریکارڈ بھی مل سکتا ہے۔'' آدمی نے کہا تو ولید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
''تھینک یو سوچ ابھی تو ہم اس ریکارڈ سے چیک کرلیں اگر ہمیں ضرورت پڑی تو وائس ریکارڈ بھی طلب کرسکتے ہیں۔'' وہ لسٹ لے کر کھڑا ہوگیا۔ وہ ابھی گاڑی میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ اس کے موبائل پر صبوحی پھپو کی کال آنا شروع ہوگئی۔
''جی پھپو۔''
''گاڑی خراب ہوگئی ہے احسن کو کال کی تھی کہہ رہا تھا تم آفس سے نکل چکے ہو مجھے بھی پک کرلو۔''
''اوکے میں آتا ہوں۔'' وہ کال بند کر کے ہاتھ میں تھامی لسٹ ڈیش بورڈ پر رکھ کر گاڑی ڈرائیو کرنے لگا تھا۔
لیکن ذہن میں ایک جنگ سی چھڑی ہوئی تھی کئی بار وہ اوورٹیک کرتے کسی گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔
وہ پھپو کی بتائی گئی جگہ پر پہنچا تو پھپو منتظر تھیں۔ اس نے ان کو پک کیا۔
''آج جلدی بوتیک سے نکل آئی ہیں طبیعت ٹھیک ہے۔'' اس نے پوچھا تو انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔
''بس سر میں شدید درد تھا انا کی پریشانی کچھ اور سوچنے ہی نہیں دیتی۔'' وہ غم زدہ سی تھیں۔ ولید کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہوگیا تھا۔
''وہ اپنا اچھا برا سب سمجھتی ہے وہ کوئی کم سن نہیں ہے اس نے اتنا بڑا فیصلہ کچھ سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا آپ ٹینشن نہ لیں مصطفیٰ کی پھپو اور ان کی فیملی ایک قابل بھروسہ لوگ ہیں آپ پریشان نہ ہوں۔''
''اور تم......؟'' انہوں نے ایک دم اسے دیکھا۔
''کیا تمہیں کوئی دکھ نہیں۔'' ان کے الفاظ پر ولید نے لب بھینچ لیے تھے۔
''دکھ......!'' اس نے ایک پل کو سوچا۔
''میں پریکٹیکل انسان ہوں پھپو، جذبات اور احساسات کا تابع ہونے کے باوجود میں حقیقت پسندی پر نگاہ رکھتا ہوں جذباتی اور ایموشنل ہونا ایک فطری امر ہے اس سے بچ نہیں سکتا لیکن زبردستی کسی سے رشتہ جوڑنا بھی مجھ جیسے غیرت مند انسان کو زیب نہیں دیتا۔ مجھے اپنی سیلف ریسپیکٹ ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ جس پر کوئی سمجھوتہ نہیں۔'' ولید کی بات سن کر وہ سسکنے لگی تھیں۔
ولید نے گاڑی کی اسپیڈ سلو کرتے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تسلی دینا چاہی تھی۔ تبھی ایک بائیک تیزی سے ان کے رستے میں آئی تھی ولید کا دھیان بھٹکا اور اس سے پہلے کہ گاڑی بائیک سے ٹکراتی ولید نے تیزی سے اسٹرینگ گھمایا لیکن گاڑی کا توازن بگڑ چکا تھا۔
گاڑی فٹ پاتھ سے ٹکراتے سائیڈ پر موجود چیزوں کو روندتے ایک عمارت سے جا ٹکرائی تھی گاڑی ایک سائیڈ کو لڑھک گئی تھی۔
''ولید......ولی......!'' صبوحی بیگم کی چیخیں پوری گاڑی میں گونج رہی تھیں۔

ماموں اور سہیل دونوں نے ابوبکر سے بات کی تھی وہ قائل ہوا تھا یا نہیں رابعہ بے خبر تھی البتہ ماموں اور سہیل کے ہمراہ ہادیہ کے ہاں گئی تھی۔

ماموں نے ہادیہ کے والد کو ابوبکر کا رشتہ دیا تھا ماموں ایک سمجھدار انسان تھے انہوں نے بڑے سلجھے ہوئے انداز میں ہادیہ کی پسندیدگی کو بھی واضح کر دیا تھا۔ ہادیہ کا باپ الجھا تھا ماں البتہ خاموش تھی۔ رابعہ ہادیہ کے پاس آئی تو وہ پریشانی سے کمرے میں ٹہل رہی تھی۔

''میں بہت پریشان ہوں رابعہ۔'' رابعہ کے ہاتھ تھام کر وہ بولی۔

''ڈونٹ وری ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس نے تسلی دی تو وہ چند لمحے بغور رابعہ کو دیکھے گئی۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟''

''دیکھ رہی ہوں کہ دوست تم جیسی بھی ہوتی ہے۔'' اس کی آواز رندھ گئی تو رابعہ نے اسے گلے سے لگا لیا۔

''سب بھول جاؤ بس یہ یاد رکھو کہ ابوبکر تمہارا تھا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔''

''میں بہت زیادہ گلٹ محسوس کر رہی ہوں۔''

''کیوں بھئی؟'' اس نے جدا ہو کر گھورا۔

''دو دن بعد تمہاری شادی تھی۔'' ہادیہ نے کہا۔

''لیکن اب نہیں ہوگی۔''

''اور مجھے علم ہے میں جو بھی کر رہی ہوں سب اچھے کے لیے کر رہی ہوں تم میری بہن جیسی ہو تمہاری محبت، تمہارے احساسات مجھے اپنے ذات سے بڑھ کر عزیز ہیں۔'' اس کے آنسو صاف کرتے اس نے تسلی دی۔

''بابا مان جائیں گے نا؟'' وہ ابھی بھی خوف زدہ تھی۔

''ان شاء اللہ وکیل اچھا ہونا چاہیے مقدمہ جیتنا قطعی مشکل نہیں۔'' وہ مطمئن تھی ہادیہ کا دل ٹھہرنے لگا۔

''اور تمہاری شادی؟''

''وہ بھی ہو جائے گی جب اس کا وقت آئے گا۔ ابھی تم اپنی شادی کو انجوائے کرو اگر تمہارے والد مان جاتے ہیں تو دو دن بعد اس تاریخ کو ہم تمہارے نکاح کے لیے آئیں گے رخصتی بعد میں۔''

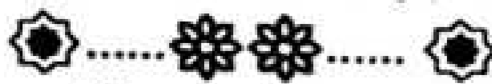
''یہ نمبر رکھ لو ابوبکر کا نمبر ہے تمہارے کام آئے گا۔'' رابعہ نے اسٹڈی ٹیبل پر سے ایک صفحہ نکال کر نمبر لکھ کر کاغذ اسے تھمایا۔ ہادیہ نے نمبر دیکھا اور پھر مسکرا دی۔

''تھینک یو سو مچ، میں عمر بھر تمہارا یہ احسان نہیں بھول پاؤں گی۔''

''احسان نہیں کر رہی میں کوئی۔'' رابعہ ایک دم برا مانی۔

''میں دوستی کا حق ادا کر رہی ہوں۔'' ہادیہ ممنون ہوئی۔

''میں واقعی خوش قسمت ہوں کہ مجھے تم جیسی محبت کرنے والی ایک مخلص دوست ملی، میں جتنا بھی تم پر فخر کروں کم ہے۔'' وہ محبت سے مغلوب ہو کر پھر سے رابعہ کے گلے لگی اور رابعہ نے مسکرا کر اس کی پیٹھ تھپکی۔



وہ زیبن سے ملنے آئے تھے زیبن کافی تر و تازہ اور صحت مند لگ رہی تھی۔ اس کو خوش دیکھ کر چوہدری حیات علی کے اندر سیروں خون بڑھا تھا۔ دونوں نے مل کر اپنے بچے کے لیے ڈھیروں شاپنگ کی، مستقبل کے خواب

سجائے تھے۔ وہ زیب النساء کو ہر دم ہنستا مسکراتا اور خوش دیکھنا چاہتے تھے سو وہ ہر کام کرتے جو ان کی زیبن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کے نغمے سجادے۔ وہ اسے لے کر اپنے دوست سبحان احمد کے گھر بھی گئے تھے۔ ان لوگوں نے اب واپس امریکہ چلے جانا تھا وہ جس مقصد کے لیے پاکستان آئے تھے وہ مقصد بھی پورا نہیں ہوا تھا وہ دونوں بے مراد ہی واپس لوٹنے والے تھے۔

حاجرہ (سبحان کی بیوی) غم زدہ تھی۔ زیب النساء اس کی دل جوئی کرتی رہی تھی۔ چوہدری حیات علی دو ہفتے زیبن کے ساتھ شہر میں رہے اور ان دو مہینوں میں وہ دونوں میاں بیوی ہر دوسرے دن سبحان کے ہاں چلے جایا کرتے تھے۔ سبحان کے گھر جوائنٹ فیملی سسٹم تھا جبکہ امریکہ میں وہ علیحدہ سیٹل تھا۔

دوسری طرف سبحان بھی حاجرہ کو لے کر چکر لگاتا رہتا تھا۔

سبحان کی فیملی اس پر دوسری شادی کر لینے پر زور دے رہی تھی جبکہ وہ حاجرہ سے بہت محبت کرتا تھا وہ حاجرہ کو دکھ نہیں دینا چاہتا تھا سو گھر والوں کی ضد کے سامنے ڈٹا ہوا تھا۔

زیبن کے لیے یہ دن بہت خوش گوار تھے اتنے دنوں کے بعد چوہدری حیات اس کے پاس رکے تھے۔ وہ اپنے آپ کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھ رہی تھی۔

اگلی صبح حیات علی نے چلے جانا تھا زیب النساء افسردہ تھی بستر پر بیٹھی گھٹنوں کے گرد کہنیاں لپیٹے وہ خاموشی سے حیات علی کو اپنا بیگ تیار کرتے دیکھ رہی تھی۔

حیات علی نے یہاں سے اپنی بیوی بچوں کے لیے بہت ساری خریداری کی تھی حیات علی اپنی بیوی زبیدہ کو شمالی علاقہ جات کی سیر وتفریح کا بتا کر آئے تھے اب واپسی پر تحائف تو لازمی تھے۔ پیکنگ کرتے حیات علی نے زیب النساء کو دیکھا تو رک گئے۔

''خاموش کیوں ہو؟'' وہ اس کے پاس آ بیٹھے تھے ہاتھ تھام کر محبت سے پوچھا۔

''آپ کی بیوی کیسی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''کیوں؟''

''کیا وہ میرے جیسی خوب صورت ہے؟'' وہ کیوں کا جواب دے رہی تھی۔ حیات علی مسکرائے محبت سے دونوں ہاتھ میں چہرہ تھام کر اس پر جھک کر پیشانی پر مہر محبت ثبت کی۔

''نہیں، تم دنیا کی سب سے خوب صورت ترین لڑکی ہو۔''

''تو پھر آپ اس کے پاس زیادہ کیوں جاتے ہیں؟'' اس کی عمر جیسے اس کے سوالات تھے۔

''دیکھو زیبن وہ میری خاندانی بیوی ہے۔ اس کے پاس جانا میری مجبوری ہے۔''

''وہ خاندانی بیوی ہے تو میں کیا ہوں؟''

''خاندانی بیوی۔'' کے الفاظ زیبن کے ذہن پر ہتھوڑے کی طرح لگے تھے۔ حیات علی ایک دم سنبھلے تھے۔

''تم تو میری جان ہو، میری محبت ہو۔'' انہوں نے اسے بہلانا چاہا تھا لیکن اس کا ذہن بھٹک گیا تھا۔

''آپ اپنے بچوں سے بہت محبت کرتے ہیں نا؟''

''سبھی والدین اپنے بچوں سے محبت کرتے ہیں یہ فطری جذبہ ہے دیکھنا جب ہمارا بچہ ہوگا نا تو ہم اس سے بھی بہت محبت کریں گے۔''

''لیکن میں اور میرا بچہ آپ کی اس خاندانی بیوی اور ان کے بچے کے برابر تو نہیں ہو سکتے نا۔'' اس نے ذہن

میں انکی بات کہہ دی تھی حیات علی نے گہرا سانس لیا۔

''ایسا کچھ نہیں، میں بابا صاحب سے بات کرچکا ہوں میں اس وقت ادھر تمہارے پاس ہوں ان کو بتا کر آیا تھا میں بس اس وقت کا انتظار کررہا ہوں جب وہ خود سے تمہیں میری بیوی قبول کرلیں میں تو اسی دن تمہیں اپنے ساتھ حویلی لے جاؤں گا۔'' حیات علی کا انداز اٹل تھا۔

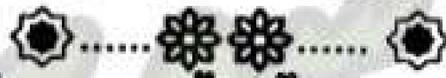
''اور اگر انہوں نے مجھے قبول نہ کیا تو؟'' زیبن کے انداز میں خوف تھا حیات علی نے گہرا سانس لیا۔

''تو میں تمہیں قبول کرچکا ہوں کوئی قبول کرتا ہے یا نہیں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا یہ ہمارا بچہ ہوگا اس کی بھی وہی حیثیت ہوگی جو میرے باقی بچوں کی ہوگی۔'' ان کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔

''اور اگر آپ کے بابا صاحب نے آپ کو مجھے چھوڑ دینے پر مجبور کردیا تو؟'' اس کے اندر کے خوف ختم ہی نہیں ہورہے تھے انہوں نے بے اختیار اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

اس بات سے تو وہ بھی خوف زدہ تھے بابا صاحب ابھی خاموش تھے اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ بابا صاحب کی خاموشی کبھی بے جا نہیں ہوتی۔

''میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا، میں جہاں کہیں بھی ہوں تم بس ایک آواز بھی دوگی میں چلا آؤں گا حیات علی تمہارا اور تمہارا ہی رہے گا دنیا کی کوئی بھی طاقت اسے تم سے جدا نہیں کرسکتی۔ دل سے ہر طرح کے وسوسے نکال دو بابا صاحب کو اپنے اکلوتے بیٹے کی ضد ماننا ہی ہوگی ورنہ پھر جو فیصلہ ہوگا وہ پچھتائیں گے۔''



وہ دونوں گاڑی میں تھیں شہوار مسلسل دریہ سے لاتعلق تھی۔ دریہ نے کئی بار اسے دیکھا تھا جبکہ ڈرائیور خاموشی سے گاڑی چلارہا تھا۔ شام ہورہی تھی۔

''وہ لڑکا کون تھا؟'' دریہ نے پوچھا تو شہوار نے پلٹ کر دیکھا۔

''کون؟''

''وہی جو پلازہ میں تمہارے ساتھ کھڑا تھا۔'' اس کا انداز طنزیہ تو شہوار کی بھنویں تن گئی۔

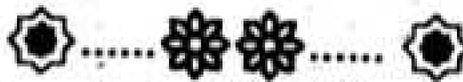
''تم سے مطلب؟'' دریہ طنزیہ مسکرائی۔

''مطلب تو بہت گہرا ہے تم مانو یا مانو...... ویسے تھا کافی ہینڈسم وہ لڑکا۔'' شہوار نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

اسی اثنا میں گھر آگیا تھا دریہ خاموش ہوگئی تھی۔ گاڑی رکی تو شہوار فوراً دروازہ کھول کر اترنے لگی تھی۔

''سنو......!'' شہوار رکی۔

''ویسے آج تمہارے ساتھ شاپنگ کرکے بہت مزہ آیا تھینکس۔'' وہ کہہ کر دوسری طرف سے نکل گئی اور شہوار اسے جاتے دیکھا۔



وہ کالج سے لوٹی تو سیدھی اپنے کمرے میں آگئی چینج کرکے وہ باہر آئی تھی وہ آج کالج میں کافی بزی رہی تھی سو فارغ ہوتے ہوتے کافی لیٹ ہوگئی تھی۔

وہ کچن میں چلی آئی، بہت زوروں کی بھوک لگی تھی بہت دنوں بعد اس کا معدہ کچھ کھانے کو طلب کررہا تھا ورنہ دو دن سے وہ عجیب ماتمی انداز میں جی رہی تھی اگر کالج جانے کی مجبوری نہ ہوتی تو شاید وہ کمرے میں بند ہوکر رہ جاتی۔

وہ ابھی کھانا شروع کرنے ہی والی تھی جب باہر ٹیلی فون کی تیز گھنٹی بجی تھی۔ اس کا ہاتھ رک گیا تھا۔ اب تو جب بھی فون بجتا تھا اس کے دل کی دھڑکن رکنے لگتی تھی۔

لیکن فون تھا کہ بجتا ہی جارہا تھا روشی نجانے کہاں تھی پھر وہ اٹھ کر باہر آئی تھی۔ لاؤنج میں رکھا فون مسلسل بج رہا تھا اس نے ریسیور اٹھایا تو ہاتھ لرز رہے تھے۔

''ہیلو۔''

''میں احسن بول رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے احسن تھا۔ انا کو لگا اس کی سانسیں ایک دم بحال ہوئی ہوں۔

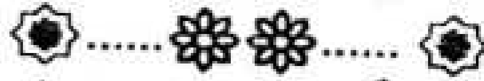
''جی بھائی۔''

''ماموں اور روشی کہاں ہیں؟'' احسن نے پوچھا۔

''دونوں شاید اپنے کمرے میں ہیں۔''

''اچھا بہت دھیان سے سنو۔'' احسن بھائی دوسری طرف کچھ کہہ رہے تھے انا کو لگا کہ جیسے اس کا وجود بالکل بے جان سا ہو گیا ہو۔

''انا...... سن رہی ہونا...... انا......!'' دوسری طرف سے احسن بھائی کہہ رہے تھے اور کمزور دل انا کے ہاتھوں سے ریسیور پھسل گیا تھا۔

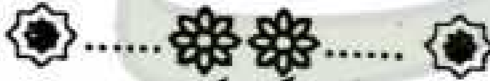


دریہ بہت خوش تھی وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس نے اپنا بیگ کھولا وہاں وہ کارڈ موجود تھا جو پلازہ میں ملنے والے لڑکے نے دیا تھا۔ اس کے دل میں ایک کھوج تھی ایک تجسس تھا۔ آخر وہ لڑکا کون تھا؟ وہ اتنا کچھ کیسے جانتا تھا؟

''اگر تم واقعی اس لڑکی کو اپنے رستے سے ہٹانا چاہتی ہو تو اس نمبر پر رابطہ کر لینا میں تمہارے کام آ سکتا ہوں۔'' الفاظ بار بار ذہن کے پردے پر دستک دے رہے تھے۔

''بہو تو تم بھی بن سکتی تھیں مگر......!'' دریہ کو لگا گویا ان الفاظ سے اس کے اندر بارود سا بھر گیا ہو۔

''اصل کہانی تو اب شروع ہو گی شہوار میڈم اب دیکھتی جاؤ کیا کرتی ہوں میں۔'' بہت طنزیہ مسکرا کر اس نے کارڈ پر درج نمبر اپنے موبائل پر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔



مصطفیٰ آفس سے لوٹا تو کچھ الجھا ہوا تھا آج کل وہ کسی کیس میں بزی تھا اور مسلسل گھر سے غائب تھا گھر میں ٹکا بھی تو بہت کم رات میں بھی یہی شیڈول تھا۔ وہ گھر آیا اور آتے ہی مختلف جگہ نمبرز ملانے لگا تھا۔ شہوار اس کی اس روٹین سے الجھی ہوئی تھی اندر ہی اندر مصطفیٰ کی اس قدر بزی روٹین پر خفا بھی تھی لیکن زبان سے کچھ نہیں کہہ رہی تھی۔ مصطفیٰ کمرے میں آیا تب بھی موبائل اس کے کان سے لگا ہوا تھا۔

''ہاں ٹھیک ہے، تم ان پر کڑی نگاہ رکھو میں کچھ دیر میں پہنچ جاؤں گا۔'' نجانے کس کو کہہ رہا تھا اسے سلام بھی اشارے سے ہی کیا تھا۔

شہوار جو کچھ دیر قبل مغرب کی نماز پڑھ کر بیٹھی تھی اسی طرح انگلیوں پر تسبیح پڑھ رہی تھی اسے دیکھ کر سنجیدہ ہی رہی تھی۔

''مجھے کپڑے نکال دو میں ذرا ہاتھ لے لوں۔ کوئی شلوار قمیص نکالنا۔'' مصطفیٰ اسے کہہ کر تیزی سے واش روم

میں گھس گیا تھا۔

شہوار تسبیح ملتوی کرتے ہاتھ دعا کے انداز میں منہ پر پھیرتے بستر سے اتری اور الماری کھول کر مصطفیٰ کے استری شدہ کپڑے سفید شلوار قمیص نکال کر دوبارہ بستر پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد مصطفیٰ کا موبائل پھر بج رہا تھا اس نے کال پک کی تھی۔

''تم ان کو فالو کرو میں کچھ دیر میں پہنچ جاؤں گا۔'' اس نے کہہ کر کال کاٹی اور پھر تیزی سے کپڑے اٹھا کر واپس واش روم میں گھس گیا۔ شہوار سنجیدگی سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔

مصطفیٰ لباس بدل کر باہر نکلا تو شہوار بستر سے اتر کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''یہ سب کیا ہے؟'' انداز میں غصہ تھا۔

''کیا ہے؟'' اس نے الٹا پوچھا انداز میں شرارت تھی۔

''ابھی آئے ہیں اور فوراً واپس چل دیے ہیں کچھ علم بھی ہے دو دن سے ہم دونوں نے ٹھیک سے ایک دوسرے کی شکل تک نہیں دیکھی بات کرنا تو دور کی بات ہے۔'' وہ غصے سے کہہ رہی تھی۔ مصطفیٰ مسکرا دیا۔

''بزی ہوں یار۔'' اسے بازو کے حصار میں لیتے اس نے بہلانا چاہا۔ جانتا تھا کہ وہ اس روٹین سے کتنی فیڈ اپ ہو جاتی ہے بلکہ خوف زدہ۔

''بات نہیں کریں مجھ سے، سارا وقت ڈرتے خوف کھاتے گزر جاتا ہے کہ پتا نہیں کہاں ہیں کیا کر رہے ہیں۔ اوپر سے دو دن سے غائب ہیں مسلسل۔'' شہوار کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس سے لڑ پڑے۔

''دیکھو شہوار۔'' مصطفیٰ نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن اس کا موبائل پھر بج اٹھا۔

''دیکھو پھر کال آ گئی میں لیٹ ہو رہا ہوں یار واپسی پر بات ہوگی۔'' وہ تیزی سے ہاتھ چلانے لگا۔ بال بنا کر خود پر پرفیوم چھڑک کر اس نے جوتا بدلا تھا۔ اس وقت ایک جاگیردار کے روپ میں تھا۔

شہوار منہ پھلائے لب بھینچے کھڑی تھی۔ مصطفیٰ نے اپنا موبائل اٹھایا تو ٹون بجی تھی۔ کوئی انجان نمبر تھا۔ اس نے اوپن کیا تھا لیکن پھر ساکت ہو گیا تھا۔

موبائل پر ایک تصویر تھی۔ ایک چہرے کو تو وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا اور دوسرا چہرہ مصطفیٰ نے پلٹ کر شہوار کو دیکھا تھا وہ ہنوز منہ پھلائے رخ موڑے کھڑی تھی۔

''تم آج کہاں تھیں؟'' اس کا انداز سنجیدہ تھا۔

''آپ سے مطلب؟'' شہوار خفا تھی بدتمیزی سے کہا۔ مصطفیٰ کے چہرے کے تیور بدلے تھے۔

''جو پوچھا ہے وہ بتاؤ۔'' انداز میں سختی تھی شہوار نے غصے سے دیکھا۔

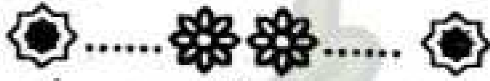
''کیوں بتاؤں، آپ کہاں جاتے ہیں کہاں ہوتے ہیں مجھے تو کبھی نہیں بتایا۔'' وہ آج پہلی بار مصطفیٰ سے کسی معاملے میں بحث کر رہی تھی اور وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا یہ خفا انداز اور بحث کرتا لہجہ اس کی زندگی کو ایک بہت ہی بھیانک موڑ تک لے جانے والا ہے۔

''شٹ اپ۔'' مصطفیٰ ایک دم زور سے چیخا۔ شہوار ایک دم چونکی اور مصطفیٰ کے تیور...... مصطفیٰ کا انداز...... اس کا لہجہ...... اس کی آنکھوں کی گرمی......

''کہ...... کہ...... کیا ہوا ہے؟'' وہ ایک دم ساری ناراضگی بھلا کر بولی۔

''تم......'' وہ کچھ کہنے والا ہی تھا کہ اس کا موبائل پھر بج اٹھا۔

مصطفیٰ نے بہت ناراضگی سے موبائل کو دیکھا اور پھر اسے جیب میں ڈال کر پلٹا۔
''کیا ہوا ہے، ایسے کیوں جا رہے ہیں؟'' شہوار ایک دم پیچھے بھاگی تھی۔
مصطفیٰ بغیر کچھ کہے تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے سے نکلا تھا وہ بھی پیچھے بھاگی تھی راہداری میں جا کر فوراً راستہ روکا تھا وہ ننگے پاؤں تھی دوپٹہ کندھے پر جھول رہا تھا۔
''کیا ہوا ہے، بتائیں تو صحیح؟'' وہ روہانسی ہوئی۔ اس نے مصطفیٰ کی محبت کو بادل کی طرح برستے دیکھا تھا یہ تیور، یہ لہجہ، یہ انداز تو کبھی بھی نہ تھا۔
''مجھے دیر ہو رہی ہے شہوار، رستہ چھوڑو۔'' وہ سختی سے بولا تھا۔
''نہیں، پہلے بتائیں کہ کیا ہوا ہے؟'' وہ لاڈ سے مصطفیٰ کے کندھے پر دونوں ہاتھ رکھ کر بولی۔
''کچھ نہیں ہوا، جاؤ یہاں سے۔'' بے دردی سے اس کا ہاتھ جھٹک کر اسے پیچھے دھکیلتے وہ تیز تیز قدم اٹھاتے باہر نکل گیا تھا۔ شہوار حیرت سے گنگ اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔
مصطفیٰ کو یہ ایک دم کیا ہوا تھا؟ وہ بھلا ایسا کیوں کر رہا تھا۔ وہ صدمے سے گنگ تھی۔
دائیں کندھے پر دوپٹا لیے ننگے پاؤں آنکھوں میں آنسو سموئے وہ عجیب بے یقین انداز میں کھڑی تھی۔
''چہ...... کیا ہوا؟'' دریہ نجانے کہاں سے نکل کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ اور آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔
''مصطفیٰ چھوڑ کر چلا گیا کیا؟'' اس نے جھک کر پوچھا تو شہوار کا دل ایک دم دہل اٹھا تھا۔
''اللہ نہ کرے۔'' وہ بڑبڑائی تھی ایک بہت تلخ نگاہ دریہ پر ڈال کر وہ پلٹی تھی۔ دریہ کی بات نے اس کے دل کو بڑے عجیب سے انداز میں چھوا تھا۔ دریہ جیسی بدزبان لڑکی کے منہ لگنا بھی اب اپنی توہین سمجھتی تھی۔
''سنو۔'' شہوار نہ چاہتے ہوئے بھی رک گئی تھی۔
''تم اپنا حسن آزماؤ اور ہم اپنی ذہانت آزماتے ہیں پھر دیکھتے ہیں کہ کس کی جیت ہوتی ہے۔'' وہ مزے سے کہہ کر وہاں سے چلی گئی اور شہوار دم بخود اس کے الفاظ کا پس منظر جاننے کی کوشش میں لگ گئی تھی۔



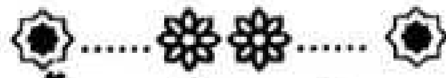
''تم ایک دو ٹکے کی لڑکی کے لیے ہماری خاندانی بیٹی کو اذیت کی سولی پر لٹکاؤ گے۔'' وہ واپس لوٹے تو بابا صاحب نے طلب کر لیا تھا۔
''دو ہفتے اس حرافہ کے پاس گزار کر آئے ہو اگر تم اس بھول میں ہو کہ ہم تمہاری ضد پر سر جھکا کر اسے قبول کرلیں گے تو یہ تمہاری بھول ہے ہماری زندگی میں یہ ظلم نہیں ہوگا۔'' وہ غیض و غضب کی تصویر بنے ہوئے تھے۔
''بابا صاحب وہ میری بیوی ہے آئندہ اگر آپ نے اس کے لیے کوئی غلط لفظ استعمال کیا تو......!'' کچھ جذباتیت میں کہتے کہتے وہ رک گئے تھے۔
بابا صاحب ایک دم بپھرے شیر کی طرح حیات علی کی طرف بڑھے تھے۔
''تو کیا کرو گے تم ہمیں جان سے مار ڈالو گے لو، مارو ہمیں لو پکڑو ہم بھی دیکھتے ہیں ہمارے ہی بل بوتے پر پروان چڑھنے والے اس خون میں کتنا دم خم ہے۔'' ہاتھ میں پکڑی لاٹھی کو زبردستی حیات علی کو پکڑاتے وہ چیخے تھے۔ حیات علی ساکت سے ہو گئے تھے۔
''ایک بدکردار عورت کے پاس جانے کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ آج تم ہمارے منہ کو آ رہے ہو، باپ کو دھمکیاں دے

رہے ہو، نجانے کس گندی نالی کا گندہ خون ہے جسے تم اپنی بیوی بنا چکے ہو۔'' باباصاحب حد سے گزر چکے تھے اور حیات علی نے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

''پیسے کی خاطر سب کچھ بیچ دینے والی ان لڑکیوں کی حقیقت میں اچھی طرح جانتا ہوں آئندہ تم اس لڑکی کے پاس نہیں جاؤ گے۔''

''ایک بات طے ہے باباصاحب وہ لڑکی نہ تو کوئی آوارہ ہے اور نہ ہی بدچلن اس کا کردار اتنا ہی شفاف ہے جیسا کہ کسی بھی پاک گھرانے کی لڑکیوں کا ہوسکتا ہے رہ گئی اس سے نہ ملنے کی بات تو اگر میں اس کے پاس نہیں جاؤں گا تو پھر زبیدہ کے پاس بھی نہیں جاؤں گا۔'' وہ بھی ہر طرح کے نتائج سے بے پروا ہو کر کہہ کر پلٹے تھے لیکن وہ پھر ساکت ہوگئے تھے۔ دروازے پر زبیدہ کھڑی تھی۔ حیران پھٹی پھٹی آنکھوں میں بے اعتباری اور مان ٹوٹ جانے کا غم لیے ایک نڈھال عورت۔

باباصاحب بھی چونکے تھے اس سے پہلے کہ دونوں میں سے کوئی آگے بڑھتا زبیدہ ایک دم تیزی سے پلٹی اور دروازہ کھول کر ایک دم باہر نکل گئی تھی۔



انا گم صم سی تھی ولید کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا صبوحی بھی ہمراہ تھیں صبوحی اور ولید دونوں کو کافی گہری چوٹیں آئیں تھیں۔ ولید کے سر پر چوٹ لگی تھی وہ انڈر آبزرویشن تھا جب کہ صبوحی کو کمرے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ ضیاء ماموں صدمے سے نڈھال تھے۔

روشی کی جو کنڈیشن تھی ایسے میں یہ سانحہ عجیب سے حالات میں پھنس گئی تھی احسن نے ہی سب کو سنبھال رکھا تھا وقار صاحب ضیاء صاحب کو متواتر تسلیاں دے رہے تھے جن کی نگاہیں آئی سی یو میں لیٹے وجود کے کمرے کے دروازے پر چسپاں ہوگئی تھیں اور انا وہ پتھر کی طرح ایک طرف کھڑی سب کو دیکھ رہی تھی۔

اس نے چاہا تھا کہ وہ ولید کی زندگی سے نکل جائے لیکن اس نے یہ کبھی نہیں چاہا تھا کہ ولید اس حالت میں اس کے سامنے ہو۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے کسی نے اس کے وجود کو زور سے جھنجھوڑ دیا ہو۔ وہ رونا چاہتی تھی۔ اونچی اونچی آواز میں چیخنا چلانا چاہتی تھی لیکن کچھ بھی نہیں کر پا رہی تھی اس نے ولید سے شادی سے انکار کیا تھا۔ اس کا جرم ثابت تھا۔

وہ بھلا چیختی روتی تو یہ سب لوگ کیا کہتے جن کو اس نے یقین دلایا تھا کہ وہ حماد سے محبت کرتی ہے وہ حماد سے شادی کرنا چاہتی ہے وہ حماد جس کے والدین کو اس کے باپ نے گھر بلا کر رشتے کی بات کی تھی۔ وہ بھلا اب کیا کرتی...... کیسے روتی؟ وہ ساکت سی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

صبوحی کے پاس ایک وقت میں صرف ایک بندے کو ٹھہرنے کی اجازت تھی وہ ابھی ٹرینکولائزز کے زیر اثر تھیں روشی ان کے پاس تھی۔

ولید کی کنڈیشن ہنوز وہی تھی۔ احسن ڈاکٹرز سے مل کر آیا تھا وہ پریشان تھا ڈاکٹرز نے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا وہ واپس آیا تو وقار صاحب کے گلے لگ کر رو دیا۔ باقی سب کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے تھے۔

''کیا ہوا، کیا کہتے ہیں ڈاکٹرز؟'' وقار صاحب نے پوچھا اور ضیاء صاحب ٹکر ٹکر دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ انا کے دل کو عجیب سا احساس ہونے لگا تو وہ بھی قریب آگئی۔

''کیا کہتے ہیں ڈاکٹرز؟'' اس سارے عرصے میں وہ پہلی بار خود سے مخاطب ہوئی تھی۔ ورنہ وہ تو یوں ہوگئی

تھی گویا سب اپنوں میں کوئی اجنبی آ کر رہنے لگا ہو۔
''وہ کوئی امید نہیں دلا رہے، کہتے ہیں دماغ کی چوٹ ہے کور کرلیا تو ٹھیک ورنہ کوما میں چلے جانے کے بھی چانسز ہیں۔''
''نہیں......'' وہ ایک دم منہ پر ہاتھ رکھ کر پیچھے ہٹی تھی۔
''کوما میں چلے جانا۔'' اسے لگا کہ جیسے اس کے جسم سے روح نکلنے لگی ہو، وہ ایک دم دیوار پر ہاتھ ٹکاتے زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔
''ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ بس دعا کریں آپ سب کی دعائیں ہی واپس لاسکتی ہیں اسے۔'' انا کو لگ رہا تھا کہ جیسے یہ سب سننے کی اس میں ہمت نہیں ہے۔
''انا......'' وہ گھٹنوں میں سر رکھے بیٹھی ہوئی تھی۔ روشی کی آواز پر سر اٹھا کر دیکھا تو متوحش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
''کیا ہوا؟'' وہ روشی کے چہرے کو دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔
''تم ٹھیک ہو؟'' بھائی کے غم میں نڈھال وہ اس سے پوچھ رہی تھی کہ وہ ٹھیک ہے۔ ایک دم انا کو لگا کہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی ہوں جیسے۔ وہ بے اختیار اس کے گلے لگ کر سسک اٹھی تھی۔
''ایسا کیوں ہوا؟'' وہ ہچکیوں میں رو رہی تھی۔
''میں نے کبھی نہیں چاہا کہ انہیں کچھ ہو۔'' اس کی سسکیوں میں شدید اضافہ ہوا تھا۔
''انا بس دعا کرو میرے بھائی کو کچھ بھی نہ ہو وہ بچ جائیں گے جیسے صبوحی پھپھو بچ گئی ہیں تم دعا کرو بس۔''
روشی خود بھی رو رہی تھی انا کے وجود کو ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے پہاڑ تلے کچل ڈالا ہو۔
وہ دونوں سسکتی رہی تھیں، ایسا ماحول تھا کہ ضیاء صاحب گم صم سے سب کو دیکھ رہے تھے۔
''احسن! روشی کو گھر لے جاؤ انا اپنی امی کی پاس رک جاتی ہے، ہم دونوں ادھر ہیں ڈاکٹرز اور یہاں کے معاملات ہم دیکھ لیں گے۔'' روشی کو اس طرح روتے دیکھ کر ضیاء صاحب کے اندر عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی تھی انہوں نے دھیمے سے کہا تو وقار صاحب نے بھی دونوں کو دیکھا۔
روشی کا رونا تو سمجھ آ رہا تھا لیکن یہ انا...... یہ کیوں رو رہی تھی۔ ان کے اندر عجیب سی کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ وہ کچھ دیر قبل پتھر کی طرح ساکت تھی تو بھی اس کو دیکھ کر دل کے اندر عجیب سے احساسات پیدا ہو رہے تھے اور اب تو وہ رو رہی تھی۔ انہیں یاد آیا انہوں نے انا کو بہت لاڈ اور ناز و نعم سے پالا تھا۔ احسن سے بڑھ کر پیار دیا تھا پھر نجانے کہاں کمی آ گئی تھی جو اس نے اپنی راہیں خود تلاش کرنا شروع کردی تھی۔ انہوں نے رخ پھیر لیا تھا۔
احسن اور روشی جانے پر آمادہ نہ تھے لیکن زبردستی جانے پر راضی کرلیا تھا ان کے جانے کے بعد انا صبوحی بیگم کے پاس آ گئی تھی۔ صبوحی بیگم کو بہت چوٹیں آئی تھیں، ان کا بایاں ہاتھ بھی فریکچر ہوگیا تھا۔ اس کے علاوہ ونڈ اسکرین ٹوٹنے سے کئی جگہ شیشوں نے بھی زخمی کیا تھا۔ ان کے ہاتھ پاؤں پٹیوں میں جکڑے ہوئے تھے چہرے پر بھی زخم تھے۔ سر پر بھی پٹی تھی تاہم وہ خطرے سے باہر تھیں ولید کی نسبت ان کی حالت قابل رحم تھی۔ نرس وہاں موجود تھی وہ اٹیچ واش روم میں چلی گئی، اس نے نرس سے جائے نماز مانگی جو اس نے کہیں سے لا دی اور پھر وہ رو رو کر اللہ تعالیٰ سے ولید کی زندگی کی دعائیں مانگنے لگی تھی۔



مصطفیٰ دو بجے کے قریب فارغ ہوا تھا اس نے موبائل آف کر دیا تھا۔ یہ ایک اہم کیس تھا جو اس کے ذمہ تھا۔ جس پر وہ دن رات کام کر رہا تھا آج آخر کار یہ تکمیل کو پہنچا تھا' وہ سارے کام نبٹا کر اٹھا تو موبائل آن کیا تو کئی میسجز تھے۔

''مصطفیٰ! کہیں بھی ہو فوراً رابطہ کرو ولید اور ماما کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ بہت سیریس کنڈیشن میں ہیں دونوں۔'' مصطفیٰ کے ایک دم رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسا کوئی میسج اس کا منتظر ہو سکتا ہے۔ میسج رات نو بجے آیا تھا جبکہ وہ شام سات بجے گھر سے نکلا تھا اور گھر سے نکلنے کے بعد اس نے سیل آف کر دیا تھا۔ مصطفیٰ کا ارادہ اب سیدھا گھر جانے کا تھا لیکن یہ میسج پڑھنے کے بعد اس نے عباس بھائی کے نمبر پر کال کی تھی۔ وہ سوئے ہوئے تھے انہیں ساری صورت حال بتا کر انہوں نے فوراً پہنچنے کا کہا اور خود احسن کے نمبر پر کال ملائی' احسن گھر جا چکا تھا اس نے ہاسپٹل کا نام اور ولید کی کنڈیشن بتا دی تھی۔

مصطفیٰ نے عباس کو کال کر کے سیدھا ہاسپٹل پہنچنے کا کہا اور خود اپنی گاڑی پر روانہ ہو گیا تھا۔ وہ جب ہاسپٹل پہنچا وہاں وقار اور ضیاء صاحب کے علاوہ انا ہی تھے۔

''اب کیسا ہے ولید؟'' وقار صاحب نے نفی میں سر ہلایا تو مصطفیٰ کو لگا وہ بالکل ساکت ہو گیا ہے۔ ایک جیتا جاگتا انسان بالکل اس طرح ساکت ہو جائے' زندگی سے ہی منہ موڑ لے۔

وہ ضیاء اور وقار صاحب دونوں کو دلاسہ دینے لگا تھا ضیاء صاحب کی کنڈیشن خود صدمے سے چور قابل رحم تھی۔ عباس بھی کچھ دیر میں پہنچ گیا تھا ساتھ میں مہرالنساء آنٹی بھی تھیں۔

عباس نے ڈرائیور کے ہمراہ ضیاء صاحب کو گھر بھیج دیا تھا' وقار صاحب جانے پر آمادہ نہ تھے۔ مہرالنساء کی آمد سے انا کو ایک ڈھارس سی ملی تھی۔

''شہوار نہیں آئی؟''

''اسے ہم نے بتایا ہی نہیں' خوامخواہ پریشان ہوتی صبح آرام وسکون سے آجائے گی۔'' انا نے محض سر ہلا دیا تھا۔ مہرالنساء ساتھ چائے لائی تھیں انہوں نے زبردستی سب کو چائے پلائی۔ مصطفیٰ خود ہی ڈاکٹرز سے رابطہ کر رہا تھا' بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ عباس کے وجود سے بھی کافی ڈھارس ملی ہوئی تھی سب کو' مصطفیٰ چار بجے کے قریب خود ڈاکٹر کے پاس چلا آیا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب کچھ تو بتائیں آخر کب تک وہ اسی کنڈیشن میں رہے گا؟''

''دیکھیں ہم کوششیں تو کر سکتے ہیں لیکن زندگی اور موت دینے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ہم اس معاملے میں بالکل بے بس ہیں' مریض کو کافی چوٹیں لگی ہیں وہ سب قابل علاج ہیں لیکن سب سے شدید چوٹ ان کے سر کی ہے جس نے ان کے دماغ کو ہٹ کیا ہے۔ ہم اپنی سی کوشش کر چکے ہیں اب اللہ پر چھوڑ دیں' وہی شفا دینے والا ہے۔ اگر صبح تک مریض کو ہوش نہ آیا تو زیادہ چانسز کومہ میں جانے یا پھر دوسری صورت ایکسپائر ہونے کے ہیں۔'' ڈاکٹر نے سب کچھ واضح کر دیا تھا۔

مصطفیٰ کو لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی اس کے دل کو سینے سے نکال کر مسل رہا ہو لمحہ بہ لمحہ موت کی طرف ہوتا یہ سفر رک بھی تو سکتا تھا۔ وہ آئی سی یو کے دروازے تک آیا' آفیسر ہونے کی وجہ سے اسے کافی رعائیت تھی وہ دروازہ کھول کر اندر آ گیا تھا۔ وہاں ایک ڈاکٹر اور نرس موجود تھے۔ مختلف مشینیں اپنا کام کر رہی تھیں۔ آکسیجن ماسک

عید قرباں اور ہم

جس طرح عید الفطر کی اپنی تیاری اور خوب صورتی ہے اسی طرح عید الضحیٰ بھی اہمیت کی حامل ہے۔ گوکہ عید الضحیٰ کا تہوار خاص مردوں سے منسوب ہے جانور لانا ان کی دیکھ بھال کرنا اور پھر عید الضحیٰ کے دن سنت ابراہیمی کی ادائیگی، لیکن عید کا اختتام بس یہیں نہیں ہوجاتا اس کے بعد کے مراحل سے گزر کر یقیناً سب ہی تھک جاتے ہوں گے۔ قصائی سے گوشت بنوانا اور پھر اس کی تقسیم کا تھکا دینے والا مرحلہ، لیکن اس سب میں اگر خاتون خانہ کو نظر انداز کیا جائے تو غلط ہے کیونکہ قربانی کے گوشت کو پکانے سے لے کر رشتہ داروں، محلے اور غربا میں تقسیم کا مرحلہ ان کے کاندھوں پر آتا ہے۔ عید الضحیٰ کی خوشی کے ان لمحات میں آنچل نے اپنے قارئین کے لیے سروے کا اہتمام کیا ہے ان سوالات کے مختصر جوابات، جلد از جلد ارسال کردیں تاکہ آنچل کے سنگ آپ بھی عید الضحیٰ میں شامل ہوسکیں۔

سوال نمبرا:۔ عید الضحیٰ پر سب سے پہلے قربانی کے گوشت سے کون سی ڈش بناتی ہیں؟

سوال نمبر۲:۔ آج کل سنت ابراہیمی کو نمود ونمائش کا حصہ بنادیا گیا ہے آپ اس حوالے سے کیا کہیں گی؟

سوال نمبر۳:۔ قربانی کے گوشت سے ویسے تو بہت سی ڈیشز بنتی ہیں لیکن اس عید کے موقع پر کوئی ایسی ڈش جو گوشت کی بنی ہوئی نہیں ہو اور اس کی فرمائش کی جاتی ہو؟

سوال نمبر۴:۔ گوشت کی مناسب تقسیم بڑی ذمہ داری کا کام ہے آپ اسے کیسے پورا کرتی ہیں؟

سوال نمبر۵:۔ قربانی کے جانور سے متعلق کوئی خاص واقعہ جو آج بھی آپ کے لبوں پر مسکراہٹ لے آتا ہے؟

جوابات بھیجنے کی آخری تاریخ ۵ ستمبر ہے اور آپ اپنے جوابات ای میل بھی کرسکتی ہیں۔ info@aanchal.com.pk پر

لگا ہوا تھا۔ جسم پر مختلف جگہوں پر مرہم پٹی کی گئی تھی سر پر پٹی تھی ہاتھ بازوؤں چہرے پر بھی زخم تھے۔ صاف لگ رہا تھا کہ گاڑی کس طرح ایکسیڈنٹ سے دوچار ہوئی ہوگی۔ مصطفیٰ بیڈ کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

ولید کا پٹیوں میں جکڑا ہاتھ بستر کی سفید چادر پر تھا' مصطفیٰ نے آہستگی سے اس کے ہاتھ کو چھوا تھا تبھی دروازہ کھول کر کوئی اندر آیا تھا۔ مصطفیٰ نے دیکھا' وہ انا تھی وہ اسے وہاں موجود پا کر رک گئی تھی۔

''آپ باہر چلی جائیں پلیز......'' نرس نے تیزی سے آگے بڑھ کر کہا۔

''پلیز سسٹر انہیں منع مت کریں آنے دیں۔'' مصطفیٰ نے ایک دم ٹوکا تو نرس رک گئی۔

''آئیں' انا ادھر آجائیں۔'' مصطفیٰ نے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا تھا' انا اس کے پاس ہی آرکی تھی۔

''لیکن سر آئی سی یو میں کسی کو بھی رکنے کی اجازت نہیں۔'' ڈاکٹر نے بھی کہا تھا۔

''ہم کچھ دیر میں چلے جائیں گے۔'' مصطفیٰ کا انداز حتمی تھا' وہ دونوں خاموش ہوگئے تھے۔

انا بے یقینی سے ولید کو دیکھ رہی تھی شیشے کے اس پار سے دیکھنا اور اندر آکر دیکھنے میں بہت فرق تھا' ولید کا آدھے سے زیادہ وجود پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا' اس نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا کہ ولید کو اس حالت میں دیکھے گی۔ اس کی سسکیاں اس کے آنسو بے اختیار تھے۔ اس کا وجود زلزلوں کی زد پر تھا۔

ایک پہاڑ جیسا وجود جسے ڈھایا نہ جاسکتا ہو اس وقت بالکل بے بس حالت میں ہاسپٹل کے بستر پر آکسیجن ماسک کے سہارے سانس لیتا زندگی کی سانسیں گن رہا تھا۔

''آئیں اب چلتے ہیں۔'' مصطفیٰ کی اپنی آنکھیں نم ہوچکی تھیں۔نمی صاف کرتے اس نے انا سے کہا تو انا اسی طرح کھڑی رہی تو مصطفیٰ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''باہر چلتے ہیں۔''

''مجھے یہیں رہنے دیں۔'' آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے اس نے مصطفیٰ کو دیکھ تو اس نے بے بسی سے ڈاکٹرز کو دیکھا۔

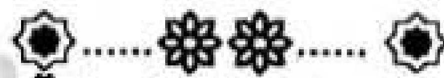
''بس تھوڑی دیر...... میں پھر آجاؤں گی۔'' وہ التجا کررہی تھی' مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

واقعی کسی نے سچ ہی کہا ہے' انسان کے اصل جذبات اور خلوص کا اندازہ مشکل وقت میں لگتا ہے۔انا کی پوری ذات ایک ایسی کہانی سنارہی تھی جو پچھلے چند دنوں سے اس پورے گھرانے پر ایک ٹینشن بن کر سوار تھی۔

انا ولید سے دستبردار ہوچکی تھی' اس قدر شدید لگاؤ کہ آنسوؤں کی قطاریں رک نہ پائیں بھلا وہ کیسے دستبردار ہوئی ہوگی۔ مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھا تھا۔وہ ڈاکٹر کو ہدایت دیتا انا کو وہیں رک جانے کا کہہ کر باہر نکل گیا تھا' انا نے مصطفیٰ کے جانے کے بعد پھر ولید کو دیکھا۔پٹیوں میں جکڑا وجود انا کے اندر طوفانوں کو دعوت دے رہا تھا اس نے آہستگی سے ولید کے ہاتھ کو چھوا تھا۔

''پلیز مریض کو ڈسٹرب مت کریں اگر یہاں رکنا ہے تو ایک طرف بیٹھ جائیں۔'' نرس نے فوراً ٹوکا تھا' انا رک گئی تھی۔ورنہ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ پٹیوں میں لپٹے اس وجود کے ساتھ لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر روئے۔وہ خاموشی سے ایک طرف رکھی کرسی پر جا بیٹھی تھی۔اس کی زبان پر پھر ذکر الٰہی اور مناجات جاری ہوگئی تھیں۔وہ ایک بار پھر شدت سے روتے اللہ تعالیٰ سے سامنے لیٹے وجود کی زندگی کی دعائیں مانگنے لگی تھی۔

جسے وہ اپنی نادانیوں کے سبب کب کا کھوچکی تھی لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے کھوکر وہ خود بھی جی نہیں سکتی تھی۔



زبیدہ اپنے میکے جارہی تھی' دونوں کے درمیان شدید لڑائی ہوئی تھی۔زبیدہ کو اپنے مضبوط خاندانی پس منظر کا زعم تھا۔

''تو ٹھیک ہے اگر تم گئیں تو ہمیشہ کے لیے یہ حویلی چھوڑنا ہوگی اور میرے بچوں کے سوا جو کچھ بھی لے جانا چاہتی ہو لے جاؤ۔'' حیات علی نے فیصلہ سنادیا تھا۔وہ تڑپ اٹھی تھی۔وہ اولاد کی محبت میں مر مٹنے والی عورت تھی ایک دم شوہر کی بے وفائی سن کر کیسے برداشت کرلیتیں۔

''وہ میرے بھی بچے ہیں میرے ساتھ جائیں گے۔آپ نے جو دوسری کی ہے وہ لے آئیں اولاد تو وہ ویسے بھی ساتھ لائے گی۔'' صاف جواب دیا تھا۔

''میں فیصلہ سناچکا ہوں آگے تمہاری مرضی۔'' وہ بات ختم کرکے کمرے سے باہر نکلنے لگے تھے۔زبیدہ ایک دم سامنے آرکی تھی۔

''آپ میرے بابا اور بھائیوں کو بھول گئے ہیں کیا' میں چاہوں تو ابھی سب یہاں آکر آپ سے اس ناانصافی کا حساب مانگ لیں گے' مجھے ڈرائیں مت میں بچوں کو ساتھ لے کر جاؤں گی۔''

''میں بار بار فیصلے نہیں بدلا کرتا' میں نے دوسری شادی کی ہے کوئی گناہ نہیں کیا اور نہ ہی میں اسے چھوڑوں گا میں تمہاری ان باپ اور بھائیوں والی دھمکی سے نہیں ڈرنے والا۔'' وہ کہہ کر نکل گئے تھے۔

تبھی بابا صاحب آگئے تھے انہوں نے روتی دھوتی بہو کو نجانے کیسے رام کیا تھا کہ اب تک حویلی چھوڑ کر نہیں

تین چیزیں

پاک رکھو۔ جسم' لباس' خیالات

قابو میں رکھو۔ زبان' نفس' غصہ

یاد رکھو۔ موت' احسان' نصیحت

برداشت نہ کرو۔ ناحق' جھوٹ' فحاشی

حاصل کرو۔ علم' دعا' اعتماد

ضائع نہ کرو۔ صلاحیت' موقع' دوست

کبھی نہ توڑو۔ دل' عہد' قانون

چھوٹا نہ سمجھو۔ فرض' قرض' مرض

ایک بار ملتے ہیں۔ والدین' وقت' زندگی

ذلیل کرتی ہے۔ چوری' چغلی' چاپلوسی

دھیان سے اٹھاؤ۔ قدم' قلم' قسم

پابندی سے پڑھتے رہو۔ نماز' قرآن' درود

نائلہ اشفاق......کوٹ غلام محمد

عشق کا خمیازہ

ایک شخص نے بس میں اپنے قریب بیٹھے ہوئے مایوس اور افسردہ شخص کو دیکھ کر باتوں باتوں میں کہا۔ مجھے لگتا ہے کہ جیسے آپ نے زندگی میں عشق کیا اور ناکام ہوگئے۔

وہ صاحب جھلا کر بولے۔ میں نے زندگی میں ایک ہی بار عشق کیا تھا اور بدقسمتی سے کامیاب ہوگیا۔

سمیرا اشتاق ملک......اسلام آباد

گئی تھی۔ حیات علی سے بات چیت بند تھی' زبیدہ نے کسی کو بھی کچھ نہ بتایا تھا۔ حیات علی اگلے مہینے شہر جانے پر تیار ہوئے تو بابا صاحب نے روک لیا تھا۔

''اگر تم اس عورت سے اب ملے تو میں تمہیں اپنی جائیداد ہر چیز سے عاق کردوں گا۔'' حیات علی چند پل کو خاموش ہوگئے تھے۔

''یہ زمین' یہ جاگیر' یہ جائیداد اس کا قانونی وارث ہوں بابا صاحب! میں آپ کے خلاف کوئی بغاوت نہیں کررہا۔ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اگر آپ اس لڑکی سے نفرت کرنے کی بجائے اسے اس حویلی میں پناہ دے دیتے تو میں ساری عمر آپ کا مشکور رہتا لیکن اب میں اسے نہیں چھوڑوں گا بھلے آپ مجھے عاق کردیں یا دستبردار۔'' انداز حتمی اور فیصلہ کن تھا' بابا صاحب نے بغور بیٹے کو دیکھا۔ وہ مکمل طور پر بغاوت پر آمادہ تھا۔ اس پر ان کی کوئی بھی نصیحت کوئی بھی بات کچھ بھی اثر نہیں کرنے والی تھی۔

''جانے سے پہلے سن لو لوٹ کر یہیں آؤ گے تم ایک دن اور تب تمہیں علم ہوگا کہ باپ کتنا سچا تھا۔'' حیات علی خاموشی سے وہاں سے چلے آئے تھے۔ زبیدہ حیات علی کے جانے کے بعد شدت سے روئی تھی۔

''مت رو بیٹی مت رو تو جتنا روئے گی اتنا ہی زیادہ اس لڑکی کو تیرے آنسوؤں کا حساب دینا ہوگا۔ ابھی تک

تو میں اپنے خون کو ہی آزما رہا تھا اب دیکھتا ہوں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔'' ان کے لہجے میں بہت دور کی سوچ تھی' زبیدہ کی سسکیاں آہستہ آہستہ تھمنے لگی تھیں۔

❁ .... ❁❁ .... ❁

ہادیہ کی ابوبکر کو کال آئی تھی' تعارف اور سلام دعا کے بعد وہ خاموش ہوگئی تھی۔

''کیسے کال کی آپ نے؟'' ابوبکر سنجیدہ تھا۔

''کیا میں آپ کو کال نہیں کرسکتی؟'' ہادیہ کے لہجے میں ایک ٹوٹا بکھرتا سا احساس تھا۔ ابوبکر نے ایک گہرا سانس لیا۔

''میں تو بہت عام سا انسان تھا ہادیہ! آپ نے اتنے سال کیوں برباد کردیے؟'' اس نے پوچھا۔

''میرے لیے آپ بہت خاص تھے' ہیں اور رہیں گے۔ مجھے اگر علم ہوتا کہ رابعہ اور آپ کے درمیان ایسا کچھ تعلق ہے تو یقین جانیے میں کبھی درمیان میں نہ آتی۔''

''رابعہ بہت اچھی اور نائس لڑکی ہے' اس کے ساتھ بہت زیادتی ہورہی ہے۔ میں ایک گلٹ محسوس کرتا ہوں۔'' ابوبکر نے کہا تو دوسری طرف کچھ پل کو خاموشی چھائی تھی۔

''کیا میں آپ کو پسند نہیں؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''ایسی بات نہیں' آپ بہت اچھی ہیں۔'' دوسری طرف اس ذرا سی تعریف پر ہادیہ کھل اٹھی تھی۔

''آپ کو میرا کال کرنا بُرا تو نہیں لگا؟'' اس نے پوچھا تو ابوبکر مسکرادیا۔

''نہیں......'' اس نے ایمان داری سے کہا۔

''اس کا مطلب ہے میں آئندہ بھی کال کرسکتی ہوں۔''

''ابھی میرا پرپوزل انڈر پراسس ہے' میں بہت محتاط رہ کر زندگی گزارنے کا قائل ہوں پلیز مائنڈ مت کیجیے گا۔ میں اس طرح رات گئے کال کرنے کو سخت معیوب سمجھتا ہوں۔'' ابوبکر نے سنجیدگی سے کہا۔

''جی بہتر' میں آئندہ خیال رکھوں گی۔'' چند اور باتوں کے بعد ہادیہ نے کال ڈراپ کردی' ابوبکر موبائل ایک طرف رکھ کر پھر کچھ سوچنے لگا تھا اس کی زندگی نے عجیب سے انداز میں پلٹا کھایا تھا۔

ہادیہ جیسی لڑکی کو اس کا نصیب بنانے کی کوشش کی جارہی تھیں' وہ تو رابعہ سے رشتہ طے ہونے کے بعد بھی پرسکون رہا تھا اب بھلا کیونکر بے قابو ہوجاتا۔ ہادیہ کا باپ نجانے کیا فیصلہ کرنے والا تھا' اک نئی سوچ نے دماغ کو گھیر لیا تھا۔

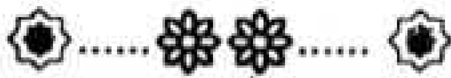
❁ .... ❁❁ .... ❁

شہوار کی ساری رات آنکھوں میں کٹی تھی' رات گئے تک مصطفیٰ کا نمبر بند رہا تھا اور پھر جب آن ہوا تو اس نے کئی کالز کی تھیں لیکن کوئی بھی کال ریسیو نہیں کی گئی تھی اور پھر فجر کے بعد اس کی کال بار بار کاٹی جارہی تھی۔

اس نے بڑی بے چینی کی حالت میں فجر کی نماز پڑھی تھی' نماز سے فارغ ہوئی تو بھی دل پریشان تھا۔ اس نے پھر نمبر ملایا لیکن اس بار بھی کال پک نہ کی گئی تھی۔ وہ مایوس ہوگئی تھی' جانے یہ بیٹھے بٹھائے کیا ٹینشن آپڑی تھی۔ وہ سسک اٹھی تھی وہ موبائل اٹھا کر باہر لان میں آگئی تھی' اپنی مخصوص جگہ جھولے پر آبیٹھی تھی۔ صبح کا روح پرور منظر بڑا دلکش تھا' اس نے کئی بار نمبر ملایا لیکن اس بار نمبر آف تھا' اس کا دل کٹنے لگا۔ وہ ابھی جھولے پر ہی تھی جب گیٹ کھلا اور گاڑی اندر داخل ہوگئی تھی' گاڑی سے ماں جی اور عباس کو نکلتے دیکھ کر وہ چونکی تھی۔

''آپ دونوں کہاں تھے؟'' سلام دعا کے بعد اس نے پوچھا۔
''ہم ہاسپٹل میں تھے۔''
''جی......؟'' وہ چونکی۔ تبھی ماں جی نے اسے ساری بات سنائی اور وہ منہ پر ہاتھ رکھے سب سن رہی تھی۔ اتنا کچھ ہو چکا تھا اور اسے خبر ہی نہ تھی اور مصطفیٰ کا کیا تھا کم از کم ایک بار کال ہی ریسیو کر کے بتا دیتا۔ وہ خاموشی کے ساتھ ان کے ساتھ اندر آ گئی تھی۔

ماں جی کے بتانے کے مطابق صبوحی آنٹی کو رات بھر میں ایک بار ہوش ضرور آیا تھا جبکہ ولید کی کیفیت ابھی بھی وہی تھی۔ مصطفیٰ اور ولید کی دوستی ایک طرف شہوار کو انا کے حوالے سے بھی ولید بہت پسند تھا' اور اب یہ سن سب کر وہ حقیقی طور پر دکھی ہوئی تھی اس نے سوچ لیا تھا کہ اب جو بھی ہاسپٹل جائے گا وہ اس کے ساتھ ہی جائے گی' وہ خاموشی سے واپس اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

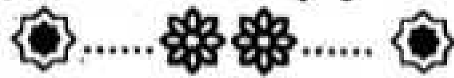


حیات علی نے زیب النساء کو نہیں بتایا تھا کہ وہ حویلی چھوڑ کر آیا ہے' دونوں کا وقت بہت خوش گوار انداز میں گزر رہا تھا۔ سبحان اور اس کی بیوی امریکہ جا چکے تھے' زیبن اپنی ماں کے غم سے باہر آ چکی تھی کبھی کبھار اس کی بہن بھی چھپ چھپا کر ملنے آ جاتی تھی' مہر النساء کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تھی۔

زیب النساء حیات علی کے ہمراہ پہلی بار (شوہر کے ہمراہ) بہن کے ہاں گئی تھی لیکن اس کے شوہر کا سلوک از حد ہتک آمیز تھا۔ زیبن کے بار بار اصرار پر اسے ملنے کی اجازت دے دی تھی۔ وہ بہن کے پاس آ گئی تھی' مہر النساء کی بیٹی بہت پیاری تھی۔

''کیا نام ہے اس کا؟'' بھانجی کو پیار کرتے زیبن نے پوچھا۔
''افشاں......''
''ماشاء اللہ بہت ہی پیارا نام ہے۔''
''تم سناؤ تم ٹھیک رہتی ہو؟'' وہ اس کا حال پوچھنے لگی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ وہاں سے آنے لگی تو افشاں کو بہن کی گود میں ڈال کر پیشانی چومی تھی۔
''آپا تم دعا کرو میرا بیٹا پیدا ہو' تمہاری افشاں مجھے بہت پسند ہے اگر تمہارے شوہر نے کوئی اعتراض نہ کیا تو میں اسے اپنے بیٹے کی بیوی بنا کر اپنے گھر لے جاؤں گی اس طرح تمہارا شوہر تمہیں ہم سے ملنے تو دے گا نا۔''
زیب النساء کی بات پر مہر النساء ہنس دی تھی۔
''اور اگر بیٹی ہوئی تو......''
''اللہ نہ کرے۔'' زیبن نے دہل کر کہا۔
''کیوں؟''
''مجھے بیٹی کی قسمت سے بڑا خوف آتا ہے' ہم نے جو بھی حالات دیکھے ہیں لیکن ہمیں ذلت کے گڑھے میں دھکیل دینے والا کوئی اور نہیں ہمارا اپنا باپ تھا۔ مجھے ایک مجبور بے بس اور لاچار قسم کی بیٹی نہیں چاہیے' ایک مضبوط' توانا اور طاقت ور بیٹا چاہیے۔ نجانے کیوں کبھی کبھار اپنی قسمت سے ڈر لگنے لگتا ہے کم از کم بیٹا ہو گا تو میرے پاس جینے کی امید تو ہو گی۔'' آخر میں زیب النساء کا لہجہ افسردہ ہو گیا تھا۔
مہر النساء خود اس درد سے گزر رہی تھی وہ اس کی خلش جانتی تھی۔ وہ دونوں مہر النساء کے گھر سے واپس لوٹے

تو بابا صاحب آئے بیٹھے تھے۔ حیات علی بابا صاحب کو دیکھ کر چونک گئے تھے۔
''بابا صاحب آپ یہاں؟'' حیات علی کے کہنے پر زیبن چونکی تھی۔ بابا صاحب ان کے گھر میں' اس کا چہرہ ایک دم چمکنے لگا تھا۔
''السلام علیکم بابا صاحب!'' بابا صاحب نے اس کی طرف ایک سرسری سی نگاہ ڈالی جو بڑی سی چادر میں وہ اپنے وجود کو لپیٹے ہوئے تھی' چہرہ' انداز بولنے کا سبھاؤ کسی بھی چیز میں کمی نہ تھی۔
''ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔'' بابا صاحب نے کہا تو حیات علی چونکے۔
''صرف مجھے......'' انہوں نے رکھائی سے پوچھا۔
''چاہتے تو ہم اطلاع بھجوادیتے آنا یا نہ آنا تمہاری مرضی لیکن ہمیں ہماری بہو کے آنسوؤں نے مجبور کردیا تھا۔ شاہزیب بہت بیمار ہے تمہیں بہت یاد کرتا ہے اگر آنا چاہو تو آ کر مل جاؤ۔'' وہ کہہ کر کھڑے ہوگئے تھے۔
''کیا ہوا شاہزیب کو؟'' شاہزیب ان کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا دونوں ایک دوسرے سے شدید محبت کرتے تھے۔
''اس کی بیماری ڈاکٹروں کے علم میں نہیں آ رہی' تم آ جاؤ شاید تمہارے علم میں آ جائے۔'' انداز سنجیدہ تھا حیات علی نے زیبن کو دیکھا۔ وہ بابا صاحب کے رویے سے بجھ سی گئی تھی۔
''لیکن زیب النساء میرے ساتھ جائے گی۔'' حیات علی نے کہا تھا۔
''میرے ساتھ ضد مت باندھو۔ شاہزیب کی زندگی کا خیال نہ ہوتا تو میں کبھی ایسے گھر میں قدم نہ رکھتا جہاں بدکردار لوگوں کا ناپاک وجود بستا ہو۔'' انداز میں زعم اور حقارت تھی' زیبن ایک دم کمرے میں بھاگ گئی تھی۔
اس قدر توہین...... وہ بھی سرعام' گالی دی گئی تھی اسے منہ پر...... وہ شدت سے رو دی تھی۔ دونوں باپ بیٹے میں نجانے کیا معاملہ طے ہوا تھا وہ بے خبر تھی۔ کچھ دیر بعد حیات علی اس کے پاس آئے تھے۔
''میں بابا صاحب کے ساتھ جا رہا ہوں' جیسے ہی شاہزیب ٹھیک ہوا میں آ جاؤں گا۔ تم اپنا خیال رکھنا' میں یہ پیسے رکھ رہا ہوں باقی رقم الماری میں موجود ہے۔ نجانے کتنے دن لگ جائیں تم پریشان نہیں ہونا میں جلد آنے کی کوشش کروں گا۔'' حیات علی کہہ رہے تھے اور زیب النساء خاموش تھی۔ وہ گم صم انداز میں حیات علی کا چہرہ دیکھ رہی تھیں' نجانے اسے کیوں لگ رہا تھا کہ اب وہ کبھی یہ چہرہ نہیں دیکھ پائیں گی۔
حیات علی اس کی مٹھی میں کچھ رقم دے کر اس پر اپنی محبت برسا کر جا چکا تھا اور وہ بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔



وہ بہت خوش تھا۔ اس کے ہاتھ ایسا نکتہ آیا تھا کہ اسے لگ رہا تھا کہ اب جیت صرف اسی کی ہے۔ مصطفیٰ کو ہرانے اور شہوار سے بدلہ لینے کا خیال اسے ہمہ وقت بے چین رکھتا تھا' مصطفیٰ کی کزن اس کے جھانسے میں آ چکی تھی۔ اس نے رات مصطفیٰ کو ایک تصویر سینڈ کی تھی مصطفیٰ کا نمبر دریہ سے لینا کوئی مشکل نہ تھا۔ تیر نشانے پر لگا تھا' یہ دریہ نے اسے بتا دیا تھا۔ تصویر کے نیچے اس نے ایک سطر لکھی تھی۔
''مسز شہوار مصطفیٰ اپنے لور کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے ہوئے۔'' جملہ ایسا تھا جو کسی کے بھی سینے کو جلا کر خاکستر کرسکتا تھا۔ دریہ سے ملنے کے بعد اس نے اپنا پلان چینج کرلیا تھا۔ وہ اب دریہ کو مس یوز کرنا چاہتا تھا اور دریہ کے ذریعے وہ شہوار تک پہنچنا چاہتا تھا۔
وہ اچھی طرح جان چکا تھا کہ دریہ مصطفیٰ کو حاصل کرنا چاہتی ہے اور اس کے بدلے وہ کچھ بھی کرے گی اور

غزل

کبھی زندگی کا نام ہے محبت
کبھی موت کا پیغام ہے محبت
کبھی محبت سے ملتی ہے خوشی
کبھی غم کی شام ہے محبت
کبھی محبت ہے دل کی جلن
کبھی دل کا ارمان ہے محبت
کبھی محبت ہے ملن کا روپ
کبھی تنہائی کی شام ہے محبت
کبھی محبت ہے تنہائی کی گھڑی
کبھی رسوائی کا انجام ہے محبت
کبھی محبت ہے زمانے میں عزت
کبھی بے شرمی کا الزام ہے محبت
کبھی محبت ہے بے نام زندگی
کبھی زندگی کہتی ہے میرا نام ہے محبت

ماریہ کنول ماہی...... چک ورکاں

اب ایاز بہت خوش اور مگن اپنے اگلے اسٹیپ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

❁......❁❁❁......❁

ثریا بیگم کا ٹینشن سے بُرا حال تھا لیکن کوئی بھی انہیں بتانے کو تیار ہی نہ تھا۔ آخر یہ سب ہو کیا رہا ہے؟ شادی والا گھر ایک دم سنسان اور خاموش کیوں ہے؟'' وہ آتے جاتے بھی لوگوں سے پوچھ رہی تھیں۔ ابوبکر بے چارہ اوپر والے پورشن کے علاوہ کہیں اور دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ بھابی نے اماں کو بتایا تو وہ سب سن کر ششدر رہ گئیں۔

یہ سب بالا ہی بالا اتنا کچھ ہو گیا اور انہیں خبر ہی نہیں پھر وہ جو بولنا شروع ہوئیں تو فیضان' سہیل' رابعہ' ابوبکر سب کی خبر لے لی تھی۔

''میری کوئی حیثیت ہی نہیں ہے' بڑے بنتے سبھی فیصلے کرتے پھر رہے ہیں۔ ارے لوگوں کو کیا جواب دوں گی میں' آج میری بچی کی مہندی مایوں تھیں میں کس کس کا منہ بند کروں گی۔''

''اماں جو سچ تھا وہ سب بتا دیا ہے' ہادیہ اور رابعہ شروع سے ہی دوست رہی ہیں یہ سب جاننے کے بعد بھلا ہم رشتہ کیسے کر لیتے۔ اپنی بیٹی ہے وہ بھی' کیا اس کے دل سے کھیلتے۔'' ماں کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر ریلیکس کروانا چاہا۔

''ارے جاؤ مجھے نہیں سمجھ آنے والی تمہاری باتوں کی' مجھے یہ بتاؤ کہ میں لوگوں کو کیا جواب دوں گی کس کس کی زبان بند کروں گی' کون کیا سوچے گا کچھ یہ بھی سوچا ہے کہ نہیں۔''

''اماں ہم سب رشتہ داروں کو فون کر کے شادی سے منع کر چکے ہیں' چند احباب رہ گئے ہیں ان کو آج بتا دیں گے۔'' ثریا بیگم نے اپنا سر تھام لیا تھا۔

”ہائے میری بچی! اب کیا ہوگا اس کا؟“ وہ تو رونے لگی تھیں۔

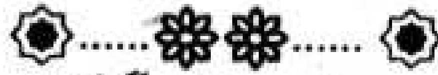
”کیوں واویلا کررہی ہیں اتنا؟ اگر ہم عام انداز میں اس بات کو لیں گے تو یہ بات عام ہی رہے گی۔ ابوبکر بے چارہ تو آمادہ ہی نہ تھا بڑی مشکل سے منایا ہے اسے اور بس دعا کرو یہ بچی کے والدین ہاں کردیں پھر ہم نکاح کرنے جائیں گے۔ میں نے ابوبکر سے وعدہ کیا ہے اس کا سرپرست بن کر سب کام کروں گا‘ اب آپ ایک لفظ بھی مت کہیے گا۔“ فیضان ماموں بولے تو وہ خاموش ہوگئیں لیکن ان کا رونا اسی طرح جاری تھا۔

”ہر ایک اپنے مقدر کا پاتا ہے ہماری اور آپ کی مثال سامنے ہے۔ رابعہ بھی اپنے مقدر کا پالے گی۔“

”اللہ نہ کرے جو میری بچی کی زندگی ہم جیسی ہو‘ ہم نے تو بُرا بھلا وقت گزار لیا لیکن رابعہ کیسے کاٹے گی‘ سارا خاندان ناک میں دم کردے گا۔“

”کچھ نہیں ہوگا سہیل موجود ہے وہ ہینڈل کرلے گا بس آپ ریلیکس رہیں۔ اب ہم ہادیہ بچی کے معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے چکے ہیں اور آپ جانتی ہیں ہم جو کہتے ہیں وہ کرتے بھی ہیں۔“ ثریا بیگم خاموش ہوگئی تھیں۔ سہیل اور اس کی بیگم بھی قریب بیٹھ کر سمجھاتے رہے تو وہ بالکل ہی چپ ہوگئی تھیں۔

”رابعہ کی فکر نہیں کریں اللہ اس کے حق میں بہتر ہی کرے گا۔ میں خود کوئی اچھا سا لڑکا دیکھ کر اس کی شادی کروں گا۔ اب رابعہ خود شادی نہیں کرنا چاہتی تھی تو زبردستی نہیں کرسکتے تھے ہم اس صورت میں کہ ایک دوسری لڑکی جو ہادیہ کی سب سے قریبی دوست بھی کا معاملہ تھا ہم جان بوجھ کر یہ شادی نہیں کرسکتے تھے۔“ ثریا بیگم ساری بات سمجھ چکی تھیں انہوں نے محض اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ کر کمرے میں چلی گئی تھیں اس کا مطلب تھا کہ وہ اب کسی سے بھی کوئی بات نہیں کرنا چاہیں گی‘ سبھی خاموشی سے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہ گئے تھے۔



حیات علی کو قطعی علم نہ تھا کہ بابا صاحب اس کے ساتھ کیا گیم کھیلنے والے ہیں‘ وہ بابا صاحب کے ساتھ آ گئے تھے۔ شاہزیب واقعی بیمار تھا اور باپ کو یاد بھی کررہا تھا۔ حیات علی کے آنے سے وہ کچھ بہتر ہونے لگا تھا۔

”ہم چاہتے ہیں تم کینیڈا چلے جاؤ کچھ دنوں کے لیے اس طرح شاہزیب کی طبیعت بھی سنبھل جائے گی۔“ کچھ دن بعد رات کو بابا صاحب نے حیات علی کو بلا کر کہا تو وہ حیران ہوئے۔

”شاہزیب کافی بہتر ہوچکا ہے‘ وہ ٹھیک ہے اب میں ان حالات میں کہیں بھی کیوں جاؤں گا؟“

”دیکھو حیات علی! ہم نے چپ سادھ لی ہے‘ تمہاری اس دوسری شادی کو بھی ماننے کو تیار ہیں مگر تم ہماری بھتیجی اور اپنے بچوں کے معاملے میں کوئی حق تلفی نہیں کروگے۔“ بابا صاحب کا انداز ہارا ہوا تھا‘ حیات علی نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

”یہ پتھر موم کیسے ہوا تھا؟“ وہ حیران ہوئے۔

”ہم ایک خاندان‘ ایک معاشرے میں جی رہے ہیں‘ ہماری کچھ ریتیں رواج ہیں‘ زبیدہ کو ہم سمجھا چکے ہیں وہ تمہاری دوسری شادی کے بارے میں کبھی بات نہیں کرے گی۔ تم بھلے اس لڑکی کی جیسے مرضی خبر رکھو‘ جو مرضی دو ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ اپنے خاندان اور اس کے رسم ورواجوں سے بغاوت نہیں کرسکتے‘ ہم نے تمہاری ایک بات مان لی ہے اب تم ہماری ایک بات مانو۔“ انہوں نے بہت سنجیدگی سے سب کہا تھا۔ حیات علی کا دل ایک دم نرم ہوگیا انہیں بابا صاحب سے ذاتی طور پر کوئی ایشو نہ تھا یہ تو سب ایک رشتے کی بقا کی جنگ تھی۔

”اچھی طرح سوچ سمجھ لو اگر ہماری باتیں سمجھ میں آجائیں تو ٹھیک ورنہ حویلی کے دروازے تمہارے رستے

مرحوم شوہر کے نام

یہ زندگی تیرے نام سجن
تیرے یاد ہے اپنا کام سجن
تیرے رخ کو تکتے رہنے سے
ملتا ہے آرام سجن
تیرے میٹھے بولوں سے
مٹتے ہیں آلام سجن
ہر پل تجھ کو چاہوں میں
ہر موڑ ہر اک گام سجن
میں تجھ سے مدام تجھے مجھ سے دوام
کریں آپس میں کلام سجن
جب تک ساتھ رہے دنیا میں
بن کے رہے انعام سجن
اب جس جنت کے باسی ہو
وہاں بھی حاضر سلام سجن
عشق سلامت تاقیامت
ہوگا سوہنا اختتام سجن

کوثر خالد......جڑانوالہ

میں کبھی نہیں آئیں گے۔'' بابا صاحب نے سارا فیصلہ ان کے ہاتھ میں دے دیا تھا' وہ سوچ میں پڑ گئے تھے۔

''لیکن جو بھی فیصلہ کرو اس میں اپنے بچوں اور ان کے مستقبل کے بارے میں ضرور سوچنا' شاہزیب بیمار نہ ہوتا تو ہم اپنی ضد پر اڑے رہتے۔ شاہزیب کی بیماری نے ہمیں توڑ دیا ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ باقی بچے بھی ہمیں توڑیں۔'' بابا صاحب سب کہہ کر اٹھ کر چلے گئے اور حیات علی ان کے سامنے دوراستے...... بابا صاحب نے سوچ سمجھ کر سب کچھ کرنے کو کہا تھا اور پھر انہوں نے بہت سوچا تھا۔

زبیدہ ان کی پہلی بیوی تھی وہ ایک وسیع جائیداد کے مالک تھی' جذباتیت میں سب چھوڑ دیتے تو پھر بھی زندگی نہیں گزرنے والی تھی۔ زبین ان کے دل کا سکون تھی لیکن سب کچھ چھوڑنے کے بعد وہ اسے سکھی نہیں رکھ سکتے تھے۔ وہ اپنے خاندان اور اس کے رسم و رواج کو اچھی طرح جانتے تھے اور یہ بات بھی کہ ان کا خاندان کبھی بھی زیب النساء کو ان کی بیوی کے روپ میں قبول نہیں کرے گا۔ زندگی کو پل صراط بنانے سے بہتر تھا کہ جو جیسا ہے چلنے دیں۔ انہوں نے اپنا فیصلہ بابا صاحب کو سنا دیا تھا وہ صرف مسکرائے تھے۔

''ہم چاہتے ہیں تم کچھ دنوں کے لیے کینیڈا چلے جاؤ' اگر چاہو تو اس شہر والی لڑکی سے جا کر مل آؤ بتاؤ اسے۔''

بابا صاحب نے خود کہا جسے سن کر وہ بابا صاحب کے مقروض ہو گئے تھے۔

''ہم اسے ایک حقیقت کی طرح قبول کر چکے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ تم بھی زبیدہ اور بچوں کو وہی پہلے جیسا ماحول دو' ہم تمہاری زندگی میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے۔ بس تم ہمیں یہ گارنٹی دو کہ تم زبیدہ اور بچوں کی بھی حق

تلفی نہیں کرو گے۔''

''بابا صاحب اب آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' حیات علی نے کہا تو بابا صاحب نے سر ہلا دیا۔

''جیتے رہو۔'' انہوں نے ان کا سر تھپکا اور چلے گئے' انہیں کچھ دن کینیڈا جانے کی تیاریوں میں لگے تھے۔ بابا صاحب پاسپورٹ' کاغذات سبھی کچھ پہلے ہی تیار کروا چکے تھے کچھ کام وہ خود بھی کر چکے تھے' جیسے ہی روانگی کی سیٹیں کنفرم ہوئیں وہ زیبن کے پاس چلے آئے لیکن زیبن گھر پر نہیں تھی۔

''کہاں گئی وہ؟'' گھر پر صرف کل وقتی ملازمہ تھی۔

''صاحب آپ کے جانے کے بعد ان کے ابا ان کو کہیں سے ڈھونڈتے آ گئے تھے' وہ روز آتے تھے اور انہیں ساتھ چلنے پر زور دیتے تھے۔ ایک دن رات کو آئے تھے زبردستی کرنے لگے بی بی کی طبیعت خراب ہوگئی تھی وہ تو چھوڑ کر بھاگ گئے بعد میں بی بی کی بہن آئی تھیں وہ انہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئی تھیں وہ اب ادھر ہی ہیں۔''

''اوہ...... نجانے یہ منحوس صفدر اب پھر کہاں سے آ ٹپکا تھا۔'' ان کی کل کی فلائٹ تھی انہیں آج ہی زیبن سے مل کر واپس جانا تھا' وہ سوچ میں پڑ گئے تھے وہ مہر النساء کے گھر آئے تھے لیکن اس کا چوکیدار کسی بھی طرح دروازہ کھولنے پر راضی نہ تھا۔

''دیکھو تم مجھے جانتے ہو اچھی طرح' میری بیوی اندر ہے اسے بھیجو میں چلا جاؤں گا۔''

''صاحب ہم نے کہا نا کہ صاحب کی طرف سے نہ کسی کو باہر آنے اور نہ ہی کسی کو اندر جانے کا حکم ہے۔ صاحب ہم نوکری کرتے ہیں ہماری بھی مجبوری ہے' ہم تمہاری بات نہیں مان سکتے۔ ہمیں اندر کسی بھی قسم کی اطلاع پہنچانے سے منع کیا گیا ہے۔'' چوکیدار نے صاف انکار کر دیا تھا۔

عجیب بے بسی تھی وہ اپنی بیوی تک سے نہیں مل پا رہے تھے۔ نجانے کس حالت میں تھی وہ بے چاری' کب سے تھی یہاں؟ وہ بہت نامراد سے وہاں سے لوٹے تھے۔

وہاں سے لوٹتے وقت نجانے کیوں وہ از حد دکھی ہو رہے تھے۔ گاؤں واپس جانا تھا سارا دن ملاقات کے چکر میں اِدھر سے اُدھر بھاگتے وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔ شام آ پہنچی تھی اور وہ نامراد ہی واپس گاؤں کو چل آئے تھے۔

اگلے دن ان کی فلائٹ تھی وہ زبیدہ اور بچوں کے ہمراہ جا رہے تھے' ایک ماہ کا قیام تھا۔ حیات علی نے سوچا کہ جیسے تیسے ایک ماہ گزار لیں گے پھر واپس لوٹے تو مل لیں گے۔ جاتے وقت انہوں نے خطیر رقم کا پیکٹ بخشو کے حوالے کیا تھا۔

''تم یہ رقم زیب النساء تک پہنچا دینا۔'' انہوں نے خاصی ہدایات کی تھی اور پھر چلے گئے تھے اور وہ نہیں جانتے تھے کہ قسمت ان کے ساتھ کیا کھیل کھیلنے والی ہے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارا

سمیرا شریف طور

READING
Section

قسط نمبر 35

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

وہ خواب تھا بکھر گیا' خیال تھا ملا نہیں
مگر دل کو کیا ہوا' یہ کیوں بجھا پتا نہیں
ہر اک دن اداس دن' تمام شب اداسیاں
کسی سے کیا بچھڑ گئے' جیسے کچھ بچا نہیں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

حیات علی اپنے والد کو دوسری شادی سے آگاہ کرتے زیب النساء کو بہو تسلیم کرنے کا کہتے ہیں جس پر چوہدری سراج علی اشتعال کا شکار ہو کر حیات علی کو جائیداد سے عاق کرنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ ولید انا کے سیل فون پر آنے والی تمام کال کی معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ماموں اور سہیل ابوبکر سے بات کرنے کے بعد ہادیہ کے والد کو ابوبکر کا رشتہ دیتے انہیں ہادیہ کی پسند سے بھی آگاہ کر دیتے ہیں۔ رابعہ ہادیہ کو ابوبکر کا نمبر دے کر اس سے بات کرنے کو کہتی ہے۔ شہوار ماں جی کے اصرار پر دریہ کے ساتھ شاپنگ کے لیے آ جاتی ہے۔ ایاز جو کافی دنوں سے موقع کی تلاش میں تھا۔ اب شہوار کو شاپنگ مال میں دیکھ کر اس کے اندر کی شیطانیت ایک بار پھر جوش مارتی ہے اور اسے دریہ اور شہوار کے رویے سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ شہوار مجبوراً اس کے ساتھ آئی ہے۔ صبوحی بیگم بوتیک سے جلدی فارغ ہونے کے بعد احسن کو فون کرتی ہیں تاکہ وہ انہیں پک کرتا ہوا گھر ڈراپ کر دے مگر آفس میں ضروری کام کے باعث احسن معذرت کر لیتا ہے اور ولید کو کال کر کے صبوحی بیگم کو گھر لے جانے کے لیے کہتا ہے ولید ذہنی الجھن کا شکار تھا۔ شہوار کو شاپنگ مال میں اپنا کلاس فیلو ہاشم مل جاتا ہے۔ ایاز کے شیطانی دماغ میں ایک خیال آتا ہے اور وہ اسے عملی جامہ پہناتے ہوئے دریہ کو اپنے اعتماد میں لے کر دریہ کو اہنا کارڈ دیتا ہے۔ دریہ شہوار کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے ایاز کے منصوبہ پر عمل کرتی ہے وہ اس بات پر خوش ہوتی ہے کہ شہوار کو جلد راستے سے ہٹا کر وہ مصطفیٰ کو حاصل کر لے گی۔ چوہدری حیات علی باپ کی دھمکیوں کی پروا کیے بغیر اپنی حویلی چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے زبین کے پاس آ جاتے ہیں۔ دوسری طرف ولید کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے صبوحی بیگم بھی ہمراہ تھیں مگر انہیں زیادہ چوٹیں نہیں آتیں جب کہ ولید زندگی اور موت کی درمیان جنگ لڑ رہا ہوتا ہے اور انا پتھرائی نظروں سے یہ سب کو دیکھ رہی ہوتی ہے۔ مصطفیٰ کو موبائل پر ایک تصویر موصول ہوتی ہے۔ جس کو دیکھ کر وہ ششدر رہ جاتا ہے وہ شہوار سے ناراض ہو کر گھر سے نکل جاتا ہے اور دریہ یہ منظر دیکھ کر شہوار کا تمسخر اڑاتی ہے اور شہوار پریشان ہو کر بار بار مصطفیٰ کو کال کرتی رہتی ہے۔ چوہدری سراج علی اپنے اکلوتے بیٹے چوہدری حیات علی کو حویلی لے جانے کے لیے آتے ہیں۔ حیات علی کا چھوٹا بیٹا باپ کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے بیمار ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے حیات علی حویلی جانے پر راضی ہو جاتے ہیں۔ چوہدری سراج علی اپنی بچھائی ہوئی بساط کے حساب سے حیات علی کو استعمال کرتے ہیں اور انہیں زیب النساء کو قبول کرنے کی خوش خبری کے ساتھ کینیڈا جانے کی ہدایت دیتے ہیں۔ کینیڈا جانے سے پہلے حیات علی بخشو کو ایک خطیر رقم زیب النساء کو پہنچانے کی ہدایت دیتے ہیں حیات علی نے سوچا کہ ایک ماہ جیسے تیسے گزار لوں گا لیکن اب قسمت ان کے ساتھ ایک نیا کھیل کھیلنے والی تھی۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......❀......❀

مہر النساء کے گھر پر مامور چوکیدار سے زیب النساء کو حیات علی کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ فوراً واپس آ گئی تھی لیکن حیات علی جا چکے تھے وہ واپس بہن کے ہاں جانے کی بجائے وہیں رک گئی تھی۔

دو دن گزرے تو بخش دین چلا آیا تھا' پیسوں کا ایک لفافہ دے کر اس نے جو پیغام دیا اسے سن کر تو زیب النساء کے حواس گم ہونے لگے تھے۔

''چوہدری صاحب اپنے بیوی بچوں سمیت بیرون ملک چلے گئے ہیں' یہ رقم آپ تک پہنچانے کا کہا تھا۔''

''کب گئے؟'' گم حواسوں کو بمشکل یکجا کرتے اس نے پوچھا۔

''ایک دن پہلے' انہوں نے پیغام بھی دیا تھا کہ وہ جلد از جلد واپس پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ مجھے ایک عدد چوکیدار رکھنے کا کہہ کر گئے تھے اور یہ بھی کہا تھا کہ اپنے باپ سے ہوشیار رہیے گا۔ اگر کوئی خطرہ محسوس کریں تو اپنی بہن کے ہاں چلی جایئے گا۔'' زیب النساء کو لگ رہا تھا کہ جیسے یہ سن کر اس کے قدموں تلے سے جان نکلتی جارہی ہے۔

''وہ واپس کب آئیں گے؟''

''ایک ماہ کا قیام ہے وہاں' اس سے زیادہ مجھے علم نہیں۔'' زیب النساء جیسے بالکل ڈھے گئی تھی۔ نجانے کیوں دل کو عجیب وسوسوں نے گھیر لیا تھا۔

وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی آئی' ملازمہ موجود تھی۔ شام تک بخش دین وہاں رہا تھا' اس نے باہر کے کاموں کے لیے ایک نوعمر لڑکے کا انتظام کردیا تھا۔ بخش دین چلا گیا تو زیب النساء کا پریشانی سے بُرا حال ہونے لگا۔ ملازمہ نے بتایا تھا اس کی غیر موجودگی میں صفدر کئی بار اس کے گھر آیا تھا اور بُرا بھلا کہتے دھمکیاں دیتے چلا گیا تھا۔ اگلی صبح سویرے صفدر پھر آ پکا تھا۔

''سامان سمیٹ اور چل میرے ساتھ' دھوکے سے نکاح کرلیا' اس چوہدری سے تو میں نمٹ لوں گا۔'' وہ پھر شور مچا رہا تھا۔

''ابا! اماں نے اپنی مرضی سے نکاح کیا تھا کوئی دھوکہ نہیں دیا' آپ اس قابل ہوتے تو رونا ہی کیا تھا۔ آپ نے تو مجھے اپنے جوئے کی خاطر بیچ ڈالا تھا' اب کیا لینے آئے ہیں۔''

''زیادہ زبان نہ چلا' اگر وہ چوہدری کسی قابل ہوتا تو واپس پلٹتا' ساری خبر ہے مجھے مہینوں وہ تیری خبر نہیں لیتا۔'' وہ کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

''وہ ایک بڑے خاندانی زمیندار ہیں' ہزار کام ہوتے ہیں ان کے' ہر وقت ادھر نہیں رہ سکتے۔'' زیبن نے چوہدری حیات علی کا دفاع کیا۔

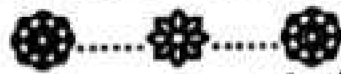
''تو تجھے اپنے ساتھ رکھ تو سکتا ہے نا؟'' صفدر نے جرح کی' زیب النساء کے دل پر گویا آری سی چلی تھی اس نے بے بسی سے باپ کو دیکھا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے ہٹنے کو تھی۔

''یہ گھر کس کے نام ہے؟'' گھر کو تاڑتے صفدر نے پوچھا تو وہ رک گئی۔

''مجھے نہیں پتا۔'' وہ چڑ گئی' وہ باپ کی لالچی فطرت سے اچھی طرح واقف تھی۔

آج کل اس کی جو حالت تھی اس کے سبب وہ ویسے ہی بہت چڑچڑی ہورہی تھی لیکن بڑے حوصلے اور صبر کے ساتھ باپ کو جھیل رہی تھی۔

''تو پھر تجھے پتا کیا ہے؟ کچھ خرچہ ورچہ بھی دیتا دلاتا ہے یا پھر خالی خولی نکاح کے نام پر بٹھا رکھا ہے۔'' زیبن نے بڑے ضبط سے دیکھا اور پھر بغیر کوئی جواب دیئے وہ کمرے میں چلی گئی تھی۔ صفدر بڑی سوچتی نگاہوں سے گھر کو دیکھتے ارد گرد چکر لگانے لگا تھا۔



شہوار اسپتال ماں جی کے ساتھ آئی تھی' مصطفیٰ ڈاکٹرز کے پاس تھا۔ صبوحی بیگم کو ہوش آچکا تھا جبکہ ولید ابھی بھی انڈر آبزرویشن تھا۔ انا شہوار کے گلے لگ کر شدت سے رو رہی تھی۔

''اگر ولی کو کچھ ہوگیا تو میں بھی مر جاؤں گی۔'' اس کے الفاظ پر شہوار ساکت ہوئی' اتنی شدت' اتنی جذباتیت۔ سبھی ویٹنگ روم میں تھے جبکہ وہ انا کے ساتھ صبوحی بیگم کے کمرے میں تھیں۔

''ان شاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا' بس تم دعا کرو۔'' شہوار تسلی دے رہی تھی' جبکہ اس کا دل خود بھی بہت غم زدہ تھا۔

کچھ دیر بعد روشی اور احسن آگئے تھے' ساتھ ضیاء صاحب بھی تھے۔ ڈاکٹرز کی طرف سے ولید کے لیے ابھی بھی وہی جواب تھا'

مصطفیٰ بہت پریشان تھا۔ مصطفیٰ وقار صاحب کے ہمراہ صبوحی بیگم کے کمرے میں داخل ہوا تو وہاں مہر النساء اور شہوار کو موجود پاکر رک گیا تھا' انا کا کندھا تھپتھپاتے شہوار نے بھی مصطفیٰ کو دیکھا تھا۔

''آپ دونوں کس کے ساتھ آئیں؟'' قریب آکر اس نے ماں جی سے پوچھا۔

''شہوار آنا چاہ رہی تھی تو ڈرائیور چھوڑ گیا تھا۔''

''آپ ساری رات کی تھکی ہوئی تھیں آرام کرلیتیں کسی اور کو ہمراہ لے کر شہوار آجاتی۔'' مصطفیٰ نے کہا' شہوار انا سے جدا ہو کر قریب آئی۔

''میں رات سے کالز کررہی ہوں آپ پک ہی نہیں کررہے۔'' انداز میں خفگی تھی۔

''ادھر اتنی ٹینشن تھی' بزی تھا۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے شہوار کو دیکھتے کہا۔

''لیکن میسج کا ریپلائی تو کرسکتے تھے نا؟''

''میں نے ابھی تک کوئی بھی میسج نہیں دیکھا۔'' مصطفیٰ نے کہا اور پھر احسن کے پکارنے پر پلٹ گیا تھا۔ رات کی طرح مصطفیٰ کا انداز خفا نہیں تھا تاہم سنجیدگی برقرار تھی۔

شہوار کے اندر کچھ سکون سا اترا تھا' صبح ہوتے ہی ڈاکٹر کے ڈیوٹی آورز شروع ہوچکے تھے۔ صبوحی بیگم ہوش میں تھیں بات بھی کررہی تھیں۔ ان کی طرف سے دل کو کچھ تسلی ہوئی تو توجہ اور پریشانی کا مرکز ولید کی ذات بن گئی تھی۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا سب کو لگ رہا تھا کہ گویا زندگی روٹھتی جارہی ہے۔

''شہوار آپ ایسا کریں انا کو سمجھا بجھا کر گھر لے جائیں' روشی ماما کے پاس رک جاتی ہے۔ پاپا کو بھی آرام کی ضرورت ہے' جیسے ہی ڈاکٹرز کی طرف سے کوئی اچھی خبر ملتی ہے ہم آپ کو اطلاع کردیں گے۔'' احسن نے کہا تو شہوار نے سر ہلا دیا تھا۔

انا گھر جانے پر آمادہ نہ تھی لیکن سب کے اصرار پر وقار صاحب اور شہوار کے ساتھ آگئی تھی۔ مہر النساء ڈرائیور کے ساتھ اپنے گھر چلی گئی تھیں۔ انا کو شہوار کے سہارے کی ضرورت تھی' سو اسے اس کے ساتھ جانے دیا گیا تھا۔ گھر آکر صغراں سے چائے بنوا کر شہوار نے زبردستی انا کو پلائی۔ وقار صاحب اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ ناشتا کرنے سے انہوں نے بھی منع کردیا تھا' عجیب افسردہ سا ماحول تھا۔ شہوار واپس انا کے پاس اس کے کمرے میں آگئی تو وہ قالین پر بیٹھی شدت سے رو رہی تھی۔

''انا......؟'' شہوار نے اس کا کندھا تھامنا چاہا تو وہ اس کے ساتھ لپٹ کر شدت سے رو دی تھی۔

''محبت پر کسی کو اختیار نہیں ہوتا' اگر ہوتا تو شاید میں ولید ضیاء سے کبھی محبت نہ کرتی۔'' انا نے روتے ہوئے کہا اور شہوار ایک دم گم صم سی ہوگئی تھی۔

''میں نے ولی کو دل کی تمام تر گہرائیوں سے چاہا تھا' پاگل پن کی حد تک۔ ولی کی طرف نگاہ اٹھتی تھی تو اپنا آپ بھول جاتی تھی میں۔'' وہ اب ہچکیوں سے رو رہی تھی' شہوار نے دھیرے سے اسے خود سے جدا کیا۔

''اگر یہ سب تھا تو تم نے یہ منگنی کیوں ختم کی' یہ جماد کہاں سے آگیا تھا تم دونوں کے درمیان۔'' شہوار کی حیرت سوا ہوئی تھی۔

''بالکل اسی طرح جس طرح کاشفہ میرے اور ولی کے درمیان آگئی تھی۔'' شہوار کاشفہ کے نام پر ایک دم چونکی تھی۔

''کون کاشفہ؟''

''ایک بار ولی کی کار سے اس لڑکی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا پھر دونوں ملنے لگے وہ لڑکی ولید کو پسند کرنے لگی اور میں سمجھتی رہی کہ ولید میرے ساتھ ساتھ اس لڑکی کو بھی دھوکہ دے رہا ہے۔'' اپنی ہچکیوں پر قابو پاتے سر جھکائے اس نے مزید بتایا۔

''اس لڑکی نے ولید کی خاطر خودکشی کی کوشش کی تھی......'' شہوار الجھ گئی تھی۔

''وہ مجھے کالز کرتی اور بہت کچھ کہتی رہتی' میں سمجھتی رہی کہ ولید بھی اس لڑکی میں انوالو ہے۔ میری سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ میں ولید سے پاگل پن کی حد تک محبت کرتی تھی اور محبت کے ساتھ اس کی پرچھائی بھی برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ میں بداعتمادی کا شکار ہوئی اور میرا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ میں نے ولید ضیاء سے محبت تو کرلی تھی لیکن کبھی اعتبار نہ کرسکی۔'' وہ کہہ کر اپنے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھر شدت سے رو دی۔

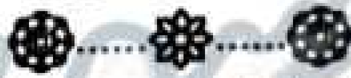
"میں سمجھتی رہی کہ ولید مجھے دھوکہ دے رہا ہے' میں ولید سے الجھتی تھی لڑتی تھی۔ میرے جذبات نے مجھے عجیب پاگل سا بنادیا تھا' میں نے اپنے ہاتھوں سے ولید کو خود سے بدظن کردیا۔"

"جب یہ سب کچھ تھا تو پھر یہ فاصلے کیسے آگئے تم دونوں میں' جہاں تک میں جان پائی ہوں ولی بھائی ایک بہت ہی ڈیسنٹ اور مخلص انسان ہیں' تم نے اتنی بڑی زیادتی کردی ان کے ساتھ۔" شہوار کو یہ سب سن کر اور انا کی حالت دیکھ کر ازحد تاسف ہو رہا تھا۔

"میری بیوقوفی' کم عقلی اور میرا جنون مجھے لے ڈوبا۔ میں ولید کی محبت' اس کے رویوں کو شک کی نگاہ سے تولتی رہی' کبھی کاشفہ اور کبھی کیتھی کو لے کر بدظن ہوتی رہی۔" وقت انا کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔ اب پچھتاوے اس کے ساتھ تھے' صرف پچھتاوے۔ وہ پچھتاوؤں کے سمندر میں غرق خود احتسابی کے عمل سے گزر رہی تھی۔

"لیکن میں نے بس یہی چاہا تھا کہ ولی کو کچھ بھی نہ ہو' کسی کو بھی کچھ نہ ہو۔ کاشفہ مجھے دھمکیاں دیتی رہی اور میں سب سمجھتے بوجھتے اس کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنتی گئی۔" شہوار نے اسے حیرت سے دیکھا' نجانے یہ کاشفہ کون تھی اور اس کی کیا کہانی تھی؟

انا اسے بہت عزیز تھی لیکن اسے گمان تک نہ تھا کہ انا کی زندگی میں اتنا کچھ ہوگیا وہ بھی محض کسی اور لڑکی اور ایک شک کی وجہ سے۔ شہوار نے اسے اپنے ساتھ لگالیا اور انا اس کے دل پر منوں کے حساب سے بوجھ لدا ہوا تھا وہ ایک ایک کرکے سب کچھ بتاتی چلی گئی اور شہوار حیرت سے گنگ انا کے منہ سے نکلنے والے الفاظ سنتی رہی تھی۔



صفدر سانپ کی طرح اس کے گھر میں کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا' زہین ایک طرح سے گھر میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔ بخش دین جس لڑکے کا بندوبست کرکے گیا تھا وہ اسے فارغ کرچکا تھا' ملازمہ پر اس کی کڑی نظر تھی۔ کئی بار وہ زہین کے کمرے اور پورے گھر کی تلاشی لے چکا تھا' پیسے کی ہوس نے اسے اندھا بنا رکھا تھا' زہین گھٹ گھٹ کر جی رہی تھی۔

اس کی ڈلیوری کے دن جوں جوں نزدیک آتے جارہے تھے ویسے ویسے ہی وہ زندگی سے بےزار حالات میں جکڑی بالکل بےبس ہوتی جارہی تھی۔ ایسے میں باباصاحب کی آمد کسی صدمے سے کم نہ تھی۔

"حیات علی کو ہم نے باہر بھجوادیا ہے اور ہم ایسے حالات پیدا کر رہے ہیں کہ وہ اب اگلے تین سال تک پاکستان نہیں آسکے گا۔ تم جیسی لڑکیوں سے اپنے بچوں کی جان کیسے چھڑوائی جاتی ہے ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔" وہ دولت و جاگیر کے نشے میں چُور کہہ رہے تھے اور زہین حیرت میں گم ان کو سن رہی تھی۔

"جاگیرداروں کے بیٹے جوانی کے جوش میں ایسی غلطیاں کرتے رہتے ہیں' تمہاری حیثیت ہمارے نزدیک اس بازاری لڑکی سے زیادہ نہیں جو پیسے کی خاطر اپنا آپ کو بیچ دیتی ہے۔" وہ اسے ذلیل کر رہے تھے اور زہین کے اندر گویا پل پل زندگی کی رمق ختم ہوتی جارہی تھی۔

"ایک دو دن کے اندر یہ گھر خالی کرکے نکل جاؤ تم یہاں سے ورنہ میرے ملازم خود آکر تمہیں یہاں سے ذلیل کرکے باہر نکال پھینکیں گے۔" زہین کا دل ایک دم کانپا تھا۔ اس نے خوف زدہ نظروں سے خاموش تماشا دیکھتے باپ کو دیکھا۔

"ایسے کیسے نکل جائیں تمہارا بیٹا نکاح کرکے لایا تھا اسے۔" صفدر درمیان میں کودا تو پہلی بار باپ کی موجودگی سے زہین کے اندر کچھ تسلی کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

"کون ہو تم؟"

"باپ ہوں اس کا۔"

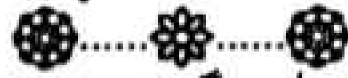
"اوہ......" باباصاحب نے بغور دیکھا۔ ایک چالاک اور عیار شخص جیسی چمک آنکھوں میں لیے وہ بغور دیکھ رہا تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے میرے بندے تم لوگوں کو نکال باہر کریں گے۔" باباصاحب نے ڈرانا چاہا تھا۔

"میں پولیس میں رپورٹ لکھواؤں گا' کورٹ میں مقدمہ کردوں گا۔" صفدر چیخ کر بولا' تبھی باباصاحب نے اپنے ملازمین کو آواز دی' وہ اندر آگئے تھے۔

"دو دن تم لوگ اس گھر کے سامنے پہرہ دو گے اگر ان لوگوں نے گھر خالی کردیا تو ٹھیک ورنہ اٹھا کر سامان سمیت باہر پھینک دینا۔"

وہ کہہ کر باہر نکل گئے تھے۔ پیچھے صفدر چیختا چلاتا رہا لیکن کوئی اثر نہ تھا۔ باہر گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تو صفدر باہر بھاگا' ابھی گاڑی روانہ نہیں ہوئی تھی۔ بابا صاحب نے سنجیدگی سے صفدر کو کھڑکی کے پاس آکر ہاتھ جوڑ کر کچھ کہتے دیکھا تو تلخی سے مسکرائے۔



ایک ماہ گزرنے میں ابھی کچھ دن باقی تھے' حیات علی نے گھر فون کیا۔ بابا صاحب سے بات ہوئی تو انہوں نے انہیں دو ماہ مزید رکنے کو کہا۔ حیات علی پہلے ہی بڑی مشکل سے ایک ماہ گزار پائے تھے' بابا صاحب کا یہ حکم بہت گراں گزرا تھا۔ انہوں نے احتجاج کرنا چاہا لیکن بابا صاحب کے دوٹوک انداز کے سامنے بالکل بے بس ہوگئے تھے۔

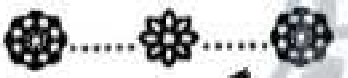
بابا صاحب سے بات کرنے کے بعد حیات علی از حد فکر مند تھے۔ زیبن جس حالت میں تھی ایسے میں اس کے پاس ایک ہمدرد ایک خیال رکھنے والے ساتھی کی ضرورت تھی۔ یہاں آنے سے پہلے وہ اس سے مل بھی نہیں سکے تھے' ملازمہ کی زبانی اس کے باپ کی آمد پھر بہن کے ہاں زیبن کے چلے جانے کا سن کر دل اور بھی پریشان تھا۔ نجانے کس حالت میں تھی وہ جو بہن کے ہاں چلی گئی تھی۔ وہ تو دن گن گن کر یہ وقت گزار رہے تھے لیکن اب بابا صاحب کا یہ حکم' انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ زبیدہ کا بھائی ان کے قیام کی مدت بڑھادے گا وہ آرام وسکون سے بیوی بچوں سمیت وہاں رہ لیں۔

دو ماہ اور رکنا ایک عذاب لگ رہا تھا' انہوں نے زبیدہ سے بات کی تو زبیدہ نے بھی انکار کردیا تھا۔

''میں ابھی رکنا چاہتی ہوں' بھائی صاحب بھی یہی چاہتے ہیں کہ ہم یہاں کچھ عرصہ مزید قیام کریں۔''

''تم اور بچے رکنا چاہتے ہو تو ضرور رکو مگر میں نہیں رکوں گا' میں اب جلد ہی واپس جاؤں گا۔'' وہ سختی سے کہہ کر وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ ان کے دل میں عجیب عجیب سے وسوسے پیدا ہورہے تھے۔

زیبن کو اس حالت میں چھوڑ کر آنے پر ان کا دل مسلسل ملامت کررہا تھا۔ زبیدہ ابھی واپس آنے پر راضی نہ تھی' وہ اپنی واپسی کی تیاریوں میں لگ گئے تھے۔ اس دن بھی وہ ایمبیسی میں گئے تھے' واپسی پر ٹیکسی کے انتظار میں کھڑے تھے جب مخالف سمت سے آتی تیز رفتار گاڑی ان کو کچل کر بھاگ گئی تھی۔



وہ ان دونوں کے ہمراہ جس جگہ آئی تھی وہ ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ ان کے ہمراہ چلتی وہ ایک کمرے میں آگئی تھیں' انا کو رہ رہ کر اپنے فیصلے پر پچھتاوے کا احساس ہورہا تھا کہ اسے ان دونوں کے ہمراہ نہیں آنا چاہیے تھا۔

ولید کی طرف سے بدگمانی اور شکوک نے گویا اس کے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں سلب کردی تھیں لیکن یہاں آنے کے بعد اسے ان دونوں لڑکیوں کے تیور اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ وہ ان کے ساتھ جیسے ہی ایک کمرے میں داخل ہوئی' کاشفہ اور اس کے ساتھ موجود دوسری لڑکی نے اس کے ہاتھ سے بکس اور بیگ لے لیا تھا۔

''یہ تم کیا کررہی ہو؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''تم ہماری مہمان ہو' آرام وسکون سے بیٹھ جاؤ۔ چائے منگواتی ہوں وہ پیو اور ہماری بات سنو۔'' کاشفہ نے اسے کندھے سے پکڑ کر بستر کے کنارے دھکا دے کر بٹھادیا تھا۔ اس نے اس کا بیگ لے لیا وہ اس کی تلاشی لے رہی تھی اور پھر ایک کونے سے موبائل نکال کر اس نے اس کے سامنے سوئچ آف کیا تھا۔ انا نے حیران نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''یہ تم کیا کررہی ہو؟'' کاشفہ مسکرائی تھی۔

اس کا دماغ اب تیزی سے سوچ رہا تھا اور جو حقیقت سامنے آرہی تھی وہ یہ تھی کہ ان دونوں لڑکیوں کے ہاتھوں دھوکا کھاچکی ہے اور اب نجانے کاشفہ کیا کرنا چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا' وہ ایک دم اپنا چکراتا سر تھام کر بے یقینی سے انہیں دیکھتی بستر کے کنارے ٹک گئی تھی۔

''ارے ہم نے تو ابھی کچھ کہا ہی نہیں تم ابھی سے ہمت ہار گئیں۔'' کاشفہ نے طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جو پہلے ہی نڈھال سی تھی ایک دم بے دم سی ہوگئی تھی۔ اس کی ذہنی سطح پر لگنے والا یہ صدمہ اسے بالکل مفلوج کرچکا تھا۔

''کیا چاہتی ہو تم؟'' انا کی آواز لرز رہی تھی۔

”ولید کو؟“ وہ گھٹیا انداز میں ہنسی تھی۔ انا کے اندر جیسے بہت کچھ ٹوٹا تھا۔

”تو مجھے یہاں کیوں لائی ہو تم؟“ وہ اذیت سے چیخی تھی۔

”اپنی تصحیح کرلو میں لائی نہیں تم خود اپنی مرضی سے چل کر آئی ہو۔“ انا کو لگا اس کی آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے ہوں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

”تم دونوں مجھے دھوکے سے ساتھ لائی ہو تم بات کرنا چاہتی تھی میں تمہاری بات سننے کے لیے ساتھ آئی تھی۔“ کاشفہ ہنسنے لگی تھی۔

”ہاں تو بات ہی کریں گے۔“ ہنسی روک کر اس نے کہا تھا۔

”لیکن اب مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی' جارہی ہوں میں۔“ انا کاشفہ کے تیور دیکھ کر سمجھ چکی تھی۔ وہ بے یقینی کے سحر سے نکلی تو ایک دم اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

کاشفہ نے فوراً آگے بڑھ کر اس کا رستہ روکا تھا اور کاشفہ کی دوست نے دروازہ لاک کردیا تھا۔ انا کے لیے یہ سب ناقابل یقین تھا۔

”اب تم ہماری قید میں ہو اور تم تب تک یہاں سے نہیں نکل سکتیں جب تک میں نہیں چاہوں گی۔“ کاشفہ کا لب ولہجہ کسی بھی قسم کے احساس سے عاری تھا' انا کو لگا کہ جیسے کمرے کی چھت اس کے سر پہ آ گری ہے۔

”یو بلڈی......“ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

”تم لوگوں نے مجھے چیٹ کیا' دھوکے سے یہاں لائیں۔“ وہ ایک دم تمام تر لحاظ و مروت بھلا کر پھٹ پڑی تھی۔

”شٹ اپ......“ کاشفہ نے انگلی اٹھا کر ایک دم چپ کروایا تھا۔

”تم نے ایک لفظ بھی مزید کہا تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گی' مکمل طور پر ہمارے اختیار میں ہو ذرا سی بھی بکواس کی تو جان سے ماردوں گی۔“ کاشفہ نے اپنے بیگ سے چاقو نکال کر انا کے سامنے لہرایا تھا۔ انا کا سانس ایک دم رکنے لگا تھا۔

”آرام سے بیٹھ جاؤ۔“ چاقو کے اشارے سے اس نے اسے بستر کی طرف دھکیلا تھا' انا بستر کے کنارے گرگئی تھی۔

”میں ولید سے محبت کرتی ہوں اور تم اس بات سے اچھی طرح واقف بھی ہو۔“ اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کاشفہ نے کہنا شروع کیا تھا۔

”لیکن تم یہ نہیں جانتیں کہ ولید مجھ سے محبت کرتا ہے۔“ دونوں کے چہرے کے زاویے بدلے تھے۔

”مجھے ولید پہلی نگاہ سے ہی اچھا لگا تھا اور میں نے سوچ لیا تھا کہ کچھ بھی ہو مجھے اس شخص کو حاصل کرنا ہے اور پھر میں نے اس کے لیے کوشش شروع کردی۔“ وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی انا نے لب بھینچ لیے تھے۔

”ولید جتنا شاندار تھا میرے لیے اتنا ہی مشکل مرد ثابت ہوا' میں کاشفہ جو لڑکوں کو اپنی انگلیوں پر نچاتی تھی وہ ولید ضیاء کو نہ اپنے حسن کے جال میں جکڑ سکی اور نہ ہی اپنی اداؤں سے۔ ولید سے دوستی میں زیادہ تر ہاتھ میرا تھا اور وہ مروت میں میری طرف بڑھتا رہا۔ میں سمجھتی رہی کہ ایک دن ضرور میں اسے حاصل کرلوں گی لیکن پھر تم درمیان میں آگئیں۔“ اس نے کہتے کہتے نفرت سے انا کو دیکھا تھا۔

”تم نے مجھے بتایا کہ تم اس کی فیانسی ہو میں یقین کرنے کو تیار ہی نہ تھی۔ میں نے ولید کے لیے کیا کچھ جتن کیا حتیٰ کہ اسے قائل کرنے کے لیے خودکشی تک کی کوشش کی لیکن وہ اب مجھ سے نفرت کرنے لگا ہے۔ وہ کہتا ہے میرا اور تمہارا کوئی مقابلہ نہیں لیکن میں اب اسے بتاؤں گی اگر کاشفہ کو اس کی من پسند چیز نہ ملے تو وہ کیا کچھ کرسکتی ہے۔“

”اور وہ سب جو تم اپنے اور ولید کے تعلق کے بارے میں بتاتی رہیں وہ سب کیا تھا؟“ کاشفہ کے الفاظ سن کر انا کا غم سے برا حال تھا۔ اس نے بے یقینی سے پوچھا تو کاشفہ مسکرائی تھی۔

”وہ سب جھوٹ تھا' میرا اور ولید کا ایسا کوئی بھی تعلق نہ تھا میرا مقصد تمہیں ولید سے بدظن کرکے دور کرنے کا تھا۔“ انا کا جی چاہا اپنے آپ کو شوٹ کرلے۔ وہ ایک کم عقل' احمق اور بے وقوف لڑکی ثابت ہوئی تھی۔ اپنی بداعتمادی اور شکی طبیعت کے باعث

نہ صرف خود عذاب میں مبتلا رہی تھی بلکہ ولید کی زندگی بھی اجیرن کر چکی تھی۔ اس کا جی چاہا پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔
"تو اب کیوں بتا رہی ہو تم؟" انا کا جی چاہ رہا تھا کہ اپنے سامنے کھڑی لڑکی سمیت وہ ساری دنیا کو آگ لگا دے۔
"میں ولید کے سامنے ہر طرح کا حربہ آزما چکی ہوں وہ اب میری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا لیکن اب مجھے اسے حاصل کرنا ہے یہ اب میری ضد ہے اور تم مجھے ولید تک پہنچاؤ گی میرے اور اس کے درمیان راہ ہموار کرو گی۔" کاشفہ نے سفاکیت کی انتہا کر دی تھی۔
"تمہارا کیا خیال ہے تمہاری یہ ساری بکواس سننے کے بعد میں تمہارا ساتھ دوں گی؟" انا کے لہجے میں نفرت تھی' کاشفہ مسکرائی تھی۔
"بالکل...... تمہیں ہر حال میں میرا ساتھ دینا ہوگا' تم ہمارے ساتھ آ کر اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مار چکی ہو اور جب تک ہمارے درمیان معاملات طے نہیں ہوں گے تم یہاں سے نہیں نکل سکتیں۔" ہاتھ میں تھاما چاقو انا کے سامنے کرتے اس نے کہا تو انا کے اندر ایک دم غم و غصے کا شدید طوفان اٹھا تھا۔ اس نے کھینچ کر اپنا ہاتھ کاشفہ کے چاقو والے ہاتھ پر مارا تھا' چاقو دور جا گرا تھا۔ کاشفہ کو دھکا دے کر اپنا بیگ جھپٹ کر انا تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ اسے اب ہر حال میں یہاں سے نکلنا تھا لیکن دروازہ لاک تھا تب تک کاشفہ اور اس کی دوست دونوں سنبھل چکی تھیں۔ کاشفہ نے دوبارہ چاقو تھام لیا تھا' انا زور زور سے لاک گھما رہی تھی۔
"یو بلڈی...... تم یہاں سے بھاگو گی' میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔" کاشفہ پاگلوں کی طرح غراتے انا کی طرف بڑھی تھی۔



صفدر کی آنکھوں پر لالچ کی پٹی چڑھی ہوئی تھی' وہ بابا صاحب سے ملا تھا۔ نجانے کیا معاملات طے کیے تھے کہ زیب النساء کے چیخنے چلانے کے باوجود اس نے ملازمہ کو فارغ کر دیا تھا اور پھر زیبن کو زبردستی اپنے ساتھ لے کر ایک اور جگہ چلا آیا تھا۔
"ابا یہ ظلم مت کرو' میری حالت دیکھو میں کہاں خوار ہوتی رہوں گی' وہ میرے شوہر کا گھر تھا۔ میرا شوہر مجھے یہاں لایا تھا کیوں ظلم کر رہے ہو۔" باپ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر روتی زیبن صفدر کا دل نہیں پگھلا سکی تھی۔
"تیری ماں مرتے مرتے میرے ساتھ تو نیکی کر گئی ہے بڑا پیسہ ہے اس چوہدری کے پاس اب دیکھو میں کیسے پیسہ نکلواتا ہوں۔" بیٹی کے رونے دھونے کا کوئی اثر ہی نہ تھا' زیبن نے سر ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔
وہ اسے تھوڑا بہت کھانے کا سامان دے کر گھر میں بند کر کے چلا گیا تھا' زندگی میں پہلی بار زیب النساء اس رات خوف زدہ ہوئی تھی اور پھر آنے والے لگا تار تین چار دن تک صفدر نے گھر کی راہ نہ دیکھی تو زیبن کو اپنے ساتھ ساتھ اپنے اندر پلتی جان کی فکر بھی ستانے لگی۔
گھر میں صفدر کھانے پینے کو جو چھوڑ کر گیا تھا وہ سب ختم ہو چکا تھا۔ کل سے وہ بس پانی پر گزارہ کر رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اگر اسی طرح وہ بھوک سے نڈھال لڑتی رہی تو وہ مر جائے گی' وہ بس ہر وقت رو رو کر اللہ سے صفدر کے آنے کی دعائیں کرتی رہتی تھی اور پھر پانچویں دن صفدر چلا آیا تھا۔ برآمدے کے ننگے فرش پر بے ہوش زیب النساء کو دیکھ کر وہ ایک پل کو ٹھٹکا تھا۔
اسے بابا صاحب کے ساتھ کی گئی ساز باز پانی میں ڈوبتی محسوس ہونے لگی۔ وہ بابا صاحب کو بلیک میل کر کے بہت سارا پیسہ نکلوانا چاہتا تھا ایسے عالم میں زیبن کا زندہ رہنا لازمی تھا۔ جیسے تیسے کر کے اس نے زیبن کو چارپائی پر لٹایا تھا اور خود ڈاکٹر کو بلانے چل دیا تھا' بھوک نقاہت' خوف اور صدمے نے زیب النساء کو نیم جان کر دیا تھا۔ وہ زندہ تھی۔ بس اللہ کا ہی کرم تھا۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کیا' دوائیاں لکھیں' مناسب خوراک اور دیکھ بھال کی تلقین کرتا چلا گیا تو صفدر زیب النساء کی تیمارداری میں لگ گیا تھا۔ کچھ دنوں میں اس کی حالت بہتر ہوئی' وہ اب اٹھنے بیٹھنے کے قابل ہو گئی تھی۔
"ابا کیوں کر رہے ہو یہ سب؟" اگلے دن صفدر کھانے پینے کا کافی سارا سامان رکھ کر پھر کہیں جانے لگا تو خوف سے لرزتی زیب النساء سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔
"تو تیرا کیا خیال ہے میں ہر وقت تیرے گھٹنے سے ہی لگا رہوں۔" کھا جانے والی نظروں سے زیب النساء کو گھورا تھا' وہ سہم گئی تھی۔

ماں کے پلو سے لگ کر جوان ہونے والی لڑکی چوہدری حیات علی کی بیوی بن کر اور بھی خوف زدہ رہنے لگی تھی۔ صفدر چلا گیا تو وہ وہیں زمین پر بیٹھ کر سسکنے لگی وہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ دن بہ دن اس کے اندر کی مقابلے کی قوت ختم ہوگئی تھی۔

چوہدری حیات علی کو ملک سے باہر ایک ماہ ہو چکا تھا' وہ گھر چھوڑ چکے تھے کوئی جان پہچان والا نہ تھا کہ جس سے وہ رابطہ کر کے کوئی خیر خبر حاصل کر لیتی۔ زندگی ایک دم تاریک اور بھیانک ہوگئی تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ صفدر صرف تب تک اس کا خیال رکھنے والا تھا جب تک وہ بچے کو جنم نہ دے لیتی۔ اس کے بعد اس جیسا لالچی آدمی نجانے اسے کس کے ہاتھ جوئے کے نام پر بیچ دیتا۔ جوں جوں دن گزر رہے تھے وہ دن رات حیات علی کے لوٹ آنے کی دعائیں کرتی رہتی تھی اس کی حالت پہلے سے بھی زیادہ خراب رہنے لگی تھی۔

بس اپنے بچے کے آنے کا انتظار تھا' زیب النساء کا کسی سے بھی کوئی رابطہ نہ تھا اور پھر ایک شام اس کی حالت بہت خراب ہوگئی تھی' خوش قسمتی سے اس شام صفدر گھر پر ہی تھا۔ دو دن بعد وہ گھر لوٹا تھا' بیٹی کی چیخیں سن کر کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر نجانے اسے اس کی حالت پر ترس آ گیا تھا یا کیا تھا وہ ایک عورت کو لے آیا تھا اور پھر اس شام اس نے اللہ کو یاد کرتے درد سہتے ایک بیٹے کو جنم دیا تھا۔

ایک خوب صورت لیکن بہت کمزور سے بیٹا زیب النساء کو لگا اس کے اندر جیسے زندگی نے پھر نئی کروٹ لی ہو۔ اسے تمام تکلیفیں اور تمام درد بھولنے لگے تھے۔ صفدر خلاف توقع اس کا خیال رکھ رہا تھا' کھانے پینے کا سامان لا دیتا تھا۔ بچہ بہت خوب صورت تھا لیکن بہت کمزور' زیب النساء کی حالت بھی کچھ بہتر نہ تھی لیکن اب اس کے اندر اپنے بیٹے کے لیے زندہ رہنے کی خواہش ابھری تھی۔ وہ زندہ رہنا چاہتی تھی صرف اور صرف اپنے بیٹے کے لیے۔ حیات علی کا انتظار کرتے کرتے وہ اب مایوس ہو چکی تھی اب اس کی سوچوں کا محور صرف اس کا بیٹا تھا۔

بیٹے کی پیدائش کو آٹھ دن گزر چکے تھے' نہ کوئی رسم ہوئی اور نہ ہی کوئی خوشی۔ غم سے نڈھال زیب النساء نے خود ہی اپنے بیٹے کا نام رکھ لیا۔

"فیضان حیات علی......" وہ دن میں کئی کئی بار یہ نام دہراتی اور سسکنے لگتی' اسے حیات علی کی بہت یاد آتی تھی۔ صفدر کی طرف سے ابھی تک سکون تھا' وہ اس کے کھانے پینے علاج معالجے کا خیال رکھ رہا تھا' اسے لالچ تھا یا کیا تھا لیکن وہ زیادہ دیر تک خاموش نہیں رہ سکا تھا۔ وہ اس دن فیضان کو سلا کر کمرے سے نکلی تو صفدر نے روک لیا۔

"اپنے بیٹے کو تیار کر دے مجھے اسے کہیں لے کر جانا ہے۔" وہ ٹھٹک کر رکی تھی۔

"کہ......کہاں جانا ہے......؟"

"حیات علی کے باپ کے پاس جاؤں گا۔"

"کیوں؟"

"اس کے باپ کی خیر خبر لوں گا' ایسے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو نہیں بیٹھ سکتا۔ نکاح ہوا تھا تمہارا' اس کے باپ نے اس گھر سے نکلوا دیا اور اس نے پلٹ کر خبر تک نہ لی۔" صفدر نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔

"تو تم خود جا کر پتا کر آؤ نا' فیضان کو کیوں ساتھ لے کر جاتے ہو۔"

"زیادہ بک بک نہ کر' تجھ سے مشورہ نہیں مانگا۔ اپنے بیٹے کو کپڑے بدل کر دے مجھے۔" صفدر نے تلخی سے کہا۔

وہ ایک لمبی پلاننگ کر چکا تھا وہ اب فیضان کو آلہ بنا کر بابا صاحب کو بلیک میل کرنا چاہتا تھا۔ پہلے بھی وہ گھر چھوڑنے پر معاملہ طے کرتے ان سے رقم نکلوا چکا تھا۔ زندگی اس کی جیسے تیسے گزر چکی تھی لیکن وہ اب اپنے بڑھاپے کا بندوبست کرنا چاہتا تھا۔

"میں نہیں دوں گی' تمہارا کوئی بھروسہ نہیں تم اسے لے کر بھاگ گئے تو......"

"زیادہ زبان نہ چلا' بھاگنا ہوتا تو ان دو ماہ کا انتظار نہ کرتا۔ اس کے باپ کا پتا کرنے جا رہا ہوں' تیرا ہی بھلا ہے اس میں۔" غصے سے بیٹی کو گھورا تھا' وہ اس کی بات سن کر چونکی تھی۔

"لیکن فیضان بہت چھوٹا ہے وہ میرے بغیر نہیں رہ سکے گا۔"

"تو ٹھیک ہے چل تو بھی ساتھ چل۔" اسے کسی بھی طرح آمادہ نہ دیکھ صفدر نے پینترا بدلا تھا۔ زیب مان گئی' حیات علی کے

گاؤں کا انہیں بس نام کا پتا تھا صفدر کے ساتھ انہیں وہاں آتے آتے چار گھنٹے لگ گئے تھے۔ وہ اپنے علاقے کے ایک بہت بڑے جاگیر دار تھے حیات علی کی حویلی تک پہنچنے میں دقت نہ ہوئی تھی۔ بخش دین نے فوراً پہنچان کر انہیں گیٹ پر ہی روک لیا تھا۔

''تم یہاں کیوں آئے ہو؟'' وہ دیکھتے ہی پریشان ہو گیا تھا۔

''حیات علی میری بیٹی کا شوہر ہے اس کے باپ نے ہمیں وہاں سے نکال دیا' کہتا تھا خاموشی سے نکل جاؤ ورنہ پولیس کے حوالے کردوں گا۔ میں اپنی بیٹی کی زندگی کی خاطر نکل آیا لیکن اب اس کا ایک بیٹا ہے چوہدری حیات علی کا کوئی اتا پتا نہیں۔'' صفدر اونچی آواز میں بولنے لگا تھا' بخش دین ارد گرد دیکھتے کسی کو علم نہ ہو جانے کے خوف سے ان دونوں کو لے کر ایک طرف کونے میں آرکا تھا۔

''دیکھو تم نے ان کو اور بچے کو ساتھ لا کر بہت بڑی غلطی کی ہے' تم نہیں جانتے یہ لوگ کیسے ہیں۔ چوہدری حیات علی کی وجہ سے بابا صاحب نے تم لوگوں کو زندہ چھوڑ رکھا ہے ورنہ وہ کچھ بھی کر سکتے تھے۔''

''لیکن چوہدری صاحب کہاں ہیں' تم نے کہا تھا ایک ماہ بعد وہ پاکستان آجائیں گے لیکن ابھی تک کوئی خیر خبر نہیں ملی۔'' زیبن نے خود پوچھا تو بخش دین کچھ دھیما ہوا۔

''باہر کے ملک میں چوہدری صاحب کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔''

''ہائے میں مرگئی۔'' زیبن تو سن کر تڑپ اٹھی تھی۔

''بڑی نازک حالت تھی' کئی ماہ سے وہاں اسپتال میں ہیں۔ سنا ہے دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی اور بھی چوٹیں لگی آئیں ہیں' مہینوں لگ جانے ہیں بالکل ٹھیک ہونے میں۔'' بخش دین نے بتایا تو زیب النساء ایک دم رونے لگی۔ وہ سمجھتی رہی تھی کہ حیات علی اسے چھوڑ کر چلے گئے اور اب کبھی پلٹ کر نہیں آئیں گے لیکن ایسا بھی ہو سکتا ہے اس کے گمان میں نہ تھا۔

''اب کیا ہوگا؟'' وہ رو رہی تھی۔

''آپ فکر نہ کرو' چھوٹے چوہدری صاحب سے میرا رابطہ نہیں ہو رہا جب بھی کوئی اطلاع ملی تو میں ان تک پیغام پہنچا دوں گا۔'' بخش دین نے خلوص سے کہا۔

''چھوڑو تمہارے پیغام پہنچانے تک کیا ہم ایسے ہی لٹکے رہیں گے۔ میں آج بڑے چوہدری سے مل کر ہی جاؤں گا' نکاح نامے کی کاپی میرے پاس ہے۔ یہ بچہ اب چھوٹے چوہدری کا بیٹا ہے' دیکھتا ہوں چوہدری ہمیں کیسے یہاں سے نکالتا ہے۔'' صفدر جو پلاننگ کر چکا تھا اس سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہ تھا۔

''چوہدری صاحب تم کو جان سے ماردیں گے اگر تم ایسا کرو گے۔ میری مانو تو تم دونوں چپ چاپ یہاں سے نکل جاؤ اگر بڑے چوہدری صاحب کو خبر بھی مل گئی تو وہ حشر نشر کردیں گے تم لوگوں کا۔'' بخش دین نے ڈرانا چاہا۔

''میں نہیں ڈرنے والا' تم مجھے چوہدری سے ملوا دو بس' پھر دیکھتا ہوں کیا کرتا ہے وہ۔'' وہ کسی بھی طور ٹلنے والا نہ تھا۔

''جیسے تمہاری مرضی لیکن ایک بات مانو بی بی کو ساتھ مت لے جاؤ ان کو میں ادھر کمرے میں بٹھا دیتا ہوں اور تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔'' زیب النساء جو پہلے ہی حیات علی کا سن کر رو رہی تھی ایک دم ڈر گئی تھی۔

بخش دین اسے چوکیدار کے بنے ایک چھوٹے سے کمرے میں بٹھا کر خود صفدر کو لے کر چلا گیا تھا' چوہدری سراج بخش دین کے ساتھ صفدر کو دیکھ کر چونکے تھے۔

''تم یہاں......''

''تم تو چوہدری اس گھر سے نکلنے پر کچھ ہزار دے کر رفو چکر ہو گئے تھے۔ تم کیا سمجھتے ہو میں اتنی جلدی تمہاری جان چھوڑ دوں گا۔ نکاح نامے کی کاپی میرے پاس ہے' حیات علی کا بیٹا پیدا ہوا ہے میں چاہوں تو مقدمہ کر سکتا ہوں۔'' صفدر علی آپے سے باہر ہونے لگا تھا۔

''تم جیسے نیچ خاندان کے لوگ ایسے ہی پیچھا پکڑ لیتے ہیں۔ تم نے معاملہ طے کیا تھا کہ تم اپنی بیٹی کو لے کر بالکل غائب ہو جاؤ گے اور کبھی نظر نہیں آؤ گے۔ پیسے لیے تھے تم نے مجھ سے اس کام کے لیے' اب تم دھمکیاں دے رہے ہو وہ بھی چوہدری سراج علی

کو۔ جانتے ہو کیا انجام ہو سکتا ہے تمہارا یہاں آنے پر۔'' نہایت غیض و غضب سے صفدر کو گھورتے ہوئے کہا۔

'' تمہاری بہو اور اس کے بیٹے پر وہ ساری رقم خرچ کی ہے میں نے یا تو مجھے میری منہ مانگی رقم دو یا پھر میری بیٹی کو اس حویلی میں جگہ......'' اس نے دھمکایا۔ چوہدری سراج نے چند پل بغور مغدر کو دیکھا۔

وہ ایک لالچی شخص تھا اس کا منہ بند کیا جا سکتا تھا لیکن یہ مسئلے کا حل نہ تھا وہ پھر کسی بھی وقت انہیں دھمکانے دوبارہ آ سکتا تھا اور پھر اگر کسی اور سے ملاقات ہو جائے تو ان کی عمر بھر کی عزت مٹی میں مل سکتی تھی۔ انہوں نے کچھ سوچا اور بخش دین کو کچھ لوگوں کو بلوانے کا کہا وہ لوگ آ گئے تو چوہدری سراج علی نے ان کو حکم دیا۔

'' اس شخص کو لے جاؤ' اس کا وہ حشر کرو کہ دوبارہ مجھے نظر نہ آئے۔''

'' تم ایسا نہیں کر سکتے چوہدری' میں پولیس میں جاؤں گا' مقدمہ کروں گا تم پر۔'' وہ چیخنے چلانے لگا تھا جبکہ تین چار طاقتور مرد زبردستی دھکیلتے اسے لے گئے تھے۔ بخش دین خاموشی سے محوانتظار زیب کے پاس آیا تھا۔

'' بی بی تمہارے باپ کو چوہدری کے بندے لے گئے ہیں اب وہ زندہ بچتا ہے یا نہیں تم فوراً یہاں سے نکلو۔ اگر چوہدری صاحب کو پتا چل گیا کہ تم بھی ساتھ تھیں تو وہ تمہیں اور تمہارے بچے کو بھی جان سے مروا دے گا۔''

'' کیا......؟'' زیب النساء ڈر گئی تھی۔ بخش دین اسے چوری چھپے وہاں سے نکال کر اڈے تک پہنچا گیا تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار سفر کر رہی تھی' نجانے وہ کیسے ٹھوکریں کھاتی واپس پہنچی تھی۔ صفدر کے ساتھ نجانے کیا سلوک ہوا تھا' وہ غم سے نڈھال تھی۔ رات گئے وہ شہر پہنچی تھی' اکیلی تنہا ایک دو ماہ بچے کے ساتھ ڈری سہی لڑکی وہ بہت کچھ برداشت کرتی گھر پہنچی تو آگے تالا لگا ہوا تھا۔

اسے یاد آیا چابی تو صفدر کے پاس تھی۔ بخش دین نے اسے کرائے کے لیے کچھ پیسے دیئے تھے ان میں کچھ بچ گئے تھے وہ تھکی ہاری جب مہر النساء کے گھر پہنچی تو رات کے دو بج رہے تھے۔ مہر النساء کا شوہر گھر پر نہیں تھا چوکیدار کو ترس آ گیا تھا اس کی حالت اس قدر ابتر ہو رہی تھی کہ اسے اندر جانے دیا تھا۔ مہر النساء اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔ بخش دین کی زبانی زیب النساء کو جو معلوم ہوا تھا وہ سب اس نے مہر النساء کو کہہ دیا تھا۔

مہر النساء نے بظاہر تسلی دی تھی لیکن اندر ہی اندر وہ خود بھی پریشان ہو چکی تھی جیسے تیسے کچھ دن گزرے تھے۔ مہر النساء کا شوہر گھر آ چکا تھا' زیب النساء کو دیکھ کر اس نے ناک منہ چڑھایا تھا لیکن کہا کچھ نہ تھا۔ زیب النساء دو تین بار جا کر پتا کر آئی تھی گھر پر ابھی بھی تالا تھا۔

اس رات وہ بہت غم زدہ تھی' اس کی طبیعت خراب تھی۔ صفدر کی کوئی خبر نہ تھی' مہر النساء کے شوہر کے تیور دن بہ دن بدلتے جا رہے تھے۔ آتے جاتے وہ کوئی نہ کوئی ایسی حرکت کر جاتا تھا کہ زیب النساء ڈر جاتی تھی۔ وہ کسی سے کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔

وہ رات کو لیٹی تھی فیضان کو سلاتے سلاتے ابھی اس کی آنکھ لگی ہی تھی کہ اس کے کمرے کا دروازہ بجا تھا اس نے اٹھ کر کھولا تو نشے میں دھت مہر النساء کا شوہر کمرے میں داخل ہوا تھا' زیب النساء چیخ مار کر ایک طرف ہوئی تھی' وہ بپھرا ہوا شخص اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ فیضان کو اٹھا کر اپنا بچاؤ کرتی بڑی مشکل سے کمرے سے نکلی تھی اس کی چیخوں اور شور کی آواز سن کر مہر النساء بھی آ گئی تھی۔

'' آپا...... مجھے بچالو......'' روتی بلکتی زیب النساء اس سے لپٹ گئی تھی۔ نجانے مہر النساء کے اندر اتنی ہمت کیسے آ گئی تھی روتی بلکتی بہن اور اس کے بیٹے کو سہارا دیتی وہ اپنے کمرے میں لے آئی تھی' اندر سے دروازہ بند کر لیا تھا۔ وہ رات بڑی بھیانک تھی۔ وہ شخص مغلظات بکتا' گالیاں دیتا' شور مچاتا' برے نتائج کی دھمکیاں دیتا رہا تھا۔

صبح ہوئی تو اس شخص نے صاف کہہ دیا تھا کہ زیب النساء اپنا کہیں اور بندوبست کر لے وہ اسے اپنے گھر میں نہیں رکھے گا۔ زیب النساء کے پیروں تلے زمین نکل گئی تھی اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کہاں جائے' کیا کرے؟

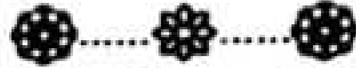
مہر النساء نے بہت منتیں کی تھیں لیکن اس کے شوہر کی ناں ہاں میں نہیں بدلی تھی۔ مجبوراً مہر النساء نے اسے اپنی ایک نند کا ایڈریس لکھ کر اس کے حوالے کر دیا تھا۔ آپا صفیہ مہر النساء کے شوہر کی بہن تھیں اولاد سے محروم تھیں' شوہر وفات پا چکا تھا' وہ اکیلی گھر میں رہتی تھیں کافی نیک صفت خاتون تھیں۔

مہر النساء کے ساتھ بھی ان کا برتاؤ بہت اچھا تھا' زیب النساء کو انہوں نے کھلے دل سے خوش آمدید کہا لیکن آپا صفیہ کے ہاں

جا کر دکھوں اور غموں سے نڈھال زیب النساء کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی۔ حیات علی کی غفلت' باپ کی گمشدگی اور اب اس نئے دھچکے نے اس کے اندر سے زندگی کی امید چھین لی تھی۔ وہ اندر ہی اندر گھلتی جارہی تھی' غموں نے اس کے وجود کو کھوکھلا کرنا شروع کردیا تھا' آپا صفیہ اس کا بہت خیال رکھ رہی تھیں لیکن لگتا تھا کہ جیسے ذہن کے اندر زندہ رہنے کی لگن بالکل ختم ہوگئی تھی وہ اپنا علاج کروانے سے بھی کترانے لگی تھی۔

فیضان چھ ماہ کا ہونے کو آرہا تھا' لیکن حیات علی کا کوئی پتا نہ تھا اور صفدر بھی تاحال گم شدہ تھا' وہ بالکل مایوس ہوچکی تھی۔ اسے سانس کا مسئلہ رہنے لگا تھا اور پھر ایک رات اسے دمہ کا دورہ پڑا تھا' آپا صفیہ اسے ہسپتال لے گئی تھیں لیکن زیب النسا نے رستے میں ہی دم توڑ دیا تھا۔ روتا بلکتا فیضان باپ کے بعد ماں کی ممتا سے بھی محروم ہوگیا تھا۔ مہر النساء کا صدمے سے بُرا حال تھا' دنیا داری کو وہ آ گئی تھی باپ کی ابھی تک کوئی خبر نہ ملی تھی کہ زندہ بھی ہے یا......

فیضان کو اولاد کے لیے ترسی ہوئی آپا صفیہ نے اپنے سینے سے لگالیا تھا۔ زیب النساء کی زندگی کا باب بند ہوا تو چوہدری حیات علی سے متعلق ہر خبر نے گویا دم توڑ دیا تھا اور پھر زندگی ایک نئے ڈھنگ میں گزرنے لگی تھی۔



فیضان ماموں اور سہیل بھائی دوبارہ ہادیہ کے والد کے پاس گئے تھے' انہوں نے مثبت جواب دیا تھا۔ ہادیہ اور رابعہ کا خوشی سے بُرا حال تھا' ابوبکر بھی خوش تھا۔ بس یہی طے ہوا تھا کہ ایک دن بعد نکاح ہوگا اور رخصتی چند ماہ بعد...... ہادیہ کا باپ ایک محنتی انسان تھا اپنی زندگی کو انہوں نے خود بنایا' سنوارا تھا اور زندگی میں ایک مقام بنایا تھا۔ ابوبکر سے متعلق انہوں نے بہت غور وفکر کے بعد فیصلہ کیا تھا۔ ابوبکر میں انہیں اپنا ماضی دکھائی دیا تھا سو وہ فیصلہ کرکے مطمئن تھے۔

رابعہ جوش وخروش سے نکاح کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی۔ ثریا بیگم بھی سب کے سمجھانے بجھانے پر صدمے کی کیفیت سے نکل کر ابوبکر کے نکاح کے بندوبست میں لگ گئی تھیں۔

ابوبکر کا فلیٹ تیار تھا لیکن یہی فائنل ہوا تھا کہ ابوبکر کے نکاح کی ساری تیاریاں سہیل کے گھر سے ہی ہوں گی۔ وہ بھابی کے ساتھ اسی سلسلے میں ہی لگی ہوئی تھیں جب اس کے نمبر پر عباس کی کال آگئی تھی۔

"السلام علیکم! سر کیسے ہیں؟" اس کی آواز میں کھنک سی تھی۔

"وعلیکم السلام! ٹھیک ہوں۔" عباس نے پوچھا۔

"آپ کی شادی کی ٹائمنگ کا پوچھنا تھا میں نے؟" عباس نے فون کرنے کی وجہ بتائی تو رابعہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"سر میری شادی نہیں ہورہی۔"

"کیا......کیا مطلب؟" عباس الجھا۔

"سر! میری شادی کینسل ہوگئی ہے وہ اب نہیں ہورہی۔ میں نے کال کرکے اسٹاف کے باقی ممبرز کو اطلاع کردی تھی آپ کو شاید کسی نے نہیں بتایا ہوگا۔" وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ دوسری طرف موجود عباس کو لگا کہ جیسے یہ الفاظ سن کر وہ بہت پرسکون ہوگیا ہو۔

"کیسے کینسل ہوگئی شادی؟" اب کے لہجے میں فکر مندی اور تشویش تھی۔

"شاید ابھی قسمت میں نہیں تھی۔" وہ پُرسکون تھی۔

"لیکن کوئی ریزن تو ہوگی نا۔"

"اصل میں کل ابوبکر اور ہادیہ کا نکاح ہورہا ہے۔"

"ہادیہ کا نکاح...... میں سمجھا نہیں؟"

"اصل میں سر......" ہادیہ نے بتانا شروع کیا تھا اور مختصراً ہادیہ اور ابوبکر کے متعلق سب سنادیا۔

"ویری گڈ......یعنی آپ ہادیہ کے لیے اتنی بڑی قربانی دے رہی ہیں' ویل ڈن۔" عباس رابعہ کے اس ظرف اور عمل سے بہت متاثر ہوا تھا۔

"سر! قربانی کیسی...... وہ میری دوست ہے اور مجھے بہت عزیز ہے۔ ساری بات کھل چکی تھی اور میں جان بوجھ کر شادی کر بھی لیتی تو شاید میں کبھی خوش نہ رہ پاتی اور سب کچھ جاننے کے بعد میں ابوبکر سے شادی کر لیتی یہ ناممکن سی بات تھی۔"

"ویری نائس۔" عباس نے ایک دم سراہا۔

"ماشاء اللہ ذہنی اپروچ بہت اچھی ہے آپ کی ورنہ آج کل کے دور میں لوگ حقیقی رشتوں کے متعلق غاصبانہ رویہ اختیار کرلیتے ہیں دوستی وغیرہ تو بہت دور کی بات ہوتی ہے۔"

"شکریہ سر! میرے لیے اپنی ذات اور بعد کے کرائسز کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا آسان نہ تھا لیکن میرے سامنے میری ساری زندگی کی خوشیاں اور دوسری طرف ہادیہ کی خوشی اور ابوبکر کی ذات تھی۔ فیصلہ مشکل تھا لیکن مجھے ابھی قدم پیچھے ہٹالینا بہتر لگا بانسبت اس امر کے کہ میں ابوبکر سے شادی کر کے ساری عمر پچھتاتی۔"

"بہت ہی اچھا فیصلہ کیا آپ نے میں کچھ بزی تھا آفس بھی کم چکر لگ رہا تھا اس لیے مجھے آپ کی شادی کینسل ہوجانے کی خبر نہیں مل پائی۔"

"بس جو اللہ کو منظور ہو نا تو وہی ہوتا ہے۔" رابعہ نے بردباری سے کہا۔

"بالکل بے شک......" عباس مسکرایا۔ عباس کو لگا آج بہت دن بعد اس کے اندر ڈھیر سارا سکون اترا ہو جیسے اپنی ذات ایک دم ہلکی پھلکی محسوس ہونے لگی تھی خوشبوؤں میں بسی۔ معطر معطر سی......

"اوکے سر یہاں کچھ بزی ہوں پھر بات ہوگی۔" رابعہ کو باہر سے بھابی نے آواز لگائی تو اس نے فوراً کہا۔

"ایک منٹ رابعہ......" عباس ایک دم بولا۔

"جی سر......"

"میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔" عباس نے کچھ سوچ کر کہا۔

"خیریت سر......؟"

"ایک ضروری کام ہے کیا آپ آج مل سکتی ہیں مجھ سے۔" عباس نے پوچھا تو وہ الجھی۔

"کیسا کام؟"

"کام کی نوعیت ملنے پر ہی بتا سکتا ہوں۔" عباس پرسکون تھا۔

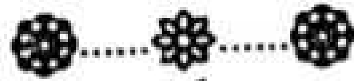
"آج تو ممکن نہیں......"

"تو ٹھیک ہے کل ابوبکر کے نکاح کے سلسلے میں میں ہادیہ کی طرف سے شامل ہوں۔ وہاں بات کریں گے۔" عباس نے پروگرام ترتیب دیا تھا۔

"لیکن ہادیہ نے تو آفس کے کسی بھی ممبر کو اپنے نکاح کا نہیں بتایا۔" رابعہ نے کہا تو عباس مسکرایا۔

"ہادیہ کے گھر والوں سے باباجان کے اچھے فیملی ٹرمز ہیں وہ یقیناً نکاح میں انوائٹ کریں گے۔ ہادیہ سے میں خود بھی بات کرلوں گا اس بات کی آپ ٹینشن نہ لیں۔" عباس نے ایک دم جیسے ہر چیز پلان کرلی تھی۔ رابعہ محض مسکرادی۔

"اوکے جیسے آپ کی مرضی سر۔"



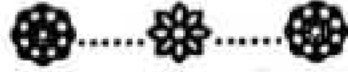
کاشفہ تیزی سے انا کی طرف بڑھی تھی اس کی دوست نے بھی اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا تھا۔ انا شدید مزاحمت کر رہی تھی کاشفہ نے مشتعل ہو کر ایک زوردار تھپڑ انا کے چہرے پر مارا تو وہ زمین پر جا گری تھی۔

"اب اگر تم نے کوئی حرکت کی تو میں تمہاری جان لے لوں گی۔" نہایت بے خوفی سے چاقو لہراتے اس نے انا کو خبردار کیا تھا۔

"تم اس قدر گھٹیا لڑکی ہوسکتی ہو میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔" جواباً انا نے کہا تو کاشفہ نے سختی سے گھورا۔

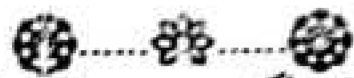
"بکواس بند کرو جتنی زبان چلاؤ گی اتنا ہی اپنے حق میں برا کرو گی۔ میں تمہیں یہاں محض بات چیت کے لیے لائی تھی اب اپنے حق میں تم خود برا کر رہی ہو۔" کاشفہ کے چلا کر کہا تھا۔

"اس وقت تم ہمارے انڈر ہو' کچھ بھی کہو گی تو نقصان تمہارا ہی ہوگا۔" کاشفہ کی الفاظ پر انا نے بہت تلخی سے اسے دیکھا تھا۔
"جیدی کو بلاؤ۔" کاشفہ نے اپنی دوست کو کہا تھا۔ اس نے فوراً کسی لڑکے کو کال کی تھی دو منٹ بعد وہ لڑکا کمرے میں موجود تھا۔ اونچا لمبا بگڑے خاندان کا سپوت وہ بھی شاید کاشفہ کا کوئی لگتا تھا۔
"یہ لڑکی قابو میں نہیں آرہی اس کو اچھی طرح سبق سکھاؤ' ہم تھوڑی دیر میں آتی ہیں۔" لڑکے کے آنے پر کاشفہ نے کہا تو انا کو لگا اس کا حلق خشک ہونے لگا ہے۔ اس نے بہت سہم کر اس لڑکے کو دیکھا جو بڑی بے باکی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ انا کو ایک دم اپنا آپ کسی گہرے کھنڈر میں گرتا ہوا محسوس ہوا تھا۔



زیب النساء کی وفات کو مزید پانچ ماہ گزر چکے تھے۔ فیضان کو آپا صفیہ نے بہت آسانی سے سنبھال لیا تھا' چند دن اس نے ماں کی کمی محسوس کی' بیمار بھی ہوا تھا لیکن پھر آپا صفیہ کے ساتھ پلنے لگا تھا وہ اب بڑا ہو رہا تھا اس کی صحت بھی بہتر ہو چکی تھی۔ آپا صفیہ اس کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ اس سارے عرصے میں مہر النساء صرف دو تین بار بھانجے سے مل سکی تھی۔ مہر النساء کی اپنی بیٹی افشاں بھی اب بڑی ہو رہی تھی' لیکن مہر النساء کے اندر باپ کی غلط حرکتوں اور بہن کی جدائی نے ایک گہرا شگاف ڈالا تھا۔
اس کی معصوم بھولی بھالی کم عمری بہن دنیا سے کیسے خوار ہو کر گئی تھی' یہ دکھ مہر النساء کو اندر ہی اندر چاٹنے لگا تھا۔ اس نے کئی بار کوشش کی تھی کہ بھانجے کو اپنے پاس لے جائے لیکن شوہر کی سختی نے ایسا نہ کرنے دیا تھا۔
چوہدری حیات علی کی کوئی خبر نہ تھی اور صفدر وہ نجانے کہاں تھا۔ پھر ایک دن انتہائی خراب حالت میں مہر النساء کے گھر کے سامنے صفدر آ کر رکا تھا وہ بار بار مہر النساء سے ملنے کا کہتا تھا۔ چوکیدار کو کسی کو بھی اندر بھیجنے کی اجازت نہ تھی' اس نے مہر النساء کو اطلاع کر دی تھی وہ خود گیٹ تک آئی اور صفدر کو دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔ بڑھی ہوئی داڑھی' بکھرے لمبے بال' پھٹے پرانے کپڑے ہڈیوں کا ڈھانچہ وہ تو کہیں سے بھی صفدر نہیں لگ رہا تھا۔
"ابا! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تو نے اپنی۔" وہ حیران تھی جواباً صفدر مغلظات بکنے لگا۔
مہر النساء کے چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا' مہر النساء اسے اندر لے آئی تھی۔ صفدر اسے اپنی بدحالی کی کہانی سنانے لگا تھا۔ چوہدری سراج علی کے آدمی اسے لے گئے تھے بہت مار پیٹنے کے بعد انہوں نے اسے ایک تنگ و تاریک کمرے میں بند کر دیا تھا۔ صرف ایک وقت کا کھانا ملتا تھا' زندگی ایک دم صفدر پر عذاب بن کر اتری تھی۔ وہ اس وقت کو پچھتانے لگا جب اس نے گاؤں آنے کا سوچا تھا' نجانے زیب النساء کا کیا حال ہوا ہوگا؟ وہ وہاں کئی ماہ قید رہا تھا۔
جسمانی طور پر اس کے اندر اتنی کمزوری غالب آ چکی تھی کہ اس کی ساری اکڑ سارا کروفر اور لالچ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ وہ دن رات کھانا لانے والے سے منتیں کرتا تھا کہ کوئی اسے یہاں سے نکال دے ورنہ وہ مر جائے گا' قید تنہائی نے اسے بالکل مفلوج کر دیا تھا اور پھر شاید چوہدری کو اس پر ترس آ گیا تھا۔ اس نے اس سے کچھ کاغذوں پر انگوٹھے لگوائے تھے وہ پڑھا لکھا نہیں تھا' علم بھی نہ تھا کہ وہ کیسے کاغذات ہیں۔ بس رہائی کی خاطر سب کچھ کرنے کو تیار تھا اور پھر چوہدری کے کارندوں نے اسے وہاں سے نکال کر ایک سنسان اور ویران جگہ پر پھینک دیا تھا۔
اس وقت وہ جسمانی طور پر بالکل مفلوج ہو چکا تھا' کچھ لوگوں کو اس پر ترس آیا وہ اسے اٹھا کر ایک اسپتال لے گئے تھے کچھ عرصہ اس کا علاج چلتا رہا تھا۔ کچھ کھانے کو ملا تو جسم میں قوت پیدا ہونے لگی اور پھر ایک دن اسپتال والوں نے اسے فارغ کر دیا تو وہ اپنے کرائے کے گھر میں گیا تھا وہاں کوئی اور لوگ آباد تھے۔ مکان کا مالک گھر کا تالا توڑ کر وہاں کچھ اور لوگوں کو بسا چکا تھا وہ وہاں سے نامراد ہو کر مہر النساء کی طرف آیا تھا۔ مہر النساء ساری کہانی سنتے کئی بار روئی تھی۔
"ابا تمہارے لالچ اور تمہاری بری عادتوں نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا۔" وہ شدت سے رو دی۔
"زیبن کہاں ہے؟" صفدر نے پوچھا تو مہر النساء نے تلخی سے باپ کو دیکھا۔
"وہ تمہارے لالچ کی بھینٹ چڑھ گئی۔" صفدر نے ناسمجھی سے دیکھا۔ "پانچ ماہ پہلے وہ مر گئی' دکھوں اور غموں نے اس کو نگل لیا۔ شوہر کی بے وفائی اور تمہارے لالچ نے اسے جیتے جی مار دیا تھا۔"

"زرینہ مرگئی......" وہ بڑبڑایا۔
"وہ مری نہیں تھی تم نے اسے مار ڈالا تھا' اماں نے چوہدری کی شرافت دیکھ کر اس کا نکاح کیا تھا لیکن اس کے باپ کے ظلم نے اس سے سب کچھ چھین لیا۔" وہ روتی رہی۔
"اور اس کا بچہ کہاں ہے؟" صفدر کا ذہن کہیں اور تھا' مہرالنساء رو رہی تھی جبکہ صفدر کی آنکھوں میں نمی کا شائبہ تک نہ تھا۔ مہرالنساء نے بہت کرب سے باپ کو دیکھ کر سر جھکا لیا تھا۔



"تم جس کام کے لیے لائی ہو وہ کرو جو کہنا ہے وہ کہو لیکن میں یہاں نہیں رکوں گی۔" اناکا خوف کے مارے برا حال ہو رہا تھا' وہ جتنی بھی بہادر اور باہمت ہوتی لیکن جیدی جیسے لڑکے کو دیکھتے ہی اس کا خون خشک ہونے لگا تھا' کاشفہ مسکرائی تھی۔
"جیدی تو محض ایک ڈراوا ہے تمہارے لیے' تمہارے لیے تمہاری عزت تمہارا کردار تو بہت اہم ہوگا اور یقیناً تم اس پر کوئی حرف بھی نہیں آنے دینا چاہو گی' ہے نا۔" انا نے لب بھینچ کر بہت ضبط سے ان تینوں کو دیکھا تھا۔
"کیا چاہتی ہو؟"
"ولید کو؟" وہ ہنس کر کہہ رہی تھی۔
"تو اس کے پاس جاؤ' مجھے کیوں لائی ہو یہاں۔"
"وہ تم سے محبت کرتا ہے اور میں جان چکی ہوں جب تک تم درمیان میں موجود ہو وہ میری طرف مائل نہیں ہوگا۔" وہ اس کے سامنے بیٹھ چکی تھی۔
"تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟" وہ پھٹ پڑی تھی۔
"سارا قصور ہی تمہارا ہے تم اگر چاہو تو ولید میری طرف آسکتا ہے۔" انا کے اندر ایک دم شدید اشتعال کی لہر اٹھی تھی۔
"کیا تم پاگل ہو؟ میں بھلا کیسے کسی کو کسی دوسرے کے ہونے پر مجبور کر سکتی ہوں۔"
"تم کیسے کرتی ہو یہ تمہارا ہیڈک ہے۔" وہ غصے سے بولی تھی۔
"مجھے ہر حال میں ولید چاہیے۔" وہ تنفر سے کہہ رہی تھی۔
"ولید بازار میں بکی کوئی چیز نہیں ہے' جو تمہیں پسند آجائے تو تمہیں دے دوں۔"
"شٹ اپ۔" انا کے الفاظ پر وہ پھنکاری تھی۔
"اگر تم میری بات مانتی ہو تو ٹھیک ورنہ جیدی کو تم جیسی لڑکیوں کو ہینڈل کرنا خوب آتا ہے۔" کاشفہ نے ساتھ کھڑے لڑکے کو دیکھ کر اسے ڈرانا چاہا تھا' انا کے اندر ایک دم شدید طوفان اٹھنے لگے تھے۔
وہ ڈرنے اور ہارنے والی لڑکی نہ تھی اور اب جبکہ سب کچھ کلیئر ہو چکا تھا۔ ولید کی ذات' اس کا کردار اس کی پوزیشن سب کچھ صاف ہو چکا تھا تو وہ بھلا کیوں ڈرتی لیکن کاشفہ کے ساتھ کھڑا لڑکا جن نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا انا کے اندر شدید لہر اٹھی تھی۔
"کیا چاہتی ہو تم؟" انا کاشفہ کے ساتھ یہاں تک آنے کی ایک سنگین غلطی کر چکی تھی۔ اب یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا ماسوائے اس کے کہ وہ اپنے اندر کے طوفانوں کو دبائے خاموشی سے کاشفہ کا موقف سن لے۔
"یہاں میرے ساتھ ایگری منٹ پر سائن کرو کہ تم ولید کی زندگی سے نکل جاؤ گی اور اسے خود سے متنفر کرنے کی کوشش کرو گی۔" کاشفہ کی بات سن کر وہ ایک دم حیران ہوئی تھی۔
"میں کیوں سائن کروں؟ ولید کوئی بے جان چیز نہیں ہے' جس کے لیے تم مجھے دھمکاؤ' تمہیں ولید چاہیے تو خود کوششیں کرو۔"
"وہ کبھی نہیں آئے گا جب تک تم کوشش نہیں کرو گی۔" انا نے لب بھینچ لیے تھے۔
"آئی ایم سوری میں سائن نہیں کروں گی۔" اس نے بہت غصے سے کہا تھا۔
"اوکے اب پھر جیدی ہی تمہیں ہینڈل کرے گا' تمہارا دماغ ٹھکانے آجائے تو بتا دینا میں آجاؤں گی۔" جیدی کو کہہ کر وہ جانے لگی تھی انا ایک دم خوف زدہ ہوئی تھی۔

''تم پاگل ہو وہ شخص تم سے اگر محبت نہیں کرتا تو میں بھلا اسے زبردستی کیسے تمہاری زندگی میں داخل کرسکتی ہوں۔'' وہ خوف سے چلائی تھی۔

''تمہارے پاس دو آپشن ہیں بالکل اسی حالت میں جس میں تم آئی ہو واپس جاتی ہو یا میرے ساتھ ایگری منٹ کرتی ہو۔'' انا کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا تھا۔

''میں ایگری منٹ نہیں کروں گی۔'' انا نے سختی سے کہا تھا۔

''اوکے' جیسے تمہاری مرضی' جیدی کیری آن۔'' کاشفہ لڑکے کو اشارہ کرتے اپنی دوست کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھی تھی' انا کا چہرہ ایک دم تاریک ہوا تھا۔

''سنو کاشفہ! تم اچھا نہیں کررہیں' تم کیوں کررہی ہو ایسا' ولید کو بھلا میں کیسے خود سے دور کرسکتی ہوں۔'' وہ اس کے پیچھے لپکی تھی لیکن کاشفہ اور اس کی دوست دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھیں۔

''کاشفہ...... کاشفہ......'' انا بھی پیچھے بھاگی تھی لیکن جیدی' نامی لڑکے نے فوراً درمیان میں آکر اس کا رستہ روک لیا تھا۔ جیدی کو دیکھتے انا کو پہلی بار صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوا تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ ایک دم بدلا تھا' اس نے اس لڑکے کو دھتکارتے باہر کی طرف دوڑ لگائی تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ باہر نکلتی کاشفہ باہر سے دروازہ بند کرچکی تھی۔ انا دروازے کو زور زور سے پیٹنے لگی تھی لیکن دروازہ بند ہوچکا تھا اور اس کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔

❁......❁......❁

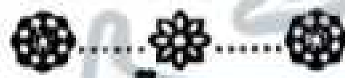
حیات علی کا شدید ایکسیڈنٹ ہوا تھا کچھ دنوں تک زندگی اور موت کی کشمکش میں رہنے کی بعد زندگی نے موت کو شکست دی تو علم ہوا کہ جسمانی توڑ پھوڑ نے ان کو بالکل مفلوج بنا کر رکھ دیا تھا۔ وہ جو اُڑ کر پاکستان پہنچنا چاہتے تھے ڈاکٹروں کے ہاتھوں خود کو بے بس دیکھ کر نڈھال سے ہونے لگے تھے۔ نہ پیسے کی کمی تھی اور نہ ہی کسی اور چیز کی بابا صاحب حادثے کی خبر سن کر فوراً آپہنچے تھے۔ زبیدہ کا بھائی ان سب کے مزید قیام کا بندوبست کرنے لگ گیا تھا۔ اس طرح وہ آہستہ آہستہ دوبارہ زندگی کی طرف لوٹنے لگے تھے۔ جسم کے ٹوٹے حصے جڑنے میں مہینوں لگ جانے تھے' بابا صاحب ایک ماہ رہنے کے بعد واپس چلے گئے تھے۔ زبیدہ اور بچے وہیں تھے' بچوں کی تعلیمی مصروفیات کا حرج ہورہا تھا۔ زبیدہ کے بھائی نے ان کے اسکول کا بندوبست کردیا تھا' دو ماہ بعد وہ گھر شفٹ ہوگئے تھے ابھی بھی بستر پر تھے۔ زبیدہ خوب خدمت کررہی تھی' کبھی کبھار ان کے اندر زبیدہ کے ساتھ کی گئی زیادتی پر شدید ندامت ہونے لگتی تھی۔ انہیں زیبن بہت یاد آتی تھی' نجانے وہ کس حال میں تھی اب تو اس کی گود میں ان کی اولاد بھی موجود ہوگی۔ پتا نہیں بیٹا تھا یا بیٹی' بابا صاحب زیبن کی خبر گیری کرتے ہوں گے یہ ناممکن سی بات تھی۔

اور پھر وہ سنبھلنے لگے تھے ان کے بچے اسکولز میں پڑھ رہے تھے وہ بھی بتدریج بہتر ہورہے تھے۔ پورا ایک سال ان کا ٹریٹمنٹ چلا اور پھر وہ بالکل ٹھیک ہوگئے تھے بغیر کسی لڑکھڑاہٹ کے چل پھر سکتے تھے۔ بچوں کی تعلیم کا حرج ہونے کا خدشہ تھا لیکن وہ پاکستان بھی جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے کئی بار بابا صاحب سے واپس پاکستان آنے کی بات کی تھی پہلے تو وہ ٹالتے رہتے تھے اور پھر ایک دن انہوں نے اجازت دے دی تھی۔ زبیدہ بچوں کا تعلیمی حرج نہ ہوجانے کا کہہ کر جانے سے انکاری تھی سو سب کو وہیں چھوڑ کر وہ واپس آگئے تھے۔

آتے ہی انہوں نے بخش دین کا پوچھا تو علم ہوا کہ وہ تو چند ماہ پہلے حویلی چھوڑ کر اپنا خاندان لے کر چلا گیا تھا' کہاں؟ کسی کو کوئی خبر نہ تھی۔ وہ شہر گئے تھے زیب النساء کا کوئی پتا نہ تھا اور پھر وہ مہر النساء کی طرف بھی گئے وہ بھی ملنے پر آمادہ نہ ہوئی تھی اور اس کا چوکیدار بھی لاہور میں تھا ورنہ شاید اس سے ہی کوئی خبر مل جاتی۔ وہ چند دن پاگلوں کی طرح نڈھال گھومتے رہے اور پھر تھک ہار کر حویلی واپس لوٹ آئے تھے۔ اس رات وہ اپنے بستر پر دراز تھے' زیبن نجانے کہاں گم ہوچکی تھی۔ انہوں نے سوچا کہ وہ پھر مہر النساء کے پاس جائیں گے اور زیب النساء کا پوچھیں گے' پاکستان سے باہر جانے سے پہلے وہ جب زیب النساء سے ملنے آئے تھے تو زیب النساء مہر النساء کے گھر میں تھی یقیناً اب بھی ادھر ہی ہوگی' ان کے دل کو یقین سا تھا۔

اگلی صبح وہ پھر تیار ہوکر شہر کے لیے روانہ ہونے والے تھے جب بابا صاحب نے ان کو بلوالیا تھا۔ وہ ان کے پاس آئے تو

انہوں نے ہاتھ میں پکڑے کاغذات ان کی طرف بڑھائے تھے۔
"یہ کیا ہے؟"
"دیکھ لو۔" حیات علی نے ان کو گھورا اور اس پر لکھی تحریر دیکھی تو چونک گئے۔
"یہ...... یہ" حیات علی نے حیرانی سے باپ کو دیکھا تھا۔
"چند ماہ پہلے صفدر خود تمہارا پتا کرنے ادھر آیا تھا' صفدر کو تو تم جانتے ہو گے' تمہاری وہ نام نہاد شہرن بیوی کا باپ۔" بابا صاحب کے لہجے میں اب بھی وہی تنفر اور نفرت کا ریلا تھا۔
"جب علم ہوا کہ تم یہاں نہیں ہو تو تمہاری حالت کا سن کر کہنے لگا کہ وہ اپنی بیٹی کو اس گھر سے لے کر جانا چاہتا تھا۔ مجھے بھلا کیا فرق پڑتا تھا لیکن مجھے تمہارا خیال تھا کہ تم باپ کو غلط نہ سمجھنے لگو۔ ثبوت کے طور پر یہ تحریر لکھوائی تھی یہ اس کے انگوٹھے بھی موجود ہیں اس پر۔" حیات علی نے لب بھینچ لیے تھے۔
"کچھ بتایا کہ وہ کہاں لے کر جا رہا تھا زیبن کو۔" یہ سب سن کر حیات علی کے دل کو مزید پتنگے لگ گئے تھے۔
"مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں۔" انہوں نے کندھے اچکائے تھے۔ حیات علی نے نہایت بے بسی سے انہیں دیکھا تھا' آنکھوں میں شکایت' گلہ اور اذیت نجانے کیا کچھ تھا۔
صفدر ایک جواری' بدقماش اور نشہ باز انسان تھا' نجانے وہ زیبن کو لے کر کہاں گیا تھا۔ وہ نڈھال سے پلٹ آئے تھے۔ وہ اس دن شہر کے لیے روانہ نہیں ہوئے تھے چند دن گزرے تو پھر دل میں خیال آیا کہ ضرور مہر النساء کو تو بہن کا علم ہوگا۔ ان کے اندر ہمت بڑھی تھی وہ اسی وقت شہر کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔ وہ کچھ گھنٹوں کے بعد پھر مہر النساء کے گھر کے سامنے تھے انہوں نے چوکیدار سے مہر النساء سے ملنے کا کہا تھا۔ چوکیدار کا دل تو مانا ہی نہ تھا لیکن پھر کچھ پیسے دینے پر اندر چلا گیا تھا۔
"بیگم صاحبہ کہتی ہیں وہ کسی حیات علی کو نہیں جانتیں' آئندہ یہاں مت آئیے گا ورنہ پولیس کو بلوا لیں گی۔" حیات علی کچھ دیر کھڑا رہا تھا' وہ چوکیدار کی منتیں کرتا رہا تھا کہ وہ ایک بار مہر النساء سے ملوا دے لیکن چوکیدار بھی مجبور تھا' نہیں مانا تھا۔ مجبوراً ناامید ہی وہاں سے پلٹنا پڑا تھا اس نے سوچا کہ وہ کل پھر آئے گا شاید مہر النساء کو اس پر ترس آ ہی جائے۔



جیدی انا کی طرف بڑھا تو وہ مارے خوف کے کئی قدم پیچھے ہٹی تھی۔
"ڈونٹ ٹچ می۔" وہ چیخی تھی۔
"آپشنز تو تمہیں کاشفہ نے دیئے تھے اگر قبول کر لیتیں تو مجھے برداشت نہ کرنا پڑتا۔" وہ خباثت سے مسکراتا انا کی طرف بڑھا تھا' انا کا مارے خوف کے برا حال تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ ابھی بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔ اس شخص نے ہاتھ بڑھا کہ انا کا بازو پکڑنا چاہا تھا انا ایک دم ہاتھ جھٹک کر دوسری طرف بھاگی تھی۔
"دروازہ بند' کھڑکیاں بند...... کہاں تک بھاگو گی۔" وہ مکروہ ہنسی ہنسا تھا۔ انا نے اضطرابی کیفیت میں اردگرد دیکھا تھا شاید اپنے بچاؤ کے لیے اسے کمرے میں کوئی چیز مل جائے لیکن وہاں ایسی کوئی چیز تھی ہی نہیں شاید بہت سوچ سمجھ کر اس کمرے کا انتخاب کیا گیا تھا۔
"دیکھو میں نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا' میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں پلیز چھوڑ دو مجھے۔" وہ کسی کے سامنے بھی نہ ہارنے والی لڑکی اس بدفطرت انسان کے سامنے ایک دم ہاتھ جوڑ کر سسک اٹھی تھی۔
"میں کاشفہ سے پیسے لے چکا ہوں' تمہارا اور اس کا معاملہ سیٹ ہو جاتا تو ٹھیک لیکن اب میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔" وہ پھر اس کی طرف بڑھا تھا' انا کو اپنا آپ ایک گہری دلدل میں گرتا محسوس ہو رہا تھا' آنسو شدت سے بہنے لگے تھے۔
کاشفہ نے انتہائی گھٹیا چال چلتے اسے زیر کرنا چاہا تھا اور اپنی شکی فطرت کے سبب وہ کتنی آسانی سے اس کے جال میں پھنس گئی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ ابھی موت آ جائے یا زمین پھٹے اور اس میں سما جائے اسے ایک دم اپنے آپ سے کراہیت اور شدید نفرت سی محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ اپنی بداعتمادی کے سبب آج اپنے لیے جہنم خرید چکی تھی۔

”پلیز مجھے چھوڑ دو پلیز......“ وہ اس کے سامنے سسکنے لگی تھی۔

”اس کمرے میں کیمرے لگے ہوئے ہیں میں تمہیں چھوڑتا ہوں تو خود پھنستا ہوں ویسے بھی تم جیسی لڑکی کو کون کافر چھوڑ سکتا ہے بھلا۔“ وہ خباثت سے مسکرایا انا نے ایک دم گھبرا کر در و دیوار کو دیکھا۔

”دیکھو ہونا تو وہی ہے جو ہم طے کر چکے ہیں اس لیے بھاگنے کی بجائے میرے ساتھ تعاون کرو تمہارا ہی فائدہ ہوگا۔“ وہ اس کے قریب آ کر پھر کہہ رہا تھا انا وحشت سے دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔ اس کمرے کی حدود میں اپنا بچاؤ کرنا ناممکن سی بات تھی۔

”میں کاشفہ کے ساتھ ہر طرح کی ڈیل کرنے کو تیار ہوں تم اسے بلوا دو پلیز۔“ ایک دم سسکتے ہوئے اس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

وہ شدت سے رو رہی تھی۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا وہ شخص بے اختیار مسکرایا تو انا ایک دم اس کا ہاتھ جھٹک کر ایک طرف کھسکی تھی۔

”بڑی جلدی لائن پر آ گئی ہو تم یہی بات جب تم سے کاشفہ نے کہی تھی تب تو تم مانی ہی نہ تھی۔“ وہ رو تی رہی تھی۔ اس شخص نے ایک بھرپور نظر انا پر ڈالی تھی۔ اس بھاگ دوڑ میں اس کے وجود سے چادر سرک کر صرف ایک کندھے پر جھول رہی تھی۔ بغیر کسی بناوٹ کے بالکل بے ریا چہرہ خوب صورتی میں وہ بہت کمال تھی لیکن وہ پیچھے ہٹ گیا تھا اس نے موبائل نکال کر نمبر ملایا تھا۔

”ہاں مان گئی ہے وہ۔“ نجانے دوسری طرف سے کیا کہا گیا تھا وہ ایک دم ہنسا تھا۔

”لڑکی ہے تو بہت خوب صورت چھوڑنے کو دل تو نہیں کر رہا۔“ انا سمٹ سی گئی تھی۔

”او کے......او کے...... تم آ جاؤ پھر اب خود دیکھ لو۔“ اس نے کہہ کر پھر انا کو دیکھا تھا۔ اس نے اپنے وجود پر دوبارہ چادر درست کی تھی۔

”لگتا ہے کافی اونچے گھرانے سے ہو ورنہ کاشفہ اور ایسے معاملات سے گھبرا جائے۔“ وہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

”تمہاری خوش قسمتی ہے کہ کاشفہ نے محض تمہیں ڈرانے دھمکانے کو میرا استعمال کیا ہے ورنہ تم چھوڑ دینے والی لڑکی تو نہیں ہو۔“ اس نے قریب آ کر پھر انا کے چہرے کو چھونا چاہا تھا وہ فوراً سائیڈ پر سرک گئی تھی کچھ دیر میں کاشفہ اور اس کی دوست واپس آ گئی تھیں۔

”تم جاؤ۔“ جیدی کو کہہ کر وہ ایک طرف کھڑی سسکتی ہوئی انا کی طرف بڑھی تھی۔

”خوش قسمت ہو جو مجھے تم پر ترس آ گیا ورنہ تو میں نے طے کر رکھا تھا تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتیں۔ تمہاری ویڈیو دیکھ کر نہ صرف ولید تم سے نفرت کرنے لگتا بلکہ ساری دنیا میں تم بدنام ہو جاتیں۔“ جیدی کے جانے کے بعد اس نے ہنس کر کہا تھا۔ انا کا جی چاہا کہ اس کے پاس کاش کوئی چیز ہو اور وہ اس لڑکی کو قتل کر ڈالے۔

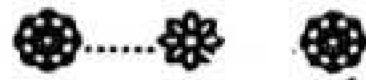
وہ اس وقت اپنی زندگی کے بھیانک ترین لمحوں کو گزار رہی تھی اور کسی طرح ان لڑکیوں کے چنگل سے نکلنا چاہتی تھی۔ اسے ان کے ساتھ آئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے اور اگر وہ شام تک گھر نہ پہنچتی تو...... نئی سوچوں اور نئے تفکرات نے اسے گھیر لیا تھا۔

”تم ولید کی زندگی سے نکل جاؤ گی کیا؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔ انا کو لگا اس کے دل پر ہی نہیں سارے وجود پر آری چل گئی ہو۔

”تم کو ہمارے ساتھ دو ایگری منٹ سائن کرنا ہوں گے۔“ کاشفہ نے اپنے پرس کی جیب سے دو کاغذ نکال کر اس کے سامنے لہرائے تھے۔ ”یہ ایگری منٹ میرے لیے ہوگا۔“ اس نے ایک ایگری منٹ انا کی آنکھوں کے سامنے کیا تھا۔ ”اس میں درج ہے کہ تم ولید کی زندگی سے نکل جاؤ گی اسے اپنی طرف سے بدظن کر کے میری طرف راغب کرو گی۔ ولید اور اپنی فیملی سے کچھ بھی نہیں کہو گی اگر کسی کو کچھ بھی بتانے کی کوشش کی تو تمہاری یہ ویڈیو ساری دنیا میں پھیلا دوں گی اور اگر زیادہ ہوشیاری کرنے کی کوشش کی اور ہمیں دھوکہ دیا تو اس بار ٹارگٹ تمہاری فیملی اور ولید بنے گا۔ میں کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“ انا نے انتہائی بے بسی سے کاشفہ کو دیکھا تھا۔

”تمہارا باپ اور بھائی سارا دن آفس ہوتے ہیں ولید کا باپ بیمار رہتا ہے۔ تمہاری بھاوج گھر میں اکیلی ہوتی ہے تمہاری ماما مغرب کے بعد بوتیک سے لوٹتی ہیں۔ ہمیں سب کی روٹین کی خبر ہے سمجھ لو تم نے کسی سے کچھ کہا یا واپس جا کر کوئی ہوشیاری کی

توان سب میں سے کسی نہ کسی کی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔'' کاشفہ اسے دھمکا رہی تھی۔
''ویسے بھی تمہیں اپنی فیملی بہت پیاری ہے ان پر حرف تو کبھی نہیں آنے دو گی اور سب سے بڑھ کر ولید ضیاء اس کی زندگی کی خاطر تو تمہیں یہ سب کرنا ہی ہوگا۔'' وہ مسکرائی تھی۔ انا کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ ابھی اسی لمحے کھڑے کھڑے مر جائے۔ وہ اپنی بداعتمادی اور شکی فطرت کے سبب آج کس دوراہے پرآ کھڑی ہوئی تھی' جہاں صرف موت ہی موت تھی۔
''اور اس پر تم خود لکھو گی۔'' اس نے دوسرا کاغذ اس کے سامنے لہرایا تھا۔ اس نے ایک قلم نکال کر اسے بستر پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا' انا بستر کے کنارے ٹک گئی تھی۔
''لو اس پر لکھو۔'' اس نے اسے لکھنے کے لیے ایک پیڈ دیا تھا جس پر کاغذ رکھ کر لکھنے کا اشارہ کیا تھا۔
''کیا لکھوں؟'' وہ بالکل ان کے شکنجے میں پھنس چکی تھی اس وقت ذہن بالکل مفلوج ہو رہا تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح اس قید سے نکلنا چاہتی تھی' اپنی زندگی سے زیادہ اسے اب اپنی عزت کی پروا تھی اور وہ چاہے اب اس آزادی کے لیے کچھ بھی کرتی اس نے اپنے ذہن کو اس ایگری منٹ کے لیے ایک دم تیار کر لیا تھا۔
''میں انا وقار خود کاشفہ کے ساتھ آئی ہوں' میرے ساتھ کسی بھی قسم کی کوئی زبردستی نہیں ہوئی۔'' انا نے بہت دکھ سے کاشفہ کو دیکھا تھا۔
''یہ کیوں لکھوا رہی ہو جبکہ دوسرے پر سائن کرواؤ گی تو؟''
''میری بھولی بھالی چندا' یہ اس لیے لکھوا رہی ہوں کہ اگر تم ڈیل کراس کرنے کا سوچو بھی تو تمہیں یاد رہے کہ تم اپنے ہاتھ پاؤں کاٹ کر ہمارے حوالے کر چکی ہو۔'' وہ طنز سے گویا ہوئی تھی۔
''تم اگر ہمیں پھنسانے کی کوشش کرو گی تو پھر ہمارے پاس بھی کچھ پروف تو ہوگا نا۔'' انا نے لب بھینچ لیے تھے۔ اس نے چند اور لائنز بھی لکھوائی تھیں اور پھر دونوں کاغذات پر دستخط کروا لیے تھے' دستخط ہوتے ہی انا ایک دم کھڑی ہو گئی تھی۔
''تمہارا کام ہو چکا ہے مجھے اب جانا ہے۔''
''اتنی جلدی کیا ہے چھوڑ آئیں گے تمہیں' ابھی کچھ دیر بیٹھو اور بھی بہت کچھ سمجھانا ہے تمہیں۔'' اسے دوبارہ کندھے سے پکڑ کر بٹھاتے کاشفہ نے کہا تو انا ایک دم پھر اٹھی تھی۔
''میں سب کچھ لکھ کر دے چکی ہوں' سب کچھ...... میرے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے' مجھے شام سے پہلے ہر حال میں اپنے گھر پہنچنا ہوگا۔'' وہ پھٹ پڑی تھی۔
''کول ڈاؤن' جذباتی مت ہو' زیادہ بولنے کی کوشش کی تو یہاں سے نکلنے والی بات کو خواب سمجھ کر پھر بھول جانا' جب مجھے مناسب لگا میں چھوڑ دوں گی۔''
''یو بلڈی...... تم میرے ساتھ دھوکہ کر رہی ہو۔'' وہ چیخنے لگی تھی۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا اسے شدت سے گھر اور سب لوگ یاد آرہے تھے۔ اسے لگ رہا تھا کہ اگر وہ چند پل اور ادھر رہی تو پاگل ہو جائے گی۔
''شٹ اپ۔ آرام و سکون سے بیٹھ جاؤ جب میرا دل چاہے گا میں چھوڑ دوں گی۔'' وہ تنفر سے کہہ کر جانے لگی تھی۔
''تم ایسا نہیں کر سکتیں کاشفہ!'' انا نے فوراً اس کا راستہ روکا تھا جواباً کاشفہ نے کھینچ کر اسے تھپڑ مارا تھا' انا لہرا کر بستر پر گری تھی۔
''اب زیادہ بک بک کی تو جیدی کو بلوا کر تمہارا دماغ سیدھا کروا دوں گی۔'' وہ بے رحمی سے کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔ دروازہ لاک ہو گیا تو انا ایک دم سسک اٹھی تھی۔ نجانے اب اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔
''کاشفہ اسے یہاں سے جانے بھی دے گی یا نہیں۔''



صفدر دو تین بار صفیہ آپا کے ہاں آیا تھا' فیضان کو د...... س کے اندر عجیب عجیب سے خیالات گردش کرنے لگے تھے لیکن ہر بار اپنے دل و دماغ کو پرسکون کیا تھا وہ پہلے ہی اپنی لالچی فطرت کے ہاتھوں بہت اذیت بھری زندگی گزار چکا تھا۔ اسے واپس آئے دو ماہ ہو چکے تھے' وہ اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ رہ رہا تھا۔

اس دن وہ مہرالنساء سے ملنے آیا تھا اب مہرالنساء پر اس کے شوہر کی طرف سے اتنی سختی نہ رہی تھی چوکیدار مہرالنساء کے کہنے پر صفدر کو آنے جانے دیتا تھا۔ وہ مہرالنساء کے پاس دو تین گھنٹے گزار کر باہر نکلا تو ٹھٹک گیا' حیات علی اپنی گاڑی سے نکل رہا تھا' وہ بھی صفدر کو دیکھ کر ساکت ہوا تھا۔

''تم......''

''کہاں ہے میری زیب النساء؟'' وہ صفدر پر چیل کی طرح جھپٹا تھا جیسے ایک لمحے کی بھی تاخیر کی تو وہ آنکھوں سے اوجھل ہوجائے گا۔

''مجھے نہیں پتا۔'' صفدر ایک پل میں جان چکا تھا کہ حیات علی زیب النساء کی وفات کی خبر سے لاعلم ہے۔

''اس کو اندر بٹھاؤ بات کرتا ہوں اس سے اچھی طرح۔'' ڈرائیور ساتھ تھا' اس نے کمزور سے صفدر کو منٹوں میں قابو کرلیا تھا۔ مہرالنساء کا چوکیدار خاموشی سے بس دیکھ رہا تھا۔ حیات علی صفدر کو لے کر اسی گھر میں چلا آیا تھا جس میں وہ شادی کے بعد زیبن کے ساتھ رہتا تھا۔

''مجھے کچھ خبر نہیں۔'' صفدر کا وہی بیان تھا۔

''تم نے اگر مجھے سچ نہ بتایا تو میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ باقی ساری زندگی تم بھیک مانگتے گزارو گے۔''

''زیب النساء میرے ساتھ ہے اور اس کا بیٹا بھی ہے ایک۔'' حیات علی کی حالت دیکھ کر وہ جان چکا تھا کہ وہ زیبن کے متعلق کس قدر پریشان ہے۔ سو صفدر نے بھی سوچا کہ اچھا موقع ہے' زندگی ایک بار پھر مہربان ہوسکتی تھی اگر وہ تھوڑی سی عقل استعمال کرلے تو۔

''میرا بیٹا بھی ہے۔'' صفدر نے ہاں میں سر ہلایا تھا۔ ''کہاں ہیں وہ دونوں؟'' حیات علی دونوں کے بارے میں جاننے کے لیے ایک دم بے قرار ہوگیا تھا۔

''ایسے نہیں بتاؤں گا چاہے جان سے بھی ماردو۔''

''تو......؟''

''خرچہ کرنا پڑتا ہے چوہدری صاحب! آپ تو چھوڑ کر چلے گئے تھے اس کے بعد اب تک زیبن اور اس کے بچے پر اتنا خرچہ کرتا رہا ہوں۔''

''میں نے بخش دین کے ہاتھ زیبن کو ایک بڑی رقم بھجوائی تھی۔''

''آپ کا باپ آپ کے جانے کے بعد آیا تھا' گھر سے نکال دیا تھا اس نے' گھر سے ایک چیز بھی لینے نہیں دی تھی۔'' صفدر بھرا بیٹھا تھا۔

''تم خود بابا کی اجازت سے لے کر گئے تھے زیبن کو۔'' صفدر ہنسنے لگا تھا۔

''بڑا سیاسی باپ ہے تمہارا' ایک تیر سے دو شکار' سانپ بھی مرگیا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹی۔''

''بکواس بند کرو صاف بتاؤ زیبن کہاں ہے؟''

''کم از کم کچھ لیے دیے بغیر تو نہیں بتاؤں گا۔'' وہ ہنسا تھا۔

''ٹھیک ہے سب کچھ دوں گا جو مانگو گے پہلے زیب النساء کا بتاؤ۔''

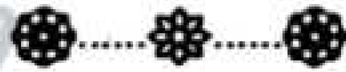
''نہ صاحب' نشئی ہوں' جواری ہوں لیکن کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔ اس ہاتھ دو اس ہاتھ لو والا معاملہ ہوگا۔'' اس نے صاف رکھائی سے کہا تھا۔ حیات علی اندر گیا تھا اور پھر ایک پیسوں سے بھرا لفافہ لاکر صفدر کے منہ پر مارا تھا' صفدر اتنی بڑی رقم دیکھ کر ہی دنگ رہ گیا تھا' یہ تو اس کی توقع سے بہت زیادہ تھی۔

''اب بتاؤ کہاں ہے زیب النساء؟'' اتنی ساری رقم دیکھ کر صفدر کا دماغ تیزی سے چلنے لگا تھا۔

''میرے ساتھ چلو گے اپنی بیوی اور بیٹے سے ملنے۔'' رقم کو جیب میں منتقل کرتے وہ پرسکون تھا۔

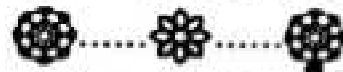
''ہاں ابھی چلو۔'' صفدر مسکرادیا۔ وہ گاڑی میں آبیٹھا تھا کافی لمبا چوڑا سفر طے کرتے وہ جس علاقے میں پہنچے تھے وہ ایک

انتہائی گندی خستہ حال نئی آبادی بستی تھی۔
"تم نے اس علاقے میں زہن کو رکھا ہوا تھا۔" جھکیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو حیات علی کا دم گھٹنے لگا تھا۔
"چوہدری صاحب غریب بندہ آپ جیسی حویلی نہیں بنوا سکتا' مجبوری تھی۔" حیات علی نے لب بھینچ لیے تھے۔ وہ انہیں ایک ٹوٹے پھوٹے گھر کے سامنے لے کر آیا تھا۔
"یہاں کسی کے ساتھ رہتا ہوں صاحب! تم رکو میں زیب النساء اور اس کے بیٹے کو لاتا ہوں۔" وہ کہہ کر ٹاٹ کا پردہ کھسکا کر اندر چلا گیا تھا۔ حیات علی شدت سے ان لوگوں کا منتظر تھا لیکن جوں جوں وقت گزرنے لگا تو وہ بے چین ہو گیا تھا۔ اس نے زور سے آواز لگائی اندر سے ایک ادھیڑ عمر برآمد ہوئی تھی۔
"صفدر کو کہیں جلدی آئے۔"
"صفدر تو کب کا جا چکا ہے۔" عورت نے بتایا تو وہ حیران ہوئے۔
"کیا مطلب؟"
"اس نے ہمارے کچھ پیسے دینے تھے وہ دیئے اور چلا گیا۔"
"کیسے' ہم تو ادھر کھڑے تھے۔"
"گھر کا دوسرا دروازہ دوسری طرف کھلتا ہے ادھر سے نکلا تھا۔" حیات علی کا شدت سے جی چاہا کہ صفدر ایک پل میں اس کے سامنے آ جائے تو وہ اسے شوٹ کر دیں۔
وہ بڑے نامراد واپس لوٹے تھے' پیسہ جانے کی انہیں فکر نہ تھی لیکن زیب النساء اور اپنے بیٹے کی گمشدگی نے انہیں بالکل نڈھال کر ڈالا تھا۔



رات کے آٹھ بجے تو کاشفہ کو اس پر جیسے ترس آ گیا تھا۔ وہ اسے نجانے کیا کیا دھمکیاں دیتی رہی تھی اور انا بالکل بے حس ہوتی جا رہی تھی۔ وہ ایک جذباتی' جنونی اور اعتماد کی کمی سے محروم لڑکی تھی لیکن اس کے کردار کا فخر ہمیشہ اس کے ساتھ رہا تھا۔ جو اَب مٹی میں مل گیا تھا۔ وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ اس کے گھر والے اس کے بارے میں کس قدر پریشان ہوں گے اور اب تک کیا کچھ سوچ چکے ہوں گے۔ وہ بہت خوف زدہ ہو چکی تھی' بظاہر وہ باعزت واپس جا رہی تھی لیکن ایگری منٹ کی صورت وہ اپنے ہاتھ کاٹ کر کاشفہ کے حوالے کر چکی تھی۔ کاشفہ کا پاگل پن دیکھ کر وہ اچھی طرح جان چکی تھی کہ کاشفہ کے ساتھ کوئی بھی غلط بیانی یا دھوکہ دہی تو وہ کسی بھی حد تک جا سکتی ہے۔
کاشفہ اور اس کی دوست اسے چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ اپنے گھر تک کا رستہ اس نے عالم بے ہوشی میں طے کیا تھا اور پھر اس کے بعد کے حالات نے اسے بالکل بے بس کر دیا تھا۔ اسے اپنے گھر والوں اور ولید کی زندگی بہت عزیز تھی۔ کاشفہ کی دھمکیاں بدستور اس کے ساتھ تھیں اور وہ واقعی اس کی دھمکیوں سے ڈر گئی تھی۔ کئی بار جی چاہا کہ گھر والوں کو سچ بتا دے کم از کم صبوحی کو تو بتا دے لیکن ہر بار کاشفہ کی وہ ویڈیو والی دھمکی یاد آتی تو وہ خاموش ہو جاتی تھی۔ وہ ولید کو دیکھتی تھی تو دل پھٹنے لگتا تھا اور پھر اس نے وہ سب کرنا شروع کر دیا تھا جو کاشفہ چاہتی تھی۔
حماد اتفاقاً اس کی زندگی میں آیا تھا' انا کو لگا اسے سانس لینے اور بچ نکلنے کے لیے کوئی رستہ مل گیا ہے اور پھر اس نے سب کچھ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ وہ ولید' پاپا' ماما سب کی نظروں میں بُری بن گئی تھی۔ پاپا اسے حماد کے ساتھ رخصت کرنے پر تیار ہو چکے تھے لیکن ولید کو دیکھتی تھی تو دل کرتا تھا سب کچھ چھوڑ کر کچھ کھا کر ہمیشہ کے لیے سو جائے۔ روشی اور ولید اس کے بارے میں مشکوک ہو رہے تھے اور وہ خوف زدہ تھی کہ اگر کسی کو علم ہو گیا تو نجانے وہ سب کیا سمجھیں؟ وہ بدکردار نہیں تھی لیکن کاشفہ جیسی لڑکی کی باتوں میں آ کر وہ اپنا سب کچھ برباد کر چکی تھی۔
وہ اب خود کو ولید کے قابل نہیں سمجھتی تھی اس نے ہمیشہ اسے شک کی نظر سے دیکھا تھا۔ کبھی کیتھی اور کبھی کاشفہ وہ تو اس کو نجانے کیا کیا سمجھتی رہی تھی اور اب ہر بات کھل جانے پر اس کے دل میں اس کا منہ چڑاتے تھے تو وہ شرم سے پانی پانی ہونے لگتی تھی۔

اس نے ولید اور وقار صاحب کو خود سے بدظن کر دیا تھا۔ اس کا کھیل بالکل ٹھیک جار ہا تھا لیکن اب یہ اچانک ولید کا ایکسیڈنٹ ہو جانا' اسے لگ رہا تھا کہ اگر ولید کو کچھ ہوا تو وہ بھی زندہ نہیں رہ پائے گی۔ وہ جو اس کے بغیر جینے کی کوشش کر رہی تھی اسے اب زندگی سے دور ہوتے دیکھ کر خود بھی حوصلہ ہار چکی تھی۔ وہ جو کبھی کسی کے سامنے نہ کہتی حرف بحرف شہوار کے سامنے دل کا درد کہتی چلی گئی تھی اور شہوار بے یقینی سے سب سنتی حیرت سے گنگ بالکل پتھر بن چکی تھی۔ اتنا کچھ ہو چکا تھا اور کسی کو خبر تک نہ تھی' وہ بے یقین تھی۔



صفدر چھپتا پھر رہا تھا اسے حیات علی سے جو رقم ملی تھی وہ آنے والے دنوں میں اس کے بہت کام آنے والی تھی۔ وہ ایک دن صفیہ آپا کو گھر آیا تھا' فیضان سو رہا تھا۔ صفیہ آپا تو بازار سے کچھ سودا لانا تھا' وہ اسے فیضان کے پاس چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ صفدر کے دل میں نجانے کیا سمائی تھی اس نے خاموشی سے سوتے ہوئے فیضان کو اٹھایا اور گھر سے نکل گیا تھا۔

صفیہ آپا گھر آئیں تو کھلے دروازے کو دیکھ کر چونکی تھیں۔ صفدر اور فیضان دونوں غائب تھے وہ تو دونوں کو نہ پا کر ایک دم ڈھے گئی تھیں' مہر النساء کو خبر کی تھی وہ فوراً آ گئی تھی۔ وہ باپ کی اس حرکت پر شرمسار ہو رہی تھی۔ بہن کے بعد اب اس کے بیٹے کے چھن جانے پر وہ غم زدہ تھیں' شوہر کا خوف تھا وہ چند گھنٹے تسلی دے کر چلی گئی تھی۔

صفیہ آپا کا دل غم سے پھٹ رہا تھا' فیضان کے وجود نے ان کی سونی گود کو آباد کیا تھا۔ انہوں نے اسے بالکل بیٹوں کی طرح چاہا تھا۔ ان کی ممتا فیضان کے وجود سے سیراب ہوئی تھی۔ بہت دن تک ان کی آنکھ نم اور دل غم زدہ رہا تھا اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جیسے دل کو قرار آنے لگا تھا لیکن فیضان کی بھولی بھالی معصوم صورت یاد آتی تو آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔

صفدر فیضان کو لے کر اپنے نشئی دوستوں کے پاس چلا آیا تھا جن کے ساتھ وہ کچھ عرصے سے رہ رہا تھا۔ بچے کو سنبھالنے کا اسے کوئی خاص تجربہ نہ تھا نتیجتاً فیضان بیمار رہنے لگا تھا' صفدر صرف حیات علی کو بلیک میل کرنے کے لالچ میں فیضان کو اٹھا لایا تھا لیکن اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ فیضان اور اس کی بیماریوں سے اکتانے لگا تھا۔

دوسری طرف حیات علی نے کچھ عرصہ صفدر کو تلاش کیا تھا مہر النساء کے گھر کے بھی چکر لگاتا رہا کئی بار اس کے شوہر سے ملاقات ہوئی تھی کوئی بھی اسے کچھ بھی بتانے پر آمادہ نہ تھا۔ مہر النساء تو حیات علی کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہ تھی اور پھر بابا صاحب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تھا۔ وہ اسے پاگلوں کی طرح زیبن کے لیے خوار ہوتے دیکھ کر اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتے تھے۔ زبیدہ اور بچے ابھی بھی باہر تھے بچے وہیں زیر تعلیم تھے۔ بابا صاحب کو اس سارے مسئلے کا بس یہی حل دکھائی دیا کہ بچوں اور زبیدہ کو مستقل وہیں سیٹل کروا دیں شاید اس طرح حیات علی بھی سنبھلنے لگے اور زیبن اور اس کے بچوں کو بھول بھال جائے اور پھر دل کے مجبور کرنے پر وہ ایک بار پھر مہر النساء کے پاس آئے تھے اور شاید قدرت کو منظور تھا اس بار مہر النساء اس سے ملنے پر آمادہ ہو گئی تھی۔

مہر النساء سے ملنے کے بعد انہیں جو کچھ سننے کو ملا وہ حیرت سے گنگ رہ گئے تھے۔ مہر النساء نے ان کے بابا صاحب اور صفدر کی سازشوں کی تمام کہانی سنا ڈالی تھی۔ زیب النساء کی موت اور پھر بچے کی گمشدگی۔ حیات علی کو لگتا تھا کہ زندگی بالکل ختم ہو چکی ہے' ان کے بابا صاحب اس قدر ظلم بھی کر سکتے تھے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے' مہر النساء نے انہیں کچھ رقم لا کر دی تھی۔

''آپ کے باہر جانے کے بعد آپ کا ملازم زیبن کو دے کر گیا تھا' اتنی بڑی رقم گم ہو جانے کے ڈر سے زیبن نے مجھے امانتاً دے دی تھی تب سے میرے پاس تھی۔ فیضان بڑا ہوتا تو اسے دے دیتی اب وہ ہے نہیں میرے بھلا کس کام کی۔'' حیات علی کا دل بھر آیا' زیبن واقعی ایک باکردار نیک دل لڑکی تھی' ان کا دل زخم زخم تھا۔ وہ غم سے نڈھال تھے۔

وہ کتنے بدنصیب تھے اتنی وسیع اراضی کے مالک لیکن ان کی محبوب بیوی ترستے سسکتے دنیا سے چلی گئی تھی۔ انہوں نے مہر النساء کو باہر کا ایڈریس لکھوایا تھا اور فون نمبر بھی لے لیا تھا۔ مہر النساء بھی جیسے ہر طرح سے تعاون کرنے پر آمادہ تھی' اس نے انہیں یقین دلایا تھا کہ جیسے ہی فیضان کی کوئی خبر ملے گی وہ انہیں اطلاع کر دے گی اور پھر وہ واپس حویلی پہنچے تھے۔ بابا صاحب سے اس کی شدید لڑائی ہوئی تھی اور وہ ان سے ہر طرح کا تعلق ختم کرتے باہر چلے آئے تھے۔

اپنے سالے کے ساتھ رہنے کی بجائے انہوں نے علیحدہ گھر لے لیا تھا' مہر النساء کو نیا ایڈریس بھی دے دیا اور پھر زندگی

گزرنے لگی تھی اپنی رفتار اور جون میں۔
وقت کب کسی کے روکے رکتا ہے چار سال پلک جھپکنے میں گزرے تھے لیکن حیات علی کو لگتا تھا کہ زندگی جیسے رک سی گئی تھی ان کے اندر ہمیشہ کیلئے خزاں کا موسم ٹھہر گیا تھا۔ اکثر راتوں کو سوتے انہیں کفن میں لپٹی زیبن دکھائی دیتی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ جاتے تھے۔ یہ ان کے اندر کا احساس ندامت تھا جو انہیں سونے نہیں دیتا تھا اور پھر ان کی راتیں جاگتے گزرنے لگی۔
زبیدہ ان کی حالت دیکھ کر کبھی الجھنے لگتی اور کبھی رو پڑتی۔ زیب النساء کی موت کی خبر حیات علی کی زبانی اسے بھی مل چکی تھی دل میں سکون سا جیسے اتر گیا تھا لیکن حیات علی کا رویہ وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتا ہی چلا گیا تھا۔ سال بعد ایک روز ان کو ایک کال موصول ہوئی تھی۔ پاکستان سے آنے والی مہر النساء کی یہ کال انہیں جیسے کسی جمود کے حصار سے باہر کھینچ لائی تھی وہ فوراً پاکستان جانے کی تیاریاں کرنے لگے تھے۔
بچے اور زبیدہ بھی ساتھ جانے پر بضد تھے لیکن وہ کسی کی بھی پروا کیے بغیر فوراً پاکستان پہنچے تھے۔ وہ مہر النساء کے گھر پہنچے تو ہڈیوں کا ڈھانچہ بنی مہر النساء جیسے انہی کا انتظار کررہی تھی۔ مہر النساء کی بیٹی افشاں بہت پیاری بچی تھی مہر النساء کو شوہر کی سختی اور حالات کے غموں نے کھالیا تھا۔
کچھ دن پہلے دو آدمی آئے تھے وہ اسپتال کے کارندے تھے کب وہ صفدر کی خبر لے کر آئے تھے ایک رات نشے میں دھت صفدر کسی گاڑی تلے آ کر کچلا گیا تھا۔ وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں تھی بیماریوں سے نڈھال مہر النساء شوہر کی پروا کیے بغیر اسپتال گئی تھی جہاں باپ کو دیکھ کر کلیجہ منہ کو آنے لگا تھا۔ موت کی دہلیز پر کھڑے صفدر سے مہر النساء نے جب فیضان کا پوچھا تو صفدر نے جو انکشاف کیا تھا مہر النساء کو لگا کہ جیسے اس کے وجود سے کسی نے جان کھینچ لی ہو۔
صفدر فیضان کو لالچ کی خاطر لے تو گیا تھا لیکن آئے دن فیضان کی بیماری نے اسے اس سے بدظن کردیا تھا۔ وہ اس سے بے زار ہو چکا تھا صفدر کی ساری زندگی جیسے فیضان کی وجہ سے پابند ہوگئی تھی وہ اب فیضان کو اپنے ساتھ لانے پر پچھتانے لگا تھا۔ وہ حیات علی کے گاؤں نہیں جا سکتا تھا اور حیات علی کی کوئی خبر نہ تھی ورنہ اسے بلیک میل کر کے اس کا بیٹا اس کے حوالے کردیتا۔ وقت گزرنے لگا تو فیضان کی بیماری بھی بڑھنے لگی۔ صفدر اس پر پیسہ لگانے سے بھی کترانے لگا تھا وہ واپس آیا صفیہ کے پاس جا کر اسے چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا کہ کہیں وہ پولیس کو بلوا کر اسے پولیس کے حوالے نہ کردے اور پھر ایک رات حیات علی اور اس کے باپ سے انتقام لینے کے لیے فیضان کے وجود سے تنگ آ کر فیضان کو ایک یتیم خانے کے دروازے پر پھینک کر بھاگ لیا تھا۔“
حیات علی مہر النساء کے منہ سے یہ سب سن کر ایک دم کانپ گیا تھا۔
باپ کے زندہ ہونے کے باوجود ان کا بیٹا ایک یتیم کے طور پر پل رہا تھا۔ وہ سسک اٹھے تھے کیسی بے رحم زندگی تھی کیا محبت کرنے کی اتنی کڑوی سزا ہوتی ہے۔
”صفدر نے کچھ بتایا کہ وہ فیضان کو کس یتیم خانے میں چھوڑ کر آیا تھا؟“
”نہیں ابا کی طبیعت بگڑنے لگی تھی اور ڈاکٹروں نے مجھے ڈانٹ کر وہاں سے ہٹا دیا تھا اور پھر جب دوبارہ ابا سے سامنا ہوا تو وہ مر چکا تھا اب اسے مرے پندرہ دن گزر چکے ہیں۔“ حیات علی کو لگا وہ جیسے پاگل ہو جائے گا۔
مہر النساء کا شکریہ ادا کرتے وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ وہ شہر کے مختلف یتیم خانوں میں جا چکا تھا لیکن کوئی خبر نہ ملی۔ یتیم خانے والوں نے ان کی فراہم کردہ معلومات نوٹ کرلی تھیں اور انہیں کچھ دن بعد آنے کا کہا تھا۔ اس دن وہ پھر یتیم خانے آئے تھے وہ آفس میں آئے تو وہاں سامنے بیٹھے جوڑے کو دیکھ کر ٹھٹک گئے تھے۔
”سبحان اور حاجرہ۔“ ان کے لب ہلے تھے انہوں نے بھی حیات علی کو فوراً پہچان لیا تھا۔
”تم دونوں یہاں کیسے اور پاکستان کب آئے؟“
”ایک لمبی کہانی ہے تم سناؤ یہاں کیا کررہے ہو؟“ گلے ملنے اور خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد دونوں نے یہاں موجودگی کا سبب جاننے کی کوشش کی تھی۔
”میں.....“ حیات علی افسردہ ہو گیا تھا۔ ”مجھے میری قسمت یہاں لے آئی ہے بس تم کیسے آئے یہاں؟“

”شادی کے اتنے سال گزرنے کے باوجود ابھی تک ہم دونوں اولاد کی نعمت سے محروم ہیں، بہت علاج کروا دیکھے گھر والے دوسری شادی پر زور دیتے ہیں جبکہ میں ایسا نہیں چاہتا ہم دونوں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب ہم کوئی بچہ اڈاپٹ کریں گے یہیں اپنے پاکستان سے بچہ ساتھ لے کر جائیں گے۔“

”چلو بڑی نیکی کا کام ہے یہ تو اللہ تمہیں اجر دے اس نیکی کا۔“ حیات علی نے افسردگی سے کہا تھا۔

”حیات علی صاحب آپ نے جو معلومات فراہم کی ہیں اس کے مطابق ہم نے کچھ بچوں کو نکالا ہے آپ دیکھ لیں۔“ آفیسر نے کہا تو سبحان نے چونک کر دیکھا۔

”ایک لمبی کہانی ہے پھر بتاؤں گا آؤ بچوں کو دیکھتے ہیں۔“ وہ سبحان کو ساتھ لیے بچوں کو دیکھنے چل دیئے تھے وہاں کچھ بچے تھے ایک بچے کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئے تھے۔

”یہ جاوید ہے یہ جب ہمیں ملا تھا دو سال کا تھا اسے بھی باہر کوئی ڈال گیا تھا۔“ آفیسر انہیں ساتھ ساتھ بچوں کے بارے میں معلومات بھی دے رہا تھا۔

”یہ فیضی ہے یہ جب ہمیں ملا تھا اس کی عمر تقریباً تین سال تھی۔ انتہائی بیمار اور ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا اس کی حالت بہت خطرناک تھی یہ بھی گیٹ پر پڑا ملا تھا۔ ہم نے اس کا علاج کروایا تھا اس کے کپڑوں میں سے ایک کاغذ بھی نکلا تھا جس پر فیضی لکھا ہوا تھا یہ کسی ڈاکٹر کی دکان کی پرچی تھی ہم نے وہاں سے پتا کروایا تو پتا چلا تھا کہ یہ بیمار تھا اور ایک آدمی اس کو لے کر اس ڈاکٹر کے پاس آیا تھا انہوں نے ایک نسخہ لکھ دیا تھا دوبارہ وہ شخص نہیں آیا تھا۔ اس کے کپڑوں میں سے اس نسخے کے علاوہ دوائیاں بھی ملی تھیں جیسے کوئی ڈاکٹر کی دکان سے دوا لے کر سیدھا ادھر ہی ڈال گیا ہو۔“ یہی بچہ تھا جسے دیکھ کر حیات علی چونکے تھے۔

نجانے کیوں ان کا دل کہہ رہا تھا کہ یہی ان کا فیضان ہے بالکل زبین کی طرح سنہری چمکتی آنکھیں اونچی لمبی کھڑی ناک پتلے ہونٹ اور متناسب پیشانی۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو نہیں دیکھا تھا لیکن ان کا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہی ان کا فیضان ہے۔

”وہ نسخہ جس ڈاکٹر نے لکھ کر دیا تھا وہ کس علاقے میں ہے۔“ حیات علی نے بچے کو ساتھ لگا کر پیار کرتے آفیسر سے پوچھا تھا۔

”آپ دفتر میں چلیں ہم معلومات دے دیتے ہیں۔“ حیات علی نے اس بچے کو پھر پیار کیا تھا۔ دفتر کے عملے نے ایڈریس دے دیا تھا وہیں بیٹھے بیٹھے سبحان کو ساری کہانی سنا ڈالی تھی سبحان بہت دکھی ہوا تھا سب سن کر۔ وہ اسی وقت سبحان اور اس کی بیگم کے ہمراہ اس علاقے میں گئے تھے ان کو ڈاکٹر کا کلینک مل گیا تھا انہوں نے یتیم خانے کا وہ سابقہ ریکارڈ اس ڈاکٹر کو دکھایا تھا۔

”اس بچے کے بارے میں کچھ لوگ پہلے بھی کچھ معلومات کرنے آئے تھے۔“ ڈاکٹر نے بتایا تو انہوں نے سر ہلا دیا تھا۔

”ہمیں بس اس آدمی کا پتا کرنا ہے جو اس بچے کو لے کر آیا تھا۔“

”وہ آدمی اس کے کافی عرصے بعد پھر دو تین دفعہ میرے کلینک آیا تھا کوئی نشئی تھا اپنا نام صفدر لکھوایا تھا۔ شکل سے غنڈہ ٹائپ لگتا تھا۔ یتیم خانے والوں نے مجھے جب بھی وہ آدمی آئے اطلاع کرنے کو کہا تھا لیکن میں ایک غریب سا آدمی ہوں کلینک ہی سب کچھ ہے، میں ڈر گیا تھا کہ کہیں کوئی جھگڑا نہ ہو میں نے اطلاع نہیں کی تھی اب سے ایک ماہ پہلے بھی میرے کلینک آیا تھا بے تحاشا سگریٹ نوشی نے اس کے گردوں اور پھیپھڑوں کو فیل کر دیا تھا اس سے زیادہ میں نہیں جانتا۔“ ڈاکٹر نے جو بھی بتایا تھا حیات علی کو لگا جیسے دل میں سکون سا اترتا چلا گیا ہے وہ فیضی ہی ان کا فیضان تھا۔ ان کا بیٹا ان کا لخت جگر۔

”اگر آپ کو صفدر کی تصویر دکھائی جائے تو کیا آپ پہچان لیں گے؟“ حیات علی نے پوچھا تو ڈاکٹر نے سر ہلا دیا تھا۔

زبین شادی کے بعد اپنے گھر سے کچھ پرانی تصاویر لے کر آئی تھی جو چند سال قبل کی تھیں وہ ابھی بھی وہیں تھیں باہر جاتے وقت وہ صرف زبین کی تصویریں لے کر گئے تھے صفدر کی تصویریں وہیں الماری میں پھینک دی تھیں وہ ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرتے اٹھے تھے وہ گھر گئے الماری میں اب بھی وہ چھٹی پرانی تصاویر موجود تھیں وہ لے کر دوبارہ ڈاکٹر کے پاس آئے تھے ڈاکٹر تصویر دیکھ کر الجھا تھا۔

”اتنے برس کا فرق لگ رہا ہے جو شخص میرے پاس آیا تھا اس کے منہ پر داڑھی بھی تھی صاحب! اور وہ بوڑھا بوڑھا سا تھا جبکہ یہ جوان لگ رہا ہے۔“ حیات علی نے پینسل لے کر تصویر کے منہ پر داڑھی بنا دی تھی۔

”ہاں کچھ کچھ وہی لگ رہا ہے بس یہاں آنکھیں بڑی بڑی اور کشادہ ہیں جبکہ وہ جب بھی میرے پاس آیا تھا اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔“ ڈاکٹر کے بیان کے بعد اب شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔

میں درد کا بیکراں
سمندر ہوں کنارا ابھی نہیں ملتا
بہت مارے گرداب میں ہاتھ پاؤں
پر سہارا ابھی نہیں ملتا
بہت اندھیرا ہے ہر سمت ہے، بہت تاریکیاں
ڈھونڈنے سے بھی کوئی جگنو
کوئی تارا ابھی نہیں ملتا
بہت ڈھونڈیں، ہم نے اس میں وفا لیکن
یاد رکھنا محبت میں تو بس
کبھی گزارہ بھی نہیں ملتا

شاعرہ: عزیزہ حنا عباسی
نازیہ عباسی
ٹھٹھہ

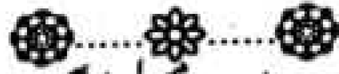
"شکریہ ڈاکٹر صاحب آپ نے بہت تعاون کیا۔" حیات علی اٹھ گیا تھا۔ وہ لوگ حیات علی کے گھر آ گئے تھے حاجرہ ساتھ ہی تھی۔
"بہت ہی برا ہوا تمہارے ساتھ بھی بھابی اور بچے کے ساتھ بھی ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔"
"اب جب ہم کل یتیم خانے جاتے ہیں تو بھابی کی بہن کو بھی ساتھ لے لینا ہو سکتا ہے وہ بچے کو پہچان لیں۔"
"بچے کو تو میں بھی پہچان چکا ہوں بس کنفرم کرنا باقی ہے۔" حاجرہ جو اتنے عرصے سے بالکل خاموش تھیں دونوں کو باتیں کرتے دیکھ کر قریب آ بیٹھی تھی۔
"میں سوچ رہی تھی کہ ہم کسی بچے کو اڈاپٹ کرنے آئے تھے لیکن بھائی صاحب کی کہانی سن کر ادھر چلے آئے کیوں نہ ہم اپنے فیضان کو ہی اڈاپٹ کر لیں۔" حاجرہ کی بات پر دونوں چونکے تھے۔
"نہیں میں اب اپنے بیٹے کو خود سے جدا نہیں کروں گا۔" حیات علی نے قطعیت سے کہا تھا۔
"آپ کو شاید برا لگے لیکن ایک بات کہوں گی اگر آپ بچے کو ساتھ لے جاتے ہیں تو آپ کو بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آپ کے بابا صاحب اور بیوی کے علاوہ کوئی بھی یہ حقیقت نہیں جانتا کہ آپ نے دوسری شادی بھی کر رکھی تھی اور آپ کا بیٹا بھی ہے بعد میں نجانے کیا حالات ہوں سارا اثر بچے پر پڑے گا۔ بچے کی شخصیت متاثر ہوگی اگر آپ بچے کو بہترین ماحول دینا چاہتے ہیں تو آپ ہم پر بھروسہ کر سکتے ہیں ہم بالکل اسے اپنے بیٹے کی طرح پالیں گے۔" حاجرہ کے الفاظ پر سبحان بھی متفق ہو گیا تھا۔
"حاجرہ ٹھیک کہہ رہی ہے تم لوٹنا اپنا بیٹا ہمیں دے سکو یہ گا تو وہ تمہاری اولاد ہی نا۔ ہم صرف اسے پالیں گے پڑھائیں گے بڑا کریں گے ہم صرف اسے اڈاپٹ کریں گے اس سے کچھ نہیں چھپائیں گے تم اچھی طرح سوچ لو فیصلہ مشکل ہوگا لیکن تمہارے لیے اس میں بہت سی آسانیاں ہوں گی۔" سبحان کے الفاظ پر حیات علی سوچ میں پڑ گیا تھا۔
"ہم اس کو اپنے ساتھ امریکہ لے جائیں گے تم اس کے فیوچر سے متعلق بالکل بے فکر ہو کر فیصلہ کر سکتے ہو۔" حیات علی کے سامنے سوچ کا ایک اور در وا ہوا تھا۔
اگلے دن وہ مہر النساء کو لے کر دوبارہ یتیم خانے گئے تھے فیضی کو بلوایا گیا تھا۔ فیضی کو دیکھتے ہی مہر النساء ایک دم رو دی تھی۔
"یہ ہی ہمارا فیضان ہے ہمارے فیضان کے کندھے کے پچھلی طرف چاند گرہن کا سرخ نشان تھا۔ بھائی صاحب آپ دیکھیں اس کے جسم پر بھی ہوگا۔" مہر النساء کے الفاظ نے گویا حیات علی کو زندگی بخش دی تھی۔ مہر النساء نے خود ہی شرٹ اتار کر دیکھا تو ایک دم رو دی تھی۔ بالکل ویسا ہی نشان اس فیضی کے کندھے پر بھی تھا اب تو جیسے ہر بات کی تصدیق ہو چکی تھی حیات علی کو اپنا بیٹا مل گیا تھا۔
اب دنیا کی کوئی بھی طاقت ان سے ان کا بیٹا نہیں چھین سکتی تھی تاہم اس کے بہتر مستقبل کے لیے ابھی انہیں بہت کچھ سوچنا تھا مہر النساء کو واپس اس کے گھر چھوڑ دیا تھا۔ مہر النساء نے جاتے وقت ان سے ایک بات کہی تھی۔
"زیب النساء چاہتی تھی کہ اگر اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو وہ اس کی شادی میری افشاں سے کرے گی کہنے والی تو مر گئی لیکن بھائی صاحب زندگی نے وفا کی تو یہ میری بہن کی امانت ہے آپ کے پاس میں ایک بار بہن کی بات پوری کرنے ضرور آؤں گی اگر آپ کی رضامندی ہوئی تو......" مہر النساء چلی گئی تھی لیکن ان کے لیے بہت ساری سوچوں کے در کھل گئے تھے وہ فیضان کو اپنے ساتھ گھر لے آئے تھے۔
اگلا پورا ہفتہ انہوں نے پانچ سالہ فیضان کے ساتھ گھوم کر گزارا تھا ہر وہ جگہ جہاں وہ زیب کے ساتھ گئے تھے وہ فیضان کو لے کر

گھومے تھے اور ہر وہ مقام جہاں زیبن ان کے ہم قدم تھی انہوں نے فیضان کو دکھایا تھا۔اس کی ماں کی تصویریں دکھائی تھیں ایک تصویر تو ہر وقت ان کے بٹوے میں موجود رہتی تھی۔ وہ اس کو رشتوں سے آشنا کروا رہے تھے اس کے لیے دنیا جہاں کی چیزیں خرید رہے تھے کہ سبحان اور حاجرہ سوالی بن کر ایک بار پھر ان کے پاس آئے تھے۔

"ہم جانتے ہیں آپ کے لیے اپنے بیٹے کو خود سے دور کرنا بہت مشکل ہے لیکن ہماری محرومی اور بچے کے مستقبل کے بارے میں ضرور سوچ لیں۔ آپ کے بیٹے کو آپ کا یہ خاندان کبھی قبول نہیں کرے گا لیکن اگر وہ ہمارے ساتھ رہا تو ہم ضرور اسے کسی قابل بنادیں گے۔" حاجرہ کہہ رہی تھی۔

حیات علی نے صحن میں اپنے کھلونوں سے کھیلتے فیضان کو دیکھا اور پھر سبحان اور حاجرہ کو جو بڑی امید بھری نگاہوں سے ان کو دیکھ رہے تھے۔

"چلو ٹھیک ہے اپنے بیٹے کے مستقبل کے لیے میں یہ جوا کھیلنے کو بھی تیار ہوں بس مجھ سے وعدہ کرو میرے بیٹے کو کبھی کوئی کمی کوئی تکلیف نہیں ہونے دو گے۔" کہتے کہتے ان کی آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔ سبحان اور حاجرہ بھی نم آنکھیں لیے اسے امید دلاتے نئے وعدے کرتے ہمیشہ فیضان کا خیال رکھنے کی باتیں کرنے لگے تھے۔



شہوار گھر چلی آئی تھی انا اسپتال آئی تو ابھی بھی وہی ماحول تھا۔ مسلسل گریہ وزاری سے اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں چہرے کے نازک حصوں پر سرخی غالب تھی۔ وہ وقار صاحب کے ساتھ اسپتال آئی تھی بڑی سی چادر اوڑھے وہ بالکل ساکت سی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر وقار صاحب کئی بار چونکے تھے تاہم بولے کچھ نہ تھے۔

وہ صبوحی بیگم سے ملی وہ اب بہتر تھیں انہوں نے اس سے بات چیت بھی کی تھی۔ ان کے آنے کے بعد روشی اور ضیاء ماموں کو پاپا نے زبردستی گھر بھجوادیا تھا۔ مصطفیٰ ابھی بھی اسپتال میں تھا احسن تو خود پریشان اور بکھرا ہوا تھا اس لیے مصطفیٰ کے وجود سے بہت ڈھارس مل رہی تھی سب کو۔

"بیٹا! تم بھی تھک گئے ہوگے گھر جاکر آرام کرو۔ ہم ادھر ہی ہیں دیکھ لیتے ہیں۔" مصطفیٰ ڈاکٹر سے ساری رپورٹ لے کر لوٹا تو وقار صاحب نے کہا۔

"انکل ٹینشن مت لیں میں ادھر ہی ہوں جب تک ولید کو ہوش نہیں آجاتا میں ادھر سے نہیں ٹلنے والا۔" ان کا کندھا سہلا کر وہ احسن کی طرف بڑھ گیا تھا جو نڈھال سا بیٹھا ہوا تھا انا ان کے قریب آرکی تھی۔

"تم باہر کیوں آگئیں ماما ٹھیک ہیں نا؟" احسن نے کھڑے ہوکر پریشان سے پوچھا تو اس نے سر ہلادیا۔

"وہ سو رہی ہیں۔"

"میں دیکھتا ہوں۔" وہ فوراً کمرے کی طرف چلا گیا تھا مصطفیٰ نے انا کو دیکھا۔ عجیب سی غم زدہ اور نڈھال سی دکھائی دے رہی تھی۔

"طبیعت ٹھیک ہے۔" مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے بس سر ہلایا تھا جبکہ آنکھوں میں ایک دم آنسوؤں کا سیلاب آٹھہرا تھا۔

"میں ولی کو دیکھنا چاہتی ہوں۔" اس نے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کرنا چاہی تھی لیکن بے اختیار آنسو بہہ نکلے تھے۔

"تو کے آئیں۔" مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھتے قدم آگے بڑھادیئے تھے۔ اسے آئی سی یو میں جاتے دیکھ کر وقار صاحب کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ مصطفیٰ کے ساتھ وہ کمرے میں داخل ہوئی تو عجیب سرد سا ماحول تھا وہاں ہر طرف موت کی سی خاموشی تھی انا کا دل لرزنے لگا تھا۔

وہ مصطفیٰ کے ساتھ بیڈ تک آئی ولید ابھی تک اسی کیفیت میں تھا اس نے آہستگی سے ولید کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ مصطفیٰ نے خاموشی سے اسے دیکھا اور پھر نرس کو باہر نکلنے کا اشارہ کرتے خود بھی باہر نکل گیا تھا۔

انا ان دونوں کے جانے کے بعد ولید کے ڈرپ لگے ہاتھ کو احتیاط سے اپنے ہاتھ میں لے کر اس پر جھکی تھی پاس پڑی کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گئی تھی اس کے اندر پشیمانی اور پچھتاوؤں کے ایسے ناگ تھے جو ہر لحہ ڈس رہے تھے جن کے حصار میں جکڑے وہ بالکل بے بس ہو چکی تھی۔

"آئیم سوری ولی۔" وہ اپنے آپ سے سخت شرمندہ تھی ولید کے ہاتھ کو چہرے سے لگاتے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"میں نے آپ کو بہت ہرٹ کیا ہے ہمیشہ بدگمانی کا اظہار کیا اپنے خود ساختہ واہموں اور بدگمانیوں میں جکڑی آپ کی محبت اور توجہ کو شک کی نظروں سے دیکھتی رہی۔ ہر لمحہ آپ کو تنگ کیا میں بہت بُری ہوں لیکن پلیز مجھے ایسی سزا مت دیں۔ آپ کو کچھ ہوا تو میری سانسیں بھی رک جائیں گے آپ پلیز واپس آجائیں میں ہر سزا جھیلنے کو تیار ہوں پلیز ایسا مت کریں۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں نے کئی بار ولید کے سرد ہاتھ کو چھوا تھا اس کی گریہ وزاری کا اور ہی عالم تھا۔

وہ بالکل بے بس ہو چکی تھی اس کے دل نے اسے بالکل مات دے دی تھی وہ جو کچھ کر رہی تھی بالکل غیر ارادی ہو رہا تھا۔ اسے نہ اپنی حالت کی خبر تھی اور نہ ہی اپنی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ کی۔

"کاشفہ کہتی تھی وہ آپ سے محبت کرتی ہے اور آپ کو مجھ سے چھین لے گی۔ کاشفہ نے مجھے مجبور کیا تھا کہ میں خود کو آپ سے دور کرلوں۔ وہ دھمکیاں دیتی تھی کہ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو وہ آپ کو نقصان پہنچائے گی۔ میں اگر ایسا نہ کرتی تو وہ آپ کو تکلیف دیتی نقصان پہنچاتی میں بھلا کیسے برداشت کرلیتی۔" اس کی سرگوشیاں اور سسکیاں عجیب دل دکھانے والی تھیں وہ سسکتی رہی تھی۔

ولید سے اپنے تمام کردہ اور ناکردہ گناہوں کی معافی طلب کرتی رہی تھی۔ مصطفیٰ اندر داخل ہوا تو وہ ولید کے ہاتھ کو جکڑے ابھی بھی سسک رہی تھی۔ مصطفیٰ قریب آیا تو وہ ابھی بھی اسی طرح سر جھکائے سسک رہی تھی۔

"انا......" مصطفیٰ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ ایک دم ساکت ہوئی تھی۔

"چلیں اب۔" مصطفیٰ نے کہا تو وہ ہاتھ چھوڑ کر چہرے کو دوپٹے سے صاف کرتی کھڑی ہوگئی تھی نرس بھی کمرے میں آگئی تھی۔ وہ عجیب ترحم آمیز نگاہوں سے انا کو دیکھ رہی تھی وہ مصطفیٰ کے ساتھ باہر نکلی تو وقار صاحب نے پھر دیکھا تھا نڈھال وجود سرخ شدت گریہ کا ترجمان چہرہ۔

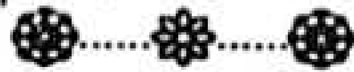
"کیا جیتنے والے بھی ایسے ہوتے ہیں ہارنے والوں جیسے؟" اک سوال وقار صاحب کے سینے کی دیواروں میں شدت سے پھڑپھڑایا تھا انہوں نے نگاہیں پھیر لی تھیں آنکھوں میں شدت غم سے لہو ٹپکنے کو تھا۔

"ہم نیچے جارہے ہیں ذرا آپ جائیں تو ولید کے پاس چکر لگالیں۔" مصطفیٰ کی بدولت باقی افراد کو بھی آئی سی یو میں جانے کی اجازت مل چکی تھی مصطفیٰ ان کو کہہ کر انا کو لیے سیڑھیاں اترنے لگا تھا۔ مصطفیٰ نے نیچے آکر ویٹنگ روم میں انا کو بٹھا کر خود ایک ڈسپوزل گلاس میں پانی ڈال کر پلایا تھا۔

"ایک بات بتائیں انا؟" دوپٹے سے اپنی آنکھیں رگڑتی انا نے سر اٹھا کر مصطفیٰ کو دیکھا تھا۔

"جب اس قدر محبت تھی تو یہ فاصلے کیسے درمیان میں حائل ہوگئے تھے؟" انا نے لب بھینچ لیے تھے۔

"حماد آپ دونوں کے درمیان میں کیسے آگیا تھا؟" وہ مزید پوچھ رہا تھا اور انا کو لگا جیسے شدت غم سے بس اس کا دل پھٹنے والا ہے وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے ایک دم شدت سے رودی اور مصطفیٰ نے بہت ترحم آمیز نگاہوں سے اس کو یوں اس طرح بلکتے دیکھا۔



سبحان احمد نے قانونی کارروائی کے بعد فیضان کو اڈاپٹ کرلیا تھا وہ اسے اپنے ساتھ باہر لے جانا چاہتے تھے اس طرح فیضان حیات علی سے سکندر سبحان احمد نام کے کاغذات تیار ہوگئے تھے۔ سبحان احمد کے خاندان والوں نے کسی بچے کو اڈاپٹ کرنے پر خوب واویلا مچایا تھا لیکن دونوں میاں بیوی نے کوئی کان نہ دھرے تھے اس طرح فیضان حیات علی سکندر سبحان احمد بن کر سبحان اور حاجرہ کے ساتھ امریکہ روانہ ہوا تو حیات علی بھی واپس کینیڈا جانے کی تیاریوں میں لگ گئے تھے۔

سبحان پر انہیں بہت اعتبار تھا وہ سکندر کے مستقبل سے مکمل طور پر مطمئن ہوگئے تھے انہیں یقین تھا کہ اب ان کے بیٹے کو زندگی میں صرف سکھ ہی سکھ ملے گا۔ انہوں نے جانے سے پہلے مہر النساء کی طرف چکر لگایا تھا مہر النساء فیضان کے سبحان کے ساتھ چلے جانے کا سن کر بہت افسردہ ہوئی تھی تاہم اس نے کوئی شکوہ شکایت نہیں کی تھی۔

مہر النساء نے سبحان کے گھر کا ایڈریس ضرور لے لیا تھا جب بھی وہ لوگ پاکستان لوٹیں گے تو ان سے ملنے جائے گی۔ حیات علی پچھلے چار سالوں سے بابا صاحب سے ناراض تھے پاکستان لوٹنے پر بھی وہ ان سے ملنے نہیں گئے تھے بلکہ حویلی فون کرکے گاڑی اور ڈرائیور منگوا لیا تھا۔

وہ مہر النساء سے ملنے کے بعد اپنا سامان لے کر ائرپورٹ کی طرف روانہ ہوئے تو بھی گاؤں جاکر باپ سے ملنے کا نہ سوچا تھا۔ وہ بابا

صاحب کو بیٹے کی جدائی کی سزا دینا چاہتے تھی بالکل ویسے ہی جیسے وہ پچھلے پانچ سالوں سے بیٹے کی جدائی کی آگ میں جلتے رہے تھے۔ زندگی اپنے معمول پر آ گئی تھی وقت کا کام تھا گزرنا اسے بھلا کون روک سکا تھا۔ بہت تیز رفتاری سے گزر رہا تھا۔ کم عمر بچے اب جوان ہو چکے تھے حیات علی مزید پانچ سال کینیڈا رہے اور پھر بابا صاحب کی شدید بیماری کی اطلاع پر انہیں واپس آنا ہی پڑا۔ بابا صاحب از حد کمزور اور لاغر ہو چکے تھے۔

حیات علی دل سے تمام کدورتیں اور بدگمانیاں مٹا کر ان کی خدمت میں لگ گئے تھے لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ بابا صاحب کی بیماری بڑھتی رہی تھی اور پھر ایک شب زندگی کی ڈور ٹوٹ گئی تو حیات علی پر اتنی بڑی جاگیر زمینوں اور حویلی کی ذمہ داریاں آ پڑی تھیں۔

نواز تعلیم کے سلسلے میں ابھی بھی کینیڈا میں تھا باقی حسن علی شاہ زیب اور دونوں بچوں سمیت وہ لوگ دوبارہ مستقل پاکستان حویلی میں شفٹ ہو چکے تھے۔ حیات علی مہر النساء سے ملنے گئے تھے لیکن وہاں سے ملنے والی خبر نے ایک دم دکھی کر دیا تھا۔

مہر النساء کا ایک سال پہلے انتقال ہو گیا تھا اس کا شوہر باہر کسی ملک میں شفٹ ہو چکا تھا اس کی بیٹی اپنی پھوپی صفیہ کے پاس تھی۔ مہر النساء نے ان سے ایک بار ایک بات کہی تھی وہ بات ابھی بھی ان کے دل میں اٹکی ہوئی تھی۔

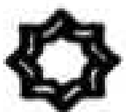
سکندر سے متعلق سبحان ہر طرح کی معلومات فراہم کرتا رہتا تھا۔ سکندر ایک بہت ہی ذہین اور لائق بچہ تھا۔ اس کا اکیڈمک ریکارڈ بہت شاندار تھا' سبحان اور حاجرہ نے اس سے اس کے والدین سے متعلق کچھ بھی نہیں چھپایا تھا اس کے باوجود وہ سبحان اور حاجرہ سے بہت محبت کرتا تھا۔ بہت سے غموں اور بہت سی خوشیوں کے درمیان زندگی گزرنے لگی تھی۔ کل کے بچے اب جوان ہو چکے تھے وقت نے بہت تیزی سے پلٹا کھایا تھا۔ نواز کی تعلیم مکمل ہوئی تو اس کی پسند پر حیات علی نے اس کی شادی وہیں کینیڈا میں ہی ہمسائے کی بیٹی سے کر دی تھی۔ اس طرح کچھ سال بعد حسن کے لیے بھی زبیدہ بھتیجی لائی تھی' زینت اور زہرہ بھی رشتہ داروں میں بیاہی گئیں تو شاہ زیب کے لیے بھی حیات علی نے زبیدہ کے سب سے چھوٹے بھائی کی بیٹی مہر النساء کو پسند کیا تھا۔

انہیں مہر النساء میں زیب النساء کی سی عادات دکھائی دیتی تھیں' کچھ اور وقت سرکا تو سبھی لوگ اپنی اپنی زندگی میں سیٹل ہونے لگے تھے۔ نواز کینیڈا میں ہی سیٹل ہو گیا تھا۔ حسن علی کراچی جا بسا تھا۔ شاہ زیب نے پولیس فورس جوائن کر لی تھی' سبھی خوش تھے ایسے میں حیات علی کے دل میں گزرے لمحوں کی بے بسی کا ملال شدت سے اجاگر ہونے لگتا تھا۔

ان کا بیٹا ان سے دور غیر لوگوں میں پل رہا تھا ان کے پاس کیا نہیں تھا دولت' جائیداد' جاگیر اور معاشرے میں اونچا مقام لیکن وہ کتنے بے بس تھے کہ اس اولاد کو اس کا جائز مقام نہ دلا سکے تھے وہ معاشرے اور لوگوں کے ڈر سے اپنی اولاد کو دوسروں کی جھولی میں ڈالنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ سبحان کی وکالت امریکہ میں خوب چمکی ہوئی تھی' باہر اور پاکستان دونوں معاملات پر اس نے اچھی پراپرٹی بنا رکھی تھی۔ کچھ پراپرٹی سکندر کے نام بھی کر رکھی تھی۔

سکندر احمد اب بڑا ہو چکا تھا دو سال بعد اس کی تعلیم مکمل ہو جاتی تھی' سبحان اور حاجرہ اسے دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ وہ مردانہ وجاہت اور خوب صورتی کا شاہکار تھا۔ ماں اور باپ دونوں کا حسن لے کر پیدا ہونے والا یہ سکندر احمد اپنی ذات میں بے مثل تھا۔ حاجرہ اور سبحان امریکہ جانے کے بعد واپس نہیں لوٹے تھے۔ مزید دو سال پر لگا کر گزر گئے تھے۔ سکندر کی ایجوکیشن مکمل ہوئی تو سبحان اور حاجرہ کا پاکستان چکر لگانے کا پروگرام بنا تھا۔ سکندر بھی ان کے ساتھ پاکستان آ رہا تھا۔ ان کا ارادہ کچھ ماہ پاکستان میں رکنے اور پھر واپس پلٹ جانے کا تھا۔ سکندر نے سبحان احمد اور حاجرہ کے ساتھ پاکستان کی سرزمین میں پہلی بار مکمل خوش دلی سے قدم رکھا تھا۔ وہ بہت جذباتی تھا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ قسمت اس کے ساتھ کیا کھیل کھیلنے والی ہے۔ پاکستان آنے کے بعد اس کی زندگی میں بالکل مختلف اور ایک نیا موڑ شروع ہوا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ)




Downloaded From Paksociety.com
ٹوٹا ہوا تارا
سمیرا شریف طور
READING
Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

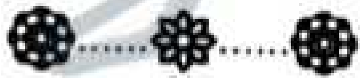
اک وہم ہے یہ دنیا اس میں
کچھ کھوؤ تو کیا اور پاؤ تو کیا
ہے یوں بھی زیاں اور یوں بھی زیاں
جی جاؤ تو کیا، مر جاؤ تو کیا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

زیب النساء حیات علی کی آمد کا سن کر بہن کے گھر سے واپس آتی ہے لیکن حیات علی ملک سے باہر جا چکا ہوتا ہے۔ زیب النساء واپس بہن کے گھر جانے کے بجائے وہیں رک جاتی ہے مگر زیب النساء کی زندگی کو مزید مشکل بنانے کے لیے اس کا باپ صفدر واپس آ کر زبردستی اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ شہوار ماں جی کے ساتھ اسپتال آتی ہے اور پھر سب کے اصرار پر اس کی ساتھ گھر آ جاتی جہاں انا اس کے گلے لگ کر شدت سے روتی ہے اور پھر کاشفہ کی بلیک میلنگ بتا کر شہوار کو ششدر کر دیتی ہے۔ ہادیہ اور رابعہ دونوں ہی بہت خوش ہوتی ہیں' ہادیہ کا نکاح ابوبکر سے ہونے جا رہا ہوتا ہے یہ خبر رابعہ عباس کی کال آنے پر اسے سنا کر خوشی و حیرت میں ڈال دیتی ہے اور ساتھ ہی شادی میں آنے کی دعوت بھی دیتی ہے۔ کاشفہ انا کو ایگری منٹ سائن کرنے کو کہتی ہے' انا کے انکار پر کاشفہ اس پر تشدد کرتی ہے اور دھمکیاں دیتی ہے لیکن انا اس کے کسی بھی دباؤ میں نہیں آتی تو کاشفہ جیدی (کاشفہ کا خاص دوست) اسے اشارہ کر کے کمرے سے نکل جاتی ہے۔ انا کو اپنی عزت خطرہ میں محسوس ہوتی ہے' بالآخر وہ مجبور ہو کر کاشفہ کی بات مان کر ایگری منٹ سائن کر دیتی ہے۔ زیب النساء کی طبیعت اب دن بہ دن خراب ہوتی جاتی ہے' صفدر بھی اب کم ہی گھر پر رہتا تھا۔ چوہدری سراج نے اسے جتنے پیسے دیئے تھے وہ اب ختم ہوتے جا رہے تھے اور اس کا شیطانی ذہن ایک اور منصوبہ بنا رہا تھا۔ زیب النساء کی گود میں بیٹے کی صورت حیات علی کی نشانی آ گئی تھی۔ وہ مطمئن و خوش تھا مگر صفدر لالچ میں اندھا ہو کر زیب النساء کو حویلی لے جاتا ہے اس کا خیال تھا کہ بابا صاحب پوتے کی خوش خبری سن کر اس کے ہاتھوں بلیک میل ہو جائیں گے اور اب کی بار وہ ایک بڑی رقم ان سے وصول کرے گا لیکن چوہدری سراج علی صفدر کو قید میں ڈال دیتے ہیں۔ زیب النساء کو بخش دین (حیات علی کا ملازم) اپنے پاس روک لیا تھا جس کی وجہ سے زیب النساء سراج علی کی قید میں جانے سے بچ جاتی ہے اور حویلی سے نکل کر مہر النساء کے پاس آ جاتی ہے۔ حیات علی کو مسلسل زیب النساء کا خیال ستا رہا تھا وہ واپس پاکستان آنا چاہتا تھا لیکن سراج علی منع کر کے اسے کچھ دن مزید وہاں رہنے کے لیے کہتے مگر اب حیات علی مزید رکنے پر آمادہ نہیں تھے وہ اپنا ویزہ لے کر گھر سے نکلتا ہے لیکن ایک حادثہ کا شکار ہو کر ہسپتال پہنچ جاتے ہیں۔ زیب النساء کی زندگی بہن کے گھر آ کر مزید تنگ ہو جاتی ہے' مہر النساء کا شوہر کوئی نہ کوئی ایسی حرکت جس پر زیب النساء ڈر جاتی ہے۔ مہر النساء زیب النساء کو اپنی نند کے گھر بھیج دیتی ہے ان سب باتوں کو جان کر آپا صفیہ کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہوتا ہے اور وہ اولاد کی نعمت سے بھی محروم ہوتی ہیں۔ آپا صفیہ زیب النساء کو اپنے پاس رکھ لیتی ہیں لیکن کچھ دن بعد ہی زیب النساء کی زندگی کا باب بند ہو جاتا ہے اور فیضان کی ساری ذمہ داری آپا صفیہ پر آ جاتی ہے۔ حیات علی کو ٹھیک ہونے میں

ایک سال کا عرصہ لگ جاتا ہے وہ صحت یاب ہوتے ہی پاکستان لوٹتے ہیں لیکن اب زیب النساء کی کوئی خبر نہیں ملتی وہ مہرالنساء سے مل کر زیب النساء کی خیریت معلوم کرنا چاہتے ہیں لیکن مہرالنساء ملنے سے انکاری کردیتی ہے۔ صفدر کافی عرصے بعد چوہدری سراج علی کی قید سے رہا ہو کر مہرالنساء کے پاس آتا ہے اور اس سے زیب النساء کے حوالے سے معلوم کرکے رنجیدہ ہو کر معافی مانگتا ہے اور فیصان سے ملنے کی ضد کرتا ہے۔ زیب النساء صفدر کو فیضان کا ایڈریس دے دیتی ہے صفدر کا سازشی دماغ ایک بار پھر کام کرتا ہے اور وہ فیضان کو لے کر غائب ہوجاتا ہے۔ مہرالنساء حیات علی کو بابا صاحب کی تمام سازشوں سے آگاہ کرتی زیب النساء کی موت کا بتا کر اسے فیضان کی گمشدگی کا بتا کر غم سے آشنا کردیتی ہے۔ حیات علی اپنے بیٹے کی تلاش شروع کردیتے ہیں بالآخر ایک یتیم خانہ میں ان کو اپنا فیضان مل جاتا ہے اب حیات علی اس کو خود سے جدا نہیں کرنا چاہتے لیکن اس کی ملاقات اپنے دوست سبحان سے ہوتی ہے جس کی ابھی تک اولاد نہیں ہوتی' سبحان حیات علی سے فیضان کو اڈاپٹ کرلیتا ہے۔ وقت اپنی تیز رفتاری سے گزر رہا ہوتا ہے اب بچے بڑے ہوجاتے ہیں۔ انا کی ولید سے محبت اس کے دل میں ٹوٹے تارے کی مانند روشن ہے گو کہ وہ شہوار کو سب بتا کر کسی حد تک مطمئن ہوجاتی ہے لیکن اب ولید اور اس کے درمیان کاشفہ کے ساتھ حماد بھی موجود ہوتا ہے وہ اس وقت سب بھلا کر صرف ولید کی زندگی کی دعا مانگ رہی ہوتی ہے۔

اب آگے پڑھیے



”حماد آپ دونوں کے درمیان کیسے آ گیا تھا؟“ مصطفیٰ پوچھ رہا تھا اور انا کو لگ رہا تھا کہ جیسے شدت غم سے بس اس کا دل پھٹنے کو ہے۔ وہ دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا کر شدت سے روئی تو مصطفیٰ نے نہایت ترحم آمیز نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”انا......“ مصطفیٰ نے دوبارہ پکارا تو انا نے سر اٹھا کر دیکھا اس سے پہلے کہ مصطفیٰ کوئی سوال کرتا اس کا موبائل بجنے لگا تھا۔

”مصطفیٰ کہاں ہو؟“ کال ریسیو کرتے ہی مصطفیٰ کو احسن کی تیز آواز سنائی دی۔

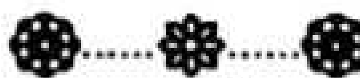
”کیوں خیریت؟“ ایک نظر روتی آنسو صاف کرتی انا پر ڈال کر وہ دوسری طرف متوجہ ہوا تھا۔

”ولید کی کنڈیشن میں کچھ چینج آیا ہے' ڈاکٹرز اور نرس کمرے میں ہیں' ہمیں کمرے سے باہر نکال دیا ہے۔“ دوسری طرف سے ملنے والی اطلاع ایسی تھی کہ مصطفیٰ کا دل ایک دم سکڑ کر پھیلا تھا۔

”میں ابھی آیا۔“ اس نے فوراً کال بند کی اور انا کو دیکھا جس کے چہرے پر مصطفیٰ کی پریشان صورت دیکھ کر گھبراہٹ پیدا ہوگئی تھی۔

”کیا ہوا؟“

”ولید کی طبیعت ٹھیک نہیں' جلدی چلو۔“ انا کو لگا کہ جیسے کسی نے اس کی سماعت پر دھماکا کردیا ہو۔ مصطفیٰ تیزی سے اوپر کی طرف بھاگا اور انا منہ پر ہاتھ رکھے وہیں ساکت رہ گئی تھی اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے جسم سے ابھی جان نکلنے والی ہے۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا اور ہاتھ پاؤں بالکل ٹھنڈے ہوگئے تھے اس نے لرزتے ہاتھوں سے خود کو گرنے سے بچانے کے لیے بے اختیار دیوار کا سہارا لیا تھا۔



سکندر کو اصل زندگی کا اندازہ پاکستان آ کر ہوا تھا۔ لوگوں کا مزاج' ان کا رویہ' باتیں...... سکندر کو ایک الگ ہی دنیا

کے لوگ لگے تھے۔ اس کے معاملے میں انتہائی تند مزاج اور تنگ نظر۔ ہر ایک کی زبان پر ایک ہی بات ہوتی تھی کہ وہ سبحان احمد کا لے پالک بیٹا ہے۔ وہ سب لوگ سبحان احمد کی جائیداد پر نظر رکھے ہوئے تھے ایسے میں انہیں سبحان احمد متمنی کیسے بھا سکتا تھا؟ سکندر پریشان ہو گیا تھا وہ نہ ایسے لوگوں کا عادی تھا اور نہ ہی ایسے رویوں کا۔

"یہ سب لوگ چاہتے تھے کہ ہم ان کے بچوں میں سے کسی کو اڈاپٹ کر لیتے لیکن حیات علی سے ایسی دوستی تھی کہ ہم نے تمہیں اڈاپٹ کر لیا اور ان کو بس یہی بات تم سے بدظن کر دیتی ہے۔ تم دل چھوٹا مت کرو یہ سب لالچی لوگ ہیں انہیں ہم سے کوئی غرض نہیں بس ہماری جائیداد سے واسطہ ہے۔" ایک دن وہ کسی چچا کے رویے کی وجہ سے سخت پریشان تھا تو حاجرہ نے محبت سے سمجھایا تھا اور پھر اس دن کے بعد اس نے بھی سمجھ لیا تھا کہ یہ رشتے' ناطے اس کے حقیقی نہیں۔

اس نے بہت پُر وقار زندگی گزاری تھی' زندگی میں پہلی بار لے پالک ہونے کا طعنہ سنا تو اسے اپنے حقیقی باپ سے بھی شکایت پیدا ہو گئی تھی۔ سبحان اور حاجرہ دونوں میں سے کسی نے کبھی اس کے ماضی کے متعلق اس سے کچھ بھی نہیں چھپایا تھا۔ ہر بات علم میں تھی لیکن اسے پاکستان آ کر زندگی میں پہلی بار احساس ہوا تھا کہ وہ اپنے اصل سے جدا ہو کر کچھ بھی نہیں۔

ابھی اسے پاکستان آئے ہوئے دو ماہ ہی ہوئے تھے جب کہیں سے اسے ڈھونڈتی ایک لڑکی چلی آئی تھی۔ حاجرہ سے اس نے اپنا تعارف مہر النساء کی بیٹی افشاں کہہ کر کروایا تھا۔

"مجھے پہچانا تم نے؟" اس نے سکندر کو مسکرا کر دیکھتے پوچھا تو سکندر نے ہاں میں سر ہلایا تھا۔

"میری خالہ مہر النساء کی بیٹی ہو تم' امی نے تمہارا تعارف کروا رکھا ہے۔"

"شکر ہے ورنہ میں تو سمجھی تھی کہ امریکہ میں رہنے والا کزن کہاں مجھے یاد رکھے گا۔" افشاں ایک سادہ مزاج والی بہت جلد گھل مل جانے والی لڑکی تھی۔ سکندر اس کی بات پر محض مسکرایا تھا۔

"تم دونوں بیٹھ کر بات کرو میں چائے اور کچھ کھانے کا بندوبست کرتی ہوں۔" حاجرہ کہہ کر اٹھ گئی تھی۔ وہ دونوں باتوں میں لگ گئے تھے۔

افشاں نے ہی اسے بتایا تھا کہ والدہ کی وفات کے بعد اس کا باپ باہر سیٹل ہو گیا تھا اور اسے اپنی بیوہ بہن صفیہ پھوپو کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ اس کے باپ نے وہاں باہر کے ملک میں کسی انگریز عورت سے شادی کر لی تھی لیکن کثرت سے سگریٹ نوشی کے سبب وہ پھر کچھ سال ہی جی پایا اور دو سال پہلے ہی اس کی پھوپو کا بھی انتقال ہو گیا تھا آج کل وہ پھوپو کے گھر میں ہی ایک بے سہارا عورت کے ساتھ رہ رہی تھی جنہیں وہ خالہ بی کہتی تھی اور ان کا چند سال کا بیٹا بھی تھا۔ افشاں نے ماسٹر کیا تھا' زندگی کے بارے میں اس کی اپروچ بہت ہی پریکٹیکل تھی۔ سکندر کو افشاں سے مل کر بہت اچھا لگا تھا۔

"تمہیں پتا ہے میں پچھلے کئی سالوں سے یہاں کے چکر لگاتی رہی ہوں' میری امی کا کہنا تھا کہ تم سے رابطہ رکھوں۔ کبھی بھی تم پاکستان آؤ تو تم سے ضرور ملوں لیکن تمہارے یہ ددھیالی رشتہ دار بہت ہی کرپٹ لوگ ہیں' جب بھی آئی ہوں بہت کچھ سنا کر واپس بھیج دیا۔" افشاں اسے بتا رہی تھی اور سکندر احمد کو ازحد افسوس نے آ لیا تھا۔

"ویسے کب تک ہو تم لوگ یہاں؟" حاجرہ چائے لے آئی تھیں' چائے پی کر اس نے سکندر سے پوچھا تھا۔

"اس کے بابا کی جاب ختم ہو گئی ہے باہر سے اب ہمارا یہیں سیٹل ہونے کا ارادہ ہے۔ اگر سکندر کا دل چاہا تو وہ امریکا چلا جائے گا' وہاں کچھ دکانیں اور ایک گھر ہے۔" حاجرہ نے بتایا' افشاں نے سر ہلا دیا۔

"تم چکر لگانا کسی دن ہماری طرف' ایڈریس سمجھا دیتی ہوں انکل اور آنٹی جی کو بھی ساتھ لانا۔" افشاں نے کہا تو

سکندر نے سر ہلایا۔

زندگی واپس اپنی ڈگر پر آ گئی تھی وہ حاجرہ کے ساتھ ایک دو بار افشاں کے ہاں جا چکا تھا۔ وہ اس دن بھی اکیلا آیا تو وہاں کچھ مہمان موجود تھے وہ باہر ہی رک گیا تھا۔

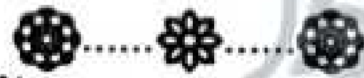
''ارے سکندر آؤ نا' رک کیوں گئے۔'' افشاں اسے دیکھ چہکی اور اسے اندر لے آئی۔

یہ پرانی طرز کا ڈبل اسٹوری گھر تھا' جس کے تین کمرے نیچے تھے اور دو تین اوپر۔ گھر کی حالت سے مکینوں کی مالی حالت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا' باپ اور پھوپی کی موت کے بعد افشاں خود ہی اس سارے گھر کا نظام چلا رہی تھی۔

''یہ سکندر ہے میں نے بتایا تھا نا کہ میری خالہ کا ایک بیٹا بھی ہے' یہ لوگ امریکہ میں تھے حال ہی میں پاکستان شفٹ ہوئے ہیں۔'' افشاں نے وہاں موجود دو لڑکوں اور ایک لڑکی سے اس کا تعارف کروایا۔ وہ لوگ گرم جوشی سے سکندر سے ملے تھے۔

''سکندر یہ صبوحی اور ضیاء ہیں' پھوپو کے دیور کے بچے اور یہ وقار ہے صبوحی کا شوہر۔'' تعارف مکمل تھا۔ وہ لوگ بہت دوستانہ مزاج رکھتے تھے' سکندر بہت جلد ان سب کے ساتھ گھل مل گیا تھا۔ افشاں نے بتایا کہ ضیاء آج کل باہر جانے کے چکر میں ہے' سکندر اس سے اس کے آئندہ پلان کے بارے میں بات کرتا رہا اور اسے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق اچھے مشوروں سے بھی نوازتا رہا تھا۔

صبوحی اور وقار کی شادی کو ابھی چند ماہ ہی ہوئے تھے' یہ لوگ بھی مالی لحاظ سے کچھ اتنے مضبوط نہ تھے۔ ضیاء کے والدین بھی انتقال کر چکے تھے' وقار ضیاء کا دوست تھا' والدین کا اکلوتا بیٹا تھا' باپ مر چکا تھا اور ماں زندہ تھی اور اس رات وہ افشاں کے ہاں ایک بھرپور دن گزار کر جب گھر واپس جا رہا تھا تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک بہت بڑا حادثہ اس کا منتظر تھا' ایسا حادثہ جس نے اس کی زندگی کا محور ہی بدل دیا تھا۔



وہ اوپر آئی تو آئی سی یو کے سامنے سب ہی موجود تھے جب کہ مصطفیٰ روم کے اندر تھا۔ وہ احسن کی طرف بڑھی جو

وقار صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھے انہیں دلاسا دے رہا تھا۔

"کہ..... کہ..... کیا ہوا؟" اس کی آنکھوں میں عجیب سا خوف تھا' وقار صاحب نے فوراً سر اٹھا کر دیکھا۔ زرد رنگ' روتی متورم آنکھیں اور کپکپاتے لب۔ کیا جیتنے والے بھی ایسے ہوتے ہیں۔

"کچھ نہیں' مصطفیٰ اندر گیا ہے ڈاکٹرز ابھی ہمیں کچھ بھی نہیں بتا رہے۔" احسن نے ضبط سے کہا اور پھر باپ کا کندھا دبا کر آگے بڑھ گیا۔

وقار صاحب نے پھر گم صم سر جھکائے کھڑی بیٹی کو دیکھا' جب ہی مصطفیٰ دروازہ کھول کر تیزی سے ان کی طرف آیا تو احسن بھی فوراً اس کی طرف لپکا تھا۔

"کیا ہوا؟" احسن کی آواز میں ایک خوف تھا۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیتے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

"ولید کو ہوش آ گیا ہے۔" اس نے کہتے ہوئے انا کو بطور خاص دیکھا جس کے زرد چہرے پر بے یقینی سی تھی۔

"لیکن ابھی اس کی کنڈیشن ایسی ہے کہ مسلسل آبزرویشن میں رکھنے کی ضرورت ہے' ڈاکٹرز ابھی مکمل طور پر اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہیں۔" مصطفیٰ کے الفاظ نے تینوں نفوس کے وجود سے جیسے خون نچوڑ لیا تھا۔

"بہر حال اللہ کا بڑا کرم ہے کہ ہوش تو آ گیا ہے' ان شاء اللہ وہ ٹھیک ہو جائے گا' آپ لوگ پریشان مت ہوں۔" سب کے چہروں پر دوبارہ تاریکی چھائے دیکھ کر مصطفیٰ نے حوصلہ دیا۔

انا ایک گہرا سانس لیتے خاموشی سے وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ وہ صبوحی کے کمرے میں آئی جو میڈیسن لے کر نیند میں تھیں وہ ان کے پاس کرسی پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر ایک دم سسک اٹھی تھی۔ اس نے ولید کے ہوش میں آ جانے کی بہت سی دعائیں مانگی تھیں' بہت سی منتیں مانی تھیں لیکن اب جبکہ ہوش آیا بھی تو ایک خوف میں لپٹا ہوا ڈر بھی دل کو لگ گیا تھا۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا اس کو لگ رہا تھا کہ اس کا وجود بالکل ساکت اور بے جان ہوتا جا رہا ہے۔ روشی ضیاء صاحب کے ساتھ ہسپتال آئی تو ولید کے ہوش میں آنے کی خبر اس کی منتظر تھی۔ ڈاکٹرز اس کی طرف سے کافی پرامید تھے لیکن ابھی کسی کو بھی ولید سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ صبوحی کے کمرے میں آئی تو کمرے کے ایک کونے میں جائے نماز پر بیٹھی شدت سے بلکتی انا کو دیکھ کر رک گئی تھی۔ پچھلے کئی دنوں سے گھر والوں کے ساتھ انا کا جو رویہ تھا اگر وہ دیکھا جاتا تو اس وقت انا کا رویہ الجھانے کے لیے کافی تھا۔ وہ خاموشی سے ٹفن سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر ایک طرف بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد انا ہاتھ منہ پر پھیر کر اٹھی تو روشی کو دیکھ کر رک گئی تھی۔

"تم کب آئی؟" انا نے پوچھا تو روشی نے اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹالی تھیں۔

"کچھ دیر پہلے۔"

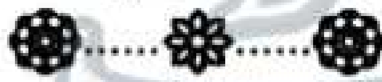
"ولی بھائی کو ہوش آ گیا ہے۔" روشی نے بتایا تو انا نے سر ہلایا۔

"لیکن ڈاکٹرز ابھی ملنے یا دیکھنے کی اجازت نہیں دے رہے' کہہ رہے تھے کہ کل روم میں شفٹ کر دیں گے تو پھر ملنے دیں گے۔" روشی نے بتایا تو انا کے چہرے پر ایک دم خوشی کے تاثرات پیدا ہو گئے تھے وہ جب سے روم میں آئی تھی پھر باہر نکلی ہی نہ تھی۔ پچھلے دو تین گھنٹوں سے وہ مسلسل جائے نماز پر تھی۔

"وہ اب بہتر ہیں نا؟"

"یس..... ڈاکٹرز کافی زیادہ پرامید ہیں۔" دونوں پھر خاموش ہو گئی تھیں۔ کچھ گھنٹے مزید سرکے تو ڈاکٹرز کی طرف سے ملنے والی خبر نے سب کو جیسے پُرسکون سا کر دیا تھا۔

ولید مکمل طور پر خطرے سے باہر تھا تاہم ٹرنیکولائزر کے زیراثر تھا' رات کو اسے کمرے میں شفٹ کردیا گیا تھا۔
احسن' وقار صاحب اور ضیاء صاحب کے ساتھ گھر چلے آئے تھے' مصطفیٰ ابھی تک وہیں موجود تھا۔ مصطفیٰ کے وجود سے سبھی کو بہت ڈھارس ملی ہوئی تھی' رات میں عباس بھائی بھی مصطفیٰ کے پاس آگئے تھے۔ انا صبوحی کے پاس ہی رہی تھی جبکہ روشی دو تین بار ولید کے کمرے میں جاکر اسے دیکھ آئی تھی۔ انا نے خود سے نہ تو ولید کے کمرے میں جانے کی کوشش کی تھی اور نہ ہی کسی نے اس سے کچھ کہا تھا۔ وہ ساری رات عجیب سی امید و بیم کی کیفیت میں گزر گئی تھی۔
فجر کے وقت ٹرنیکولائزر کا اثر ختم ہوا تو ولید نے آنکھیں کھولی تھیں' ماحول سے مانوس ہونے میں اسے کچھ وقت لگا تھا۔ جس میں جابجا درد سے اٹھتی ٹیسیں تھیں جبکہ سر پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ ولید کو آنکھیں کھولتا دیکھ کر اس کے قریب ہی کرسی پر بیٹھا مصطفیٰ ایک دم متحرک ہوا تھا۔
''ولید......'' وہ فوراً اس پر جھکا' ولید نے مصطفیٰ کو چند پل دیکھا۔
''تمہارا بہت ہی سیریس قسم کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا' دو دن بعد ہوش آیا ہے تمہیں' اللہ کا شکر ہے ورنہ سب کا پریشانی سے بُرا حال تھا۔'' مصطفیٰ آہستہ آہستہ اسے بتا رہا تھا۔ ولید نے اپنا ہاتھ اٹھانا چاہا تو رک گیا' اس کا ہاتھ ڈرپ کی سرنج میں الجھا ہوا تھا۔
''کیسا فیل کررہے ہو؟'' مصطفیٰ نے مسکرا کر پوچھا تو ولید نے خاموشی سے دیکھا۔
''بابا اور روشی کہاں ہیں؟'' چند پل مزید اسی خاموشی میں سرکے تو ولید نے پوچھا۔ انداز دھیما تھا' مصطفیٰ بمشکل سن پایا تھا۔
''روشی یہی ہے' انکل کو گھر بھیج دیا ہے' سبھی بہت پریشان تھے لیکن اللہ نے کرم کیا اور تمہیں ہوش آگیا۔'' مصطفیٰ نے بتایا تو ولید پھر خاموش ہوگیا۔
''میں ڈاکٹر کو بلواتا ہوں۔'' مصطفیٰ کہہ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔



مصطفیٰ ولید کے ہوش میں آنے کے بعد اس کی کنڈیشن کی طرف سے مکمل طور پر مطمئن ہوتے ہوئے دو دن بعد گھر آیا تھا' دن کے دس بج رہے تھے۔ گزرے دنوں کی نسبت وہ کافی پرسکون تھا۔ گھر آیا تو علم ہوا کہ شہوار کالج گئی ہوئی ہے' وہ فریش ہوکر کمرے سے نکلا تھا۔ ماں جی نے اس کے لیے ناشتا تیار کروادیا تھا۔
''چلو اللہ نے کرم کیا میں دن میں تمہارے بابا کے ساتھ ولید کی عیادت کو جاؤں گی۔'' وہ ناشتا کررہا تھا جب ماں جی بھی ساتھ آبیٹھی تھیں۔
''ضرور جائیے گا' بہت کریٹیکل کنڈیشن سے ولید واپس لوٹا ہے۔ جتنا بھی اللہ کا شکر ادا کریں کم ہے۔''
''ہاں بس اللہ کا ہی کرم ہے ورنہ انسان کی کیا مجال۔''
''شہوار بہت پریشان رہی ہے' کئی بار تمہیں کال کرتی رہی لیکن نہ تم کال پک کرتے تھے اور یہ ہی جواب دیتے تھے اس کے میسجز کا۔'' کھانا کھاتے ماں جی نے کہا تو مصطفیٰ ایک پل کو رکا تھا۔
''پہلے اس کیس کی وجہ سے سخت بزی تھا ادھر سے فارغ ہوا تو احسن نے بلالیا پھر سارا وقت ولید کے ساتھ ہی لگا رہا۔ ادھر اُدھر بھاگ دوڑ کرتے وقت ہی نہیں ملا۔''
''ایک منٹ کال سن لینے میں بھلا کتنا وقت لگ جاتا' وہ ساری رات پریشان رہی ہے' جیسی اس کی حالت ہے ایسے میں یہ ٹینشن اس کے لیے اچھی نہیں۔'' ماں جی نے باز پرس کی' مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

دو باتیں

زندگی میں دو باتیں بہت تکلیف دیتی ہیں
جس کی خواہش ہو اس کا نہ ملنا
اور
جس کی خواہش نہ ہو اس کا مل جانا۔
کسی بھی انسان سے کبھی بھی زیادہ توقع مت رکھنا
کیونکہ
جب دل ٹوٹتا ہے تو آواز نہیں آتی مگر انسان اندر ہی اندر ختم ہو جاتا ہے۔

فائزہ..... طور جہلم

وہ گھر سے جس موڈ میں بھی نکلا تھا لیکن یہ سچ تھا کہ اسے وقت ہی نہیں ملا تھا' اس کا غصہ وقتی تھا اسے اب رہ رہ کر اپنی جذباتیت پر ملال ہو رہا تھا لیکن شہوار موجود نہ تھی اگر موجود ہوتی تو وہ اس سے اپنے رویے پر ضرور ایکسکیوز کر لیتا۔

''کوئی بات نہیں' آپ سب اس کے پاس موجود تھے جبکہ ہسپتال میں احسن تنہا سب کچھ ہینڈل کر رہا تھا۔ ذہن اس قدر ڈپریسڈ اور الجھا ہوا تھا کہ احساس ہی نہیں ہوا کہ خیر اب کالج سے آتی ہے تو دیکھتا ہوں۔'' مصطفیٰ کا انداز پُرسکون تھا۔

''اسے فون کر لینا' وہ واقعی بہت پریشان ہے۔'' ماں جی تاکید کر کے اٹھ گئی' مصطفیٰ نے خاموشی سے کھانا کھایا تھا۔ اس نے کمرے میں واپس آ کر شہوار کے نمبر پر کال کی تو ریسیو نہیں ہوئی تھی' وہ شاید بزی تھی۔ وہ ذہن کو ریلیکس کرتے باباصاحب کے کمرے میں چلا آیا' وہ کوئی کتاب پڑھ رہے تھے اسے دیکھ کر مسکرائے تھے۔

''السلام علیکم باباصاحب!''

''وعلیکم السلام! بہت مصروف رہنے لگے ہو' کافی دن بعد دکھائی دے رہے ہو۔'' انہوں نے کتاب ایک طرف رکھ کر چشمہ اتار کر اسے دیکھا تو وہ مسکرا کر ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

''ہاں بس آفس کی ہی مصروفیات تھیں' آپ سب کو اندازہ تو ہے یہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کی جاب بہت ٹف ہوتی ہے۔ یہ تو بس ولید کی وجہ سے دو دن آف کیا ہے' تھکن بہت تھی تو آج گھر پر آ گیا ہوں ورنہ شام یا دوپہر میں آفس کا چکر لگانے کا سوچ رہا ہوں۔''

''شاہ زیب بھی جب تک اس ڈیپارٹمنٹ میں رہا ایسے ہی مصروف رہا' گھر والوں کے لیے تو اس کے پاس وقت ہی نہ ہوتا تھا۔''

''آپ کی طبیعت اب ٹھیک رہتی ہے نا۔'' باباصاحب نے سر ہلا دیا تھا۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ اب گاؤں چلا جاؤں وہاں سب کچھ نوکروں پر چھوڑ رکھا ہے۔''

''کیا کرنا ہے جا کر' یہیں رہیں نا۔ وہاں جا کر تنہا ہر وقت سوچوں میں الجھتے ان سے لڑتے رہنے سے بہتر نہیں اپنوں کے ساتھ وقت گزاریں۔''

''میں تو ایک امید پر یہاں ٹکا ہوا ہوں۔'' ان کے لہجے میں ایک آس سی تھی۔

''تابندہ بی کا کچھ پتا چلا۔'' مصطفیٰ نے نفی میں سر ہلایا۔

''ڈھونڈا تو ان کو جاتا ہے جو کہیں غائب ہو جائیں' کھو جائیں جو خود سے منظر سے ہٹ جائیں ان کو کیسے ڈھونڈا

جائے پھر بھی بہت کوشش کی اور ابھی بھی کچھ لوگوں کو لگا رکھا ہے لیکن تا حال کوئی کامیابی نہیں ملی۔"

"شہوار کا خیال رکھا کرو وہ عزیز تو مجھے بہت پہلے بھی تھی لیکن جب سے تابندہ نے کال کر کے بتایا تھا کہ وہ فیضان کی بیٹی ہے تو سمجھو دل کو ایک طرح کا سکون سا مل گیا ہے۔ شہوار کو دیکھتا ہوں تو لگتا ہے میرا فیضان زندہ ہو کر واپس آ گیا ہے، بہت زیادتیاں کی ہیں میں نے فیضان کے ساتھ، بہت زیادہ......" وہ سسکنے لگے تھے۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیتے ان کے گرد اپنا مضبوط اور توانا بازو حائل کیا تھا۔

"آپ ٹینشن نہ لیں شاید یہ قسمت کا ہی چکر تھا ورنہ شہوار کسی اور گھر میں بھی پل سکتی تھی۔ تابندہ بوا اسے لے کر حویلی میں ہی کیوں بھلا رہتیں۔ آپ مجبور تھے، میں نہیں سمجھتا آپ نے جان بوجھ کر کوئی زیادتی کی ہے جو بھی ہوا سب قسمت کا ہیر پھیر تھا۔"

"ہم نے تو ایک یتیم اور بے آسرا بچی کو سہارا دینے کی کوشش کی تھی شاید کہیں کوئی احساس جرم تھا جو ہم سے یہ سب کرواتا رہا ورنہ شاہ زیب کے ماموں نے کتنا شور مچایا تھا کہ ایک انجان غیر عورت کو میں کیسے حویلی میں پناہ دے سکتا ہوں اور پھر اس طرح سارے اختیارات اس کو سونپ کر اسے ایک گھر کے فرد کی سی حیثیت دینا میرے اندر کے گناہ ہی تو ہیں جو مجھ سے یہ سب کرواتے رہے۔ میں انگاروں پر لوٹتا رہا اور اپنے ضمیر کے سامنے روز مجرم کی طرح سزا کاٹتا رہا۔"

"یہ جاگیر، جائیداد، ذات و پات کے تفاخر انسان سے بہت بڑے بڑے گناہ کروا دیتے ہیں۔ ایک عمر ہوتی ہے جب جذبات جوان ہوتے ہیں تو ساری دنیا کو ٹھوکر لگانے کو انسان تیار ہو جاتا ہے اور پھر جب وہی جذبات مدھم پڑ جاتے ہیں تو راکھ کی چنگاریاں بن جاتے ہیں۔ کاش انسان وقت سے پہلے سوچ لیا کرے تو ساری عمر پچھتاوے خواب کا روپ اوڑھ کر کسی کو بھی نہ ستایا کریں۔"

"دیکھیں آپ نے پھر وہی باتیں شروع کر دی، منع کیا تھا نا میں نے کہ کچھ نہیں سوچنا بالکل ریلیکس رہنا ہے۔ جب سب کچھ ختم ہو چکا ہے تو پھر اس راکھ کو کریدنے کا فائدہ رہ گئیں تابندہ بوا میں نے ان کی تلاش چھوڑ دی ہے وہ ایک مقصد کے تحت حویلی میں پناہ گزیں ہوئی تھیں۔ شہوار کی رخصتی سے اگلے دن ہی وہ حویلی چھوڑ گئیں تو اس کا مطلب یہی ہوا نا کہ وہ سب کچھ جانتی ہیں اور جب تک وہ خود نہ چاہیں گی وہ سامنے نہیں آئیں گی۔" مصطفیٰ نے دلاسا دیا تو وہ تلخی سے مسکرائے۔

"سب کچھ کہنے کو ختم ہو چکا ہے لیکن اب شہوار کی صورت پھر سب کچھ سامنے ہے، مجھے کچھ نہیں بھولتا۔ رہ رہ کر گزرا وقت یاد آتا ہے تو پچھتاوے گناہ بن کر ڈسنے لگتے ہیں اسی لیے تو کہتا ہوں گاؤں چلا جاؤں شاید کچھ سکون مل جائے۔"

"گاؤں بھی چلے جایئے گا لیکن ابھی کچھ دن آرام کر لیں۔" مصطفیٰ نے ان کا کندھا تھپتھپایا اور پھر مزید کچھ وقت گزار کر وہ ان کے پاس سے اٹھ آیا، وہ اپنے کمرے میں آیا تو موبائل بج رہا تھا مصطفیٰ نے دیکھا شہوار کی کال تھی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام! آپ کی کال آئی تھی میں کلاس میں تھی، مجھے خبر ہی نہیں ہو سکی۔"

"کوئی بات نہیں۔"

"ولید بھائی کیسے ہیں اب؟"

"کافی بہتر ہے، روم میں شفٹ کر دیا گیا ہے جب ہی میں آیا تھا، ڈاکٹرز اسے لیبارٹری میں لے گئے تھے کچھ ٹیسٹ وغیرہ کروانے تھے۔ ہوش میں آ چکا ہے تاہم بات چیت نہیں کر رہا۔"

"شکر ہے اللہ کا، میں نے روشی کو بھی کال کی تھی، رات میں بھی دن میں بھی اس نے بتایا تھا کہ ہوش آ گیا ہے۔"

غزل

اپنی کیفیت اپنی زبانی لکھتا ہوں
میں بھی تیرے جیسا لگتا ہوں
سمندر کی لہریں بکھری ہیں دیکھوں
میں بھی ان کی طرح بکھرا سا لگتا ہوں
نہ جانے کتنے سفینے ٹوٹے ہیں یہاں
میں بھی انہی سفینوں کا حصہ لگتا ہوں

سمیہ امتیاز......قصور

مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"آپ اس وقت ہسپتال میں ہیں یا آفس؟"

"میں گھر پر ہوں' کچھ دیر بعد آفس کے لیے نکلوں گا'ماں جی نے بتایا تھا کہ تم کالج جا چکی ہو تو سوچا تم سے بات کرلوں۔ دو تین دن سے ٹھیک سے بات ہی نہیں ہوسکی۔"

"آپ تو شاید ناراض تھے مجھ سے؟" شہوار نے سنجیدگی سے کہا تو مصطفیٰ مسکرایا۔ وہ اندازہ کرسکتا تھا کہ وہ اس بات کو لے کر کتنا پریشان رہی ہوگی۔

"نہیں یار! ناراض نہیں تھا بس کسی بات کا غصہ تھا۔"

"کس بات کا؟" دوسری طرف وہ حیران ہوکر پوچھنے لگی تھی۔

"گھر آؤ گی تو بات ہوگی۔"

"آپ کو علم ہے کہ میں کس قدر پریشان رہی ہوں' اتنا ناراض ہوکر گئے تھے میں تو ڈر گئی تھی کہ پتا نہیں کیا ہوگیا ہے پھر موبائل بند' آن کیا بھی تو نہ کوئی کال کی اور نہ ہی کسی میسج کا کوئی ریپلائی۔ میسج کر کر کے میری انگلیاں ٹوٹ گئی۔" وہ از حد رنجیدہ ہورہی تھی۔

"ایم سوری یار! ایک غلطی تمہاری بھی تھی اور ایک میری بھی' بہر حال مجھے غصہ نہیں کرنا چاہیے تھا اور غصہ تم پر بھی نہیں آیا تھا بس کوئی اور بات تھی۔"

"میری کیا غلطی تھی؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"گھر آؤ گی تو بات کریں گے' اس وقت تو مجھے آفس کے لیے بھی تیار ہونا ہے۔ اپنا خیال رکھنا اور بہت ہی دھیان سے آنا' ڈرائیور کو بھی میں تاکید کردوں گا' اوکے۔" مصطفیٰ نے گھڑی دیکھتے اسے کہا تو دوسری طرف وہ الجھی۔

"وہ تو دھیان سے ہی آؤں گی لیکن بتائیں تو سہی کیا وجہ تھی اس طرح غصہ کرنا بغیر کسی وجہ کے تو نہیں ہوتا۔" وہ پریشان ہورہی تھی۔

"ڈونٹ وری یار! کہہ تو رہا ہوں گھر آؤ گی تو بات ہوگی ورنہ سارا وقت تم پریشان رہو گی اور ہاں میں بار بار تاکید کررہا ہوں' ایاز باہر آچکا ہے اور اس سے مجھے کسی بھی قسم کی بھلائی کی امید نہیں' وہ کسی بھی وقت کچھ بھی کرسکتا ہے۔ تمہیں بہت احتیاط اور دھیان سے رہنا ہوگا اور مجھے بتائے بغیر کہیں نہیں جانا' چاہے ڈرائیور ہی ساتھ کیوں نہ ہو بالکل سیدھا گھر آنا۔"

''گھر تو میں آؤں گی ہی لیکن......''

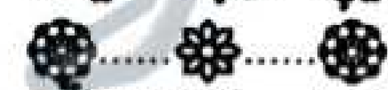
''او کے پھر بات ہوگی۔'' مصطفیٰ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''اپنا خیال رکھنا ان شاء اللہ شام میں جلدی آنے کی کوشش کروں گا' او کے۔''

''جی ٹھیک ہے۔'' مصطفیٰ نے اللہ حافظ کہہ کر کال بند کردی تھی۔ مصطفیٰ نے واٹس اپ کھولا ادھر وہی تصویر موجود تھی اس نے بہت سنجیدگی سے اس تصویر کو دیکھا اور اس تصویر کے ساتھ لکھی ہوئی سطر کو۔

چہرے کے عضلات تناؤ کا شکار ہوئے تھے' چند پل اس تصویر کو دیکھتے رہنے کے بعد اس نے موبائل بند کرتے سائیڈ پر رکھ دیا تھا' وہ الماری کی طرف آیا پٹ کھولے لباس نکالتے ہوئے اس کی نگاہ سائیڈ دراز کی طرف اٹھی وہاں کچھ فائلز رکھی ہوئی تھیں۔ مصطفیٰ کو ایک دم یاد آیا کہ امجد خان سے اس نے ایک فائل لی تھی ''لالہ رخ'' کیس کی فائل لیکن بعد میں حالات اس طرح رہے کہ اسے بالکل بھی وقت نہیں ملا تھا اس فائل کو اسٹڈی کرنے یا کھول کر دیکھنے کا۔

مصطفیٰ لباس نکال کر بستر پر رکھتے سنجیدگی سے تمام فائلز دیکھنے لگا تھا' اسے وہ مطلوبہ فائل لاکر میں سے ملی تھی۔ اسے کھول کر دیکھا تو اس میں بے ترتیبی سے رکھا ہوا لفافہ نیچے گر گیا تھا۔ مصطفیٰ نے جھک کر لفافہ اٹھایا۔ فائل اور لفافہ اٹھا کر وہ الماری کا پٹ بند کرتے بستر کے کنارے آ بیٹھا تھا۔ فائل بستر پر رکھ کر اس نے لفافے میں سے کچھ تصاویر نکلی تھیں جنہیں ایک کے بعد ایک دیکھتے ایک تصویر پر مصطفیٰ چونک گیا تھا۔



سکندر گھر آیا تو حاجرہ اور سبحان کے شدید ایکسیڈنٹ کی خبر منتظر تھی۔ وہ دونوں اپنے کسی دوست کے ہاں مدعو تھے' آج کل وہ سکندر کے لیے کوئی لڑکی دیکھ رہے تھے اسی سلسلے میں وہ دونوں میاں بیوی اپنے دوست کے ہاں گئے تھے جن کی دو بچیاں تھیں اور دونوں ہی کافی پیاری اور اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں لیکن واپسی پر یہ حادثہ پیش آ گیا تھا۔ کوئی گاڑی ان کو ٹکر مار کر بھاگ گئی تھی' مقامی لوگوں اور پولیس نے دونوں کو ہسپتال پہنچایا تھا اور پھر گھر والوں کو اطلاع دی تھی۔ سکندر ہسپتال پہنچا تو سبحان کے کافی رشتہ دار وہاں موجود تھے ان سب نے سکندر کی آمد کو کافی ناگواری سے دیکھا تھا تاہم کہا کچھ نہیں تھا۔

دونوں کو کافی شدید چوٹیں آئی تھیں۔ سکندر ادھر اُدھر بھاگ دوڑ کرتے ڈاکٹرز سے ملنے اور اصل صورت حال جاننے کی تگ و دو میں تھا جب ڈاکٹر نے آ کر حاجرہ اور سبحان دونوں کی وفات کی اطلاع دی تو سکندر ایک دم ساکت ہوگیا تھا۔ وہ بے یقین تھا دونوں کیسے ایسے یوں اس طرح چھوڑ کر جاسکتے ہیں۔ وہ رات سکندر کی زندگی کی سب سے الم ناک رات تھی' ڈیڈ باڈیز گھر پہنچادی گئی تھیں جہاں حاجرہ اور سبحان کے تمام رشتہ دار آچکے تھے سکندر اپنے ہی صدمے سے نڈھال تھا' کون کیا کہہ رہا ہے کیا کررہا ہے کچھ خبر نہ تھی۔

اگلے دن دونوں کی تدفین ہوگئی تھی' افشاں کو اطلاع ملی تو وہ بھی آئی تھی۔ سکندر کے لیے یہ ایک بہت بڑا صدمہ تھا' وہ اس کی تسلی و تشفی کرتے سب کچھ جھیل جانے کی نصیحت کرتی رہی تھی۔

وقار ضیاء اور صبوحی بھی تعزیت کو آئے تھے' چند دن اسی غم کی حالت میں گزرے تو ایک شام اس کو بڑوں نے بلا بھیجا وہ جب ان کے کمرے میں پہنچا تو وہاں خاندان کے سب ہی بڑے موجود تھے۔

''دیکھو لڑکے تمہارا ہم سے کوئی بھی خونی رشتہ یا تعلق نہیں' تمہیں حاجرہ بھابی اور سبحان بھائی نے اپنا متبنیٰ بنایا تھا وہ لوگ اب مر گئے ہیں اصولاً تو تمہیں ہمارے کہنے سے پہلے ہی یہ گھر چھوڑ دینا چاہیے تھا لیکن اگر کسی بھی قسم کی بھول میں ہو تو ہم واضح کردیتے ہیں تمہارا بھابی اور بھائی صاحب کی جائیداد روپے پیسے پر کسی بھی قسم کا کوئی حق نہیں۔'' اس کے

کچھ پھول چنے ہیں

❖ رشتے اپنائیت کے ہوں یا خلوص کے اتنے ہی نازک ہوتے ہیں جتنے آبگینے ذرا سی ٹھیس لگی اور ٹوٹ گئے پھر ان پر فخر کیا مان کیسا؟

❖ اسے دیکھو جو تمہاری طرف دیکھتا ہے۔ اس کی سنو جو تمہاری سنتا ہے۔ اس سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتا ہے اور اپنا ہاتھ اسے دو جو تمہارا ہاتھ تھامنا چاہتا ہے۔

❖ محبت اور نفرت دونوں اگر حد سے زیادہ بڑھ جائیں تو جنون کی حد میں داخل ہو جاتے ہیں اور جنون کسی بھی چیز کا ہو اچھا نہیں ہوتا۔

❖ انا اور خودداری بہت اچھی چیزیں ہیں لیکن بے جا انا اکثر آپ کو تنہا بھی کر دیتی ہے۔

سمیرا، نمرہ، آمنہ......کھرڑیانوالہ

چچا نے کہا تو اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ ابھی سبحان اور حاجرہ کو مرے چند دن ہی تو ہوئے تھے اور یہ لوگ نجانے کیسی باتیں لے بیٹھے تھے۔

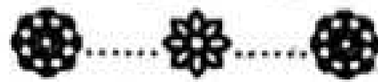
''اگر تم نے کسی بھی قسم کا کوئی حق جتانے کی کوشش کی تو ہم تم پر کیس کر دیں گے۔ جب اصل وارث ہی نہ ہو تو مرنے والوں کی دولت جائیداد پر اس کے خونی رشتہ داروں کا حق ہوتا ہے اور شریعت کے حساب سے یہ ساری دولت' یہ گھر' ان کی جائیداد سب کچھ ہمارا ہے۔ ہم سب بہن بھائیوں کا اس پر حق ہے' تم لے پالک تھے اور لے پالک جائیداد کے وارث نہیں بن سکتے۔'' کتنی تلخ حقیقت تھی۔ سکندر نے بے یقینی سے ان سب کو دیکھا' کتنے بے حس اور بے رحم تھے یہ لوگ' انہیں مرجانے والوں سے زیادہ اس پیچھے رہ جانے والی دولت جائیداد سے غرض تھی۔

سبحان احمد نے بہت پیسہ کمایا تھا اور پاکستان میں موجود کافی پراپرٹی تھی ان کی' پاکستان سے باہر امریکہ میں بھی ایک چھوٹا سا گھر اور کچھ دکانیں انہوں نے سکندر کے نام پر لکھوا دی تھیں انہیں شاید اپنے رشتہ داروں کے رویوں اور فطرت کا اندازہ تھا۔ وہ جب تک زندہ تھے کسی کی مجال نہ تھی اسے دستبردار کرنے کی اور اب جب وہ نہیں رہے تھے سبھی حق دار اور وارث بن بیٹھے تھے۔

''بہتری یہی ہے کہ تم خاموشی سے صلح اور صفائی کے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ' بھائی صاحب کی تمام پراپرٹی کی تفصیل اور کاغذات ہمارے پاس موجود ہیں اگر تم نے آواز نکالی تو تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔'' انداز اب دھمکاتا ہوا تھا۔

سکندر نے بہت اذیت بھری نگاہوں سے ان سب کو دیکھا تھا۔ وہ تو رشتوں کا ڈسا ہوا تھا محبت اور توجہ کا پیاسا انسان تھا' اسے بھلا اس دولت' اس حقیر اور بے مایہ سی جائیداد سے بھلا کیا غرض ہو سکتی تھی جس سے اس کا تعلق تھا وہ تو مر گئے تھے اب بھلا اس کا ان سے کیا تعلق تھا۔

وہ بغیر کچھ بولے خاموشی سے اٹھا تھا' پاکستان آنے کے بعد سبحان احمد نے اسے امریکہ میں موجود تمام پراپرٹی کے کچھ پیپرز دیئے تھے وہ ابھی بھی اس کے پاس لاکرز میں موجود تھے۔ اس نے وہ کاغذات نکالے اور کچھ ضروری اشیاء کپڑے اور اپنے ڈاکومنٹس لیے وہ ہمیشہ کے لیے وہ گھر چھوڑ گیا تھا' کبھی نہ آنے کے لیے۔



جب سے ولید کو ہوش آیا تھا سبھی اس کے پاس آ جا رہے تھے اور ایک وہ تھی جو رو رو کر اس کی زندگی کی دعائیں مانگ

رہی تھی اسے یوں زندہ ہوش وحواس میں پا کر جیسے ایک دم شانت سی ہوگئی تھی۔ وہ ایک بار پھر اپنی ذات کے گنبد میں بند ہوگئی تھی۔ وہ ولید سے نہیں ملی تھی بس ایک دو بار اس کے سونے کے بعد دور سے ہی اسے دیکھ کر واپس لوٹ آئی تھی۔

احسن کے کہنے پر وہ روشی کے ساتھ گھر آ گئی تھی' وہ تھوڑی دیر لیٹی تو بہت دنوں بعد ایک پرسکون سی نیند نے آنکھوں میں ڈیرہ جمالیا' وہ دو گھنٹے سوئی رہی تھی۔ وہ اٹھی تو طبیعت کچھ فریش تھی' وہ لاؤنج میں آئی تو ضیاء صاحب اور وقار صاحب بھی گھر آ چکے تھے۔ اس وقت ہسپتال میں صرف احسن تھا روشی کھانا تیار کروا رہی تھی۔ کھانا تیار ہوا تو وقار صاحب جانے کو تیار تھے۔

''میں بھی ساتھ چلوں گی۔'' بہت دن بعد اس نے براہ راست وقار صاحب کو مخاطب کیا تھا۔

انہوں نے بغور دیکھا اور پھر ہاں میں سر ہلا کر بیٹھ گئے تھے۔ وہ عجلت میں کپڑے بدل کر آئی تو ان کے ساتھ آ بیٹھی' ڈرائیور ان کو چھوڑنے جا رہا تھا۔ سارا راستہ دونوں کے درمیان بالکل خاموشی رہی تھی' وہ صبوحی کے کمرے میں آئی تو وہ نرس سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ اب کافی بہتر تھیں اب وہ خود سے چل کر واش روم میں جا سکتی تھیں' اس نے ان کو کھانا کھلایا' وقار صاحب کچھ دیر بیٹھ کر ولید کے کمرے میں چلے گئے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد صبوحی کو میڈیسن دیں' نیند آور گولی کے سبب وہ کچھ دیر بعد غافل ہوگئی تھیں۔ کچھ دیر بعد احسن اس کے پاس آیا تھا۔

''تم اور پاپا یہیں موجود ہو تو میں کچھ دیر کے لیے آفس کا چکر لگا لوں' اتنے دنوں سے ہر چیز نظر انداز ہو رہی ہے۔ اللہ کا شکر ہے ولید اور ماما اب کافی بہتر ہیں' تم اور پاپا کچھ وقت یہیں گزار لینا پھر میں آ گیا تو تم چلی جانا۔'' انا نے محض سر ہلایا تھا' وہ اسے چند اور تاکید کرتا چلا گیا تھا۔

وہ کچھ دیر وہاں بیٹھی رہی اور پھر کمرے سے نکل کر وہ ولید کے روم کی طرف آئی تو ایک دو پل کو دروازے پر ہی رکی رہی تھی۔ اندر جھانکا تو وقار صاحب وہاں نہیں تھے جبکہ ولید چت لیٹا شاید سو رہا تھا' بائیں بازو پر ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے چند پل کھڑی رہی پھر اندر آئی تو نرس کھڑی ہوگئی تھی۔

''پاپا کہاں ہیں؟'' اس نے آہستگی سے پوچھا۔

''آپ کے فادر نماز کا کہہ کر باہر گئے ہیں۔'' عصر کی نماز کا وقت تھا اس حادثے نے بھی پر اچھا خاصا اثر ڈالا تھا' بھی باقاعدگی سے نماز ادا کرنے لگے تھے۔

''یہ کیسے ہیں اب؟'' اس نے چت لیٹے ولید کو ایک نظر دیکھ کر نرس سے پوچھا۔

''بہتر ہیں اب تو' آپ کے فادر بتا رہے تھے کہ آپ بھی ڈاکٹر بن رہی ہیں' فورتھ ائیر میں ہیں۔'' نرس نے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ان کی فائل چیک کرلیں پھر۔'' اس نے فائل اٹھا کر اسے تھمائی تو وہ دیکھنے لگی تھی۔

''آپ یہاں رکیں گی۔'' اسے فائل چیک کرتے دیکھ کر نرس نے پوچھا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

''کیوں؟''

''مجھے ایک بہت ہی ضروری کال کرنی ہے' کچھ وقت لگ جائے گا۔'' نرس نے کہا تو انا نے سر ہلا دیا۔

''اوکے آپ چلی جائیں میں یہیں ہوں۔'' وہ کرسی پر بیٹھ گئی' نرس چلی گئی تھی۔ وہ تفصیل سے ولید کی فائل اور رپورٹس چیک کرنے لگی تھی۔ کچھ دیر بعد وقار دروازے پر آئے تو رک گئے تھے۔ انا مکمل توجہ سے فائل دیکھ رہی تھی جبکہ ولید ابھی بھی بے خبر تھا۔

وقار کے حلق سے ایک گہرا سانس خارج ہوا تھا وہ واپس پلٹ کر صبوحی کے کمرے کی طرف چل دیئے تھے۔ ساری

غزل

اجڑے ہوئے پڑپہ کے آثار کی طرح
زندہ ہیں لوگ وقت کی رفتار کی طرح
کیا رہنا ایسے شہر میں مجبوریوں کے ساتھ
بکتے ہیں لوگ شام کے اخبار کی طرح
بچوں کا رزق موت کے جوئے میں رکھ دیا
سرکس میں کودتے ہوئے فنکار کی طرح
وعدے ضرورتوں کی نذر کردیے گئے
رشتے ہیں سارے ریت کی دیوار کی طرح
محسن میرے وجود کو سنگسار کرتے وقت
شامل تھا سارا شہر اک تہوار کی طرح

اقرا اکبر آمنہ نثار...... سانگلہ ہل

فائل چیک کرنے کے بعد فائل ٹیبل پر رکھ کر میڈیسن چیک کرنے لگی تھی جب ولید کے جسم میں جنبش سی ہوئی تھی وہ چونکی۔ اس نے ولید کو دیکھا اس نے کروٹ بدلنے کی کوشش کی تھی لیکن ہاتھ میں لگی ڈرپ کی وجہ سے وہ پھر ساکت ہوگیا تھا۔ انا نے ہاتھ میں تھامی ہوئی دوائیوں کی شیشی واپس ٹیبل پر رکھی تو ولید نے چونک کر اسے دیکھا۔ انا اپنی جگہ چور سی بن گئی تھی۔

''کیسے...... کیسے ہیں آپ؟'' ولید کے چہرے پر ایک دم بے پناہ سنجیدگی چھا گئی تھی۔ اس نے چہرے کا رخ بدلا تو انا کے اندر ایک دم چھناکے سے کچھ ٹوٹا تھا' وہ انگلیاں چٹخاتے وہیں کھڑی رہی۔

''آپ کیسا فیل کررہے ہیں اب؟'' اس نے پھر پوچھا تو ولید نے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

انا ولید کے دیکھنے پر پیر جھکا گئی' ولید خاموشی سے چند پل اسے دیکھتا رہا۔ وہ انگلیاں چٹخاتے کنفیوژسی حالت میں بیٹھی بڑی زردسی لگ رہی تھی۔

''تمہیں شاید مجھے اس حالت میں دیکھ کر اور زندہ دیکھ کر تکلیف تو ہورہی ہوگی۔'' انا ایک دم تڑپ اٹھی تھی۔

''میں اتنی بے رحم اور ظالم نہیں کہ کسی کے اس حالت میں پہنچ جانے پر خوشی محسوس کروں۔'' انا کا لہجہ ایک دم شاکی ہوا تھا۔

ولید نے مسکرانے کی کوشش کی تو اذیت سے بھری مسکان بس ہونٹوں پر ہی ایک پل کو اپنی جھلک دکھا سکی تھی۔

''میں ماضی کو نہیں بھولا ابھی تک' ماضی قریب میں ہمارے درمیان ایسے حالات بالکل نہیں رہے کہ تم اس وقت یہاں بیٹھ کر میری عیادت کرنے پر مجبور ہوجاؤ۔'' ولید کے لہجے میں اب کے تلخی تھی۔

''انسانیت بھی کسی چیز کا نام ہوتا ہے شاید۔'' انا ولید کے طنز پر ایک دم گھائل ہوتے بہت اذیت سے کہہ گئی تو ولید مسکرایا تھا۔

''شاید...... بہرحال آئندہ میں نہیں چاہوں گا تم انتہائی مجبوری کی حالت میں میری عیادت کی خاطر انسانیت کا نام لے کر اخلاقی تقاضے نبھانے آؤ۔'' ولید کے لہجے میں تندی وتیزی تھی۔ انا کا تن من جھلنے لگا تھا' اس کے اندر ایک دم

شدید ضیاع کا ملال جاگا تھا۔
ولید سچ ہی تو کہہ رہا تھا وہ خود بھی تو سب کے دلوں میں اپنے خلاف نفرت کا بیج بو رہی تھی' سب کو خود سے بدظن کر رہی تھی اور اب جبکہ یہ سب حقیقتاً ہو رہا تھا تو بھلا اسے کیوں تکلیف ہو رہی تھی جو بو رہی تھی اب وہی مل رہا تھا تو پھر یہ اذیت کیسی...... اتنی تکلیف کیوں؟ وہ خاموشی سے اٹھی' دل چاہ رہا تھا کہ بس فوراً یہاں سے چلی جائے۔
''سنو......'' وہ پلٹی تو ولید کی پکار پر رک کر پلٹی۔
''پھوپو کیسی ہیں؟'' ابھی تک کسی نے بھی ولید سے صبوحی کی حالت کے بارے میں ڈسکس نہیں کیا تھا بلکہ دونوں کو ہی ایک دوسرے کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا تھا' سب کا ہی خیال تھا کہ کچھ دن گزر جائیں تو خود ہی علم ہو جائے گا۔
''ماما ٹھیک ہیں۔''
''جھوٹ...... سب جھوٹ بول کر بہلا رہے ہیں مجھے' کہاں ہیں پھوپو۔ کوئی مجھے سچ بتا کیوں نہیں دیتا' کار ایکسیڈنٹ کے وقت وہ میرے ساتھ تھیں' میں نے خود ان کو زخمی ہوتے دیکھا تھا۔'' ولید نے کہا تو انا نے ایک گہرا سانس لیا۔
''ماما ٹھیک ہیں' انہیں کچھ چوٹیں لگی ہیں' کچھ فریکچر وغیرہ ہے لیکن اللہ کا شکر ہے سیریس قسم کا کوئی نقصان نہیں ہوا' وہ اس ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں ایک دو دن میں انہیں ڈسچارج کر دیا جائے گا۔'' آہستگی اور سنجیدگی لیے اس نے بتایا تو ولید نے خاموشی سے اسے دیکھا' ولید کو حادثے کے وقت کی اپنی ذہنی کنڈیشن یاد آئی' وہ سخت ڈپریس تھا۔
''کیوں؟'' وہ سب کچھ جو اس حادثے کا سبب بنا تھا وہ یاد نہیں کرنا چاہتا تھا اس نے بہت تلخی اور سرد مہری سے ان کو دیکھا تھا۔
جی چاہ رہا تھا کہ ہر چیز تہس نہس کر دے' انا کے وجود سمیت سب کچھ توڑ پھوڑ دے۔ انا نے اس کی طرف دیکھا تو ایک دم ٹھٹک گئی۔ ولید بہت تلخی اور سرد مہری سے اسے دیکھ رہا تھا' انا کے وجود کے اندر ایک دم سرد سی کیفیت پیدا ہوئی تھی تب ہی نرس کمرے میں داخل ہوئی تھی' دونوں کو دیکھ کر مسکرائی۔
''کیسے ہیں سر آپ؟'' نرس کا لب و لہجہ پیشہ وارانہ انداز تھا۔ ولید نے محض سر ہلا کر اپنے تاثرات کو کنٹرول کرنا چاہا تھا۔
''کچھ لیں گے؟'' ولید نے نفی میں سر ہلایا۔
''ویسے سر آپ ہیں بہت لکی۔'' اس نے کہا تو ولید نے اسے سوالیہ دیکھا۔
''دیکھیں نا اس قدر سیریس قسم کا ایکسیڈنٹ ہوا' بچنے کی کوئی امید نہ تھی جس طرح مسلسل بے ہوشی کی کیفیت تھی لگتا تھا کہ کومہ میں چلے جائیں گے لیکن آپ کے گھر والوں کی دعاؤں نے آپ کو بچا لیا۔ موت کو شکست دے کر دوبارہ زندگی پانا خوش قسمتی کی علامت ہی تو ہے۔''
''ہاں اللہ کا شکر ہے اللہ نے چند ایک کے علاوہ باقی مجھے بھی بہت پُرخلوص رشتوں سے نوازا ہے۔'' ولید نے انا کو تلخی سے دیکھ کر کہا تو نرس مسکرائی تھی۔
''یہ آپ کی فیانسی ہیں نا؟'' نرس نے انا کو شرارت سے دیکھ کر ولید سے کہا تو دونوں چونکے۔
''آپ کو کس نے کہا؟''
''آپ کی سسٹر نے' جب آپ آئی سی یو میں تھے تو......'' وہ نجانے کیا کہنے والی تھی' انا فوراً آگے بڑھی تھی۔
''روشی نے آپ کو غلط بتایا ہوگا سسٹر! میرا اور ان کا صرف کزن ریلیشن ہے' میں چلتی ہوں ماما کو دیکھوں وہ شاید اٹھ

گئی ہوں۔" وہ کہہ کر چلی گئی تھی ولید نے سنجیدگی سے اسے جاتے دیکھا تھا۔

"حیرت ہے لیکن آپ کی سسٹر نے تو مجھے بتایا تھا کہ یہ آپ کی فیانسی ہیں۔" سسٹر نے ولید کو دیکھا جیسے تصدیق چاہ رہی ہو۔ ولید خاموش ہی رہا تھا۔

"یقین جانئے پہلے تو میں سمجھی کہ یہ آپ کی وائف ہیں جس طرح آپ آئی سی یو میں تھے یہ ہر وقت روتی رہتی تھیں ان کی کنڈیشن اس قدر خراب تھی کہ مجھے ان پر بہت ترس آتا تھا اور وہ مصطفیٰ صاحب خود ان کو آپ کے پاس آئی سی یو میں لے آئے تھے۔ کتنی کتنی دیر آپ کے پاس بیٹھ کر میں نے اپنی آنکھوں سے روتے دیکھا ہے میں بہت متاثر ہوئی تھی آپ کی سسٹر سے پوچھا کہ کیا آپ کی وائف ہیں تو انہوں نے بتایا کہ نہیں ابھی صرف منگنی ہوئی ہے۔" نرس بتا رہی تھی اور ولید سنجیدگی سے سن رہا تھا۔ وہ جب سے ہوش میں تھا اس وقت پہلی بار رانا کو دیکھ رہا تھا جبکہ جو نرس بتا رہی تھی وہ قطعی قابل قبول نہ لگ رہا تھا۔

"یہ ٹھیک کہہ رہی تھیں ہم صرف کزنز ہیں ہماری منگنی نہیں ہوئی۔" ولید نے کہا تو نرس حیران ہوئی۔

"تو پھر آپ کی سسٹر نے غلط بیانی کیوں کی؟"

"پلیز سسٹر میرے سر میں درد ہو رہا ہے میں سونا چاہتا ہوں۔" ولید نے اکتا کر کہا تو نرس ایک دم خاموش ہوگئی۔



سکندر ایک ہوٹل میں کمرہ لے کر رہ رہا تھا اس کے پاس بس کچھ مخصوص رقم تھی باقی سب کچھ جو بھی تھا اس سب پر سبحان صاحب کے رشتہ دار قبضہ کر چکے تھے۔ سکندر کے پاس اپنا پاسپورٹ تو موجود تھا لیکن اتنی رقم نہ تھی کہ وہ واپس امریکہ جانے کے انتظامات کرتا۔ وہ چند دن ہوٹل میں رہا لیکن اس طرح مزید کچھ عرصہ رہتا تو اس کے پاس جو تھوڑی بہت رقم تھی وہ بھی ختم ہو جاتی تھی۔ سکندر کے سامنے زندگی ایک چیلنج بن کر آ کھڑی ہوئی تھی اور اس چیلنج کو قبول کیے بنا اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ اس شہر میں بس نام کے رشتوں کے سوا اس کا کوئی بھی اپنا نہ تھا۔ وہ بہت سوچ کر افشاں کی طرف آیا تھا افشاں اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

"تم کہاں تھے سکندر؟ تمہیں اندازہ ہے کہ میں کس قدر پریشان رہی ہوں' میں کئی بار تمہارے گھر گئی ہوں' وہاں تمہارے رشتہ داروں نے قبضہ کیا ہوا ہے وہ ہر بار بس یہی کہتے تھے کہ تم اپنے ماں باپ کے مرنے کے بعد یہاں سے چلے گئے ہو۔" سکندر نے ایک گہرا سانس لیا۔ اس نے تمام تفصیل افشاں کو سنائی تو وہ افسردہ ہوگئی تھی۔

"بہت خودغرض اور مطلبی لوگ ہیں یہ تو' کوئی ایسے بھی بھلا کرتا ہے کیا' تم کیوں وہاں سے نکل آئے خاموشی سے انکل نے تمہیں اڈاپٹ کیا تھا' تم قانونی طور پر ان کے بیٹے ہو' ان کے وارث' تمہیں یوں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"میں ان کا حقیقی بیٹا نہیں ہوں اور یہ سب سے بڑی حقیقت ہے' وہی لوگ ان کے اصل حق دار تھے میں تو لے پالک تھا کیسے حق دار بن کر دعویٰ کرتا۔ میرے اوپر امی ابو کا بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے مجھے ایک نام دیا' پالا پوسا' پڑھایا لکھایا' بڑا کیا۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل بنایا' مجھے تو میرا باپ جو حقیقی تھا جنم دینے کا سبب بنا تھا اس نے قبول نہ کیا دوسروں کی جھولی میں یوں ڈال دیا جیسے کوئی گناہ چھپایا ہے تو پھر میں کیسا دعویٰ کرتا۔" سکندر کے الفاظ بہت تلخ اور کڑوے تھے' افشاں از حد افسردہ سی ہوگئی تھی۔

"تو اب کیا کرو گے؟" افشاں نے پوچھا تو اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں اپنی زندگی خود بناؤں گا' اب ہر احساس' ہر رشتے اور ہر چیز سے بالاتر ہو کر۔" سکندر نے ایک عزم سے کہا تو افشاں مسکرا دی۔

"اور تمہاری وہ امریکہ والی جو پراپرٹی ہے اس کا کیا کرو گے؟"

"وہ گھر تو بند ہے اور دکانیں بابا نے کچھ لوگوں کے سپرد کی ہیں' واپس جانے میں بہت پیسہ چاہیے اور ابھی فی الحال میں دونوں ہاتھوں سے خالی ہوں۔"

"تو......؟" افشاں نے سوالیہ دیکھا۔

"تو یہ کہ میں پاکستان میں ہی جاب کرنا چاہتا ہوں' کچھ پیسہ جمع کرلوں پھر باہر کا چکر لگالوں گا۔"

"اچھا خیال ہے' لیکن میں ایک بات کہوں؟" افشاں نے رک کر اسے دیکھا سکندر نے سر ہلایا تو اس نے کچھ سوچا تھا۔

"جب تم خود سے کسی مناسب رہائش کا بندوبست نہیں کرلیتے تم یہیں ہمارے گھر آجاؤ' اوپر والا پورشن خالی ہے وہاں شفٹ ہوجاؤ۔ ہوٹل میں رہنے سے بہت خرچ آجائے گا' تمہارے شایان شان تو نہ سہی لیکن رہنے کے قابل گھر تو یہ بھی بن سکتا ہے' کھانا پینا بھی یہیں سے کرلیا کرو۔" افشاں کے الفاظ پر اس نے حیران ہو کر اسے دیکھا تھا۔

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟"

"ممکن تو سب کچھ ہے اگر چاہو تو۔" سکندر نے کچھ کہنا چاہا تو افشاں نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا۔

"دیکھو اس میں ہم دونوں کا ہی فائدہ ہے' میں نے خالہ بی کو ساتھ رکھا ہوا ہے ان کا بیٹا ابھی بہت چھوٹا ہے۔ مجھے بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے' ایسے میں ایک مرد کی ضرورت رہتی ہے۔ تم ہمارے گھر رہنا' کھانا پینا سب کچھ ہوگا بس' ہمیں بھی تمہاری ذات سے ایک تحفظ کا احساس رہے گا۔"

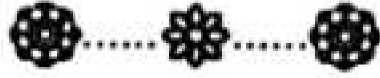
"میں مرد ہوں میں کہیں بھی رہ کر اپنا گزارا کرسکتا ہوں بس تم لوگوں کو پریشانی نہ ہو۔"

"ہمیں کوئی پریشانی نہیں بس تم آج ہی ہوٹل سے اپنا سامان اٹھاؤ اور یہاں شفٹ ہوجاؤ۔" افشاں کا انداز حتمی تھا۔ سکندر نے بھی اس کی بات مان لی تھی۔

وہ اس دن افشاں کے ہاں شفٹ ہوگیا تھا' اوپر والے حصے میں بنے ہوئے کمرے میں سے ایک کمرے کو افشاں نے اس کے رہنے کے قابل بنا کر سیٹ کردیا تھا۔

افشاں شہر کے ایک اچھے کالج میں پڑھاتی تھی' وہ ایک خودمختار اور سیلف میڈ لڑکی تھی۔ اس نے سکندر سے پوچھ کر اپنے کالج میں بات کرلی تھی اور اس طرح چند دن بعد سکندر بھی اسی کالج میں پڑھانے لگا تھا۔

اسے یہ شعبہ مشکل لگا تھا لیکن زندگی کو آگے بڑھانے کے لیے کہیں نہ کہیں سے تو زندگی کی شروعات کرنا ہی تھیں۔ اس طرح سکندر کی زندگی کا ایک نیا موڑ شروع ہوگیا تھا جب ہی اس کی زندگی میں لالہ رخ نام کی لڑکی اچانک ہی چلی آئی تھی۔



وہ لوگ ابوبکر کے نکاح کے لیے تیار ہورہے تھے' سب ہی مصروف تھے۔ فیضان اوپر آئے تو ابوبکر لباس ہاتھ میں پکڑے بستر کے کنارے بیٹھا ہوا تھا چہرے پر گہری سوچ کا عکس تھا۔

''کیا بات ہے بیٹا؟'' انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونکا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ مسکرایا' اس کی سوچ کا جمود ٹوٹ گیا تھا۔

''نیچے سبھی تیار ہوچکے ہیں' تم بھی تیار ہوجاؤ۔ کافی دیر ہورہی ہے' ہادیہ کے والد کے دو فون آچکے ہیں۔'' انہوں نے کہا تو ابوبکر سر ہلا کر ایک دم اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''سنو بیٹا!'' ابوبکر نے رک کر فیضان صاحب کو دیکھا۔

''جی۔''

''تم نے اپنے والدین کے متعلق جتنا بتایا ہم نے مان لیا لیکن کیا ہی اچھا ہوتا تمہارے والدین بھی تمہارے نکاح میں شامل ہوجاتے۔ یہی موقعے ہوتے ہیں اپنوں سے ملنے کے۔'' انہوں نے سبھاؤ سے کہا تو ابوبکر ہلکا سا مسکرایا۔

''جی میں نے سوچا تھا کہ دل سے تمام عداوتیں مٹا کر پہل کرلوں' آپ کو بتا تو چکا ہوں کہ میری والدہ نہیں ہیں اور سوتیلی والدہ سے کبھی بنی ہی نہ تھی۔ والد صاحب اپنے گھر اور باقی لوگوں کو چھوڑے عرصہ بیت چکا ہے لیکن میں کچھ دن پہلے جب ابھی ہادیہ سے نکاح کی کوئی بات طے نہ تھی سوچا تھا کہ اپنے والد صاحب کو بھی شادی کا کارڈ دے دوں [illegible] وہاں گیا تھا تو علم ہوا کہ وہ کچھ دنوں کے لیے آؤٹ آف سٹی ہیں۔''

''اوہ...... تم پھر چلے جاتے شاید وہ اب تک آچکے ہوتے۔'' فیضان صاحب کو افسوس ہوا تھا۔

''جی ارادہ تو یہی تھا اس بار میں ان کے گھر گیا تھا' وہاں لاک تھا' شاید وہ لوگ ابھی تک آؤٹ آف سٹی ہیں۔'' ابوبکر نے رسان سے سب بتایا تو فیضان صاحب نے سر ہلا دیا۔

''اوکے کوئی بات نہیں تم تیار ہوجاؤ' نیچے سب ریڈی ہیں پھر ہادیہ کی طرف چلتے ہیں۔'' وہ کہہ کر کندھا تھپتھپا کر واپس آگئے تھے۔

وہ واپس آئے تو ایک کمرے سے بجی سنوری خوب صورت لباس زیب تن کیے رابعہ نکل کر آئی تھی' انہوں نے رک کر اسے بغور دیکھا۔ اس کے چہرے پر کسی بھی قسم کا کوئی بھی ملال و رنج نہ تھا بلکہ وہ بہت خوش دکھائی دے رہی تھی' کان سے موبائل لگا رکھا تھا۔

''ہاں ہاں' تم بس اچھی طرح تیار ہوکر بیٹھو ہم آرہے ہیں۔'' نجانے دوسری طرف سے کیا کہا گیا تھا وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

''ہم تو دوستی کے لیے جان بھی قربان کردینے کے قائل ہیں یہ ابوبکر کیا چیز ہے۔'' فیضان صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سی رینگ گئی تھی۔

''اوکے...... اوکے بابا! میں ذرا تمہارے ابوبکر صاحب کو بھی دیکھ لوں کہاں تک پہنچی ان کی تیاری' تم ٹینشن نہ لو ہم وقت پر ہی آئیں گے۔'' وہ ہنس کر کہتے سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی۔

''رابعہ......'' رابعہ فیضان کی آواز پر ایک دم رکی تھی۔

''جی ماموں۔'' وہ تیزی سے ان کے پاس آ ٹھہری' موبائل ابھی بھی کان سے لگا ہوا تھا۔

''میں ذرا تم سے بعد میں بات کرتی ہوں' اوکے اللہ حافظ۔'' اس نے کال ڈسکنیکٹ کی' فیضان نے اسے بغور دیکھا۔ اس کے چہرے میں انہیں کوئی تشبیہہ دکھائی دی تو ان کے دل میں غبار سا بھرنے لگا' انہوں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

''ماشاءاللہ۔'' ہونٹوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

''خوش ہونا؟'' انہوں نے پوچھا تو رابعہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''جیتی رہو۔'' انہوں نے ایک دم وارفتگی سے اسے بازو کے حصار میں لے کر ساتھ لگا لیا۔ زندگی میں وہ بہت کم جذباتی ہوئے تھے لیکن اس پل نجانے کیا ہوا تھا کہ خود پر سے اختیار اٹھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ انہوں نے اس کا چہرہ تھام کر پیشانی پر بوسہ دیا تو رابعہ خائف ہوگئی تھی۔

''ماموں۔'' اس کے لیے فیضان صاحب کا یہ پُرجوش انداز حیران کن تھا۔ ادھر سے اُدھر مصروف ثریا بیگم یہ منظر دیکھ کر ایک دم ٹھٹکی تھیں' وہ فوراً قریب آئی' انہوں نے دیکھا فیضان کی آنکھوں میں نمی سی تھی۔ ہمیشہ خود کو ہر حال میں کمپوز رکھنے والا مرد اس وقت عجیب سی شکستگی سے دوچار لگ رہا تھا۔

''فیضان......'' انہوں نے پکارا تو رابعہ کو والہانہ انداز میں خود سے لگائے فیضان صاحب چونکے تھے۔ ثریا بیگم کی آنکھوں میں نجانے کیا تھا کہ وہ لب دانتوں تلے بھینچ کر رابعہ کو بازو کے حصار سے نکال کر وہاں سے تیزی سے نکل گئے تھے' رابعہ نے حیرت سے انہیں جاتے دیکھا تھا۔

''امی یہ ماموں کو کیا ہوا؟'' اس نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔

''آں...... پتا نہیں...... تم یہاں کیوں کھڑی ہو' ساری تیاری مکمل ہوگئی کیا۔'' صاف لگ رہا تھا کہ انہوں نے بات پلٹنے کی کوشش کی ہے' رابعہ نے الجھ کر ماں کو دیکھا۔

''جی...... سب ہی کچھ مکمل ہے۔'' رابعہ کو ابھی بھی اپنی پیشانی پر عجیب سے لمس کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ اپنی پیشانی کو انگلیوں سے چھوتے عجیب غائب الدماغی کیفیت میں وہاں سے پلٹی تھی۔ اسے بھول گیا تھا کہ وہ اوپر ابوبکر کو دیکھنے جارہی تھی وہ واپس اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ وہاں بھابی گڑیا کو تیار کررہی تھیں' اس کا موبائل پھر بجنے لگا تو وہ اپنے ذہن کو جھٹکتے موبائل کی طرف متوجہ ہوئی تھی' سر عباس کی کال تھی۔

''السلام علیکم سر!''

''وعلیکم السلام' کیسی ہیں رابعہ؟'' عباس نے پوچھا۔

''اللہ کا شکر ہے۔''

''میں آپ کی طرف آجاؤں یا پھر سیدھا ہادیہ کی طرف چلا جاؤں۔'' عباس نے پوچھا۔

''آپ واقعی آرہے ہیں سر؟'' اس نے عباس کی بات سن کر بے یقینی سے پوچھا۔

"تو کیا مطلب ہے میں کوئی مذاق کررہا ہوں؟"

"نہیں......نہیں...... میں یہ تو نہیں کہہ رہی' آپ کو جیسا مناسب لگے کرلیں' ہماری طرف آنا ہے تو آجائیں ورنہ ہادیہ کی طرف چلے جائیں۔"

"آپ نے تو انوائٹ ہی نہیں کیا' کیا جاتا ہے اگر بندہ صلح ہی مارلے تو۔" دوسری طرف عباس واقعی چونچالی کے موڈ میں تھا۔

"ایسی بات نہیں سر! یہ تو ابوبکر اور ہادیہ کا نکاح ہے' ہم کون سا بارات لے کر جارہے ہیں بس نکاح ہی کررہے ہیں۔ ویسے بھی آپ کہہ رہے تھے کہ آپ ہادیہ کی طرف سے شامل ہوجائیں گے تو میں نے بھی انوائٹ نہ کیا۔"

"وہ تو میں نے آپ سے ملنا تھا سو ہادیہ کی طرف سے شامل ہونے کا کہہ دیا تھا۔" عباس نے کہا تو وہ ایک دم گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

"اوکے سر! آپ ایسا کریں ہماری طرف ہی آجائیں' آپ میری طرف سے انوائٹڈ ہیں' ہم آپ کا انتظار کرلیتے ہیں۔" رابعہ نے عجلت میں کہا' باہر سے اس کے نام کی آوازیں پڑرہی تھیں' اس نے جلدی جلدی بات سمیٹنا چاہی تھی۔

"اوکے میں رستے میں ہی ہوں' کچھ دیر میں پہنچ جاؤں گا۔" عباس نے کہا تو رابعہ نے چند ایک مزید رسمی باتوں کے بعد کال بند کردی تھی۔

"کس کی کال تھی؟" بھابی گڑیا کو تیار کرچکی تھیں' باہر نکلنے سے پہلے انہوں نے پوچھا۔

"سر عباس کی تھی' وہ ہادیہ کی طرف سے انوائٹڈ تھے' میں نے انوائٹ نہیں کیا تو شکوہ کررہے تھے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"تم نے اپنی شادی کا کارڈ تو بھجوایا تھا نا پھر کیسا شکوہ؟"

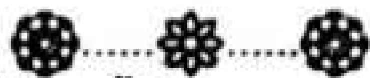
"لیکن یہ تو ہادیہ اور ابوبکر کے نکاح کا انویٹیشن تھا' اپنی شادی سے متعلق تو سب بتا کر میں نے آنے سے ایکسکیوز کردیا تھا۔"

"او......اچھا ویسے خوش ہونا؟" بھابی نے پوچھا تو وہ مسکرائی تھی۔

"سو فیصد بھابی!"

"سدا خوش رہو یونہی مسکراتی ہنستی۔" وہ اس کا گال تھپک کر کمرے میں چلی گئی تھیں۔

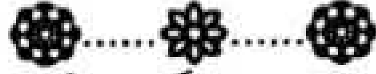
رابعہ نے مسکرا کر ان کو جاتے دیکھا اور پھر خود بھی باہر نکل آئی تھی جہاں ثریا بیگم کسی کام کی وجہ سے اسے پکار رہی تھیں۔



شہوار کالج سے آنے کے بعد مسلسل سراپا انتظار بنی ہوئی تھی' مصطفیٰ آفس جاچکا تھا۔ شام کا وقت ہوا تو وہ نماز پڑھ کر کچن میں چلی آئی تھی' لائبہ تو آج کل ریسٹ پر تھی۔ اس کی ڈلیوری کے دن جوں جوں نزدیک آتے جارہے تھے ماں جی اسے مکمل طور پر آرام کروا رہی تھیں۔ اس نے ملازمہ کے ساتھ مل کر کھانا پکوایا' سات بجے کے بعد سبھی نے گھر آنا شروع کردیا تھا' عباس کہیں انوائٹڈ تھا وہ تو جاچکا تھا۔ اس وقت سوائے مصطفیٰ کے باقی سبھی افراد گھر پر موجود تھے۔ وہ ملازمہ کو ہدایت دیتی باہر آئی تو راہداری سے گزرتے ٹھٹک گئی۔ راہداری کے دوسری طرف دریہ تھی جو کسی سے مخاطب تھی۔

"پلیز ڈونٹ وری' کہنا جیسے ہی موقع ملا میں لے کر آجاؤں گی۔"

"اُف تم کیوں نہیں سمجھ رہے اس وقت ممکن نہیں۔" نجانے کس کی بات ہو رہی تھی۔
"وہ آج گھر آ گیا تھا وہ کسی بھی وقت گھر آ سکتا ہے آج تو کسی بھی طرح ممکن نہیں، دیکھو میں کچھ سوچتی ہوں اور پھر کسی دن موقع دیکھتے ہی کرلوں گی، پلیز ڈونٹ بی سلی صبر سے جو کام ہو وہ زیادہ اچھا اور فائدہ مند ہوتا ہے۔"
"اوے، ڈونٹ وری، آئی ایگری ود یو او کے سی یو بائے۔" آواز بند ہوگئی تھی۔ شہوار الجھ گئی تھی وہ فوراً آگے بڑھ تھی کچھ دور جا کر وہ پھر رک تھی۔ دریہ بڑے محتاط انداز میں چلتی ہوئی واپس کمرے میں گئی تھی۔ شہوار الجھتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔
مصطفیٰ کسی بھی وقت گھر آ سکتا تھا۔ وہ الماری کھول کر لباس نکال کر واش روم میں گھس گئی تھی۔



عباس رابعہ کے ہاں پہنچا تو سہیل اور فیضان ماموں نے گرم جوشی سے اس کا خیر مقدم کیا۔ وہ لوگ تیار ہی تھے۔ بہت زیادہ لوگ نہ تھے چند قریبی دوست احباب ایک دو رشتہ دار اور گھر کے لوگ۔ ابوبکر کی گاڑی کے علاوہ دو اور گاڑیاں رینٹ پر لی گئی تھیں جبکہ عباس اپنی گاڑی میں تھا۔ ابوبکر کے ساتھ اس کی گاڑی میں بھابی، ثریا بیگم کے علاوہ دو اور رشتہ دار خواتین تھیں، ابوبکر گاڑی خود ڈرائیو کر رہا تھا۔
باقی دو گاڑیوں میں باقی دوست احباب سوار ہو چکے تھے۔ وہ فیضان ماموں کے ساتھ گھر کے تمام لاکز چیک کرتی تمام لائٹس چیک کر کے واپس آئی تو صرف وہاں سہیل بھائی ماموں اور سر عباس تھے۔ یقیناً ان سب نے اب سر عباس کے ساتھ ہی جانا تھا، رابعہ نے حسب عادت چادر اوڑھی تھی۔ میک اپ ہونے کی وجہ سے کچھ چہرہ بھی چادر کے اندر کر لیا تھا۔ گاڑیاں سبھی روڈ پر تھیں وہ سہیل کے ساتھ چلتی گاڑی تک آئی تو سر عباس منتظر تھے، باقی گاڑیاں روانہ ہو چکی تھیں۔
"السلام علیکم سر!" قریب آنے پر اس نے حسب عادت سلام کیا تھا۔
عباس ایک پل کو چونک کر رہ گیا تھا، دونوں کا اب سامنا ہو رہا تا۔ شام کے بعد کے ملگجے اندھیرے میں خوب صورت لباس اور جگمگاتا وجود ساری توجہ کھینچ کر لے گیا تھا، اس نے سر کے اشارے سے جواب دیا، عباس نے فوراً اس کے لیے پچھلا دروازہ کھول دیا تھا جبکہ دوسری طرف فیضان صاحب بیٹھ چکے تھے۔ سہیل بھائی فرنٹ سیٹ پر براجمان ہو چکے تھے۔ ان کے بیٹھنے کے بعد گاڑی روانہ ہوئی تو عباس نے غیر محسوس انداز میں عقب میں فیضان کے ساتھ بیٹھی رابعہ کو دیکھا تھا۔ وہ ابھی بھی چادر چہرے پر ڈالے ہوئے تھی اور چہرے کا جو تھوڑا بہت حصہ دکھائی دے رہا تھا وہ اس قدر دلکش لگ رہی تھی کہ عباس کا دل بار بار پلٹ کر دیکھنے کو مچل رہا تھا تاہم وہ بمشکل خود کو روک رہا تھا۔ بھائی اور ماموں کی وجہ سے رابعہ خاموش تھی، عباس ان دونوں کے ساتھ ہی بات کر رہا تھا۔
وہ لوگ جلد ہی ہادیہ کی طرف پہنچ گے تھے باقی لوگ گھر کے باہر ہی ان کے منتظر تھے وہ سب لوگ ہادیہ کے گھر والوں کی طرف سے پھولوں کی پتیوں کی برسات میں اندر کی طرف بڑھے تھے۔ ان سب کا بڑا پُر جوش خیر مقدم کیا گیا تھا۔
ہادیہ کی طرف سے کافی سارے مہمان مدعو تھے، انہوں نے گھر کے لان میں باقاعدہ سجاوٹ اور اسٹیج بنا کر انتظام کر رکھا تھا، ایک طرف کھانے کا انتظام تھا، ٹیبلز سیٹ تھیں۔ اندر آ کر رابعہ نے چادر اتار دی تھی، خواتین اور مرد حضرات کی سیٹنگ علیحدہ علیحدہ تھیں تاہم درمیان میں کسی بھی قسم کا کوئی پردہ نہ تھا۔
سہیل اور ابوبکر کے ساتھ بیٹھے عباس کی نگاہیں بار بار اپنی بھابی اور ماں کے ساتھ دوسری طرف خواتین کی طرف

بیٹھی رابعہ کے وجود کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ انتہائی دلکش سراپا' مناسب وجود اور قد و قامت' بہت عرصے بعد عباس کے اندر فیلنگز پیدا ہو رہی تھیں۔ عادلہ کو اس کی خوب صورتی اور حد سے بڑھے ہوئے کانفیڈنٹ کی وجہ سے اس نے سلیکٹ کیا تھا جبکہ رابعہ تو عادلہ سے بالکل متضاد تھی۔ رابعہ کا کردار' اس کا اخلاق' اس کے اطوار سب عادلہ سے مختلف تھا شاید رابعہ کی طرف متوجہ ہونے کے لیے یہی سبب بنا تھا۔ رابعہ ہادیہ سے ملنے کا کہہ کر اندر کی طرف بڑھی تو عباس بھی سہیل اور ابوبکر سے ایکسکیوز کرتا وہاں سے نکل آیا تھا۔

ہادیہ کے ان سے فیملی ٹرمز تھے' سو عباس کو یہاں موجود دیکھ کر ہادیہ کے والد بہت خوش ہوئے تھے۔ رابعہ جیسے ہی اندرونی دروازے کو عبور کر کے اندر داخل ہوئی تھی عباس بھی فوراً پیچھے آ گئے تھے۔

''رابعہ......'' رابعہ اس پکار پر رکی تھی' عباس فوراً اس کے سامنے آ رکے تھے۔

''کیسی ہیں؟'' عباس نے مسکرا کر پوچھا تو وہ مسکرائی۔

''بالکل ٹھیک۔''

''اچھی لگ رہی ہیں۔'' عباس نے کہا تو وہ چونکی' الجھ کر اسے دیکھا۔

''جی......''

''آپ سے کل ملنے کی درخواست کی تھی میں نے۔'' عباس نے کہا تو وہ الجھ کر دیکھنے لگی۔

''ہاں تو آپ کو بلا تو لیا ہے میں نے۔'' عباس رابعہ کی بات پر ایک دم کھلکھلا کر ہنسا تھا۔

''میں نے آپ کو بتایا تھا کہ مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' رابعہ نے سر اثبات میں ہلایا۔

''ہم کہیں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟''

''ہادیہ کے پاس جا رہی ہوں آپ بھی چلیں ادھر ہی بات کر لیتے ہیں۔''

''نہیں بات ایسی ہے کہ میں اس قدر ہجوم اور شور شرابے میں نہیں کر سکتا۔'' رابعہ نے الجھ کر سر عباس کو دیکھا۔ عام حلیے سے برعکس آج وہ ٹک سک سے تیار اچھی ڈریسنگ میں تھے۔

''تو......؟''

''کہیں چلیں؟'' عباس کے انداز ہی نہیں آج مزاج بھی نرالا تھا۔

''کہاں؟'' وہ مشکوک ہوئی۔

''کہیں باہر......''

رابعہ نے گھورا۔ ''کیوں؟''

''اہم بات ہے اس لیے۔'' انداز پرسکون تھا۔

''ایسی کیا خاص بات ہے جو یہاں نہیں ہو سکتی؟'' چڑ کر پوچھا۔

''کچھ خاص ہے تو کہہ رہا ہوں۔''

''ایم سوری میں کہیں نہیں جا سکتی جو بھی کہنا ہے یہیں کہہ لیں۔'' وہ فوراً انکاری ہوئی۔

''اوکے۔''

''ایک پروپوزل ہے آپ کے لیے۔'' پروپوزل کے لفظ پر رابعہ نے الجھ کر دیکھا۔

''کیسا پروپوزل؟''

''ایک جاب کا۔'' عباس کے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ تھی۔

"جاب......؟"

"جاب کی نوعیت کچھ مختلف ہوگی اس بار۔" رابعہ نے الجھ کر دیکھا عباس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

"چوبیس گھنٹے کی جاب ہوگی اور لوکیشن آفس کی بجائے گھر ہوگا۔" رابعہ کچھ نہ سمجھ پائی تھی۔

"جی سر...... یہ کیسی جاب ہے بھلا؟" عباس ہنس دیا تھا۔

جس طرح آپ نے سر سر کی رٹ لگا رکھی ہے مجھے لگتا ہے میں یہاں کھڑے ہوکر ساری عمر بھی جاب کی نوعیت سمجھاتا رہوں تو بھی آپ کو سمجھ نہیں آئے گی۔"

"اب ایسی بھی بات نہیں۔" وہ ایک دم شرمندہ ہوئی تھی۔ "اگر آپ سادہ الفاظ میں وضاحت کردیں تو مجھے سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ یہ کس قسم کی جاب ہے۔" وہ دونوں راہداری میں کھڑے تھے۔ اردگرد سے کوئی نہ کوئی گزر رہا تھا۔

"آئیں میرے ساتھ۔" عباس نے ایک دم رابعہ کا ہاتھ تھاما اور چلنا شروع کردیا۔

رابعہ تو ایک دم حیرت سے گنگ بغیر کچھ سمجھے اس کے ساتھ گھسٹ رہی تھی' وہ اسے لے کر قدرے پرسکون سے گوشے کی طرف آرکا تھا۔ یہ گھر کا اندرونی حصہ تھا' کھلا ہال نما کوئی کمرہ یہاں لوگوں کی آمدورفت بہت کم تھی۔

"آسان لفظوں میں اس جاب کی وضاحت یہ ہے کہ میں آپ کو پروپوز کررہا ہوں۔" عباس نے ابھی بھی اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ بہت مضبوطی سے دونوں ہاتھوں میں اس کا ہاتھ تھام کر رابعہ کو دیکھتے اس نے کہا۔

"ول یو میری می؟"

"جی......" رابعہ ایک دم ساکت ہوئی تھی۔ عباس کے ہاتھ کی پُرجوش حدت اور آنکھوں میں موجود چمک وہ تو ششدر رہ گئی تھی۔

"شادی کریں گی مجھ سے۔" رابعہ نے ایک دم ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

"یہ...... یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ سر؟" اس کے چہرے پر شدید ناگواری کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

"کیوں بُرا لگا آپ کو کیا؟" عباس بھی ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔ رابعہ نے الجھ کر سر کو دیکھا' ایک دم آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی تھی۔

"نہیں سر! مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ یہ کیسے ممکن ہے' کہاں آپ کہاں میں؟" وہ حیرت سے گنگ تھی۔

"آپ شاید میرے میریڈ ہونے کی وجہ سے معترض ہیں۔"

"پلیز سر! مجھ سے ایسی کوئی بات مت کریں۔"

"کیوں؟"

"اگر یہ مذاق ہے تو انتہائی غیر سنجیدہ مذاق ہے اور مجھے یہ سب بہت بُرا لگ رہا ہے۔" رابعہ نے تلخی سے کہا۔

"کیوں کسی بھی لڑکی کو پروپوز کرنا بُرا ہوتا ہے کیا؟" رابعہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ خاموشی سے عباس کی سائیڈ سے ہوتے وہاں سے جانے لگی تھی۔

"جواب تو دیتی جائیں۔" عباس نے کہا تو وہ رکی۔

"میرے معاملے میں کسی بھی قسم کے سوال و جواب کا اختیار میری فیملی کے پاس ہے۔ اول تو مجھے اس پرپوزل سے شدید حیرت ہورہی ہے اور فرض کریں اگر مجھے کوئی اعتراض نہ بھی ہو تو بھی میں اس پرپوزل کو اپنے لیے سوٹ ایبل نہیں سمجھوں گی لیکن جو بھی کہنا ہے وہ میرے بڑوں سے کہیے' میری ذات سے متعلق ہر طرح کے فیصلے کا اختیار صرف ان کو حاصل ہے۔" وہ کہہ کر چلی گئی' عباس پُرسوچ انداز میں اسے جاتے دیکھتا رہا۔

❀.....❀.....❀

مصطفیٰ گھر آیا تو سجی سنوری سی شہوار منتظر تھی، مصطفیٰ کو لگا کہ جیسے ایک دم ساری اعصابی تھکن کہیں جا سوئی ہو۔ شہوار کچن میں موجود تھی مصطفیٰ سیدھا وہیں آ گیا تھا۔

''مصروف ہو۔'' کھانا تیار تھا وہ ملازمہ کی مدد سے ٹیبل پر لگوا رہی تھی، مصطفیٰ کو دیکھ کر سنجیدگی اختیار کی تھی۔

''جیسے آپ پچھلے کئی دنوں سے سخت بزی ہیں۔'' تیکھا سا جواب دے کر اس نے ڈونگے میں سالن نکال کر ملازمہ کو تھمایا۔ ملازمہ مسکراتی ہوئی دونوں کو معنی خیزی سے دیکھتی وہاں سے چلی گئی تھی۔ مصطفیٰ نے گھور کر دیکھا۔

''دیکھو ایسی باتیں کرو گی تو لڑائی ہوگی پھر۔''

''آپ صلح ہی کب رہنے دیتے ہیں؟'' وہ اب بھی سنجیدہ تھی۔

''مطلب ہماری اب تک جتنی بھی لڑائیاں ہوئی ہیں وہ سب میری وجہ سے ہوئی ہیں۔''

''سچ تو یہی ہے۔'' شہوار کا انداز ہنوز وہی تھا۔

''سچ کی کچھ لگتی، میں تھوڑا سا منہ بناؤں وہ فوراً دکھائی دیتا ہے اور جو ڈھیروں کے حساب سے محبت نچھاور کرتا ہوں وہ کہیں دکھائی نہیں دیتی۔'' ہاتھ پکڑ کر قریب کرتے مصطفیٰ نے کہا تو شہوار کنفیوژ ہونے لگی۔

''جب کوئی بلاوجہ ناراض ہوگا تو جواباً دوسرا بندہ یہی سوچے گا نا۔''

''وہ بلاوجہ نہیں تھا۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔

''تو پھر اس دن کیوں اور کس بات پر ناراض ہو کر گئے تھے۔'' مصطفیٰ کو سنجیدگی سے دیکھتے پوچھا۔

''ناراض نہیں تھا بس غصہ تھا۔''

''لیکن کیوں، میں نے کیا کیا تھا، آپ نے دوپہر میں بھی کہا تھا کہ میری غلطی تھی، ایسی کیا غلطی تھی جو میرے خود بھی علم میں نہیں۔'' وہ بہت سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

''کیا ساری باز پرس یہیں کر لو گی، کھانا وغیرہ کچھ نہیں دو گی۔ یار سخت بھوک محسوس ہو رہی ہے، پہلا کام پیٹ پوجا پھر کوئی کام دوجا۔'' شرارت سے خود کے قریب کرتے چہرے پر جھک کر کہا تو شہوار کے چہرے کے تیور اور رنگ دونوں ایک دم بدلے تھے۔

''کھانا تیار ہے ٹیبل پر چلیں میں سب کو اطلاع دے دوں۔'' وہ کہہ کر مصطفیٰ کو پیچھے کرتی باہر نکل گئی تھی۔

کھانا سب ہی نے مل کر کھایا تھا، کھانے کے بعد چائے کا دور چلا تھا۔ آج مصطفیٰ کافی دنوں بعد سب میں یوں مل کر بیٹھا تھا تو پاپ بھائی اور بابا صاحب سے ایک لمبی ڈسکشن ہوئی تھی اس کی۔ شہوار کمرے میں انتظار کرتے کرتے تھک گئی تو لیٹ گئی تھی تب کہیں جا کر مصطفیٰ کمرے میں آیا تھا۔ وہ کروٹ بدلے لیٹی رہی تو مصطفیٰ بستر پر آ کر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا تھا، شہوار نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

''اتنی خوب صورت لگ رہی ہو ان کپڑوں میں، ایسے میں یوں ناراض ناراض سی اچھی نہیں لگ رہیں۔'' مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں سے بازو ہٹا کر دیکھنا چاہا تو اس نے بازو کھینچ لیا تھا۔

''ہاں جیسے ناراض ہونے کے سارے اختیارات تو بس آپ کو ہی تو حاصل ہیں۔'' وہ بہت سنجیدہ تھی، مصطفیٰ ہنس رہا تھا، جھک کر اس کی پیشانی چھونا چاہی تو وہ پیچھے کھسک گئی۔

''دیکھو اب تم خود زیادتی کر رہی ہو، اتنے دنوں بعد ہم دونوں مل رہے ہیں ایسے تو مت کرو۔''

''میں جو پچھلی کئی راتوں سے سخت اذیت میں ہوں وہ کہیں نظر نہیں آ رہی، اب اپنا دل ہے تو محبت جتانے کو پاس

آ گئے۔'' وہ سخت خفا تھی' مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''اوکے بابا سیز فائر۔'' مصطفیٰ نے ہاتھ اٹھا کر صلح جو انداز میں کہا تو شہوار نے سنجیدگی سے دیکھا۔ مصطفیٰ مسکرایا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ مصطفیٰ بھی اس کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر بیٹھ گیا تھا۔ بازو شہوار کی کمر کے پیچھے حمائل کرتے اسے خود سے قریب کرلیا تھا۔

''میں بہت ٹینس رہی ہوں' آپ کیوں خفا ہوئے تھے اس دن۔'' اس کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''اس دن میں نے تم سے جب پوچھا کہ تم کہاں تھیں تو تم نے بہت الٹا جواب دیا تھا' میں پہلے ہی کسی وجہ سے غصے میں تھا یہ جواب سن کر اور غصہ آ گیا تھا۔''

''میں اس دن دریہ کے ساتھ شاپنگ کے لیے گئی تھی' دریہ کو جانا تھا ماں جی کو اکیلے بھیجنا اچھا نہیں لگ رہا تھا تو انہوں نے مجھے ساتھ بھیجا تھا۔''

''تو یہی بات تم اس دن بھی بتا سکتی تھی نا۔''

''تو آپ نے موقع ہی کب دیا تھا؟'' اس نے جتایا تو مصطفیٰ نے پُرسوچ نظروں سے شہوار کو دیکھا۔

''ایک اور سوال پوچھوں گا۔'' شہوار نے سوالیہ نظروں سے مصطفیٰ کو دیکھا۔ مصطفیٰ نے اپنا موبائل اٹھا کر واٹس اپ نکال کر اس میں موجود وہ پک نکال کر شہوار کے سامنے کی تھی۔

''یہ کب کی تصویر ہے؟'' شہوار نے حیران ہوکر تصویر کو دیکھا تھا۔

''یہ..... یہ.....'' وہ تصویر سے زیادہ اس کے ساتھ لکھی سطر پڑھ کر پریشان ہوگئی تھی۔ کتنے گندے الفاظ میں اس پر کمنٹس کیے گئے تھے۔

''مجھے نہیں پتا۔'' وہ واقعی پریشان ہوگی تھی۔ ''میں خود پہلی بار تصویر دیکھ رہی ہوں۔''

''اور یہ لڑکا کون ہے؟'' مصطفیٰ نے پھر سوال کیا تو شہوار نے پریشانی سے مصطفیٰ کی شکل دیکھی' وہ بالکل سنجیدہ تھا۔

''یہ ہاشم ہے ہمارا کالج فیلو وہی جس کا ایک بار کالج کی کینٹین میں ایاز کے ساتھ میرے ساتھ بدتمیزی کرنے پر جھگڑا ہوا تھا۔'' مصطفیٰ نے بغور اس کی بات سنی اور پھر ایک گہرا سانس لیا۔

''لیکن یہ ہے کیا مجھے سمجھ نہیں آ رہی۔''

''یہ پک اس دن جب میں غصہ میں گیا تھا تبھی ایاز نے سینڈ کی تھی۔''

''ایاز نے......؟'' شہوار ایک دم خوف زدہ ہوئی تھی۔

''یس' ایاز نے۔'' مصطفیٰ نے شہوار کے الجھے ہوئے پریشان چہرے کو دیکھا۔

''کچھ اندازہ ہے یہ کب کی تصویر ہے؟'' شہوار نے پک کو بغور دیکھا اور پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی' ہوسکتا ہے ایڈیٹنگ ہو۔'' اس نے اپنا خیال ظاہر کیا تو مصطفیٰ نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں چیک کروا چکا ہوں یہ رئیل پک ہے۔''

''مجھے علم نہیں' مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا۔'' وہ الجھی تھی۔

''یاد کرنے کی کوشش کرو تم کب اس لڑکے کے ساتھ اور کہاں کھڑی تھیں؟'' مصطفیٰ نے کہا تو شہوار نے چونک کر مصطفیٰ کو دیکھا۔

''آپ اس ہاشم کے ساتھ کھڑے دیکھ کر مجھ پر شک کر رہے ہیں کیا؟''

''مائی گاڈ...... دماغ خراب ہے تمہارا' میں کیوں شک کروں گا؟''

دنیا کے لئے اتنی محنت کر جتنا تجھے یہاں رہنا ہے
آخرت کیلئے اتنی محنت کرجتنا تجھے وہاں رہنا ہے
اللہ کی رضا کیلئے اتنی کوشش کر جتنا تو اس کا محتاج ہے
گناہ اتنا کر جتنا تجھ میں عذاب سہنے کی طاقت ہے
صرف اسی ذات سے مانگ جوکسی کا محتاج نہ ہو
جب تو گناہ کرے تو اسی جگہ جا جہاں تجھے وہ نہ دیکھے
ثمینہ عبدالخالق...... سکندر چوک

"اگر شک نہیں کر رہے تو پھر مجھ سے کیوں یہ سب پوچھ رہے ہیں‘ اس دن آپ اس پک کی وجہ سے مجھ سے ناراض ہوکر گئے تھے نا۔" شہوار کا موڈ ایک دم بدلا تھا۔

"گیا تو بس اس وجہ سے تھا لیکن ضروری نہیں کہ میں تم پر شک کر رہا ہوں۔"

"تو پھر اس ساری باز پرس کا کیا مطلب ہے؟ یا تو آپ کو مجھ پر شک ہے یا پھر غصہ اور غصہ کیوں آیا تھا۔"

"غصہ یار تمہارے جواب پر آیا تھا اور اس سے بڑھ کر یہ بکواس پک دیکھ کر۔"

"میرا اس پک سے ایسا ویسا کوئی تعلق نہیں‘ یہ پک ایاز نے سینڈ کی ہے اسی سے جا کر پوچھیں کہ اس نے کیوں سینڈ کی ہے اور کہاں سے حاصل کی ہے۔" وہ ایک دم سخت غصے کا شکار ہوئی تھی۔ اس کے اندر شدید بدگمانی پیدا ہوئی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے مصطفیٰ اس تصویر کو لے کر اس کے کردار پر شک کر رہا ہے۔

"وہ تو میں اس سے بھی پوچھ لوں گا اس گھٹیا حرکت پر اسے چھوڑوں گا تو نہیں لیکن پہلے تم بتاؤ یہ پک کہاں کی ہے؟" مصطفیٰ نے کہا تو شہوار نے سنجیدگی سے مصطفیٰ کو دیکھا اور پھر ایک دم بستر سے اتر گئی۔

"کیا ہوا...... کہاں جا رہی ہو؟" اسے جوتا پہن کر دوپٹہ درست کرتے باہر کی طرف قدم بڑھاتے دیکھ کر مصطفیٰ بھی ایک دم پیچھے لپکا تھا۔

"آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں اور میں بڑے حوصلے سے بیٹھ کر سب کچھ سن لوں‘ ناممکن۔"

"تم بات کو غلط رخ پر مت لے کر جاؤ شہوار۔"

"میرا تو روزانہ کالج میں ہاسٹل میں کہیں نہ کہیں ہاشم سے سامنا ہو جاتا ہے‘ مجھے اب کیا علم کہ یہ کب کی تصویر ہے لیکن جس طرح آپ ساری تفتیش کر رہے ہیں اس سے تو بس ایک ہی مطلب نکلتا ہے کہ آپ کو مجھ سے زیادہ اس تصویر بھیجنے والے کی اس گھٹیا بات سے اتفاق ہے جو اس نے اوپر لکھ رکھی ہے۔"

"شہوار پلیز ڈونٹ بی سلی‘ ایسی کوئی بات نہیں۔" بات کو غلط رخ پر جاتے اور بگڑتے دیکھ کر مصطفیٰ نے نرمی سے شہوار کا بازو پکڑ کر روکا لیکن شہوار نے جھٹکے سے اپنا بازو کھینچ لیا تھا۔

"میں سمجھتی تھی آپ مجھ پر بہت اعتماد کرتے ہیں‘ مجھ سے بھی زیادہ آپ مجھے جانتے ہیں اور کبھی بھی کسی بھی سلسلے میں مجھے آپ کو وضاحت دینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی لیکن مجھے یہ جان کر ہی حیرت ہو رہی ہے کہ آپ اس دن اس بات کو لے کر مجھ سے خفا ہو کر گئے تھے اور میں کتنی کالز کرتی رہی‘ میسجز کرتی رہی اور آپ نے پلٹ کر دیکھا تک نہیں اور اب جبکہ یہاں ہیں تو کلیئر کروا کر آئے ہیں کہ یہ پک ایاز نے سینڈ کی تھی۔" وہ تو پھٹ پڑی تھی۔

"شہوار میں تم سے کسی بھی قسم کی وضاحت نہیں مانگ رہا‘ تب کا غصہ ایک وقتی غصہ تھا اور میں اب بھی تمہارے

کردار پر اس طرح یقین رکھتا ہوں۔ تم سے اس تصویر کی لوکیشن اور سچوئیشن کے بارے میں بس اس لیے پوچھ رہا تھا کہ مجھے سب اچھی طرح کلیئر ہو جائے کہ اصل کہانی کیا ہے۔''

''اصل کہانی تو یہ ہے کہ وہ شخص بس کسی نہ کسی طرح مجھے بدنام کرنا چاہتا ہے اور اس سے بھی زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس نے جس مقصد کے لیے یہ پک سینڈ کی تھی اس کا مقصد آپ نے پورا کر دیا۔'' وہ تلخی سے کہہ کر دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

''لیکن تم اس وقت کہاں جا رہی ہو؟'' مصطفیٰ پھر سامنے آ گیا تھا۔

''جہنم میں۔'' وہ سائیڈ سے ہو کر دروازے کی طرف لپکی' مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''احمقوں کی سی باتیں مت کرو' تم بات کو غلط رخ پر لے جا رہی ہو۔'' مصطفیٰ کو غصہ آنا شروع ہو گیا تھا' غصے سے ٹوکا تو شہوار نے تلخی سے ہاتھ کھینچ لیا۔

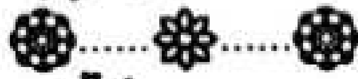
''بات میں نہیں آپ مجھ پر شک کر کے بگاڑ چکے ہیں۔''

''تم کہیں نہیں جاؤ گی اگر تم باہر گئیں تو سمجھ لینا مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' دروازے پر ہاتھ رکھ کر غصہ سے انگلی اٹھا کر وارن کیا۔

''اس وقت آپ سے زیادہ برا مجھے اور کوئی لگ بھی نہیں رہا' مجھے جانے دیں اگر میں یہاں کچھ دیر اور رکی تو بات بہت بگڑے گی۔'' مصطفیٰ کا بازو دروازے سے ہٹا کر اس نے دروازہ کھولا۔

''او کے' جیسے تمہاری مرضی لیکن یاد رکھنا تم اپنی مرضی سے یہاں سے جا رہی ہو اور دوبارہ اس کمرے میں سوچ سمجھ کر ہی آنا۔ نہ میں بات کو بگاڑ رہا تھا اور نہ ہی وضاحتیں مانگ رہا تھا۔ بیوی ہو تم میری' ایک کرپٹ انسان تمہاری تصویر کسی دوسرے انسان کے ساتھ بنا کے مجھے سینڈ کرتا ہے اور گندا سا اسٹیٹس بھی ساتھ دیتا ہے تو کیا ایسے عالم میں مجھے حقیقت کیا ہے اس کی تلاش کا کوئی حق حاصل نہیں۔'' مصطفیٰ کا برہمی سے برا حال تھا۔ شہوار جواباً کچھ نہیں بولی بس کمرے سے نکل گئی تھی۔

''احمق..... نان سینس.....'' مصطفیٰ نے بہت غصے سے دیوار پر ہاتھ مارا تھا۔



نکاح کی ساری تقریب بہت خیر و عافیت سے سرانجام پائی تھی۔ ابوبکر کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی جبکہ ہادیہ کا خوشی سے اور ہی عالم تھا۔ باقی ساری تقریب میں رابعہ عباس سے چھپتی پھر رہی تھی' عباس بھی سنجیدہ سنجیدہ سا تھا۔ ہادیہ کی رخصتی بعد میں تھی ابھی صرف نکاح ہوا تھا۔ واپسی پر سبھی گاڑیوں کی طرف بڑھے تو عباس پھر سے اس کے رستے میں آ رکا تھا۔

''آپ میرے ساتھ چلیں گی۔''

''آپ تو اپنے گھر جائیں گے' ہم لوگ کسی نہ کسی گاڑی میں ایڈجسٹ ہو جائیں گے' شکریہ۔'' انداز کترایا کترایا سا تھا۔

''مجھے آپ سے اور بھی بہت سی باتیں کرنی ہیں۔'' عباس نے کہا۔

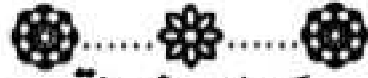
''اتنا کچھ کہہ تو چکے ہیں اور کیا رہتا ہے کہنے کو۔'' نظروں کو جھکائے اس نے کہا تو عباس مسکرایا۔

''ابھی اپنے دل کی باتیں تو میں نے آپ سے شیئر ہی نہیں کیں۔'' رابعہ ایک دم گھبرائی تھی۔

''پلیز سر! پریشان مت کریں' آپ کو اس طرح کی حرکتیں زیب نہیں دیتیں۔ میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں'

اگر یہ سب جسٹ فارمن ہے تو میں ایکسکیوز کرتی ہوں۔ آپ کو اچھی طرح اندازہ ہو چکا ہوگا کہ میں آپ کے ٹائپ کی لڑکی نہیں ہوں۔" وہ تلخی سے کہہ کرایکسکیوز کرتی وہاں سے چلتی ابوبکر کی گاڑی میں جابیٹھی تھی جہاں بھابی اور ثریا بیگم پہلے ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ عباس نے بہت سنجیدگی سے اسے جاتے دیکھا۔

"تم سمجھ رہی ہو کہ میں جسٹ فارمن یا ٹائم پاسنگ کے لیے تمہاری طرف بڑھا ہوں تو ایسے ہی سہی اب میں تھرو پراپر چینل سے ہی تمہاری طرف آؤں گا۔" گاڑی میں بیٹھی رابعہ کو دیکھ کر مسکرا کر عباس نے دل میں مصمم ارادہ باندھا تھا۔



وہ رات ہسپتال میں ہی رکی تھی' روشی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ احسن بھی کافی تھکا ہوا تھا۔ وہ بھی گھر پر رک گیا تھا' وقار صاحب بھی گھر پر ہی تھے۔ وہ کچھ وقت صبوحی کے پاس رکی تھی پھر نرس آ گئی تو وہ ولید کے کمرے میں آ گئی تھی۔ ولید سو رہا تھا' نرس اس کی آمد پر باہر چلی گئی تھی۔ وہ ولید کے بستر کے پاس چیئر پر ٹک گئی تھی' ولید کی کنڈیشن اب کافی بہتر تھی۔ اس کا ارادہ کچھ دیر یہاں بیٹھنے کا تھا اور پھر ولید کے جاگنے سے پہلے اٹھ کر چلے جانے کا تھا۔ وہ ولید کی فائل اٹھا کر دیکھنے لگی تھی' سارا دن کی تھکی ہاری اسے پتا ہی نہیں چلا کہ کب آنکھ لگ گئی تھی۔

ولید کے سر میں شدید درد کی ٹیسیں اٹھیں اس کی آنکھ کھلی لیکن سامنے کرسی پر بیٹھے وجود کو دیکھ کر وہ اپنی جگہ ساکت ہو گیا تھا۔ دل کے اطراف میں درد کی عجیب سی ٹیسیں اٹھی تھیں۔ ولید نے لب بھینچ لیے تھے۔

انا کا سر ڈھلک کر کرسی کی بیک سے جا لگا تھا اور سینے پر فائل اوندھی پڑی ہوئی تھی' وہ کافی ان ایزی سوئی ہوئی تھی۔ ولید نے اسے نظر انداز کرنا چاہا تھا لیکن کر نہیں پایا تھا۔ اس کے سر میں درد ہو رہا تھا' نرس بھی کمرے میں موجود نہ تھی وہ ہوتی تو شاید اس سے ہی کوئی ٹیبلٹ مانگ لیتا۔ ڈاکٹرز نے بتایا تھا کہ ایکسیڈنٹ میں اس کے سر پر چوٹ لگی تھی جس کی وجہ سے اس کے دماغ کا حصہ بھی متاثر ہوا تھا لیکن اس کے ہوش میں آنے کے بعد اس کے تمام ٹیسٹ ہونے کے بعد اس کے دماغ کی رپورٹ کلیئر آئی تھی مگر کبھی کبھی شدید درد کی لہریں اٹھنے لگتی تھیں۔

"ان......انا......" ولید نے پکارا تو انا ایک دم ہڑبڑا کر اٹھی تھی' وہ شاید کچی نیند میں تھی ولید کو جاگتے پا کر فوراً اس کی

طرف بڑھی تھی۔
"کیا ہوا...... کچھ چاہیے؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ ولید کا جی چاہا کہ انکار کردے لیکن پھر نجانے کیسے خود بخود اس کے منہ سے یہ سب نکل گیا تھا۔
"میرے سر میں شدید درد ہورہا ہے۔" ولید کی بات سن کر انا کے چہرے پر ایک دم تشویش کی جھلک نظر آنے لگی۔
"زیادہ سیریس تو نہیں۔" قریب آ کر پیشانی پر ہاتھ رکھتے اس نے پوچھا تھا' ولید ایک دم ساکت ہوگیا تھا۔ انا کے گرم ہاتھ کا لمس اس کی پیشانی پر عجیب سا تاثر چھوڑ رہا تھا۔
"ہاں کافی زیادہ ہے برداشت نہیں ہورہا۔" انا پریشان ہوگئی تھی۔
"تم ان میڈیسن میں سے دیکھو شاید کوئی گولی ہو اس میں۔" ولید کے کہنے پر وہ جلدی سے ٹیبل پر موجود ادویات چیک کرنے لگی تھی۔ اس نے ایک پتے میں سے ایک گولی نکال لی اور گلاس میں پانی انڈیل کر وہ پھر ولید کے پاس آ گئی تھی۔ سر کی چوٹ کی وجہ سے ولید کو ابھی خود سے اٹھنے کی پرمیشن نہ تھی۔ انا نے جھک کر ایک ہاتھ اس کے سر کے نیچے رکھ کر احتیاط سے اس کے کندھوں کو اٹھا کر اسے گولی تھما کر گلاس دیا تھا۔ ولید نے گولی نگلی تو گلاس لے کر اس نے اس کا سر پھر تکیے پر رکھ دیا تھا۔
"شکریہ۔" ولید کا انداز ایک دم نارمل سا ہوگیا تھا۔
"کوئی بات نہیں۔" انا ہلکا سا مسکرائی پھر دونوں طرف سے خاموشی چھا گئی تھی۔
"پھوپو کیسی ہیں؟" ولید نے پوچھا تو انا نے سر ہلایا۔
"اب بہتر ہیں' آپ کا پوچھ رہی تھیں شاید کل آپ کے پاس آئیں' وہ خود سے چل پھر سکتی ہیں اب۔" اس نے دھیمے سے بتایا۔
"اور کون کون رکا ہے اس وقت یہاں؟" اس نے پوچھا' انداز سنجیدہ تھا۔
"صرف میں ہی ہوں۔"
"کیوں باقی لوگ کہاں ہیں؟"
"روشی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی وہ گھر پر ہے۔ ماموں خود بیمار انسان ہیں' وہ کیسے رکتے۔ پاپا سارا دن یہیں ہی تھے اور احسن بھائی اس کی وجہ سے گھر چلے گئے تھے۔" ولید نے سر ہلایا۔
"پھوپو کے پاس اس وقت تو کوئی نہیں ہوگا۔"
"میں ان کے پاس ہی تو تھی کچھ دیر پہلے نرس کو چھوڑ کر آئی تھی۔"
"ہمنہہ......" ولید آنکھیں بند کر گیا تھا۔
انا کچھ دیر مزید وہاں رکی اور پھر ولید کے سوتے ہی وہ دوبارہ وہاں سے نکل آئی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



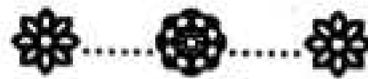

ٹوٹا ہوا تارا
سمیرا شریف طور

اندھیرا لاکھ ہو، مجھ کو سحر کی آس رہتی ہے
یہی وہ روشنی ہے جو مجھے ڈرنے نہیں دیتی
مجھے معلوم ہے وعدہ نبھانا سخت مشکل ہے
مری کم ہمتی انکار بھی کرنے نہیں دیتی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

انا کی دعائیں رنگ لاتی ہیں اورآخر کارولید کوہوش آجاتا ہے لیکن ان حالات میں اس کا سامنا کرنے سے انا کتراتی ہے جبکہ دوسری طرف ولید بھی اپنی عیادت کے لیے اسے موجود دیکھ کر شدید کرب میں مبتلا ہوجاتا ہے دونوں کے درمیان ایک مرتبہ پھر سرد مہری حائل ہوجاتی ہے۔ سکندر کے پاکستان آنے کے کچھ عرصے بعد ہی سبحان اور حاجرہ ایک ایکسیڈنٹ کے دوران جاں بحق ہوجاتے ہیں ایسے میں ان کے لواحقین اسے سبحان کی جائیداد سے بے دخل کردیتے ہیں اور ایک لاوارث فرد کی حیثیت سے وہ ان لوگوں کی بے حسی دیکھ کر کڑھتا رہتا ہے۔ ایسے میں اس کی کزن افشاں اس کی مدد کرتی ہے اور اسے اپنے ہاں قیام کرنے پر مجبور کرتی ہے سکندر اس کے کہنے پر وہاں سکونت اختیار کرتا ہے جب ہی وہاں اس کی ملاقات صبوحی اور ضیاء سے ہوتی ہے جو صفیہ کے دیور کے بچے ہیں۔ سکندر نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرتا ہے جب ہی اس موڑ پر لالہ رخ نامی لڑکی اس کی زندگی میں نئے باب کا اضافہ کرتی ہے۔ ولید کی حالت کے بہتر ہونے پر مصطفیٰ کو شہوار کا خیال آتا ہے اپنی خفگی کو بھلا کر وہ شہوار کو اپنے غصے کی اصل وجہ بتاتے ہاشم اور اس کی تصویر کا پس منظر جاننا چاہتا ہے جبکہ مصطفیٰ کی یہ بے اعتباری شہوار کو گھائل کردیتی ہے وہ اس کی بات کا جواب دیے بغیر لوٹ جاتی ہے اور اس طرح ایاز اور دریہ اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کسی حد تک کامیاب رہتے ہیں۔ دوسری طرف ہادیہ کی شادی میں عباس رابعہ کو پرپوز کرتا ہے جبکہ اس پروپوزل پر رابعہ شاکڈ رہ جاتی ہے اپنی زندگی کا ہر فیصلہ اپنے بڑوں کو سونپ کر وہ خود اس ذمہ داری سے بری ہوجاتی ہے۔ بابا صاحب پچھتاوؤں کی آگ میں گھرے ہر وقت تکلیف میں مبتلا رہتے ہیں جب ہی وہ شہوار کا خیال رکھنے کی ذمہ داری مصطفیٰ کو سونپتے اس پر یہ واضح کرتے ہیں کہ وہ فیضان کی بیٹی ہے جس کے ساتھ وہ بہت ناانصافی کرچکے ہیں۔

اب آگے پڑھیے



وہ غصے کی حالت میں باہر آتو گئی تھی لیکن جیسے جیسے عقل نے کام شروع کیا تو اندازہ ہوا کہ مصطفیٰ اتنا غلط بھی نہ تھا۔ مصطفیٰ کی جگہ کوئی بھی شخص ہوتا وہ شاید ایسے ہی ری ایکٹ کرتا۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ یہ گھٹیا حرکت ایاز نے محض ان دونوں کو اذیت دینے کے لیے کی ہوگی۔ وہ باہر آکر اب پچھتا رہی تھی۔ مصطفیٰ کی پچھلے دنوں کی مسلسل خاموشی سے وہ اندر ہی اندر از حد جو غم زدہ ہوچکی تھی لیکن ذہن کے کسی گوشے میں کسی ایسی صورت حال کا امکان نہ تھا۔ وہ لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ گئی۔

اس وقت سب ہی اپنے اپنے کمروں میں سونے جاچکے تھے وہ کچھ دیر تک انتظار کرتی رہی کہ شاید مصطفیٰ اسے لینے آئے لیکن کچھ وقت مزید گزرا اور مصطفیٰ نہ آیا تو وہ ناامید سی ہوگئی مصطفیٰ کو کم از کم اس کے پیچھے آنا تو چاہیے تھا۔ اس کے دل میں ایک ملال سا ابھرا وہ تصویر کے بارے میں سوچنے لگی تو ذہن ایک دم پھٹنے لگا تھا۔

ہاشم ان کا کالج فیلو تھا' جب سے اس کی اور ایاز کی کینٹین میں مڈبھیڑ ہوئی تھی' شہوار اور ہاشم کے درمیان سلام دعا رہنے لگی تھی' وہ ایک سلجھا ہوا اور میچور لڑکا تھا۔ کئی بار کالج میں دونوں کا آمنا سامنا ہوا تھا اور ہر بار سامنا ہونے پر ہاشم نے رک کر سلام دعا کی تھی۔

ابھی کچھ دن پہلے شاپنگ کے دوران دریہ کے ساتھ الجھتے ہاشم سے سامنا ہوا تھا' دونوں کے درمیان کچھ منٹس تک بات چیت ہوتی رہی تھی۔ ایاز جیسے بندے کے لیے ان کی تصویر لینا مسئلہ تو نہیں ہوا ہوگا خود نہ لی ہوگی تو کسی اور کے ذریعے بنوالی ہوگی لیکن اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اس تصویر کو لے کر وہ کیا کرنا چاہتا تھا۔ مصطفیٰ کو تصویر بھیجنے کا کیا مقصد تھا؟ وہ اپنی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی۔

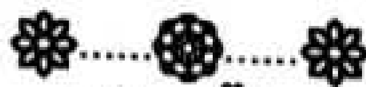
''شہوار......'' مہرالنساء بیگم باباصاحب کے کمرے سے نکلیں تو اسے لاؤنج میں دیکھ کر رکیں' کافی رات ہورہی تھی انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا شہوار چونکی۔

''جی اماں جی!'' وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا بات ہے ادھر کیوں بیٹھی ہو؟ سب ہی سونے جاچکے ہیں تم نہیں سورہیں۔'' انہوں نے استفسار کیا تو شہوار نے ایک گہرا سانس لیا' لاشعوری طور پر وہ مصطفیٰ کی منتظر تھی لیکن مصطفیٰ نہیں آیا تھا۔

''جی میں بس جانے ہی والی تھی۔'' انہوں نے بغور دیکھا تاہم کہا کچھ نہیں۔ وہ اٹھ کر وہاں سے نکلی تو بھی مہرالنساء بیگم وہیں کھڑی تھیں۔ جانے کو وہ کہیں اور بھی جاسکتی تھی لیکن مہرالنساء بیگم کی وجہ سے وہ سیدھی کمرے میں آئی تھی' کمرہ ان لاک تھا' لائٹس آف تھیں نائٹ بلب روشن تھا۔ وہ اندر آئی تو دیکھا مصطفیٰ بیڈ پر دراز تھا' شہوار کی طرف پشت تھی۔ دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز پر بھی اس نے کوئی رسپانس نہیں دیا تھا' شہوار کے اندر بڑی عجیب سی کیفیت نے سر اٹھایا تھا۔ لاشعوری طور پر وہ مصطفیٰ کی طرف سے پیش قدمی کی منتظر تھی۔

بستر پر جانے کی بجائے وہ خاموشی سے صوفے پر آبیٹھی تھی' وہ کتنی دیر تک اسی حالت میں مصطفیٰ کی پشت کو گھورتے صوفے پر بیٹھی رہی تو بھی مصطفیٰ نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ شہوار کے اندر شدید قسم کی توڑ پھوڑ ہونے لگی تو وہ بے آواز گھٹنوں میں سر چھپا کر رودی' اسے رہ رہ کر ملال ستانے لگا۔ وہ اگر غصے کا اظہار کرتے کمرے سے نکل آئی تھی تو کم از کم مصطفیٰ کو تو اس کے پیچھے آنا چاہیے تھا۔ بات جو بھی تھی جیسی بھی تھی وہ اسے جیسے مرضی کمرے میں لے جاسکتا تھا لیکن واپس کمرے میں آکر مصطفیٰ کو یوں بے خبر سوتے دیکھ کر اس کے اندر ایک دم شدید قسم کی بدگمانی پیدا ہوگئی تھی۔ وہ بے آواز اسی حالت میں بیٹھی باقی ماندہ رات بھی سسکتے ہوئے گزار گئی تھی۔



لالہ رخ سکندر کے کالج میں فائنل ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی' کافی خوب صورت ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ بہت رکھ رکھاؤ والی لڑکی تھی۔ سینئرز تو ایک طرف جونیئرز تک کے بہت سے لڑکے اسے دیکھ کر آہیں بھرتے تھے۔ اس کی شخصیت میں عجیب سی تمکنت اور وقار دکھائی دیتا تھا جو دیکھنے والے کو اپنی ذات میں محتاط ہوجانے پر مجبور کردیتا تھا۔

سکندر رابروڈ کا اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص تھا' کالج میں اولین دنوں میں ہی اس کی ایک پہچان بن گئی تھی اسے پڑھانے کا پہلے سے کوئی تجربہ نہ تھا لیکن اس کے باوجود وہ کالج میں ایک اچھا استاد ثابت ہوا تھا۔ سکندر کی اپنے کولیگز سے

بھی اچھی ہیلو ہائے ہونے لگی تھی۔ یہ جاب سکندر کے معیار کی نہ تھی لیکن اپنے قدم جمانے کے لیے سکندر کو اس جاب کی اشد ضرورت تھی۔

اپنی وضع داری، خوش لباسی، رکھ رکھاؤ اور محتاط انداز کی وجہ سے وہ بہت جلد کالج کے مقبول ترین اساتذہ کی فہرست میں شامل ہو گیا تھا اور سکندر کی شخصیت کی وجاہت اور خوب صورتی نے اسے وہاں کے طلباء میں بہت جلد مقبول عام کر دیا تھا۔ انہی متاثر کن میں ایک لالہ رخ بھی تھی، وہ لڑکی جو سارے کالج کی کریم تھی۔ دولت و امارت میں یکتا خوب صورتی کا پیکر بہت جلد سکندر سبحان احمد کی شاندار اور پُر وجاہت شخصیت کے سامنے گھائل ہو گئی تھی۔ لالہ رخ ایک مضبوط فیملی بیک گراؤنڈ سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ تعلیم کی سلسلے میں کسی وویمن ہاسٹل میں مقیم تھی۔ اس کا رکھ رکھاؤ، زندگی گزارنے کا ڈھب اس کو کسی بہت ہی اعلیٰ گھرانے کا فرد ثابت کرتا تھا۔

سکندر فائنل ائر کی کلاس کو اکنامکس کا سبجیکٹ پڑھایا کرتا تھا، لالہ رخ بھی اسی کلاس میں تھی وہ ایک ذہین اسٹوڈنٹ تھی۔ بہت ہی ریزرو اور گم گو تھی لیکن اس کے باوجود وہ بہت جلد سکندر کی نظروں میں آ گئی تھی۔ تعلیم کے علاوہ کبھی کسی اور سلسلے میں دونوں کا آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ اس دن موسم ابر آلود تھا، ہلکی پھلکی بارش ہو رہی تھی۔ کالج میں اکا دکا اسٹوڈنٹ تھے، چھٹی کے وقت سکندر کو کسی کام کے سلسلے میں کہیں اور جانا تھا اس نے اپنے کولیگ سے کچھ دیر کے لیے گاڑی لی تھی۔ جیسے ہی سکندر پارکنگ سے گاڑی نکال کر باہر لایا وہاں کچھ فاصلے پر شیڈ کے نیچے کھڑی لالہ رخ پر نگاہ پڑی تھی، سکندر نے گاڑی روکی تھی، گاڑی روکنے کی وجہ لالہ رخ کی بجائے اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا لڑکا تھا جو مسلسل کوئی نہ کوئی جملہ اچھال رہا تھا جبکہ لالہ رخ اس کو نظر انداز کیے مخالف سمت میں دیکھ رہی تھی۔ وہ شاید کسی سواری کی تلاش میں تھی، وہ لڑکا کچھ دیر بعد لالہ رخ کے پاس آ کر رکا تھا۔ اس نے لالہ رخ سے شاید کچھ کہا تھا، لالہ رخ نے بہت غصے سے اسے دیکھا تھا اور جواباً کچھ کہا تھا جس پر وہ لڑکا قہقہہ لگا کر ہنس دیا تھا۔ لالہ رخ نے بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔ وہ لڑکا مزید قریب ہوا تو لالہ رخ چند قدم پیچھے ہٹی تھی۔ اس نے گھبرا کر اطراف میں دیکھا، ہلکی ہلکی بارش کی وجہ سے آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ لالہ رخ کے چہرے پر پریشانی گہری ہو گئی تھی۔ سکندر نے محسوس کیا کہ جیسے وہ سخت پریشانی میں ہے اس نے فوراً گاڑی اس شیڈ کے پاس لا کر روکی تھی۔ سکندر نے ہارن بجایا تو لالہ رخ اور وہ لڑکا دونوں متوجہ ہوئے تھے لڑکا سکندر کو دیکھ کر ایک دم محتاط ہو گیا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے؟" سکندر نے گاڑی کا شیشہ نیچے کر کے دونوں کو دیکھا تھا۔ سکندر نے بظاہر لالہ رخ کو دیکھا تھا لیکن گھور کر لڑکے کو دیکھا۔

"کچھ نہیں سر!" لڑکے نے کہا تو سکندر نے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔

"تو پھر بھاگو یہاں سے کیا تم نہیں جانتے یہ گرلز کا اسٹاپ ہے۔" سکندر نے سختی سے کہا تو وہ لڑکا فوراً وہاں سے بھاگ گیا تھا۔ سکندر نے لالہ رخ کو دیکھا جو رومال سے چہرہ صاف کر رہی تھی۔

"آپ کو یہاں تنہا نہیں رکنا چاہیے تھا۔" سکندر نے سنجیدگی سے لالہ رخ کو دیکھا تو اس کا چہرہ ایک دم زرد ہو گیا تھا۔

"مجھے سر سے کچھ کام تھا ان کے آفس جانا پڑ گیا تھا تب تک میری ساتھی لڑکیاں نکل گئی تھیں۔" اس نے سنبھل کر بتایا۔

"اس بارش میں یہاں سے اب شاید ہی کوئی سواری ملے۔" سکندر نے خیال آرائی کی تو لالہ رخ کے چہرے پر ایک دم پریشانی بکھر گئی تھی۔

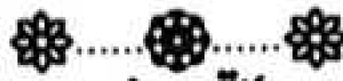
"اگر آپ مناسب سمجھیں تو آئیے میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔" سکندر نے کہا تو لالہ رخ نے ارد گرد دیکھا۔

"نہیں سر! میں چلی جاؤں گی۔" وہ بہت ہی محتاط لڑکی تھی۔ سکندر نے چند منٹ اسے بغور دیکھا تھا۔

"اوکے میں کسی کو کہتا ہوں سواری لانے کے لیے۔" سکندر نے کہا اور پھر خود گاڑی سے اتر کالج کے گیٹ کی طرف گیا تھا۔ وہاں موجود گیٹ کیپر کو کچھ کہا اور پھر کچھ دیر بعد سکندر کے ساتھ ایک لڑکا چلا آیا تھا وہ مین روڈ کی طرف چلا گیا تھا اور تب تک سکندر اپنی گاڑی کے پاس کھڑا ہوا تھا' دونوں کے درمیان پھر کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ لڑکا ایک ٹیکسی لے آیا تھا سکندر نے اسے کچھ سمجھایا اور پھر لالہ رخ کو دیکھا تھا۔

"یہ ٹیکسی میں آپ کو چھوڑ آتا ہے۔" لالہ رخ کے چہرے پر ایک دم اطمینان کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

"تھینک یو سو مچ سر!" وہ ایک دم مشکور ہوئی تھی۔ وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر چلی گئی تھی۔ سکندر پہلی بار لالہ رخ کی شخصیت کے اس انداز سے متاثر ہوا تھا۔



وہ سو کر اٹھی تو علم ہوا کہ مصطفیٰ کو کوئی ایمرجنسی کال آئی تھی وہ فجر کے وقت چلا گیا تھا' شہوار کو ایک دم غصہ آنے لگا۔ وہ خفا ہوئی اور مصطفیٰ کی منتظر بھی رہی لیکن اس طرح مصطفیٰ کے چلے جانے سے اس کے اندر شدید قسم کی بدگمانی پیدا ہوئی تھی۔ وہ بڑے بُرے دل سے کالج کے لیے تیار ہوئی تھی' عجیب پریشانی میں وہ اپنا موبائل بھی گھر بھول گئی تھی۔ کالج میں سارا دن الجھتے گزرا تھا۔ موبائل بھی پاس نہیں تھی' ڈرائیور طے شدہ وقت پر لینے آ گیا تھا وہ گاڑی کی طرف آئی تو چونک گئی۔ پچھلی سیٹ پر دریہ بھی بیٹھی ہوئی تھی۔

"ہائے......" اسے یوں رکتے دیکھ کر وہ مسکرائی۔

"تم؟" شہوار اندر بیٹھ گئی۔

"ہاں میں' زاہد بھائی کے ہاں گئی ہوئی تھی رستے میں ڈرائیور نے مجھے بھی پک کرلیا۔" خلاف توقع دریہ کا مزاج بہت اچھا تھا۔ کافی خوش اخلاقی سے بات کی تھی' شہوار خاموش رہی تھی۔

"تمہاری اسٹڈی کیسی جارہی ہے؟" دریہ نے خود ہی بات کا آغاز کیا۔

"اچھی جارہی ہے۔"

"کچھ پریشان ہو؟" دریہ نے پوچھا تو شہوار چونکی۔ وہ ایک دم سنبھل کر بیٹھی۔

"نہیں تو۔"

"مجھے تو سخت بھوک لگ رہی ہے' زاہد بھائی کے ہاں بھابی کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی' میں نے انہیں بھی کھانا پکانے سے منع کردیا تھا۔" شہوار خاموش رہی تھی۔

"ڈرائیور میکڈونلڈ کے آگے گاڑی روکنا۔" دریہ نے ڈرائیور کو کہا' شہوار نے الجھ کر دیکھا۔

"ہم کچھ دیر میں گھر پہنچ جائیں گے گھر جا کر کھانا لینا۔" شہوار نے کہا۔

"نہیں گھر جا کر وہی روٹین کا کھانا ہوگا جبکہ میرا موڈ آج کچھ اسپیشل کھانا کھانے کو ہے۔" دریہ نے نخوت سے انکار کردیا تھا' شہوار نے لب بھینچ لیے ویسے بھی وہ دریہ کے تند مزاج سے خائف رہتی تھی' نجانے کب کیا کہہ دے' وہ خاموش ہوگئی۔ ڈرائیور نے میکڈونلڈ کے آگے گاڑی روک دی تھی۔

"آؤ تم بھی کچھ کھالو۔" دریہ نے شہوار کو آفر کی۔

"نہیں مجھے ایسی کوئی خاص بھوک نہیں' میں گھر جا کر ہی کھاؤں گی' تم نے جو بھی کھانا ہے جا کر کھالو' میں ادھر ہی انتظار کرلوں گی۔" شہوار نے سنجیدگی سے انکار کردیا۔

”تم آؤ تو سہی یار کیا ہو گیا ہے؟“ دریہ نے اصرار کیا۔
”میں نے کہا نا مجھے کہیں نہیں جانا‘ تم جاؤ اور جو کھانا ہے کھالو۔“ شہوار کا انداز دوٹوک تھا۔ دریہ نے چند پل اسے سنجیدگی سے دیکھا اور پھر وہ دروازہ کھول کر اندر چلی گئی تھی۔ ڈرائیور کے ہمراہ وہ باہر گاڑی میں ہی تھی۔
”جاؤ تم بھی کچھ کھاپی لو دریہ پتا نہیں کب آتی ہے تب تک بیٹھے رہو گے کیا۔“ چند منٹ گزرے تو بیگ سے کچھ روپے نکال کر ڈرائیور کی طرف بڑھاتے اس نے کہا۔
”نہیں بی بی صاحبہ! میں ٹھیک ہوں۔“ ڈرائیور نے کہا تو وہ ہلکا سا مسکرائی۔
”لے لو اور کچھ لے آؤ کھانے کو۔“ شہوار کے انداز میں اصرار تھا۔
”بی بی صاحبہ دروازہ لاک کر لیجیے گا میں ابھی آتا ہوں۔“ وہ کہہ کر چلا گیا‘ شہوار آنکھیں موند کر سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر بیٹھ گئی تھی۔ ابھی ڈرائیور کو گئے کچھ منٹ ہی گزرے تھے جب ایک دم ٹھاہ کی آواز گونجی تھی‘ شہوار نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولی تھیں۔ سامنے کا منظر دیکھ کر اس کی چیخ بے ساختہ تھی‘ نقاب پوش شخص تھا‘ اس نے پسٹل مار کر کھڑکی کا شیشہ توڑا اور پھر شہوار کے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ہاتھ اندر ڈال کر دروازہ ان لاک کیا تھا‘ شہوار کا مارے خوف کے رنگ ایک دم زرد پڑ گیا تھا۔
”کون...... کون ہو تم؟“ وہ شخص ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ رہا تھا‘ چابی اگنیشن میں لگی ہوئی تھی اس نے فوراً گاڑی اسٹارٹ کی تبھی میکڈونلڈ کی عمارت سے ڈرائیور بھاگ کر وہاں آیا تھا‘ شہوار چیخ رہی تھی ڈرائیور نے بھی شور مچایا تھا۔ میکڈونلڈ کی عمارت کا سیکیورٹی گارڈ بھی فوراً وہاں پہنچا تھا‘ وہ شخص گاڑی آگے بڑھا رہا تھا اس سے پہلے کہ وہ آدمی گاڑی بڑھا کر لے جاتا سیکیورٹی گارڈ نے گاڑی کے ٹائر پر فائر کر دیا تھا‘ گاڑی ایک دم رک گئی تھی۔ نقاب پوش شخص نے گارڈ اور لوگوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر فوراً پسٹل اٹھا کر عقب میں بیٹھی شہوار کی کنپٹی پر رکھ دیا تھا۔
”خبردار...... اگر کوئی میری طرف بڑھا بھی......“ ہذیانی انداز میں وہ چیخا تھا‘ ہجوم ایک دم ساکت ہو گیا تھا۔ شہوار نقاب پوش کی آواز سن کر ششدر رہ گئی تھی۔
”نکلو باہر......“ اس نے شہوار کے سر پر پسٹل کی ضرب لگائی تھی‘ شہوار کو ایک دم اپنا سر چکراتا محسوس ہوا تھا۔
”میں نہیں نکلوں گی۔“ وہ رونے والی ہوئی تھی۔
”میں تمہیں جان سے ماردوں گا۔“ وہ چیخا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر باہر کی طرف کھینچا تھا‘ تبھی حواس باختہ سے ڈرائیور نے ایک دم موبائل جیب سے نکالا تھا۔
”ہیلو صاحب...... ایمرجنسی ہو گئی‘ نہیں صاحب میرے ساتھ نہیں بی بی صاحبہ کے ساتھ...... پتا نہیں کون ہے صاحب ہم میکڈونلڈ کی عمارت کے سامنے ہیں...... نہیں صاحب...... صاحب اس آدمی نے بی بی صاحبہ پر گن تان رکھی ہے‘ آپ کے گھر کے پاس جو میکڈونلڈ ہے......“ وہ بتا رہا تھا اس دوران وہ نقاب پوش شہوار کو گاڑی سے نکال چکا تھا‘ ڈرائیور نے فوراً کال بند کی تھی۔
”یہ میرے ساتھ جائے گی اگر کسی نے میرے رستے میں آنے کی کوشش کی تو میں اس کی کھوپڑی گن سے اڑا دوں گا۔“ وہ چیخ چیخ کر لوگوں کو رستے سے ہٹنے کا کہہ رہا تھا۔ شہوار نے دیکھا ہجوم میں ڈرائیور اور بہت سارے لوگ جمع تھے لیکن دریہ نہ تھی۔
”تم بی بی صاحبہ کو نہیں لے جاسکتے......“ سیکیورٹی گارڈ کے ہاتھ سے گن لے کر ڈرائیور ایک دم ان دونوں کے سامنے آ رکا تھا۔

''تم پیچھے ہٹ جاؤ ورنہ میں تمہیں گولی ماردوں گا۔'' نقاب پوش چلایا تھا۔

''یہ ہماری بی بی صاحبہ ہیں' تم ان کو نہیں لے جاسکتا۔ ہم تم کو نہیں چھوڑے گا اگر تم نے بی بی صاحبہ کو ہاتھ بھی لگایا تو......'' ڈرائیور سینہ تان کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''تمہاری تو......'' اس نے پسٹل شہوار سے ہٹا کر ڈرائیور پر تان لیا تھا۔

''خبردار......اگر کسی نے میرے رستے میں آنے کی کوشش کی تو......'' اس نے پسٹل لہرا کر ڈرائیور کو وارن کیا تھا۔ شہوار نے نقاب پوش کی گرفت سے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی تھی' اردگرد لوگوں کا ہجوم بڑھتا جارہا تھا نقاب پوش کے ہاتھ کی گرفت شہوار کے بازو پر مزید سخت ہوگئی تھی۔

عجیب وحشی سی گرفت تھی' وہ زبردستی شہوار کو دھکیل کر پسٹل کے زور پر ایک طرف بڑھ رہا تھا' اس طرف گاڑی پر ایک اور لڑکا موجود تھا' جس نے منہ پر نقاب پہن رکھا تھا' وہ چیخ چیخ کر نقاب پوش کو جلدی سے واپس آنے کا کہہ رہا تھا۔

''تم ہماری بی بی کو چھوڑ دو ورنہ میں تم پر گولی چلادوں گا۔'' ڈرائیور چیخ رہا تھا۔

''جلدی کرو۔'' گاڑی میں موجود آدمی اس سے زیادہ چیخ رہا تھا۔

''ہری اپ......'' وہ مسلسل پکار رہا تھا' جبکہ شہوار مسلسل مزاحمت کررہی تھی۔

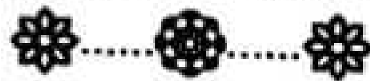
''چھوڑو مجھے......'' نقاب پوش شہوار کو دھکیل کر گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ڈرائیور نے ایک دم گولی چلادی تھی' نشانہ خطا گیا تھا جواباً نقاب پوش نے بھی فائر کیا تھا' ڈرائیور کے بازو پر گولی لگی تھی اس کے ہاتھ سے گن گرگئی تھی' ہجوم ایک دم چیختا چلاتا منتشر ہوا تھا۔

شہوار کو لگا کہ جیسے ایک دم اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے شروع ہوگئے ہیں اسے اپنا وجود خوف اور صورت حال کی سنگینی کو دیکھتے منجمد ہوتا محسوس ہورہا تھا۔ سیکیورٹی گارڈ نے اپنی گن تھام کر فائر کیے تھے لیکن سب بے سود تھا' نقاب پوش اپنی گاڑی تک پہنچ چکا تھا' ایک فائر نقاب پوش کے بھی بازو میں لگا تھا۔

اس کی شہوار پر سے گرفت کمزور ہوئی تھی وہ ایک دم اس کا ہاتھ جھٹک کر مخالف سمت بھاگی تھی' لیکن کسی چیز سے ٹھوکر لگنے سے وہ ایک دم زمین پر گری تھی۔ نقاب پوش نے فائر کیے تھے تبھی پولیس کا سائرن سنائی دیا تھا۔

''پولیس آگئی ہے۔ ......جلدی کرو......'' گاڑی میں موجود آدمی چلایا تھا۔ نقاب پوش نے ایک قہر بھری نگاہ شہوار پر اور پھر اپنے بازو سے بہتے خون پر ڈالی تھی۔

پولیس موبائل کی آواز قریب تر ہوتی جارہی تھی وہ فوراً گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ گاڑی فوراً وہاں سے نکلی تھی جب تک پولیس موبائل موقع پر پہنچی وہ گاڑی مخالف سمت میں تیزی سے نکل گئی تھی۔



صبوحی کی طبیعت اب بہتر تھی' وہ خودانا کے سہارے چل کر ولید کے کمرے میں آئی تھیں' روشی بھی بھائی کے پاس تھی' باقی لوگ گھر تھے۔ ولید بستر پر لیٹا ہوا تھا' صبوحی اسے دیکھ کر رونے لگی تھیں۔ انہوں نے بہت محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا' ولید نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

''میں بہت بہتر ہوں' ان شاء اللہ بہت جلد کور کرلوں گا آپ ٹینشن نہ لیں' بس اپنی طبیعت کا خیال رکھیں۔'' وہ مسلسل رورہی تھیں' ولید نے محبت سے ان کا ہاتھ تھام کر دلاسا دیا۔

''اتنا بڑا حادثہ ہوگیا' پتا نہیں کیسے سب نے جھیلا' شکر ہے اللہ کا اس نے اپنا کرم کیا۔'' اپنے آنسو صاف کرتے انہوں نے کہا۔

''بے شک اللہ کا ہی کرم ہے۔'' ولید بہت پرسکون تھا۔ روشی ایک طرف صوفے پر بیٹھی سیب کاٹ رہی تھی' صبوحی کو انا نے بستر کے قریب رکھی کرسی پر بٹھا دیا تھا' صبوحی ولید سے باتیں کرنے لگی تھیں۔

''تم گھر چلی جاتیں' روشی تو اب یہیں تھی تم تھک گئی ہو گی جا کر آرام کرتیں۔'' انا جو اپنے ہی دھیان میں میڈیسن دیکھی رہی تھی وہ چونکی تھی۔ ہلکا سا مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

''میں یہیں ٹھیک ہوں آپ ڈسچارج ہو جائیں تو میں بھی آرام کرلوں گی۔'' ماں کے کندھے پر محبت سے ہاتھ رکھا۔ انہوں نے محبت سے اسے دیکھا اور پھر ولید کو جو سنجیدگی سے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ انہیں ایک دم پچھلے گزرے دن یاد آئے تو دل سے ایک دم ہوک سی اٹھی تھی۔

''ان شاء اللہ آپ دونوں مکمل طور پر صحت یاب ہو جائیں گے۔'' روشی نے قریب آ کر محبت سے صبوحی کی طرف جھک کر گردن میں بازو ڈال کر کہا' انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے پیشانی چومی تھی۔

''میرا موبائل کہاں ہے؟'' ولید نے پوچھا۔

''وہ تو گاڑی میں ٹوٹا ہوا ملا تھا۔''

''اوہ......''

''احسن کہہ رہے تھے وہ آج کل میں نیا سیل لے کر اس میں سم ڈال دے دیں گے۔'' روشی بیڈ کے کنارے ٹک گئی تھی۔ کٹے ہوئے سیب کی قاشیں لے کر وہ ولید کو کھلا رہی تھی' جبھی اس کا موبائل بجا۔

''احسن کی کال ہے میں سن کر آتی ہوں۔'' احسن اور وقار صاحب آج آفس گئے تھے۔ کئی دنوں کے کئی کام رکے ہوئے جو تھے۔

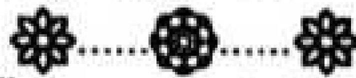
''انا تم ذرا بھائی کو یہ سب کھلا دو پھر میڈیسن بھی دینی ہے۔'' جاتے جاتے روشی نے کہا۔ انا نے میڈیسن کو ترتیب سے رکھتے چونک کر اسے اور پھر ولید کو دیکھا' ولید کے چہرے پر ایک دم سنجیدگی پھیلی تھی۔

''اٹس او کے' میں خود لے لوں گا۔'' سائیڈ پر ہی پلیٹ رکھی ہوئی تھی' ولید نے سنجیدگی سے انکار کر دیا تھا۔ بازو میں چوٹ لگی تھی' جس کی وجہ سے کھانے پینے کا کام دوسرے سے ہی سر انجام دیا جا رہا تھا۔ ولید کے انکار پر صبوحی نے اسے پھر انا کو دیکھا' انا نے ولید کے انکار پر لب بھینچ لیے تھے۔

''آپ یہاں بیٹھیں گی یا چلیں گی؟'' انا نے کہا تو صبوحی نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ابھی رکوں گی' لیٹے لیٹے کمر دکھنے لگی ہے' کچھ دیر یہاں ولید کے پاس بیٹھ کر باتیں کروں گی۔'' انہوں نے کہا تو انا نے سر ہلا دیا۔

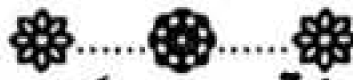
''میں نماز پڑھ لوں پھر کچھ دیر میں آتی ہوں۔'' عصر کا وقت تھا۔ صبوحی نے سر ہلا دیا۔ انا دروازے کی طرف بڑھی' ولید نے اسے باہر جاتے دیکھا اور صبوحی نے ولید کو...... جس کے چہرے پر اتنی سنجیدگی تھی کہ کسی بھی قسم کا کوئی تاثر نہ تھا۔



''آر یو او کے......'' دریہ نے ایک دم عقب سے شہوار کو تھاما تو بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھولتے دریہ کو دیکھا تھا۔ اس کے پیٹ میں شدید درد اٹھا تھا۔ دریہ نجانے کہاں تھی؟ اتنی دیر میں وہ ایک بار بھی دکھائی نہ دی تھی اور ان لوگوں کے جاتے ہی وہ نجانے کہاں سے آ نکلی تھی؟

شہوار کو اپنے وجود میں اٹھتا درد نا قابل برداشت ہوتا محسوس ہو رہا تھا' اس نے لب بھینچ لیے تھے۔ پولیس موبائل کے آدمی فوراً موقع پر پہنچے تھے' انہوں نے زخمی ڈرائیور کو فوراً سنبھالا۔ ان کی گاڑی کا ٹائر خراب ہو گیا تھا' دریہ نے شہوار کو

بازوؤں میں سمیٹنا چاہا تھا لیکن وہ سر تھامے بیٹھ گئی تھی۔
منہ کے بل گرنے سے اس کے ہونٹ پر چوٹ لگی تھی جس سے تیزی سے خون بہہ رہا تھا۔ موبائل کے آدمی اردگرد موجود لوگوں سے صورت حال کے بارے میں دریافت کر رہے تھے۔ کچھ دیر میں وہاں ایک اور گاڑی آ کر رکی تھی جس میں امجد خان تھا' وہ فوراً شہوار کی طرف آیا تھا۔
''آپ خیریت سے ہیں نا؟'' اس نے پوچھا شہوار نے نفی میں سر ہلایا۔ پیٹ میں اٹھتا درد تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔
''آپ ان کو گاڑی میں بیٹھائیں' جلدی کریں......'' امجد خان شاید صورت حال کی سنگینی کا اندازہ لگا چکا تھا' دریہ کی مدد سے شہوار کو گاڑی میں بٹھایا گیا تھا۔
ان کی گاڑی میں سے بیگ اور دیگر ضروری اشیا لے کر کانسٹیبل کو گاڑی گارڈ کے حوالے کرنے کا کہہ کر ڈرائیور کو بھی گاڑی میں سوار کروا کر وہ لوگ فوراً وہاں سے روانہ ہو گئے تھے۔



لالہ رخ کی ماں بیمار تھی' وہ چھٹیوں پر گھر گئی ہوئی تھی' وہ چھٹیاں گزار کر لوٹی تو بہت پریشان تھی۔ اس کی تعلیمی کارکردگی بھی متاثر ہو گئی تھی دو ماہ بعد ایگزامز شروع ہونے تھے۔ سکندر نے سب کو اسائنمنٹ دیا تھا' ہمیشہ ہر اسائنمنٹ میں بہت اچھے نمبر لینے والی لالہ رخ اس بار اسائنمنٹ ہی جمع نہ کروا سکی تھی۔ کچھ دن بعد پریزنٹیشن ہوئی تو اس میں بھی اس کی کارکردگی نہ ہونے کے برابر تھی۔
کلاس میں بھی وہ گم صم سی رہنے لگی تھی' وہ زیادہ تر تنہا ہی دکھائی دیتی تھی۔ اس دن بھی سکندر اپنے اسی کولیگ کے ہمراہ اس کی گاڑی میں کہیں جانے کو نکلا تھا' کالج کا آف ٹائم تھا۔ زیادہ تر اسٹوڈنٹس جا چکے تھے اب اکا دکا ہی کالج سے گرلز نکل رہی تھیں' افشاں کا آج آف تھا ورنہ دونوں اکٹھے ہی کالج آتے جاتے تھے۔ اس کے کولیگ نے تیزی سے گیٹ سے گاڑی نکال کر ریورس کی تھی جب ایک دم عقب سے کالج کے گیٹ سے نکل کر باہر آتی لالہ رخ گاڑی کی زد میں آ گئی تھی' یہ بالکل اچانک ہی ہوا تھا گاڑی کو فوراً بریک لگائی گئی تھی لیکن تب تک لالہ رخ نہ صرف گاڑی سے اچھی خاصی ہٹ ہو چکی تھی بلکہ گاڑی لگتے ہی وہ سڑک پر منہ کے بل گری تھی' اس کا بیگ اور بکس ایک دم اردگرد بکھر گئے تھے۔
سکندر اور اس کا کولیگ فوراً گاڑی سے نکلے تھے' تب تک لالہ رخ بے ہوش ہو چکی تھی اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا اور اس کا چہرہ اس خون سے رنگین ہوتا جا رہا تھا۔
''مائی گاڈ...... یہ تو اچھی خاصی زخمی ہو گئی ہے۔'' وہ دونوں لالہ رخ کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھے تھے' سکندر نے لالہ رخ کو دیکھتے ہی کہا تھا۔ کالج کے اردگرد ایک دم ہجوم سا بڑھنے لگا تھا۔ اندر کسی نے فی میل ٹیچرز کو بھی اطلاع کر دی تھی۔ ایک ٹیچر فوراً وہاں پہنچی تھیں۔
''اس کو فوراً کسی ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہوگا۔'' لالہ رخ کی کلائی تھام کر چیک کرتے اس ساتھی ٹیچر نے کہا تھا۔
''تم گاڑی چلاؤ' ہم اس کو گاڑی میں ڈالتے ہیں۔'' ٹیچر نے ساتھی کولیگ کو کہا تھا۔ باقی دونوں نے مل کر بے ہوش لالہ رخ کو گاڑی میں ڈالا تھا۔
نزدیک ہی کلینک مل گیا تھا' ڈاکٹر بھی موجود تھے اسے فوراً ٹریٹمنٹ دیا گیا تھا۔ خوش قسمتی سے لالہ رخ کو زیادہ چوٹیں نہیں آئی تھیں۔ دو تین گھنٹوں بعد اسے ہوش آ گیا تھا۔ ساتھی ٹیچر جا چکی تھی' سکندر اور اس کا کولیگ موجود تھے۔ لالہ رخ کے پاؤں پر گہری چوٹ لگی تھی اس کے علاوہ سر پر بھی چوٹ لگی تھی باقی ہلکی پھلکی خراشیں تھیں۔ لالہ رخ پریشان ہو رہی تھی سکندر اور اس کا کولیگ اس سے بار بار معذرت کر رہے تھے۔

''اگر آپ کہیں تو ہم آپ کی فیملی کو اطلاع کر دیتے ہیں۔'' سکندر نے لالہ رخ کے غم زدہ چہرے کو دیکھتے کہا تو وہ چونکی پھر اس نے فوراً نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''نہیں...... مجھے بس ہاسٹل پہنچا دیں میں وویمن ہاسٹل میں رہتی ہوں۔'' اس نے کہا تھا۔ دونوں نے ہامی بھری تھی اس کے پاؤں کا ایکسرے لیا گیا تھا۔ رپورٹ میں پاؤں میں کسی بھی قسم کا کوئی مسئلہ نہیں تھا بس پاؤں کی جلد پھٹی تھی ڈاکٹر نے میڈیسن لکھ دی تھیں۔

میڈیسن لے کر وہ دونوں نرس کے سہارے چلتی لالہ رخ کو گاڑی میں سوار کر کے اس کے ہاسٹل میں لے آئے تھے۔ وارڈن اچھے مزاج کی تھیں وہ لالہ رخ کو اس کے کمرے میں لے آئی تھی۔ اگلے دن لالہ رخ کو بخار آ گیا تھا وہ مزید تین چار دن تک کالج نہ آ سکی تھی۔

سکندر کا کولیگ کسی ذاتی کام کے سلسلے میں چند دن کی چھٹی پر کہیں گیا ہوا تھا۔ سکندر کا دوبارہ لالہ رخ کے ہاسٹل جانا نہیں ہو سکا تھا۔ چند دن مزید گزرے تو لالہ رخ تب بھی کالج نہ آ سکی تو سکندر کو تشویش لاحق ہوئی تھی اس نے افشاں سے بات کی تھی وہ اس کے ساتھ ہاسٹل جانے پر آمادہ ہو گئی تھی۔ وہ دونوں ہاسٹل پہنچے تو وارڈن خوش اخلاقی سے ملی تھی۔ اس نے لالہ رخ کو بلوا لیا تھا لالہ رخ لڑکھڑا کر چلتی ان کے سامنے آئی تھی۔ وہ سکندر کو سامنے دیکھ کر ایک دم کھل سی گئی تھی افشاں اسی کالج میں ٹیچر تھی لالہ رخ دونوں سے بڑے باادب انداز میں ملی تھی۔ وہ دونوں کچھ دیر تک وہاں بیٹھے رہے تھے اور پھر وہاں سے واپس آ گئے تھے۔ واپسی کے راستے میں افشاں کچھ خاموش سی تھی۔

''کیا بات ہے پریشان ہو؟'' گھر آنے پر بھی افشاں کا وہی انداز رہا تو سکندر نے پوچھا تھا۔

''یہ لالہ رخ کیسی لڑکی ہے؟'' افشاں نے پُرسوچ انداز میں کہا تو سکندر چونکا۔

''بہت اچھی اور ذہین اسٹوڈنٹ ہے۔'' سکندر نے کہا تو افشاں نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''ہاں ذہین تو وہ واقعی بہت ہے۔'' اس کے انداز میں نجانے کیا بات تھی کہ سکندر اسے الجھن بھری نگاہوں سے جاتے دیکھتا رہا تھا۔

کچھ دن مزید گزرے تو لالہ رخ نے کالج آنا شروع کر دیا تھا وہ اب گم صم نہیں رہتی تھی۔ وہ پہلے کی طرح پھر سے سرگرمیوں میں حصہ لینے لگی تھی تاہم اس کا محتاط انداز اب بھی پہلے جیسا ہی تھا۔

اس دن سکندر اور افشاں گھر لوٹے تو سامنے صبوحی اور وقار آئے ہوئے تھے۔ وہ دونوں اپنے ساتھ مٹھائی لائے تھے خالہ بی نے بتایا کہ وہ اپنے بھائی ضیاء احمد کا پروپوزل افشاں کے لیے لائی تھی۔ افشاں بہت سنجیدہ تھی سکندر کو اس رشتے کے بارے میں جان کر خوشی ہوئی تھی ذاتی طور پر وہ ضیاء سے بہت متاثر تھا لیکن سکندر کی خوشی اس وقت شدید حیرت میں بدل گئی جب ان لوگوں کے جانے کے بعد خالہ بی کے کہنے پر افشاں نے صاف انکار کر دیا تھا۔

''لیکن بیٹا اس طرح زندگی بھی تو نہیں گزرنے والی یہ ایک اچھا رشتہ ہے بار بار قسمت دستک نہیں دیا کرتی۔''

''مجھے ضیاء سے شادی نہیں کرنی اور یہ بات ضیاء کے ساتھ ساتھ صبوحی بھی جانتی ہے لیکن اس کے باوجود ہر بار چلی آتی ہے۔'' افشاں کا انداز دوٹوک تھا۔

''لیکن بیٹا کوئی وجہ بھی تو ہو وہ باہر جانے کی کوشش کر رہا ہے ماں باپ کا گھر بھی بیچ دیا ہے۔ باہر چلا جائے گا چار پیسے کمانے لگے گا۔ تمہاری تو قسمت کھل جائے گی یہ خود سارا سارا دن سر کھپانے کی مشقت سے تو جان چھوٹے گی تمہاری۔'' خالہ بی نے سمجھانا چاہا تھا افشاں نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

''میں کہہ چکی ہوں نا کہ مجھے یہ رشتہ قبول نہیں تو آپ فورس مت کریں رہ گئی ضیاء کی بات میں صبوحی سے بات کرلوں

سسپنس تجسس اور سے لبریز ایک ناقابل فراموش کہانی

امجد جاوید کے قلم کا شاہکار ناول

عورت زاد

عورت زاد — اس حسینہ کی کہانی جسے اِس ظالم معاشرے نے جنم دیا

عورت زاد — اس عورت کا احوال جس نے ظالم معاشرے میں علم بغاوت بلند کیا

عورت زاد — آہنی ارادوں والی ریشم بدن کی روداد جس نے وقت کی لگام کو تھام لیا

عورت زاد — حالات کی بنائی ہوئی سنگلاخ راہوں پر چلنے والی ایک نازک اندام

عورت زاد — آگ وخون سے گذر کر منزل کی طرف گامزن رہنے والی برق صفت دلربا

عورت زاد — ایک صنف نازک کی سرگذشت، جو باغی دلوں پر حکومت کرنا جانتی تھی۔

بہت جلد نئے افق کے صفحات پر ملاحظہ کیجئے

نئے افق کے سالانہ خریدار بن کر اپنی کاپی آج ہی محفوظ کرا لیں

گی آپ ٹینشن نہ لیں۔" افشاں کہہ کر چلی گئی' خالہ بی نے پریشانی سے دیکھا تھا۔
"تم ہی بیٹا اسے سمجھاؤ' اتنی عمر ہوگئی ہے۔ اس کی عمر کی لڑکیاں دو دو بچوں کی مائیں ہیں۔ پھوپی زندہ ہوتی تو اور بات تھی' آگے پیچھے کوئی ہے نہیں جو اس بارے میں سوچے میں اگر سوچ رہی ہوں تو یہ میری سن کب رہی ہے۔"
"میں سمجھاؤں گا آپ پریشان نہ ہوں۔" سکندر نے ہامی بھرلی تھی اور اسی رات سکندر نے پھر موقع ملتے ہی افشاں سے اس سلسلے میں بات کرنا چاہی تو اس نے ٹوک دیا تھا۔
"تم مجھ سے ہر موضوع پر بات کر سکتے ہو سوائے اس کے' یہ میری زندگی ہے اس میں، میں کسی کو بھی مداخلت کی اجازت نہیں دوں گی' چاہے وہ کوئی بھی ہو۔" انداز قطعی اور فیصلہ کن تھا۔
سکندر خاموش ہوگیا تھا اس نے پھر افشاں سے اس ٹاپک پر بات نہیں کی تھی' کالج میں فائنل ائر والوں کی فیئر ویل تھی۔ سکندر نے پہلی بار لالہ رخ کو قدرے ایک مختلف روپ میں دیکھا تھا۔ سفید فراک میں ملبوس پاؤں میں کھسہ پہنے ہلکی پھلکی آرائش کے ہمراہ وہ واقعی کسی اور دیس کی شہزادی لگ رہی تھی اور پھر اس ساری تقریب میں سکندر کی نگاہوں کے حصار میں لالہ رخ کا وجود رہا تھا۔ اس کا انداز اب بھی محتاط اور سب سے الگ تھلگ تھا۔
نجانے کیوں سکندر کو احساس ہوا کہ لالہ رخ بھی اس کی شخصیت سے متاثر ہے' اس احساس کے ساتھ ہی دل میں عجیب سی خوشی نے ڈیرہ جمایا تھا۔ سارا وقت بہت خوش گوار انداز میں گزرا تھا۔ افشاں ساری تقریب کے انتظامات دیکھ رہی تھی' وہ آج خاصی مصروف تھی۔ فنکشن کے بعد ریفریشمنٹ کا بھی انتظام تھا ٹیچرز کے لیے علیحدہ انتظام تھا' ہال سے نکل کر اس کمرے کی طرف جاتے لالہ رخ ایک دم اس کے رستے میں آرکی تھی۔
"ایکسکیوزمی سر!" سکندر رک گیا تھا۔
"آٹو گراف پلیز سر......!" لالہ رخ نے ہاتھ میں تھامی ہوئی ایک چھوٹی سی گولڈن کور والی آٹو گراف نوٹ بک اس کے سامنے کی تھی۔ دوپٹہ سلیقے سے اوڑھ رکھا تھا سکندر نے ایک نگاہ اس کے سراپا پر ڈالی اور پھر اس کے ہاتھ میں تھامی اس چھوٹی سی ڈائری کو دیکھا۔
سکندر نے نوٹ بک لی' اس نے چند لائنز ایک انگلش پوئٹری کی لکھی تھیں تبھی کسی اسٹوڈنٹ کے ساتھ بات کرتے ان کی طرف آتی افشاں اپنی جگہ رک گئی تھی۔ سکندر نے لالہ رخ کو ڈائری واپس کرتے کچھ کہا تھا جس سے لالہ رخ کے چہرے پر بہت خوب صورت سی مسکان سمٹ آئی تھی۔ دونوں میں کچھ بات ہوئی تھی اور پھر سکندر نے نوٹ بک لے کر کچھ لکھا تھا۔ دونوں کے درمیان کچھ جملوں کا تبادلہ ہوا تھا اور پھر لالہ رخ ایک طرف کو چل دی تھی' سکندر نے چند پل اپنی جگہ کھڑے ہو کر اسے جاتے دیکھا تھا اور پھر پلٹا تھا' افشاں کو لگا کہ جیسے اس کا سکتہ ٹوٹ گیا ہو سکندر اس کی طرف آیا تھا۔
"آج کا فنکشن بہت ہی اچھا رہا' تمہاری محنت اور کارکردگی سب کو صاف دکھائی دے رہی تھی۔" قریب آ کر مسکرا کر سکندر نے افشاں کو سراہا تو بھی وہ سنجیدہ رہی تھی۔
"یہ لالہ رخ کیا کہہ رہی تھی۔" جواباً افشاں نے پوچھا تھا۔
"کچھ نہیں آٹو گراف لے رہی تھی۔"
"مجھ سے تو نہیں لیا اس نے؟" افشاں نے سنجیدگی سے کہا تو سکندر مسکرایا۔
"یہ تو تم اسی سے پوچھنا۔" افشاں خاموش ہوگئی تھی ایک اور ساتھی ٹیچر ان کے پاس آ کر رکیں تو ان کا موضوع گفتگو بدل گیا تھا۔ اس دن واپسی کے سفر میں اور گھر آ کر بھی کئی بار سکندر نے محسوس کیا کہ افشاں بہت خاموش خاموش ہے۔
صبوحی ایک دو بار پھر آئی تھیں لیکن افشاں کا انکار اقرار میں نہ بدلا۔ اس دن سکندر کسی کام کے سلسلے میں گھر لوٹا تو ضیاء

آیا ہوا تھا' وہ افشاں سے کوئی بات کر رہا تھا۔ سکندر کے آنے پر وہ خاموش ہوگیا تھا۔ سکندر نے محسوس کیا کہ جیسے ضیاء افشاں کو پسند کرتا ہے لیکن افشاں اس کے رشتے سے انکاری تھی۔ سکندر سے بھی ضیاء نارمل انداز میں ملا تھا۔ سکندر نے اس کے آئندہ کے پلانز کے بارے میں پوچھا تو وہ بتانے لگا۔

''اماں ابا کا گھر بیچ دیا ہے' آج کل کسی دوست کے ساتھ اس کا فلیٹ شیئر کر رہا ہوں' ایک ایجنٹ کو کچھ رقم دے دی ہے امریکہ کے ویزے کے لیے' ہوسکتا ہے ایک دو ماہ میں ویزے کا کام بن جائے اور پھر میں پاکستان چھوڑ دوں۔'' سکندر نے محسوس کیا کہ وہ کافی دل برداشتہ سا ہو رہا ہے' شاید افشاں کے انکار کی وجہ سے ایسا تھا۔

''امریکہ میں میری کچھ پراپرٹی ہے' اگر تمہارے پاس کسی جاب کا بندوبست نہ ہوسکا تو تم وہاں میرے فلیٹ میں رہ لینا۔ میری دکانیں اور فلیٹ وہاں کے مقامی ایک شخص کے پاس رینٹ پر ہیں' تم میری اس سے بات کروا دینا وہاں ایک دکان تم رکھ لینا پھر جب میں لوٹوں گا تو دیکھوں گا کہ کیا کرنا ہے۔'' سکندر نے خصوصی دل سے اسے آفر کی تھی اور شاید ضیاء کو بھی یہ آفر پسند آئی تھی اس نے وہاں موجود شخص کا ایڈریس اور رابطہ نمبر لے لیا تھا۔

کالج میں فائنل ائر کے ایگزامز چل رہے تھے ایک دو بار لالہ رخ سے بھی سامنا ہوا تھا' وہ ہر بار کافی کمزور اور پریشان دکھائی دی تھی۔ اس دن اس کا لاسٹ پیپر تھا' وہ سکندر کے آفس آئی تھی یہ آفس اکنامکس والوں کا تھا دو تین اور ٹیچرز بھی وہاں موجود تھیں۔ پریشان سی لالہ رخ اس کی طرف آئی تھی' اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں' ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہ پیپر دے کر نکلی تھی۔

''سر! مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔'' لالہ رخ نے اس کی ٹیبل کے پاس آ کر کہا تو سکندر نے چونک کر دیکھا تھا۔ سرخ متورم آنکھیں شاید گزشتہ رات وہ جاگتی رہی تھی یا پھر ساری رات روتی تھی۔

''ہاں کہیے۔'' سکندر نے کہا تو اس نے اطراف میں دیکھا تھا۔ وہاں اور ٹیچرز بھی موجود تھے' اکنامکس کے سب ٹیچرز مرد حضرات تھے۔

''یہاں نہیں سر پلیز باہر آسکتے ہیں؟'' اس کے انداز میں لجاجت تھی' سکندر نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ وہ انگلیاں چٹخاتی بہت پریشان لگ رہی تھی' سکندر کھڑا ہوگیا تھا۔ روم سے باہر آ کر وہ کھڑا ہوا تھا۔

''سر! میں بہت مشکل میں ہوں' مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ میں کس سے اپنا مسئلہ شیئر کروں۔'' بات کرتے کرتے اس کی آنکھوں میں ایک دم نمی سی سمٹ آئی تھی۔

''سر مجھے کسی کی مدد کی اشد ضرورت ہے۔'' رندھی ہوئی آواز میں اس نے کہنا شروع کیا تھا تبھی اسٹاف روم سے نکلتی افشاں کی نگاہ دونوں پر پڑی تھی۔ افشاں فوراً ان کی طرف آئی تھی' ایک تیز نگاہ لالہ رخ پر ڈال کر اس نے سکندر کو دیکھا تھا۔

''صبوحی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے لیکن اس کی طبیعت بہت خراب ہے اسے ہسپتال ایڈمٹ کروا دیا گیا ہے ابھی ضیاء کی کالج کے فون پر کال آئی تھی' ہم دونوں کو ابھی وہاں چلنا ہے' پرنسل صاحب سے میں بات کر چکی ہوں۔''

''اوہ...... '' سکندر بھی ایک دم پریشان ہوا تھا۔ ''کیا زیادہ سیریس کنڈیشن ہے اس کی؟''

''شاید' یہ تو وہاں جا کر ہی پتا چلے گا۔'' افشاں نے کہا تو سکندر نے لالہ رخ کو دیکھا' وہ سر جھکائے اپنی آنکھیں صاف کر رہی تھی۔

''جلدی کرو' میں اپنا بیگ لے لوں پھر نکلتے ہیں۔'' وہ کہہ کر واپس تیزی سے اسٹاف روم کی طرف چلی گئی تھی۔

''آپ کیا کہہ رہی تھیں؟'' سکندر کو اس کے آنسوؤں سے ایک دم شدید اذیت محسوس ہوئی تھی۔

''میری بات طویل ہے لیکن آپ کو تو جانا ہوگا۔'' لالہ رخ کے لہجے میں ایک دم مایوسی سمٹ آئی تھی۔

"آپ کہیں جب تک افشاں نہیں آ جاتی۔"

"مس افشاں آپ کی کیا لگتی ہیں؟" لالہ نے خلاف توقع بات کی تھی' سکندر نے حیران ہو کر دیکھا۔

"یہ میری کزن ہیں۔" سکندر نے بتایا تو اسے لگا کہ جیسے لالہ رخ کے چہرے پر ایک دم کچھ اطمینان پھیلا ہو۔

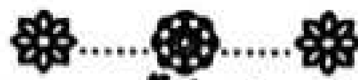
"لیکن آپ کہیں جو کہنا ہے۔" اسٹاف روم کی طرف دیکھتے سکندر نے کہا تو لالہ رخ نے پھر سر جھکا لیا تھا۔

"سر! میں آپ کو پسند کرتی ہوں اور شادی کرنا چاہتی ہوں۔" ایک بہت ہی غیر متوقع اور حیران کن جملہ تھا۔

"کیا......؟" سکندر اپنی جگہ ششدر سا رہ گیا تھا۔

"باقی تفصیل سننے کے لیے شاید آپ کے پاس وقت نہ ہو لیکن اگر میرے سوال کو سوچنا چاہیں اور اس کے پیچھے کسی وجہ کو تلاش کرنا چاہیں تو آج رات تک میرے ہاسٹل آ جایئے گا' کل شاید پھر میں اس شہر میں نہ رہوں۔" افشاں اسٹاف روم کے دروازے سے نکل کر پھر اسی طرف آ رہی تھی۔

لالہ رخ نے افشاں کو دیکھتے بات مکمل کی تھی اور پھر خاموشی سے حیران و پریشان کھڑے سکندر سبحان احمد کو چھوڑ کر چلی گئی تھی۔



مصطفیٰ ایک میٹنگ میں تھا جب اسے ڈرائیور کی کال آئی تھی اس نے فوراً نزدیک ترین پولیس اسٹیشن سے رابطہ کیا تھا اور پھر امجد خان کو جہاں بھی تھا فوراً موقع پر پہنچنے کا کہا تھا' وہ خود اتنی جلدی وہاں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ امجد خان اس سے پل پل رابطہ رکھے ہوئے تھا' وہ کچھ دیر بعد وہاں پہنچ گیا تھا اور اس سے پہلے موبائل پولیس وہاں پہنچی تھی' وہ نقاب پوش اور اس کا ساتھی بھاگ گئے تھے۔ ڈرائیور زخمی تھا اور شہوار کی طبیعت خاصی خراب تھی۔ مصطفیٰ نے امجد خان کو دونوں کو فوراً ہسپتال لے جانے کی ہدایت کی اور خود افسران سے معذرت کرتا فوراً وہاں سے نکلا آیا تھا۔

وہ اچھی طرح اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ ساری کارروائی کس کی ہو سکتی ہے۔ مصطفیٰ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر شہوار تک پہنچ جائے۔ گھر والوں میں سے اس نے شاہ زیب اور عباس بھائی سے رابطہ کیا تھا' ماں جی پریشان نہ ہوں اس نے گھر کال نہیں کی تھی مصطفیٰ کچھ دیر میں ہسپتال پہنچ گیا تھا۔ گرنے کے سبب شہوار کی طبیعت خراب ہوئی تھی چند ماہ کی پریگننسی تھی' پولیس ساتھ تھی ڈاکٹر نے فوراً ٹریٹمنٹ دیا تھا' اللہ کا شکر تھا کہ اس کی طبیعت زیادہ خراب نہیں ہوئی تھی۔ جب تک مصطفیٰ شہوار کے پاس پہنچا تب تک شہوار غنودگی میں تھی۔ شاہ زیب اور عباس دونوں وہاں موجود تھے۔ ڈرائیور کو بھی ٹریٹمنٹ دیا جا چکا تھا' اس کا اچھا خاصا خون بہہ گیا تھا' وہ بے ہوش تھا۔ مصطفیٰ کے اندر شدید ملال اترنے لگا۔

فجر کے وقت اسے ایمرجنسی کال آ گئی تھی' وہ اٹھا تھا تب شہوار بے آرام سی صوفے پر لیٹی ہوئی تھی' اس نے لائٹ آن نہیں کی تھی بس احتیاط سے بغیر آواز پیدا کیے لباس بدل کر وہ ضروری اشیاء لے کر فوراً ماں جی کو بتا کر گھر سے نکل آ گیا تھا۔ ماں جی روزانہ تہجد کے وقت اٹھتی تھیں۔ رات شہوار خفا ہو کر کمرے سے گئی تھی' اتنے دنوں کی سخت تھکن ذہنی ٹینشن اور بے آرامی وہ بستر پر لیٹتے ہی غافل ہو گیا تھا۔ ورنہ جی تو چاہ رہا تھا کہ باہر جا کر شہوار کو ساتھ لے کر کمرے میں آئے لیکن پھر صبح تفصیلاً بات کر لینے کا سوچ کر ٹال گیا تھا' اندازہ ہی نہ تھا کہ وہ دوبارہ اس حالت میں ملے گی۔ شہوار کو ڈرپ لگی ہوئی تھی' نرس پاس تھی مصطفیٰ شہوار کے پاس آیا اور محبت سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا۔

"شہوار......" اس نے پکارا تو شہوار نے ہلکی سی آنکھیں کھولی تھیں۔

"تم ٹھیک ہو؟" اس کے قریب جھک کر پوچھا تو اس کی آنکھوں میں ایک دم آنسو سمٹ آئے تھے۔ مصطفیٰ نے نرس کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

شاہ زیب اور عباس تو پہلے ہی جا چکے تھے' مصطفیٰ اس کے پاس بستر کے کنارے بیٹھ گیا اور شہوار اس بات کی پروا کیے بغیر کہ اسے ڈرپ لگی ہوئی ہے اس کے ساتھ لگ کر ایک دم سسک اٹھی تھی اس کے لیے وہ سب ایک بھیانک خواب کی طرح تھا ایک بہت ہی ڈراؤنا اور خوف ناک خواب...... جس کی شدت اور خوف اتنا ہولناک تھا کہ وہ ابھی بھی اسے یاد کر کے سسک اٹھی تھی' خدانخواستہ کچھ ہو جاتا۔ جس طرح وہ اس شخص کی گن کی زد پر تھی کچھ بھی ممکن تھا اور سب سے بڑھ کر جب اس نے اسے دھکا دیا تھا اور وہ منہ کے بل گری تھی۔ وہ تو زمین پر ہاتھ اور گھٹنے لگا کر اس نے خود کو لاشعوری طور پر ایک بہت بڑے نقصان سے بچانے کی کوشش کرنا چاہی تھی۔

''وہ کون تھا؟'' مصطفیٰ کے بازو اس کے گرد ایک مضبوط حصار کی مانند بندھ گئے تھے۔ بہت زیادہ رونے کے بعد وہ کچھ سنبھلی تو مصطفیٰ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے پوچھا۔

''ایاز......'' یہ نام سنتے ہی مصطفیٰ کے جبڑے بھینچ گئے تھے۔

''میں اس شخص کی آواز کبھی نہیں بھول سکتی' وہ ایاز ہی تھا۔ اس نے مجھے لے جانے کی کوشش کی تھی لیکن ڈرائیور اور گارڈ کی وجہ سے میں پھر بچ گئی۔'' مصطفیٰ نے اس کے بازو کی طرف دیکھا وہاں ڈرپ لگی ہوئی تھی لیکن کلائی پر گہرے نیل تھے' مصطفیٰ نے دوسرا ہاتھ اس کے بازو پر رکھا تھا۔

''یہ نیل کیسے پڑے؟'' شہوار کو دیکھا تھا' شہوار جواب دینے کی بجائے مصطفیٰ کے سینے میں سر چھپا کر ایک بار پھر سسک اٹھی تھی۔

''میں قانون کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہتا وہ اگر اب تک زندہ گھوم رہا ہے تو بس بابا جان کی وجہ سے ورنہ وہ کب کا کسی نہ کسی کیس میں پھنس کر زندگی سے ہاتھ دھو چکا ہوتا۔'' شہوار کچھ دیر تک اسی طرح روتی رہی تھی۔ پھر مصطفیٰ نے خود سے الگ کر کے بستر پر لٹا کر بہت محبت سے اس کی پیشانی چومی تھی۔

''کیسا فیل کر رہی ہو؟'' مصطفیٰ نے پوچھا تو اپنے آنسو صاف کرتے سر ہلا دیا تھا۔ وہ تکیے سے سر ٹکا کر لیٹ گئی تھی۔

''دریہ کہاں ہے؟'' شہوار نے پوچھا تھا۔

''وہ گھر جا چکی ہے' ماما نے ہسپتال آتے ہی اسے گھر بھیج دیا تھا۔''

''دریہ تمہارے ساتھ کیا کر رہی تھی اور تم لوگ میکڈونلڈ کیا لینے گئے تھے۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''دریہ زاہد بھائی کے ہاں تھی' ڈرائیور اسے لینے کے بعد مجھے لینے آیا تھا' راستے میں میکڈونلڈ دیکھ کر دریہ نے وہاں سے کھانے کے لیے کچھ لینا چاہا تھا۔''

''میں منع کر چکا تھا نا کہ راستے میں کہیں بھی نہیں رکنا' کالج سے سیدھا گھر آنا ہے۔'' مصطفیٰ نے ناراضی سے کہا۔

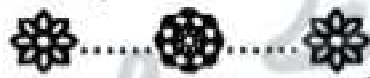
''دریہ کو منع کیا تھا میں نے لیکن وہ بضد تھی کہ اسے سخت بھوک لگی ہے۔ وہ اکیلی اندر گئی میں...... میں تو گاڑی میں ہی تھی جب یہ شخص آیا تھا۔ اس نے گاڑی کا شیشہ توڑا تھا اور پھر گاڑی چلانے کی کوشش کی تھی میکڈونلڈ کے سیکیورٹی گارڈ نے ڈرائیور کے شور مچانے پر فائر کر کے گاڑی پنکچر کر دی تھی' جس پر ایاز پسٹل نکال کر مجھے زبردستی گاڑی سے نکال لایا تھا۔'' اس نے دھیمے سے ساری کارروائی بتائی تھی مصطفیٰ نے ایک دم لب بھینچ لیے تھے۔

''یہ بندہ نہیں جینے والا' یہ آخری بار تھا اب نہیں بچے گا یہ......'' مصطفیٰ کا مارے طیش کے ایک دم برا حال ہوا تھا۔ وہ اٹھ کر باہر آیا تو شاہ زیب صاحب فوراً پاس آئے تھے۔

''کچھ پتا چلا کون لوگ تھے؟''

''ایاز تھا...... شہوار نے اس کی آواز پہچان لی ہے' ویسے بھی ایاز کے سوا اور کوئی بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔'' شاہ زیب

صاحب نے دیکھا' مصطفیٰ کا چہرہ مارے غصے کے تمتما رہا تھا۔
''آپ نے ہر بار مجھے روکا' قانون کے دائرے میں رہنے پر مجبور کیا ورنہ اس جیسے شخص کو سزا دینا کون سا مشکل تھا لیکن یہ میری برداشت سے باہر ہو چکا ہے اب' ڈرائیور کو کچھ ہو جاتا یا شہوار کو ہی تو بتایئے کون اس نقصان کو پورا کرتا؟ ویسے بھی میں مجرم کو صرف ایک حد تک ڈھیل دیتا ہوں یہ انسان بہت ڈھیل لے چکا ہے اب نہیں دوں گا۔''
''دھیرج سے بیٹا!'' شاہ زیب صاحب نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پرسکون کرنا چاہا۔
''ہر چیز کی ایک لمٹ ہوتی ہے بابا! اس نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا' اس نے کئی بار شہوار کو مختلف مقامات پر اغوا کرنے کی کوشش کی۔ کئی بار وہ ہمارے لیے ناقابل برداشت بنا اور ہر بار آپ اس کی ڈھال بن گئے' اس کا باپ روپے پیسے کا استعمال کرتا ہے اور ضمانت کروالیتا ہے اور ہم کیا اتنے ہی بے بس ہیں جو یہ سب ہوتے دیکھ رہے ہیں۔'' مصطفیٰ کا ضبط جواب دے گیا تھا' عباس بھی قریب آ گیا تھا۔
''لیکن ہر چیز قانون وقاعدے کے تحت ہی ہونی چاہیے' میں نہیں چاہتا کہ تمہاری نیک نامی کسی ایسے مجرم کے سبب بدنامی میں بدل جائے' تمہاری اور شہوار کی جان سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔ وہ کئی بار پبلک کے سامنے ہماری بچی پر ہاتھ ڈال چکا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم چپ چاپ سب سہہ رہے ہیں بیٹا! میں چاہتا ہوں اسے سزا ملے لیکن قانون کے تحت۔'' وہ اب بھی پرسکون تھے۔
''کیا فائدہ ایسے قانون کا جب ہر بار وہ باآسانی ہماری تحویل سے نکل کر دندناتا پھرتا ہے۔'' عباس نے بھی تلخی سے کہا۔
''ہم قانون کے محافظ ہیں' ہمیں ایسی بات زیب نہیں دیتی۔'' شاہ زیب صاحب نے اب کی بار سختی سے ٹوکا تھا۔
''امجد خان کو کہو جہاں بھی خبر ملتی ہے اس پر ریڈ کرو وہ ملتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ کیا کرنا ہے اس بار میرا وعدہ ہے میں ضمانت نہیں ہونے دوں گا۔'' انہوں نے پھر مصطفیٰ کو مضبوط کرنا چاہا تھا' مصطفیٰ لب بھینچ کر بغیر کچھ کہے تیزی سے وہاں سے نکل گیا تھا اور شاہ زیب صاحب نے بہت سنجیدگی سے اسے وہاں سے جاتے دیکھا تھا۔



صبوحی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تھا نارمل کیس تھا لیکن اس کے بعد ایک دم اس کی طبیعت بگڑی تھی۔ وقار اور ضیاء ہی ساری بھاگ دوڑ کر رہے تھے' افشاں اور سکندر کے جانے سے ان لوگوں کو بہت ڈھارس ملی تھی۔ رات تک صبوحی کی طرف سے کوئی خبر نہ مل سکی تھی۔ رات گئے ڈاکٹرز نے اطلاع دی تو سب ہی نے سکون کا کلمہ پڑھا تھا۔ صبوحی کی طبیعت اب بہتر تھی' چند دن اسے ہسپتال میں رہنا تھا۔ ان لوگوں کی وہ ساری رات ہسپتال کے کوریڈور میں ٹہلتے گزری تھی۔ اگلے دن صبوحی کی طبیعت کافی بہتر تھی خطرے کی کوئی بات نہیں تھی۔
افشاں اور سکندر گھر آ گئے تھے' کل سارا دن کی بھاگ دوڑ اور پھر ہسپتال کی خواری دونوں ہی گھر آ کر سو گئے تھے۔ کالج سے دونوں نے ہی چھٹی کی تھی' دوپہر میں افشاں کھانا تیار کر کے خالہ بی کے ساتھ ہسپتال چلی گئی تھی جبکہ سکندر کچھ دیر تو یونہی اپنے بستر پر لیٹا رہا تھا پھر اٹھ کر نہایا دھویا' کھانا کھایا۔
وہ گھر سے نکل آیا تھا' کالج جانے کا کوئی فائدہ نہ تھا وہ سیدھا وویمن ہاسٹل پہنچا تھا نجانے کیوں اس کا ذہن مسلسل لالہ رخ کی ذات میں ہی الجھا ہوا تھا' لالہ رخ ایک خوب صورت لڑکی تھی لیکن خوب صورتی سے زیادہ سکندر کو لالہ رخ کی سلجھی ہوئی فطرت اور رکھ رکھاؤ نے متاثر کیا تھا۔ وہ ہاسٹل آیا وارڈن سے ملاقات ہوگئی تھی' وارڈن خوش اخلاقی سے ملی تھی اور جب سکندر نے لالہ رخ سے ملنے کا کہا تھا تو وارڈن نے بتایا کہ وہ آج صبح ہاسٹل سے جا چکی ہے اس کے گھر سے کوئی لینے

آیا تھا۔ البتہ وہ سکندر کے نام ایک لفافہ وارڈن کو دے گئی تھی‘ لالہ رخ نے خصوصاً تاکید کی تھی کہ یہ لفافہ سکندر سبحان احمد تک پہنچا دیا جائے۔

”اچھا ہوا تم خود ہی آ گئے‘ مجھے کسی کو تمہارے پاس بھیجنا نہیں پڑا۔“ بند لفافہ سکندر کو دیتے وارڈن نے کہا تو سکندر محض مسکرا دیا تھا۔

نجانے وہ کل کیا کہنا چاہتی تھی‘ سکندر کے اندر ملال جاگنے لگا‘ کیا تھا وہ کچھ دیر اور رک کر اس کی بات سن لیتا۔ دو بھیگی آنکھیں مسلسل یاد آتی رہی تھیں‘ وہ رات بھر ڈسٹرب رہا تھا۔ وہ لفافہ لے کر وارڈن کا شکریہ ادا کرتے وہاں سے چلا آیا تھا۔ گھر آیا تو افشاں ابھی تک نہیں آئی تھی‘ سکندر اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ اس نے لفافہ کھولا تو اندر سے سفید کاغذ پھسل کر گود میں گرا‘ کاغذ پر خوب صورت رائٹنگ میں الفاظ پھولوں کی مانند بکھرے ہوئے تھے۔

”السلام علیکم!

مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں آپ کو کن الفاظ میں مخاطب کروں‘ آپ میرے استاد ہیں اور میرے لیے قابل عزت اور محترم ہستی ہیں۔ میں نے آج سارا دن آپ کا بہت انتظار کیا لیکن آپ کو نہیں آنا تھا آپ نہ آئے۔ میں رات گئے تک ہاسٹل کے ویٹنگ روم میں بیٹھی دروازے کو دیکھتی رہی کہ شاید ابھی کوئی آپ کی آمد کا پیغام لے کر آ جائے اور پھر رات کے دس بجے میں نامراد ہی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ مجھے اندازہ ہے کہ میرے کل کے جملے اور میرا یہ خط آپ کو پریشان کر رہا ہوگا لیکن نجانے کیوں مجھے لگا تھا کہ آپ دنیا کے واحد وہ شخص ہیں جس سے میں دل کی ہر بات شیئر کر سکتی ہوں۔ میں اپنے کل کے پرپوزل کے بارے میں وضاحت کرنے سے پہلے آپ کو اپنے بارے میں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔

میں ایک بہت دولت مند‘ کھاتے پیتے گھرانے سے ہوں‘ میری ماں کا گھر جدی پشتی رئیس گھرانہ تھا۔ میرے نانا مختار احمد ایک مل اونر انسان تھے۔ میری ماں میرے نانا کی اکلوتی بیٹی تھیں‘ خوش قسمتی سے نانا کو وراثت میں بہت کچھ ملا تھا‘ میری نانی بیٹی کی پیدائش پر کم عمری میں ہی چل بسی تھیں‘ میرے نانا نے میری والدہ کی تربیت بہت ناز و نعم میں کی تھی۔ میرے والد کا نام اشفاق احمد تھا‘ میرے والد میرے نانا کی فیکٹری میں ایک معمولی ورکر تھے لیکن بہت جلد انہوں نے اپنی ذہانت اور مختلف خیالوں سے میرے نانا تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ نانا کی فیکٹری میں بہت اونچے عہدے پر فائز ہو گئے‘ میرے والد میرے نانا کے بہت منظور نظر تھے وہ ہر فیصلہ میرے والد کے مشورے سے کرتے تھے۔ نجانے میرے والد صاحب نے میرے نانا پر کیسا جادو کیا تھا کہ خاندان کے اعلیٰ سے اعلیٰ لڑکے کو ٹھکرا کر انہوں نے اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی میرے والد سے کر دی تھی جس پر میرے نانا کے سارے خاندان نے ان سے قطع تعلقی اختیار کر لی تھی۔ اب میرے والد میرے نانا کے کاروبار میں مالک کی حیثیت رکھتے تھے۔ میرے والد کے ایک بھائی تھے ان کا ایک بیٹا ہمایوں تھا‘ ماں باپ بچپن میں ہی انتقال کر گئے تو ہمایوں چچا کے زیر سایہ یعنی ہمارے گھر میں پرورش پانے لگا تھا۔

میرے والد جو ایک معمولی غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے وہ اور ان کا بھتیجا اب دولت کی ریل پیل میں زندگی گزارنے لگے تھے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا میرے والد کا کاروبار میں اس قدر ہولڈ ہو گیا کہ نانا کی حیثیت ایک بے کار سے پرزے کی سی ہوتی چلی گئی تھی‘ جب تک نانا کو میرے والد کی اصلیت کا علم ہوا سب ہی کچھ ہاتھ سے پھسل چکا تھا۔

نانا اور ابا کی شدید لڑائی ہوئی اور پھر چند دن بعد ایک کار ایکسیڈنٹ میں نانا کی ڈیتھ ہو گئی اور میری ماں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے معذور ہو گئی‘ میری ماں جو میرے باپ کی اصلیت سے اچھی طرح باخبر ہو چکی تھیں لیکن شوہر کے سامنے بالکل بے بس تھیں۔ مرنے سے پہلے میرے نانا اپنی تمام پراپرٹی میرے نام کر گئے تھے جو میری شادی کے بعد میرے شوہر

کے اختیار میں چلی جاتی تھی۔ میری ماں نے شروع سے ہی میری تربیت بہت مختلف انداز میں کی تھی۔ میرا باپ ایک آوارہ، نشئی اور بدکار انسان تھا گھر کے ماحول کو دیکھتے ہوئے میری ماں نے مجھے ہمیشہ ہاسٹلز میں رکھا تھا۔ نانا کے انتقال کے بعد اب مکمل طور پر ساری جائیداد کا کنٹرول میرے باپ اور اس کے بھتیجے کے ہاتھ میں چلا گیا تھا۔ میری ماں کی حیثیت بس ایک فالتو ناکارہ پرزے کی سی تھی۔

پچھلی دفعہ جب میں گھر گئی تو میری ماں نے بتایا تھا کہ میرے امتحان ختم ہوتے ہی میرا باپ مجھے واپس بلوالے گا اور میری شادی ہمایوں سے کردے گا جبکہ میں ایسا نہیں چاہتی۔ ہمایوں ایک بگڑا ہوا بدقماش آوارہ انسان ہے۔ جس کا اولین شوق بے تحاشہ پیسہ اڑانا ہے اور اس کے بعد نشے میں دھت ہو کر عورت سے کھیلنا۔ اس شخص کا وجود میرے لیے ہمیشہ ایک عذاب کی مانند رہا اور اس عذاب سے بچانے کے لیے میری ماں نے مجھے ہمیشہ ہاسٹلز میں رکھا تھا۔ میرا باپ اور ہمایوں مجھ سے شادی صرف اور صرف تمام جائیداد پر قبضہ کرنے کے لیے کرنا چاہتے ہیں جبکہ میں ہمایوں سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔

'آپ کو دیکھا تو دل میں عجیب سے احساسات پیدا ہونے لگے تھے لیکن میری ماں کی تربیت نے مجھے ہمیشہ اپنی حدود کی قید میں رکھا۔ پچھلی دفعہ جب میری ماں نے بتایا کہ میرا باپ اب میری شادی ہمایوں سے کردے گا تو میں پریشان ہوگئی تھی تب میری ماں نے مجھے کہا کہ اگر میرے اردگرد ہمایوں سے بہتر کوئی قابل بھروسہ انسان ہے تو میں اس کو بلوالوں ماں سے ملوادوں تب میرے ذہن میں آپ کا خیال آیا لیکن وہ سب میرے یک طرفہ احساسات تھے۔

ایگزامز سے پہلے ایک بار میرا باپ میرے ہاسٹل آیا تھا اور مجھے اچھی طرح یاددہانی کروادی تھی کہ ایگزامز کے بعد وہ مجھے لینے آئیں گے اور پھر میری ہمایوں سے شادی ہوجائے گی۔ میرے پاس ہمایوں جیسے عفریت سے بچنے کے لیے کوئی رستہ نہیں، میں نے بہت سوچا تو ہر بار آپ کا خیال ذہن میں آیا۔ مس افشاں آپ کی کزن ہیں یہ جاننے کے بعد ہی میں نے آپ کے سامنے شادی کا پرپوزل رکھا تھا۔

آج صبح مجھے واپس شہر چلے جانا ہے اور شاید میری شادی بھی ہوجائے لیکن میں دل میں کوئی خلش اور ملال نہیں رکھنا چاہتی تھی کہ ڈوبنے سے پہلے میں بچاؤ کے لیے ہاتھ پاؤں نہ مار سکی تھی۔ ایک لڑکی ذات ہو کر ایک مرد کی طرف بڑھنا یقیناً یہ میرے لیے کسی عذاب سے کم نہ تھا لیکن میں مجبور تھی۔ مجھے نہیں پتا آپ میرے بارے میں کیا خیال رکھتے ہیں، مجھے اس پرپوزل کے بعد کس قسم کی لڑکی سمجھ رہے ہیں لیکن میں یہ سب کرنے پر مجبور تھی۔ آپ نے مجھے کوئی امید نہیں دلائی تھی لیکن اس کے باوجود میں نے رات دس بجے تک انتظار کیا تھا۔

اب صبح میں چلی جاؤں گی اور شاید میری شادی بھی ہوجائے لیکن میں آپ کو کبھی بھول نہیں پاؤں گی۔ میرے دل میں آپ سے متعلق جو احساسات اور جذبات ہیں وہ کبھی نہ مرپائیں گے...... کبھی بھی نہیں۔

فقط

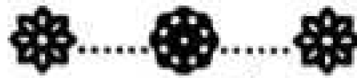
لالہ رخ"

خط کیا تھا ایک طوفان بے کراں تھا۔ سکندر کو لگا اس کے اندر ایک عجیب سی ہیجانی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی۔ ایک لڑکی اس کی ذات کا سوچ کر اس کی طرف ایک امید لے کر بڑھی تھی اور اس نے اسے مایوس کردیا تھا۔ نجانے وہ کس حالت میں ہاسٹل سے نکلی تھی، سکندر کو رہ رہ کر وہ بھیگی ہوئی دو آنکھیں یاد آنے لگیں۔ وہ محبت کو نہیں مانتا تھا، وہ محبت جذباتیت ہر چیز کو بے معنی تصور کرتا تھا لیکن یہ خط پڑھنے کے بعد سکندر کو لگ رہا تھا کہ گویا اس کا پورا وجود کسی ان دیکھی آگ میں جلنے لگا ہے۔ کوئی چیز، کوئی احساس اسے لالہ رخ کی طرف کھینچ رہا تھا۔ وہ بے انتہا بے کل ہو چکا تھا، فطرتاً

وہ ایک نرم دل انسان تھا۔

شاید نرم دلی اسے اپنی ماں سے ملی تھی لیکن جو بھی تھا لالہ رخ کے حالات پڑھ کر سکندر کے اندر اس کی ذات سے ایک عجیب سا لگاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ اگلے کئی دن تک سکندر بے چین، پریشان اور مضطرب رہا تھا۔ صبوحی ٹھیک ہو کر اپنے گھر آ چکی تھی اس نے بیٹے کا نام احسن رکھا تھا۔ ضیاء کے باہر جانے کے انتظامات مکمل ہو گئے تھے، سکندر کے پاس بھی اب اتنے وسائل تو ہو گئے تھے کہ وہ اب آرام و سکون سے واپس پلٹ سکتا تھا لیکن نجانے کیا بات تھی ابھی اتنی جلدی واپس پلٹنے کو دل نہیں کر رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ واپس تو جانا ہی ہے کیوں نہ وہ کچھ عرصہ ادھر رہ کر جائے۔

وہ ایک دو بار لالہ رخ کا پتا کرنے اس کے ہاسٹل بھی گیا تھا وارڈن ایڈریس دینے پر راضی نہ ہوئی تھی۔ کالج گھر اور بس اپنی سوچوں کا لامتناہی صحرا، زندگی عجیب سی ہوتی چلی گئی تھی۔ اس کی زندگی میں بالکل اچانک ایک دھماکہ ہوا تھا اور پھر اس کی زندگی ہی بدل گئی تھی۔ ایسا دھماکہ کہ جس نے افشاں کو بہت بدظن کر دیا تھا۔



صبوحی ٹھیک تھیں اب باقی ٹریٹمنٹ گھر جا کر بھی ہو سکتا تھا۔ اسی سلسلے میں انتظامات ہو رہے تھے، وقار صاحب اور انا ہسپتال میں تھے باقی لوگ گھر میں تھے۔ اس دوران بہت سے لوگ عیادت کو آئے تھے۔ ولید کے جاننے والے بھی آتے رہے تھے، وقار صاحب نے بتایا کہ ولید کے کمرے میں اسے کوئی لڑکی ملنے آئی ہے۔ "لڑکی" کے الفاظ سن کر انا کے کان کھڑے ہوئے تھے۔ لاشعوری طور پر وہ ایک دم پریشان ہو گئی تھی۔

اس نے وقار صاحب کو دیکھا وہ صبوحی بیگم کا سامان سمیٹ رہے تھے، وہ خاموشی سے کمرے سے نکلی تھی۔ دل میں عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی، وہ ولید کے کمرے میں آئی تو اندر سے آتی آواز سن کر رک گئی تھی۔ اس کا شک درست ثابت ہوا تھا اندر واقعی کاشفہ تھی۔

"مائی گاڈ مجھے خبر ملی تھی لیکن میں کبھی معمولی نوعیت کی چوٹیں ہیں، تمہیں پتا تو ہے ہم لوگ باہر شفٹ ہو رہے ہیں بس اسی سلسلے میں مصروف تھی۔ میں تمہارے نمبر پر کال کرتی رہی لیکن نمبر بند ہوتا تھا اور تمہارے آفس کے نمبر پر کوئی کال ریسیو نہیں کرتا تھا۔" کاشفہ کہہ رہی تھی انا کے اندر ایک آگ نے سر اٹھایا تھا۔

"تم خفا ہو مجھ سے؟" ولید خاموش تھا اور کاشفہ نے پوچھا تھا۔

"آئی ایم سو سوری...... تم جانتے ہو میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں، میں نے جو بھی رویہ رکھا تمہاری محبت میں ہی ہے لیکن پلیز اس طرح خفا مت رہو۔" کاشفہ کی لجاجت بھری آواز سنائی دی تھی۔

"تم اس وقت یہاں سے چلی جاؤ۔" جواباً ولید نے بہت سرد لہجے میں کہا تھا۔

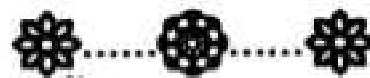
"لیکن ولید......"

"میں نے کہا نکل جاؤ یہاں سے۔" وہ حلق کے بل چیخا تھا۔ انا ایک دم خوف زدہ ہو کر کمرے میں داخل ہوئی تھی، دونوں نے بے اختیار اسے دیکھا تھا۔ کاشفہ کی نگاہ اس پر پڑتے ہی اس کی آنکھوں میں چنگاریاں سی بکھر گئی تھیں۔

"کیسی ہو انا؟" اسے سنجیدگی سے دیکھتے کاشفہ نے کہا تھا، انا نے بے اختیار ولید کو دیکھا جو لب بھینچے چہرہ موڑے ہوئے تھا۔

"تمہارا نمبر بند، تم تک پہنچنے کا کوئی رستہ ہی نہیں تھا سوچا کہ تم سے اسی بہانے مل لوں گی اچھا ہوا تم خود ہی یہاں آ گئیں۔" انا کے قریب آ کر سرگوشی میں اس نے کہا تھا۔ انا نے فوراً ولید کو دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا، آنکھوں میں عجیب سا تاثر تھا۔

"مجھے تم سے نہیں ملنا۔" وہ نفرت سے بڑبڑائی۔
"ملنا تو پڑے گا ہی' تم شاید ان سائن شدہ کاغذات کو بھول رہی ہو تو میں یاد کروادوں ان پر ہم کچھ بھی لکھوا کر تمہارے خلاف کچھ بھی کر سکتے ہیں۔" کاشفہ کی دھمکی آمیز سرگوشی اب بھی اس طرح برقرار تھی۔ انا نے ولید کو دیکھا جس کے چہرے کے عضلات بھی ناقابل فہم قسم کی سرخی کی لپیٹ میں آئے ہوئے تھے اس سے پہلے کہ کاشفہ مزید بدکلامی کرتی انا تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔
"اوکے ولید پھر ملاقات ہوگی' بائے۔" انا کے کمرے سے نکلتے ہی کاشفہ نے بھی ولید سے کہا اور تیزی سے کمرے سے نکلی تھی۔ انا راہداری کے آخری کونے میں باہر کی طرف منہ کیے ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رو رہی تھی۔
"تمہارے تو بڑے مزے ہیں' ولید جیسے بندے کی کیئر ٹیکر بنی ہوئی ہو تمہارے تو مزے ہی مزے......" انا نے تڑپ کر اسے دیکھا تھا اس نے فوراً اپنی آنکھیں صاف کی تھیں۔
"جب سب کچھ تمہاری حسب منشا ہو چکا ہے تو اب کیا چاہتی ہو میری جان چھوڑ کیوں نہیں دیتیں۔" انا چیخی تھی' جبکہ کاشفہ مسکرائی تھی۔
"دھیرج سے مائی ڈیئر! دھیرج سے...... میرے سامنے چلاؤ گی تو اپنا ہی نقصان کروگی۔" انا نے بہت نفرت سے اسے دیکھا تھا۔
"میں ولید کی زندگی سے نکل چکی ہوں' وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے۔ میں نے وہ سب کیا جو مجھے ولید کی ذات سے دور کرسکتا تھا۔ میری فیملی تک مجھ سے بدظن ہوگئی ہے اس سے زیادہ اور کیا کروں میں۔"
"وہ سب جو ولید کو میری طرف آنے پر مجبور کردے۔ میری فیملی باہر شفٹ ہو رہی ہے لیکن میں تب تک یہیں ہوں جب تک ولید مجھے مل نہیں جاتا۔ میں تمہاری تب تک جان نہیں چھوڑوں گی' جب تک ولید خود میری طرف نہ آجائے۔"
"میں اب کچھ نہیں کروں گی' تم نے جو کرنا ہے کرلو۔ میں تمہاری زرخرید نہیں جو تمہارے اشاروں پر ناچوں۔ تم ایک بار مجھے دھوکے سے اپنے ساتھ لے گئی تھیں لیکن ضروری نہیں ہر بار میں تمہارے دھوکے میں آجاؤں' تمہاری اصلیت کیا ہے یہ سب مجھ پر ظاہر ہو چکا ہے۔" وہ چیخ کر بولی تھی' کاشفہ نے اسے مسکرا کر دیکھا۔
"اوکے اب تم دیکھنا میں کیا کرتی ہوں' ولید اگر مجھے حاصل نہ ہوا تو میں اسے اس قابل بھی نہیں چھوڑوں گی کہ وہ تمہاری طرف آئے۔" انا نے بہت تلخی سے دیکھا تھا۔ وہ اس کو نفرت سے دیکھتی تیزی سے بھاگ کر وہاں سے نکل کر صبوحی کے کمرے کی طرف آئی تھی۔ کاشفہ نے بہت نفرت سے اسے جاتے دیکھا تھا۔
کمرے کے پاس آکر انا نے رک کر اپنے بہتے آنسوؤں کو بے دردی سے صاف کیا تھا' وہ ایک غلطی کر چکی تھی اور اب اسے اپنی اس غلطی کی سزا تاعمر بھگتنا تھی۔ وہ شہوار کے سامنے سب کچھ کہہ کر دل کا بوجھ ہلکا کر چکی تھی لیکن ولید کی ذات پر شک کرکے کاشفہ پر اندھا اعتماد کرتے اس نے اپنے ضمیر پر جو بوجھ لاد لیا تھا وہ شاید اب تاعمر اسی طرح برقرار رہنا تھا۔ یہ اس کی سزا تھی اور اسے یہ سزا اب جھیلنا ہی تھی۔ خود کو سنبھالتے' کمپوز کرتے اچھی طرح چہرہ صاف کرتے وہ واپس کمرے کی طرف بڑھی تھی۔



مہرالنساء بیگم کو شام کے بعد انفارم کردیا گیا تھا' وہ فوراً ہسپتال آئی تھیں' رات ان لوگوں کی ہسپتال میں گزری تھی۔ اگلے دن ڈاکٹر نے کچھ میڈیسن اور بہت ساری ہدایات دیتے ڈسچارج کردیا تھا' مہرالنساء بیگم اچھی خاصی پریشان تھیں۔ امجد خان مختلف جگہوں پر چھاپے مار رہا تھا لیکن ایاز کا کہیں بھی کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ عبدالقیوم بھی آج کل کہیں منظر سے

غائب تھا' البتہ اس کی بیوی اور دونوں بیٹیاں ابھی پاکستان میں ہی تھیں۔ کسی مخبر نے اطلاع دی تھی کہ عبدالقیوم خاموشی سے باہر شفٹ ہورہا ہے اسی سلسلے میں وہ پاکستان سے باہر ہے۔ مصطفیٰ نے ان کے گھر کے اردگرد سخت قسم کا پہرہ لگوادیا تھا۔ اسے ایک دو دن میں ہر حال میں ایاز چاہیے تھا' مصطفیٰ بہت بپھرا ہوا تھا وہ اب ایاز کو کسی بھی قسم کی ڈھیل دینے کو تیار نہ تھا۔ اس نے کوشش کرتے ایاز کی ضمانت بھی کینسل کرادی تھی۔ دو تین دن اسی بھاگ دوڑ میں گزر گئے تھے' مصطفیٰ اس دن گھر آیا تو شہوار سو رہی تھی' ڈاکٹر نے اسے بیڈ ریسٹ کی تاکید کی تھی۔ سو وہ زیادہ تر آرام ہی کررہی تھی۔

مہر النساء بیگم اور لائبہ بھابی خصوصی طور پر اس کا خیال رکھ رہی تھیں۔ مصطفیٰ چینج کرکے کمرے سے باہر آیا تو دریہ لاؤنج میں بیٹھی چینل سرچنگ کررہی تھی۔ ان گزرے دو تین دنوں میں مصطفیٰ کا دریہ سے سامنا نہیں ہوا تھا۔

''شہوار نے بتایا تھا جب تک وہ نقاب پوش اس پر گن تانے کھڑا رہا تھا تم کہیں بھی نہ تھیں۔'' دریہ کو دیکھ کر مصطفیٰ کو شہوار کی بات یاد آئی تو اس نے پوچھ لیا۔

''میں بہت ڈر گئی تھی مجھے لگا کہ ابھی گولی چل جائے گی میں تو عمارت سے باہر ہی نہ نکلی تھی۔''

''تمہیں عمارت سے نکل کر دیکھنا تو چاہیے تھا ناوہاں کیا ہورہا ہے۔'' مصطفیٰ نے برہمی سے کہا تو دریہ نے چہک کر کہا۔

''خوامخواہ ہی...... وہاں ڈرائیور سیکیورٹی گارڈ کچھ نہ کرسکے تھے تو میں کیا کرلیتی' مجھے مرنا نہیں تھا۔''

''اور اگر شہوار کو کچھ ہوجاتا یا ڈرائیور کو ہی...... تم جانتی تھیں کہ شہوار کس کنڈیشن میں ہے وہ باہر کا کھانا نہیں کھاتی' ہوٹلنگ اسے سختی سے منع ہے اس کے باوجود تم میکڈونلڈ گئیں۔'' نجانے کیوں مصطفیٰ کو اس بات سے بہت الجھن ہورہی تھی۔

ایاز وہاں مسلح ہوکر گاڑی لے کر کسی کے ساتھ آیا تھا' اس نے چہرے پر نقاب ڈال رکھا تھا اس کے ساتھی نے بھی' سوچنے کی بات تھی کہ ایاز کو کیسے علم ہوا تھا کہ شہوار اس گاڑی میں موجود ہے اور گاڑی میں تنہا ہے۔ ایاز نے اسی وقت حملہ کیا تھا جب دریہ اور ڈرائیور دونوں گاڑی سے نکل کر عمارت کے اندر گئے تھے۔ نجانے کیوں اسے لگ رہا تھا کہ جیسے یہ سب ایک طے شدہ پلان کے تحت ہوا تھا' اگر پلان نہیں بھی تھا تو بھی ایاز گاڑی کا پیچھا تو ضرور کررہا ہوگا اور مصطفیٰ ڈرائیور کو اچھی طرح سمجھا چکا تھا کہ کوئی مشکوک حرکت دیکھے فوراً اسے کال کرے وہ اگر کوئی ایسی ویسی گاڑی دیکھتا تو کم از کم مصطفیٰ کو تو ضرور بتاتا۔

''وہ نہیں کھاتی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ سب ہی نہیں کھاتے' مجھے بھوک لگی تھی میں نے گاڑی رکوالی' اب مجھے کیا علم تھا کہ ایک دم تمہاری وائف کا یہ ایکس بوائے فرینڈ آٹپکے گا۔'' دریہ نے نخوت سے کہا۔

''شٹ اپ......'' دریہ کے آخری الفاظ نے مصطفیٰ کو گویا آگ ہی لگادی تھی۔

''شہوار کو میں تم سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں اس لیے فضول گوئی سے پرہیز ہی کرو ورنہ منہ توڑ دوں گا تمہارا۔'' مصطفیٰ نے خاصی اونچی آواز میں کہا تھا۔ مہر النساء بیگم فوراً وہاں آئی تھیں۔

''کیا ہوا؟'' انہوں نے حیرت سے دیکھا۔

''دیکھیں آنٹی یہ مصطفیٰ میری بے عزتی کررہا ہے' وہ بھی عام سی شہوار کے لیے۔'' دریہ نے تو ایک دم رونا شروع کردیا۔ مہر النساء بیگم نے ناسمجھی سے دریہ اور مصطفیٰ کو دیکھا۔

''اگر تم ایسی گھٹیا زبان استعمال کروگی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' مصطفیٰ نے انگلی اٹھا کر وارن کیا' دریہ نے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

''کوئی جتنا بھی اعلیٰ وارفع لباس پہن لے کبھی اپنی اصل شناخت نہیں چھپا سکتا۔ میرا منہ توڑنے کی بجائے اپنی وائف سے جاکر پوچھو جس کے پیچھے اس کا ایکس بوائے فرینڈ پاگلوں کی طرح دندناتا پھر رہا ہے۔'' دریہ نے جواباً دوبدو کہا تھا۔

''دریہ......'' مہرالنساء بیگم کی آواز ایک دم گونجی تھی۔ ''تم ہماری بچی ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم خاموشی سے تمہیں شہوار کے متعلق جو مرضی بولنے کی اجازت دے دیں گے۔'' انہوں نے بہت غصے سے کہا تھا۔ مصطفیٰ نے ناگواری سے گھورا۔

''ہمیں پہلے بھی شہوار سے متعلق تمہاری بدزبانی کی خبر ملتی رہی تھیں، ہم محض بات بڑھنے کی وجہ سے خاموش تھے لیکن اس خاموشی کا یہ قطعی مطلب نہیں کہ تم ہماری خاموشی کا ناجائز فائدہ اٹھاؤ۔'' مہرالنساء بیگم کا انداز قطعی تھا۔ دریہ نے کچھ کہنا چاہا تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا تھا۔

''ہمارے بچے بڑوں کا ادب ولحاظ کرنے والے ہیں، ہمارے بچوں نے آج تک ہمارے سامنے بولنے کی گستاخی نہیں کی بھلے ہم غلط بھی ہوں۔ تم ہماری مہمان ہو آئندہ خیال رکھنا کہ تم کس گھرانے کی فرد ہو اور اس گھر کے کیا اصول و ضوابط ہیں۔ یہ حسب ونسب پر تفاخر ہمیں زیب نہیں دیتا۔'' انہوں نے دوٹوک انداز میں بات مکمل کی تھی، دریہ کا چہرہ احساس توہین سے لال بھبوکا ہو گیا تھا۔

''اور ہاں، ہم کردار اور شرافت کو فوقیت دیتے ہیں اور ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ کون کتنے پانی میں ہے، میرا منہ نہ کھلواؤ تو بہتر ہوگا۔'' مہرالنساء بیگم کے الفاظ پر دریہ لب بھینچ کر تیزی سے وہاں سے بھاگ کر اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔ مہرالنساء بیگم نے پرسوچ نظروں سے اسے جاتے دیکھا اور پھر سرخ چہرہ لیے کھڑے مصطفیٰ کو۔

''ہمیں اس سے بہت پہلے بات کرلینی چاہیے تھی، میں نے کئی بار نوٹ کیا تھا کہ اس کا رویہ شہوار کے ساتھ اچھا نہیں، لائبہ بھی کئی بار بتا چکی تھی لیکن یہ اس قدر گستاخی پر اتر آئے گی میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔'' ماں کے الفاظ پر مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''بہر حال، ہم نے اس کی طبیعت اچھی طرح صاف کردی ہے سمجھ گئی تو ٹھیک ورنہ اس کے ماں باپ کو کہوں گی کہ وہ اسے واپس بلوالیں، وہاں جیسا مرضی رشتہ دیکھ کر شادی کردیں پھر ہماری ذمہ داری نہیں ہوگی۔'' وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھیں۔ مصطفیٰ ایک گہرا سانس لیتے واپس کمرے میں آیا تو شہوار اٹھ کر بستر پر بیٹھی ہوئی تھی، کسی سوچ میں گم تھی۔ مصطفیٰ کو دیکھ کر سیدھی ہوئی تھی۔

''آج جلدی گھر آ گئے؟'' اس نے پوچھا تھا، مصطفیٰ مسکرا کر اس کے ساتھ بستر پر بیٹھ گیا تھا۔

''تمہاری طبیعت کی وجہ سے جلدی آ گیا، اب کیسی طبیعت ہے؟''

''بہتر ہوں۔''

''ڈاکٹر کے پاس دوبارہ کب جانا ہے؟'' اس کے بالوں کی لٹ چہرے پر جھول رہی تھی نرمی سے کان کے پیچھے اڑستے پوچھا تو شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔

''کل جانا ہے، میری اسٹڈی کا بہت حرج ہو چکا ہے، اگلے مہینے ایگزامز شروع ہو جائیں گے اور مجھے نہیں لگتا اس بار میں یا اتنا یا ایگزامز کلیئر کر پاؤں گی۔'' شہوار نے کہا مصطفیٰ نے سر ہلایا۔

''اگر کہتی ہو تو کسی ٹیوٹر یا اکیڈمی کا بندوبست کروا دیتے ہیں۔''

''اس حالت میں مجھ سے کچھ نہیں ہو پائے گا، میں باہر نکلوں گی تو ہر لمحے ایاز کا خوف سوار رہے گا۔ میرے اعصاب

اس مسلسل خوف سے چیخنے لگے ہیں اب' مجھے لگتا ہے میرے دماغ کی نس کسی دن پھٹ جائے گی۔ یہ شخص کسی آسیب کی طرح میری سوچوں سے چمٹ گیا ہے' جب تک میری اپنی ذات پر سکون تھی کہ کچھ نہیں ہوگا لیکن اب میں اپنے بچے کو کوئی نقصان ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔ اس بار قسمت کی مہربانی سے بچ گئی ہوں لیکن ضروری نہیں اگلی بار زندہ بھی بچ سکوں۔'' شہوار واقعی بہت خوف زدہ تھی۔

پچھلے دو تین دنوں سے وہ مسلسل بے آرام تھی' ماں جی اور لائبہ بھابی خصوصی خیال رکھ رہی تھیں لیکن اس کے ذہن پر جو ڈپریشن سوار ہوا تھا اس کا اتنی جلدی کوئی بھی علاج نہ تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہوگا' اپنے ذہن کو ریلیکس رکھو۔'' مصطفیٰ نے محبت سے کہتے اسے اپنے حصار میں لیا۔

''آپ تو مجھ سے سخت ناراض تھے نا۔'' اس نے شکوہ کیا تو مصطفیٰ ہلکا سا مسکرایا۔

''نہیں...... نہ ناراض تھا اور نہ ہی بدظن' تم ایک بہت بہادر ڈاکٹر ہو' سو اپنے ذہن سے ہر طرح کی نیگیٹو سوچ نکال کر ریلیکس رہو۔''

''اور اگر پھر کہیں سے ایاز آ گیا تو......؟'' اس کے اندر سے یہ خوف نہیں نکل پا رہا تھا۔ مصطفیٰ نے بہت ضبط سے اسے دیکھا تھا۔

''جب تک میں زندہ ہوں ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گا جو تمہیں یا ہماری لائف کو نقصان پہنچائے۔ امجد خان مسلسل ایاز کے پیچھے لگا ہوا ہے' وہ روپوش ہے۔ اس کا باپ کہیں باہر کے ملک میں بھاگ گیا ہے' اس کے گھر کی خواتین ابھی پاکستان میں ہی ہیں' سب پر کڑی نگاہ رکھی ہوئی ہے اس بار ایاز زندہ بچ کر نہیں جائے گا۔'' مصطفیٰ نے اسے ساتھ لگا کر اس کا سر تھپتھپایا تو شہوار نے ایک گہرا سانس لیا' آنکھوں میں نمی تھی۔

''امی کا کچھ پتا چلا؟'' ہر دوسرے تیسرے دن وہ ایک آس لیے یہ سوال کرتی اور ہر بار ناامید ہو جاتی۔

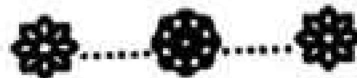
''ہاں...... بہت کچھ پتا چل چکا ہے لیکن ابھی بہت سے اسرار باقی ہیں جن پر پردہ ہنوز برقرار ہے۔''

''کیا واقعی؟'' وہ حیران ہوئی۔ بے اختیار نم آلود آنکھوں سے مصطفیٰ کو دیکھا اس نے ہاں میں سر ہلایا تو اس کی آنکھوں کی نمی بے اختیار گالوں پر سرائیت کر گئی۔

''تو پھر آپ مجھے امی کے پاس لے چلیں نا۔ مجھے ان سے ملنا ہے' اتنے ماہ ہو گئے ہیں میں نے ان کو دیکھا تک نہیں۔'' وہ بے قرار سی ہو گئی تھی۔

''ہم بہت جلد ان تک پہنچیں گے' یوں سمجھ لو ابھی بہت سی پیچیدگیاں باقی ہیں' بس ان کے بارے میں ابھی صرف کچھ کلیوز ملے ہیں۔ ہم بہت جلد ان تک پہنچ جائیں گے تو پھر تمہیں بھی ان کے پاس لے جائیں گے یوں سمجھ لو کہ بس اب کچھ دنوں کا انتظار ہے پھر تابندہ بوا ہم سب کے سامنے ہوں گی۔'' مصطفیٰ نے تسلی دی تو شہوار کے اندر ایک دم امید سی جاگی تھی۔ مصطفیٰ نے محبت سے اس کے رخساروں پر بہتے آنسو صاف کیے تھے۔

''جب تک ایاز پکڑا نہیں جاتا مجھے کہیں نہیں جانا' میں یہیں گھر میں ہی رہوں گی۔ میں کالج بھی نہیں جاؤں گی' مجھے بہت ڈر لگنے لگا ہے' خدانخواستہ ہمارے بچے کو کچھ ہو جاتا تو......'' وہ پھر اسی ہولناک منظر کو یاد کر کے خوف زدہ ہونے لگی تھی۔ مصطفیٰ نے بہت بے بسی سے ہونٹ بھینچے تھے یہ بات تو اسے بھی کسی تیز دھار آلے کی طرح کاٹ رہی تھی۔ اگر خدانخواستہ واقعی شہوار کو کچھ ہو جاتا تو یا ان کے بچے کو...... مصطفیٰ نے بہت ضبط سے شہوار کا سر تھپتھپاتے اسے تسلی دینا چاہی تھی جبکہ اپنے اندر ایک طوفان برپا تھا۔ جو ایاز کو فوراً سے کہیں سے نکال کر ملیامیٹ کر دینے کو بپھر رہا تھا۔



صبوحی گھر آچکی تھی' ہلکا پھلکا سہارے سے وہ چل پھر بھی رہی تھیں۔ آج بہت دنوں بعد انا کالج گئی تھی' ایک ماہ بعد ایگزامز کا شیڈول جاری ہوگیا تھا۔ اس کا گزرے دنوں میں اتنا حرج ہو چکا تھا کہ حد نہیں اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ اس سب کو کیسے کور کرے۔ شہوار بھی کالج نہیں آئی تھی' وہاں موجود کسی بھی کلاس میٹ کو اس کی غیر حاضری کی وجہ کا علم نہ تھا بلکہ وہ تو گزشتہ دو تین دنوں سے آ ہی نہیں رہی تھی۔ وہ سارا دن تھک ہار کر گھر لوٹی اور وہ چینج کرکے کچن میں آ گئی تھی۔

آج بہت دن بعد کھانے کو جی چاہ رہا تھا' اس نے کھانا نکالا اور پانی لے کر ٹیبل کے گرد سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ روشی کچن میں داخل ہوئی تو انا کھانا کھا رہی تھی۔

''چائے پیو گی؟'' چائے کا پانی رکھتے روشی نے پوچھا۔

''اگر بنا رہی ہو تو پی لوں گی ورنہ اسپیشلی میرے لیے بنانا چاہ رہی ہو تو پھر رہنے دو' میں کچھ دیر بعد میں پیوں گی جب سب پئیں گے۔'' کھانا کھاتے اس نے کہا۔

''میں اپنے لیے بنا رہی تھی تو تمہارے لیے بھی بنا دیتی ہوں۔'' انا خاموش ہی رہی۔

''آج مصطفیٰ بھائی کی پھوپو کی فیملی ولی بھائی کی عیادت کو آئی تھی۔'' کھانا کھاتے انا کا ہاتھ ایک دم ساکت ہوا تھا۔

''آنٹی بتا رہی تھیں کہ ان کا بیٹا حماد کسی کام کے سلسلے میں دبئی گیا ہوا ہے' ایک ماہ بعد آئے گا۔ آنٹی رشتے کی بات کر رہی تھیں وہ چاہ رہی تھیں کہ بات طے کر لیتے ہیں منگنی یا ڈائریکٹ نکاح کی تقریب بعد میں ہو جائے گی۔'' انا کو لگا کہ جیسے ایک دم اس کے اردگرد فضا میں آکسیجن کی شدید کمی ہو گئی ہو۔

''انکل نے کہا کہ انہیں کوئی اعتراض نہیں' جب وہ منگنی یا نکاح کا کہیں گے ہم تیار ہو جائیں گے۔'' انا نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے ایک دم ڈائننگ ٹیبل کو تھاما تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اسے روشی کے الفاظ کی سمجھ ہی نہیں آ رہی۔

چائے بناتی بالکل نارمل انداز میں روشی اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھی لیکن انا ساکت سی ٹیبل کو مضبوطی سے تھامے بے حس و حرکت بیٹھی رہ گئی تھی۔

''پھوپو کہہ رہی تھیں کہ چند دن میں وہ اچھی طرح چلنے پھرنے کے قابل ہو جائیں گے تو پھر کوئی تقریب کر لیں گے۔'' انا خاموشی سے اٹھی تھی۔

''کھانا کھا لیا' برتن سمیٹ دوں؟'' اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر روشی نے پوچھا۔ برتنوں میں کھانا ابھی بھی موجود تھا۔

''ہوں......'' وہ صرف ہنکارا بھر سکی تھی۔

''چائے ابھی تیار ہو جاتی ہے پی کر جانا۔'' اسے باہر نکلتے دیکھ کر روشی نے کہا تو انا نے محض سر ہلایا تھا اور کچن سے نکل گئی تھی۔ روشی نے بہت خاموشی سے ایک نگاہ بچے ہوئے کھانے پر ڈالی اور پھر باہر نکلتے وجود پر۔ روشی نے لب بھینچ لیے تھے' انا اپنے کمرے میں جانے کی بجائے باہر لان میں آ بیٹھی تھی۔

وہ رونا نہیں چاہتی تھی لیکن اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے اندر شدید گھٹن سی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ شدید تھکی ہوئی تھی اس کا ارادہ کھانا کھا کر کچھ دیر سونے کا تھا لیکن اب ذہن سے سب کچھ محو ہو چکا تھا۔ وہ خاموشی سے گھاس پر بیٹھ گئی تھی' وہ کچھ دیر بیٹھی رہی۔ کچھ دیر بعد صغراں اسے چائے کا کپ تھما گئی تھی۔ یقیناً روشی نے بھیجا تھا انا کو لگا کہ جیسے وہ اتنے سارے ہجوم' اتنے رشتوں کی موجودگی کے باوجود بالکل تنہا ہو گئی ہے۔ چائے کا کپ اس نے گھاس پر رکھ دیا تھا' وہ بالکل ساکت اپنے ہی اندر اٹھتی آوازوں سے خوف زدہ لڑتی رہی تھی اور گھاس پر موجود چائے ٹھنڈی ہوتی رہی۔

''انا......'' وہ چونکی' حیران ہو کر دیکھا۔ روشی کھڑی تھی اس کے ہاتھ میں اس کا موبائل تھا۔

''شہوار کی کال ہے۔'' اس نے موبائل اس کی طرف بڑھایا' انا نے خاموشی سے موبائل تھام لیا تھا۔

"تم نے چائے نہیں پی۔" روشی نے ٹھنڈی چائے کو دیکھا تو انا نے بھی کپ کو دیکھا اور پھر بغیر کچھ کہے موبائل کان سے لگا لیا تھا۔

"ہیلو......" روشی نے خاموشی سے کپ اٹھا لیا تھا۔ انا شہوار سے بات کرنے لگی تھی روشی ایک نگاہ اس پر ڈال کر ایک گہرا سانس لیتے وہاں سے چلی گئی۔

"میں ٹھیک ہوں' ہاں آج کالج گئی تھی لیکن تم نہیں آئی تھیں۔" روشی کے جانے کے بعد انا نے کہا۔ جواباً شہوار نے اپنے ساتھ بیتے جانے والے واقعے کی ساری روداد کہہ سنائی تو انا حیرت زدہ رہ گئی اُسے خود پر افسوس ہونے لگا۔

شہوار اس کی بیسٹ فرینڈ تھی' کبھی وہ وقت بھی تھا دونوں ایک دوسرے کے پل پل سے باخبر تھیں اور اب ان کو ایک دوسرے پر بیتی جانے والی کسی بھی قیامت کا کوئی علم ہی نہ تھا۔

"میں بہت ڈسٹرب ہوگئی ہوں' اب گھر سے نکلنے کو دل نہیں چاہتا۔ سوچ رہی ہوں کہ اس قدر خراب صورت حال میں نجانے کیسے ایگزامز ہوں' میں سمسٹر ڈراپ کردوں' بی بی کے بعد پھر سے جوائن کروں۔ تب تک شاید ایاز کا بھی کوئی فیصلہ ہو چکا ہوگا۔"

"حرج تو میرا بھی بہت ہو چکا ہے لیکن سمسٹر ڈراپ کرنے کے لیے میرے پاس کوئی خاص وجہ نہیں ہے' تم تو چھٹی کے لیے اپلائی کرسکتی ہو' میڈیکل سرٹیفکیٹ بھی دے سکتی ہو۔" انا نے کہا تو شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔

"ہاں' لیکن تم تو کالج جایا کرو' دھیان دو اس طرح زندگی نہیں گزرنے والی یار!"

"تمہارے بغیر وہاں جانا بہت مشکل لگے گا مجھے۔"

"میری اس سمسٹر میں اٹینڈینس بہت شارٹ ہے میرا تو داخلہ بھی بمشکل جاسکا تھا تم توجہ دو ایگزامز کلیئر کرلوگی تم۔"

"ہاں کوشش تو کرنا ہوگی' کیا یہ ممکن نہیں میں کالج سے سیدھی تمہاری طرف آجایا کروں' نوٹس اور لیکچرز ہر چیز ہوگی تم اپنے انکل سے کہو وہ چیئرمین صاحب سے بات کرلیں گے' ہم دونوں مل کر اسٹڈی کرلیا کریں گی اس طرح کم از کم ایگزامز تو دے سکتی ہونا۔"

"ٹھیک ہے میں سوچوں گی اس طرح مل کر شاید اچھی طرح اسٹڈی ہوجائے گی ورنہ میں اکیلی اب کچھ نہیں کر پاؤں گی۔ میرے پاس ایگزامز ڈراپ کردینے کے علاوہ اور کوئی چانس نہیں رہا۔"

"اچھا ایک اور بات کہنی تھی۔" شہوار نے کہا تو انا نے توجہ دی۔

"کیا؟"

"آج پھوپو ہماری طرف آئی تھیں وہ تمہارے اور حماد کے رشتے سے متعلق ماں جی سے صلاح مشورہ کررہی تھیں۔" شہوار کے الفاظ پر انا ایک دم ساکت ہوگئی تھی۔ "وہ چاہ رہی تھیں کہ دونوں فیملیز اس رشتے سے مطمئن تو ہیں ہی کیوں نہ باقاعدہ بات طے کرکے منگنی یا نکاح کرلیتے ہیں۔" وہ بھی وہی بات دہرا رہی تھی جو کچھ دیر پہلے روشی نے اسے بتائی تھی۔

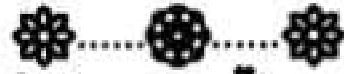
"ابھی ولید بھائی ہسپتال میں ہیں کچھ دنوں میں وہ بھی گھر آجاتے ہیں تو پھر باقاعدہ تقریب کریں گے۔" انا نے لب بھینچ لیے تھے شہوار خاموش ہوگئی تھی۔

"انا......" کچھ پل اس کے جواب کا انتظار کرتے جواب نہ پا کر بولی۔

"ہوں......"

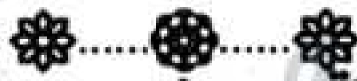
"مجھے اندازہ ہورہا ہے تمہارے لیے یہ سب کچھ بہت مشکل ہے لیکن یار تم کو اب اسٹینڈ لینا ہوگا محض ایک لڑکی کے خوف سے تم خود کو اس طرح برباد مت کرو' کوئی فیصلہ کرو۔ ایک بار سب کو بتادو پھر دیکھنا کیسے ٹھیک ہوجائے گا۔" شہوار

نے سمجھانا چاہا تو انا کی آنکھوں سے ایک دم آنسو بہنے لگے۔
"اب یہ ممکن نہیں اگر سب کو علم ہو گیا تو میں اپنی ہی نظروں سے گر جاؤں گی۔ میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتی کہ ولید جیسے شخص کی زندگی میں داخل ہو سکوں، میں نے اس پر شک کیا، نجانے کس کس انداز میں اسے ہرٹ کرتی رہی، مجھے سزا تو ملنی ہی تھی اور شاید میری سزا تھی۔"
"ایسے مت کرو، ابھی وقت تمہارے ہاتھ میں ہے یار! تم ولید بھائی کے بغیر کبھی خوش نہیں رہ پاؤ گی۔"
"میں خوش کب رہنا چاہتی ہوں، ولید مجھ سے نفرت کرتا ہے اور یہ سب جان کر شاید وہ میری شکل دیکھنا بھی پسند نہ کرے۔ پلیز تم کسی سے بھی کچھ نہیں کہو گی جو ہو گا ہونے دو۔ ولید زندہ ہے، صحت مند ہو جائے اس سے زیادہ میری اور کوئی خواہش نہیں۔" دوسری طرف موجود شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔
"تم اپنا موبائل لے لو روشی کے نمبر پر کال کرنا اچھا نہیں لگتا مجھے۔ تم چکر لگانا ہماری طرف، میری طبیعت سنبھلتی ہے تو میں بھی مصطفیٰ کے ساتھ تمہاری طرف آؤں گی آنٹی کی خیریت پوچھنے ہو سکتا ہے تب تک ولی بھائی بھی گھر آ چکے ہوں۔"
"او کے۔" دونوں کے درمیان مزید باتیں ہوتی رہی تھیں پھر مغرب کی اذان ہونے لگی تو دونوں نے بات سمیٹی تھی۔



دریہ اپنے کمرے میں بیٹھی مسلسل پیچ و تاب کھا رہی تھی اسے رہ رہ کر شہوار اور مصطفیٰ پر غصہ آ رہا تھا تبھی اس کا موبائل بجا تھا ایک انجان نمبر تھا اس نے نمبر دیکھا اور پھر کال ریسیو کر لی تھی۔
"ہیلو......"
"کیسی ہو؟" دوسری طرف دریہ کو جو آواز سنائی دی تھی وہ چونکی تھی اس نے فوراً اٹھ کر اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا تھا۔
"تم......؟"
"ہاں میں ایاز......" دریہ نے ایک گہرا سانس لیا۔
"کہاں تھے تم، جانتے ہو پچھلے کئی دنوں سے تمہارا نمبر ڈائل کرتے کرتے میرے ہاتھ کی انگلیاں ٹوٹنے لگی ہیں۔" دوسری طرف ایاز نے قہقہہ لگایا تھا۔
"جانتا ہوں میں لیکن میں نے وہ نمبر بند کر دیا ہے وہ نمبر مصطفیٰ کے پاس موجود ہے وہ اس پر رابطہ کر سکتا تھا یہ نیا نمبر ہے اب اسی پر تم سے رابطہ کروں گا۔"
"تم کہاں ہو؟"
"میں کہاں ہوں، وہ بات تو میں اب اپنے باپ کو بھی نہیں بتانے والا۔ میں جہاں ہوں وہاں مصطفیٰ یا اس کا کوئی بھی افسر نہیں پہنچ سکتا۔ تم بتاؤ تمہاری طرف کیا صورت حال ہے؟"
"مصطفیٰ بہت بپھرا ہوا ہے وہ اور اس کے ابا مسلسل تمہاری کھوج میں ہیں، شہوار مسلسل گھر میں قید ہے۔ ڈاکٹر بھی گھر میں ہی آ رہی ہے۔"
"قسمت اچھی ہے جو ایک بار پھر بچ نکلی ورنہ میرا کاٹا ہوا پانی بھی نہیں مانگتا۔ اس بار نہ سہی اگلی بار سہی لیکن اسے نہیں چھوڑوں گا اگر میں اسے اٹھوا نہ سکا تو اب کی بار اسے زندہ بھی نہیں چھوڑوں گا۔"
"اب کیا کرو گے؟"
"یہ تم تو ملو گی تو بتاؤں گا۔" اس قدر حسین لڑکی پر اس قدر مہربانی کوئی بلا مقصد نہ تھی لیکن اس طرف بھی دریہ بی بی تھی جو انتقام میں ابھی اتنی اندھی نہ ہوئی تھی۔

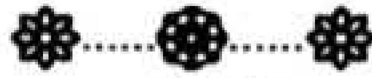
''میں نہیں مل سکتی، مصطفیٰ بہت تیز انسان ہے وہ پہلے ہی میری ہر حرکت پر نگاہ رکھتا ہے۔ اس بار اس کی اماں بھی مجھ سے بدظن ہو چکی ہیں میں ابھی اس گھر میں موجود ہوں یہ بھی بڑی مہربانی ہے۔''
''میں اس سب کو نہیں مانتا تم بتاؤ کب ملو گی مجھ سے؟''
''ناممکن ہے۔''
''تو پھر ٹھیک ہے میں بھی اس سارے خون خرابے میں تمہاری مدد نہیں کروں گا۔'' ایاز نے ایک دم آنکھیں ماتھے پر رکھی تھیں۔
''دیکھو میں کوشش کرتی ہوں شہوار کو کسی طرح تم تک لے آؤں پھر تم جو مرضی کرو لیکن یاد ہے میرا نام نہ آنے پائے۔''
''ہاں پہلے جیسے تم لے کر آئی ہو سارے پلان کا ستیاناس ہو گیا تھا۔''
''میں نے بالکل طے شدہ پروگرام کے مطابق کام کیا ہے تم نے ہی کہا تھا نہ میکڈونلڈ کے پاس لے آؤں اور وہ گاڑی میں اکیلی تھی تم بغیر لوگوں کو متوجہ کیے آسانی سے گاڑی سمیت لے کر نکل سکتے تھے۔'' ورنیہ کو بھی غصہ آ گیا تھا۔
''وہ تو گاڑی کے دروازے لاک تھے مجبوراً شیشہ توڑنا پڑا تھا جس پر وہ سالی چیخنے لگی تھی اور پھر وہ ڈرائیور اور چوکیدار دونوں آ گئے تھے۔''
''اوکے جو بھی تھا شکر ہے کسی کو مجھ پر شک نہیں ہوا لیکن اگلی بار بہت محتاط ہو کر کام کرنا ہوگا۔ میں موقع دیکھ کر تمہیں انفارم کردوں گی تم اپنا یہ نمبر بس آن رکھنا۔''
''ٹھیک ہے۔'' ایاز مان گیا تھا۔ کچھ باتوں کے بعد کال بند ہو گئی تھی۔ ورنیہ کے ہونٹوں پر بڑی زہریلی سی مسکراہٹ تھی۔
''مصطفیٰ شاہ زیب تم بھی کیا یاد رکھو گے کہ کس سے پالا پڑا ہے، بڑی باکردار بنی پھرتی ہے شہوار صاحبہ ایسی جگہ جا کر ڈالوں گی کہ کبھی پلٹ کر نکل نہ سکے گی۔'' وہ زہریلے انداز میں مسکرائی تھی اس کے ذہن پر بڑی زہریلی سوچوں کا قبضہ تھا۔



رابعہ پریشان تھی، عباس نے دو تین بار کال کی تھی۔ وہ کافی دیر سے ایک ہی جگہ بیٹھی الجھتی رہی تھی، عشاء کی نماز پڑھ کر سب اپنے اپنے کمروں میں سونے جا چکے تھے وہ اپنی ذات سے لڑتی الجھتی رہی تھی اور پھر تھک ہار کر کمرے سے نکل آئی تھی۔ ماموں کے کمرے کی لائٹ روشن تھی، وہ سیدھا وہیں آ گئی تھی۔ دروازہ پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا تھا۔
''ماموں میں آ جاؤں؟'' اس نے دروازے میں ہی کھڑے ہو کر پوچھا تو کتاب پڑھتے فیضان صاحب چونکے تھے۔
''آ جاؤ۔'' انہوں نے کتاب بند کر دی تھی۔ رابعہ ان کے پاس آ بیٹھی تھی۔
''کچھ پریشان ہو؟'' انہوں نے مسکرا کر پوچھا تو رابعہ نے انہیں دیکھتے ایک گہرا سانس لیا۔
''ہاں۔''
''خیریت؟'' دونوں میں بہت انڈر سٹینڈنگ تھی وہ اپنی ہر بات ان سے شیئر کرتی تھی۔
''جی۔'' وہ سوچ میں پڑ گئی کہ ان سے یہ بات شیئر کرے یا نہیں، وہ خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔
''آپ سر عباس کو تو جانتے ہیں نا؟''
''عباس شاہ زیب؟'' انہوں نے کہا تو رابعہ نے سر ہلایا۔
''آپ کو بتایا تھا نا کہ ان کی پہلی شادی ختم ہو چکی ہے اور ان کا ایک بیٹا بھی ہے۔'' فیضان صاحب نے سر ہلایا۔

"انہوں نے مجھے......" وہ رکی انگلیاں چٹخانے لگی۔ فیضان صاحب نے سنجیدگی سے دیکھا۔
"پرپوز کیا ہے۔" بات ایسی تھی کہ فیضان صاحب ساکت سے ہوگئے تھے رابعہ نے کن اکھیوں سے انہیں دیکھا۔ وہ بہت سنجیدہ تھے چہرے پر ایک گہری سوچ کا عکس تھا۔
"وہ بار بار کال کررہے ہیں میرا جواب مانگ رہے ہیں لیکن میں نے صاف کہہ دیا کہ میری زندگی کے ہر فیصلے کا اختیار میری فیملی کو ہے۔" فیضان صاحب نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ ایک روشن خیال کھلے ذہن کے انسان تھے لیکن وہ کبھی بھی اتنے بے باک نہ رہے تھے کہ زندگی کو کھلی چھوٹ دے دیتے۔
"تم کو عباس کیسا لگتا ہے؟"
"وہ بہت اچھے انسان ہیں لیکن......" فیضان نے بغور دیکھا۔
"میرے لیے سب سے مقدم اور سب سے اعلیٰ انسان وہ ہے جو آپ کا انتخاب ہوگا۔ میں نے سر عباس کا پروپوزل آپ تک پہنچانا تھا' پہنچا دیا' آپ جو بھی فیصلہ کریں گے وہی مجھے قبول ہوگا۔"
"ہوں......" فیضان صاحب نے ہنکارا بھرا۔
"آپا ثریا یا سہیل کو بتایا ہے؟" رابعہ نے نفی میں سر ہلایا۔
"میں اگر انکار کردوں تو؟"
"مجھے آپ کا ہر فیصلہ قبول ہوگا' سر عباس اچھے انسان ہیں اس کے باوجود میں نے زندگی میں کبھی دوسرے معنوں میں نہیں سوچا۔ انہوں نے کہا تھا اگر آپ کے گھر والوں کی مرضی ہوگی تو وہ اپنے والدین کو بھی لائیں گے۔" فیضان صاحب نے سر ہلایا۔
"عباس کو کہنا کل کسی بھی وقت مجھ سے مل لے' یہ عمر بھر کا فیصلہ ہے میں بہت سوچ سمجھ کر ہی بتاؤں گا کہ انکار کرنا ہے یا اقرار۔" رابعہ کا چہرہ ایک دم کھل اٹھا تھا۔ اسے لگا کہ جیسے در پردہ فیضان ماموں اس رشتے پر رضامندی کا اظہار کررہے ہیں۔
وہ ان سے کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد اپنے کمرے میں آگئی تھی' اس نے عباس کا نمبر ملایا۔ عباس نے کال کاٹ دی تھی' وہ دوبارہ ملانے لگی تو اس سے پہلے ہی عباس کی کال آگئی تھی اس نے فوراً کال ریسیو کی۔
"السلام علیکم سر!"
"وعلیکم السلام' اس وقت خیریت؟" دوسری طرف عباس شاید نیند سے جاگا تھا۔
"آئیم سوری آپ کو شاید ڈسٹرب کردیا میں نے۔" وہ فوراً شرمندہ ہوئی۔ رات کے اس پہر بغیر کسی وجہ کے کسی کو کال کرنا کوئی اچھی بات تو نہ تھی۔
"ارے شرمندہ مت ہوں' میں قطعی ڈسٹرب نہیں ہوا' آپ مجھے کسی بھی وقت کہیں بھی' کبھی بھی کال کرسکتی ہیں۔"
عباس کا انداز ایسا تھا کہ وہ ایک دم ریز روسی ہوئی۔
"سر! میرے ماموں آپ سے کل کسی بھی وقت ملنا چاہتے ہیں۔"
"کیا؟"
"جی میں نے ان سے آپ کے پرپوزل کی بات کی تھی۔" عباس نے ایک گہرا سانس لیا۔
"کیا کہیں گے وہ؟" عباس کانشس ہوا۔
"یہ تو آپ کو ان سے مل کر ہی اندازہ ہوگا۔" عباس مسکرایا۔ "کیا آپ ان سے ملنے سے ڈر رہے ہیں؟" رابعہ نے

پوچھا‘ عباس ہنس دیا۔
”بالکل بھی نہیں‘ ڈر کیسا‘ بس ٹینشن ہورہی ہے کہ وہ کیا کہیں گے اگر انکار کردیا تو......؟“
”تو آپ کی قسمت‘ میرے لیے میری فیملی کا ہر فیصلہ مقدم ہوگا‘ چاہے وہ انکار ہو یا اقرار۔“
”بس آپ کی یہی بات تو اچھی لگتی ہے میں کوشش کروں گا اپنا اچھا وکیل ثابت ہوتے آپ کے ماموں کے سامنے بہتر طور پر اپنا دفاع کرسکوں۔“ دوسری طرف رابعہ خاموش رہی تھی۔
”میرے حق میں دعا کریں گی؟“ اس کی خاموشی پر عباس نے گمبھیر آواز میں پوچھا‘ وہ جو بہت پرسکون تھی‘ ایک دم بوکھلائی۔
”میں کہہ چکی ہوں کہ میرے لیے میری فیملی کا ہر فیصلہ مقدم ہوگا چاہے وہ انکار ہو یا اقرار۔“ وہ کہہ کر تیزی سے کال کاٹ گئی‘ دوسری طرف عباس ایک دم مسکرادیا تھا۔



عباس اس ملاقات کو لے کر بہت کانشس ہورہا تھا‘ وہ فیضان صاحب کی بتائی ہوئی جگہ پرآ گیا تھا۔ انہوں نے عباس کو اپنے گھر کے قریب موجود پارک میں بلوایا تھا‘ دونوں ایک بنچ پر بیٹھ گئے تھے۔ عباس بہت اچھی طرح ڈریس اپ ہوا تھا‘ معمول سے ہٹ کر بہت ڈیسنٹ اور پروقار لگ رہا تھا۔ فیضان صاحب نے اسے بغور دیکھا تھا۔ سلام دعا اور ایک دوسرے کا حال چال دریافت کرنے کا مرحلہ طے ہوچکا تھا۔
”آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کیوں بلوایا ہے؟“ فیضان صاحب نے کچھ پل گزرنے کے بعد گفتگو کا آغاز کیا۔
”جی۔“
”میں کوئی بات کرنے سے پہلے آپ کو بتادوں مجھے یہ رشتہ قبول نہیں ہے۔“ عباس ایک دم ساکت ہوا‘ کچھ پل مزید سرکے تھے‘ وہاں پارک میں کئی لوگ آ جارہے تھے۔
”میں اس انکار کی وجہ تو پوچھ سکتا ہوں؟“ عباس کا سکتہ ٹوٹا تو اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔
”بالکل آپ کو رائٹ حاصل ہے۔“ فیضان صاحب نے سرہلایا۔
”لیکن میں اس انکار کی وضاحت نہ دینا چاہوں تو؟“
”تو پھر میں بار بار آپ کے پاس آؤں گا‘ ہر چیز کی ایک وجہ ہوتی ہے اور اس انکار کی بھی کوئی وجہ تو ہوگی نا۔“
”ہمارا اور آپ کا اسٹیٹس نہیں ملتا۔“
”میں اس کو اتنی معقول وجہ نہیں مانتا اور نہ ہی میرا گھرانہ اتنا کنزرویٹو ہے کہ ایک چھوٹی سی بات کو وجہ بنا کر انکار کرے۔“
”تمہارا گھرانہ......“ فیضان صاحب مسکرائے‘ اس مسکراہٹ میں نہ ہی طنز تھا اور نہ ہی حقارت لیکن اس کے باوجود نجانے کیوں عباس کو ان کی یہ مسکراہٹ بہت کٹیلی اور طنز اڑاتی لگی تھی۔
”میں روپے پیسے دولت جائیداد سب کی نفی کرتا ہوں‘ میرے نزدیک انسان کے کریکٹر اس کی شرافت اور اخلاق کی ویلیو ہے اور باقی سب بے معنی ہے۔“
”جوانی میں سب ہی ایسے بڑے بڑے ڈائیلاگ بول لیتے ہیں بیٹا! لیکن جب بوجھ کندھوں پر پڑتا ہے اور وقت کا پہیہ الٹی چال چلتا ہے تو سب دعوے اس چال کے سامنے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔“

''آپ کو لگتا ہے کہ میرے قول و فعل میں تضاد ہے؟ آپ بے شک مجھے آزما کر دیکھ لیں۔'' عباس کو ان کے الفاظ پسند نہ آئے تھے سو لہجہ ایک دم گرم ہوگیا تھا۔ فیضان صاحب مسکرائے تھے بڑی نرمی سے عباس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''برخوردار! رابعہ ہماری بچی ہے اور ہم بغیر کسی وجہ انکار کرنے کا حق رکھتے ہیں۔''

''اور میرے پاس بھی اپنے حق میں بولنے اور قائل کرنے کے لیے دلائل کی کمی نہیں ہے بشرطیکہ آپ ان دلائل پر غور کرنا چاہیں تو۔'' انہوں نے سر ہلایا۔

''بالکل آپ اپنے حق میں دلائل دے سکتے ہو لیکن رابعہ ہماری بچی ہے اور ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس کی ذات کا کوئی بھی پہلو ہم سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ وہ کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے ہیں' پرپوزل محض آپ کا فیصلہ ہے اگر ہماری بچی اس فیصلے میں انوالو ہوتی تو سوچتے کوئی تدبیر کرتے لیکن ہماری بچی بالکل غیر جانبدار ہے اور میں چاہتا ہوں آپ بار بار اس سے رابطہ کر کے اسے فورس مت کیجیے گا۔ بس اسی لیے آپ سے ملنا چاہتا تھا میں۔'' وہ اپنی بات مکمل کر کے اٹھے تو عباس بھی ساتھ ہی کھڑا ہوگیا تھا۔

''یہ تو کوئی ریزن نہیں بنتا' آپ رابعہ کے ماموں ہیں' میں اپنے والدین کو بھیجوں گا رابعہ کی والدہ اور بھائی کے پاس اور مجھے یقین ہے وہ انکار نہیں کریں گے۔'' فیضان صاحب نے بغور عباس کو دیکھا۔

''ہمارے گھر میں ایک فرد کا فیصلہ ہی سب کا فیصلہ ہوتا ہے بیٹا! جب میں انکار کر چکا ہوں تو وہ اقرار نہیں کریں گے۔''

''لیکن میں ریزن نہیں مانتا' کسی کو اس کی دولت کی بنیاد پر ریجیکٹ کر دینا تو کوئی اصول نہ ہوا یعنی اس دولت کے سامنے میری ذات' میرا کردار سب صفر' یہ تو ناانصافی ہوئی۔''

''تمہارے جیسے گھرانوں میں ایسی ناانصافی بالکل عام سی بات ہے' دولت کو بنیاد بنا کر رشتوں کا تقدس پامال کر دینا انہی امیر اونچے طبقے کے لوگوں کا ہی تو شیوہ ہے۔ بیٹا میں تو ایک عام سا غریب سے گھرانے کا فرد ہوں تم کو تو چاہیے تھا کہ اپنے جیسے گھرانے میں رشتہ دیکھتے۔''

''آپ اب زیادتی کر رہے ہیں انکل! ایک بار رابعہ نے بتایا تھا کہ آپ ایک معلم ہیں اور اپنی ساری زندگی طلباء کو علم دیتے گزار دی۔ ایک معلم کی دولت اور غربت کی لکیر کھینچ دینے والی سوچ جان کر مجھے افسوس ہو رہا ہے۔'' فیضان صاحب نے اسے خاموشی سے دیکھا۔

''آپ میرے شادی شدہ ہونے کو بنیاد بناتے یا میری ذاتی شرافت کو میں اس انکار کو مان لیتا لیکن اب یہ انکار مجھے نامنظور ہے۔ رابعہ آپ کی بیٹی ہے اس کی زندگی کا فیصلہ کرنے کا اختیار آپ کو حاصل ہے لیکن اس طرح دولت کو بنیاد بنا کر کسی کو ریجیکٹ کر دینا بڑا ہی ناانصافی والا سلوک ہے۔'' اب کے عباس نے حقیقتاً برا مانا تھا جبکہ فیضان صاحب نے اسے بہت غور سے دیکھا تھا۔

''تم رابعہ کے لیے کیا کر سکتے ہو؟'' کچھ توقف کے بعد انہوں نے پوچھا۔

''میں لمبے چوڑے دعوے نہیں کرتا لیکن باحیثیت انسان جو بھی مجھ سے بن پڑا میں کروں گا۔'' عباس نے تحمل سے کہا۔

''کیا اپنے والدین کو چھوڑ کر رابعہ کو اپنا سکتے ہو۔'' سوال ایسا تھا کہ عباس کئی لمحوں تک خاموش رہا تھا۔

''آئیم سوری...... میں ایسا نہیں کر سکتا' رابعہ کی خواہش ضرور کی ہے لیکن اپنے والدین کو دکھ دینے کا میں کبھی سوچوں گا بھی نہیں۔''

''بس یہی بات میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں بیٹا! جب بات ماں باپ کی آجاتی ہے تو سب جذباتی فیصلے ایک طرف

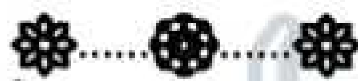
دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ ماں باپ اولاد کو ایسے بے توازن تعلق توڑ دینے پر مجبور کردیتے ہیں اور میں اپنی بچی کو ساری عمر دکھ جھیلنے نہیں دوں گا۔" ان کا انداز حتمی تھا۔ عباس نے بڑے ضبط سے فیضان صاحب کو دیکھا تھا۔

"آپ کا میرے والدین کے متعلق خیال بہت ہی فیکلو ہے۔ کبھی ماضی میں ہمارے بزرگوں میں سے کوئی رہا ہوگا دولت وجائیداد کے تفاخر میں مست لیکن میری زندگی میں ہمارے بابا صاحب سے لے کر بابا جان تک سب ہی نے ہمیں انکساری ہی سکھانے کی کوشش کی ہے۔ میرا چھوٹا بھائی مصطفیٰ سے کی شادی جس لڑکی سے ہوئی ہے اس کے خاندان کا کسی کو کوئی علم نہیں اس نے ہمارے گھر میں رہنے والی ایک ایسی خاتون کے ہاتھوں پرورش پائی ہے جس کا خاندان اسے ٹھکرا چکا تھا اور وہ اپنی اور اپنی بیٹی جان بچانے کے لیے حویلی میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئی تھیں۔ ہماری ماں جی نے اس لڑکی کو بیٹیوں کی طرح سمجھا اور ہم لوگوں نے بہنوں کی طرح اور جب اس کی شادی کی بات ہوئی تو ہماری ماں جی نے سب کے صلاح ومشورے سے اس کی شادی اپنے سب سے چہیتے بیٹے سے کردی تھی۔ اگر ہم دولت وجاگیر کے نشے میں چور لوگ ہوتے تو ہمارے گھر میں شرافت وکردار کی بنیاد پر رشتہ بنانے کی مثال کبھی قائم نہ ہوتی۔" عباس نے بہت تحمل سے بتایا تھا' فیضان صاحب کے چہرے پر الجھن پیدا ہوئی تھی۔

"بہر حال میں آپ کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور نہیں کرسکتا لیکن قائل کرنے کی کوشش ضرور کروں گا' اگر آپ قائل ہونا چاہیں تو......" عباس نے جیب سے سن گلاسز نکال کر آنکھوں پر لگالیے تھے۔

"چلتا ہوں' کوئی نازیبا لفظ استعمال کردیا ہو تو معذرت خواہ ہوں۔" ہاتھ ملانے کو ان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ فیضان صاحب نے بغور اسے دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا' ان کے ہاتھ کے لمس میں عجیب سی حدت تھی۔ انہوں نے ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا تھا' عباس پلٹا اور چند قدم آگے بڑھائے تھے۔ فیضان صاحب کی نگاہ اس کے ہراٹھتے قدم پر تھی۔ دل میں عجیب سا تلاطم برپا تھا' تبھی بے اختیار ان کی زبان ہلی تھی۔

"سنو......"



لالہ رخ کو لینے آنے والا ہمایوں تھا' ہمایوں کو برداشت کرنا بڑا ہی دل گردے کا کام تھا۔ لالہ رخ سارا رستہ اپنے ضبط کو آزماتی رہی تھی' اپنے گھر پہنچتے ہی اسے لگا کہ وہ جیسے جنت میں آگئی ہو' اس کی ماں کی حالت بہت خراب تھی' وہ مسلسل بستر پر لیٹی رہتی تھی۔ اس کے نانا کی موت جس کار ایکسیڈنٹ میں ہوئی تھی اسی کار میں نانا کے ساتھ اس کی ماں بھی تھی جو ریڑھ کی ہڈی کے فریکچر کے سبب مسلسل بستر پر تھی' وہ ماں کے پاس آئی تو ماں اسے دیکھ کر رونے لگی۔

"تمہیں کہا بھی تھا کہ واپس اس گھر میں نہ آنا' کیوں آئی تو...... تیرا ظالم باپ زبردستی تیری شادی اپنے بھتیجے سے کروادے گا پھر تو میری طرف سے ساری زندگی بیٹھ کر رونا۔"

"تو اماں پھر میں کہاں جاتی؟ ایگزامز کے بعد ہاسٹل کو ویسے بھی چھوڑنا تھا' ابا آئے تھے صاف کہہ دیا تھا کہ ایگزامز دوں اور کسی کو بھیجیں گے' سیدھا گھر آجاؤں۔"

"اور تیرا وہ استاد تو نے اس سے بات کی؟" اس کی ماں نے ایک آس سے پوچھا تھا۔

"نہیں اماں...... کسی سے بات نہیں کی۔" وہ ماں کو ٹال گئی تھی۔

"تجھے آنا نہیں تھا' یہ ہمایوں تو تیرے باپ سے بھی کئی ہاتھ آگے ہے۔ یہ دولت کسی سانپ کی طرح میری زندگی کو ڈس گئی تھی اب یہ تیری زندگی کھا جائے گی۔" رات کو اس کا باپ گھر آیا تھا' اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

"اگلے ماہ شادی کی تاریخ رکھ دی ہے کارڈ چھپنے دے دیئے ہیں' تو بھی اب آرام سے گھر بیٹھ کر شادی کی تیاری کر۔"

باپ کے سامنے وہ خاموشی سے سر جھکا گئی تھی لیکن ماں کے پاس آتے ہی وہ بلک بلک کر رو دی۔

"تو یہاں سے چلی جا لالہ رخ ورنہ تیرا باپ تجھے اس ہمایوں سے بیاہ دے گا۔ تو اس کے لیے دولت کی تجوری سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں وہ تیرا بھی ویسے استعمال کرے گا جیسے تیرے نانا اور میرا کیا اور پھر ناکارہ سمجھ کر ایک طرف ڈال دیا۔ تیرے نانا کو بھی تیرے باپ نے مارا ہے وہ اس کو جان سے مار دینے کی دھمکیاں دیا کرتا تھا اور پھر اس نے مار دیا۔ وہ مجھے بھی مار کر جائیداد نام لکھوالیں گے۔" اس کی ماں اس سے پھر وہی الفاظ دہرا رہی تھی جو وہ اس سے کئی بار کہہ چکی تھی اور ہمیشہ کی طرح وہ اپنی ماں کو بے بسی سے دیکھتی رہ گئی تھی۔

کاش وہ اپنے اماں کے الفاظ کی طرح بہت بہادر ہوتی یا پھر کاش اس کے پاس یہاں سے بھاگ کر کہیں اور جانے کا رستہ ہوتا۔ دو دن گزرے تھے جب اس کا باپ اس سے کچھ کاغذات لے کر دستخط کروانے آیا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" ہمیشہ کی طرح باپ کے سامنے چپ رہنے والی باپ کے سامنے بولی پڑی تھی۔

"کیوں تجھے نظر نہیں آرہا؟" لالہ رخ نے پھر کاغذات دیکھے تھے یہ اس کی ایک فیکٹری کے کاغذات تھے جو وہ ہمایوں کے نام منتقل کر رہے تھے۔

"لیکن میں دستخط نہیں کروں گی۔" بہت ہمت کر کے اس نے کہہ دیا تھا۔

"آرام سے دستخط کر زبان نہ چلا۔" اس کے باپ نے کھینچ کر اس کو تھپڑ مارا تھا وہ دکھ سے اپنے گال پر ہاتھ رکھ کر باپ کو دیکھتی رہی تھی۔

"لیکن میں یہ دستخط نہیں کروں گی۔" وہ زندگی میں پہلی بار باپ کے سامنے ڈٹی تھی۔

"تو دستخط نہیں کرے گی؟" اس کے باپ نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

اس کے باپ کا ہاتھ اس پر اٹھا تھا اور پھر اٹھتا ہی چلا گیا تھا۔ مار مار کر تھک گیا تو وہ اسے اس کی ماں کے کمرے میں بند کر کے چلا گیا تھا۔ وہ ماں کے ساتھ بیٹھ کر شدت سے روتی رہی تھی زندگی ایک دم ان ماں بیٹی کے لیے امتحان بن گئی تھی۔ اس کے باپ نے ان کا کھانا پینا بند کر دیا تھا وہ خود تو برداشت کر لیتی لیکن ماں کی حالت دیکھ کر وہ سسک اٹھی۔

چوتھے دن اس نے ہمت ہار دی تھی اس نے وہ فیکٹری خاموشی سے دستخط کر کے ہمایوں کے نام منتقل کر دی تھی۔ اس کا باپ بہت خوش تھا جبکہ اس کی ماں کو پھر سے کھانا اور میڈیسن مل رہی تھی۔ چند دن گزرے تھے جب اس کی ماں نے ایک بار پھر اسے اس گھر سے بھاگ کر چلے جانے پر زور دینا شروع کر دیا تھا۔

"میرے پاس کچھ کاغذات باقی ہیں کچھ زیور چھپا رکھا ہے اور کچھ پیسہ بھی تو چلی جا یہاں سے اور کبھی پلٹ کر یہاں نہ آنا۔"

"لیکن اماں تجھے اس حالت میں چھوڑ کر میں نہیں جا سکتی ورنہ ابا اور ہمایوں تجھے مار ڈالیں گے۔" وہ مسلسل انکاری تھی۔

"یہ دیکھ میرے ہاتھوں کو مجھ پر رحم کر میں تیری وجہ سے مر بھی نہیں سکتی۔ چلی جا یہاں سے میں نے خان بابا کے بیٹے سے بات کر لی ہے وہ تجھے لے جائے گا۔"

"کس سے..... امجد خان سے.....؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

"ہاں..... دو دن پہلے تیرا باپ اور ہمایوں گھر نہ تھے تو سوئی ہوئی تھی۔ میں نے خان بابا کو بلوایا تھا امجد پڑھ رہا ہے وہ اسی دن شہر سے آیا تھا اس کے ساتھ اس کی بیوی اور بیٹا بھی تھا۔ خان بابا کے پاس تیرے نانا نے کچھ کاغذات زیور اور پیسہ رکھوا رکھا تھا وہ تجھے دے دیں گے۔ وہ تجھے شہر چھوڑ دیں گے امجد خان نے وعدہ کیا تھا وہ تجھے بحفاظت جہاں تو کہے گی

پہنچا دیں گے۔" اس کی ماں سارا پروگرام طے کیے ہوئے تھی۔

"لیکن اماں میں جاؤں گی کہاں؟"

"تو اپنے اسی استاد کے پاس چلی جانا اسے کہنا تیرا ساتھ دے یا پھر کہیں اور رہ لینا لیکن اس عذاب سے نکل جا۔" اماں کی سوئی ابھی تک سکندر پر اٹکی ہوئی تھی۔

وہ اماں کو بتا ہی نہیں سکی تھی کہ وہ اس کی طرف سے مکمل طور پر ناامید ہو کر ہی یہاں تک آئی تھی۔

"لیکن اماں اگر ابا کو پتا چل گیا تو......؟"

"نہیں چلے گا' امجد خان اور اس کی بیوی بچہ دوپہر میں نکلیں گے ساتھ والے گاؤں میں رکیں گے' بعد میں خان بابا تجھے شام میں ان تک پہنچا دیں گے' اس کے بعد رات میں نکل جانا۔"

"لیکن اماں......"

"دیکھ میری سانسوں کا اب کوئی بھروسہ نہیں' مجھے سکون سے مرنے دے ورنہ آخری وقت تک میں تڑپتی رہوں گی۔" اس کی ماں نے لجاجت سے کہا تو وہ خاموش ہو گئی تھی۔

نجانے کیوں اندر ہی اندر وہ خود بھی اس عقوبت خانے سے بھاگ جانے کو مچل رہی تھی۔ اماں کے کہنے پر جہاں جہاں جو جو زیور روپیہ پیسہ رکھا تھا اس نے نکال کر بیگ میں رکھ لیا تھا۔

دو دن بعد ان کو موقع مل گیا تھا ہمایوں کئی دن سے منظر سے غائب تھا اور ابا کسی فیکٹری کے کام سے کچھ دنوں کے لیے دوسرے شہر جانے کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ اپنے پیچھے وہ تمام ملازمین کو سختی سے ہدایات جاری کر کے گئے تھے۔ سارا دن پرسکون گزرا تھا' رات ہوئی تو خان بابا چلے آئے تھے۔ وہ اماں کے گلے لگ کر شدت سے روئی تھی' اس کی ماں بہت پرسکون اور مطمئن تھی۔ اس نے زندگی بھر میں اپنی ماں کو اس قدر اطمینان میں نہیں دیکھا تھا' خان بابا کے ساتھ وہ چھپ چھپا کر نکلی تھی۔

دوسرے گاؤں تک وہ پیدل ہی گئے تھے' وہاں خان بابا کی بہن رہتی تھی' امجد خان اس کی بیوی وہاں انتظار کر رہے تھے۔ اس کے پہنچتے ہی وہ فوراً نکل آئے تھے' سڑک کنارے گاؤں تھا گاڑی کچھ دیر میں مل گئی تھی۔ اس طرح وہ پھر وہیں آ گئی تھی جہاں سے ایگزامز کے بعد وہ نکلی تھی۔

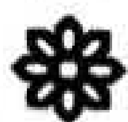
"اب کہاں جانا ہے چھوٹی بی بی!" اس کے ہاسٹل کے سامنے پہنچ کر امجد خان نے پوچھا تھا۔

گھر سے آتے ہوئے وہ اپنا بیگ لے آئی تھی' وہاں کھڑے کھڑے اس نے اس کو چیک کرنا شروع کر دیا تھا اور پھر آٹو گراف نوٹ بک نکال کر اپنی سامنے کی تھی۔ اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں اس نے دیکھا' سکندر سبحان احمد کے آٹو گراف کے نیچے سکندر کا ایڈریس لکھا ہوا تھا۔

اس نے اپنی اس آٹو گراف بک پر جس جس دوست استاد یا پرسنالٹی کا آٹو گراف لیا اس کے ساتھ ساتھ اس کا ایڈریس بھی لے لیا کرتی تھی۔ آج اس کی عادت اس کے کام آ رہی تھی' اس نے وہ ایڈریس امجد خان کو دکھایا تھا۔

امجد خان نے رکشہ کیا تھا اسے ہاسٹل چھوڑ کر سکندر کے گھر چلے آئے تھے' رات کے دو بج رہے تھے جب افشاں گہری نیند سے اٹھی تھی۔ گھر کا دروازہ بڑے زور زور سے بج رہا تھا' وہ حیران ہو کر کمرے سے نکلی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارا

سمیرا شریف طور

مسئلے تو پچھلے سال کے اپنی جگہ رہے
سب سوچتے رہے کہ نیا سال آ گیا
خوشیاں جو بانٹتا تو کوئی نئی بات تھی
گزرا ہوا یہ سال بھی عمریں بڑھا گیا

﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

ایاز دریہ کی مدد سے شہوار اور مصطفیٰ کے درمیان بدگمانی پیدا کرنے میں کامیاب رہتا ہے جب ہی شہوار مصطفیٰ کے رویے سے خائف ہوجاتی ہے۔ اسی دوران ایاز اسے کالج سے واپسی کے دوران اسلحہ کے زور پر کڈنیپ کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ڈرائیور اور امجد خان کی بروقت مدد سے شہوار خود کو چھڑانے میں کامیاب رہتی ہے جبکہ اس حادثے کے دوران دریہ اچانک ہی منظر سے غائب ہوجاتی ہے ایاز اپنی اس ناکامی پر شدید مشتعل ہوتے فرار ہوجاتا ہے۔ شہوار کو اس حال میں دیکھ کر مصطفیٰ شدید کرب میں مبتلا ہوتا ہے اسے یہ سب باقاعدہ کسی پلان کے تحت انجام ہوتا محسوس ہوتا ہے۔ سکندر اپنی اسٹوڈنٹ لالہ رخ کے رکھ رکھاؤ اور محتاط رویے سے کافی متاثر ہوتا ہے دوسری طرف لالہ رخ بھی اس کے لیے خاص جذبات رکھتی ہے جبکہ افشاں کے لیے یہ سب ناقابل برداشت ہوتا ہے وہ سکندر کو پسند کرتی ہے جب ہی ضیاء کے پروپوزل پر صاف انکار کردیتی ہے دوسری طرف سکندر کا جھکاؤ لالہ رخ کی طرف ہوتا ہے اسی دوران لالہ رخ اپنے تمام حالات سے اسے آگاہ کرتے اپنے گاؤں لوٹ جاتی ہے۔ اس کا تعلق اچھے گھرانے سے ہے مگر اس کا باپ جائیداد کی خاطر اس کی شادی اپنے اوباش بھتیجے سے کردینا چاہتا ہے ایسے میں اپنی ماں کے کہنے پر لالہ رخ اپنا پروپوزل اس کے سامنے رکھ کر اسے حیران کردیتی ہے یہ سب جان کر سکندر کی بے چینی از حد بڑھ جاتی ہے وہ کسی بھی طور لالہ رخ سے رابطہ کرنا چاہتا ہے۔ کاشفہ ولید کی عیادت کی غرض سے اسپتال پہنچتی ہے، جبکہ ولید اسے دیکھ کر شدید اشتعال میں آجاتا ہے دوسری طرف وہ انا کو بھی اپنی دھمکی آمیز رویے سے خائف رکھتی ہے۔ مصطفیٰ اس حادثہ کے متعلق دریہ سے استفسار کرتا ہے جس پر وہ شہوار کی ذات کے حوالے سے کافی تحقیر آمیز لہجے میں بات کرتی ہے جبکہ دریہ کا یہ انداز مصطفیٰ کو شدید غصے میں مبتلا کردیتا ہے جب ہی وہ اسے سخت سناتا ہے دوسری طرف ایاز ایک مرتبہ پھر دریہ کی مدد سے اپنے نئے پلان پر عمل درآمد کرنے کی کوشش جاری رکھتا ہے۔ فیضان رابعہ کے پروپوزل کے سلسلے میں عباس سے ملتے ہیں اور عباس کو رابعہ کے رشتے پر صاف انکار کردیتے ہیں یہ صورت حال عباس کے لیے قطعی غیر یقینی ہے جب ہی وہ اس انکار کی وجہ جاننا چاہتا ہے لیکن فیضان اس کی ہر بات کو رد کردیتے ہیں۔ لالہ رخ کے گاؤں پہنچنے پر اس کی ماں اسے یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلے جانا کا کہتی ہے دوسری صورت میں ظالم باپ اور ہمایوں جیسے شخص کا ساتھ وہ بھی نہیں چاہتی۔ جب ہی خان بابا کے بیٹے امجد خان کے بیوی بچوں کے ساتھ وہ شہر آجاتی ہے دوسری طرف امجد خان اسے ہاسٹل میں چھوڑ کر سکندر کو تمام صورت حال سے آگاہ کرنے کی غرض سے اس کے گھر پہنچ جاتا ہے۔

﴿اب آگے پڑھیے﴾



دروازہ کھولنے والی خالہ بی تھیں' اپنے سامنے اجنبی لوگوں کو دیکھ کر چونک گئی تھیں' چونک تو افشاں بھی گئی تھی۔
"آپ کون لوگ ہیں؟" افشاں نے پوچھا۔
"مجھے سکندر صاحب سے ملنا ہے۔" امجد خان نے کہا تو افشاں نے الجھ کر ان کو دیکھا۔ ایک عورت ساتھ ایک بچہ اور مرد تھا۔
"وہ ادھر ہی رہتے ہیں نا؟" وہ پوچھ رہا تھا۔
"مگر آپ ہیں کون؟" افشاں نے پھر پوچھا۔
"سکندر صاحب سے ملوادیں اپنے بارے میں ان سے ہی بات کروں گا۔" افشاں نے الجھ کر خالہ بی کو دیکھا۔
"میں بلا کر لاتی ہوں۔" خالہ بی اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھیں۔ کچھ دیر بعد سکندر امجد خان سے ہاتھ ملا رہا تھا۔
"میں معذرت چاہتا ہوں' میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" وہ لوگ ابھی بھی دروازے پر ہی کھڑے تھے۔
"آپ لالہ رخ کو تو جانتے ہوں گے نا۔" سکندر کے ساتھ ساتھ افشاں بھی چونکی تھی۔
"لالہ رخ......؟" سکندر پکار اٹھا۔
"میں ان کے ملازم کا بیٹا ہوں' لالہ رخ اس وقت وویمن ہاسٹل میں ہے' اس نے مجھے یہاں بھیجا ہے وہ آپ سے ملنا چاہتی ہے۔" سکندر ایک دم چونکا۔ افشاں ناسمجھی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔
"وہ ٹھیک ہیں نا؟" سکندر نے بے اختیاری میں پوچھا۔
"ابھی تک تو ٹھیک ہی ہیں لیکن آئندہ کیا حالات ہوتے ہیں کچھ کہہ نہیں سکتا۔" امجد خان ایک سلجھا ہوا مرد تھا اس کی گفتگو بھی مہذبانہ تھی۔
"اوکے میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔" سکندر نے فوراً فیصلہ کیا' افشاں نے حیرت سے دیکھا۔
"تم کہاں جاؤ گے؟ تم بھلا ان لوگوں کو کیسے جانتے ہو۔"
"لیکن میں لالہ رخ کو تو جانتا ہوں' میں کچھ دیر میں آجاؤں گا ڈونٹ وری۔" وہ افشاں کو تسلی دے کر واپس اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ لباس بدل کر کچھ دیر بعد امجد خان کے ساتھ چل دیا تھا۔
وہ ہاسٹل پہنچا تو لالہ رخ وارڈن کے کمرے میں بیٹھی تھی۔ وارڈن لالہ رخ کے حالات سے باخبر تھی' وہ نیک دل عورت تھیں ان کو لالہ رخ سے خصوصی لگاؤ تھا سو کسی کو بھی خبر ہونے سے پہلے وہ خاموشی سے لالہ رخ کو اپنے کمرے میں لے آئی تھیں۔ سکندر وہاں پہنچا تو لالہ رخ کو دیکھ کر چونکا تھا۔ عجیب کمزور نڈھال پژمردہ سی لڑکی لگ رہی تھی' چہرے کی تازگی نچڑ کر رہ گئی تھی۔ لالہ رخ سے مل کر اس کی ساری کتھا سننے کے بعد سکندر کافی دیر تک خاموش رہا تھا۔
"دیکھیں آپ اگر ہماری کوئی مدد کر سکتے ہیں تو ہمیں بتادیں ورنہ ہمارے پاس بالکل بھی وقت نہیں ہے۔ صبح کی روشنی ہوتے ہی لالہ رخ بی بی کی حویلی میں ان کی گم شدگی کی خبر پھیل جائے گی اور سب سے پہلے ان کو تلاش کرنے وہ لوگ یہاں ہی آئیں گے۔ اگر آپ ان کی مدد کر سکتے ہیں تو ٹھیک ورنہ پھر میں ان کو لے کر کہیں اور چلا جاؤں گا۔" امجد خان کا اٹل انداز تھا' سکندر نے چند پل سوچا تھا۔ ایک نگاہ گم صم بیٹھی انگلیاں چٹخاتی لالہ رخ پر ڈالی اور پھر ایک دم ایک فیصلہ کیا تھا۔
"آپ لوگوں کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں' آپ لوگ ہمارے ساتھ گھر چلیں۔" سکندر کے الفاظ پر لالہ رخ نے بے

اختیار اسے دیکھا تھا' سکندر مسکرا دیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ان لوگوں کو لے کر اپنے گھر آ گیا تھا۔ افشاں ان کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

"تم ان کو یہاں کیوں لائے ہو؟" وہ اس سے الجھ پڑی۔ جواباً سکندر نے اسے لالہ رخ کی ساری کہانی سنادی تھی۔

"اب تم کیا چاہتے ہو؟" افشاں نے خوف زدہ نظروں سے سکندر کو دیکھا۔

"ایک لڑکی میرے لیے اپنا سب کچھ چھوڑ کر آئی ہے' وہ اس وقت سخت مصیبت میں گرفتار ہے' اسے میں ایسے تنہا نہیں چھوڑوں گا۔" افشاں حیرت سے دیکھے گئی۔

"اوپر والے پورشن میں ان لوگوں کے رہنے کا انتظام کردو' میں نے ہاسٹل سے ہی ضیاء کو کال کردی تھی وہ کچھ دیر میں صبوحی اور وقار کو لے کر پہنچ رہے ہوں گے۔ میں کل لالہ رخ سے نکاح کرلوں گا۔" انداز اٹل اور فیصلہ کن تھا' وہ کہہ کر پلٹا اور افشاں بالکل ڈھے سی گئی۔

اس کے رخساروں پر بے اختیار آنسو بہہ رہے تھے' وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں پلٹ گئی تھی۔ خالہ بی نے لالہ رخ' امجد خان اور اس کی بیوی کے لیے اوپر والے حصے میں آرام کرنے کا انتظام کردیا تھا' کچھ دیر میں صبوحی ضیاء اور وقار بھی پہنچ گئے تھے۔ فجر کے بعد ضیاء ایک مولوی صاحب کو لے آئے تھے' دو تین اور لوگوں کی موجودگی میں سکندر اور لالہ رخ کا نکاح ہوگیا تھا۔ امجد خان سب معاملے میں پیش پیش تھا۔ لالہ رخ کو لگ رہا تھا کہ جیسے ایک دم اس کی زندگی بدل گئی ہے۔ وہ کل کیا تھی اور اب کیا سے کیا ہوگئی ہے' افشاں گم صم اور چپ چاپ تھی صبوحی بہت خوش تھی۔ وقار نے سکندر کو اس کے اس نیک عمل پر بہت سراہا تھا۔

سکندر خوش بھی تھا اور مطمئن بھی۔ اگلے دن امجد خان دوپہر میں اپنے باپ کو فون کرنے گیا تھا' وہ فون کرکے واپس آیا تو بہت افسردہ تھا۔

"بڑی بیگم صاحبہ کی طبیعت بہت خراب تھی' سب ملازمین کو علم ہوچکا تھا کہ لالہ رخ حویلی میں نہیں ہے اور ملازمین نے اشفاق احمد اور بھائیوں کو بھی اطلاع کردی تھی' وہ دونوں کسی وقت بھی حویلی پہنچ سکتے تھے۔" سکندر امجد خان کی زبانی وہاں کے حالات سن کر افسردہ ہوا' تاہم اس نے لالہ رخ سے ذکر کرنے سے منع کردیا خوامخواہ وہ بے چاری پریشان رہتی۔

اسی دن امجد خان اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ رخصت ہوگیا تھا۔ سکندر کا ابھی تک نکاح کے بعد لالہ رخ سے سامنا نہیں ہوا تھا' خواتین ہی اس کے پاس موجود تھیں۔ شام ہوئی تو صبوحی وقار اور ضیاء اسے ڈھیروں نیک خواہشات سونپتے رخصت ہوگئے تھے۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد خالی بی لالہ رخ کے پاس موجود رہی تھی جبکہ افشاں ان لوگوں کے رخصت ہوتے ہی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ شاید سارے دن کی اس مصروفیت سے وہ تھک گئی تھی۔ سکندر نے اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا اور خود ہی کچن میں آکر اپنے لیے چائے بنائی تھی۔ کھانا سر شام ہی سب کھا چکے تھے۔

"ارے بیٹا تم نے کیوں زحمت کی؟ مجھ سے کہا ہوتا میں بنادیتی۔" خالہ بی لالہ رخ کے پاس سے اٹھ کر نیچے آئیں تو اسے کپوں میں چائے ڈالتے دیکھ کر ٹوکا۔

"کوئی بات نہیں خالہ بی!" سکندر نے ایک کپ اٹھا کر انہیں تھمایا۔

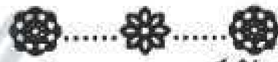
"ماشاء اللہ بہت ہی پیاری بچی ہے لالہ رخ! سارا وقت ماں کو یاد کرتے روتی رہی ہے۔ تم اس سے ذرا نرمی سے پیش آنا' کسی نیک ماں کی اولاد لگتی ہے۔" خالہ بی نے نصیحت کی' سکندر مسکرا دیا۔

"لاؤ میں دلہن کو چائے دے آؤں بلکہ تم بھی آؤ مل کر پی لینا۔" خالہ بی نے کہا' انہوں نے اپنا کپ رکھ کر چھوٹی سی

ٹرے میں دو کپ رکھے تھے۔
سکندر بھی ان کے ہمراہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا' لالہ رخ آج سارا دن اس کے کمرے میں ہی رہی تھی۔ سادہ سے لباس میں بغیر کسی ہار سنگھار کے بستر پر اپنی ہی سوچوں میں گم بیٹھی لالہ رخ سکندر کی دلہن تھی۔ سکندر نے کمرے میں داخل ہو کر سلام کیا تو وہ سر جھکا گئی تھی۔
''چلو بیٹا چائے پی لو کھانا بھی تم نے بس برائے نام ہی کھایا تھا۔'' خالہ بی نے کہا تو لالہ رخ نے محض سر ہلایا تھا۔ خالہ بی اس سے ایک دو باتیں کر کے چلی گئی تھیں۔
لالہ رخ کچھ کنفیوژ سی تھی' سکندر اس کے سامنے بیٹھا تو وہ اپنی ذات میں کچھ اور سمٹ گئی تھی۔
''یہ چائے لیں۔'' سکندر نے کپ اٹھا کر اسے تھمایا جسے اس نے شکریہ کہہ کر تھام لیا تھا۔ دونوں نے بہت خاموشی سے چائے پی تھی' سکندر گاہے بگاہے اسے دیکھتا رہا تھا۔
وہ بہت ہی خوب صورت اور دل موہ لینے والی لڑکی تھی۔ پلکوں کی گھنی جھالر اٹھتی گرتی اسے کچھ اور ہی روپ بخش رہی تھی۔ چائے پینے کے بعد سکندر نے دونوں کپ ٹرے میں رکھ کر ٹرے ایک طرف رکھ دی تھی۔ سکندر لالہ رخ کے پاس بیٹھا تو انداز میں استحقاق تھا۔
''مجھ سے شادی کر کے مطمئن ہیں۔'' مسکرا کر پوچھا تو لالہ رخ نے پلکیں اٹھا کر دیکھا۔
''اگر غیر مطمئن ہوتی تو میں کبھی بھی امجد خان کو آپ کے پاس نہ بھیجتی۔'' دھیمے لہجے میں اس نے دل کی بات کہہ دی' سکندر مسکرایا۔ محبت سے اس کا ہاتھ تھاما تو لالہ رخ کا ہاتھ لرزنے لگا۔
''کیا بتا سکتی ہیں کہ مجھ میں ایسی کیا بات اچھی لگی تھی جو مجھ سے شادی کرنے کا فیصلہ کیا۔'' نرمی سے دونوں ہاتھوں میں لالہ رخ کے ہاتھ کو سہلاتے سکندر نے پوچھا۔
''دل کے معاملات کسی وضاحت کے محتاج نہیں ہوتے سر!'' سکندر ہنسا۔
''اب بھی سر؟'' لالہ رخ کے ہونٹوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ سمٹ آئی۔
''سر کا رشتہ میرے لیے بہت محترم ہے اور آپ ہمیشہ محترم رہیں گے۔ آپ نے جس طرح میری مجبوری سمجھ کر میرا ساتھ دیا ہے میں شاید عمر بھر آپ کا یہ احسان نہ بھلا پاؤں۔''
''لالہ رخ......'' سکندر نے ٹوک دیا' لالہ رخ نے آنکھوں میں در آ جانے والی نمی کو بمشکل روکا تھا۔
''یہ احسان والی بات مت کریں' اصل میں کچھ لوگ زندگی میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو پہلی نگاہ سے اچھے لگتے ہیں' مجھے آپ سے کوئی محبت کا دعویٰ نہیں ہے لیکن آپ کے رکھ رکھاؤ اور محتاط انداز نے ہمیشہ آپ کے کردار کو میری نگاہ میں بہت معتبر بنا کر پیش کیا تھا۔'' لالہ رخ مسکرا دی۔
''آپ نے اپنے بارے میں تو بہت کچھ بتا دیا تھا لیکن میرے بارے میں آپ کچھ نہیں جانتیں۔'' لالہ رخ کی رنجیدگی ختم کرنے کو سکندر نے بات بدلی۔
''آپ نے جس طرح میری مدد کی ہے وہ سب آپ کی ذات کو میرے سامنے آشکار کرنے کے لیے کافی ہے۔ میں یہاں اپنی ماں کے مجبور کرنے پر آئی تھی' مجھے قطعی امید نہ تھی کہ آپ اس طرح میرا ساتھ دیں گے بھی یا نہیں لیکن آپ نے میرے تمام وسوسوں کو غلط ثابت کر دیا' میں ہمیشہ آپ کی احسان مند رہوں گی۔'' لالہ رخ کی رنجیدگی جوں کی توں تھی۔ سکندر نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔
''زندگی کے بارے میں میرے کوئی لمبے چوڑے خواب نہیں ہیں' سادہ سی عام سی ترجیحات ہیں۔ میں پوری کوشش

کروں گا کہ آپ جس بھروسے کو لے کر میری طرف بڑھی ہیں وہ بھروسہ ہمیشہ قائم رہے۔ میں آپ کو اپنے بارے میں مختصراً بتا دینا چاہتا ہوں میری ماں ایک غریب گھرانے سے تھیں‘ میرے والد ایک جاگیر دار تھے۔ میری والدہ ان کی دوسری بیوی تھیں‘ میرے والد کے خاندان نے میری والدہ اور پھر مجھے قبول نہ کیا‘ میری والدہ کے انتقال کے بعد میرے نانا نے مجھے ایک یتیم خانے میں چھوڑ دیا جہاں کچھ سال بعد میرے والد نے واپس لے لیا تھا اور پھر مجھے سبحان صاحب نے اڈاپٹ کرلیا تھا۔ بچپن کے علاوہ میں نے زندگی میں اپنے اصلی باپ کو کبھی نہیں دیکھا اور نہ ہی ملا البتہ تصاویر ضرور دیکھ رکھی ہیں۔ سبحان صاحب اور ان کی بیگم نے میرا بہت خیال رکھا‘ حقیقی بیٹے کا سا پیار دیا اور میں نے بھی ان کو ہمیشہ والدین سمجھا۔ میری ولدیت کے خانے میں ہمیشہ سبحان احمد لکھا گیا‘ ان دونوں کی وفات کے بعد مجھے ان کے خاندان نے لے پالک کہہ کر گھر سے نکال دیا تھا۔ میں چاہتا تو مقدمہ کرسکتا تھا لیکن مجھے دولت جائیداد کسی بھی چیز سے کوئی غرض نہ تھی۔ امریکہ میں میرے نام کچھ پراپرٹی موجود ہے لیکن میں فوراً یہاں سے نہیں جاسکتا تھا مجبوراً مجھے کالج میں جاب کرنا پڑی۔ میں مالی لحاظ سے اس وقت بہت مضبوط نہیں ہوں وقت کے ساتھ ساتھ میں شاید اسٹیبلش ہو جاؤں لیکن اس وقت میں جس گھر میں رہتا ہوں یہ بھی افشاں کے نام ہے۔ افشاں میری سگی خالہ زاد ہے۔‘‘ سکندر نے اپنے بارے میں سب بتا دیا تھا۔

’’مجھے آپ کی دولت اور جائیداد کسی سے کوئی غرض نہیں‘ وہ سب کچھ جو آپ لے کر آئی ہیں وہ سب صرف اور صرف آپ کا ہے۔ البتہ میں آپ سے یہ ضرور وعدہ کرتا ہوں کہ زندگی میں جہاں تک بھی بن پڑا میں ہر موڑ اور ہر معاملے میں آپ کی مدد کروں گا۔‘‘ سکندر کا انداز پُرعزم اور اعتماد بخشنے والا تھا محبت جتاتا‘ احساس دلاتا‘ لالہ رخ مسکرا دی۔ رنجیدہ سی مسکراہٹ تھی‘ جو سکندر کے دل میں ایک چراغ بن کر دہکنے لگی تھی۔ سکندر نے گرم جوشی سے اس کا نرم ہاتھ دبا کر اس کی مسکراہٹ کو مزید اعتماد بخشا تھا۔



ولید دو ہفتوں بعد گھر شفٹ ہوگیا تھا‘ مصطفیٰ کئی بار عیادت کو آچکا تھا لیکن شہوار نے ایاز کے خوف سے گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ آج کئی دنوں بعد مصطفیٰ کے ساتھ ولید کی طرف آنے کو تیار ہوئی تھی۔ مصطفیٰ آج جلدی گھر آ گیا تھا۔

وہ مغرب سے پہلے ولید کے ہاں آچکے تھے۔ ولید اپنے کمرے میں تھا‘ روشنی ان کو اس کے کمرے میں ہی لے آئی تھی۔ انا شہوار اور مصطفیٰ کے لیے چائے بنانے گئی تھی ولید کے زخم تو ابھی بھی برقرار تھے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہی اب مندمل ہونے تھے تاہم وہ آج کل مکمل طور پر بیڈ ریسٹ پر تھا۔ وہ مصطفیٰ کو دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا‘ وہ سارا سارا دن بیڈ ریسٹ سے اب اکتا چکا تھا لیکن اتنے سارے لوگوں کے سامنے اس کی ایک بھی نہیں چل رہی تھی۔

’’کیسا فیل کر رہے ہو؟‘‘ مصطفیٰ نے مسکرا کر پوچھا۔

’’بہت بیڈ...... میں اس جبری قید سے سخت اکتا گیا ہوں‘ سب نے مجھے ایک چھوٹا سا بچہ سمجھ لیا ہے۔ حتیٰ کہ کمرے سے نکلنے پر بھی پابندی ہے۔‘‘ وہ سخت خفا تھا‘ بہت خفگی سے بہن کو بھی دیکھا تھا‘ روشنی ہنس دی۔

’’یہ سب آپ کی بہتری کے لیے ہی تو کر رہے ہیں ہم۔‘‘

’’میں بالکل بے کار پرزہ بن کر رہ گیا ہوں یار!‘‘ ولید کے چہرے پر از حد بے چارگی کی تحریر رقم تھی۔

’’چند دن کی بات ہے پھر آپ کے ٹیسٹ کروالیں گے ڈاکٹر نے اجازت دے دی تو آپ باہر نکل سکتے ہیں۔‘‘ روشنی نے سخت گیر بہن کا کردار ادا کیا تھا۔

''ایک دفعہ مجھے کمرے سے باہر نکلنے دو، تمہیں تو میں اچھی طرح پوچھوں گا۔'' ولید نے دھمکی دی جو روشنی نے ہنس کر ٹال دی۔ وہ شہوار سے باتیں کرنے لگ گئی تھی جبکہ مصطفیٰ ولید کے ساتھ اس کے بستر پر ہی بیٹھ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد انا چائے کے لوازمات لیے ادھر آ گئی تھی، صغراں ہمراہ تھی۔ دیگر لوازمات وہ دونوں ٹیبل پر سجانے لگیں تھیں۔

مصطفیٰ سے بات کرتے ولید نے ایک ناگوار سی نگاہ انا پر ڈالی تھی۔ ہسپتال سے صبوحی بیگم کے ڈسچارج ہونے کے بعد وہ دوبارہ وہاں نہیں گئی تھی اور گھر آنے پر بھی وہ اتنے دنوں میں کہیں نظر نہ آئی تھی لیکن آج اسے یہاں دیکھ کر اس کی کنپٹیوں کی رگیں ابھر آئی تھیں۔ صغراں چلی گئی تھی، انا خود ہی مگوں میں چائے انڈیل کر سب کو سرو کر رہی تھی۔ اس نے مصطفیٰ کو کپ تھمایا تو اس نے شکریہ کے ساتھ تھام لیا تھا۔

''ولید بھائی آپ بھی چائے پئیں گے نا؟'' روشنی نے پوچھا۔

''ہاں دے دو۔'' ولید نے سنجیدگی سے کہا۔

''انا بھائی کو بھی چائے دے دو۔'' روشنی نے انا کو کہا اور پھر شہوار کے ساتھ باتوں میں لگ گئی۔ انا ایک دم جز بز ہوئی تھی۔ اس نے ولید کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر ازحد سنجیدگی تھی۔ اس نے خاموشی سے کپ میں چائے انڈیلی اور ساسر میں کپ رکھ کر اسے ولید کی طرف آئی۔

اس نے قریب آ کر چائے والا کپ ولید کی طرف بڑھایا جبکہ ولید توجہ دیئے بغیر مصطفیٰ سے گفتگو کر رہا تھا۔ مصطفیٰ نے دونوں کو دیکھا تھا، دونوں کے انداز عجیب سے تھے اس نے بغور نوٹ کیا تھا۔

''یار چائے لے لو۔'' مصطفیٰ نے انا کی طرف اشارہ کیا تو ولید نے انا کی طرف دیکھا۔ انداز میں بہت گرمی تھی۔ اس نے انا سے کپ لینے کو ہاتھ بڑھایا تھا، انا کا ہاتھ لڑکھڑایا تھا یا ولید نے بہت غصے سے ہاتھ بڑھایا تھا۔ ولید کا ہاتھ ساسر سے ٹکرایا نتیجتاً چائے کا کپ انا کے ہاتھ پر الٹا بستر پر گرا تھا، جو انا کے ہاتھ کو جلاتا بستر کی چادر کو بھی داغ دار کر گیا تھا۔

''اُف......'' انا نے ایک دم بائیں ہاتھ سے اپنا دایاں ہاتھ تھاما تھا سبھی پریشان ہو گئے تھے۔

''اوہ نو......'' روشی ایک دم اٹھ کر پاس آئی تھی۔ ولید نے مطمئن سا بستر کی بیک سے کمر ٹکا کر سنجیدگی سے انا کو دیکھا تھا۔ جو لب دبائے دوسرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ تھامے ہوئے تھی، مصطفیٰ نے خاموشی سے ساری کارروائی نوٹ کی تھی۔ شہوار بھی انا کے پاس آ گئی تھی۔

''یہ تو جل گیا ہے، اس پر کوئی آئنمنٹ لگائیں فوراً......'' شہوار نے انا کا ہاتھ تھام کر دیکھتے فکرمندی سے کہا۔ انا نے ہونٹ دانت تلے دبا لیے تھے، اس نے ایک نگاہ ولید پر ڈالی تھی۔ ولید کے چہرے پر ازحد سنجیدگی تھی تاہم اس کی آنکھوں میں عجیب سی گرمی تھی۔

''میں لگا لوں گی، تم لوگ چائے پیو۔'' وہ سنجیدگی سے کہتے وہاں سے نکل گئی تھی، شہوار بھی اس کے ساتھ فوراً کمرے سے نکلی تھی۔ روشی نے ایک گہرا سانس لیا، وہ بھی کمرے سے باہر نکل آئی۔ انا اپنے بیڈ کی سائیڈ کی دراز میں کھنگال رہی تھی اور پھر ایک دراز سے کریم نکال کر اس نے اس کا ڈھکن کھولا تھا شہوار نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے کریم لے کر اس کے ہاتھ پر لگانا شروع کر دی تھی۔

روشی کمرے میں آئی تو انا لب دانتوں تلے دبائے بستر کے کنارے بیٹھی ہوئی تھی، شہوار اس کے پاس خاموشی سے بیٹھی ہوئی تھی۔

''زیادہ زخم تو نہیں؟'' اس نے فکرمندی سے پوچھا۔

"نہیں بس ٹھیک ہے۔" انا نے سنجیدگی سے کہا۔ آج کل وہ ویسے بھی بہت سنجیدہ تھی روشی نے ایک گہرا سانس لیا' صغراں چائے لے آئی تھی۔

شہوار نے کالج اور اسٹڈی کی باتیں چھیڑ دی تھیں' وہ خود کالج نہیں جا رہی تھی لیکن انا ضرور دوسرے تیسرے دن اس کے ہاں آ جاتی تھی اور دونوں مل کر ایگزامز کی تیاری کر رہی تھیں۔ شہوار کالج جانے پر تو آمادہ نہ ہو سکی تھی تاہم ایگزامز دینے پر ضرور راضی ہو گئی تھی۔ چائے پینے کے بعد روشی برتن سمیٹ کر چلی گئی تھی۔

"کل پھوپو آئی تھیں ہماری طرف۔" شہوار نے روشی کے جانے کے بعد کہا تو انا چونکی۔

"بتا رہی تھیں کہ وہ اب ڈائریکٹ شادی ہی کریں گی' حماد کا ٹرپ بڑھ گیا ہے وہ جیسے ہی پاکستان آتا ہے تمہاری رخصتی کرا لیں گی۔" انا نے لب بھینچ لیے تھے۔

مصطفیٰ کی پھوپو پرسوں ان کی طرف بھی آئی تھیں اور سب باتیں طے کرنے کے بعد جاتے وقت انا کو ساتھ لپٹا کر ایک دم بیگ سے ایک کنگن نکال کر انا کا ہاتھ تھام کر اسے پہنایا تھا۔ انا نے گھبرا کر سب کو دیکھا تھا سبھی خاموش اور سنجیدہ تھے' ولید کے سوا سبھی وہاں موجود تھے۔

"ہم باقاعدہ کوئی رسم نہیں کر سکے لیکن ہماری طرف سے یہی رسم کی نشانی ہے ان شاء اللہ شادی پر ہم کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔" انا کی پیشانی چومتے اسے گرم جوشی سے ساتھ لگاتے انہوں نے حاضرین سے کہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ لوگ چلے گئے تھے لیکن اس کے بعد وہ بھی لوگ ساکت سے تھے' خاموش گم صم اور انا اس کو لگ رہا تھا کہ جیسے وہ دھیرے دھیرے کسی گہری کھائی میں خود کو گراتی جا رہی ہو۔ وہ چیخنا چاہتی تھی' چلانا چاہتی تھی لیکن بے بس تھی۔

"انا......" اسے گم صم دیکھ کر شہوار نے اس کا کندھا ہلایا تو اس نے اسے دیکھا۔

"تم کوئی اسٹینڈ کیوں نہیں لے رہیں' تم سب کو بتا کیوں نہیں دیتیں کہ تم نے یہ سب کچھ جان بوجھ کر کیا تھا' وہ سب



ڈرامہ تھا کاشفہ سے بچنے کے لیے۔'' شہوار نے سنجیدگی سے کہا تو انا نے ایک گہرا سانس لیا۔
''ولید کی نفرت کا یہ عالم ہے کہ وہ مجھے دیکھ کر نفرت سے رخ بدل لیتا ہے' میں نے خود سب کو بدظن کیا ہے اب میں کچھ بتاؤں گی تو سب مجھے برا بھلا کہیں گے اور ولید وہ تو شاید عمر بھر میری شکل بھی نہ دیکھنا چاہے۔ کاشفہ کی ذات کو لے کر میں نے اسے اس قدر مینٹلی ٹارچر کیا تھا۔ میں خود سب کو اس مقام پر لے کر آئی ہوں اور اگر اب سب کو سچ بتاتی ہوں تو سب کا اعتبار کھو جائے گا اور ولید سے شاید اب عمر بھر سامنا نہ کر پاؤں اس کی نفرت اس کا برا رویہ سب حق بجانب ہوگا اور میرے اندر اتنی ہمت نہیں کہ میں سب کی نظروں میں اپنے لیے لعنت ملامت دیکھوں۔''
''تو کیا خاموشی سے چپ چاپ حماد کے ساتھ رخصت ہو لوگی؟'' شہوار نے تلخی سے کہا۔
''جو بویا ہے وہ اب کاٹنا تو ہے نا' شاید یہی اب میری سزا ہے۔ تاعمر اپنی ہی چلائی' شک کی آگ میں جلیں۔'' اس کی آواز رنجیدہ ہوگئی تو وہ اپنے ہی ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی تھی۔
''میں بہت بری ہوں شہوار...... بہت بری......'' شہوار نے بہت سنجیدگی سے اسے یوں سسکتے دیکھا تھا۔



سکندر کے ساتھ گزرنے والے یہ دو دن بہت خوب صورت تھے' زندگی کے سب سے حسین دن تھے لیکن پھر اچانک سکندر کو اپنے کالج کے نمبر پر امجد خان کی کال ریسیو ہوئی تھی۔ امجد خان نے لالہ رخ کی والدہ کے انتقال کی خبر سنائی تھی' سکندر کو ازحد افسوس ہوا تھا۔ اس نے افشاں کو بتایا تھا' افشاں آج کل بہت سنجیدہ سنجیدہ سی اور ریزروسی ہوگئی تھی۔ اپنی نئی زندگی کی رونقوں کو کشید کرتے سکندر کو افشاں کے مزاج کی یہ تبدیلی نظر نہ آسکی تھی۔
''میرے اندر تو ہمت نہیں لالہ رخ کو اس کی ماں کی انتقال کی خبر سنانے کی' پلیز تم بتا دینا۔'' افشاں کو کہا تو افشاں نے بہت سنجیدگی سے سکندر کو دیکھا۔
''گزرے دنوں میں سکندر اس قدر خوش دکھائی دینے لگا تھا کہ اب تک اس نے اسے اس قدر خوش کبھی نہ دیکھا تھا۔'' اس نے خاموشی سے سر ہلا دیا تھا۔ گھر آکے افشاں نے خالہ بی کو بتایا تھا اور خالہ بی نے لالہ رخ کو۔ لالہ رخ کا تو مارے صدمے کے برا حال تھا' رو رو کے اس نے اپنی حالت خراب کر لی تھی۔
وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی اور بدقسمتی یہ تھی کہ وہ ماں سے کوسوں دور تھی۔ وہ اس تک پہنچ بھی نہیں سکتی تھی اس کا آخری بار چہرہ بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ سکندر' خالہ بی' افشاں' صبوحی بھی اس کے غم میں برابر کے شریک تھے۔ ضیاء اور وقار بھی چکر لگا لیتے تھے اور بھی لالہ رخ کی دل جوئی کرتے رہتے تھے۔
دن خاموشی سے سرکنے لگے تھے' ضیاء کے باہر جانے کی ڈیٹ قریب آرہی تھی۔ صبوحی ایک بار پھر ضیاء کا رشتہ لے کر آئی تھی۔ لالہ رخ اپنے کمرے میں تھی' خالہ بی کچن میں جبکہ سکندر باہر کسی کام سے گیا تھا۔
''آخر تم کب تک سکندر کا جوگ لیے بیٹھی رہوگی' سکندر شادی کر چکا ہے۔ میں بھی نہ آتی لیکن تمہیں اس حالت میں دیکھ کر دل دکھتا ہے میرا' میں اب مزید برداشت نہیں کر سکتی۔'' صبوحی نے کہا تو افشاں نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔
''میں سکندر کے نام کا جوگ نہیں لے رہی لیکن ابھی اتنی جلدی کسی اور کے لیے فیصلہ کرنا میرے لیے بہت مشکل ہے پلیز مجھے بار بار ڈسٹرب مت کرو۔''
''میں سمجھ سکتی ہوں تمہارے لیے یہ سب بہت مشکل ہے لیکن یہ بھی تو سوچو ضیاء بھائی تم سے بہت محبت کرتے ہیں اور تمہیں اس حالت میں نہیں دیکھ سکتے۔''
''پلیز صبوحی مجھے ڈسٹرب مت کرو' پلیز مجھے سمجھنے کی کوشش کرو میں بے بس ہوں۔'' وہ رنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

❁.......❁.......❁

عباس آفس میں تھا جب فیضان صاحب کی کال اس نے ریسیو کی اور انہوں نے اس سے جو بات کی تھی عباس وہ سن کر ہی حیران رہ گیا تھا۔

''آپ واقعی سچ کہہ رہے ہیں۔'' عباس نے پھر پوچھا۔

''ہاں، تم اپنے والدین کو آج رات ہمارے گھر لے کر آنا باقی بات پھر وہیں ہوگی۔'' ان کا انداز حتمی اور دوٹوک تھا۔

کال بند ہوگئی تھی۔ عباس کتنی دیر تک شادی مرگ کی کیفیت میں بیٹھا رہا تھا۔ اس دن وہ فیضان صاحب کے جواب پر ناامید ہوکر پلٹا تھا لیکن انہوں نے اسے پھر روک لیا تھا اور کہا تھا کہ وہ کچھ دن سوچیں گے اور پھر جواب دیں گے۔

اور تب سے عباس انتظار کی صلیب پر لٹک رہا تھا اور آج فیضان صاحب نے کال کر کے گویا مژدہ جان سنا دیا تھا۔

عباس نے اسی وقت شاہزیب کی سیکرٹری کو کال کر کے ان کی موجودگی کنفرم کی اور پھر اپنے آفس سے نکل آیا تھا۔ وہ شاہزیب صاحب کے آفس میں آیا تو وہ فون پر کسی سے بات کر رہے تھے۔ اس سے بات کر کے انہوں نے اپنی فیکٹری کے پروڈکشن منیجر سے بات کی تھی۔ تب تک عباس بڑے صبر سے بیٹھا رہا تھا۔ انہوں نے کال بند کی تو عباس ان سے نئے پروجیکٹ کے بارے میں بات کرنے لگا تھا بات ختم ہوئی تو عباس نے سنجیدگی سے اپنے والد کو دیکھا۔

''بابا جان میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' شاہزیب صاحب ایک دم چونکے تھے۔ ایک دم بزنس امور سے ہٹ کر عباس نے ایک نئی بات کہہ دی تھی۔ انہوں نے بیٹے کو بغور دیکھا۔ عباس کا انداز سنجیدہ اور اٹل تھا۔

''خیریت؟ یہ ایک دم اچانک شادی کا خیال کیسے آ گیا؟'' انہوں نے بظاہر سرسری انداز رکھا لیکن اندر ہی اندر وہ چونک ضرور گئے تھے۔

''اچانک نہیں میں بہت عرصے سے اس بارے میں سوچ رہا تھا۔''

''اوکے بہت اچھا فیصلہ ہے۔'' انہوں نے ایک حوصلہ افزا مسکراہٹ سے بیٹے کو دیکھا تھا۔ ''برخوردار ابھی صرف شادی کر لینے کا سوچا ہے یا پھر مزید بھی کچھ پلاننگ کر رکھی ہے۔'' انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

وہ جانتے تھے کہ ان کا یہ بیٹا ان کے باقی دونوں بیٹوں سے قدرے مختلف ہے۔ عباس بڑا بیٹا ہونے کے سبب بہت رعایت لے جاتا تھا وہ اپنا ہر فیصلہ خود کیا کرتا تھا پہلی شادی سے لے کر طلاق اور نیا فیصلہ۔

''لڑکی میں سلیکٹ کر چکا ہوں یقیناً آپ کو بھی پسند آئے گی۔'' عباس نے بتایا تو انہوں نے سنجیدگی سے دیکھا۔

''بس مسئلہ یہ ہے کہ اس کے اور ہمارے اسٹیٹس لیول میں بہت فرق ہے۔ وہ ایک مڈل گھرانے سے تعلق رکھتی ہے گھرداری اور اخلاقی لحاظ سے بہت اچھی لڑکی ہے۔'' عباس نے مزید بتایا تھا۔

''دیکھو عباس تم نے زندگی میں عادلہ کو سلیکٹ کرنے کی ایک غلطی کی تھی اس کا خمیازہ آج تک ہمارا خاندان بھگت رہا تھا یہ مت بھولو کہ تم ایک بچے کے باپ بھی ہو آفاق بے شک بہت توجہ اور پرسکون ماحول میں پل رہا ہے لیکن سوتیلی ماں سوتیلی ہی ہوتی ہے اور یہ لوئر یا مڈل گھرانے کی لڑکیاں بعض اوقات پیسہ دیکھ کر بدل جاتی ہیں۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے بابا میں نے ہر طرح سے مطمئن ہونے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔'' عباس نے کہا تھا شاہزیب نے بغور بیٹے کو دیکھا۔

''کون ہے وہ لڑکی؟''

''رابعہ۔'' شاہزیب صاحب چونکے۔

''کون سی رابعہ؟''

"یہ وہی لڑکی ہے جو کچھ عرصہ میرے کمپیوٹر سیلشن میں کام کرتی رہی تھی پھر اس نے یہ جاب چھوڑ دی تھی۔"
"لیکن اس لڑکی کی تو شادی ہو رہی تھی تب۔" شاہزیب صاحب اب اتنے بھی بے خبر نہ تھے۔
"جی لیکن پھر نہ ہو سکی۔"
"کیوں؟" انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔
"اس کی جس لڑکے سے شادی ہو رہی تھی وہ کہیں اور انوالو تھا پھر اس لڑکے کا کہیں اور نکاح ہو گیا تھا۔"
"اوہ۔" شاہزیب صاحب کو یہ جان کر حقیقتاً افسوس ہوا تھا۔ وہ واقعی بہت اچھی لڑکی تھی۔
انہیں یاد تھا کہ اسے انہوں نے ہی اپائنٹ کیا تھا عباس کو اعتراض تھا پھر وہ جاب کرنے لگی تھی اور عادلہ کی وجہ سے وہ بے چاری کافی زیادہ پریشان بھی رہی تھی۔ تصاویر وغیرہ کے مسئلے میں وہ بھی انوالو ہوئی تھی۔
"لڑکی تو بلاشبہ واقعی بہت اچھی ہے لیکن اس کا گھرانہ، لوگ کیا کہیں گے وہ ہماری ایک عام سی امپلائی تھی بیٹا۔"
"بابا ایسی باتیں مت کریں میں جانتا ہوں آپ نے ہمیشہ انسان کے کردار اور اس کی خوبیوں کو اہمیت دی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کبھی بھی اپنے سب سے چہیتے بیٹے مصطفیٰ کی شادی شہوار جیسی لڑکی سے نہ کرتے کہ جس کے خاندان تک کی کسی کو خبر نہیں، جبکہ رابعہ کا ایک خاندان ہے والدین، بہن بھائی ہیں۔ بھلے مالی لحاظ سے وہ لوگ ہم سے کم تر ہیں لیکن اخلاقی لحاظ سے میں نے ان لوگوں کو خود سے بہت بلند تر پایا ہے۔ میں عادلہ کی طرف سے ایک بار دھوکہ کھا چکا ہوں میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے اور مجھے نہیں لگتا کہ آپ کو اس پر کوئی اوبجیکشن ہوگا۔" عباس کا انداز حتمی اور فیصلہ کن تھا۔
"لیکن بیٹا خاندان میں بھی کچھ لڑکیاں موجود ہیں میں دریہ کے بارے میں سوچ رہا تھا ہمارے خاندان کی ہے ہماری بیٹی ہے۔"
"دریہ، بابا وہ دوسری عادلہ ہے آپ نے اس کے بارے میں کیسے سوچ لیا۔" عباس کو شدید دھچکا لگا تھا۔
"وہ عرصہ دراز سے بیرون ملک میں رہی ہے وہیں پیدا ہوئی پلی بڑھی ہے شاید کچھ عرصہ ہمارے درمیان رہے تو بدل جائے۔"
"میں مفروضوں کی بنیاد پر اپنی زندگی برباد نہیں کر سکتا بابا، وہ کئی ماہ سے ہمارے درمیان ہے ایک انچ بھی اس کی ذات میں کوئی فرق نمایاں نہیں ہوا مزید کیا امید رکھوں، ایم سوری بابا۔" شاہزیب صاحب نے خاموشی سے بیٹے کو دیکھا تھا۔
"آپ ایک بار میرے ساتھ چل کر ان لوگوں سے مل لیں آئی ہوپ آپ کو سب لوگ پسند آئیں گے مالی لحاظ سے کمزور ضرور ہیں لیکن کرداری لحاظ سے بہت بلند ہیں۔ آج رات کا ٹائم دیا ہے رابعہ کے ماموں صاحب نے آپ کو ماں جی کو لے کر ان کی طرف جانا ہوگا۔" عباس نے مزید بتایا تو شاہزیب صاحب نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔
"او کے بی بی، ہم ضرور جائیں گے کس وقت پہنچنا ہے کنفرم کر کے ہمیں بتا دینا۔" بیٹے کا کندھا تھپتھپا کر حوصلہ افزائی کی تو عباس ایک دم مسکرا دیا تھا۔
"تھینک یو سو مچ بابا۔"
"جیتے رہو، یہ ایک دو فائلز ہیں ان کو دیکھ لو، میں ایک میٹنگ میں انوائٹڈ ہوں کچھ وقت لگے گا۔" انہوں نے موضوع بدلا۔ عباس نے سعادت مند بیٹے کی طرح ان کے حکم پر سر ہلایا تھا۔



آج فیضان صاحب جلدی گھر آ گئے تھے۔ ساتھ کھانے پینے کا کافی سامان تھا وہ تمام چیزیں انہوں نے بھابی کو تھما دی تھیں اور خود ثریا آپا کے پاس کرسی پر آ بیٹھے تھے۔

دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔ اماں نے سہیل بھائی کو بھی آواز دے دی تھی۔ وہ روم میں سو رہے تھے اماں کی پکار پر ان کے پاس ہی آ بیٹھے تھے۔ رابعہ اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ تینوں کی میٹنگ کافی دیر تک چلی اور پھر ماموں کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ شام سے پہلے ایک فیملی کے کچھ لڑکوں کو ٹیوشن دیا کرتے تھے ان کی ٹیوشن کا ٹائم ہو رہا تھا۔ اماں نے بھابی کو بلا کر بتایا تھا۔

"رابعہ کے رشتے کے لیے کچھ لوگ آ رہے ہیں کافی امیر فیملی ہے تم رابعہ کو ساتھ ملا کر کھانے پینے کا اچھا سا انتظام کر لینا۔" بھابی سن کر ایک دم ایکسائٹڈ ہوئی تھیں۔

"کون لوگ ہیں؟"

"رابعہ کے آفس کے لوگ ہیں جن کے ہاں وہ نوکری کرتی تھی۔"

"ہائے اللہ وہ لوگ تو بہت امیر ہیں۔" بھابی تو ایک دم حیران ہوئی تھیں۔

"رابعہ کے ماموں سے لڑکے نے کئی بار بات کی ہے وہ راضی ہیں آج شام میں آنے کا وقت دیا ہے ان لوگوں کو۔ اب وہ آئیں گے دونوں طرف ملنا ہوتا ہے تو فیصلہ کریں گے۔"

"ہماری رابعہ تو بہت لکی ہے پھر اتنے امیر لوگ...... اس کی تو قسمت کھل گئی۔" بھابی واقعی بہت خوش تھیں۔

"قسمت تو مقدر سے کھلتی ہے دولت روپیہ پیسہ بھلا کیا قسمت کھولتا ہے، دعا کرو جو بھی ہو ہماری بچی کے حق میں بہتر ہو ورنہ امیری دیکھ کر کون خوش رہ سکتا ہے۔" اماں کے الفاظ پر بھابی نے سر ہلایا۔

بھابی نے رابعہ کو اٹھا کر سب بتایا تو وہ حیران ہوئی تھی۔ وہ تو گزرے دنوں میں ماموں اور سر عباس کی خاموشی سے یہی سمجھی تھی کہ اب اس رشتے سے انکار ہو چکا ہے لیکن اب یہ نیا فیصلہ، وہ عجیب سی کیفیت سے دوچار تھی۔

اماں کے کہنے پر اس نے بیٹھک کی حالت درست کی تھی، باقی گھر کی حالت بھی سنوار دی تھی۔ اس نے سر عباس کا گھر نہیں دیکھا تھا لیکن وہ جس آفس میں کام کرتی تھی اس کو دیکھ کر وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ ان لوگوں کا لیونگ اسٹائل کیا ہوگا۔ اور پھر ان کے بھائی کی شادی پر ان کے گاؤں جانے پر وہ لوگ جس حویلی میں ٹھہرے تھے اس کی خوب صورتی اور شان و شوکت دیکھ کر ان لوگوں کی امارت کھول کر سامنے آ گئی تھی۔ گھر کی صفائی سے فارغ ہو کر وہ بھابی کے ساتھ کچن میں ان کا ہاتھ بٹانے لگی تھی۔

مغرب کے بعد ان لوگوں نے آنا تھا ماموں مغرب کے بعد بھی گھر نہیں لوٹے تھے۔ مغرب کے بعد اماں کے کہنے پر رابعہ ایک سادہ لیکن کافی اچھا سا سوٹ پہن کر نہا دھو کر فارغ ہو چکی تھی بھابی کے لاکھ کہنے پر بھی اس نے میک اپ نہیں کیا تھا۔ رات سات بجے ان لوگوں کی گاڑی ان کے روڈ پر آ کر رکی تھی شاہزیب اور مہر النساء بیگم دونوں تھے ساتھ ڈرائیور تھا وہ گلیوں میں چلنے ان کے گھر تک آئے تھے۔ سہیل بھائی گھر پر ہی تھے۔ عباس نے ڈرائیور کو اچھی طرح سارا ایڈریس سمجھا کر بھیجا تھا سو ڈرائیور کو کوئی دقت نہ ہوئی تھی۔ سہیل بھائی اور اماں نے ہی مہمانوں کو ریسیو کیا تھا۔

مہر النساء بیگم کا بڑا پروقار انداز تھا شاہزیب صاحب بھی آفس ڈریسنگ میں تھے دونوں کی مالی حیثیت ان کے ہر انداز سے جھلک رہی تھی تاہم دونوں بڑے خلوص اور خوش دلی سے ملے تھے۔ اماں اور سہیل بھائی دونوں سے بات چیت کر رہے تھے۔

"عباس نے مجھے آپ کے ماموں کا بتایا وہ کہاں ہیں؟"

''ماموں ٹیوشن پڑھاتے ہیں وہ آج کچھ لیٹ ہوگئے تھے میں نے کال کی تھی کہہ رہے تھے کہ وہ پہنچ جاتے ہیں کچھ دیر میں۔'' شاہزیب صاحب نے سرہلا دیا تھا۔

مہر النساء بیگم بظاہر خوش دلی سے ثریا بیگم سے مخاطب تھیں لیکن اندر ہی اندر ان لوگوں کی مالی حیثیت دیکھ کر الجھی ہوئی تھیں۔

گھر آ کر شاہزیب صاحب نے بس یہی کہا تھا کہ عباس کے رشتے کے سلسلے میں ایک جگہ چلنا ہے تیار ہوجائیے اس سے زیادہ نہ انہوں نے بتایا تھا اور نہ ہی پوچھنے کا وقت ملا تھا فوراً وہ تیار ہوکر ان کے ساتھ آ گئی تھیں۔

''بیٹا رابعہ کو کہو چائے لے آئے۔'' ثریا بیگم نے کچھ دیر بعد کہا تھا سہیل باہر چلا گیا تھا۔ وہ پیغام دے کر پھر واپس آ کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ شاہزیب صاحب سے باہر گزارے گئے تجربے کو شیئر کررہا تھا وہ بھی خوش اخلاقی سے سن رہے تھے۔

رابعہ کے ساتھ بھابی بھی آ گئی تھیں آج سرِشام ہی انہوں نے گڑیا کو سلا دیا تھا رابعہ نے سلام کیا تھا مہر النساء بیگم نے کھڑے ہوکر محبت سے اسے ساتھ لگایا تھا۔

''یہ میری بیٹی رابعہ ہے۔'' ثریا بیگم نے بتایا تھا۔

پھر مہر النساء بیگم نے بھابی کو ساتھ لگایا تھا انداز خوش اخلاقی لیے ہوئے تھا۔ ثریا بیگم کے اندر اعتماد بڑھا تھا انہوں نے بھابی کا بھی تعارف کرایا تھا۔ رابعہ نے چائے بنا کر شاہزیب صاحب اور مہر النساء بیگم دونوں کو دی تھی۔

بھابی دیگر لوازمات لائی تھیں کچھ گھر میں بنایا تھا اور کچھ ریڈی میڈ ان لوگوں نے کافی کچھ اکٹھا کرلیا تھا۔

''ان سب چیزوں کے تکلف کی بھلا کیا ضرورت تھی۔'' مہر النساء بیگم نے ٹوکا تھا۔

''یہ سب تو آنٹی آج کل مہمان داری کا حصہ ہے یہ کیک لیس میں نے خود بنایا ہے۔'' بھابی نے خوش دلی سے پلیٹ میں کیک کا پیس ڈال کر ان کی طرف بڑھایا تھا تاہم رابعہ خاموشی سے ثریا بیگم کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ باقی چیزیں بھابی ہی سرو کررہی تھیں۔ مہر النساء بیگم نے کئی بار رابعہ کو دیکھا تھا۔

نجانے کیوں انہیں رابعہ کا چہرہ دیکھا بھالا لگ رہا تھا۔ عجیب سی کشش تھی جو انہیں اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ تبھی ڈور بیل ہوئی تھی سہیل بھائی اٹھ کر چلے گئے تھے ان کا خیال تھا کہ ماموں ہوں گے لیکن ماموں کے بجائے ابوبکر تھا۔

ابوبکر گزشتہ دنوں اپنے گھر شفٹ ہوچکا تھا تاہم کبھی کبھار وہ اکثر شام میں ادھر بھی چکر لگالیا کرتا تھا۔ سہیل ابوبکر کو بھی وہیں لے آئے تھے۔

ابوبکر ایک پڑھا لکھا نوجوان تھا اس کی کمپنی میں شاہزیب صاحب بہت خوش ہوئے تھے۔ رابعہ اٹھ کر اندر چلی گئی تھی۔ مہر النساء بیگم بھی اٹھ کر ثریا اور بھابی کے ساتھ باہر آ گئی تھیں۔ انہوں نے سرسری گھر پر نگاہ ڈالی تھی۔

چند کمرے، ایک صحن ایک ڈرائنگ روم اور ایک چھوٹا سا کچن۔ ان کے گھر کے سامنے یہ گھر کچھ بھی نہ تھا۔ وہ سوچتیں تو اس سے بہتر ان کے ملازمین کے گھر تھے لیکن اس گھر کے مکینوں کی جو بات سب سے زیادہ اٹریکٹ کی تھی وہ ان کی خوش اخلاقی اور مہمان نوازی تھی۔

وہ کافی دیر تک وہاں بیٹھی تھیں فیضان صاحب نہیں آئے تھے، سہیل بھائی نے کئی بار کالز کی تھیں اور وہ ہر بار کچھ دیر میں پہنچ رہا ہوں کہہ کر کال بند کردیتے تھے۔ ساڑھے نو بجے شاہزیب صاحب اکتا کر کھڑے ہوگئے تھے۔

''یار زندہ صحبت باقی سہیل بیٹا اپنے ماموں کو سلام کہیے گا بہت وقت ہوچلا ہے ہم چلتے ہیں۔''

سہیل بھلا اور کیا کہہ سکتا تھا۔ مہر النساء بیگم اور ثریا بھی وہیں آ گئی تھیں۔ ان لوگوں نے بصد اصرار ان دونوں کو ڈنر

کر کے جانے کا کہا تھا لیکن انہوں نے انکار کر دیا تھا۔
''اگر رشتہ داری رہی تو ان شاء اللہ ہم نہ صرف ڈنر کریں گے بلکہ یہاں رکیں گے بھی لیکن فی الحال دیر ہو رہی ہے رخصت چاہتے ہیں اب ہم۔'' شاہزیب صاحب نے کہا تو اماں نے سر ہلا دیا تھا۔
شاہزیب صاحب نے سہیل کا نمبر لے لیا تھا گھر جا کر بیگم سے مشورہ کر کے جواب دینے کا کہہ کر وہ لوگ چلے گئے تھے۔
ابوبکر اور سہیل ان کے ساتھ باہر مین روڈ تک ان کو گاڑی تک چھوڑنے گئے تھے۔ ان کے چلے جانے کے بعد وہ واپس آ گئے تھے۔ اماں بھابی سہیل بھائی اور ابوبکر سب ہی اسی رشتے پر ہی گفتگو کرنے لگ گئے تھے۔ جب ان لوگوں کے جانے کے 5 منٹ بعد ماموں گھر آ گئے تھے۔
''بہت دیر لگا دی ماموں آپ نے وہ لوگ ابھی نکل کر گئے ہیں۔'' سہیل نے شکوہ کیا تھا۔
''کیا کرتا یار بڑی مشکل سے گھر پہنچا ہوں پہلے رکشہ لیا اس کا رکشہ خراب ہوا اس نے جس رکشے پر بٹھوایا وہ ٹریفک کے اژدھام میں پھنس گیا تھا اللہ اللہ کر کے ٹریفک کھلا اور میں گھر پہنچا ہوں۔'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا تھا۔
''ان لوگوں نے کافی دیر انتظار کیا تھا پھر چلے گئے تھے۔'' ماموں وہیں کرسی پر بیٹھ گئے تھے۔
سبھی مہمانوں کے جانے کے بعد ڈرائننگ روم میں ہی تھے۔
''رشتے سے متعلق کوئی بات کی ان لوگوں نے۔''
''مجھ سے ہی بات کی تھی ان کی بیگم صاحبہ ساتھ تھیں وہی ہمارے خاندان، رشتہ داروں، کہاں سے ہیں سب کے بارے میں پوچھتی رہی تھیں بظاہر تو اچھے لوگ ہیں اب اللہ مدد کرنے والا ہے۔'' ماموں نے سنجیدگی سے سر ہلا دیا تھا جبکہ سہیل شاہزیب صاحب سے ہونے والی گفتگو بتانے لگ گیا تھا اور ماموں سنجیدگی سے سن رہے تھے۔



''کیسا لگا آپ کو یہ رشتہ؟'' گھر میں ان دونوں نے کسی سے بھی ذکر نہ کیا تھا کھانا کھا کر شاہزیب صاحب کمرے میں آ گئے تھے مہرالنساء بیگم بھی فارغ ہو کر آئیں تو انہوں نے پوچھا تھا۔
''اگر مالی حیثیت سے ہٹ کر دیکھا جائے تو بہت ہی اچھا ہے یہ رشتہ لڑکی بھی پیاری سلجھی ہوئی اور تعلیم یافتہ ہے سارا گھرانہ ہی سلجھا ہوا ہے لیکن آپ کو اس رشتے کا کس نے بتایا کون لوگ تھے یہ؟''
''یہ لڑکی ہماری فرم میں جاب کرتی تھی پھر اس نے جاب چھوڑ دی تھی۔''
''اچھا۔'' مہرالنساء بیگم حیران ہوئی تھیں۔
''عباس نے مجھے خود اس لڑکی کا کہا تھا اور کہا تھا کہ آج اس کے ہاں جاؤں۔''
''اوہ۔'' مہرالنساء بیگم کے لیے مزید حیرانی کی بات تھی۔
''عباس نے خود کہا تھا۔'' وہ واقعی حیرت زدہ تھیں۔
شاہزیب صاحب نے رابعہ اور عباس سے متعلق جو کچھ علم تھا مہرالنساء بیگم سے کہہ دیا تھا مہرالنساء بیگم سنجیدگی سے سنتی رہی تھیں انہوں نے عادلہ اور رابعہ کا قصہ بھی سنا دیا تھا اور آخر میں عباس کا موقف بھی۔
''ماشاء اللہ لڑکی تو مجھے بہت ہی پیاری لگی ہے بالکل شہوار جیسی۔'' اچانک ان کے ہونٹوں سے نکلا تھا اور پھر وہ خود بھی حیران ہوئیں۔
''کیا انہیں واقعی وہ لڑکی شہوار جیسی لگی تھی؟'' وہ الجھیں۔

"اچھا کیا سوچا ہے پھر آپ نے عباس چاہتا تھا کہ میں آج ہی رشتے کی بات بھی کر کے آؤں لیکن مجھے فوراً یہ سب مناسب نہیں لگا میں نے سوچا کہ پہلے آپ کو دکھالوں، خواتین میں خواتین کو جج کرنے کی صلاحیت بہتر انداز میں موجود ہوتی ہے۔" مہر النساء بیگم نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ ان کی الجھی سوچ کو شاہزیب صاحب کی بات نے کسی اور طرف موڑ دیا تھا۔

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں دولت، جائیداد کسی کی ہمیں کوئی کمی نہیں عباس کی خواہش بھی ہے تو سوچ سمجھ کر فیصلہ کرلیں آپ۔"

"ٹھیک۔" شاہزیب صاحب نے ہنکارا بھرا تھا۔

"میں کل بابا صاحب سے مشورہ کروں گا پھر وہ جو جواب دیں میں وہی کروں گا۔" انہوں نے کہا تو مہر النساء بیگم نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ زیادہ مناسب ہے وہ خاندان کے بڑے ہیں بے شک عباس لڑکی پسند کر چکا ہے لیکن بابا صاحب کی مرضی اور مشورے سے فیصلہ ہو تو زیادہ بہتر ہے۔" مہر النساء بیگم نے شوہر کے فیصلے پر فوراً اثبات میں سر ہلایا تھا۔

......☆☆☆......

عباس سخت پریشان تھا۔ اس نے شاہزیب سے تو نہیں لیکن اگلی صبح مہر النساء بیگم کو جالیا تھا۔

"کیا فیصلہ کیا آپ لوگوں نے؟"

"لڑکی تو اچھی ہے فیملی بھی اچھی ہے، رہ گئی مالی حیثیت نہ میں نے پہلے اس کو اہمیت دی ہے اور نہ ہی اب دوں گی، تمہارے والد صاحب سے بات کرلی ہے رات، ہم تمہارے بابا صاحب سے مشورے کریں گے پھر جو فیصلہ ہوگا دیں گے۔" عباس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

باقی سارا دن اس کے لیے بڑا کٹھن گزرا تھا اور شام میں بھی وہ جلد آفس سے آ گیا تھا۔ اس نے ماں جی سے بابا صاحب سے مشورہ کرنے کا پوچھا تو انہوں نے کچھ دیر بعد بات کرنے کا کہا تھا۔

کھانا کھا کر سبھی اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔ شاہزیب صاحب اور مہر النساء بیگم بابا صاحب کے پاس آ گئے تھے۔ کھانا وہ کمرے میں ہی کھاتے تھے۔ وہ کتاب پڑھ رہے تھے۔ کتاب ایک طرف رکھ دی تھی۔

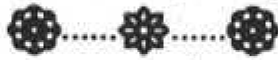
شاہزیب صاحب نے بغیر تمہید باندھے بابا صاحب کو پروپوزل کے بارے میں سب بتا دیا تھا۔ انہوں نے کافی دیر سوچا تھا اور پھر سر ہلا دیا تھا۔

"بظاہر اس رشتے میں کوئی خامی نظر نہیں آ رہی لیکن جس طرح تم نے ذکر کیا ہے کہ وہ لوگ مالی لحاظ سے کمزور ہیں تو تم اچھی طرح جانتے ہو میں ان باتوں کو اہمیت نہیں دیتا، عباس کی اگر خواہش ہے وہ خود اس جگہ شادی کرنا چاہتا ہے تو تم دونوں سوچ بچار کر کے فیصلہ کرلو۔"

"میں بتا چکا ہوں نا کہ لڑکی ہمارے آفس میں جاب کرتی رہی ہے ہر لحاظ سے بہت اچھی ہے اصل میں عادلہ کی طرف سے جو نقصان ہم اٹھاتے ہیں اس کے بعد عباس کی ذات کے حوالے سے میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔ میرے سامنے آفاق کی ذات ہے اور آفاق کو میں کسی سوتیلی ماں کے تجربے سے نہیں گزار سکتا۔" شاہزیب صاحب نے اپنے خدشات بیان کیے تھے۔

"رسک تو لینا ہی ہوگا خاندان میں کرتے یا باہر سے لڑکی لاتے دونوں صورتوں میں رسک تو لینا ہی تھا عباس آفاق کا باپ ہے اور کوئی بھی باپ اپنی اولاد کے لیے برا نہیں سوچتا کچھ سوچ سمجھ کر ہی عباس آگے بڑھا ہوگا۔" بابا صاحب کے

الفاظ پر شاہزیب صاحب نے سر ہلا کر اپنی بیگم کو دیکھا تھا۔
"ٹھیک ہے ایسا کرتے ہیں، ہم ان کو کال کردیتے ہیں، ہم لوگ تو وہاں کا چکر لگا چکے ہیں کسی دن ان لوگوں کو بھی انوائٹ کرلیتے ہیں پھر آپ بھی مل لیجیے گا اس کے بعد بات آگے بڑھاتے ہیں شادی یا منگنی جو بھی وہ لوگ چاہیں گے ہم طے کرلیتے ہیں۔" شاہزیب صاحب نے فوراً حتمی فیصلہ کیا تھا۔
"اچھی رائے ہے یہ بھی، بسم اللہ کرو، اچھے کام میں مزید تاخیر نہیں کرو، باقی اللہ برکت ڈالنے والا ہے۔" بابا صاحب مطمئن تھے۔ بابا صاحب کے سامنے ساری عمر کا تجربہ تھا۔ عباس ایک میچور مرد تھا۔ وہ سمجھ سکتے تھے کہ عباس نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہوگا اور وہ عباس کی چوائس پر مطمئن تھے۔ سو وہ اس ٹاپک پر شاہزیب صاحب سے مزید ڈسکس کرنے لگے تھے۔
مہر النساء بیگم اور شاہزیب صاحب انہیں رابعہ اور اس کی فیملی کے بارے میں تفصیل سے بتاتے رہے تھے۔



مصطفیٰ نے آفس ٹائمنگ سے اسپیشلی ولید کے لیے وقت نکالا تھا۔ وہ اس کی طرف آیا تو وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹا کوئی بزنس میگزین دیکھ رہا تھا وہ ابھی تک بیڈ ریسٹ پر تھا آہستہ آہستہ اس کے زخم کافی بھر چکے تھے تاہم ابھی تک اس نے آفس جوائن نہیں کیا تھا۔ مصطفیٰ کو دیکھ کر ولید کا موڈ ایک دم خوش گوار ہوا تھا۔ مصطفیٰ بھی کچھ فرصت سے آیا تھا۔ دونوں کافی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے تھے تبھی مصطفیٰ نے ایک دم بات کا رخ بدلا تھا۔
"پھوپو تو مکمل طور پر اس رشتے میں انوالو ہوچکی ہیں وہ انا کی پسند کے مطابق شاپنگ تک کررہی ہیں۔" ولید جو بہت فریش ہوگیا تھا ایک دم سنجیدہ ہوا۔
"ویسے جو بھی ہورہا ہے اچھا نہیں ہورہا۔"
"سو واٹ جو انا چاہتی ہے وہی ہورہا ہے تمہارے نا چاہنے سے کیا ہوجائے گا بھلا؟" ولید کا انداز چڑتا ہوا تھا۔ مصطفیٰ نے مسکرا کر دیکھا۔
"تمہارے لیے میرے پاس کافی خبریں ہیں۔"
"کیا؟" ولید نے سنجیدگی سے مصطفیٰ کو دیکھا۔
تب مصطفیٰ نے اسے وہ سب کچھ بتادیا جو اسے شہوار نے بتایا تھا ولید نے بہت سنجیدگی سے وہ سب سنا تھا۔ بہت سی باتیں اس کے علم میں تھیں لیکن اب جو کچھ مصطفیٰ نے بتایا تھا وہ بہت حد تک تکلیف دہ تھا۔ انا اس حد تک بھلا کیسے جاسکتی تھی کہ خود بخود اپنی ذات کو اس حد تک لے گئی تھی اور کاشفہ ولید کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ایک بار اس کے سامنے آجائے تو وہ اس سے سارے حساب بے باق کرلے۔ اور انا ولید کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی جائے اور اس کا چہرہ تھپڑوں سے سرخ کردے بھلا اسے کس نے اجازت دی تھی کہ وہ اس کی ذات کو اس طرح رگیدتی۔ کاشفہ ڈبل گیم کھیلنے کے چکر میں بہت برا کرچکی تھی۔ ولید کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا حشر نشر کردے۔
"دھیرج سے یار۔" ولید کی حالت دیکھ کر مصطفیٰ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
"بہت برا کیا ہے انا نے...... بہت برا...... آئی ول کل ہر۔" وہ واقعی بہت زیادہ ڈسٹرب ہوگیا تھا۔
"کول ڈاؤن یار۔"
"اور یہ کاشفہ چھوڑوں گا اسے بھی نہیں میں۔" ولید کا ضبط کے مارے برا حال تھا۔ مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر برابر تسلی دی۔

"ویسے یہ کاشفہ کون ہے، مثلاً اس کا بائیوڈیٹا وہ انا کے ساتھ یہ سب کرچکی ہے مزید غلط نتائج کی دھمکیاں دے رہی ہے ہراساں کررہی ہے۔ ایسی لڑکیوں کو تو ایک منٹ بھی آزاد نہیں چھوڑنا چاہیے، جب تک میں بے خبر تھا اور بات تھی اب اگنور نہیں کرسکتا۔" مصطفیٰ نے کہا تو ولید نے لب بھینچ کر اسے دیکھا تھا۔

"نہیں، اس لڑکی سے میں خود نبٹوں گا اب ویسے بھی اس کی جانب میرے، بہت سے حساب نکلتے ہیں۔" ولید کا انداز بہت زہریلا تھا۔

"مجھے حیرت ہوتی ہے تمہاری کب سے ایسی لڑکیوں سے دوستی ہونے لگی اور دوستی بھی اس حد تک آگئی اور میں بے خبر ہی رہا۔" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں نے اس سے دوستی نہیں کی تھی محض اس کے باپ تک پہنچنے کے لیے راہ و رسم بنائے تھے لیکن چند ملاقاتوں میں ہی اندازہ ہوگیا کہ یہ لڑکی کس ٹائپ کی ہے پھر جس طرح انا اسے دیکھ کر پریشان ہونے لگی تھی میں اس سے بچنے لگا تھا پھر حالات ایسے ہوئے کہ نہ ہی اس کے باپ تک پہنچ سکا اور نہ ہی اس لڑکی سے اچھی طرح جان چھڑا پایا۔" ولید نے کہا تو مصطفیٰ نے حیران ہوکر دیکھا۔

"تم اس کے باپ تک کیوں پہنچنا چاہتے تھے۔"

"تھی ایک بات لیکن تم چھوڑو، اس انا بی بی سے تو میں اب اچھی طرح نبٹوں گا، بات کھلی ہے تو اب دیکھنا کیا کرتا ہوں میں۔" ولید کو ایک بار پھر انا پر حد سے زیادہ تاؤ آنے لگا تھا۔

"کیا کروگے؟"

"یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ اب کیا کروں گا میں، اتنی جلدی میں انا بی بی اور اس کی سیاسی دوستی کاشفہ صاحبہ کو معاف نہیں کرنے والا۔" ولید کا انداز قطعی اور دوٹوک تھا۔ مصطفیٰ نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

......☆☆☆......

لالہ رخ ایک بار پھر ماں بننے والی تھی رابعہ ایک سال کی تھی جبکہ عیسیٰ اب کافی سمجھدار ہوگیا تھا خالہ بی کا کافی آسرا تھا ان کا گھر کافی حد تک کمپلیٹ ہوچکا تھا۔ سکندر کا کاروبار بھی کافی حد تک اسٹیبلش ہوچکا تھا۔ وقار کی والدہ کے انتقال کے بعد ان لوگوں نے ضیاء کے کہنے پر باہر ویزے کے لیے اپلائی کردیا تھا اور خوش قسمتی سے ان کے وزٹ فیملی ویزوں کی درخواست قبول ہوگئی تھی۔ ضیاء ان لوگوں کو سپورٹ کررہا تھا اور کچھ وہ لوگ خود انتظامات کررہے تھے وقار کی کچھ زمین بھی اس نے وہ بیچی تھی انہوں نے گھر کا بھی سودا کرلیا تھا خوش قسمتی سے گھر بھی اچھے خاصے داموں میں بکا تھا لیکن صبوحی بھی ایک بار پھر تخلیق کے مراحل سے گزر رہی تھی سو وہ لوگ بچے کی پیدائش کے منتظر تھے تاکہ بعد میں وہ لوگ جاسکیں وقت بہت تیزی سے گزرنے لگا تھا۔ بظاہر سب کچھ ٹھیک تھا لیکن لالہ رخ اب اکثر خوف زدہ رہنے لگی تھی۔

اس نے اتفاقاً ایک دوبار ہمایوں کو دیکھا تھا۔ اور ایک بار اس نے ہمایوں کے کچھ ساتھیوں کو دیکھا تھا۔ اس کے بعد وہ بہت محتاط ہوگئی تھی۔ وہ اب گھر سے بہت کم نکلتی تھی۔ عیسیٰ بہت سمجھدار اور باتونی ہوگیا تھا۔ اکثر اس کے سوال لالہ رخ کو مصروف رکھتے تھے۔ سکندر کی وہی روٹین تھی کبھی اس شہر تو کبھی اس شہر۔ انہی دنوں افشاں اور ضیاء بھی اچانک آگئے تھے۔ افشاں اور ضیاء کی آمد ان سب کے لیے ایک بہت خوش گوار واقعہ تھی۔ افشاں بہت بدل چکی تھی۔ ضیاء کی محبت نے اسے بہت بدل دیا تھا۔ وہ بے انتہا خوش مزاج اور خوش اخلاق ہوگئی تھی۔

ضیاء اور وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش تھے۔ ان دونوں کو خوش دیکھ کر سکندر کے دل سے ایک بہت بڑا بوجھ اترا تھا۔ افشاں کی آمد کے ایک ماہ بعد صبوحی کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تھی۔ خوب صورت تیکھے نین نقوش والی گڑیا جس

کا نام افشاں نے انا رکھا تھا۔ انا ایک بہت ہی پیاری بچی تھی۔
افشاں احسن اور عیسیٰ اس بچی کو دیکھ کر بہت خوش تھے۔ تبھی ان دنوں احسن کی برتھ ڈے آ گئی تھی۔ وہ سب ادھر انوائنڈ تھے۔ بڑی دھوم دھام سے برتھ ڈے سیلیبریٹ کیا تھا۔ لالہ رخ کی ڈیلیوری میں بھی دو مہینے باقی تھے۔ تبھی وہاں تقریب کے اختتام پر صبوحی نے ضیاء سے ایک خواہش کر ڈالی تھی سبھی وہاں موجود تھے۔
"بھئی میرے احسن کی دلہن روشی بنے گی ضیاء بھائی بس یہ بات یاد رکھ لیں۔" صبوحی نے بہت مان سے کہا تھا جبکہ افشاں ایک دم سنجیدہ ہو گئی تھی۔
"مجھے تو کوئی انکار نہیں افشاں سے پوچھ لو۔" ضیاء نے فیصلہ اس پر چھوڑ دیا تھا۔
افشاں نے تمام بچوں کے ساتھ کھیلتی اپنی گول مٹول گوری چٹی سی روشانے کو دیکھا تھا وہ بچپن کے رشتوں کے حق میں نہیں تھی لیکن صبوحی کی محبت کے سامنے انکار بھی نہیں کر سکتی تھی۔
"ابھی کوئی بھی فیصلہ قبل از وقت ہے بڑے ہو کر بچے نجانے کیا فیصلہ کریں میں اس چیز کے حق میں نہیں ہوں میں سمجھتی ہوں کہ اس سے بچوں کی نفسیات پر کچھ اچھا اثر نہیں پڑتا۔" افشاں نے اپنی رائے دے دی تھی۔
"یہ کیا بات ہوئی، چلیں یہ بات ہم بڑوں میں طے پا جاتی ہے میرا وعدہ ہے، ہم بچوں کے سامنے ذکر نہیں کریں گے وہ بڑے ہو جائیں ان کے سامنے پروپوزل رکھیں گے اگر وہ متفق ہوئے تو پھر آپ انکار نہیں کریں گے۔" صبوحی کے الفاظ پر افشاں مسکرا دی تھی۔
"ٹھیک ہے۔" تبھی خاموشی بیٹھی لالہ رخ نے اپنی گود میں ہاتھ پاؤں مارتی انا کو دیکھا تھا اور پھر وقار کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف شوہر کو۔
"یہاں تو رشتہ داریاں طے ہو رہی ہیں۔" لالہ رخ مسکرائی تھی۔
"ہاں بھائی تم بھی بہتی گنگا میں ہاتھ ڈال لو تم بھی آخر کو بیٹے کی ماں ہو فائدہ اٹھاؤ۔" صبوحی نے کھلکھلا کر کہا تھا۔
"روشانے تو بک ہو گئی۔" گول مٹول صحت مندسی روشی لالہ رخ کو بہت پسند آئی تھی۔
"ارے تمہیں میں سمدھن کے طور پر بری لگی ہوں کیا؟" صبوحی نے لالہ رخ کو آنکھیں دکھائی تھیں۔
"آپ کا مطلب ہے یہ چھوٹی؟" لالہ رخ نے گود میں پڑی انا کو دیکھا تھا۔
"بالکل۔" صبوحی مسکرائی تھی۔
"میں نے تو اپنی دوستوں دوستوں سے رشتہ داریاں بنانی ہیں اگر اللہ نے اور بچے دیے تو ان کے رشتے بھی تم دونوں سے جوڑنے ہیں۔" صبوحی نے زندہ دلی سے کہا۔ افشاں اور لالہ رخ ہنس دی تھیں۔
"اچھی زبردستی ہے یہ تو۔" افشاں نے چھیڑا تھا۔
"بالکل۔" صبوحی اترائی تھی۔
"یہ تو زبردستی کی سمدھن بن رہی ہے، دیکھو ذرا ہم ماؤں کے کوئی ارمان ہی نہیں۔" لالہ رخ نے بھی حصہ لیا تھا۔
"ارے کتنی ناشکری ہو تم دونوں، بیٹھے بٹھائے تم دونوں کو رشتے مل رہے ہیں اتنا خوب صورت داماد اور اتنی پیاری سی بہو کہیں اور سے ڈھونڈ کر دکھانا تم دونوں مجھے۔" صبوحی کی باتوں پر وہ بھی ہنس دیے تھے۔ وقت بہت تیزی سے گزر رہا تھا۔ صبوحی اور وقار کے جانے کے انتظامات مکمل ہو چکے تھے لالہ رخ کے ہاں پھر ایک بیٹی نے جنم لیا تھا۔
بہت ہی پیاری اور خوب صورت بچی تھی بالکل لالہ رخ کا پرتو، سکندر نے اپنی اس بیٹی کا نام عائشہ رکھا تھا۔ جس دن عائشہ پیدا ہوئی تھی اس سے اگلے دن صبوحی اور وقار بچوں سمیت امریکہ کے لیے فلائی کر گئے تھے روشانے بھی ان کے

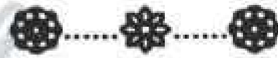
ساتھ ہی گئی تھی۔ افشاں اور ضیاء نے بعد میں جانا تھا ضیاء یہاں موجود اپنا گھر سیل کررہا تھا۔ اسے ایک اچھا گاہک مل گیا تھا کافی معقول معاوضہ مل رہا تھا سو اس نے فوراً معاملہ طے کیا تھا۔ گھر بکا تو وہ لوگ واپس لالہ رخ کے ساتھ آ ٹھہرے تھے۔ انہوں نے کچھ دن بعد چلے جانا تھا۔

ضیاء سیٹ کنفرم کرانے میں لگا ہوا تھا۔ اس کی سیٹس ایک ماہ بعد کی کنفرم ہوگئی تھیں۔ افشاں واپسی کی شاپنگ کررہی تھی اس دن لالہ رخ کو بھی ساتھ لے آئی تھی۔ شاپنگ کے دوران کئی بار لالہ رخ کو لگا کہ جیسے وہ مسلسل کسی کی نگاہوں کے حصار میں ہے وہ پہلے ہی ہمایوں کے خوف میں ڈری رہتی تھی پھر خوف زدہ ہوگئی تھی۔ اس نے افشاں کو بتایا تھا اور افشاں نے اس کا وہم کہہ کر اسے تسلی دی تھی ان کا گھر تقریباً فائنل ہوچکا تھا۔ اب اس میں سامان شفٹ کررہے تھے اسی سلسلے میں گھر کی زیبائش کے لیے لالہ رخ کو شاپنگ کرنا پڑ رہی تھی۔ وہ سارا دن اس کا بڑا برا گزرا تھا وہ گھر لوٹی تو کچھ سکون کا سانس لیا تھا۔

''یار کچھ بھی نہ تھا تم خوامخواہ خوف زدہ ہوتی رہی تھیں۔'' افشاں نے کہا تو لالہ رخ مسکرادی تھی۔

کچھ دن مزید گزرے تھے سکندر اپنے نئے گھر میں کافی سامان سیٹ کراچکا تھا۔ رنگ و روغن بھی ہوچکا تھا بس وہ لوگ افشاں اور ضیاء کی وجہ سے وہاں رک گئے تھے۔ اس دن لالہ رخ گھر میں اکیلی تھی بچے سو رہے تھے۔ خالہ بی ضیاء اور افشاں کے ساتھ اسپتال گئی تھیں ان کو کچھ دنوں سے کھانسی کا مسئلہ ہورہا تھا ان کو شک ہورہا تھا کہ جیسے ٹی بی ہورہی ہے بس اسی سلسلے میں افشاں ان کو سات لے گئی تھی خالہ بی کا بیٹا اسکول گیا ہوا تھا لالہ رخ کچن سمیٹ کر نیچے آئی تو بیل بجی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا تھا لیکن اپنے سامنے کھڑے وجود کو دیکھ کر اس کا منہ کھلے کا کھلا اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

''تم......؟'' اس کے بس لب ہلے تھے اور اس نے خوف زدہ ہوکر دیوار تھام لی۔



انا کالج سے لوٹی تو بہت تھکی ہوئی تھی۔ کمرے میں جانے سے پہلے اس نے صغراں سے فوراً کھانا نکالنے کو کہا۔ صغراں فوراً حکم کی تعمیل میں کچن میں چلی گئی تھی۔ وہ کمرے میں چلی گئی تھی فریش ہوکر کچن کی طرف آئی تھی جب کچن کے دروازے کے پاس کھڑے ولید کو دیکھ کر ٹھٹکی تھی۔

''مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے میرے کمرے میں چلو۔'' ولید کا انداز بے حد سرد اور غصیلا تھا۔ انا نے چونک کر دیکھا۔ ولید بغیر کسی سہارے کے اپنے پاؤں پر کھڑا تھا وہ اب تھوڑا بہت چل پھر لیتا تھا۔

''کیوں؟'' انا پچھلے دنوں ہونے والی بے عزتی نہیں بھولی تھی۔

''کہا نا کمرے میں چلو، ضروری بات کرنی ہے تم سے۔'' ولید نے غصے میں آ کر کہا تو انا کے چہرے کے زاویے بگڑے تھے۔

''جو بھی کہنا ہے یہیں کہہ لیں۔'' سنجیدگی سے دیکھتے کہا۔

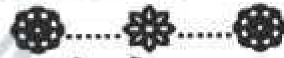
''تم......!'' ولید نے تلخی سے دانت بھینچے اس کی طرف قدم بڑھائے جبکہ انا فوراً پیچھے ہٹی تھی۔

''جو کہہ رہا ہوں وہ کرو...... ورنہ!'' ولید نے انگلی اٹھا کر وارن کیا۔ انداز کھا جانے والا تھا۔

''مجھے کہیں نہیں جانا۔'' جواباً انا نے بھی تلخی سے کہا۔

''تم...... ایسے نہیں سمجھوگی۔'' ولید بھنا کر اس کی طرف بڑھا تھا۔ ولید کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی لیکن اس وقت اسے غصے میں کچھ بھی نہیں سوجھ رہا تھا۔ اس نے انا کا بازو تھاما تھا۔ زخمی اور نحیف ہونے کے باوجود اس میں اتنی طاقت

ضرور تھی کہ دھان پان سی انا اس کے جھٹکے سے اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی تھی۔
''کیا بدتمیزی ہے، کیا کررہے ہیں آپ، چھوڑیں مجھے۔'' وہ چیخ رہی تھی چلا رہی تھی۔ ولید کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کررہی تھی لیکن سب بے کار تھا۔ ولید میں لگتا تھا کہ اس وقت کوئی آسیبی طاقت داخل ہوگئی ہے۔
''ولید پلیز چھوڑیں، آئی سے لیومی پلیز۔'' ولید پر اس کی مزاحمت کوئی بھی چیز اثر انداز نہیں ہورہی تھی۔ وہ اسے گھسیٹتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔
اپنے کمرے میں لاکر اس نے اسے جھٹکا دے کر دیوار کے ساتھ دھکا دیا تھا۔ انا کا سر دیوار سے بری طرح ٹکرایا تھا۔ ایک دم اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا تھا وہ تکلیف سے چیخی تھی۔ ولید نے ایک کڑوی نگاہ اس پر ڈالتے کمرے کا دروازہ بند کیا تھا۔ انا کی تکلیف کسی بھی چیز کا اس پر کوئی اثر نہیں ہورہا تھا۔ وہ دروازہ بند کرکے تیزی سے انا کی طرف بڑھا تھا۔ انا جو سر تھامے کھڑی تھی ولید نے ایک دم جھٹکے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا تھا۔
اس سے پہلے کہ انا کچھ سمجھتی ولید نے کھینچ کر ایک تھپڑ اس کے چہرے پر دے مارا تھا۔ اس بار انا کی چیخ بہت بلند تھی۔ اس نے بہت خوف زدہ ہوکر ولید کو دیکھا تھا۔ ولید نے اسے بازو سے پکڑ کر ایک دم اپنے قریب کیا تھا۔ انا کا سانس اوپر کا اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔
''ولی......!'' وہ صرف کراہ رہی تھی۔ جبکہ ولید نے اس کے منہ پر اپنا مضبوط ہاتھ جما کر اس کی آواز کا گلا گھونٹ دیا تھا انا نے ولید کو دیکھا۔
ولید کی آنکھوں میں سرخی تھی۔ نفرت تھی شرارے تھے، غصے کی شدید کیفیت تھی۔ سب کچھ تہس نہس کردینے کی کیفیت تھی کہ انا کو اپنے پورے وجود میں سنسناہٹ دوڑتی محسوس ہوئی تھی۔



ماں جی نے عباس کو خوشی کی خبر سنادی تھی۔ عباس کا مارے خوشی کے برا حال تھا۔ دوسری طرف شاہزیب صاحب نے سہیل کو کال کر خوش خبری سنائی اور ساتھ ہی اپنے گھر انوائٹ کیا تھا۔ سہیل نے ماموں سے مشورہ کرکے جس دن آنا تھا کا فیصلہ کرکے بعد میں فون کرنے کا کہا تھا۔ عباس بہت خوش تھا۔
فیضان صاحب سے مل کر وہ تقریباً ناامید ہی ہوا تھا لیکن بعد میں جو انہوں نے سوچنے کا وقت لیا تھا اس سے اس کی امید کافی بڑھی تھی۔ عباس نے رابعہ کو کال کی تھی۔ جب سے فیضان صاحب سے ملاقات ہوئی تھی اس نے رابعہ کو کال نہیں کی تھی۔ لیکن اب بہت دیر تک خود کو باندھ نہیں سکا تھا۔ دوسری طرف رابعہ کی آواز سنائی دی تو عباس کو لگا کہ گویا اس کے جسم وجان میں ایک نئی حرارت سی دوڑ گئی ہو۔ سلام دعا کے بعد عباس نے اس سے پوچھا تھا۔
''کیسی ہیں رابعہ۔''
''جی ٹھیک ہوں، آپ نے کیوں کال کی؟'' دوسری طرف وہ بھی محتاط ہورہی تھی۔ عباس مسکرادیا۔
''کیوں میں اب آپ کو کال نہیں کرسکتا۔'' عباس نے پوچھا۔
''ایسی بات نہیں لیکن مجھے ابھی فی الحال یہ سب کچھ مناسب نہیں لگ رہا۔'' رابعہ نے صاف گوئی سے کہا۔ عباس ایک دم سنجیدہ ہوگیا۔
''کیوں آپ کو میرا کال کرنا برا لگا ہے کیا؟''
''ایسی بات نہیں سر! جب تک آپ میرے لیے باس تھے سب ٹھیک تھا لیکن اب ہمارے بڑوں میں اور سلسلے میں

غزل

ایسی آنکھیں نہیں دیکھی، ایسا کاجل نہیں دیکھا
ایسا جلوہ نہیں دیکھا ایسا چہرہ نہیں دیکھا
اس کے کنگن کا کھنکنا جیسے بلبل کا چہکنا
اس کی پازیب کی چھم چھم جیسے برسات کا موسم
ایسا ساون نہیں دیکھا ایسی بارش نہیں دیکھی
اس کی میٹھی کوئل سی ہے بولی، جیسے گیتوں کی رنگولی
سرخ گالوں کا پسینہ، جیسے ساون کا مہینہ
ایسی آنکھیں نہیں دیکھی ایسا کاجل نہیں دیکھا

رخسانہ اسماعیل.....تونسہ شریف

بات چیت چل رہی ہے اور میں اس دوران بہت محتاط رہنا چاہتی ہوں' میں مڈل گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں اور میں نہیں چاہتی کہ کسی کو مجھ پر بات بنانے کا موقع ملے۔" عباس مسکرا دیا۔

"او کے' آئی لائیک اٹ۔ میں کوشش کروں گا کہ ہماری شادی کا سلسلہ جلدی طے پاجائے اور پھر آپ کو مجھ سے بات کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں ہو۔" عباس کی بات پر دوسری طرف موجود رابعہ ایک دم ٹپٹائی تھی۔

"ایم سوری آپ غلط سمجھے ہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"لیکن مجھے شادی کی بہت جلدی ہے رابعہ، میں آپ کے ساتھ زندگی کو ایک نئے رنگ اور روپ میں جینا چاہتا ہوں مجھے یقین ہے آپ ایک بہت اچھی جیون ساتھی ثابت ہوں گی۔ میرے والدین راضی ہیں انہوں نے آپ کی فیملی کو انوائٹ کیا ہے میں ماں جی کو صاف کہہ چکا ہوں کہ مجھے کوئی دھوم دھڑکا نہیں چاہیے میں سادگی سے شادی کرنا چاہتا ہوں ٹھیک ہے نا رابعہ۔" عباس نے اس سے تصدیق چاہی تھی۔ دوسری طرف رابعہ کنفیوژ ہو رہی تھی۔

"جی سر...... مجھے بھابی بلا رہی ہیں، میں چلتی ہوں۔" اس نے کال بند کرنا چاہی تھی۔

"رکیں تو سہی۔" رابعہ رک گئی۔

"میں انتظار کے ان دنوں کو بہت مس کروں گا، میں آپ کے راستے میں امید کے چراغ روشن کیے بیٹھا ہوں مجھے یقین ہے آپ مجھ تک آنے میں دیر نہیں لگائیں گی' سن رہی ہیں نا؟" عباس نے کہا لیکن پھر دوسری طرف بالکل خاموشی محسوس کر کے پوچھا تھا۔

"اللہ حافظ سر۔" رابعہ نے کال بند کر دی تھی۔ عباس اس کی فیلنگز کو محسوس کر سکتا تھا۔ وہ لاکھ بااعتماد سہی لیکن تھی تو ایک لڑکی محبتوں و جذبوں سے گزرا ہوا وجود، عباس کو یقین تھا بظاہر کچھ نہ کہنے والی اپنے محسوسات چھپا کر رکھنے والی یہ لڑکی اس تک آتے آتے اس کی محبت میں ضرور رنگ چکی ہوں گی اور عباس کو اس وقت کا شدت سے انتظار تھا جب رابعہ اس کے نام پر اس کے گھر میں موجود ہوگی۔



شہوار آج بہت دن بعد کالج گئی تھی۔ مصطفیٰ خود اسے چھوڑنے گیا تھا اور واپسی پر اس نے کہہ دیا تھا کہ گھر کا کوئی فرد لینے آئے گا ڈرائیور کو نہیں بھیجے گا۔ شہوار کا انا کے ساتھ سارا وقت بہت اچھا گزرا تھا۔ اسے اساتذہ سے ملنا تھا کچھ دن

بعد ایگزامز شروع ہو رہے تھے پھر اس نے صرف ایگزامز دینے آنا تھا۔ انا اس کی کافی ہیلپ کر رہی تھی وہ اکثر اس کے ساتھ آجاتی تھی یا فون پر ڈیٹیل سمجھا دیتی تھی اور نوٹس وغیرہ ڈرائیور کے ہاتھ بھجوا دیتی تھی' کالج ٹائم ختم ہوگیا تھا۔ انا کا ڈرائیور لینے آیا تو اس نے بھی مصطفیٰ کو کال کی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے خود آنے اور ویٹ کرنے کا کہا تھا۔ انا اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی تھی۔ مصطفیٰ کو آدھ گھنٹہ لگا تھا وہاں پہنچنے میں انا مصطفیٰ کے آنے پر چلی گئی تھی۔ مصطفیٰ کے ساتھ وہ بھی گاڑی میں آبیٹھی تھی۔

''کیسا گزرا آج کا دن؟'' گاڑی ڈرائیو کرتے مصطفیٰ نے پوچھا۔

''بہت اچھا آج کافی دنوں بعد سب سے ملنا ہوا، اساتذہ سے ملی کافی ہیلپ ملی ہے۔''

''چلو اچھا ہوا، تمہارے ایگزامز کی تیاری اچھی ہو جائے گی پھر......!'' شہوار مسکرا دی تھی۔

ابھی وہ لوگ کالج روڈ پر ہی تھے شہوار کے نمبر پر گھر سے کال تھی ماں جی گھبرائی ہوئی تھیں۔

''لائبہ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے اسے پین ہو رہا ہے تم کب تک کالج سے فارغ ہو رہی ہو، شاہزیب صاحب کو کال کی تھی وہ کہہ رہے تھے کہ میں لائبہ کو لے کر کلینک چلی جاؤں وہ اور سجاد وہیں پہنچتے ہیں۔''

''جی میں ادھر ہی ہوں' آپ بھابی کو لے کر آئیں میں ان کی اسپیشلسٹ کو کال کرتی ہوں۔'' اس نے کال بند کی تھی۔

''کیا ہوا؟'' شہوار نے اسے تمام صورت حال سے آگاہ کیا تو مصطفیٰ پریشان ہوا تھا۔

''لائبہ بھابی کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔''

''نارمل کیس تھا اللہ خیر کرے ابھی تو چند دن باقی تھے ڈیلیوری میں۔'' مصطفیٰ نے گاڑی لائبہ بھابی کی گائنا کالوجسٹ کے کلینک کی طرف موڑ دی تھی۔ کچھ دیر بعد ماں جی بھی نڈھال سی لائبہ کو لے آئی تھیں۔ ڈاکٹر لائبہ کو روم میں لے گئی تھی، شہوار ساتھ ہی تھی۔

شاہزیب اور سجاد بھی آگئے تھے۔ ڈاکٹر نے سب کو تسلی دی تھی ماں جی مسلسل ورد کر رہی تھیں ڈاکٹر نے لائبہ کو ڈرپ لگا دی تھی۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا ماں جی کی بے قراری بڑھتی جا رہی تھی۔ شام سے کچھ پہلے مسکراتی ہوئی شہوار کمرے سے نکلی تھی۔

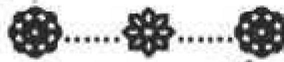
''مبارک ہو ماں جی، بیٹا ہوا ہے۔'' وہ بے اختیار مہر النساء بیگم کے گلے لگی تھی۔

''تیرا شکر ہے مولا۔'' وہ ایک دم ہاتھ اٹھا کر شکر بجا لائی تھیں۔

''لائبہ کیسی ہے؟'' سجاد بھائی نے دریافت کیا۔

''الحمدللہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں' کچھ دیر میں ڈاکٹر اجازت دیتی ہیں تو آپ لوگ مل بھی سکتے ہیں۔'' سبھی بہت خوش تھے آفاق کے بعد یہ حویلی کا دوسرا وارث تھا۔

ماں جی نے فوراً صدقہ و خیرات نکالا تھا کلینک کے سارے عملے کو دل کھول کر پیسے دیے تھے۔



دریہ نے اپنے موبائل میں موجود ایاز کا نیو نمبر ڈائل کیا اور کال ملنے پر اس نے اسے شہوار کے بارے میں بتایا تھا اور گھر والوں کے بارے میں بھی۔ ایاز کو کلینک کا ایڈریس اس نے اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ کال بند کر کے وہ بہت خوش تھی۔ ایاز پچھلے کئی دنوں سے پاگل ہوا جا رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کہیں سے شہوار اور مصطفیٰ نکل آئیں اور وہ ان کو نیست و نابود کر دے آج اسے ایک اچھا موقع ملا تھا۔ ان کی خوشیوں میں رنگ میں بھنگ ڈالنے کا۔ اس کے پاس

وقت کم تھا اور سب کچھ کرنا تھا۔ اس نے اپنے کچھ ساتھیوں کو کالز کی تھیں۔ یہ سب ساتھی اس نے پیسے دے کر اپنے ساتھ ملائے تھے ورنہ اس کے دوست تو کب کا اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ وہ کلینک آیا تو وہاں بھی موجود تھے۔ شاہزیب صاحب ایک اہم میٹنگ سے اٹھ کر آئے تھے وہ واپس چلے گئے تھے مصطفیٰ کو بھی آفس سے کال آ گئی تھی وہ بھی چلا گیا تھا اب وہاں شہوار کے علاوہ مہر النساء بیگم اور سجاد ہی تھے۔ بچہ بہت پیارا تھا لائبہ کافی ویک لگ رہی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے دو تین دن اسپتال میں ایڈمٹ کرنے کا کہا تھا۔ سجاد ڈاکٹر کے کہنے پر لائبہ کے لیے کچھ انجیکشنز لینے باہر نکلا تھا کلینک کے ساتھ والے اسٹور سے انجیکشنز نہیں ملے تھے وہ شہوار اور ماں جی کو بتا کر کسی اور میڈیکل اسٹور کی طرف نکلا تھا یہ اچھا موقع تھا۔ ایاز کے لیے مکمل طور پر راہ ہموار تھی۔

مغرب کی اذان ہو رہی تھی، ماں جی وہاں کلینک میں موجود غسل خانے میں وضو کرنے چل دی تھیں۔ شہوار ڈاکٹر سے بات کرتی کمرے سے نکلی تھی تب ہی ایک طرف چھپے ایاز اور اس کے ساتھی فوراً نکل کر شہوار کی طرف آئے تھے۔

"خبردار کسی نے حرکت کرنے یا شور مچانے کی کوشش کی تو......؟" ایاز نے پسٹل شہوار کی کنپٹی پر تان دیا تھا۔

"کون......کون ہو تم لوگ......!" ڈاکٹر گھبرا گئی تھی جبکہ شہوار ایاز کو دیکھ کر ایک دم ساکت سی ہو گئی تھی۔

"ہمیں تم سے کچھ لینا دینا نہیں اگر زیادہ چوں چرا کی تو گولی حلق میں اتار دوں گا۔" ایاز نے پسٹل کی نوک ڈاکٹر کی کنپٹی پر ماری تو وہ ڈر کر پیچھے ہٹی تھی۔ شہوار کا وہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

"بہت بھاگ لیا مجھ سے تم نے اب تمہاری باری ختم اور میری باری شروع چل۔" ایاز نے پسٹل کی سرد نالی دوبارہ اس کے سر پر رکھی تھی۔

"میں نہیں جاؤں گی۔" شہوار نے احتجاج کرنا چاہا تھا لیکن ایاز کا پتھریلا ہاتھ ایک دم زناٹے سے شہوار کے گال پر پڑا تھا۔

"یو بچ......!" وہ گالیاں دینے لگا تھا۔

"چل یہاں سے ورنہ بھیجے میں ساری گولیاں اتار دوں گا۔" وہ زبردستی شہوار کا بازو پکڑ کر شہوار کو گھسیٹنے لگا تھا۔

اس وقت اس کلینک میں سوائے ڈاکٹر اور چھوٹے موٹے عملے کے کوئی نہ تھا۔ ماں جی بھی شور کی آواز سن کر باہر آئی تھیں۔ وہ چیخی چلائی تھیں لیکن ایاز بے دردی سے شہوار کو گھسیٹتا باہر کی طرف لپکا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)




ٹوٹا ہوا تارا
سمیرا شریف طور

قسط نمبر 39

وہی ہوں میں، میرا دل بھی وہی، جنوں بھی وہی
کسی پہ تیر چلے جاں فگار اپنی ہو
یہی ہے فن کا تقاضا، یہی مزاج اپنا
متاعِ درد سب ہی پر نثار اپنی ہو

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

لالہ رخ امجد خان کی مدد سے شہر آ گئی تھی سکندر لالہ رخ سے مل کر جلد ہی نکاح کر لیتا ہے اور اس کے سنگ خوشیوں سے بھرپور زندگی کا آغاز کرتا ہے اسی دوران لالہ رخ کی ماں بھی دنیا چھوڑ گئی لیکن ہمایوں اور باپ کے خوف سے لالہ رخ اس کے آخری دیدار سے محروم تھی۔ سکندر کی یہ بے وفائی افشاں کو مضطرب کیے رکھتی ہے ایسے میں صبوحی اسے ضیاء کے پرپوزل پر آمادہ کرتی ہے جبکہ سکندر افشاں کی محبت کا جان کر حیران رہ جاتا ہے۔ دوسری طرف افشاں سکندر کے سمجھانے پر ضیاء سے شادی پر آمادہ ہو جاتی ہے جلد ہی وہ لوگ بیرون ملک شفٹ ہو جاتے ہیں جہاں ایک نئی زندگی ان کی منتظر تھی۔ لالہ رخ اور سکندر کی زندگی بچوں کی آمد کے بعد مزید خوشگوار ہوگئی تھی ایسے میں حیات علی سکندر سے ملنے آئے تھے لیکن وہ انہیں باپ کا درجہ دینے پر رضامند نہیں تھا۔ حیات علی لالہ رخ سے ملے بغیر افسردہ سے واپس لوٹ آتے ہیں۔ گزرتے ماہ و سال میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں لیکن لالہ رخ ہمایوں کو لے کر اکثر خوف زدہ رہتی ہے اور اس کا خوف جلد ہی یقین میں بدل جاتا ہے جب وہ لالہ رخ کے سامنے آ کر اسے ہراساں کر دیتا ہے۔

شاہ زیب مہر النساء بیگم کے ساتھ رابعہ کے گھر والوں سے ملتے ہیں' اپنے بیٹے عباس کے لیے ان لوگوں کو رابعہ بہت پسند آتی ہے جبکہ مصروفیات کی بناء پر فیضان ان سے ملنے سے محروم رہتے ہیں۔

شہوار انا کی تمام سچائی مصطفیٰ کو بتا کر اسے حیران کر دیتی ہے مصطفیٰ کے لیے حالات کو سنبھالنا اب کافی دشوار ہوتا ہے پھر بھی وہ ولید کو انا کی تمام سچائی سے آگاہ کرتا ہے۔ مصطفیٰ کی زبانی یہ حقائق جان کر ولید شاکڈ رہ جاتا ہے' اسے انا سے اس بے وقوفی کی قطعاً امید نہیں تھی۔ دوسری طرف حماد کی فیملی بھی جلد از جلد انا کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہے ایسے میں سخت طیش کے عالم میں ولید کا ہاتھ انا پر اٹھ جاتا ہے جبکہ انا تمام صورتحال سے بے خبر دنگ رہ جاتی ہے۔

شہوار لائبہ بھابی کے ساتھ ہسپتال پہنچتی ہے ایسے میں دریہ ایاز کو اس کی وہاں موجودگی کا بتا کر سازش کرنے میں کامیاب ٹھہرتی ہے یاز گن پوائنٹ پر شہوار کو زبردستی اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



لالہ رخ ساکت سی کھڑی تھی اس کے بس لب ہلے تھے۔

''ہمایوں۔'' ہمایوں ایک دم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔

لالہ رخ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹی۔ اس نے خوفزدہ ہوکر ہمایوں کو دیکھا تھا۔

''ہاں میں۔'' ہمایوں نے اسے دیکھ کر اطراف میں دیکھا تھا۔

''تو تم یہاں چھپی بیٹھی تھی۔'' گھر کو اس نے حقارت بھری نگاہوں سے دیکھا۔

''نکل جاؤ یہاں سے...... دفع ہو جاؤ۔''

لالہ رخ نے بمشکل خود کو سنبھالتے نفرت سے کہا جواباً وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

''اتنی آسانی سے اب نہیں نکلوں گا، اب تم دیکھو میں کیا کیا کرتا ہوں۔'' بڑی مکروہ ہنسی تھی اس کی، لالہ رخ کے چہرے پر ایک دم تکلیف کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

''بہت چھپ لیا تم نے تمہارا یہ چوہے بلی والا کھیل ختم۔ ایک عرصے سے تمہیں تلاش کررہا تھا آخرکار تمہیں ڈھونڈ ہی لیا۔''

''خدا کا واسطہ ہے جان چھوڑ دو میری، سب کچھ چھوڑ کر آ گئی تھی میں سب کچھ تم لوگوں کے حوالے کر کے اب کیوں میرا پیچھا کررہے ہو۔''

''چھوڑ تو آئی تھی لیکن اصل کاغذات تم ساتھ لائی تھیں، تمہارا کیا بھروسہ تم کب ہمارے خلاف اٹھ کھڑی ہو ہم سارے کام پراپر کرتے ہیں اپنے لیے کوئی رسک نہیں چھوڑتے۔''

''تو اب کیا چاہتے ہو۔''

''اصل کاغذات ہمارے حوالے کر دو۔''

''میرے پاس کوئی کاغذات نہیں ہیں۔''

''قربان جاؤں تمہاری اس حسین صورت پر، تم نے کہا اور میں نے مان لیا یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔'' لالہ رخ نے لب بھینچ لیے تھے۔

''آرام سے اصل کاغذات میرے حوالے کر دو ورنہ۔'' وہ نفرت سے چیخا اور لالہ رخ کو بازو سے تھام کر خود سے قریب کیا تھا۔ لالہ رخ کی ایک چیخ نکلی تھی۔

''چھوڑو مجھے...... چھوڑو۔'' وہ چیخ رہی تھی لیکن ہمایوں پر کوئی اثر نہ تھا۔

''ہمایوں پلیز چھوڑ دو میرے پاس کوئی کاغذات نہیں ہیں میں سچ کہہ رہی ہوں۔'' وہ شدت سے گڑگڑا رہی تھی لیکن اس وقت ہمایوں ایک وحشی انسان بنا ہوا تھا جس پر اس کی پکار کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

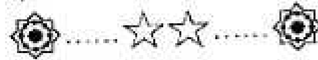
''ٹھیک ہے کاغذات نہیں تو ہمارے ساتھ جائے گی۔'' اس نے لالہ رخ کو باہر کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا لالہ رخ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔

چند سالہ عیسیٰ ماں کی چیخ و پکار سن کر اٹھ گیا تھا، وہ بھاگ کر باہر آیا لیکن ماں اور ایک اجنبی مرد کو دیکھ کر وہ وہیں سہم کر کھڑا ہو گیا تھا۔

ہمایوں اسے لے کر باہر دروازے کی طرف بڑھا تھا لیکن لالہ رخ نے بچاؤ کی کوئی صورت نہ پا کر ہمایوں کے ہاتھوں پر دانت گاڑھ دیے۔

جیسے ہی ہمایوں کی گرفت ڈھیلی پڑی وہ بھاگی اور ننھے عیسیٰ کو کمرے میں دھکیل کر اس نے دروازہ بند کر کے کنڈی لگائی تھی۔ دروازے کے ساتھ لگی وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

ننھا عیسیٰ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ باہر موجود ہمایوں زور زور سے دروازے کو ٹھوکریں مارتے مغلظات بھی بک رہا تھا اور پھر باہر کچھ شور سنائی دیا شاید افشاں آ گئی تھی۔ ہمایوں اسے دھمکیاں دیتا بھاگ گیا تھا۔
لالہ رخ نے گم صم کھڑے سہمے سے بیٹے کو ایک دم کھینچ کر سینے سے چمٹا لیا تھا۔ کچھ دیر بعد گھر میں افشاں اور دیگر لوگوں کے بولنے کی آوازیں گونجنے لگیں اور پھر دروازے پر دستک ہوئی تھی۔
''لالہ دروازہ کھولو، میں ہوں افشاں، پلیز دروازہ کھولو۔'' لالہ رخ کے وجود میں گویا زندگی کی لہر سی دوڑ گئی۔ اس نے عیسیٰ کو خود سے جدا کرتے دروازہ کھولا تھا۔
افشاں خالہ بی اور ضیاء پریشان کھڑے تھے، لالہ رخ بے اختیار روتے ہوئے افشاں کے گلے لگی تھی۔
''وہ آیا تھا افشاں، وہ مجھے زبردستی ساتھ لے جانا چاہتا تھا اس نے مجھے ڈھونڈ لیا وہ اب ہمیں نہیں چھوڑے گا، ہمایوں آ گیا افشاں۔''
وہ از حد خوفزدہ ہونے کے ساتھ شدت سے رو رہی تھی، سبھی نے اسے پرسکون ہونے دیا پھر خالہ بی نے پانی لا کر پلایا تھا۔
''جب ہم گھر میں داخل ہوئے تو وہ دروازے کو پیٹ رہا تھا ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ ہمایوں ہوگا وہ تو دھمکیاں دیتا نکل گیا ہمیں دیکھ کر۔'' خالہ بی حیرت سے بتا رہی تھیں۔
''یہ تو بہت برا ہوا...... بہت برا وہ اب پیچھا نہیں چھوڑے گا۔'' افشاں بھی پریشان ہوگئی تھی۔
ایسے کریمنل شخص کا بس ایک ہی حل ہے پولیس میں رپورٹ کرا دیتے ہیں ایک شخص کے خوف میں بھلا ہم کب تک پابند رہ کر جی سکتے ہیں۔'' ضیاء نے کہا تو افشاں نے اسے دیکھا تھا۔
''کوئی فائدہ نہیں ہوگا ایک بار بابا نے بھی میرے باپ کے خلاف رپورٹ لکھوائی تھی جواباً میرے باپ نے ان پولیس والوں کو ہی خرید کر رپورٹ غائب کرا دی تھی۔ ہمایوں تو پھر میرے باپ سے چھی دو ہاتھ آگے ہے۔''
کوئی حل تو نکالنا ہوگا، ایسے بھلا کب تک ایک خوف کے عالم میں زندگی گزاری جاسکتی ہے، میں سکندر سے رابطہ کرتا ہوں وہ آتا ہے تو دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے۔''
ضیاء نے کہا جبکہ لالہ رخ اسی طرح گم صم بیٹھی رہی تھی۔
عیسیٰ ماں کو روتے دیکھ کر خود بھی رونے لگ گیا جسے ضیاء نے اٹھا لیا تھا۔
''ہمارا عیسیٰ تو بہت ہی بہادر بچہ ہے اور بہادر بچے نہیں روتے۔'' وہ پچکارتے ہوئے عیسیٰ کو لے کر باہر نکل گیا تھا۔ جبکہ پیچھے روتی، سسکتی، لالہ رخ کو افشاں نے گلے لگا کر دلاسہ دینے کی کوشش کی تھی۔



''نفرت محسوس ہو رہی ہے مجھے تم سے۔'' ولید کے الفاظ پر انا ایک دم اپنی جگہ جم سی گئی تھی۔ ولید نے اس کے منہ سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا تھا۔
''تم جو کچھ کر چکی ہو اور جو کر رہی ہو، سب سوچ کر دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں ایک سیکنڈ میں شوٹ کردوں۔'' وہ غرایا تھا۔ وہ انا کی طرف عجیب سرد انداز میں دیکھ رہا تھا۔
''بتاؤ کیوں کیا تم نے ایسا، بتاؤ؟'' وہ انا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر چیخا جبکہ انا از حد خوفزدہ ہو چکی تھی۔ اس نے ولید کو کبھی اس روپ میں نہیں دیکھا تھا۔
ولید کا مہربان، ہمدرد اور دوستانہ رویہ ہمیشہ اس کے سامنے رہا تھا۔ اس وقت وہ ولید کی بجائے کوئی اور ہی شخص

لگ رہا تھا۔

''لیکن تم کیا بتاؤ گی، تمہاری شکی فطرت نے تمہیں کہیں کا نہ چھوڑا، جی چاہ رہا ہے کہ تمہیں تہس نہس کرنے میں ایک سیکنڈ نہ لگاؤں۔'' وہ بول نہیں پھنکار رہا تھا۔ انا نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔

ولید نے اسے دیکھا کچھ کہنا چاہا تھا اس کے لرزتے وجود اور بند آنکھوں کو دیکھ کر نفی میں سر ہلاتے اس نے بہت نفرت سے انا کو دیکھا تھا۔

اس نے لب کھولے اور پھر بھینچ کر انا کو دیوار کی طرف دھکیلتے تیزی سے کمرے سے نکل گیا تھا۔

انا نے ایک دم آنکھیں کھول کر سکتے کی کیفیت میں ولید کو جاتے دیکھا تھا۔ ولید کمرے سے نکلا تو وہ بھی گھٹنوں کے بل زمین پر گر کر سسک اٹھی تھی۔



ضیاء نے سکندر کو بلایا اور سکندر چلا آیا تھا، ساری صورت حال سن کر وہ بھی پریشان ہوا تاہم لالہ رخ کی طرح اس نے حوصلہ نہیں ہارا تھا۔

''لالہ رخ نے جتنا بھاگنا تھا بھاگ لیا، وہ شخص اب جو بھی کرے گا میں دیکھ لوں گا، جو زمین جائیداد لالہ رخ کی ہے وہ اسی کی رہے گی وہ کسی کے حوالے نہیں کرے گی یہ میری بیوی ہے اس کی حفاظت اب میری ذمہ داری ہے۔'' سکندر کا انداز حتمی تھا۔

''تو پھر میرا مشورہ مانو پولیس کو رپورٹ لکھوا دو، ایسے لوگوں کا بس یہی حل ہے ہماری کچھ دن بعد کی فلائٹ ہے ہم چلے جائیں گے اور پھر ہمارے بعد تم دونوں کیسے تنہا ان لوگوں سے نبٹوں گے۔'' ضیا نے مشورہ دیا تھا۔

''ہاں میں نے بھی یہی سوچا ہے لیکن اس سے پہلے میں ایک بار ہمایوں سے ضرور ملوں گا۔'' سکندر کا انداز اٹل تھا۔

''نہیں آپ کسی سے نہیں ملیں گے، آپ کو نہیں علم وہ شخص کتنا گھٹیا ہے دولت کے لالچ میں وہ کس حد تک جا سکتا ہے کوئی نہیں جان سکتا۔'' لالہ رخ ایک دم انکاری ہوئی تھی۔ سکندر نے خاموشی سے لالہ رخ کو دیکھا تھا۔

''میں نے سوچ لیا ہے اس کے حوالے سارے کاغذات کردوں گی۔''

''تم ایسا نہیں کرو گی، اس جائیداد پر تمہارا حق ہے وہ شخص کاغذات لے کر بھی خاموش نہیں بیٹھے گا۔ وہ اگر تم تک پہنچا ہے تو کچھ سوچ کر ہی آیا ہوگا، وہ اتنی آسانی سے نہیں ٹلنے والا۔'' سکندر نے آرام وسکون سے لالہ رخ کو سمجھانا چاہا تھا۔

''تم دونوں میرا مشورہ مانو گے۔'' کب کی خاموش بیٹھی افشاں نے کہا سبھی نے اسے دیکھا۔

''تم لوگوں کا گھر تقریباً مکمل ہو چکا ہے، ہر چیز ریڈی ہے تم لوگ ایسا کرو وہاں شفٹ ہو جاؤ، کچھ دن گزرنے دو اگر ہمایوں نے پھر ادھر کا رخ کیا یا پیچھا کیا تو پھر پولیس کی مدد لی جا سکتی ہے۔''

''افشاں بیٹی ٹھیک کہہ رہی ہے، ہمایوں کو نئے گھر کا علم نہیں ہوگا، تم لوگ سہولت سے وہاں رہ سکتے ہو۔'' خالہ بی نے بھی مشورہ دیا تھا۔

سکندر اور لالہ رخ نے سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا تھا۔

ابھی اس گھر میں فرنیچر، کراکری بہت ساری چیزوں کی کمی تھی لیکن اگلے دن وہ لوگ بہت خاموشی سے وہاں شفٹ ہو گئے تھے۔

ضیاء اور افشاں واپسی کی تیاریاں کر رہے تھے۔ کچھ دن بعد ان کی فلائٹ تھی۔

نئے گھر میں آئے ان کو دو دن ہو گئے تھے۔ بظاہر سب ٹھیک تھا لیکن نجانے کیوں لالہ رخ کے دل میں عجیب سا خوف بیٹھ گیا تھا سکندر آج کل اسی شہر میں تھا اس نے کچھ ماہ سے کاروبار الگ کرلیا تھا اب وہ خود ہی ایک شہر سے دوسرے شہر مال ڈیلور کرنے جاتا تھا۔

حسب معمول وہ اس صبح گھر سے نکلا کیونکہ آج اسے دوسرے شہر جانا تھا وہ لالہ رخ کو اچھی طرح سمجھا بجھا کر نکلا تھا لالہ رخ اگر نئے گھر میں خوف محسوس کرے تو وہ بچوں کو لے کر خالہ بی کے ہاں چلی جائے سکندر کو اگلے دن واپس آنا تھا۔

لالہ رخ سارا دن گھر کے کاموں میں مصروف رہی تھی۔ دوپہر ڈھلی تو اس کے گھر کے دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ یہی سمجھی کہ افشاں یا ضیاء میں سے کوئی ہوگا۔

یہ سوچ کر اس نے دروازہ کھولا لیکن وہاں اجنبی شخص کو دیکھ کر چونک گئی۔

''یہ آپ کے لیے خط ہے۔'' اجنبی نے ایک بند لفافہ اسے تھما کر چلا گیا، لالہ رخ لفافہ پکڑے اندر آ گئی تھی۔

اس نے لفافہ چاک کیا اندر جو تحریر درج تھی وہ پڑھ کر لالہ رخ ایک دم ساکت رہ گئی۔

''تمہارا شوہر ہمارے پاس ہے اگر اس کی زندگی چاہتی ہو تو چپ چاپ بغیر پولیس کو اطلاع کیے اس خط کے آخر میں درج پتے پر پہنچ جاؤ ورنہ رات تک تمہیں اپنے شوہر کی لاش ملے گی اور ہاں تمام کاروبار اور جائیداد کے اصل کاغذات لانا مت بھولنا ورنہ تمہارا شوہر بے قصور مارا جائے گا۔''

ہمایوں

لالہ رخ نے کئی بار خط الٹ پلٹ کر دیکھا۔ خط کے پچھلی طرف ایک ایڈریس لکھا ہوا تھا جو اسی شہر کا تھا۔ سکندر کو ہمایوں کی قید میں سوچ کر ہی لالہ رخ کی جان نکلنے لگی۔ اس نے جلدی جلدی بچوں کو ساتھ لیا اور خالہ بی کی طرف آ گئی۔

افشاں اور ضیاء گھر پر نہ تھے۔ اس نے خالہ کو مختصراً سب بتایا خالہ بی تنہا اکیلی عورت بھلا کیا کر سکتی تھیں وہ اسے کوئی مشورہ بھی نہ دے سکیں۔ اس نے بچوں کو خالہ بی کے حوالے کیا اور خود تمام کاغذات لے کر گھر سے نکل آئی تھی، رابعہ اس کے ساتھ تھی بخار میں پھنکتی رابعہ کو وہ گھر میں نہیں چھوڑ پائی تھی۔



مصطفیٰ کو ماں جی نے جب بتایا تو ان کی اپنی حالت بڑی عجیب سی ہو رہی تھی۔ ساری صورتحال جان کر مصطفیٰ کا دماغ ایک دم بھک سے اڑ گیا تھا۔

ایاز کلینک آ کر شہوار کو لے گیا تھا۔

یہ خبر ایسی تھی کہ مصطفیٰ کو لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کے وجود کے ساتھ بم باندھ کر اس کے وجود کے پرخچے اڑا دیے ہوں۔ ماں جی کا برا حال تھا لیکن لائبہ کے سامنے وہ بمشکل خود پر کنٹرول کر رہی تھیں۔ لائبہ سو رہی تھی انہوں نے فوراً مصطفیٰ اور شاہزیب صاحب کو کال کی اور پھر کچھ دیر بعد سبھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ مصطفیٰ ساری صورت حال جاننے کے بعد گارڈ کی طرف بڑھا تھا۔

گارڈ نے بتایا تھا کہ تین آدمی تھے ایک کار میں آئے تھے ایک نے اس پر گن تان لی اور باقی دو عمارت کی طرف بڑھے تھے۔

''تم نے گاڑی دیکھی تھی۔'' مصطفیٰ بہت ضبط سے گارڈ سے بات کر رہا تھا۔

''یس سر، سفید رنگ کی کرولا کار تھی۔''

''نمبر نوٹ کیا؟''
''جی سر۔''
''نمبر بتاؤ مجھے۔''
مصطفیٰ ایک دم پر جوش ہوا شاہزیب اور عباس بھی آ گئے تھے۔ گارڈ کے بتانے پر مصطفیٰ نے فوراً موبائل پر مختلف جگہوں پر رابطہ کرنا شروع کر دیا۔
''اس نمبر کو نوٹ کرو، جہاں بھی گاڑی دکھائی دے فوراً اریسٹ کرو، کچھ دیر پہلے یہ لوگ یہاں سے نکلے ہیں تقریباً 35 منٹ پہلے۔'' مصطفیٰ کال بند کر کے شاہزیب صاحب کی طرف بڑھا تھا۔
''میں جا رہا ہوں بابا جان دعا کریں، شہوار جہاں کہیں بھی ہو صحیح سلامت ہو اور اس ایاز کو دفعہ میں نہیں چھوڑوں گا۔''
مصطفیٰ مشتعل تھا شاہزیب صاحب نے بڑے ضبط سے بیٹے کو دیکھا۔
''جو بھی قدم اٹھانا سوچ سمجھ کر اٹھانا یہ مت بھولنا کہ تم ایک امانت دار پولیس آفیسر ہو، کوشش کرنا ایاز اریسٹ ہو جائے۔'' مصطفیٰ کے چہرے کے زاویے مزید بگڑے تاہم اس نے کچھ بھی کہنے سے گریز کیا تھا اس وقت وہ جس کیفیت سے گزر رہا تھا، اس کے پیش نظر وہ دنیا کو تہس نہس کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔
وہ کچھ بھی کہے بغیر وہاں سے نکلا تو شاہزیب صاحب نے عباس کو بھی اس کے ساتھ جانے کا اشارہ کیا، عباس بھی فوراً مصطفیٰ کے ساتھ اس کی گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔ اگلے دو گھنٹے بڑی تیزی رفتاری سے گزرے۔ مصطفیٰ کا مارے ضبط کے برا حال تھا۔
کہیں سے بھی کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا کہ ایاز شہوار کو لے کر کہاں گیا ہے؟ مصطفیٰ پاگلوں کی طرح ہر چیز کا پیچھا کر رہا تھا۔ عباس لحہ بہ لحہ مصطفیٰ کی ڈھارس بندھا رہا تھا۔
''ٹیک اٹ ایزی یار، سب ٹھیک ہو جائے گا، پتا چل جاتا ہے شہوار کا تم بس کول ڈاؤن رہو۔''
''کیسے رہوں، شہوار غائب ہوئی ہے میری بیوی اور وہ اس کرپٹ انسان کے پاس ہے۔ نجانے وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔'' مصطفیٰ کے لیے ایسا کچھ تصور کرنا بھی کسی عذاب سے کم نہ تھا۔
''کچھ نہیں ہوگا، بس اچھا سوچو۔''
''سوچنے کی بات ہے ایاز کو کیسے علم ہوا کہ شہوار اس وقت اس کلینک میں ہے۔''
''میں خود یہ سوچ سوچ کر حیران ہوں، شہوار گھر سے نہیں نکل رہی تھی آج کالج گئی اور پھر وہیں سے کلینک' ایاز کو اتنی مکمل معلومات کہاں سے ملی تھیں۔'' عباس کے کہنے پر مصطفیٰ نے بھی کہا تھا۔
''ہوسکتا ہے اس کا کوئی ساتھی مسلسل ہمارا پیچھا کر رہا ہو؟'' عباس نے نکتہ اٹھایا تھا۔
''جو بھی ہے میں اس ایاز کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' مصطفیٰ کا انداز اٹل تھا عباس نے محض اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے تسلی دینا چاہی تھی۔



''شہوار میرے پاس ہے میں نے کلینک میں سے اسے اٹھالیا ہے رستے میں وہ بے ہوش ہو گئی تھی ہوش میں آتی ہے تو دیکھو میں اس کا کیا حشر کرتا ہوں۔'' ایاز نے در یہ کو کال کی تھی اور کامیاب ہو جانے کی اطلاع دی۔
''یو آر ریلیئنٹ بوائے، مجھے یقین نہیں آ رہا شہوار تمہارے پاس ہے۔'' وہ بہت ایکسائیٹڈ ہو گئی تھی۔

''میں جو ایک بار ٹھان لوں کر کے ہی دم لیتا ہوں۔'' وہ بہت خوش تھا۔
''اب کیا ارادہ ہے؟'' دریہ نے پوچھا۔
''تمہارے لیے میں یہ سب کررہا ہوں تم اب میری ڈیمانڈ پوری کرو گی۔''
''کیسی ڈیمانڈ؟'' دریہ چونکی تھی۔
''تم کو میں ایک ایڈریس لکھواتا ہوں تمہیں یہاں پہنچا ہوگا۔''
''کیا مطلب...... میں کہیں نہیں آرہی؟'' وہ فوراً بدکی۔
''آنا تو تمہیں پڑے گا' دریہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ شہوار کو اٹھوانے میں سب سے زیادہ ہاتھ تمہارا رہا ہے، میرے پاس تمہاری ہر کال، ہر میسج کا ریکارڈ موجود ہے۔''
''کہنا کیا چاہتے ہو؟'' دریہ کے تیور فوراً بدلے تھے۔
''صاف اور واضح بات ہے میں اگر تمہاری مدد کررہا تھا تو بلا مقصد تو نہیں کررہا تھا تم جوان ہو، حسین ہو شہوار سے تو میری ضد تھی لیکن تم جیسی لڑکی کو کون چھوڑتا ہے اب تمہیں میرے پاس آنا ہوگا ورنہ تم جانتی ہو کہ میں کیا کچھ کرسکتا ہوں۔'' ایاز کے ایک دم پینترا بدلنے پر دریہ حیرت زدہ رہ گئی تھی۔
''میں نہیں آسکتی میں جیسی بھی ہوں لیکن کوئی گھٹیا قسم کی لڑکی نہیں ہوں میں یہ سب مصطفیٰ کے لیے کررہی تھی، تم مجھے بلیک میل مت کرو۔'' وہ فوراً بھڑک اٹھی۔
''بلیک میل تو تم اب ہوگی اور تم کتنی پاکباز اور شریف زادی ہو میں بھی اچھی طرح جان چکا ہوں، سیدھے سے میرے بتائے ہوئے ایڈریس پر پہنچو ورنہ اگلے آدھے گھنٹے میں تمہارے ڈیئر کزن تک تمہاری تمام چیٹ ریکارڈنگ پہنچ جائے گی۔'' وہ واقعی بلیک میلنگ پر اتر آیا تھا۔
''پلیز ایاز تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔''
''تو پھر تمہیں جیسا کہہ رہا ہوں وہی کرنا پڑے گا۔''
دریہ کے چہرے کے زاویے ایک دم بدلے تھے وہ بالکل گم صم اور خاموش رہ گئی۔
''ایڈریس سینڈ کررہا ہوں میں جانتا ہوں تمہارے پاس انکار کی کوئی گنجائش نہیں، اگلے آدھے گھنٹے میں تم یہاں نہیں پہنچی تو تمام ریکارڈنگ مصطفیٰ کے پاس ہوگی اور ہاں زیادہ چالاکی دکھانے کی کوشش مت کرنا تم مجھے جانتی نہیں ہو شہوار تو مرے گی ہی لیکن اس کا قتل تم پر ہوگا۔'' وہ کہہ کر کال بند کرچکا تھا۔ دریہ اپنی جگہ ساکت سی رہ گئی تھی۔
وہ جو کچھ دیر پہلے بہت خوش تھی اس وقت اسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ کسی گہری دلدل میں جا گری ہو۔ کچھ دیر بعد اس کے موبائل کی میسج ٹون بجی تھی۔ اس نے دیکھا ایاز کا میسج تھا اس نے ایڈریس سینڈ کیا تھا۔ دریہ کے اندر شدید اضطراب کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔ اس نے ایاز کا نمبر ملایا لیکن وہ بند ملا۔ وہ مزید پریشان ہوگئی تھی۔ اس کے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں بالکل ختم ہوچکی تھیں۔ وہ بار بار ایاز کا نمبر ملا رہی تھی لیکن اس کا نمبر مسلسل بند جارہا تھا وہ شدید پریشانی میں کمرے میں ٹہلنے لگی۔ اسے اب اندازہ ہورہا تھا کہ وہ کیا کرچکی ہے۔ اس نے موبائل پر موجود ایڈریس دیکھا اور پھر ایاز نے کہا تھا کہ اگر وہ آدھے گھنٹے میں وہاں نہ پہنچی تو وہ مصطفیٰ تک تمام ریکارڈنگ پہنچادے گا۔ یہ سوچ کر دریہ کا رنگ ایک دم بدلا تھا۔
جو گڑھا وہ دوسروں کے لیے کھود رہی تھی اب اسی گڑھے میں خود گرچکی تھی وہ ایاز کو ڈبل کراس کرنا چاہتی تھی لیکن ایاز اسے ڈبل کراس کرگیا۔ اس نے جلدی سے الماری سے اپنا بیگ نکالا۔ اس وقت اپنے حلیے کی پروا نہ تھی

اور فوراً باہر نکلی۔ باہر پورچ میں کوئی گاڑی دکھائی نہ دی تو اس نے چیخ کر چوکیدار کو بھلایا تھا۔
''ساری گاڑیاں کدھر ہیں''
''سب صاحب لوگ لے جا چکے ہیں۔'' چوکیدار نے مودب انداز میں بتایا دریہ نے خوفزدہ ہوکر اپنا موبائل دیکھا پندرہ منٹ گزر چکے تھے۔
''اچھا گیٹ کھولو، مجھے باہر جانا ہے۔''
''خیریت بی بی..... آپ ٹھہر جائیں میں مالی کو بھیجتا ہوں وہ کوئی سواری لا دیتا ہے۔''
''نہیں میں چلی جاؤں گی، تم گیٹ کھولو۔'' وہ کافی بدتمیزی سے بولی تھی جس پر چوکیدار نے خاموشی سے گیٹ کھول دیا تھا۔
''یہاں سے پی سی او آفس کتنی دور ہے۔'' چوکیدار نے تعجب سے اسے اور پھر اس کے ہاتھ میں موجود ایک بڑے سے ٹچ سسٹم والے موبائل کو دیکھا تھا۔
''یہاں سے بائیں طرف جو سڑک نکلتی ہے وہیں اسی روڈ پر یوٹیلٹی اسٹور ہے اس کے ساتھ پی سی او ہے بی بی صاحبہ'' دریہ محض سر ہلا کر تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔ چوکیدار نے پریشانی سے اسے جاتے دیکھا اور پھر کندھے اچکا کر گیٹ بند کرکے اندر چلا گیا تھا۔



ضیا اور افشاں کسی رشتہ دار سے مل کر لوٹے تو خالہ کہیں جانے کو تیار تھیں ساتھ میں ان کا بیٹا بھا۔
''آپ کہاں جارہی ہیں خالہ بی۔''
''میرے جیٹھ جٹھانی اور اس کے بچے سبھی بس حادثے میں مارے گئے ہیں اس محلے کا ایک لڑکا کچھ دیر پہلے اطلاع دینے آیا تھا اسی جگہ جارہی ہوں تم دونوں کا انتظار تھا۔''
افشاں نے خبر سن کر دل تھام لیا تھا۔ خالہ بی کے ہی سسرالی واحد رشتہ دار تھے اور خالہ بی کے شوہر کی وفات کے بعد انہوں نے سب جائیداد پر قبضہ کرکے گھر سے نکال دیا تھا اور اب قدرت کے کھیل کا لقمہ بن گئے افشاں کا دل کانپ اٹھا تھا۔
''ایک اور اطلاع دینی تھی۔'' خالہ بی نے سبھاؤ سے کہا تو دونوں میاں بیوی نے دھیان دیا۔ ''لالہ رخ کے بچے عیسیٰ اور عائشہ کمرے میں سو رہے ہیں۔''
''اچھا' لالہ رخ کب آئی اور کہاں ہے؟'' جواباً خالہ بی نے جو بتایا وہ سب سن کر ضیا اور افشاں ششدر رہ گئے۔
''آہ..... یہ کیا حماقت کی لالہ رخ نے..... خالہ بی آپ نے کیوں جانے دیا، اسے روک لیتیں۔''
''میری تو خود کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ بے چاری شوہر کے لیے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی اس کا رونا دیکھا نہیں گیا مجھ سے اس کی ساری بات سن کر روکتی تو بھی وہ چلی جاتی۔'' خالہ کے کہنے پر دونوں پریشان ہوچکے۔
خالہ بی کو دیر ہورہی تھی وہ تو اپنے بیٹے کو لے کر چلی گئیں جبکہ پیچھے وہ دونوں میاں بیوی ان بچوں کو لے کر شدید پریشان تھے۔



شہوار کو ہوش آیا تو اپنے سامنے کرسی پر بیٹھے ایاز کو دیکھا تھا۔ اس کے وجود کو شدید جھٹکا لگا تھا۔

اسے یاد آیا کہ پچھلے کچھ گھنٹوں میں اس کے ساتھ کیا کچھ ہو چکا تھا۔ وہ تڑپ رہی تھی چیخ رہی تھی جب ایاز اور اس کے ساتھی نے زبردستی اسے گاڑی میں دھکیل لیا تھا وہاں موجود مہرالنساء بیگم کچھ کر سکی تھیں اور نہ ہی کلینک کا گارڈ اور ڈاکٹر۔

وہ گاڑی میں شدید مزاحمت کر رہی تھی جب ایاز نے کوئی چیز اس کے منہ پر رکھی تھی اور پھر اسے کچھ ہوش نہ رہا تھا۔ یقیناً اسے کلوروفارم کے زیر اثر بے ہوش کر دیا گیا تھا اور اب اسے ہوش آیا تھا۔

''ویلکم ٹو مائی پیلس مائی ڈیئر شہوار مصطفیٰ۔'' ایاز خباثت سے مسکراتے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ شہوار بے اختیار پیچھے ہٹی تھی کلینک میں اس کے وجود پر چادر تھی جواب کہیں نہ تھی۔ وہ بے اختیار اپنے وجود میں سمٹ گئی۔

''کیوں لائے ہو تم مجھے یہاں؟'' وہ ایک دم رو پڑی تھی۔

''تمہاری طرف بہت سے حساب نکلتے ہیں سو چل مل بیٹھ کر کلیئر کریں گے لیکن اس سے پہلے تمہیں کچھ سبق بھی سکھانا ہے۔'' وہ اس کی طرف بڑھا تھا اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر شہوار کا ہاتھ تھامنا چاہا لیکن شہوار ایک دم اس کا ہاتھ جھٹک کر پیچھے سرکی تھی۔

''تم غلط کر رہے ہو، مصطفیٰ تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔'' وہ نفرت سے بولی جواباً ایاز نے قہقہہ لگایا تھا۔

''ہاہاہا..... تمہارا وہ نام نہاد شوہر۔'' شہوار نے خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''تم پچھلے تین گھنٹوں سے ہماری تحویل میں ہو تمہارا شوہر کچھ نہیں کر سکا۔ بھوکے کتوں کی طرح سارے شہر میں اس کے سپاہی میری بو سونگھتے پھر رہے ہیں لیکن کسی کو میرا سراغ تک نہیں مل پا رہا۔'' وہ فتح کے نشے سے چور تھا۔ شہوار کو لگ رہا تھا کہ جیسے ہر لمحہ اس پر قیامت بن کر گزر رہا ہے۔

''پلیز مجھے جانے دو ایاز۔'' اگلے ہی پل وہ جیسے ڈھے سی گئی تھی ایک دم سسک کر ایاز کو دیکھتے کہا تھا۔

''اتنی مشکلوں سے حاصل کیا ہے اتنی جلدی جانے دوں۔'' وہ خباثت سے مسکرا دیا۔

وہ شہوار کی طرف بڑھا اور شہوار پیچھے ہوتے دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔

''دیکھو تمہیں اللہ کا واسطہ مجھے جانے دو پلیز۔''

وہ رو رہی تھی جبکہ اس کی بے باک ناپاک نگاہیں اس کے وجود کا طواف کر رہی تھیں۔

''تم تو میری سوچوں سے بھی بڑھ کر خوب صورت ہو یار۔''

قریب آ کر اس کے چہرے پر جھک کر ایاز نے کہا تو شہوار نے ایک دم چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا تھا۔

''اتنی جلدی ہمت تو نہیں ہارنے دوں گا تمہیں۔'' اس نے سرد لہجے میں کہتے زبردستی شہوار کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''یہی ہاتھ تھا نا جو تم نے مجھ پر اٹھایا تھا۔'' وہ سرد نگاہوں سے شہوار کے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔

اگلا لمحہ شہوار کے لیے عجیب خوفزدگی لیے ہوئے تھا۔ ایاز نے کھینچ کر شہوار کے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔ شہوار کی چیخ بے اختیار تھی۔

''بلڈی بچ تم نے اپنے اس پولیس آفیسر کے ذریعے مجھے بڑا نقصان پہنچایا ہے اب ایک ایک زخم کا بدلہ لوں گا، زندہ نہیں چھوڑوں گا تمہیں تمہارے اس خوب صورت وجود کے پرخچے نہ اڑا دیے تو میرا نام ایاز نہیں۔'' وہ پھنکار رہا تھا اور دونوں ہاتھوں سے شہوار کو پیٹ رہا تھا۔ شہوار شدید مزاحمت کر رہی تھی لیکن کمرے کی چار دیواری میں بچاؤ کا کوئی رستہ نہ تھا اور پھر ایاز کے پاؤں کی ٹھوکر نجانے اس کے وجود پر کس رخ سے لگی تھی شہوار کو لگا کہ جیسے اس کے وجود میں کسی نے آگ بھڑکا دی ہو۔ وہ بے اختیار چیخ مار کر منہ کے بل زمین پر گری تھی۔



لالہ رخ جب وہاں پہنچی تو دوپہر ڈھل چکی تھی وہ شہر سے باہر نئی آباد کی گئی کالونی تھی کم ازکم اسے وہاں پہنچنے میں دو گھنٹے لگے تھے رابعہ کا بخار اور شدت اختیار کر گیا اور لالہ رخ اس کی حالت رو رو کر ابتر ہو چکی تھی۔

''مجھے اندازہ تھا کہ تم ضرور آؤ گی۔'' ہمایوں اسے دیکھ کر بڑے بے ہودہ انداز میں ہنسا تھا۔

''سکندر کہاں ہے؟'' وہ نفرت سے بولی تھی۔

''اتنی جلدی کیا ہے ابھی بیٹھو پہلی بار خود سے چل کر میرے پاس آئی ہو کچھ تواضع خدمت کرنے دو پھر بات کرتے ہیں۔''

''میں کسی خدمت کے لیے نہیں آئی، تم بتاؤ سکندر کہاں ہے؟'' وہ چیخی تھی رابعہ اس کے کندھے سے لگی ہوئی تھی ماں کی چیخ سن کر وہ ایک دم رونے لگی۔

''چلو آؤ ملواتا ہوں تمہیں تمہارے شوہر سے۔'' وہ اسے لے کر ایک کمرے کی طرف بڑھا وہاں زمین پر زخمی حالت میں پڑے سکندر کو دیکھ کر لالہ رخ کی چیخیں نکل گئیں۔ اس نے کمبل میں لپٹی روتی سسکتی رابعہ کو ایک دم زمین پر لٹا کر سکندر کو دیکھا تھا۔ ہمایوں دروازے پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''دیکھ لو، اچھی طرح تسلی کر لو تمہارا شوہر ہی ہے نا یہ۔'' لالہ رخ نے سکندر کو ہلایا جلایا مگر وہ بے ہوش تھا۔

''کتنے ظالم اور سفاک انسان ہو تم، کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا، کیوں آسیب کی طرح ہماری زندگیوں میں گھس آئے ہو۔'' ہمایوں نے اسے سنجیدگی سے دیکھا تھا۔

''یہ شخص صرف اور صرف تمہاری وجہ سے اس حالت کو پہنچا ہے۔'' وہ اس کی بات پر سسکتے ہوئے سکندر کی طرف جھکی تھی۔

''سکندر آنکھیں کھولیں، پلیز سکندر۔'' لیکن سکندر کے وجود میں کوئی جنبش تک نہیں ہوئی تھی۔

''کیا کیا ہے اس کے ساتھ بتاؤ'' اس نے خوف زدہ ہو کر ہمایوں کو دیکھا تھا۔

''زندہ ہے ابھی لیکن تب تک زندہ ہے جب تک تم چاہو گی تم جائیداد کے تمام کاغذات میرے حوالے کرو اور ہم اس کو چھوڑ دیں گے۔'' لالہ رخ نے بہت نفرت سے اسے دیکھا اور پھر بیگ کھول کر تمام کاغذات ہمایوں کے منہ پر دے مارے۔

''یہ لو.... لیکن خدا را میرے شوہر کو چھوڑ دو، میں منت کرتی ہوں تمہاری مجھے یہ دولت، جائیداد کچھ بھی نہیں چاہیے سب لے لو لیکن پلیز میرے شوہر کو چھوڑ دو۔'' وہ اس کے سامنے روتے روتے سسکنے لگی۔ زمین پر لیٹی رابعہ رو رو کر خاموش ہو گئی تھی۔

ہمایوں نے تمام کاغذات اچھی طرح چیک کیے اور پھر ایک دم مسکرا دیا تھا۔ اس کے چہرے پر کامیابی کی مسکراہٹ تھی۔ اس نے کسی کو آواز دی وہاں ایک اور مرد چلا آیا۔

''اس کو ساتھ والے کمرے میں لے جاؤ۔''

ہمایوں نے اس آدمی کو اشارہ کیا جب ہی وہ لالہ رخ کی طرف بڑھا تھا لالہ رخ چیخی چلائی لیکن سب بے سود تھا وہ شخص اس کو دھکیل کر ایک اور کمرے میں لے آیا اور پھر اسے اندر دھکیل کر باہر سے دروازہ بند کر کے چلا گیا جبکہ لالہ رخ دونوں ہاتھوں سے زور زور سے دروازہ پیٹتے نڈھال سی ہو کر زمین پر گر گئی تھی۔



مصطفیٰ کے نمبر پر کسی انجانے نمبر سے ایک کال آئی تھی اور اس کال میں کچھ کہا گیا تھا۔ وہ سن کر مصطفیٰ ایک دم ساکت ہوا اور پھر فوراً مختلف جگہوں پر نمبرز ملاتے سب کو ایک جگہ پہنچنے کا کہتے خود بھی گاڑی میں آ بیٹھا عباس ساتھ تھا۔

''کہاں جا رہے ہیں ہم؟''

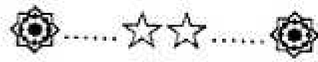
''ایاز کا پتا لگا ہے۔'' عباس حیران ہوا۔

''کیسے؟''

''وہاں چل کر پتا چل جائے گا، اگر رپورٹ سچی ہوئی تو سمجھیں ایاز کو اب مجھ سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔'' عباس خاموش رہا۔ مصطفیٰ نے بہت غیر محتاط انداز میں گاڑی چلائی تھی۔

اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اڑ کر اس جگہ پہنچ جائے عباس نے شاہزیب صاحب کو بتا دیا تھا۔ وہ بھی مصطفیٰ کے بتائے گئے مقام پر پہنچنے کا کہہ کر فوراً روانہ ہوئے تھے۔

مصطفیٰ جب تک وہاں پہنچا تھا اس علاقے کے نزدیک ترین پولیس بھی اس جگہ پہنچ چکی تھی۔ مصطفیٰ فوراً گاڑی سے نکل کر ساتھیوں کو ہدایت دیتے خود عمارت کی طرف بڑھا تھا۔



شہوار منہ کے بل گری تو ایاز کے ہاتھ رک گئے شہوار کے منہ سے بے اختیار چیخیں نکل رہی تھیں۔ وہ پیٹ کو تھامے دہری ہوئی جا رہی تھی۔ وہ شہوار کو جان سے مار دینا چاہتا تھا لیکن ابھی اتنی جلدی نہیں اسے دریہ نے بتایا تھا کہ شہوار حاملہ ہے اور اس وقت شہوار کی جو حالت تھی ایک پل کو ایاز رک گیا تھا۔

وہ شہوار کو تر سا تر سا کر مارنا چاہتا تھا لیکن اسے لگ رہا تھا کہ جذباتیت میں وہ بہت بڑی غلطی کر چکا ہے۔ اسے ابھی شہوار پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا اور اگر اٹھایا بھی تھا تو کم از کم اس بری طرح زد و کوب نہیں کرنا چاہیے تھا۔

جنونیت اور جذباتیت کا طوفان اترا تو اسے لگا وہ بری طرح شہوار کو نقصان پہنچا گیا ہے۔

درد سے چیختی کراہتی شہوار پر ایک نگاہ ڈالتے اس نے ایک طرف ٹیبل پر رکھا اپنا موبائل اٹھایا تھا۔

دریہ کو کال کرنے کے بعد وہ موبائل بند کر چکا تھا، اس نے موبائل جیسے ہی آن کیا اس کے ساتھی کی کال آنا شروع ہوگئی۔ اس نے فوراً کال پک کی تھی۔

''موبائل کیوں بند کیا ہوا ہے؟'' کال ریسیو ہوتے ہی وہ چیخا تھا۔

''کیوں؟'' درد سے بے حال ہو کر ایک طرف لڑھکتی شہوار کو دیکھ کر اس نے برہمی سے کہا تھا۔

''ہمارے اس ٹھکانے پر پولیس کی ریڈ ہوئی ہے سبھی کو گرفتار کر لیا گیا ہے میں بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا ہوں، تم بھی کسی طرح نکلو یہاں سے۔''

''کیسے ہوگئی ریڈ؟'' وہ چیخا تھا۔

''پتا نہیں، ہمارے کسی ساتھی نے مخبری کی ہے جیسے بھی ہو پچھلے دروازے سے نکلو ورنہ پولیس اندر داخل ہوگئی تو تمہارے لیے بھاگنا مشکل ہو جائے گا۔'' اس کے ساتھ ہی کال منقطع ہوگئی۔

ایاز نے ایک نگاہ بے حس و حرکت ایک طرف گری ہوئی شہوار پر ڈالی اور ایک دراز سے پسٹل نکال کر اس نے باہر جھانکا تھا۔

باہر سے شور ہنگامے کی آوازیں آ رہی تھیں پولیس عمارت میں داخل ہو چکی تھی۔ ایاز نے بہت تلخی سے شہوار کو

دیکھا اور پھر پسٹل کی نالی کا رخ اس کی طرف کیا۔ شہوار اب اس کے کسی کام کی نہیں رہی تھی۔
وہ جو دل میں ٹھان چکا تھا وہ اب نہیں ہوسکتا تھا لیکن دل میں کوئی حسرت بھی نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ بھاگنے کے لیے اس کے پاس بس یہی کچھ پل تھے۔
اس نے پسٹل کا ٹریگر دبایا لیکن گولی نہیں چلی، اس نے دو تین بار یہ عمل دہرایا تھا اور ایک دم زچ ہوکر اس نے پسٹل چیک کیا تو چونکا پسٹل خالی تھا یہ بھلا کیسے ہوسکتا تھا کلینک جانے سے پہلے اس نے خود پسٹل لوڈ کیا تھا۔ اس نے بغور دیکھا اس کا پسٹل اس کے ساتھیوں کے پسٹل سے بدل چکا تھا۔ ایاز کے اندر شدید جنونیت کی لہر اٹھی تھی۔
اس نے پاؤں کی ٹھوکر زور سے شہوار کے وجود پر لگائی اور پھر فوراً باہر بھاگا۔ اس کے پاس اب یہاں سے بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ جیسے ہی باہر نکلا باہر کی طرف سے کچھ پولیس کے افراد بھاگ کر اندر آتے دکھائی دیے جن میں سب سے آگے مصطفیٰ تھا۔ ایاز کے اوسان ایک دم خطا ہوئے تھے وہ فوراً مخالف سمت بھاگا تھا۔
''رک جاؤ ایاز ورنہ مارے جاؤ گے۔'' مصطفیٰ چیخا لیکن ایاز نہیں رکا تھا۔ اس نے کمرے میں گھس کر دروازہ بند کرلیا اور پھر اس نے الماری سے کچھ بلٹس نکال کر پسٹل لوڈ کی تھی۔ اب یہ کمرہ اس کی پناہ گزین تھا اور وہ ان گولیوں کے سہارے ہی مصطفیٰ اور اس کے سپاہیوں سے بچ سکتا تھا۔
مصطفیٰ اسے بار بار وارن کر رہا تھا مصطفیٰ کے ساتھ پولیس کی بہت بھاری نفری تھی۔ وہ تمام لوگ ارد گرد پھیل گئے تھے۔ امجد خان بھی اپنی نفری کے ساتھ پہنچ چکا تھا۔
''تم ایاز کو کور کرو میں شہور کو ڈھونڈتا ہوں یاد رہے یہ شخص بچ کر نہ جانے پائے۔'' مصطفیٰ نے امجد خان کو کہا اور پھر مختلف کمرے چیک کرنے لگ گیا اس کے ساتھ دو ساتھی تھے اور پھر اسے ایک کمرے میں زمین پر بری حالت میں اوندھے منہ گری ہوئی شہوار مل گئی تھی۔ مصطفیٰ دیوانہ وار شہوار کی طرف لپکا تھا۔
''شہوار...... شہوار۔'' اس نے اسے سیدھا کیا لیکن شہوار کی حالت دیکھ کر ایک دم اوسان خطا ہوگئے۔ شہوار کے منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کی حالت بہت ہی نازک تھی۔
مصطفیٰ نے بے اختیار اس کی نبض چیک کی تو وہ بہت رک رک کر چل رہی تھی۔ مصطفیٰ کا دل بند ہونے لگا۔
''ڈرائیور کو کہو گاڑی ریڈی رکھے ہری اپ۔''
مصطفیٰ نے چیخ کر کہا اس کا ایک ساتھی باہر بھاگا دوسرے نے فوراً ایک طرف پڑی ہوئی چادر مصطفیٰ کو تھمائی۔
مصطفیٰ نے شہوار پر چادر ڈالی تھی اور فوراً اٹھایا تھا۔
مصطفیٰ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی ایاز کو شوٹ کردے وہ لب بھینچ کر باہر نکلا تھا۔
باہر امجد خان اور پولیس کی نفری محتاط انداز میں ایاز جس کمرے میں بند تھا اس کا گھیراؤ کیے ہوئے تھی۔
''امجد خان خیال رکھنا ایاز بچ کر نہ جائے۔'' امجد خان کے قریب سے گزرتے مصطفیٰ ایک پل کو رکا تھا۔
''آپ فکر نہ کریں اب یہ کہیں نہیں بھاگ سکتا۔'' امجد خان نے تسلی دی تو مصطفیٰ فوراً باہر نکلا عباس بھائی مصطفیٰ کو دیکھ کر فوراً قریب آئے تھے حفظ ماتقدم کے طور پر مصطفیٰ نے ان کو باہر ہی رکنے پر مجبور کردیا تھا۔
''کیا ہوا شہوار ٹھیک تو ہے نا؟''
مصطفیٰ نے لب بھینچ رکھے تھے۔ اس نے فوراً شہوار کو گاڑی میں ڈالا تھا۔
ایک طرف عباس بھائی بھی آ بیٹھے تھے۔ ان کو اسپتال پہنچنے میں کچھ وقت لگا۔ عباس رستے میں ہی شاہزیب صاحب کو کال کرچکا وہ بھی اسپتال پہنچ گئے تھے۔

شہوار کی خراب طبیعت تھی ڈاکٹرز فوراً اسے ایمرجنسی میں لے گئے مصطفیٰ امجد خان سے رابطہ رکھے ہوئے تھا۔ ایاز ابھی تک کمرے میں بند تھا وہ امجد خان اور ساتھیوں پر وقفے وقفے سے فائرنگ کررہا تھا یہ لوگ بھی جوابی فائرنگ کررہے تھے۔

ان لوگوں نے بہت خاموشی سے اس جگہ پر ریڈ کیا تھا اور جو آدمی جہاں تھا اسے وہیں جالیا نجانے ایاز کو کیسے خبر ہوگئی۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر نے آ کر مصطفیٰ کو جو خبر سنائی تھی وہ سن کر مصطفیٰ ایک دم ساکت رہ گیا عباس بھائی اور شاہزیب صاحب نے بے اختیار مصطفیٰ کے کندھوں پر ہاتھ رکھا تھا۔

ڈاکٹر اطلاع دے کر چلی گئی اور مصطفیٰ یہ سن کر ساکت کھڑا رہ گیا۔ شاہزیب صاحب کے اشارہ کرنے پر مصطفیٰ کو عباس نے کندھے سے تھام کر ایک طرف رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بٹھایا تھا۔

مصطفیٰ لاکھ مضبوط سہی لیکن بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں انسان بالکل بے بس ہوجاتا ہے اور اس وقت مصطفیٰ کے اندر کچھ ایسی ہی کیفیت پیدا ہوگئی تھی تبھی مصطفیٰ کے موبائل پر کال آئی تھی۔ مصطفیٰ نے خالی نظروں سے موبائل کو دیکھا تھا۔

عباس اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا اس نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر شاہزیب صاحب کو تھما دیا۔

امجد خان کی کال تھی شاہزیب نے ایک افسردہ سی نگاہ سر جھکائے لب بھینچے وجود پر ڈالی اور کال ریسیو کرلی تھی۔

''ہاں امجد خان کیا بات ہے؟'' جواباً امجد خان نے جو خبر سنائی شاہزیب صاحب سن کر بالکل گم صم ہوگئے تھے۔

''ایاز ان کاؤنٹر میں مارا گیا ہے اس نے ہمارے تین آدمیوں کو زخمی کیا ہے۔ اس پر فائر کرنا ہماری مجبوری تھی ہم نے یہ ساری جگہ اپنی حراست میں لے لی ہے اب یہاں کی تلاشی لے رہے ہیں کچھ دیر میں ڈیڈ باڈی اسپتال پہنچا رہے ہیں۔'' شاہزیب صاحب نے از حد افسردگی سے کال بند کردی۔



رات گزرتی گئی اگلا دن بہت عجیب سا تھا۔ افشاں اور ضیا کا وہ سارا دن بہت پریشانی میں گزرا تھا۔ عائشہ کو لالہ رخ خود فیڈ کراتی تھی کچھ گھنٹے گزرنے کے بعد ہی اس نے رونا چلانا شروع کردیا تھا اور ڈبے کا دودھ بس برائے نام پی رہی تھی۔ بہن کو روتے دیکھ کر اور ماں باپ کو غیر موجود پا کر عیسیٰ بھی رونے لگا۔ وہ سارا دن دونوں میاں بیوی کا بہت برا گزرا تھا۔

خالہ بی جیٹھ کے ہاں تھیں وہ سارا دن بہت کشمکش میں سکندر اور لالہ رخ کا انتظار کرتے گزر گیا لیکن وہ تھے کہ ان کا کوئی پتا ہی نہیں چل رہا تھا۔

عیسیٰ بار بار اپنے گھر جانے کی ضد کررہا تھا وہ دونوں میاں بیوی بچوں سمیت سکندر کے نئے گھر میں آگئے تھے لالہ رخ جاتے وقت خالہ بی کو گھر کی چابیاں دے گئی تھی۔ اسی لیے وہ لوگ اپنے گھر کو تالا لگا کر یہاں آگئے۔

کچھ وقت مزید گزرا تو بچوں نے رونا شروع کردیا اب تو روشی بھی عیسیٰ کے ساتھ مل کر گلا پھاڑ کر رو رہی تھی، افشاں کے لیے بیک وقت اتنے بچوں کو سنبھالنا بہت مشکل تھا۔ ضیا مسلسل ساتھ تھا لیکن جوں جوں وقت گزر رہا تھا دونوں کی تشویش اور پریشانی بڑھتی جارہی تھی۔

لالہ رخ کی کم عقلی پر رہ رہ کر غصہ بھی آرہا تھا کم از کم وہ جہاں جارہی تھی وہاں کا ایڈریس تو خالہ بی کو بتا کر جاسکتی تھی۔ اب وہ لوگ سوائے انتظار کرنے کے اور کچھ نہیں کرسکتے تھے۔ ان کے پاس اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔



لالہ رخ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی جوں جوں وقت گزر رہا تھا اس کی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی۔
دوپہر میں ہمایوں آ گیا اس نے مزید کچھ کاغذات پر اس کے دستخط اور انگوٹھے کے نشان لیے دستخط کرتے ہی وہ ہمایوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر رو پڑی تھی۔
''پلیز مجھے جانے دو، میرے بچوں کا میرے بغیر نجانے کیا حال ہوگا، پلیز مجھے سکندر اور میری بچی کے پاس لے جاؤ۔''
''اتنا کچھ میں نے اس لیے نہیں کیا کہ تم سکھ اور چین سے زندگی گزارو تمہارے نانا کو تمہارے باپ نے مارا تھا اور تمہاری ماں اپنی بیماری میں چل بسی لیکن تمہارا باپ تمہارے بھاگنے کے بعد بہت اونچا اڑنے لگا تھا اور پھر میں نے اسے بھی مار ڈالا، اب تمہارے شوہر اور بچوں کو ماروں گا ایک ایک کر کے سب کو آگ لگا دوں گا اور تم ساری عمر اس قید خانے میں سسکتی رہنا، تمہیں رہا نہیں کروں گا اتنی مشکل سے تو تم ہاتھ آئی ہو تمہارے اس وجود سے کچھ ہمیں بھی فائدہ ہو۔'' وہ کمینگی سے مسکرایا تھا۔
وہ سانپ سے توقع کر رہی تھی کہ وہ اسے ڈسے گا نہیں بھلا کب اپنی فطرت سے باز آتا ہے۔
باپ کا خوفناک انجام سن کر وہ اور شدت سے رو دی۔
وہ اور بھی بکواس کر رہا تھا نجانے کیا کیا کہہ رہا تھا۔ لالہ رخ تک تو بس ہمایوں کے ان الفاظ پر ہی جم سی گئی تھی۔
''آج رات میرے بندے تیرے شوہر اور بچی کو لے جا کر مار ڈالیں گے اور پھر نہر میں بہا دیں گے اور تو ساری عمر میری قید میں میرے ساتھ زندگی گزارنا۔'' وہ بکواس کر کے چلا گیا تھا اور تب سے لالہ رخ تڑپ رہی تھی۔ نجانے یہ شخص اب کیا کرنے والا تھا۔
جیسے ہی شام کی تاریکی پھیلی لالہ رخ کے اندر خوف کے سائے امڈ کر آنے لگے۔ وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی لیکن اللہ کے سوا وہاں اس کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔



سکندر کی حالت از حد بگڑی ہوئی تھی یار مار کر سکندر کے وجود کو زخمی کر دیا گیا جبکہ ایک طرف کمبل میں لپٹی روتی رابعہ بخار سے نڈھال اب نیم غنودگی میں تھی۔ ہمایوں ادھر آیا تھا اس کے ساتھ اس کے تین چار آدمی تھے۔
''لے جاؤ اسے اور اس بچی کو جیسا کہا ہے بالکل ویسا ہی کرنا ہوگا غلطی کا کوئی امکان نہ رہے ورنہ تم سب جانتے ہو کہ میں تم لوگوں کا کیا حال کر سکتا ہوں۔'' اس کے آدمیوں نے فوراً سر ہلا دیا تھا۔
انہوں نے زخمی، نڈھال نیم بے ہوش سکندر کو زمین سے اٹھایا تھا ایک نے رابعہ کو اٹھا لیا وہ لوگ اسے لے کر چلے گئے تو ہمایوں کسی اور آدمی کے ساتھ باہر نکل گیا تھا۔ پورے ایک گھنٹے بعد اس کے آدمی واپس آ گئے تھے۔
انہوں نے سکندر اور اس کی بچی کو مار کر نہر میں پھینک دیا تھا ہمایوں کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ اب اس کا اگلا قدم لالہ رخ اور اس کے باقی رہ جانے والے بچے تھے۔ اس نے لالہ رخ کو کسی اور پرانی عمارت میں منتقل کر دیا کیونکہ یہاں پولیس کا خطرہ ہو سکتا تھا وہ یہ سب کرنے کے بعد بہت مطمئن۔



ولید بہت غصے سے گھر سے نکلا تھا۔ باہر نکل کر اس نے ایک کال ملائی تھی۔ بابا نے اسے نیا موبائل لے دیا تھا۔
''مجھے تم سے ملنا ہے۔'' کال پک ہوتے ہی ولید نے بہت سنجیدگی سے کہا تھا۔
''ارے زہے نصیب۔ ولید صاحب ہم سے ملنے کی خواہش کریں کہاں ملنا ہے۔''

"جہاں تم کہوں میں آ جاتا ہوں۔" ولید نے کہا تھا دوسری طرف ایک دم ایکسائٹڈ ہوتے اس نے جگہ کا نام بتایا تھا۔

ولید نے موبائل بند کر کے چند پل سوچا اور پھر مین روڈ کی طرف آ نکلا وہاں سے اس نے ایک رکشہ لیا اور پھر کچھ دیر بعد وہ مطلوبہ جگہ پر آ گیا تھا۔

یہ ایک کلب تھا ہائی سوسائٹی کے آزاد خیال لوگوں کی ایک کریم یہاں موجود تھی۔ شام کا وقت تھا وہ ایک طرف بیٹھ کر انتظار کرنے لگا اور ایک گھنٹے کے انتظار کے بعد اسے وہ آتی دکھائی دی تھی۔

"کاشفہ عبدالقیوم۔" اسے دیکھ کر ولید کے اندر شدید طغیانی سی بلند ہوگئی۔ وہ سرد نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا ہال میں داخل ہوتے ہی اس نے اطراف میں دیکھا تھا اور پھر ولید کو دیکھ کر اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ وہ جدید تراش خراش والے زرق برق لباس میں ملبوس اس وقت یہاں موجود تمام لڑکیوں میں بہت نمایاں تھی۔

تقریباً وہاں موجود ہر شخص پلٹ پلٹ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ چلتے ہوئے ولید کے پاس آ رکی تھی۔

"ہائے ولید۔" ولید نے محض سر ہلایا تھا وہ کرسی کھینچ کر ٹک گئی تھی۔

"آج تم نے مجھے کال کی خود بلایا، مجھے لگا جیسے میری قسمت ہی جاگ اٹھی ہے۔" اس نے کہا ولید نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

"کیسے ہو؟" وہ مزید پوچھ رہی تھی۔

ولید نے کھا جانے والی نگاہوں سے اسے گھورا اور پھر اپنی سیٹ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

"کیا ہوا؟" کاشفہ کو چند سیکنڈ لگے تھے ولید کے تیور سمجھنے میں۔ اس سے پہلے کہ وہ ولید کے تیوروں کو سمجھتے کچھ کہتی ولید کا ہاتھ اٹھا تھا۔ اس نے کھینچ کر ایک تھپڑ کاشفہ کے منہ پر مارا تھا۔ کاشفہ تو ہل کر رہ گئی تھی۔

"ولید۔" اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ولید ایسی کوئی حرکت کر سکتا ہے ولید کے تھپڑ کی آواز اتنی شدید تھی کہ وہاں موجود ہر شخص نے پلٹ کر ان دونوں کو دیکھا تھا۔

"تم انتہائی گھٹیا لڑکی ہو تمہیں جرأت کیسے ہوئی انا کو ورغلانے اور ذہنی ٹارچر کرنے کی تم اسے زبردستی اپنے ساتھ لے گئی غلط تحریر لکھوائی اور پھر اسے بلیک میل کرتی رہی ہاؤ ڈیئر یو۔" وہ حلق کے بل چیخا تھا۔

کاشفہ تو ایک دم ساکت سی ہو گئی۔ وہ پہلی بار ولید کا ایسا کوئی ری ایکشن دیکھ رہی تھی۔

"میں چاہوں تو ابھی اور اسی وقت تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں۔" کاشفہ کے چہرے پر عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

"میں تم سے محبت کرتی ہوں ولید اور میں نے یہ سب کچھ تمہاری محبت میں کیا تھا۔"

"شٹ اپ۔" ولید نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم جیسی لڑکی کیا جانے کہ محبت کسے کہتے ہیں۔ اپنا کردار دیکھو اور اپنا بیک گراؤنڈ۔ کیا ہو تم اور کیا ہے تمہاری حیثیت اور تمہارا وہ باپ جو دوسروں کے حق چھین کر دولت جمع کرتا رہا جس نے کسی بھی جائز ناجائز کی کبھی پروا نہیں کی۔ میں تمہاری طرف محض اس لیے بڑھا تھا کہ مجھے تمہارے باپ تک پہنچنا تھا اور تم نے وہ گھٹیا کھیل کھیلا کہ میرا دل کر رہا ہے کہ تمہیں کھڑے کھڑے شوٹ کر دوں۔" ولید کے اندر شدید غبار تھا جو اب امڈ امڈ کر باہر آ رہا تھا۔ اردگرد کے لوگ ان کو دیکھ رہے تھے اور ولید کسی کی پروا نہ تھی۔ کلب کا عملہ بھی وہاں آ گیا تھا۔

"پلیز سر آپ ہمارے کلب کا ماحول خراب کر رہے ہیں ہم کسی پر آپ کو اس طرح چلانے اور تشدد کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔" وہ شاید منیجر تھا۔ ولید نے کاشفہ سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا تھا۔

''میں چاہوں تو ایک کال کر کے تمہارے اس نام نہاد کلب کا دیوالیہ نکلوا سکتا ہوں گیٹ لاسٹ۔'' منیجر نے ایک دم پریشان ہو کر اردگرد دیکھا تھا۔

''بی ہیو یور سر۔ میں پولیس کو کال کر سکتا ہوں ہمارے کلب میں یہ سب نہیں چلتا۔''

''تمہارے کلب میں جو چلتا ہے اس کی ڈیٹیل تمہیں دوں تو تم ایک پل بھی یہاں نظر نہ آؤ، یہ ہمارا آپس کا معاملہ ہے اگر تم نے انٹرفیئر کیا تو میں خود پولیس کو کال کرلوں گا۔'' ولید کے الفاظ پر منیجر مزید پریشان ہوا تھا۔ ولید نے منیجر سے نظر ہٹا کر کاشفہ کو دیکھا تھا۔

''تم نے مجھے میری فیملی اور انا کو جتنا نقصان پہنچانا تھا پہنچالیا اب اگر تم نے انا کو کوئی دھمکی دی یا بلیک میل کیا یا کوئی اوچھی حرکت کی تو تم نہیں جانتی کہ تمہارا کیا حشر کر سکتا ہوں میں، میں تم جیسی لڑکی پر ایک نظر ڈالنا تو دور کی بات اس پر لعنت بھیجنے کے قابل بھی نہیں سمجھتا اور یہ اچھی طرح ذہن نشین کرلو جتنا تم نے مجھے نقصان پہنچانا تھا پہنچالیا اب انا کی طرف ایک غلط نگاہ بھی ڈالی تو تمہیں پولیس کے حوالے کروادوں گا، مائنڈ اٹ۔'' اسے کہتے ایک تلخ نگاہ منیجر اور اردگرد موجود لوگوں پر ڈالتے وہ وہاں سے تیزی سے نکل آیا تھا اور پیچھے کاشفہ گم صم کھڑے ولید کو جاتا دیکھتی رہی۔



لالہ رخ کو جس جگہ لایا گیا تھا وہ بالکل ویران سی حویلی تھی جس میں صرف چند کمرے تھے۔

وہ غم سے نڈھال سسک رہی تھی جب کمرے کا دروازہ کھلا۔ ایک ادھیڑ عمر عورت کھانے کی ٹرے لیے چلی آئی تھی۔

''کھانا کھالو بی بی۔'' خانہ بدوشوں کا سا لہجہ تھا لالہ رخ نے اسے دیکھا اور پھر سر جھکالیا وہ عورت اسے دیکھتی رہی اور پھر دروازے تک گئی، اس نے اردگرد دیکھا تھا اور پھر لالہ رخ کے پاس آئی تھی۔

جھک کر وہ ٹرے میں سے کھانے کے برتن نکال کر لالہ رخ کے سامنے زمین پر رکھنے لگ گئی تھی۔

''میں کچھ دن پہلے یہاں کام پر لگی ہوں میں نے باہر آدمیوں کو کہتے سنا کہ وہ تیرے آدمی اور تیری بچی کو مار کر نہر میں ڈال آئے ہیں اور اب وہ لوگ تیرے باقی بچوں کو ماردیں گے۔'' بہت دھیمی آواز میں وہ کہہ رہی تھی، اس کا لہجہ ایسا تھا کہ لالہ رخ بمشکل سن سکی تھی کچھ الفاظ کی سمجھ آئی تھی اور کچھ کی نہیں اور جن کی سمجھ آئی تھی وہ ایسے تھے کہ اس کے بدن سے روح نکال سکتے تھے۔

''انہوں نے مار ڈالا سکندر اور میری رابعہ کو۔'' وہ بلک بلک کر رو دی تھی۔

''وہ تجھے کل تک یہاں رکھیں گے اور پھر کہیں اور دوسرے شہر لے جائیں گے۔'' اس عورت نے مزید کہا تو لالہ رخ کی گریہ ایک دم بند ہوگئی۔

''پلیز میری مدد کرو۔ مجھے یہاں سے نکالو میرے بچوں تک پہنچا دو ورنہ وہ میرے بچوں کو بھی مار ڈالیں گے۔'' وہ سسک سسک کر روتے اس عورت کی منت کر رہی تھی۔

''میں خود بے بس ہوں بی بی! تیری مدد کیسے کر سکتی ہوں بس تجھ پر ترس آرہا ہے۔''

''پلیز تم مجھے یہاں سے نکال دو، پلیز۔'' وہ رو رہی تھی تبھی چوکیدار ادھر آ گیا تھا۔

''کیا بات ہے کیوں چلا رہی ہے تو۔'' وہ بولا تو وہ عورت ایک دم سیدھی ہو کر خالی ٹرے لے کر چلی گئی دروازہ پھر سے بند ہوگیا۔ لالہ رخ شدت سے رونے لگی تھی۔

سکندر اور اپنی بچی رابعہ کا دکھ اسے جان سے مار دینے کو کافی تھا وہ بلک بلک کر رو رہی تھی تبھی اسے کوئی شور سنائی دیا۔ پہلے وہ اپنا وہم بھی اور پھر جب دو تین بار وہ آواز سنائی دی تو لالہ رخ کے کان کھڑے ہوگئے۔

اس نے اندھیرے کمرے کے اطراف میں دیکھا اور پھر ٹھٹک گئی وہاں موجود واحد کھڑکی کے پٹ بج رہے تھے۔
وہ فوراً اٹھ کر وہاں تک گئی کھڑکی کھولی تو دوسری طرف وہی عورت تھی اور درمیان میں سلاخوں کے آگے لوہے کی جالی تھی۔

”بی بی میں نے اپنے مرد سے بات کی ہے ہم تو خانہ بدوش ہیں ہمارا کیا ہے تُو رات کو تیار رہنا ہم تجھے یہاں سے نکال لیں گے۔“ لالہ رخ کو لگا کہ جیسے اس کے اندر زندگی کی کرن جاگ اٹھی ہو۔ وہ عورت کہہ کر چلی گئی لالہ رخ نے پھر کھڑکی بند کردی تھی وہ اب شدت سے اس عورت کی منتظر تھی اور پھر رات گیارہ بجے کے قریب کمرے کا دروازہ کھلا تھا لالہ رخ ایک دم چوکنا ہوگئی۔ وہ عورت تھی ہاتھ میں لالٹین لیے ہوئے تھی اور ساتھ میں کوئی مرد تھا۔

”بی بی جلدی آؤ وہ سب سو رہے ہیں ابھی تجھے نکلنا ہے یہاں سے۔“ دھیمی آواز میں اس نے کہا تھا اور لالہ رخ فوراً وہاں سے اٹھی اور بجلی کی سی تیزی سے ان دونوں کے ساتھ وہ اس عمارت سے نکل آئی تھی۔

”مجھے اپنے بچوں کے پاس جانا ہے پلیز مجھے میرے بچوں کے پاس لے جاؤ۔“ وہ پھر رونے لگ گئی تھی۔

”بی بی کچھ دیر رک جا اور ہمارے ساتھ چل حالات دیکھ کر تجھے تیرے بچوں تک پہنچا دیں گے۔“ اس عورت نے کہا تھا وہ مجبوراً خاموش ہوگئی اور پھر ان کے ساتھ آ گئی تھی وہ لوگ تیار بیٹھے تھے انہوں نے کچھ سامان ایک گدھا گاڑی پر لادا تھا اور اسے ساتھ لیے کسی اور طرف چل دیے تھے۔

ہمایوں کو فوراً اطلاع ملی تھی۔ لالہ رخ بھاگ گئی ہے وہ اسی وقت اپنے گھر سے نکلا تھا۔
''وہ کیسے بھاگ گئی۔'' وہ اپنے آدمیوں پر گرج رہا تھا اور وہ سب خاموش تھے۔
''وہ اپنے گھر گئی ہوگی جاؤ اور اس کے بچوں کے ساتھ اس پورے گھر کو آگ لگا دو، ایک ثبوت بھی نہ بچے ورنہ تم سب کو ایک ایک کر کے مار ڈالوں گا۔'' دولت اور نشے کی ہوس نے ہمایوں کو پاگل بنا دیا تھا۔
اس کے ساتھی چلے گئے اور وہ شدت سے ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگ گیا تھا۔



شاہزیب صاحب مہر النساء بیگم کو صرف اتنا بتایا تھا کہ شہوار کو بازیاب کرالیا گیا ہے مزید کچھ نہیں بتایا تھا۔
شہوار کی حالت اب خطرے سے باہر تھی اسے روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا تاہم وہ ابھی تک بے ہوش تھی۔
شہوار کی حالت دیکھ دیکھ کر مصطفیٰ کے اندر شدید غم وغصے کے طوفان اٹھ رہے تھے اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ساری دنیا کو تہس نہس کر ڈالے۔ وہ شاہزیب صاحب کو بتا کر آفس آ گیا تھا۔ اس نے امجد خان کو بلایا تھا۔
ایاز کی ڈیڈ باڈی پوسٹ مارٹم کے لیے گئی ہوئی تھی۔ جائے وقوعہ کی ساری رپورٹ لے کر مصطفیٰ نے امجد خان کو چند ہدایات دی تھیں۔
''میں ایک جگہ جا رہا ہوں تب تک آپ یہ ساری کارروائی مکمل کر کے واپس آ جائیں۔'' مصطفیٰ امجد خان کو کہہ کر اپنی گاڑی لے کر نکل آیا تھا۔ اس نے مختلف جگہ فون کیے اور پھر کچھ دیر بعد وہ ایک گھر کے سامنے گاڑی روک رہا تھا۔
پرانا سا گھر، گھر والوں کی مالی حیثیت ظاہر کر رہا تھا لیکن مصطفیٰ لب بھینچے گاڑی سے نکلا تھا۔ اس نے گھر کے دروازے پر دستک دی تھی اور پھر وہاں سے ایک بچہ نکلا تھا۔ رات کی تاریکی میں وہ مصطفیٰ کو پہچان نہیں پایا تھا۔
''جی کون؟'' بچہ پوچھ رہا تھا تبھی اندر سے کسی اور خاتون کی آواز سنائی دی تھی۔
''امجد کون ہے؟''
وہ مانوس سی آواز مصطفیٰ کے کانوں میں پڑی تو مصطفیٰ کی رگیں تن گئی تھیں۔
تبھی ایک جانا پہچانا سا چہرہ اس لڑکے کے پیچھے دروازے کے قریب آ رکا تھا۔
''کون ہے...... تم مصطفیٰ۔'' آنے والا اسے دیکھ کر ایک دم ساکت ہو گیا تھا۔



افشاں اور ضیا بہت پریشان تھے رات کے بارہ بج رہے تھے لیکن بچے تھے کہ آرام ہی نہیں کر رہے تھے افشاں ان کو سنبھال سنبھال کر تھک گئی تھی۔
عیسیٰ ماں باپ کے پاس جانے کی ضد کر رہا تھا۔
ضیاء اسے لے کر باہر نکلنے لگے تو روشی بھی رونے لگ گئی تھی۔
''میں ان کو آئس کریم کھلاتا ہوں تم دروازہ اچھی طرح بند کر کے رہنا میں کچھ دیر میں آ جاتا ہوں۔'' ضیا عیسیٰ کی بار بار ضد پر دونوں بچوں کو لے کر نکل گیا تھا اس کے جانے کے بعد افشاں نے دروازے بند کر لیے تھا عائشہ کو دوائی کھلا کر اس نے سلا دیا تھا وہ بہت پرسکون تھی۔ کچھ دیر بعد دروازے کے باہر عجیب سی آوازیں آنے لگیں تو افشاں خوفزدہ ہو گئی وہ ننھی عائشہ کو بازو میں لیے باہر کھڑکی کی طرف آئی تھی۔
باہر کان لگا کر کچھ سننے کی کوشش کی تھوڑی سی کھڑکی کھول کر دیکھا تو وہاں صحن میں کچھ سائے چلتے پھرتے نظر آئے تھے اور ان کی ہلکی ہلکی سی سرگوشیاں۔

''چاروں طرف پیٹرول چھڑک دیا ہے وہ بھاگ کر آئی ہے تو یقیناً اندر ہی ہوگی۔ بس گھر کو آگ لگا دو۔ وہ بچوں سمیت جل کر مر کھپ جائے گی۔'' آوازیں تین چار تھیں افشاں کا دل ایک دم کانپا تھا۔

وہ چند منٹ اور سانس روکے کھڑی رہی اور پھر آوازیں بلند ہونا شروع ہوگئی تھیں یہ نئی کالونی تھی دور دور بنے چند ایک گھر ابھی کچھ زیر تعمیر تھے اور جو بن چکے تھے اس میں کہیں کہیں اور دور آبادی تھی۔ افشاں نے کھڑکی بند کی تھی۔

وہ باہر کے دروازے تک آئی تھی، تھوڑا سا دروازہ کھولا کہ سامنے کوئی بھی نہ تھا۔ وہ باہر نکلی اور پھر اندھا دھند بھاگی تھی۔

''دیکھو وہ بھاگ گئی ہے۔ پکڑو اسے جلدی کرو۔'' کوئی افشاں کے پیچھے چیخا تھا افشاں کے قدموں میں تیزی آ گئی تھی۔ کئی قدموں کی چاپ اس کے تعاقب میں تھی اور بھاگتے بھاگتے وہ ایک گھر کے سامنے بنے درخت کے عقب میں موجود گھنی باڑ میں چھپ گئی تھی۔ وہ بھاگتے قدم اس سے آگے چلے گئے تھے۔ ننھی عائشہ اس افتاد سے بے خبر گہری نیند میں میڈیسن کے زیر اثر سو رہی تھی۔ وہ بھاگتے قدم واپس آئے تھے۔

''وہ عورت یہیں سے کہیں نکلی ہے۔'' اسی مقام پر آ کر ایک نے کہا تھا۔

''کچھ کرو اگر ہمایوں صاحب کو پتا چل گیا کہ وہ عورت یہاں سے بھی بھاگ گئی ہے تو وہ ہمیں جان سے مار ڈالیں گے۔'' ایک اور چلایا تھا۔

وہ لوگ آپس میں مشورہ کرنے لگ گئے کہ اب کیا کریں افشاں دم سادھے کھڑی تھی تبھی ایک آدمی دور سے بھاگتا ہوا آیا تھا۔

''وہ عورت بچوں کو لے کر گھر میں داخل ہوئی ہے جلدی آؤ۔'' افشاں چونک گئی تھی۔ یعنی لالہ رخ واپس آ گئی تھی لیکن یہ بچے کون تھے، یہ لوگ کس کی بات کر رہے تھے۔ وہ چاروں واپس بھاگ گئے تھے۔

کچھ دیر بعد افشاں وہاں سے نکلی تھی اور پھر ڈرتے ڈرتے وہ واپس گھر کی طرف گئی تھی نجانے کیا چیز اسے واپس اس جانب دھکیل رہی تھی۔ اندر سے عورت کے چیخنے کی آوازیں آ رہی تھیں ساتھ بچے رو رہے تھے چلا رہے تھے کچھ کہہ رہے تھے لیکن شور میں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا اور پھر افشاں نے جو دیکھا اس کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ ایک آدمی نے گھر کو چاروں طرف سے آگ لگا دی تھی۔

آگ ایک دم بھڑکی تھی اور پھر شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے تھے افشاں کو لگا کہ وہ ابھی بے ہوش ہو کر یہیں گر جائے گی وہ بے اختیار پیچھے ہٹی تھی۔

نجانے کون سی قوت تھی جو اسے بھگا رہی تھی وہ اندھا دھند بھاگتی رہی تھی، وہ ذیلی سڑکوں سے نکل کر بڑی سڑک پر آ گئی لیکن اس کی رفتار پھر بھی کم نہ ہوئی وہاں اکا دکا گاڑیاں آ جا رہی تھیں۔

اسے لگ رہا تھا کہ وہ لوگ اس کے تعاقب میں ہیں وہ اسے اور عائشہ کو جھپٹ کر واپس آگ میں دھکیل دیں گے۔ تبھی اندھا دھند بھاگتے وہ بہت زور سے مخالف سمت سے آتی ایک تیز رفتار گاڑی سے ٹکرائی تھی۔ عائشہ اس کے بازو سے نکل کر کہیں دور جا گری تھی گاڑی اسے کچل کر آگے جا کر بے اختیار رکی تھی۔



سجاد بھائی لائبہ کے پاس تھے ماں جی شہوار کے پاس آ گئی تھیں شاہزیب صاحب سے ساری بات سن کر وہ رو دی تھیں۔

''اس بد بخت نے کس قدر بڑا نقصان پہنچایا ہے ہمارے بچوں کو۔'' وہ شدت سے رو دی تھیں۔

''وہ مرچکا ہے اب اس کا ذکر مت کریں اللہ نے ہماری بچی کی زندگی بچالی ہے۔ ہمارے لیے بس یہی کافی ہے۔'' شاہزیب صاحب نے بیگم کو دلاسہ دیا تھا۔

وہ آنکھیں صاف کرتیں کمرے میں چلی گئی تھیں۔ شہوار سو رہی تھی ڈاکٹرز نے اسے سکون بخش انجکشن لگادیا۔ وہ خود پر بیتنے والی اس افتاد سے بے خبر تھی۔ مہرالنساء نے بہت ضبط سے شہوار کے وجود کو دیکھا۔ اس کا بھرا بھرا وجود اس وقت خالی تھا۔ ان کو اپنا کلیجہ منہ کو آتا محسوس ہوا تو انہوں نے دوپٹہ منہ پر رکھ لیا، شہوار کو جب علم ہوگا تو نجانے دکھ کی کیا کیفیت ہوگی اور مصطفیٰ وہ بھی موجود نہ تھا نجانے کہاں چلا گیا تھا؟

وہ سمجھ سکتی تھیں کہ اس وقت مصطفیٰ دکھ کی کس کیفیت میں ہوگا۔

انہوں نے اپنی آنکھوں کو صاف کرتے شہوار کی جھک کر پیشانی چومی تھی اور پھر ان کی آنکھیں نم ہونے لگی۔



ضیا بچوں کو لے کر واپس آیا تو دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔ گھر آگ کے شعلوں کی نذر تھا۔ وہ دیکھ کر ساکت ہوا ساتھ ہی اس کے دل کی دھڑکن ایک دم رکی تھی۔ روشی سو چکی تھی وہ اس کے کندھے سے لگی ہوئی تھی اور عیسیٰ ضیا کی انگلی تھامے چل رہا تھا۔

ضیا کو گھر سے نکلے صرف ایک گھنٹہ ہوا تھا اور اتنا کچھ ہو چکا تھا عیسیٰ آگ کو دیکھ کر رونے لگ گیا تھا۔

ضیا نے اور دور گھروں میں موجود چند ایک مکینوں کو جگایا تھا لیکن سب بے کار تھا آگ کی شدت بہت تیز تھی۔ وہ کسی بھی طرح قابو میں نہیں آ رہی تھی۔ اب اکا دکا لوگ بھی جمع ہونا شروع ہوگئے تھے۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا سفیدی پھیل رہی تھی فائر بریگیڈ والے آگ بجھا رہے تھے اور پھر جب آگ بجھی تو گھر تباہ ہو چکا تھا۔

''میری افشاں اندر تھی۔'' ضیا اندر جانا چاہتا تھا لیکن پولیس کسی کو بھی اندر نہیں جانے نہیں دے رہی تھی۔

اور پھر گھر کی باقیات میں سے ایک خاتون اور بچیوں کے ساتھ ایک لڑکے کی مسخ شدہ جلی ہوئی لاش برآمد ہوئی تھی۔

ایک بچی عائشہ کی عمر کی تھی اور ایک روشی اور بچہ عیسیٰ کی عمر کا تھا جبکہ عورت افشاں کی عمر کی تھی۔ ان بچوں اور عورت کو دیکھ کر ضیا ساکت ہوگیا تھا۔ اگر یہ عورت افشاں تھی اور ننھی بچی عائشہ تھی تو باقی بچے کون تھے؟ چاروں لاشیں اس قدر جل چکی تھیں کہ ان کی پہچان ممکن ہی نہ تھی ان لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دیا گیا تھا وہ سارا دن بیت چکا تھا علاقے میں خوف وہراس پھیلا ہوا تھا۔ ضیا اپنے رشتے داروں کے ہاں آ گیا تھا دونوں بچے وہی لوگ سنبھال رہے تھے خالہ بی کا بھی کوئی اتا پتا نہ تھا اس نے امریکہ اطلاع کردی تھی صبوحی اور وقار کا برا حال تھا۔

اور پھر دن پر دن گزرتے رہے ضیا کی فلائٹ کی تاریخ گزر گئی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ عجیب سی تھی۔

جس سے کچھ بھی اندازہ نہ ہوسکا بس اس بات کا علم ہوا تھا کہ سب کو باندھ کر تیل چھڑک کر آگ لگائی گئی تھی۔

لاشیں اس قابل نہ تھیں کہ ان کو بہت دن تک رکھا جاتا اور جلد ان کو دفنا دیا گیا۔ ضیا کو پولیس نے صرف تسلی دی اور فائل بند ہوگئی وہ پولیس اسٹیشن کے چکر لگاتا رہا اور کہیں کوئی سراغ نہ ملا۔

دوسری طرف امریکہ میں جس کے پاس سکندر کی کچھ دکانیں تھیں وہ شخص ہیر پھیر کر رہا تھا وقار کا اس سے جھگڑا ہوا تو اس نے وقار کو اندر کروا دیا تھا۔ صبوحی کا دیار غیر میں اور تھا ہی کون؟

اس کی بری حالت تھی بچوں کا ساتھ اور غیر ملک وہ بالکل بے بس تھی۔ مجبوراً ضیا کو واپس جانا پڑا وہ عیسیٰ کو یہاں تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس نے عیسیٰ کے کاغذات تیار کرائے اور پہلی بار اس نے ایک غیر قانونی کام کیا تھا اس نے عیسیٰ کا نام بدل کر اس کو اپنا بیٹا شو کرتے جعلی کاغذات بنوائے تھے اور پھر عیسیٰ اور روشی کو لے کر افشاں کے بغیر ہی

اسے واپس امریکہ جانا پڑا تھا۔ قانونی چارہ جوئی کے بعد وقار تو باہر آ گیا تھا لیکن ضیاء کا اس آدمی سے پھر جھگڑا ہو گیا تھا اور اس بار جھگڑا بہت شدید نوعیت کا تھا۔

جواباً گولی چلی اور ضیا سے وہ آدمی شدید زخمی ہوا تھا لوگ اسے اسپتال لے گئے اور ضیا بھاگ گیا جاتے جاتے وقار کو نئے ٹھکانے کا بتا دیا تھا۔

صبوحی اور وقار کو بھی وہ جگہ بحالت مجبوری اسی وقت چھوڑنا پڑی تھی وہ چاروں بچوں کو لے کر ضیا کی بنائی گئی جگہ پر پہنچ گئے وہ سب بالکل خالی ہاتھ تھے۔

وہاں کچھ عرصہ رہے تھے اور پھر ان لوگوں نے خاموشی سے وہ شہر چھوڑ دیا اور پھر وہاں زندگی ایک نئے انداز میں شروع ہو گئی تھی جس میں ان تھک محنت اور جدوجہد شامل تھی، سب کچھ دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ایک لمبا چوڑا سفر طے کیا تھا۔



وہ لوگ اپنے اپنے کمروں میں تھے کاشفہ آج شام کے بعد جب گھر آئی تو اس کی حالت بڑی عجیب سی تھی وہ کمرے میں چلی گئی تھی اور پھر کمرے کی چیزیں توڑنے لگی، شور سن کر وہ دونوں کمروں سے نکلی تھیں۔ مام کمرے کی حالت دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

''یہ کیا کر رہی ہو تم؟''

''میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی، اس بلیڈی نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔'' وہ چیخ رہی تھی جو چیز ہاتھ لگتی پھینکتی جا رہی تھی۔ عادلہ بھی وہاں آ گئی تھی۔

''کس نے دھوکہ دیا؟''

''اس بلیڈی انا نے، اس نے سب کچھ ولید کو بتا دیا، میں اب اسے نہیں چھوڑوں گی، میں اسے شوٹ کر دوں گی، آئی ول کل ہر۔'' وہ چیخ چلا رہی تھی عادلہ نے ناسمجھی سے ماں کو دیکھا تھا۔

''آرام وسکون سے بیٹھو، اچھا لو یہ پانی پیئو۔'' مام نے اسے سنبھالنا چاہا تھا گلاس میں پانی ڈال کر دیا۔ اس نے ہاتھ مار کر گلاس توڑ دیا تھا۔

''وہ نفرت کرتا ہے مجھ سے اس نے پبلک کے سامنے میری انسلٹ کی مجھے تھپڑ مارا کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گی میں۔'' وہ ڈیپریشن کی آخری حد پر تھی۔

عادلہ نے اسے دیکھا اور پھر بیڈ کے پاس آ کر اس نے درازیں کھنگالی تھیں۔ کاشفہ اس وقت ڈرنک کیے ہوئے تھی اسے کچھ بھی سمجھانا بے سود تھا۔ عادلہ نے دراز میں کچھ پلز نکالی تھیں اور کمرے سے نکل گئی تھی دوبارہ وہ گلاس میں پانی لیے اندر آئی تھی۔

کاشفہ زمین پر بیٹھی ہوئی تھی اور مام اسے سمجھا رہی تھیں اور وہ مسلسل سر نفی میں ہلا رہی تھی، اس کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیت تھی۔

''یہ پلز لے لو۔'' عادلہ نے سختی سے کہا تھا۔ کاشفہ نے بہن کو گھورا اور اسے دھکیلنے کی کوشش کی تھی۔ عادلہ نے اس کے پاس بیٹھ کر زبردستی اس کے منہ میں پلز ڈال کر اس کے منہ سے گلاس لگا دیا تھا۔ کچھ پانی اس نے پیا تھا اور کچھ اس کے کپڑوں پر گرا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پرسکون تھی اسے نیند آنا شروع ہو گئی تھی وہ سو گئی تو دونوں اسے بستر پر لٹا کر کمرے سے نکل آئی تھیں۔

''کاشفہ کا یہ پاگل پن اور جنونیت دن بدن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔'' عادلہ نے تشویش سے کہا تھا۔
''مجھے تو ڈر لگنے لگا ہے کہ کہیں یہ بھی ایاز کی روش پر نہ چلنے لگ جائے نجانے وہ کہاں ہے کئی دن ہوگئے ہیں اس کی کوئی خیر خبر نہیں اور تمہارے ڈیڈ ہیں وہ بھی نجانے کہاں ہیں کوئی رابطہ نہیں کوئی اطلاع نہیں۔'' عادلہ نے خاموشی سے ماں کو دیکھا تھا۔
عبدالقیوم ملک سے باہر بھاگ چکا تھا اور ایاز نجانے کہاں ٹھکانہ بنائے ہوئے تھا اور عبدالقیوم نے باہر جانے کے بعد کوئی رابطہ نہیں رکھا تھا۔
جب دولت ناجائز ذرائع سے کمائی جائے تو اس کے یہی نتائج نکلتے ہیں جو آج یہ پورا خاندان بھگت رہا تھا۔
عادلہ مام کے پاس بیٹھ کر ان کی دلجوئی کر رہی تھی جب ان کے گھر کا فون بجا تھا۔
اس نے کال ریسیو کی اور دوسری طرف سے جو بتایا گیا تھا وہ سنتے ہی عادلہ کے اوسان خطا ہوگئے۔ اس کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا تھا۔
''مام......'' وہ چیخنے لگ گئی تھی۔
''ماما ایاز......ایاز......'' الفاظ اس کے ہونٹوں سے ادا نہیں ہو رہے تھے
''کیا ہوا ایاز کو؟'' وہ بہت گھبرا گئی تھیں۔
''مام ایاز پولیس ان کاؤنٹر میں مارا گیا ہے۔ ایاز کے دوست کی کال تھی اسے بھی کسی نے ابھی اطلاع دی ہے۔'' وہ بتا کر چیخ چیخ کر رونے لگ گئی اور مام وہ بے حس و حرکت عادلہ کو دیکھے جا رہی تھیں۔
ان کی کیفیت ایسی تھی کہ جیسے اس خبر نے ان کو بہت زیادہ شاک پہنچایا ہو۔
عادلہ شدت سے رو رہی تھی اور مام بے یقین نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں تبھی گھبرایا ہوا پریشان سا چوکیدار فوراً اندر داخل ہوا تھا۔
''بیگم صاحبہ باہر پولیس آئی ہے' سارے گھر کو گھیرے میں لے رکھا ہے اور اندر داخل ہونا چاہتی ہے۔'' یہ دوسرا جھٹکا تھا۔ روتی ہوئی عادلہ نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔ چوکیدار نے ایک دو پل عادلہ اور بیگم صاحبہ کے حکم کا انتظار کیا تھا۔ دونوں گم صم تھیں عادلہ کو تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے اور پھر کچھ دیر پولیس کی نفری ان کے گھر میں داخل ہو رہی تھی۔
ان ماں بیٹی کو لیڈی پولیس نے ایک طرف بٹھا لیا تھا اور خود کمروں کی تلاشی لینے لگے۔ ایک کمرے سے نیند میں جھولتی کاشفہ کو بھی دو لیڈی پولیس کانسٹیبل پکڑ کر باہر لے آئی تھیں۔
جن کو کاشفہ گالی گلوچ کے ساتھ ساتھ مغلظات بک رہی تھی۔ کاشفہ کو لا کر انہوں نے اس کی ماں کے ساتھ صوفے پر بٹھا دیا تھا۔
ان کے گھر میں ہر کمرے میں، ہر جگہ پولیس کے آدمی دندناتے پھر رہے تھے اور عادلہ تھی کہ حیرت سے آنکھوں میں نمی لیے ان کو دیکھ رہی تھی۔



مصطفیٰ تابندہ کو اپنے سامنے دیکھ کر ضبط سے ہونٹ دانت تلے دبا گیا تھا اور تابندہ بی ان کی تو وہ حالت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔
''مصطفیٰ تم۔'' انہوں نے سہارے کے لیے دروازے کا پٹ تھاما تھا۔

''ہاں میں۔'' مصطفیٰ کا انداز طنزیہ تھا۔ کچھ دیر بعد مصطفیٰ تابندہ بی کے ساتھ ان کے گھر کے ایک کمرے میں موجود تھا۔ گھر پرانی طرز کا تھا چند کمرے تھے لکڑی کی چھتیں اور بوسیدہ دیواریں تھیں۔

''اس وقت کسی بھی سوال وجواب کا میرے پاس کوئی وقت نہیں۔'' تابندہ بی مصطفیٰ کے سامنے مجرموں کے سے انداز میں بیٹھی ہوئی تھیں جبکہ مصطفیٰ کا انداز بے لچک تھا۔

''شہوار کی طبیعت بہت خراب ہے وہ اسپتال میں ہے آپ کو میرے ساتھ ابھی چلنا ہوگا۔'' دوٹوک لہجے میں کہا تھا۔تابندہ نے ازحد پریشانی سے مصطفیٰ کی صورت دیکھی تھی۔

''کیا ہوا شہوار کو؟'' انہوں نے بے تابی سے پوچھا تھا۔

''میرے ساتھ چلیے آپ کو خود علم ہو جائے گا۔'' مصطفیٰ بے لچک انداز میں کہہ کر کھڑا ہو گیا تھا جواباً تابندہ بی کو بھی کھڑا ہونا پڑا تھا۔ انہوں نے کچھ کہنا چاہا پھر لب بھینچ لیے۔

''میں آتی ہوں۔'' وہ نم لہجے میں کہہ کر چلی گئی تھیں اور کچھ دیر بعد لباس بدل کر چادر اور پرس لے کر لوٹی تھیں۔

ساجدہ اور بچے حیرت سے سب دیکھ رہے تھے۔تابندہ خالہ بی کے پاس گئی تھیں۔انہیں تسلی دی تھی کہ وہ جلد آجائیں گی وہ کچھ دیر کے لیے شہوار کے پاس جارہی ہیں۔ان سب کو تسلی دلا سے دے کر وہ مصطفیٰ کے ساتھ اس کی گاڑی میں آ بیٹھی تھیں۔ مصطفیٰ بہت سنجیدگی سے ڈرائیو کررہا تھا۔اس نے ایک دوبار کسی سے فون پر بات کی تھی۔

''ہاں امجد کیا پوزیشن ہے،تم لوگ گھر کو حراست میں رکھو عبدالقیوم کو واپس لانے کے لیے یہ سب بہت ضروری ہے اور ہاں ان تینوں خواتین پر کڑی نگاہ رکھنی ہے گھر سے باہر نہیں نکلنے دینا۔'' کال بند کر کے وہ پھر گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔تابندہ بی گاہے بگاہے مصطفیٰ کے سپاٹ تاثرات دیکھ رہی تھیں۔ان کے اندر اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ مصطفیٰ کو مخاطب کر پاتیں۔ وہ کچھ دیر یونہی الجھن اور کشمکش میں بیٹھی رہی تھیں اور پھر انہوں نے ایک گہرا سانس خارج کرتے سیٹ سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کرلی تھیں۔ان کی آنکھوں سے نمی گالوں پر بہنے لگی تو مصطفیٰ نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا تھا۔

اس نے کچھ کہنا چاہا پھر لب بھینچ لیے تھے۔

کافی دیر بعد مصطفیٰ نے گاڑی اسپتال کے احاطے میں روکی تو تابندہ نے آنکھیں کھولی تھیں۔ مصطفیٰ نے دیکھا ان کی آنکھیں بے حد سرخ تھیں۔ ماضی سے حال تک کا سفر طے کرتے کرتے ساری سرخی جیسے ان کی آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔

کاش وہ بتا سکتیں کہ انہوں نے کیا کچھ برداشت کیا تھا۔کیا کچھ سہا تھا۔وہ خاموشی سے اتری تھیں۔ مصطفیٰ گاڑی پارک کر کے ان کے ساتھ چلتا ہوا اندر کی طرف بڑھا تھا کافی بڑا اسپتال تھا مختلف راہداریوں سے گزرتے وہ جب روم میں داخل ہوئے تو وہاں موجود لوگوں کو دیکھ کر تابندہ ایک دم ساکت ہوگئی تھیں، وہ سب بھی ان کو دیکھ کر چونک گئے تھے۔

''تابندہ.....'' مہرالنساء بیگم پکاری تھیں وہ اٹھ کر تابندہ کی طرف آئی تھیں۔انہوں نے تابندہ بی کو گلے لگایا تھا اور تابندہ بی ان کے گلے لگ کر یوں روئی تھیں گویا برسوں سے بچھڑا کسی اپنے سے مل کر روتا ہو۔

عباس اور شاہزیب بھی وہیں تھے وہ بھی حیرت زدہ تھے۔یہ ایک دم اچانک مصطفیٰ کے ہمراہ تابندہ بی کہاں سے آ گئی تھیں۔

''کیا ہوا میری بچی کو؟''

تابندہ بی نے مہرالنساء بیگم سے جدا ہو کر ان کو دیکھا تو وہ نظریں جھکا گئی تھیں۔ تابندہ بی عباس کے کندھے پر ہاتھ رکھے شاہزیب کو سلام کرتے شہوار کی طرف بڑھی تھیں۔ وہ ابھی بھی انجکشن کے زیر اثر تھی۔

''شہوار......'' انہوں نے محبت سے شہوار کے چہرے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ اسے صبح تک ہوش آئے گا۔'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے مصطفیٰ پھر مہرالنساء بیگم کو دیکھا تو انہوں نے بتایا تھا۔

شاہزیب صاحب عباس اور مصطفیٰ کو لے کر کمرے سے نکل گئے تھے۔ تابندہ بی نے پھر مہرالنساء سے پوچھا تھا جواباً انہوں نے ساری کہانی کہہ سنائی تھی۔ شہوار کا مس کیرج ہوا تھا اتنا بڑا صدمہ تھا۔ تابندہ بی کا دل غم سے پھٹنے لگا۔ انہوں نے بہت محبت اور توجہ سے شہوار کو پالا تھا۔ کبھی کوئی تکلیف نہ آنے دی تھی اور اب جب یہ خوشی مل رہی تھی تو کیسے وہ خوشی اس سے دور ہوئی تھی۔

وہ رات ان سب کے لیے بہت اذیت ناک تھی۔

ماں جی نے عائشہ اور صبا کو کال کردی تھی، اگلی صبح صبح دونوں بہنیں آ گئی تھیں عائشہ تو ادھر ہی رہی تھی جبکہ صبا لائبہ کے پاس چلی گئی تھی صبح کے وقت شہوار کی نیند ٹوٹی تھی۔ وہ تابندہ کو دیکھ کر ساکت رہ گئی تھی۔

''امی......'' تابندہ بی نے اس کے ہاتھ کو محبت سے چوم لیا تھا۔ شہوار حیرت سے ماں کو دیکھ رہی تھی۔ اس وقت

اس کے ذہن میں کوئی اور خیال کوئی تصور نہ تھا۔
''امی آپ......؟''
''ہاں میری جان میں ہوں۔'' وہ پھر رو دی تھیں اور پہلی بار شہوار کے ذہن کو کچھ کلک ہوا تھا۔ اس نے چونک کر اطراف میں دیکھا۔ کمرے میں مہر النساء بیگم بھی تھیں لیکن کمرہ کوئی اور تھا۔ ایک دم اس کے ذہن میں کوئی جھماکا ہوا تھا۔ لائبہ کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی تھی وہ کلینک میں تھی جب ایاز اور اس کے ساتھی اچانک وہاں آ دھمکے تھے اور انہوں نے اس کو دبوچ لیا تھا اور اسے زبردستی ساتھ لے گئے تھے اس نے مزاحمت کرنا چاہی تھی لیکن ایاز نے اسے بے ہوش کر دیا تھا اور پھر جب اسے ہوش آیا تھا تب وہ ایاز کے پاس تھی۔
ایاز نے اسے درندوں کی طرح پیٹنا شروع کر دیا تھا اور درد سے نڈھال ہوتے وہ زمین پر گری تھی اس کے اندر اٹھنے والے درد نے اسے بہت جلد ہواس سے بیگانہ کر دیا تھا۔ شہوار چونکی تھی۔ اس نے اطراف میں دیکھا اور پھر خود پر جھکی تابندہ کو۔
''مجھے کیا ہوا ہے؟'' وہ پریشان ہو چکی تھی۔ تابندہ بی نے نگاہ چرا کر مہر النساء کو دیکھا وہ بھی فوراً قریب آئی تھیں۔
''کچھ نہیں ہوا، بس تمہاری طبیعت کچھ خراب تھی تو اسپتال لے آئے تھے۔'' مہر النساء بیگم نے اسے ٹالنا چاہا لیکن شہوار کے چہرے کی کیفیت نہ بدلی تھی۔ اسے ڈرپ لگی ہوئی تھی اس نے اٹھنے کی کوشش کرنا چاہی تو مہر النساء بیگم نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اٹھنے سے منع کر دیا تھا۔
''سب ٹھیک ہے ٹینشن نہ لو۔'' شہوار نے خوفزدہ نظروں سے انہیں دیکھا انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔
''ایاز کے ٹھکانے پر مصطفیٰ نے ریڈ کیا تھا ایاز مارا گیا ہے اب سب ٹھیک ہے۔'' مہر النساء بیگم نے بتایا تو شہوار کے چہرے کی کیفیت بدلی تھی۔ اس نے آہستگی سے اپنا بایاں ہاتھ اٹھایا اور اپنے پیٹ پر رکھا تھا وہ کچھ محسوس کرنا چاہ رہی تھی لیکن کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی پھر ایک دم اس کے چہرے کی کیفیت بدلنا شروع ہو گئی تھی۔
''دیکھو تابندہ بھی اب آ گئی ہے یہ اب کہیں نہیں جائیں گی۔'' اس بدلتی کیفیت کو دیکھتے مہر النساء بیگم نے کہا تھا۔ ساتھ تابندہ بوا کو دیکھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
جبکہ شہوار ہر چیز سے بے نیاز ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع ہو گئی تھی۔
مہر النساء بیگم اور تابندہ بی کے تو ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے۔
''میں مصطفیٰ کو بھیجتی ہوں۔'' مہر النساء بیگم نے گھبرا کر کہا اور پھر وہ باہر چلی گئی تھیں۔ تابندہ بی شہوار کو سنبھال رہی تھیں لیکن شہوار کا رونا تھا کہ کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ چند سیکنڈ بعد مصطفیٰ تیزی سے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ تابندہ بی مصطفیٰ کو آتے دیکھ کر خود کمرے سے نکل گئی تھیں۔
''شہوار۔'' مصطفیٰ نے شہوار کو تھام لیا تھا۔ شہوار مصطفیٰ کے ساتھ لگ کر شدت سے روئی تھی۔ مصطفیٰ نے کچھ نہیں کہا تھا بس اسے اپنے اندر کا غبار نکالنے دیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اس وقت کس کیفیت سے گزر رہی ہوگی اور رو رو کر وہ تھک گئی تو مصطفیٰ سے الگ ہو کر وہ تکیے پر سر رکھ کر آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹ گئی تھی۔
مصطفیٰ نے اسے خاموشی سے لیٹنے دیا تھا وہ خود بھی ابھی اس سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔
کچھ دیر بعد مہر النساء بیگم اور تابندہ بی کے ساتھ ڈاکٹر بھی آ گئی تھیں۔ ڈاکٹر نے شہوار کو چیک کیا تھا۔ شہوار محض خاموش رہی تھی اس نے بس سر ہلایا تھا۔ مہر النساء بیگم اور تابندہ بی کو اس کی خاموشی سے عجیب سی وحشت ہونے لگی

تھی۔ مصطفیٰ باہر آیا تو مہر النساء بیگم بھی آ گئی تھیں۔
''شہوار اس قدر خاموش کیوں ہے، بات کیوں نہیں کر رہی''
''اتنے بڑے حادثے سے وہ گزری ہے ایسے میں ایسی کیفیت ہو جانا بہت فطری سی بات ہے آپ اسے فی الحال اس کے حال پر چھوڑ دیں یہ زخم ایسا ہے کہ ایک دم نڈھال نہیں ہونے والا بہت وقت لگتا ہے۔'' مصطفیٰ کا خود ضبط سے برا حال تھا مہر النساء بیگم نے خاموشی اور افسردگی سے اسے دیکھا تھا اور وہ اپنی بات کہہ کر آگے بڑھ گیا تو مہر النساء بیگم نے بہت افسردگی اور رنجیدگی سے دوبارہ کمرے کی طرف قدم بڑھائے تھے۔



ولید آج روٹین کے خلاف صبح جلد بیدار ہوا تھا۔ وہ تیار ہو کر ناشتے کی ٹیبل پر آیا تو وہاں سبھی موجود تھے بشمول انا وقار کے۔ انا کو دیکھ کر ولید کے تیور بدلے تھے۔ جبکہ باقی سب اسے اچھی طرح تیار دیکھ کر حیران ہوئے تھے۔
''کہاں کی تیاری ہے؟'' جیسے ہی وہ نارمل انداز میں کرسی گھسیٹ کر بیٹھا تو احسن نے پوچھا تھا۔
''میں جبری چھٹیوں اور بیڈ ریسٹ سے تنگ آ چکا ہوں اس لیے آج سے میں آفس جاؤں گا۔'' کمال بے نیازی سے اس نے کہا تھا جبکہ سب نے گھورا تھا۔
انا ولید کے آ جانے سے شدید ڈسٹرب ہو گئی تھی۔ وہ اخبار دیکھ رہی تھی ولید کے آنے پر مکمل طور پر اخبار میں سر دے دیا تھا۔
''اتنی جلدی کیا ہے، ابھی تمہارا ٹریٹمنٹ چل رہا ہے مکمل طور پر صحت یاب ہو جاؤ تو پھر چلے جانا۔'' ضیا صاحب نے کہا تو ولید نے سنجیدگی سے باپ کو دیکھا تھا۔
''میں تنگ آ چکا ہوں اس سے زیادہ فارغ گھر میں نہیں رہ سکتا اس لیے میں ضرور آفس جاؤں گا۔'' قطعی انداز تھا۔
''اوکے، ایز یو وش لیکن ڈرائیور ساتھ ہوگا تم خود گاڑی ڈرائیو نہیں کرو گے۔'' وقار صاحب نے مسکرا کر رضا مندی دے دی تھی وہ مسکرایا تھا ایک اخبار پڑھتے انا چونکی تھی۔
''اوہ نو۔'' اس کی آواز اس قدر بے اختیار تھی کہ سب نے اسے دیکھا تھا۔
''کیا ہوا؟'' اس کے بائیں طرف بیٹھی روشی نے پوچھا۔
انا نے اخبار چہرے سے ہٹایا تھا وہ کوئی خبر پڑھ رہی تھی، جوں جوں پڑھتی جا رہی تھی اس کے چہرے پر تشویش کی کیفیت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔
''کوئی خاص خبر ہے کیا؟''
روشی نے پھر پوچھا تو اس نے بہت دکھ سے اسے دیکھا اور خاموشی سے اس کا موبائل اٹھا کر تیزی سے وہاں سے چلی گئی تھی۔
''اسے کیا ہوا؟'' صبوحی بیگم نے حیرت سے دیکھا تھا۔ روشی نے خاموشی سے اخبار تھام لیا وہ وہی خبر پڑھنے لگ گئی تھی جو کچھ دیر پہلے انا پڑھ رہی تھی۔
''شہر کے مشہور بزنس مین عبدالقیوم کا بیٹا ایاز عبدالقیوم گزشتہ رات پولیس ان کاؤنٹر میں مارا گیا لاش پوسٹ مارٹم کے لیے اسپتال منتقل کر دی گئی ہے۔'' اس نے با آواز بلند خبر پڑھی تھی ولید بھی چونکا تھا۔ اس نے تیزی سے روشی سے اخبار لے لیا تھا۔
باقی کی جو تفصیلات تھیں اس کو پڑھتے ہی ولید ایک دم ساکت ہوا تھا۔ روشی اٹھ کر انا کے پیچھے آئی تھی وہ تیزی

سے کوئی نمبر ملا رہی تھی لیکن دوسری طرف کوئی کال پک نہیں کر رہا تھا۔
''مصطفیٰ بھائی کے نمبر پر کال کرلو میرے موبائل میں وہ سیو ہے۔'' روشی نے کہا تو اس نے دوبارہ نمبر ڈائل کیا تھا اور پھر کچھ دیر بعد کال پک کرلی گئی تھی۔
''وعلیکم السلام کیسی ہیں؟'' دوسری طرف مصطفیٰ بہت سنجیدہ تھا۔
''میں نے ابھی نیوز پیپرز دیکھا ہے آئی کانٹ بلیوات ایاز مر گیا اور شہوار وہ ٹھیک ہے نا؟''
''ہاں شہوار ٹھیک ہے۔'' مصطفیٰ کا انداز سنجیدہ تھا۔
''کون سے اسپتال میں ہیں آپ لوگ میں ابھی پہنچتی ہوں؟''
اس نے پوچھا تو جواباً مصطفیٰ نے ایڈریس سمجھا دیا تھا۔ وہ کال بند کرتے ہی کمرے کی طرف بھاگی تھی بیگ اور چادر لے کر وہ باہر آئی تو وہاں روشی اور صبوحی بھی جانے کو تیار تھیں شاید ولید بھی مصطفیٰ سے بات کر چکا تھا سو اب سب کو علم ہو چکا تھا۔
وہ چاروں ولید کے ہمراہ ہی اسپتال آئی تھیں ولید بہت خاموش تھا جبکہ انا گم صم مصطفیٰ سے مل کر سلام دعا کر کے کمرے کی طرف بڑھی تھیں تبھی اور دیگر لوگ کمرے سے نکلتی تابندہ بی کو دیکھ کر صبوحی بیگم کا پورا وجود ہل گیا تھا۔
''افشاں بھابی......''

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)




ٹوٹا ہوا تارا
سمیرا شریف طور
READING
Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

قسط نمبر 40

ہم عجب مسافر دشت تھے جو چلے تو چلتے چلے گئے
کسی آب جو کی صدا پہ بھی کہیں راستے میں رکے نہیں
کئی اور اہل طلب ملے مجھے راہ شوق میں ہم قدم
جنہیں کر رہا تھا تلاش میں وہی لوگ مجھ کو ملے نہیں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

مصطفیٰ انتہائی طیش کے عالم میں ایاز کے ٹھکانے پر پہنچنے میں کامیاب ہوجاتا ہے اور امجد خان اور دیگر ساتھیوں کی مدد سے ایاز کی فرار کی تمام راہیں مسدود کردیتا ہے۔ ایاز شہوار پر تشدد کی انتہا کرتے اس کی کو واجاڑ دیتا ہے۔ مصطفیٰ شہوار کی بگڑی حالت کے پیش نظر اسے اسپتال منتقل کرتا ہے جبکہ پیچھے پولیس ان کاؤنٹر میں ایاز اپنے آخری انجام کو پہنچتا ہے۔ ہمایوں نے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے سکندر کو اغوا کرلیتا ہے۔ ایسے میں لالہ رخ اسے چھڑانے کی خاطر جائیداد کے کاغذات لیے وہاں پہنچتی ہے لیکن ہمایوں اپنی بات سے منکر ہوجاتے ہے اور اسے بھی قید کرلیتا ہے۔ سکندر اور اس کی بیٹی رابعہ کو مار دینے کا حکم دے کر دہ لالہ رخ کو نئے مقام پر منتقل کرکے پرسکون ہوجاتا ہے لیکن لالہ رخ ملازمہ کی مدد سے رات کے اندھیرے میں وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہوجاتی ہے یہ ناکامی ہمایوں کو مشتعل کردیتی ہے۔ جب ہی لالہ رخ کو مارنے کی خاطر اس کے گھر کو جلادینے کا حکم صادر کرتا ہے۔ دوسری طرف اس گھر میں افشاں عائشہ کے ساتھ موجود تھی ان لوگوں کی باتیں سن کر وہ وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہوجاتی ہے جب ہی تیز رفتار گاڑی سے اس کی ٹکر ہوتی ہے اور وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہوجاتی ہے۔ دوسری طرف ضیاء گھر کو جلتے دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ بعد میں ایک عورت اور بچوں کی جلی ہوئی لاشیں دیکھ کر افشاں کی زندگی سے مایوس ہوکر وہ بیرون ملک شفٹ ہوجاتا ہے اور عیسیٰ کا نام ولید رکھ دیتا ہے اور یوں اس اذیت ناک حادثے کے بعد ماضی وقت کی دھول میں گم ہوجاتا ہے۔ ولید مصطفیٰ کی زبانی تمام حالات جان کر ششدر رہ جاتا ہے انا کی شکی طبیعت پر شدید خائف ہوتے وہ سارے معاملے کے متعلق انا سے باز پرس کرتا ہے اور شدید طیش کے عالم میں اس کا ہاتھ انا پر اٹھ جاتا ہے۔ کاشفہ سے مل کر انا کو دھمکیاں دینے کے حوالے سے سخت سست سناتا ہے جبکہ کاشفہ ولید کا یہ تحقیر آمیز انداز اور تھپڑ برداشت نہیں کرپاتی اور انتہائی خراب حالات میں گھر پہنچ کر ہوش و خرد سے بیگانہ ہوجاتی ہے۔ عادلہ ایک طرف کاشفہ کی ابتر حالت پر متفکر ہوتی ہے ایسے میں ایاز کی ڈیڈ باڈی دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہوجاتے ہیں جب ہی پولیس کے آدمی گھر کی تلاشی میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ مسز عبدالقیوم جوان بیٹے کی موت کے صدمے سے ڈھے جاتی ہیں جبکہ عبدالقیوم ملک سے باہر ہوتا ہے۔ مصطفیٰ تابندہ بی کو تلاش میں کامیاب رہتا ہے اور انہیں اسپتال لے آتا ہے وہاں شہوار کی سیریس کنڈیشن دیکھ کر تابندہ بی

آبدیدہ ہو جاتی ہیں دیگر گھر والوں کے لیے بھی تابندہ بی کی موجودگی حیرت انگیز ہوتی ہے۔ انا ایاز عبدالقیوم کی موت کی خبر پڑھ کر چونک جاتی ہے جب ہی باقی سب گھر والے بھی مصطفیٰ کے ساتھ گزرنے والے اذیت ناک حادثے سے آگاہ ہوتے ہیں ایسے میں صبوحی بیگم بھی انا کے ہمراہ اسپتال پہنچ جاتی ہیں اور وہاں تابندہ بی کے روپ میں افشاں کو دیکھ کر وہ ششدر رہ جاتی ہے ہیں۔

(اب آگے پڑھیں)

❁......❁......❁

نجانے کون سی قوت تھی جو اسے بھگا رہی تھی۔ وہ ذیلی سڑکوں سے نکل کر بڑی سڑک پر آ گئی تھی لیکن اس کی رفتار پھر بھی کم نہ ہوئی وہاں اکا دکا گاڑیاں آ جا رہی تھیں۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ لوگ اس کے تعاقب میں ہیں۔ وہ اسے اور عائشہ کو بھی آگ میں دھکیل دیں گے تبھی اندھا دھند بھاگتے وہ بہت زور سے مخالف سمت سے آتی ایک تیز رفتار گاڑی سے ٹکرا گئی تھی۔ عائشہ اس کے بازو سے نکل کر کہیں دور جا گری تھی۔ وہ سخت پتھریلی زمین پر گرتے ہی رونے لگی جبکہ گاڑی اسے کچل کر تیزی سے آگے جا کر بے اختیار رکی تھی۔

❁......❁......❁

سکندر اور بچی کو لے کر وہ نہر کنارے چلے آئے تھے۔ وہ تین لوگ تھے انہوں نے کھینچ کر گاڑی سے سکندر کو نکالا تھا۔ سکندر کا جسم بری طرح مجروح تھا جگہ جگہ زخم تھے یوں جیسے بہت بے دردی سے مارا گیا ہو۔ وہ بے ہوش تھا ایک آدمی نے روتی بلکتی بچی کو تھام رکھا تھا۔

"ان دونوں کو مار کر نہر میں پھینک دو جلدی کرو۔" ان کے ایک ساتھی نے دوسرے سے کہا تھا۔

"یہ تو پہلے ہی مرا ہوا ہے اس کو اور کیا مارنا ایسے ہی پھینک دیتے ہیں۔" ایک اور ساتھی نے کہا تھا۔

"باس سے شامت بلوانی ہے کیا جو ایسے ہی پھینک دیتے ہیں بچ گیا تو اور مصیبت ہوگی۔" دوسرے نے ڈانٹ کر پہلے کو کہا تھا۔

اس کے کہنے پر اس آدمی نے بے ہوش سکندر کو زمین پر ڈال دیا اور گولی اس کے وجود میں اتار دی تھی۔ بندوق چلنے کی آواز دور دور تک سنائی دی تو اندھیرے میں جیسے ایک شور بلند ہوا تھا۔

"کون ہے.....کون ہے ادھر؟" وہاں کیمپ میں لیٹے دو وجود ایک دم ڈر گئے تھے۔ انہوں نے اطراف میں دیکھنا چاہا لیکن تاریکی میں کچھ بھی سجھائی نہ دیا البتہ جھاڑیوں میں کسی چیز کے ہلنے کا شور بلند ہوا ساتھ ہی درختوں کے جھنڈ میں ہلکی سی روشنی بھی ہوئی تھی وہ سب بوکھلا گئے تھے۔

"جلدی کرو اس کو نہر میں پھینکو اور بھاگو کوئی دیکھ نہ لے۔ لگتا ہے ادھر کوئی موجود ہے۔" ایک ساتھی چلایا تھا۔
انہوں نے جلدی سے سکندر کو اٹھایا اور نہر میں پھینک دیا اور بڑی تیزی سے جس گاڑی میں آئے تھے بیٹھ کر فوراً بھاگ گئے تھے۔

ننھی بچی وہیں سڑک پر پڑی حلق پھاڑ پھاڑ کر رو رہی تھی وہ شاید عجلت میں اس کو نہر میں پھینکنا بھول گئے تھے اور وہیں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ جھاڑیوں میں موجود وہ دونوں آدمی ایک دم نکل کر باہر آئے تھے۔ ایک نے دوڑ کر روتی ہوئی بچی پر ٹارچ کی روشنی ڈالی تھی اور گرد اچھی طرح دیکھنے کے بعد اس نے بچی کو اٹھا لیا تھا۔

"میں نے ان آدمیوں کو کسی کو نہر میں پھینکتے دیکھا ہے۔" جس نے بچی کو اٹھایا تھا وہ دوسرے آدمی سے بولا تھا۔

"کوئی پولیس کیس ہی نہ بن جائے نجانے کون لوگ تھے اور کیا کرتے آئے تھے؟"

"نہر میں پانی اتنا گہرا نہیں میں تیر سکتا ہوں آرام سے دیکھتا ہوں کیا مسئلہ ہے تم اس بچی کو سنبھالو۔" بچی کو دوسرے آدمی کے حوالے کرتے اپنی قمیص اتار کر وہ خود نہر میں کود گیا تھا۔ دوسرا آدمی دم سادھے گہری تاریکی میں صرف پانی کا شور سن رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس کو اپنے ساتھی کی آواز سنائی دی تھی وہ اس کو کنارے پر بلا رہا تھا وہ جلدی سے بچی کو اٹھائے آگے بڑھا اور کنارے کی طرف آیا تھا۔ روتی ہوئی بچی کو اس نے ایک طرف زمین پر بٹھایا اور خود اپنے ساتھی کی مدد کرنے لگا جو نہر میں سے ایک مردہ وجود کو کھینچ کر باہر نکال رہا تھا۔ دونوں نے اس کو باہر نکال کر زمین پر لٹا دیا تھا۔ اس نے اس وجود کی سانس چیک کرنا چاہی تو حیران ہوا۔

"یہ زندہ ہے ابھی۔" وہ چلایا تھا۔

"ہاں خون بہت بہہ رہا ہے۔"

"لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں نجانے کون ہے؟ کیا دشمنی تھی جو اسے مار کر یہاں پھینک گئے ہیں؟" پہلے والا خوف زدہ تھا۔

"جو بھی ہے لیکن اب تو اس کو بچانا ہی ہوگا۔"

"کوئی کیس نہ بن جائے ہم پر۔"

"اللہ مالک ہے گاؤں لے چلتے ہیں مولوی صاحب کے پاس وہی کچھ کر سکتے ہیں۔" دونوں آپس میں صلاح مشورہ کر رہے تھے اور پھر یہ طے پایا کہ وہ دونوں اسے گاؤں لے جاتے ہیں۔ وہ لوگ جس وقت سکندر اور بچی کو لے کر مولوی صاحب کے پاس پہنچے بہت رات بیت چکی تھی۔ مولوی صاحب ساری صورت حال دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے۔

وہ حکیم تھے اور ساتھ امام مسجد بھی انہوں نے فوراً سکندر پر اپنا ہنر آزمانا شروع کر دیا تھا جبکہ بچی کو گھر کے اندرونی حصے میں بھیج دیا گیا۔

"اجنبی کی حالت بہت تشویش ناک ہے۔" بہت دیر کوشش کرنے کے بعد بھی وہ مایوس تھے۔ "سواری کا بندوبست کرو اس کو شہر لے جانا پڑے گا اگر زندگی ہوئی تو بچ جائے گا ورنہ اللہ کی مرضی۔"

"میں بندوبست کرتا ہوں اڈے تک تو تانگے کا بندوبست ہو جائے گا وہاں سے گاڑی لینا ہوگی۔"

"وہاں اڈے پر ساجد مہر ہوتا ہے اس کی اپنی ٹرالی ہے اس سے کہتے ہیں وہ شہر تک لے چلے گا۔" مولوی صاحب نے کہا تو وہ تینوں چلنے کو تیار ہو گئے تھے۔

وہ لوگ سکندر کو تانگے پر اڈے تک لائے تھے مولوی صاحب نے ساجد سے بات کر لی تھی وہ مان گیا تھا۔ مولوی صاحب کسی ہسپتال میں لے جانے کے بجائے اپنے ایک شاگرد کے پاس لے آئے تھے۔ اس نے سکندر کو دیکھا اور پھر ایک کلینک میں لے آیا تھا۔ کلینک اس کے دوست کا تھا وہ بہت رازداری سے سکندر کا علاج کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ وہیں سکندر کا علاج شروع ہوا اور گولی نکال کر باقی علاج شروع کر دیا گیا تھا۔ شاید سکندر کی زندگی باقی تھی سو وہ موت کے منہ سے نکل آیا تھا لیکن بدقسمتی سے اس کا بازو اور ٹانگ ٹوٹ چکی تھی۔

مولوی صاحب کے ساتھ آنے والے وہ دونوں آدمی واپس چلے گئے تھے مولوی صاحب خود سکندر کے پاس رکے ہوئے تھے۔ تین چار دن بعد سکندر کو ہوش آیا تھا لیکن ابھی وہ اس قابل نہ تھا کہ اپنے بارے میں کچھ بتا پاتا۔ سکندر کا علاج مہینوں پر مبنی تھا۔ جیسے ہی وہ خطرے سے باہر ہوا تو مولوی صاحب کو بھی اس کی زندگی کی امید بندھ گئی تھی۔ دو تین

دن بعد سکندر نے اپنے بارے میں جو بتایا وہ سن کر مولوی صاحب کا دل ایک دم شدید غم کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ وہ اپنے شاگرد کو لے کر سکندر کے بتائے گئے ایڈریس پر گئے تھے لیکن وہاں جو داستان تھی وہ اور بھی زیادہ دل گداز تھی۔ سکندر کے گھر کو آگ لگ گئی تھی جس کی وجہ سے اس کے بیوی بچے سب جل کر راکھ کا ڈھیر بن چکے تھے۔

مولوی صاحب خوف خدا کے سبب سکندر کی زندگی بچانے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ وہ مزید مسائل میں نہیں الجھنا چاہتے تھے سو پولیس تک اس معاملے کی رپورٹ نہیں کروائی تھی اور کچھ دن بعد سکندر کو واپس اپنے گاؤں لے آئے تھے۔ سکندر چلنے پھرنے اور کھانے پینے سے قاصر تھا' وہ ہر وقت اس کی دیکھ بھال میں لگے رہتے تھے۔ ان کی بیٹی چند دن پہلے ہی بیوہ ہوئی تھی' سسرال والوں نے گھر سے نکال دیا تھا وہ باپ کے گھر میں ہی عدت کے دن گزار رہی تھی۔ بیوی وفات پا چکی تھیں صرف ایک بیٹی ہی تھی جس کا ایک بیٹا تھا۔

رابعہ کو ثریا نے بہت خوش دلی سے سنبھال لیا تھا۔ انہیں خوب صورت سی رابعہ بہت پسند آئی تھی۔ مولوی صاحب مسجد کی امامت اور بچوں کو پڑھانے کے علاوہ حکیمی بھی کرتے تھے ان کے پاس کوئی نہ کوئی مریض آتا رہتا تھا۔ سکندر کا بستر ان کے کمرے میں ہی لگا دیا گیا تھا۔ انہوں نے گاؤں والوں کو یہی بتایا تھا کہ وہ ان کا دور پرے کا بھتیجا ہے اور ایک ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گیا ہے جس کے سبب وہ اسے اپنے پاس لے آئے ہیں اور اب وہ ان کے ساتھ ہی رہے گا۔ مولوی صاحب نے سکندر کو قطعی نہیں بتایا تھا کہ اس کی فیملی پر کیا غضب ڈھایا جا چکا ہے وہ ہر بار سکندر کے پوچھنے پر اسے تسلی دیتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ سکندر اچھی طرح صحت یاب ہو جائے' اپنے پیروں پر چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے تو پھر اس کو بتائیں گے۔

وہ دونوں آدمی جنہوں نے سکندر کو بچایا تھا وہ اکثر اس کی عیادت کو آتے رہتے تھے۔ وہ مولوی صاحب کے بہت مخلص دوست تھے اور شہد کے بیوپاری تھے۔ وہ مختلف جگہوں پر شہد کے مصنوعی چھتے لگاتے تھے اور شہد بنایا کرتے تھے۔ وہ اس مقصد کے لیے زیادہ تر نہر کے کنارے جہاں درختوں کے جھنڈ ہوتے تھے ان کا انتخاب کیا کرتے تھے۔ ان دنوں انہوں نے وہاں کیمپ لگا رکھا تھا اور وہیں کیمپ میں ہی رات گزارا کرتے تھے تاکہ کوئی رات کی تاریکی میں وہاں موجود شہد کے چھتوں کو چرا کر نہ لے جائے۔ اس رات بھی وہ اپنے کیمپ میں لیٹے ہوئے تھے وہاں گاڑی آ کر رکی تھی انہوں نے کوئی توجہ نہ دی تھی کیونکہ وہ اڈہ تھا وہاں اکثر کوئی نہ کوئی گاڑی کسی نہ کسی مسافر کو اتارنے کے لیے رکتی تھی لیکن وہ لوگ تب چونکے جب گولی چلنے کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ دونوں ٹارچ لے کر باہر نکلے تھے اور باہر جو کچھ دکھائی دیا وہ بڑا حیران کن تھا۔ وہ لوگ تو سکندر کو نہر میں ڈال کر رفو چکر ہو گئے تھے اور معصوم بچی کو وہیں سڑک پر چھوڑ گئے تھے لیکن وہ دونوں خوف خدا کے سبب بچی اور سکندر کو ان کے حال پر نہ چھوڑ سکتے تھے اسی لیے یہاں لے آئے تھے لیکن سکندر اپنے گھر والوں سے ملنے کو بے تاب تھا۔

اسی حالت میں بمشکل ایک ماہ گزرا تھا جب سکندر کے اصرار پر مولوی صاحب نے اسے سچ بتا دیا تھا اور سچ جان کر سکندر ایک دم سکتے میں آ گیا تھا۔ اس کا پورا گھر اجڑ چکا تھا بیوی بچے سب مر چکے تھے۔ سکندر کے اندر جیسے زندگی ختم ہو گئی تھی اور پھر اس دن مولوی صاحب اس کے پاس ننھی رابعہ کو لے آئے تھے اس سے پہلے مولوی صاحب نے سکندر کو رابعہ کے بارے میں نہیں بتایا تھا' سکندر رابعہ کو دیکھ کر ساکت ہوا تھا۔

"یہ تو میری بچی ہے رابعہ!" مولوی صاحب چونکے تھے۔

"اگر یہ تمہاری بچی ہے تو آگ میں تو تینوں بچے جل کر مرے تھے۔" سکندر بھی الجھ گیا تھا۔

"یہ وہاں تک کیسے پہنچی؟ ہمایوں نے تو صرف مجھ اکیلے کو اٹھایا تھا۔" سکندر پریشان ہو گیا تھا۔

"ہوسکتا ہے بعد میں بچی کو بھی اٹھالیا ہو۔" مولوی صاحب نے کہا تو سکندر گم صم سا ہوگیا۔

"تو پھر مرنے والا تیسرا بچہ کون تھا؟" سکندر کے اندر بہت دن تک یہ سوال کلبلاتا رہا تھا وہ آہستہ آہستہ روبہ صحت ہو رہا تھا۔

سکندر کے اصرار پر مولوی صاحب ایک بار پھر سکندر کے بتائے گئے پتے پر گئے تھے اور اس بار وہ افشاں کی پھوپو والے گھر میں بھی گئے تھے لیکن وہاں تالا لگا ہوا تھا۔ مولوی صاحب نے اردگرد کے لوگوں سے معلومات حاصل کرنا چاہی تو معلوم ہوا کہ اس گھر میں رہنے والی خالہ بی اپنے جیٹھ کے گھر شفٹ ہوگئی ہے اور ضیاء باہر جاچکا ہے۔ مولوی صاحب نے سکندر کے بارے میں پوچھا تو کوئی معقول جواب نہ ملا تھا۔ وہ واپس لوٹ آئے تھے۔ مولوی صاحب کی فراہم کردہ معلومات ایسی تھیں کہ سکندر کے اندر مزید مایوسی کی فضا پیدا ہوتی چلی گئی تھی۔

لالہ رخ اور اس کے دونوں بچے اب اس دنیا میں نہیں تھے وہ کس کے لیے جیتا ایسے میں بس ننھی رابعہ کا وجود سکندر کے اندر زندہ رہنے کی لگن پیدا کرنے کا سبب بنا تھا۔ وہ صحت یاب ہوا تو خود اس جگہ گیا تھا لیکن ہمیشہ کی طرح خالہ بی کے گھر تالا لگا ہوا تھا اور اس کے اپنے گھر کی حالت دل کو خاک کرگئی تھی وہ گھر جو انہوں نے بہت محبت اور توجہ سے بنایا تھا وہ جل کر اپنی حالت پر ماتم کناں تھا' سکندر جو زندگی بھر کبھی حوصلہ نہ ہارا تھا۔ جس کی آنکھ سے کبھی آنسو کا قطرہ تک نہ ٹپکا تھا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا اس کا گھر تباہ ہو چکا تھا بیوی بچے سب جل کر راکھ کا ڈھیر بن چکے تھے۔ سکندر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کچھ کر بیٹھے۔ وہ پولیس اسٹیشن جانا چاہتا تھا اپنے بیوی بچے کی قبریں دیکھنا چاہتا تھا لیکن مولوی صاحب سکندر کی ناگفتہ بہ حالت دیکھتے ہوئے اسے زبردستی واپس لے آئے تھے۔ سکندر بہت دن تک مضمحل رہا' ذہنی لحاظ سے وہ بہت بکھر چکا تھا۔ مولوی صاحب اس کا خاص خیال رکھتے اور اسے کبھی تنہا نہ ہونے دیتے تھے۔ وہ واپس شہر جانا چاہتا تھا لیکن مولوی صاحب چاہتے تھے کہ وہ سب کچھ بھول کر کچھ عرصہ کے لیے اس واقعہ کو فراموش کردے تاکہ ذہنی طور پر کچھ سنبھل جائے۔

دوسری طرف وہ ہمایوں کی طرف سے بھی خوف زدہ تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی کو علم ہو کہ سکندر اور اس کی بچی زندہ ہے وہ ہر وقت سکندر کو سمجھاتے رہتے تھے اور شاید ان کے سمجھانے کا اثر تھا کہ سکندر کا رجحان دین کی طرف ہوتا چلا گیا تھا' وہ مولوی صاحب کے پاس ہی سارا دن بیٹھا رہتا تھا۔ اس کے اندر سے انتقام' نفرت اور ہر چیز کا احساس مٹ گیا تھا۔ کچھ وقت یونہی بیتا اور پھر سکندر ایک دن گھر سے نکلا تو مولوی صاحب کو یہی لگا کہ وہ باہر کھیتوں کی طرف گیا ہوگا لیکن دن وہ پہر اور دوپہر رات میں بدل گئی تو مولوی صاحب کی تشویش بڑھنے لگی۔ وہ ساری رات مولوی صاحب کی از حد پریشانی میں گزری تھی' دو تین دن لگاتار بیت گئے لیکن سکندر واپس نہ لوٹا تھا۔ مولوی صاحب خود شہر گئے لیکن وہاں کوئی خبر نہ مل سکی تھی۔ دن پر دن بیتتے گئے۔ پھر دن مہینوں اور مہینے سال میں بدل گئے اور سکندر لوٹ کر نہ آیا' مولوی صاحب بیمار رہنے لگے تھے۔ بیوی بیٹی کا دکھ اور سکندر کی گمشدگی وہ ہر وقت متفکر رہتے تھے۔

دوسری طرف ثریا کے سسرال والے بیٹے کو مانگ رہے تھے' مولوی صاحب چاہتے تھے کہ ثریا کی دوسری شادی کردیں لیکن ثریا اس بات پر رضامند نہ تھی۔ ثریا کے سسرال والوں کا اصرار بڑھنے لگا تو ثریا نے مولوی صاحب کو گاؤں چھوڑ کر شہر چلنے کا مشورہ دیا۔ مولوی صاحب کی گاؤں میں بہت عزت تھی لیکن بیٹی کی وجہ سے مجبور تھے اور پھر ایک دن شہر منتقل ہوگئے۔ یہ نئی آبادی تھی جمع پونجی کچھ تھی نہیں کرائے پر گھر مل سکا تھا۔ ثریا محلے کے بچوں کو قرآن اور ٹیوشن پڑھا دیا کرتی تھی اور سلائی کا کام بھی کرلیتی تھی۔ گزربسر اچھی ہونے لگی تھی۔ وقت کا کام ہے گزرتے جانا' رابعہ بڑی ہو رہی تھی وہ ثریا کو سہیل کی دیکھا دیکھی امی کہنے لگی تھی۔ شہر میں رہتے ایک سال گزرا تھا جب ان کے پاس مولوی

صاحب کا ایک شاگرد گاؤں سے ایک خط لایا تھا' یہ خط کسی باہر کے ملک سے بھیجا گیا تھا۔ مولوی صاحب نے وہ خط دیکھا تو وہ سکندر کی طرف سے تھا۔

"السلام علیکم مولوی صاحب! مجھے علم ہے آپ میری طرف سے بہت پریشان ہوں گے' میں نے جب گاؤں چھوڑا اس وقت میرے ذہن میں صرف اور صرف ہمایوں سے بدلہ لینے کا خیال تھا۔ میں شہر آیا اور یہاں ایک دوست کے پاس چلا آیا وہ مجھے دیکھ کر حیران ہوا تھا میری کہانی سن کر اس نے میرے ساتھ ہمدردی کا اظہار بھی کیا تھا۔ یہ شخص میرا کاروباری دوست تھا' اس کے پاس میری کچھ رقم واجب الادا تھی اس نے میرا بہت ساتھ دیا۔ اسی نے مجھے بتایا کہ میرے بیوی بچوں اور گھر کو جلانے کے سلسلے میں پولیس میرے بارے میں بھی مشکوک ہے اور میری تلاش میں ہے۔ میرے دوست نے مجھے واپس گاؤں جانے اور نئی زندگی شروع کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن میرا دل و دماغ کسی بھی چیز کو قبول نہیں کر رہا تھا سوائے اس کے کہ میں ہمایوں سے بدلہ لوں۔ میں نے ہمایوں کا پتا کروایا تو معلوم ہوا کہ جن دنوں مجھے قتل کروایا گیا تھا اور میرے گھر کو آگ لگائی گئی تھی اس سے تیسرے دن بعد ہمایوں اپنے خاندان سمیت ملک سے باہر بھاگ گیا تھا۔ اب میرے پاس سوائے صبر کرنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ میں اپنے دوست کے ساتھ مل کر دوسرے شہر چلا گیا تھا' جہاں ہمارا کام چل نکلا۔ اب میرے پاس اتنی رقم تھی کہ میں باہر جا سکتا تھا اور امریکہ۔ میں میری کچھ جائیداد بھی تھی۔ میں سکندر کے نام کو استعمال نہیں کر سکتا تھا میں نے فیضان کے نام سے اپنے کاغذات تیار کروائے تھے اور پھر میں باہر آ گیا لیکن میری بدقسمتی نے ابھی میرا ساتھ نہ چھوڑا تھا۔ میں جیسے ہی یہاں آیا یہاں ایک اور کیس منتظر تھا' ضیاء اور وقار دونوں اپنی فیملی سمیت یہاں سے بھاگ گئے تھے وہ یہاں کی پولیس کو مطلوب تھے۔ میری پراپرٹی میں ایک شاپ جس آدمی کے پاس تھی اس سے وقار اور پھر ضیاء کا جھگڑا ہوا تھا۔ ضیاء سے گولی چلی تھی وہ آدمی کچھ دن ہسپتال میں رہا تھا لیکن پھر بعد میں کسی اور حادثے کے سبب مر گیا تھا' اس کی اولاد یہ کیس ضیاء اور وقار پر ڈال رہی تھی اور جب میں واپس گیا تو پولیس نے مجھے گرفتار کر لیا تھا۔ میری تمام پراپرٹی پر لوگوں کا قبضہ تھا' مجھے جیل میں ڈال دیا گیا اور مجھ پر وقار اور ضیاء کا ساتھی ہونے کے سبب کئی کیس ڈال دیئے گئے تھے۔ میں دونوں ہاتھوں سے خالی تھا اپنے دفاع میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میں یہاں کئی ماہ جیل میں بند رہا' یہاں کی پولیس میرے بارے میں کچھ بھی ثابت نہ کر سکی تو مجھے رہا کر دیا گیا۔ سکندر کے نام کی پراپرٹی پر فیضان کا کوئی حق نہ بنتا تھا' میرا یہ نیا نام مجھے جیل سے نکلنے کا سبب بنا لیکن میری پراپرٹی میرے کسی کام نہ آ سکی تھی۔ میں یہاں اب مزدور کی سی زندگی گزار رہا ہوں اور وقار اور ضیاء کی تلاش میں بھی لگا ہوا ہوں لیکن کسی کا بھی کوئی سراغ نہیں مل رہا۔ میری بیٹی کا خاص خیال رکھیے گا' مجھے نہیں علم کہ میں واپس آؤں گا بھی کہ نہیں اس لیے آپ ثریا سے کہیے گا کہ اسے اپنی بیٹی بنا کر پرورش کریں۔ اگر زندگی نے مہلت دی اور یہاں سے واپسی ممکن ہو سکی تو میں ایک دن ضرور لوٹ کر آؤں گا۔ میری زندگی میں آپ لوگوں اور اپنی بیٹی کے سوا اب اور کوئی رشتہ باقی نہ رہا' میری بیٹی آپ کے پاس میری امانت ہے اس کا خیال رکھیے گا۔

فقط

فیضان علی"

خط ایسا تھا کہ مولوی صاحب کئی دن تک غم زدہ رہے تھے۔ رابعہ کو ثریا نے واقعی بیٹی کی طرح پالا تھا اور کبھی اُف تک نہ کی تھی۔ زندگی اپنے مزاج میں چلتی جا رہی تھی فیضان نے اس کے بعد کوئی رابطہ نہ کیا تو مولوی صاحب ناامید ہوتے چلے گئے تھے۔ رابعہ کو ثریا نے کبھی نہیں بتایا تھا کہ وہ اس کی بیٹی نہیں ہے' رابعہ اسکول جانے لگی تھی۔ رابعہ کی ولدیت سے متعلق ان کے پاس کوئی کاغذات نہ تھے اسکول انتظامیہ نے والدین کے شناختی کارڈ اور پیدائش کا اندراج فارم طلب

کیا تھا بصورت دیگر اسکول میں داخلہ ممکن نہ تھا تو مجبوراً ثریا کو سہیل کے والد صاحب کے کوائف جمع کروانا پڑے تھے اور جعلی پیدائش اندراج فارم بنوا کر انتظامیہ کے حوالے کرنا پڑا تھا۔ یہ ایریا کا ایک اچھا اسکول تھا جس میں سہیل اور رابعہ دونوں جاتے تھے۔ وقت تیزی سے گزرنے لگا تھا اس ایک خط کے بعد فیضان کی طرف سے کوئی اطلاع نہ آئی تھی۔

مولوی صاحب مزید ضعیف اور بیمار ہو گئے تھے۔ سہیل نے میٹرک کر لیا تھا اور وہ اب کالج میں داخلہ لینا چاہتا تھا جبکہ رابعہ پانچویں میں تھی جب ایک شام بالکل اچانک اپنے سازوسامان سمیت فیضان نے گھر کے دروازے پر دستک دی تھی۔ دروازہ مولوی صاحب نے کھولا تھا وہ اپنے سامنے کھڑے آدمی کو دیکھ کر چونک گئے تھے فیضان ان کے گلے لگ گیا تھا' وہ الجھے ہوئے تھے جیسے اجنبی کو پہچان نہ پائے ہوں۔

''تم کون ہو بیٹا؟''

''میں سکندر ہوں مولوی صاحب فیضان علی۔'' اور مولوی صاحب نے بغور دیکھا اس نے چہرے پر داڑھی رکھ لی تھی۔ قد کاٹھ اور صحت کے اعتبار سے بھی کافی اچھا ہو گیا تھا' انہوں نے بے اختیار فیضان کو گلے سے لگا لیا تھا۔

فیضان نے بتایا کہ وہ کچھ دن پہلے پاکستان آیا تھا ایک جاننے والے کے پاس ٹھہرا ہوا تھا اور پھر آج صبح وہ گاؤں گیا تھا تو وہاں سے علم ہوا کہ مولوی صاحب کئی سالوں سے شہر شفٹ ہو چکے ہیں۔ گاؤں والوں سے ہی یہاں کا ایڈریس لیا اور ان کو ڈھونڈتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ فیضان سہیل سے ملا تھا وہ جب گیا تھا تو وہ نو دس سال کا بچہ تھا اور اب جوان تھا۔

''فیضان پہچانو تو یہ کون ہے؟'' ثریا ایک شرماتی جھجکتی بچی کو ہاتھ سے تھامے اس کے سامنے آئی تو فیضان نے چونک کر بچی کو دیکھا۔ بچی لالہ رخ جیسی نہیں تھی لیکن اس کے نقش و نگار میں لالہ رخ کی جھلک ضرور تھی۔

''رابعہ۔'' فیضان بے اختیار رابعہ کی طرف بڑھا تھا۔ اسے بازوؤں میں لے کر بہت محبت سے اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

عرصہ بعد کسی اپنے کے لمس نے چھوا تو فیضان کی آنکھوں میں نمی آتی چلی گئی تھی اور پھر فیضان نے اس نمی کو بہنے دیا تھا۔ رابعہ اس گرم جوشی پر خوف زدہ ہو گئی تھی وہ رات بڑی عجیب سی تھی۔ فیضان باہر گزرے دنوں کا احوال سناتا رہا اور یہ لوگ یہاں گزرے دنوں کا' دو دن گزرے تو فیضان نے اجازت چاہی تھی۔

''میں رابعہ کو لینے آیا تھا اب جانا چاہوں گا۔''

''کہاں؟'' مولوی صاحب حیران ہوئے تھے۔

''میں نے اپنے دوست کو ایک کرائے کے گھر کا بندوبست کرنے کو کہا ہے میرے پاس کچھ رقم ہے پھر اپنا گھر لوں گا۔''

''لیکن رابعہ کہیں نہیں جائے گی۔'' ثریا ایک دم اندر آئی تھیں' مولوی صاحب اور فیضان دونوں نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

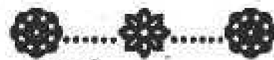
''میں نے اسے ماں باپ سب بن کر پالا ہے' وہ بچی مجھے اپنی ماں سمجھتی ہے وہ کہیں نہیں جائے گی۔''

''لیکن میں آپ دونوں پر مزید بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔''

''بوجھ تو تم تبھی ڈال کر چلے گئے تھے جب ہمارا گھر چھوڑا تھا' تم نے جہاں جانا ہے بے شک جا سکتے ہو لیکن رابعہ کے بارے میں کوئی دعویٰ نہیں کرنا' رابعہ کو جب تم چھوڑ کر گئے تھے تب ہمارے پاس اس کے متعلق کوئی ثبوت نہ تھا پھر مجھے اسے اپنی بیٹی ظاہر کرنے کے لیے معاشرے میں ایک مقام دلانا پڑا تھا۔'' ثریا نے کہا تو فیضان نے چونک کر مولوی صاحب کو دیکھا انہوں نے آہستگی سے ساری بات سمجھائی تو فیضان الجھا۔

”یہ کیسے ممکن ہے وہ میری بیٹی ہے۔“
”تم جس طرح اپنی بچی سے غافل رہے‘ کبھی پلٹ کر پوچھا تک نہیں سوائے اس ایک خط کے ہم کیسے یقین کر لیتے کہ تم پلٹ کر آؤ گے؟ اور فرض کرو تم پلٹ کر نہ آتے تو سوچو اس معاشرے میں اس بچی کا کیا مقام ہوتا۔ لوگ اس کو کس نام سے پکارتے‘ میں مجبور تھی میں نے جو بھی کیا رابعہ کے بہتر مستقبل کے لیے کیا تھا۔“ فیضان کا سر جھک گیا تھا۔
”آپ کو بتایا تو ہے میں نے جیل سے نکل کر کیسی مشقت بھری زندگی گزاری تھی۔ میں وہاں کی پولیس کے حراست میں تھا واپس بھی نہیں آسکتا تھا‘ اور پھر میں خالی ہاتھ نہیں آنا چاہتا تھا سو مجھے وہاں کچھ عرصہ رکنا پڑا تب جا کر میں اس قابل ہوا کہ میں واپس لوٹ سکوں۔“ فیضان کا انداز شکستہ تھا‘ مولوی صاحب نے کندھے پر ہاتھ رکھتے ڈھارس دی۔
”جو بھی ہے لیکن رابعہ یہاں سے نہیں جائے گی۔“ ثریا کا انداز اٹل تھا۔ مجبوراً فیضان کو چند دن کے لیے اکیلے ہی جانا پڑا تھا کچھ دن بعد وہ پھر لوٹا تو ثریا کا وہی جواب تھا۔
”ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی لیکن میری بھی ایک شرط ہوگی پھر۔“ ثریا نے فیضان کو دیکھا تھا۔
”میں نے ایک گھر لیا ہے آپ لوگوں کو یہ گھر چھوڑ کر وہاں آنا ہوگا میرے ساتھ‘ اس طرح میں بھی اس گھر میں رہا کروں گا۔ گھر دو منزلہ ہے ایک حصے پر آپ لوگ رہائش اختیار کر لیں اور ایک پر میں۔“
”لیکن یہ کیسے ممکن ہے بیٹا!“ مولوی صاحب نے کہا تو فیضان نے ثریا آپا کو دیکھا وہ شش و پنج میں تھیں۔
”یا تو رابعہ کو میرے ساتھ روانہ کریں یا سب میرے ساتھ چلیں میں کل آؤں گا پھر۔“ فیضان کہہ کر چلا گیا تھا۔
وہ ساری رات ثریا اور مولوی صاحب سوچتے رہے تھے اور پھر اگلے دن ان کو فیضان کے ساتھ جانا پڑا تھا۔ فیضان اوپر والے حصے میں رہتا تھا نیچے یہ لوگ تھے فیضان نے یہاں ٹیوشن کا سلسلہ شروع کر لیا تھا۔ بیٹھک کا کمرہ مولوی صاحب کے لیے مخصوص تھا‘ فیضان اور اس کے اسٹوڈنٹس بھی وہاں بیٹھ جاتے تو مولوی صاحب سارا دن اس رونق میں لگے رہتے۔ اس کے بعد مولوی صاحب صرف ایک سال جیے تھے اور پھر دنیا سے رخصت ہو گئے تو گھر کی ساری ذمہ داریاں فیضان پر آپڑی تھیں اور فیضان نے پوری جانفشانی کے ساتھ ان کو نبھایا بھی تھا۔ سہیل کی تعلیم کے بعد اس کے باہر جانے کا بندوبست کیا وہ واپس آیا تو اس کی شادی کی وہ پھر باہر چلا گیا تھا رابعہ کے تمام تعلیمی اخراجات اور گھر کے اخراجات خود اٹھا رکھے تھے۔
وقت کے ساتھ ساتھ ثریا بیگم کے سسرالی رشتہ داروں نے بھی ان کو ڈھونڈ نکالا تھا‘ وہ اب ان سے روابط میں رہتے تھے لیکن ثریا کو ان سے ایسے زخم ملے تھے کہ وہ چاہ کر بھی کسی سے روابط نہ بڑھا سکی تھیں۔
سہیل کو شروع سے ہی علم تھا کہ رابعہ اس کی بہن نہیں ہے لیکن رابعہ ابھی تک بے خبر تھی لیکن فیضان صاحب اور ثریا بیگم جانتے تھے کہ یہ بے خبری اب ختم کرنا تھی۔ جب سے ابوبکر سے نکاح کا سلسلہ شروع ہوا تھا وہ دونوں اسی ادھیڑ بن میں رہتے تھے کہ رابعہ کو کیسے بتائیں پھر ابوبکر سے نکاح کا سلسلہ ختم ہوا تو یہ عباس کا سلسلہ چل نکلا تھا۔ فیضان صاحب جانتے تھے کہ عباس کون ہے؟ ان کے لیے رابعہ کی عباس سے شادی کرنا مسئلہ نہیں تھا لیکن عباس کے خاندان میں شادی کرنا مسئلہ تھا۔ انہوں نے ثریا اور سہیل کو بھی اپنی خاندانی حیثیت سے آگاہ کر دیا تھا وہ دونوں تو اس رشتے کے حق میں تھے لیکن فیضان صاحب چاہ کر بھی ان لوگوں سے ملنے پر خود کو آمادہ نہیں کر پا رہے تھے۔ وہ جب بھی ان لوگوں کے بارے میں سوچتے تھے ان کو اپنی بے رنگ تلخیوں اور مصیبتوں سے بھری زندگی یاد آجاتی تھی اور دل چاہتا تھا کہ وہ سب کچھ ختم کر دے۔ لیکن اب جذباتیت کا دور نہ تھا اب ہر فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرنے والا تھا۔
اب ان کی بیٹی کے مستقبل کا سوال تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ جو سود و زیاں وہ اٹھا چکے تھے ویسی ہی زندگی ان کی

بیٹی کا مقدر بن جائے' عباس کو ہاں کرنے پر مجبور ہوگئے تھے لیکن چاہ کر بھی عباس کے والدین سے ملنے پر خود کو آمادہ نہیں کر پائے تھے۔



گاڑی رکی اور اس میں موجود لوگ فوراً نکلے تھے مہر النساء بھاگ کر روتی ہوئی بچی کو اٹھالیا۔ بچی کو چوٹ نہیں لگی تھی لیکن افشاں لہولہان ہو چکی تھی۔

"مائی گاڈ! اس کی حالت بہت خراب ہے۔" شاہزیب نے افشاں کو دیکھ کر کہا تھا۔

"صاحب میرا کوئی قصور نہیں یہ عورت خود آگے آ گئی تھی۔" ڈرائیور ایک دم پریشان ہو گیا تھا۔

"وقت ضائع مت کرو اس کو فوراً ہسپتال لے چلتے ہیں۔" بابا صاحب بھی باہر آ چکے تھے' افشاں کی حالت دیکھ کر انہوں نے کہا تھا اور پھر وہ سب اس کو ہسپتال لے آئے تھے۔

یہ لوگ شہر میں ایک تقریب میں مدعو تھے رات کے اس پہر تقریب اٹینڈ کر کے شہر والی کوٹھی کی طرف جا رہے تھے کہ رستے میں یہ ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا مہر النساء نے بچی کو سنبھال لیا تھا افشاں کی حالت بڑی تشویش ناک تھی' وہ آئی سی یو میں تھی۔ اگلے دن تک افشاں کی حالت نہ سنبھل پائی تھی' ڈاکٹرز پوری کوشش کر رہے تھے مہر النساء اور بابا صاحب بچی کو لے کر کوٹھی چلے گئے تھے اور شاہزیب ابھی بھی وہیں تھے۔ دو دن مزید گزر چکے تھے لیکن افشاں کو ہوش نہیں آ رہا تھا۔

ڈاکٹرز کے بقول اس کے دماغ پر شدید چوٹ لگی ہے۔ جس سے وہ کومہ میں بھی جا سکتی ہے یا پھر ایکسپائر بھی ہو سکتی ہے۔ افشاں کی باقی جسمانی توڑ پھوڑ کا علاج جاری تھا لیکن ذہنی چوٹ ایسی تھی کہ کوئی کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ایک ہفتہ اسی کشمکش میں گزر گیا تھا اور پھر ڈاکٹرز نے مریضہ کے کومہ میں چلے جانے کی خبر سنائی تو شاہزیب سمیت پوری فیملی ہی پریشان ہو گئی تھی۔ شاہزیب نے پولیس ڈیپارٹمنٹ اور ہر جگہ خبر نشر کروا دی تھی ایکسیڈنٹ کی نوعیت اور عورت کا حلیہ بھی درج کروا دیا تھا امید تھی کہ شاید ورثاء میں سے کوئی رابطہ کرے لیکن اس دوران کسی نے بھی رابطہ نہیں کیا تھا' افشاں کوما میں اور ننھی عائشہ مہر النساء کی گود میں تھی۔

عائشہ صبا کی ہم عمر تھی مہر النساء کو عائشہ کو سنبھالنے میں کوئی مسئلہ نہ ہوا تھا۔ گھر میں ملازموں کی بہتات تھی اور بچی کا خاص خیال رکھا جا رہا تھا۔ مہینہ بعد افشاں کو ہوش آیا لیکن وہ بولنے سے قاصر تھی' اس کے علاوہ اس کی جسمانی چوٹیں ایسی تھیں کہ وہ اپنے سہارے پر چل بھی نہیں سکتی تھی۔ یہ لوگ اس سے اس کا نام پتا؟ وغیرہ پوچھتے تو وہ ٹکر ٹکر سب کو دیکھتی رہتی۔ شاہزیب اور بابا صاحب اس کے علاج میں کوئی کمی نہیں آنے دے رہے تھے۔ وہ ہسپتال سے ڈسچارج ہوئی تو وہیل چیئر پر بٹھا کر وہ لوگ اسے اپنی کوٹھی میں لے آئے تھے۔ مہر النساء ویسے تو حویلی میں رہتی تھیں لیکن افشاں کی وجہ سے انہیں مجبوراً کوٹھی میں رہنا پڑ رہا تھا۔ شاہزیب کی کسی اور ڈسٹرکٹ میں جاب تھی وہ ایکسیڈنٹ کے ایک ہفتے بعد ہی چلے گئے تھے۔ افشاں کا خیال مہر النساء خود رکھ رہی تھیں اس کے علاوہ ڈاکٹر اور نرس کا انتظام بھی تھا۔

افشاں کا حال یہ تھا کہ وہ کسی سے بھی بات نہیں کرتی تھی' جہاں بٹھایا جاتا وہ گم صم بیٹھی رہتی تھی جبکہ ڈاکٹرز کی رپورٹس کے مطابق افشاں میں سننے اور بولنے کی صلاحیت ابھی بھی کام کر رہی ہے لیکن کوما کے سبب وقت کے ساتھ ساتھ وہ پھر سے بولنے لگے گی۔ افشاں کی فزیشن روزانہ آ کر اس کی فزیوتھراپی کرواتی تھی لیکن مزید ایک ماہ گزرنے کے بعد بھی اس کی حالت جوں کی توں تھی البتہ فزیکلی اس میں کافی بہتری آئی تھی۔ مہر النساء بہت دن تک حویلی کے معاملات سے دور نہیں رہ سکتی تھیں سو وہ افشاں اور عائشہ سمیت حویلی آ گئی تھیں۔

حویلی میں بھی افشاں کا علاج جاری تھا' وہ اب فزیکلی بالکل فٹ تھی لیکن کسی سے بات چیت پھر بھی نہیں کرتی تھی'

ایک دو بار شہر لے جا کر اس کے ٹیسٹ بھی کروائے جا چکے تھے اس کو اب کوئی مسئلہ نہ تھا۔ مہرالنساء نے نوٹ کیا کہ اب کچھ دن سے افشاں اکثر بیٹھے بٹھائے رونے لگتی ہے اور پھر ایک دن بڑی عجیب سی بات ہوئی تھی افشاں بابا صاحب کو دیکھ کر چیخنے چلانے لگی تھی۔ بابا صاحب بھی پریشان ہو گئے تھے بڑی مشکل سے ملازمین نے افشاں کو کنٹرول کیا تھا۔

"میرا خیال ہے اس بار اس کو کوئی ذہنی مسئلہ ہوا ہے ایک دفعہ اس کو شہر لے جا کر چیک اپ کروا لینا چاہیے۔" بابا کا انداز بڑا پُرسوچ تھا۔

"ہاں میں نے بھی شاہزیب صاحب سے بات کی ہے وہ مجھے کہہ رہے تھے کہ کل اس کو لے کر شہر آ جاؤں۔" بابا صاحب نے سر ہلا دیا تھا۔

اگلے دن وہ لوگ شہر چلے گئے تھے ایک بار پھر افشاں کے سب ٹیسٹ ہوئے تھے۔ ڈاکٹرز کے بقول یہ پریشانی کی بات نہیں ہے وہ اپنے شعور میں واپس آ رہی ہے اور ماضی کو یاد کر رہی ہے جلد ہی وہ بولنے کی کوشش بھی کرے گی۔" مہرالنساء رپورٹ سن کر خوش ہوئی تھیں وہ اسے لے کر کوٹھی آ گئی تھیں۔

ان کو اگلے دن واپس حویلی جانا تھا مہرالنساء نے نوٹ کیا تھا کہ افشاں کو پھول بہت پسند تھے حویلی میں بھی وہ زیادہ تر باغیچے میں بیٹھی رہتی تھی۔ وہ اسے باغیچے میں لے آئی تھیں افشاں ایک طرف سنگی بنچ پر بیٹھ گئی تھی۔ مہرالنساء کی کال آ گئی تو وہ کال سننے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

ان کے ذہن سے بالکل نکل گیا کہ وہ افشاں کو لان میں چھوڑ کر گئی ہیں مغرب سے پہلے وہ کمرے سے نکلیں تو ملازمین سے افشاں کے بارے میں پوچھا وہ پریشان ہو گئی تھیں کچھ دیر میں ہی ملازمین سارا گھر چھان مارا تھا۔ نجانے افشاں کہاں چلی گئی تھی۔ چوکیدار نے بتایا کہ وہ نماز پڑھنے اپنے کوارٹر میں گیا تھا واپس آیا تو ڈیلی گیٹ کھلا ہوا تھا وہ سمجھا کہ شاید کوئی باہر گیا ہے اس نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ چوکیدار کی بات سن کر مہرالنساء مزید پریشان ہو گئی تھیں۔

اب تو اس بات میں کوئی شک نہ تھا کہ افشاں گھر سے نکل گئی ہے۔ انہوں نے شاہزیب کو کال کی تھی رات تک وہ بھی پہنچ گئے تھے پھر انہوں نے ہر جگہ پتا کروایا لیکن کہیں بھی افشاں کی خبر نہ مل پائی تھی۔ عائشہ ان کے پاس تھی وہ رات ان لوگوں پر بہت بھاری تھی۔



صبوحی بیگم آنکھوں میں آنسو لیے تابندہ بی کو دیکھ رہی تھیں اور تابندہ بی وہ بھی کانپتے ہونٹوں سے صبوحی کو دیکھ رہی تھیں۔ انا اور روشی رکے بغیر کمرے میں چلی گئی تھیں۔ ولید ویٹنگ لاؤنج میں مصطفیٰ کے پاس رک گیا تھا جبکہ اس وقت دروازے کے باہر وہ دونوں ہی کھڑی تھیں۔

"افشاں بھابی!"

"صبوحی......" دونوں ایک دوسرے کے گلے لگی تھیں۔ صبوحی بیگم کو تو کسی بھی بات کا اب ہوش نہ تھا جبکہ تابندہ بی کو خیال تھا کہ وہ اس وقت کہاں کھڑے ہیں جب ہی الگ ہوتے صبوحی بیگم کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"یہاں کچھ بھی کہنا مناسب نہیں میرے ساتھ آئیں۔" وہ ان کا ہاتھ پکڑے کاریڈور میں چلتے ایک طرف رکھی چیئر پر آ بیٹھی تھیں۔

"آپ کہاں تھیں؟ آپ کو نہیں علم ضیاء بھائی نے آپ کو کتنا ڈھونڈا کہاں کہاں ہم نے آپ کو تلاش نہیں کیا۔ ہم تو سمجھے تھے کہ خدانخواستہ ان جلنے والوں میں آپ بھی......" صبوحی بیگم اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر ایک دم رو پڑی تھیں۔ تابندہ بی نے ڈبڈبائی آنکھوں سے صبوحی بیگم کو دیکھا تھا۔

"میں نے اتنے خط لکھے...... آپ لوگوں کو آپ میں سے کسی نے بھی کوئی جواب نہ دیا۔ میں تو سالوں سے انتظار میں تھی کہ شاید کوئی پلٹ کر آتا ہے کوئی تو خبر لے گا...... شاید کوئی......" صبوحی بیگم نے شاک کیفیت میں دیکھا تھا۔

"کس ایڈریس پر خط لکھے تھے؟"

"وہی امریکہ کا ایڈریس جہاں ہم رہتے تھے میرے پاس وہی ایڈریس تھا بس۔" صبوحی بیگم کے دونوں ہاتھ اپنے پہلو میں بڑے بے بسی کے انداز میں گرے تھے۔

"وہ گھر تو ہم بھائی کے واپس جانے کے ایک ماہ بعد چھوڑ چکے تھے۔ سکندر بھائی کی دکان جس کرائے دار کے پاس تھی وقار کا اس سے لین دین کے معاملے میں جھگڑا ہو گیا تھا۔ ادھر سکندر بھائی کا گھر جل چکا تھا ان کا ان کے بیوی بچوں کا کچھ علم نہ تھا۔ ضیاء بھائی پاگلوں کی طرح آپ کو ڈھونڈتے رہے اور ادھر میں اکیلی اجنبیوں کے دیس میں لوگوں سے لڑتی رہی کیونکہ وقار کو پولیس پکڑ کر لے گئی تھی۔ ضیاء بھائی بہت پریشان تھے ادھر گوروں کے دیس میں نہ عزت محفوظ تھی او نہ ہی جان ضیاء بھائی نے آپ کو بہت تلاش کیا کبھی کہتے تھے جلنے والوں میں آپ بھی شامل ہیں پھر وہ میری وجہ سے امریکہ چلے گئے وہاں جا کر وقار تو باہر آ گئے لیکن معاملات زیادہ بگڑ گئے اس بار ضیاء بھائی کا اس آدمی سے جھگڑا ہوا تھا۔ ضیاء بھائی سے گولی چلی اب بچاؤ کی کوئی امید نہ تھی ضیاء بھائی ہمیں فوراً وہ جگہ چھوڑ دینے کا کہہ کر وہاں سے بھاگ گئے اور ہم نے بھی وہ جگہ چھوڑ دی۔ کسی اور جگہ کچھ عرصہ رکے اور پھر وہ شہر ہی چھوڑ دیا۔ ہم لوگوں نے بڑی مشکل زندگی گزاری تھی۔ ضیاء بھائی تو کئی سالوں تک گھر سے باہر نہ نکل سکے تھے ہم تو وہ ملک ہی چھوڑ آئے تھے پھر ہمیں بھلا آپ کے خطوط کیسے ملتے؟" صبوحی بیگم کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تھی۔ تابندہ بی گم صم انداز میں سب دیکھے گئی تھیں۔

"آہ...... میں نے ایک طویل سفر انتظار کی سولی پر لٹکتے گزار دیا۔ میرے دل میں نجانے کیا کیا وسوسے جنم لیتے رہے اور میں ہر بار بے قرار ہو کر خط لکھتی رہی۔" صبوحی بیگم نے بے اختیار تابندہ بی کو سینے سے لگا لیا۔

"کاش ہمیں علم ہوتا آپ زندہ ہیں ہم آپ کو خود تلاش کر لیتے۔"

"یہاں کس کے پاس آئی ہیں؟" کچھ دیر سنبھلنے کے بعد تابندہ بی نے پوچھا۔

"شہوار کے بارے میں علم ہوا تھا تو میں آئی تھی۔" تابندہ چونکی۔

"شہوار کیا لگتی ہے آپ لوگوں کی؟"

"میری بیٹی انا کی دوست ہے۔" صبوحی بیگم نے آنکھیں صاف کرتے کہا تو تابندہ بی شدید حیران ہوئیں۔

"یہ...... یہ انا جو شہوار کی دوست ہے وہ آپ کی بیٹی ہے؟" وہ بے یقین تھیں صبوحی نے سر ہلایا۔

"میرے اللہ......" وہ ایک دم پھر رو پڑی۔

"انا ایک عرصے سے شہوار کی دوست تھی کاش مجھے علم ہو جاتا۔ میں ادھر اُدھر بھٹکتی رہی اور میرے اپنے میرے پاس آ کر بھی دور رہے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی اور رو تو صبوحی بیگم بھی رہی تھیں۔

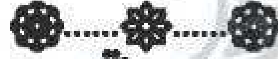
"میری بیٹی روشانے کہاں ہے؟" تابندہ کے لہجے میں صدیوں کی ہی پیاس تھی۔

"وہ بھی ہمارے ساتھ آئی ہے انا کے ساتھ شہوار کے پاس گئی ہیں وہ دونوں میں تو آپ کو دیکھ کر رک گئی تھی۔" تابندہ بی نے ایک دم اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔

"وہ روشی تھی میری بیٹی......" وہ بے قرار ہو کر کھڑی ہوئی تھیں۔

انہوں نے دونوں لڑکیوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی تھی بلکہ اپنے ہی خیالوں میں باہر نکلی تھیں وہ تو صبوحی بیگم کی پکار پر

ٹھنک کررکی اور وہ دونوں لڑکیاں اندر چلی گئی تھیں۔
"ہاں...... روشانے میرے احسن کی دلہن بھی ہے۔"
"مجھے روشانے سے ملنا ہے۔" وہ بے قرار ہوکر آگے بڑھی اور پھر نجانے کیا ہوا کہ رک گئی۔
"اور ضیاء کیسے ہیں؟" لہجے میں صدیوں کی تھکان تھی۔
"آپ کی جدائی نے انہیں وقت سے پہلے بوڑھا کردیا ہے اکثر بیمار رہتے ہیں۔" تابندہ بی پھر بے اختیار رو پڑی۔
"آپ کا شہوار اور مصطفیٰ لوگوں سے کیا تعلق ہے آپ ادھر کیوں ہیں؟" صبوحی بیگم کے اندر جو سوال کلبلا رہا تھا اس نے فوراً پوچھا۔
"شہوار میری بیٹی ہے۔" تابندہ بی نے بتایا تو صبوحی بیگم نے الجھ کر دیکھا۔
"سکندر اور لالہ رخ کی سب سے چھوٹی بیٹی عائشہ ہی اصل میں شہوار ہے۔" صبوحی بیگم کے اندر عجیب سی حیرتوں نے سر اٹھایا۔
"عائشہ زندہ ہے۔" تابندہ بی نے سر ہلایا۔
"لیکن وہ تو مر چکی تھی بلکہ اس گھر میں ایک عورت ایک بچہ اور دو بچیوں کی لاشیں ملی تھیں۔"
"پتا نہیں کیا حقیقت ہے مرنے والی لالہ رخ تھی یا کوئی اور؟ مجھے تو بس اتنا پتا ہے کہ میرے پاس عائشہ تھی اور میں اس رات اس گھر میں اکیلی تھی اور جب ان لوگوں نے گھر کو گھیرا تھا میں بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگی تھی عائشہ میرے ساتھ تھی۔"
"اوہ......" صبوحی بیگم کا حیرت سے برا حال تھا۔ "آپ مجھے ساری کہانی سنائیں اس رات آپ کے ساتھ کیا ہوا تھا اور آپ یہاں کس طرح پہنچیں۔" تابندہ بی سر ہلا کر ایک بار پھر صبوحی بیگم کے ہمراہ کرسی پر بیٹھ گئی۔
تابندہ بی کے چہرے پر صدیوں کی تھکن دکھ اور غم کی کیفیت رقم تھی وہ خود پر بیتنے والی قیامت کا ایک ایک حرف بتانے لگیں اور صبوحی بیگم بہت توجہ سے ان کی ہر بات سن رہی تھیں۔



افشاں جب وہاں پہنچی اس وقت اس کی عجیب سی کیفیت تھی۔ وہ خود فراموشی کے عالم میں تھی افشاں نے گھر کے دروازہ پہ ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا تھا۔ یہ وہی گھر تھا جو اس کی پھوپو کی ملکیت تھا اور پھوپو نے مرنے سے پہلے اس کے نام کردیا تھا جہاں اس نے زندگی کے کئی ماہ و سال گزارے تھے جہاں سکندر اور لالہ رخ کی زندگی نے نئی کروٹ لی تھی۔ افشاں خود فراموشی کی کیفیت میں چلتے ہوئے صحن میں آ کھڑی ہوئی۔ وہ اسی کیفیت میں کھڑی تھی جب خالہ بی کا بیٹا سامنے والے کمرے سے نکلا تھا۔
"افشاں باجی......" وہ چیخا تھا۔
"اماں دیکھیں افشاں باجی آئی ہیں۔" اس نے اندر منہ کرکے زور سے کہا تھا۔ خالہ بی بھاگ کر آ گئی تھیں انہوں نے افشاں کو دیکھا تھا۔ عجیب سا حلیہ اور عجیب سی کیفیت تھی وہ افشاں کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر لے گئی تھیں۔ وہ دونوں ماں بیٹا افشاں سے کئی سوال کررہے تھے لیکن وہ گم صم تھی۔
"افشاں بولو...... کچھ کہو...... چپ کیوں ہو؟" انہوں نے اسے ہلایا جلایا تو وہ چونکی۔ افشاں نے بولنے کی کوشش کرنا چاہی تو حلق سے عجیب عجیب سی آوازیں نکلی تھیں۔
"تم کہاں تھی؟ لالہ رخ اور اس کے بچے اس دن گھر میں آگ لگ جانے سے سب مر گئے تھے۔ ضیاء پاگلوں کی

طرح تمہیں تلاش کرتا رہا' پولیس کہتی تھی وہ مرنے والی عورت تم ہو مجھے تو بہت بعد میں علم ہوا تھا پھر ضیاء واپس چلا گیا تھا۔" ضیاء کے نام پر افشاں نے سر ہلایا تھا۔ افشاں نے پھر بولنے کی کوشش کی تھی اور اس بار اس کے حلق سے عجیب و غریب آوازوں کے ساتھ کچھ صاف آوازیں بھی نکلی تھیں۔ جن سے خالہ بی کو بس یہی سمجھ آئی تھی۔

"میں بچ گئی تھی خالہ...... میرا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔" شام تک وہ خالہ بی کے ساتھ اپنی عجیب سی آواز میں بہت ساری باتیں کرتی رہی تھی۔ خالہ بی اپنے سسرال میں رہ رہی تھیں ان کے جیٹھ جٹھانی اور بچوں کی وفات کے بعد ان کی صرف ایک بچی زندہ بچی تھی جس کی دیکھ بھال کی ذمہ داری خالہ بی پر تھی وہ مسلسل ادھر ہی رہ رہی تھیں آج بھی کچھ ساز و سامان لینے آئی تھیں۔ اب اتفاقاً افشاں بھی آ گئی تھی۔

افشاں اوپر والے حصے میں آ گئی تھی۔ لالہ رخ کا بہت سارا سامان شفٹ ہو چکا تھا لیکن کچھ پرانی چیزیں ابھی ادھر ہی تھیں جن میں کچھ تصاویر تھیں افشاں ان سب چیزوں کو دیکھ دیکھ کر روتی رہی تھی۔ وہ چھوٹے سے پرس میں چیزوں کو اکٹھا کرتی رہی تھی اس نے خالہ بی کو اپنے اوپر بیتنے والی قیامت سے بھی آگاہ کیا تھا۔ خالہ بی کا کہنا تھا کہ وہ ان کے ساتھ چلے لیکن افشاں کو عائشہ یاد آ رہی تھی جس کے وجود کو ابھی تک ان مہربان لوگوں نے سنبھال رکھا تھا وہ عائشہ کو چھوڑ کر ان کے ساتھ نہیں جا سکتی تھی۔ خالہ بی کو رات کو واپس جانا تھا وہاں بچی اکیلی تھی لیکن وہ اس کے بارے میں بھی پریشان تھیں۔ افشاں واپس خالہ بی کے ساتھ شاہزیب کی کوٹھی میں چلی آئی تھی خالہ بی اسے باہر سے ہی چھوڑ کر چلی گئی تھیں اور افشاں خود اندر آ گئی تھی اندر بھی لوگ پریشان تھے۔ افشاں کو ہر جگہ تلاش کیا جا رہا تھا اور اسے واپس آتے دیکھ کر بھی چونکے تھے۔

"تم کہاں تھیں...... کہاں چلی گئی تھیں تم؟" مہر النساء نے بے اختیار آگے بڑھ کر افشاں کو کندھے سے تھاما تھا۔

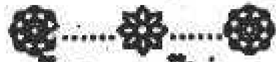
افشاں نے بغل میں ایک چھوٹا سا پرس چھپا رکھا تھا وہ ڈر کر پیچھے ہٹی تھی۔ شاہزیب نے مہر النساء کو سمجھایا تھا کہ وہ اس وقت پریشان ہے اسے کمرے میں لے جائیں' مہر النساء اسے کمرے میں لے آئی تھی۔ افشاں ابھی بھی گم صم تھی' مہر النساء نے اس سے زیادہ باز پرس نہیں کی اور اسے سونے کا کہہ کر چلی گئی تھیں۔ افشاں کی وہ ساری رات عجیب سی کشمکش میں گزری تھی' خالہ بی نے اسے اپنے جیٹھ کے گھر کا ایڈریس دے دیا تھا۔ وہ ساری رات سوچتی رہی کہ اب آگے کیا کرنا ہے؟

اگلے دن مہر النساء واپس حویلی آ گئی تھیں' عائشہ اور افشاں بھی ساتھ تھیں وہاں آ کر وہ بابا صاحب کو دیکھ کر ایک بار چونکی تھیں۔ وہ بابا صاحب کو کئی بار اپنے گھر میں دیکھ چکی تھیں' سکندر کے والد کے روپ میں۔ بابا صاحب کا نام خاندانی حیثیت ہر چیز واضح تھی کہ وہ اجنبی لوگوں میں نہیں ہے افشاں کا ذہن عجیب سے دوراہے پر تھا۔ ایک دل کرتا تھا کہ عائشہ کو یہاں چھوڑ کر خود یہاں سے چپ چاپ چلی جائے لیکن وہ کہاں جاتی؟ خالہ بی کے سسرالی لوگ نجانے کیسے ہوتے؟ اور اس کا اپنا گھر وہ بھلا اکیلی وہاں جا کر کیا کرتی؟ اب صرف ایک صورت بچی تھی کہ وہ ضیاء سے رابطہ کرتی اور اس کو بتاتی کہ وہ زندہ ہے اور ضیا اس کو آ کر لے جائے اور یہ آخری سوچ تھی جو دل و دماغ سے چمٹ کر رہ گئی تھی۔

اب صرف یہی حل تھا کہ وہ خاموشی سے یہاں رہ کر حالات کا انتظار کرتی۔ وہ بول سکتی تھی لیکن بولنے کی کوشش نہ کی' سارا وقت گم صم پڑی رہتی پھر انہوں نے ایک خط لکھا تھا اور وہ خط پوسٹ کرنے کا انہیں موقع بھی مل گیا تھا۔ حویلی میں اس دن کوئی نہ تھا ملازمین سے نظر بچا کر وہ حویلی سے نکل آئی تھیں۔ گاؤں سے باہر پوسٹ آفس تھا خط ڈال کر وہ واپس آ گئی تھیں اور خط کے جواب کا انتظار کرنے لگی تھیں لیکن جواب تھا کہ آ کے ہی نہیں دے رہا تھا۔ وہ اب اپنی چپ سے خود بھی پریشان ہو چکی تھیں۔ ان دنوں ایک بار پھر شہر جانے کا اتفاق ہوا تھا مہر النساء نے نند کے ہاں جانا تھا ان کو بھی

ساتھ لے آئی تھیں۔ وہ موقع دیکھ کر خالہ بی کے دیئے گئے سسرالی ایڈریس پر چلی آئی تھیں۔
خالہ بی سے بھی کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں ملا تھا۔ خالہ بی نے بہت کہا تھا کہ وہ ان کے پاس آ جائے لیکن وہ بہت مایوس ہو چکی تھیں وہ واپس آئیں تو عجیب نڈھال سا انداز تھا۔ مہر النساء ابھی گھر نہیں لوٹی تھیں' وہ لوٹیں تو علم ہوا کہ افشاں آج پھر گھر سے غائب رہی تھیں' وہ اس کے پاس آئی تھیں افشاں سے پوچھا تو وہ خالی نظروں سے ان کو دیکھنے لگیں' مہر النساء کو افشاں پر بہت دکھ ہوا۔
"تم ہمیں بتاؤ گی تو ہمیں تمہارے گھر والوں اور رشتہ داروں کو تلاش کرنا آسان ہوگا۔ ڈاکٹرز کہتے ہیں تم بول سکتی ہو لیکن حادثے کی وجہ سے تمہاری گویائی کا مسئلہ ہوا ہے جب تم اکیلی باہر نکلتی ہو تو مجھے ٹینشن ہونے لگتی ہے کہ کہیں خدانخواستہ تمہارے ساتھ کوئی مسئلہ نہ ہو جائے۔" افشاں نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔
"میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔" بہت عجیب سی آوازوں میں اُلجھے افشاں کے یہ الفاظ ایسے تھے کہ مہر النساء حیران رہ گئی تھیں' افشاں کے حلق سے آواز گھٹ گھٹ کے آ رہی تھی۔
"یہ بچی تمہاری بیٹی ہے۔" افشاں نے بمشکل سر ہلایا تھا۔
"تم بول سکتی ہونا' مجھے بتاؤ تم کون ہو کہاں سے ہو؟" محبت سے مہر النساء نے مزید پوچھا تھا۔
اور تب افشاں کے دل میں جو آیا وہ کہہ گئی۔ افشاں نے عائشہ کا نام شہوار بتایا تھا اور اپنا نام تابندہ۔ شہوار کے باپ کا نام سکندر' اس نے سکندر کے والد سبحان احمد کا ایڈریس بھی دے دیا تھا۔
مہر النساء نے شاہزیب کو ساری معلومات دے دی تھیں اور شاہزیب صاحب نے معلومات کی تصدیق کروائی تو سکندر واقعی سبحان احمد کا بیٹا تھا لیکن بعد کی باتیں ایسی تھیں کہ جس سے معلوم نہ ہو سکا تھا کہ والدین کی وفات کے بعد سکندر نے کس سے شادی کی تھی وہ کب مرا؟ اور تابندہ کے سسرال والوں نے اسے کیوں گھر سے نکالا؟ افشاں کا خیال تھا کہ وہ وقتی طور پر اس گھر میں رہ لیں گی جب بھی ضیاء کی طرف سے کوئی رابطہ ہوا وہ ان لوگوں کو سچ بتا دیں گی لیکن ان کا انتظار انتظار ہی رہا اور کبھی کسی نے پلٹ کر ان کے خط کا کوئی جواب تک نہ دیا تھا آہستہ آہستہ خالہ بی سے روابط بھی ختم ہوتے گئے اس نے خالہ بی کو خود سے رابطہ کرنے سے منع کر رکھا تھا وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔
مسلسل تھراپی سے وہ اب روانی سے بولنے کے قابل ہو چکی تھیں۔ حویلی والوں نے انہیں عزت دی تھی اپنے گھر رکھا تھا' پناہ دی تھی وہ بھی ان کے ساتھ رہنے لگی تھیں ان کے معاملات کو اپنے معاملات سمجھنے لگی تھیں۔ وقت مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بدلنے لگے تو تابندہ کا انتظار بھی مرنے لگا تھا اس کی جھوٹی کہانی ہی اب اس کی شناخت بنتی جا رہی تھی۔ ان کے پرس میں لائی گئی چیزوں میں کچھ تصاویر کے علاوہ ایک چھوٹا سا شناختی کارڈ ایسا تھا جو جھوٹ نہ تھا جو شہوار کے مستقبل کا تعین کر سکتا تھا۔ شہوار بڑی ہو رہی تھی اور انہیں اپنی بیٹی روشی یاد آتی تھی اور پھر انہوں نے اپنی ذات کو پس پشت ڈالتے صرف اور صرف شہوار کی ذات پر توجہ مرکوز کر دی تھی۔ کبھی کبھار خالہ بی سے بھی رابطہ کیا تھا وہ اب اس پرانے گھر میں منتقل ہو گئی تھیں۔ انہوں نے شہوار کو جنم نہیں دیا تھا لیکن انہوں نے شہوار کی تربیت ماں بن کر کی تھی۔
شہوار کے سوالات کے وہ جوابات نہیں دے سکتی تھیں لیکن انہوں نے طے کر لیا تھا کہ سکندر جس خاندان کا حصہ نہیں بن سکا اس خاندان میں شہوار کو ضرور پہچان دلوائیں گی اور پھر وقت نے ثابت کر دیا کہ ان دونوں کے لیے یہ خاندان کس قدر مہربان ہے شہوار مصطفیٰ سے شادی کے خلاف تھی وہ اپنا ماضی جاننا چاہتی تھی لیکن انہوں نے اس کی تمام تر مخالفت کے باوجود مصطفیٰ سے اس کی شادی کر دی تھی اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے حویلی چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ انہوں نے ایک بار پھر پرانے رشتوں کو کھوجنے اور تلاش کرنے کی کوشش کی تھی لیکن سب لاحاصل تھا۔

اور پھر ایک دن عجیب سا واقعہ ہوا تھا' وہ شاپنگ کے لیے گئی تھیں لیکن واپسی پر ایک چہرہ دکھائی دیا تھا اس چہرے پر انہیں سکندر کا گمان ہوا تھا لیکن پھر کچھ معلوم نہ ہو سکا تھا۔ وہ کئی دن تک اپنے وہم کی تردید کرتی رہی تھیں اور پھر انہوں نے ان رشتوں' کو تلاش کرنے کی کوشش شروع کردی تھی اور اب اچانک مصطفیٰ ان کے پاس آ کر ان کو لے آیا تھا اور اب صبوحی سے سامنا ہونا' وہ جیسے شل کر رہ گئی تھیں۔



وہ دونوں شہوار کے پاس تھیں' روشی خود ماں بن رہی تھی وہ جانتی تھیں یہ کیسی اذیت ہوتی ہے وہ شہوار کی تکلیف سمجھ سکتی تھیں۔ دونوں بڑی دلجمعی سے اس کو بہلا رہی تھیں' شہوار کے آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے انا اور روشانے متواتر اس کی تسلی و تشفی کر رہی تھیں۔

"ماما کہاں رہ گئی ہیں......؟" کچھ دیر بعد شہوار سنبھلی تو انا کو بھی اردگرد کا خیال آیا تھا اس وقت کمرے میں عائشہ' مہر النساء بیگم' شہوار' روشی اور انا موجود تھیں' صبوحی بیگم کہیں بھی نہ تھیں۔

"کمرے تک تو ہمارے ساتھ ہی تھیں۔" روشی کو بھی خیال آیا۔

"میں دیکھتی ہوں' ہوسکتا ہے باہر ہی رک گئی ہوں۔" انا کہہ کر کمرے سے نکل آئی تھی۔ "شاید ویٹنگ روم میں نہ چلی گئی ہوں۔" وہ سوچتے ہوئے اس جانب آئی لیکن وہاں صرف مرد حضرات تھے وہ کہیں نہ تھیں۔ "نہ جانے کہاں رہ گئی ہیں۔" وہ واپس پلٹ آئی تھی۔ کمرے میں واپس جانے سے پہلے اس نے دوسری طرف جاتی راہداری کو دیکھا۔ "کہیں ادھر تو نہیں نکل آئیں غلطی ہے۔" وہ اس جانب چل دی۔ راہداری کے اختتام پر برآمدہ تھا جہاں کرسیاں رکھ کر بیٹھنے کا انتظام تھا' وہاں پہنچ کر انا چونکی تھیں' صبوحی بیگم اور تابندہ بی دونوں وہاں موجود تھیں۔ تابندہ بی سے وہ خصوصی طور پر بھی نہ مل پائی تھی بس شہوار کے نکاح اور پھر رخصتی پر ان سے سلام دعا ہوئی تھی۔

"ماما......" وہ قریب آئی تو دونوں چونکی۔ دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے دونوں نے ٹھٹک کر اپنے آنسو صاف کیے تھے۔

"السلام علیکم!" قریب آ کر انا نے تابندہ بی کو سلام کیا۔ وہ کھڑی ہوگئی تھیں صبوحی بیگم بھی ساتھ کھڑی ہوگئی تھیں۔

"یہ میری بیٹی انا ہے جب آپ نے اسے آخری بار دیکھا تھا یہ چھوٹی سی تھی اور اب اتنی بڑی ہوگئی ہے۔" صبوحی بیگم نے نمناک لہجے میں کہا' تابندہ بی نے آگے بڑھ کر محبت سے اسے گلے لگالیا۔

"دیکھو دو بار ہمارا سامنا ہوا شہوار کے نکاح اور رخصتی پر اور میں اسے قطعی نہ پہچان پائی۔" تابندہ بی نے محبت سے پیشانی چومی جبکہ انا کبھی دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"سب قسمت کا ہیر پھیر ہے بھابی! ورنہ اتنا کچھ ہوتا ہی کیوں؟"

"ہاں میری قسمت نے مجھے سب سے دور کردیا شاید یہی سب لکھا تھا۔" دونوں نے اپنی آنکھیں صاف کی جبکہ انا پریشان ہو کر ان کی باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"روشی کہاں ہے؟" صبوحی بیگم نے پوچھا۔

"کمرے میں شہوار کے پاس ہے۔"

"آئیں وہیں چلتے ہیں۔" صبوحی بیگم نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو تابندہ بی کی آنکھیں ایک بار پھر چھلک پڑی۔

"میں اپنی بیٹی کا سامنا کیسے کر پاؤں گی اور اتنے لوگ ہیں کس کس کے سوالوں کے جواب دوں گی اور شہوار

وہ تو پہلے ہی اتنے بڑے صدمے سے گزر رہی ہے اسے جب حقیقت کا علم ہوگا وہ تو جیتے جی مرجائے گی۔"
صبوحی بیگم نے سر ہلایا۔
"جاؤ انا! روشی کو لے کر ادھر ہی آ جاؤ" ابھی شہوار کسی اور صدمے کی متحمل نہیں ہوسکتی۔" نجانے کیا باتیں ہو رہی تھیں۔ شہوار کی والدہ اور ماما کا آپس میں نجانے کیا تعلق تھا جو وہ دونوں ایسا کہہ رہی تھیں۔
"جی ماما!" انا چلی گئی اور پھر کچھ دیر بعد روشی کے ساتھ آئی تھی۔ تابندہ بی روشی کو دیکھ کر ایک دم ساکت ہوئی تھیں۔ ساری عمر جس انتظار میں گزاری تھی آج وہ انتظار ختم بھی ہوا تو کیسے۔ وہ بے اختیار روشی کی طرف بڑھی اور بڑی شدت سے روشانے کو گلے لگالیا تھا۔ روشانے اور انا دونوں حیرت زدہ تھیں جبکہ صبوحی بیگم کی آنکھوں سے مسلسل آنسو گر رہے تھے۔
"میری بچی میری جان......" تابندہ بی صرف یہی الفاظ دہرا رہی تھیں جبکہ روشی کو لگ رہا تھا کہ جیسے کسی نے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی ہو۔ وہ والہانہ انداز میں روشی کا چہرہ چوم رہی تھیں۔ ہاتھوں کا بوسہ لے رہی تھیں ان کی شدت اور تڑپ دیکھنے والی تھی۔
"ماما...... یہ سب کیا ہے؟" انا گم صم تھی اس نے صبوحی بیگم کا کندھا ہلایا تو انہوں نے بہتی آنکھوں سے حیران و پریشان سی انا کو دیکھا۔
"یہ میری بھابی ہیں روشانے کی والدہ ضیاء بھائی کی بیگم اور تمہاری ممانی افشاں بھابی!" انا ایک دم ساکت ہوئی تھی دوسری طرف روشی بھی تھم سی گئی تھی۔
"لیکن یہ تو شہوار کی والدہ ہیں۔" انا بے یقین تھی۔
"نہیں یہ شہوار کی والدہ نہیں ہیں، شہوار کی ماں لالہ رخ تھی جو مر چکی ہیں۔"
آج کیسے کیسے انکشافات کا دن تھا انا نے بے یقینی سے سب کو دیکھا۔ بے یقین تو روشی بھی تھی وہ حیرت سے گنگ کبھی تابندہ کو دیکھتی تھی اور کبھی صبوحی بیگم کو۔
"صبوحی میری بدقسمتی دیکھوں روشنی سے دوبار میرا سامنا ہوا انا کے ساتھ یہ بھی شہوار کے نکاح میں اور رخصتی میں شریک ہوئی تھی میں پھر بھی اس کا نا پہچان پائی اور پہچانتی بھی کیسے یہ تو ماشاء اللہ سے اتنی بڑی ہوگئی ہے اور مجھے ضیاء صاحب اور وقار بھائی سے ملنا ہے صبوحی۔" روشی کو محبت سے بازو کے حصار میں لیتے ہوئے کہا تو صبوحی بیگم نے سر ہلایا اور روشانے عجیب سی کیفیت کا شکار ہو رہی تھی۔
"ہمارے ساتھ سکندر بھائی کا بیٹا عیسیٰ بھی ہے وہ نجانے کیا سوچے ابھی سب کو بہت تحمل سے سب کچھ بتانے کی ضرورت ہے۔ میں شہوار سے مل کر گھر جاتی ہوں سب کو ساتھ لے کر آتی ہوں۔"
"عیسیٰ وہ زندہ ہے۔" تابندہ بی نے اپنی کہانی تو سنادی تھی لیکن ابھی صبوحی بیگم نے بہت سی باتوں سے پردہ نہیں اٹھایا تھا۔
"جی ضیاء بھائی اسے اپنے ساتھ باہر لے گئے تھے۔"
"اوہ...... تو پھر وہ مرنے والے کون لوگ تھے؟ وہ بچہ وہ عورت وہ دو بچیاں...... مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی میں تو سمجھی تھی کہ عائشہ میرے پاس ہے لالہ رخ واپس آ گئی ہوں گی رابعہ کے ساتھ اور ہوسکتا ہے ضیاء نے عیسیٰ کو وہاں ان کے پاس چھوڑ دیا ہو۔"
"یہ تو وہ معمہ ہے جو کوئی بھی حل نہیں کر پایا نجانے کون معصوم بچے لقمہ اجل بنے ہوں گے۔" تابندہ بی الجھی تھی۔

"ہم تو عیسیٰ کی زندگی کے تحفظ کے لیے پھر دوبارہ کہیں گئے ہی نہیں نہ اس پرانے گھر اور نہ ہی لالہ رخ کے نئے گھر میں۔ سنا ہے راکھ کا ڈھیر بن گیا تھا وہ گھر حتیٰ کہ ہر رشتے دار سے تعلق ختم کرلیا ہم نے۔" تابندہ بی بڑے نڈھال انداز میں کرسی پر گری تھیں۔ نجانے کس کس نے کہاں کہاں کیا کیا قربانیاں دی تھیں۔

"سکندر آ کر دیکھو آج تمہاری اولاد کو تحفظ دیتے دیتے ہم سب نے کیا کچھ جھیلا ہے۔ کاش تم دیکھتے کون کون تمہاری اولاد کے لیے کیا کیا قربان کرگیا ہے۔" ان کی آنکھوں سے پھر آنسو بہنے لگے تھے۔

صبوحی بیگم ان کو تسلی اور دلاسہ دیتے خود شہوار کے پاس چلی آئی تھیں جبکہ روشی اور وہ گم صم سی ان کو دیکھ رہی تھی۔

"ایسے کیوں دیکھ رہی ہو تم دونوں؟" انہوں نے پوچھا تو دونوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

"مجھے کسی بھی بات کی سمجھ نہیں آرہی۔" روشی نے الجھ کر کہا۔

"سب سمجھ آجائے گا بس تھوڑا سا انتظار کرلو۔" ان کا انداز بڑا کمزور سا تھا۔ وہ صدمات سہتے سہتے نڈھال سی ہوگئی تھیں، دونوں نے خاموشی سے ان کو دیکھا۔

کچھ دیر بعد صبوحی بیگم واپس آئی تھیں انہوں نے دونوں سے کچھ کہا تو وہ دونوں شہوار سے ملنے چل دی تھیں۔ ان سے مل کر وہ واپس آئیں تو صبوحی بیگم اور تابندہ بی باتیں کر رہی تھیں۔

"ہم سب آج شام مصطفیٰ کی طرف چکر لگاتے ہیں آپ ادھر ہی رکیے گا کہیں اور نہیں جانا پلیز۔" تابندہ بی نے محض سر ہلایا۔

وہ تینوں تابندہ بی سے مل کر ویٹنگ روم کی طرف آگئی تھیں جہاں سے ولید کو ساتھ لے کر ان کو واپس جانا تھا۔

❀......❀......❀

تابندہ بی کی طبیعت ہسپتال میں بہت خراب ہوگئی تھی۔ وہ کھڑے کھڑے گرگئی تھیں ان کی بے ہوشی پر سبھی پریشان ہوگئے تھے۔ ڈاکٹر نے کمزوری کا بتا کر آرام کرنے کو کہا تھا تو عباس بھائی ان کو گھر چھوڑ گئے تھے باقی لوگ ہسپتال آجارہے تھے تابندہ بی کے ساتھ مہر النساء بیگم بھی گھر آگئی تھیں۔ تابندہ بی گھر آئیں تو بابا صاحب نے ان کو بلوا بھیجا تھا۔ وہ بڑے مجرمانہ انداز میں ان کے سامنے بیٹھی تھیں۔

سلام دعا اور حال چال کے بعد دونوں طرف خاموشی چھارہی تھی۔ تابندہ بی کو اپنی وہ کال یاد آنے لگی جو انہوں نے کچھ ماہ پہلے بابا صاحب کو کی تھی۔

"کیا آپ جانتے ہیں بابا صاحب کہ شہوار کون ہے؟" اپنی کال کے اختتام پر انہوں نے کہا تھا۔

"کون ہے وہ؟"

"آپ کو اپنے دوست سبحان احمد اور اس کی بیوی حاجرہ کا تو علم ہوگا نا بابا صاحب؟"

"سبحان احمد......" وہ چونکے تھے۔

"سبحان احمد نے ایک بیٹا لے کر پالا تھا کیوں کہ سبحان احمد کی اپنی کوئی سگی اولاد نہ تھی۔" دوسری طرف جیسے خاموشی چھاگئی تھی۔

"شہوار کا باپ سکندر اسی سبحان احمد کا لے پالک بیٹا ہے۔" اور دوسری طرف بابا صاحب کا وجود جیسے ایک دم شدید طوفان کی زد میں آگیا تھا۔

"سکندر نے اپنے باپ کو قبول کرنے سے انکار کردیا تھا اور قسمت کا کھیل دیکھیں سکندر کی بیٹی نے اپنے دادا کی حویلی میں پرورش پائی اور اپنے چچا کے بیٹے کا نصیب بن گئی۔"

"تم کون ہو؟" بابا صاحب نے خوف زدہ ہو کر پوچھا تھا۔
"میں اسی سکندر کی وہ خالہ زاد ہوں جس کی ماں کا نام مہر النساء تھا' بابا صاحب! میں بہت شرمندہ ہوں ایک عرصہ تک آپ کے درمیان رہی آپ کے درد کو محسوس کرتی رہی لیکن آپ کے لیے کچھ نہ کر سکی۔ میں نے بہت حقائق چھپائے ہیں لیکن میں مجبور تھی' کبھی زندگی رہی اور جس کے لیے میں دوبارہ حویلی سے نکلی ہوں وہ سب مجھے دوبارہ میسر آ گیا تو میں لوٹ کر آؤں گی اور آپ کے سب سوالوں کے جواب دوں گی۔"
اور آج اسے وہ تمام کھوئے ہوئے رشتے مل گئے تھے اور آج وہ بابا صاحب کے سامنے تھیں' بابا صاحب نے کسی کو بھی اندر آنے سے منع کر رکھا تھا اور تابندہ بی مجرمانہ انداز میں سر جھکائے ان کے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں۔
"میں کوئی سوال نہیں کروں گا' مصطفیٰ مجھے بہت کچھ بتا چکا ہے میں مزید صبر نہیں کر سکتا تم جو کچھ جانتی ہو آج سب کہہ دو۔ مجھ بوڑھے کی اذیت اور تکلیف سے تم بے خبر نہیں آج میں اس اذیت اور تکلیف سے آزاد ہونا چاہتا ہوں۔"
بابا صاحب نے بہت دیر بعد لب کشائی کی اور تابندہ بی ان کے رکے آنسو ایک بار پھر بہہ نکلے تھے۔
تابندہ بی نے وہ سب کہہ دیا جو کچھ وہ جانتی تھی۔ سکندر کی زندگی سے لے کر لالہ رخ کی ذات تک اور پھر ہمایوں جیسے کرپٹ انسان کی ذلالت سے لے کر خود کے تابندہ بننے تک کی ساری کہانی اور بابا صاحب وہ بہتی آنکھوں سے سب سن رہے تھے اور روتے رہے تھے۔
"کتنا بد نصیب باپ ہوں جو بیٹے پر بیتنے والی مصیبتوں میں سے کسی ایک کا بھی ازالہ نہ کر سکا بیٹے کی محبت میں' میں جب بھی اس کے گھر آیا خود غرضی میں' میں نے کسی پر توجہ ہی نہیں دی اس وجہ سے ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے میں تمہیں کبھی پہچان نہیں پایا اور میری پوتی میرے سامنے رہی اور میں پہچان نہ سکا۔" وہ بے اختیار رو دیے تھے۔ تابندہ بی بس سر جھکائے ان کے سامنے بیٹھی رہی تھیں۔
"میرے فیضان کا بیٹا زندہ ہے؟" انہوں نے کچھ توقف کے بعد پوچھا تھا۔
"جی! صبوحی نے یہی بتایا ہے مجھے۔"
"وہ بچہ اس وقت کہاں ہے؟" انہوں نے پھر پوچھا۔
"اس بارے میں صبوحی نے مجھے کچھ نہیں بتایا وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ سب شام میں چکر لگائیں گے ہو سکتا ہے عیسیٰ بھی ساتھ ہو۔" بابا صاحب نے محض سر ہلایا۔
"جب ہمیں ہمارے ملازم نے اطلاع دی تھی کہ سکندر کی کوئی خبر نہیں اور اس کا سارا خاندان گھر میں آگ لگنے سے مر چکا ہے تو ہم بہت اذیت میں رہے تھے۔ اسی شب تم ہمیں ملی تھیں' ہم اپنا دکھ کسی سے کہہ بھی نہیں سکتے تھے۔ ملازم سے جو کچھ ہو سکا اس نے کیا لیکن ہمیں کوئی اطلاع نہ مل سکی اور ہم ساری عمر گناہ کا احساس لیے اپنے ضمیر کی عدالت میں تڑپتے' جلتے اور مرتے رہے۔" تابندہ بی کا دل ان کے غم سے سسکنے لگا تھا۔
"کاش کوئی ہمیں بتا جاتا کہ میرے سکندر کی اولاد ابھی زندہ ہے تو شاید میں کفارے کی کوشش کرتا' کوئی سدباب کرتا۔ کتنی اذیت اور بے بسی کی بات ہے میری پوتی میری آنکھوں کے سامنے رہی اور میں بے خبر رہا۔ اس کے خاندان پر لوگ انگلیاں اٹھاتے رہے اور میں خاموش رہا۔" تابندہ بی نے گہرا سانس لیا تھا۔
"آپ کی دوسری شادی اور اولاد کے متعلق آپ کا پورا خاندان بے خبر تھا پھر بھلا میں کیسے اس راز کو عیاں کر دیتی۔"
"کاش میرے اختیار میں ہو' میں وقت کا پہیہ الٹ سکوں تو اپنے بیٹے کے ہر دکھ درد کا مداوا کر دوں۔" ان کا احساس زیاں ان کو ندامت کے آنسو رلا رہا تھا اور تابندہ بی بے بسی سے ان کو دیکھ رہی تھیں۔

ایاز کی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ مل گئی تھی، مصطفیٰ کو تھوڑی دیر کے لیے آفس آنا پڑا تھا وہاں اور بھی بہت سے امور تھے جو توجہ طلب تھے۔ امجد خان کو بھی بلا بھیجا تھا۔

"ہاں کیا رپورٹ ہے؟"

"عبدالقیوم کے گھر کا مکمل طور پر محاصرہ کیا جاچکا ہے اس کی بیوی اور دونوں لڑکیاں ہماری نگاہ میں ہیں۔ عبدالقیوم کے متعلق ہمیں ایک کلیو ملا ہے۔"

"کیسا کلیو؟" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"جیسا کہ ان کے گھر کا فون مسلسل ٹیپ کیا جارہا ہے اور اس پر دو دن پہلے اسلام آباد کے نمبر سے ایک کال آئی تھی۔ دو دن پہلے عبدالقیوم پاکستان پہنچا ہے لیکن گھر والوں کو قطعی خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے وہ جو فون کال آئی تھی وہ ائیر پورٹ سے تھی۔ اس کے بعد عبدالقیوم کی طرف سے مسلسل خاموشی ہے۔ کال عادلہ نے ریسیو کی تھی جو عبدالقیوم کی بڑی بیٹی ہے اس نے بتایا ہے کہ عبدالقیوم کسی کام کے سلسلے میں پاکستان میں ہے باقی کسی کو خبر نہیں ہے اس وقت وہ کہاں ہے یہ بھی عادلہ کو علم نہیں کیونکہ عبدالقیوم نے کہا تھا کہ بعد میں کال کرے گا اور گھر والوں کو موجودہ پتے کا بتائے گا۔"

"اوہ...... ان لوگوں پر نظر رکھو اسلام آباد کی پولیس کو انفارم کردو کہ یہ شخص مطلوب ہے اور کہیں بھی بھاگنے نہ پائے۔ ہر جگہ تلاشی لی جائے ائیر پورٹ پر ہر جگہ انفارم کردو سیکیورٹی سخت کردو۔ لڑکیوں کے موبائل بھی اپنی تحویل میں لے لو جو بھی کال آئے فوراً ریکارڈ کی جائے۔"

"یس سر۔" امجد خان نے فوراً سر ہلایا۔

"اور ہاں یہ لالہ رخ والا کیس کہاں تک پہنچا؟" مصطفیٰ نے مزید پوچھا۔

"سارا کچھ آپ کے سامنے ہے سر! ہر بات کلیئر ہوچکی ہے بس یہ عبدالقیوم ہاتھ لگ جائے ایک بار۔" مصطفیٰ نے سر ہلایا۔

"وہ گھر جب جلا تھا پوسٹ مارٹم رپورٹس تو ہوں گی پرانا ریکارڈ سارا نکلواؤ اور ان لاشوں کی پوسٹ مارٹم رپورٹس مجھے چاہیے اب یہ رپورٹس ہی فیصلہ کریں گی کہ مرنے والے کون تھے۔"

"یس سر! میں ریکارڈ نکلواتا ہوں۔" امجد خان نے فوراً کہا۔

"مجھے ایک دو دن میں یہ کیس فائنل کرنا ہے ہر ممکن طریقے سے عبدالقیوم کو سرچ کرنے کی کوشش کرنا ہوگی۔ بہت ڈھیل مل چکی اس فیملی کو اب اس فیملی کا ایک ایک فرد پکڑا جائے گا۔" مصطفیٰ کا انداز ٹھوس اور اٹل تھا امجد خان نے فوراً سر ہلایا۔

مصطفیٰ امجد خان کو کچھ اور بریفنگ دیتا رہا تھا جس کے بعد امجد خان وہاں سے چلا گیا تھا جبکہ مصطفیٰ پرسوچ انداز میں اپنے سامنے ایک فائل کھول کر اس کو دیکھنے لگا تھا۔

❀......❀......❀

وہ سب گھر آئیں تو صبوحی بیگم نے کال کر کے وقار صاحب، احسن سب کو بلالیا تھا۔ ضیاء صاحب پہلے ہی موجود تھے ولید بھی اس صورت حال میں وہاں موجود تھا۔ صبوحی بیگم نے سب کو دیکھا اور پھر روشی کو۔ انا اور روشی دونوں عجیب سی کیفیت کا شکار تھیں دونوں کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھیں۔

"کیا بات ہے صبوحی کیوں اس طرح ایمر جنسی میں سب کو بلایا ہے تم نے؟" ضیاء صاحب صبوحی بیگم کے انداز دیکھ

کر ٹھٹکے تھے۔
''میں آج افشاں بھابی سے ملی ہوں۔'' وہاں موجود ہر فرد چونکا تھا۔
''افشاں سے......'' ضیاء صاحب کو لگا کہ جیسے ان کے سینے میں شدید درد نے انگڑائی لی ہو۔
''ہاں افشاں بھابی سے۔'' صبوحی بیگم کی آواز رندھی۔
''کیسی باتیں کررہی ہو صبوحی! وہ تو مر......'' وقار صاحب نے کچھ کہنا چاہا تھا جب کہ صبوحی بیگم نے ان کی بات کاٹ دی تھی۔
''وہ مری نہیں بلکہ زندہ ہیں' میں خود ان سے ملی ہوں بلکہ روشی اور انا بھی ان سے ملی ہیں۔'' انہوں نے ضیاء صاحب کے پاس بیٹھ کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا' سبھی الجھے ہوئے تھے جبکہ روشی کی چہرے پر آنسو کی ہلکی لکیریں بننے لگی تھیں۔ ولید کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا' اسے لگ رہا تھا کہ برسوں بعد وہی انکشاف ہونے والا تھا۔
''افشاں......!'' یہ نام وہ کبھی نہیں بھول سکتا تھا' وہ تو برسوں سے اس نام کی گونج محسوس کرتا رہا تھا' ولید نے لب بھینچ لیے تھے۔
''شہوار جو انا کی دوست ہے اس کی جو ماں ہے وہی تو ہماری افشاں بھابی ہیں۔'' وقار صاحب اور ضیاء صاحب بے یقین تھے۔
''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟'' ضیاء صاحب کی آواز ڈوبنے لگی تھی۔
''میں خود اس کو دیکھ کر مل کر اور باتیں کر کے نہ آئی ہوتی تو میں بھی یہی کہتی کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے لیکن یہ سچ ہے افشاں بھابی زندہ ہیں۔'' صبوحی بیگم نے بھائی کا ہاتھ تھاما تھا۔
''اور پتا ہے شہوار کون ہے؟'' احسن حیرت زدہ جبکہ وقار صاحب اور ضیاء صاحب گم صم۔
''وعیسی کی چھوٹی بہن عائشہ ہی شہوار ہے۔'' صبوحی بیگم نے ولید کو دیکھا' ولید کا چہرہ خطرناک حد تک سنجیدہ ہوگیا تھا۔
''لالہ رخ اور سکندر بھائی کی بیٹی...... ہمارے ولید کی بہن......'' ولید نے مٹھیاں بھینچ لی تھیں جبکہ روشی اور انا نے بے یقین نظروں سے پہلے صبوحی بیگم اور پھر ولید کو دیکھا تھا۔
''کیا کہہ رہی ہو تم' کہاں ہیں افشاں بھابی تم ان سے ملی ہو تو ان کو ساتھ کیوں نہیں لائیں۔'' وقار صاحب کا ضبط جواب دے گیا تھا' انہوں نے کہا تو صبوحی بیگم نے سر ہلایا۔
''ولید کسی بھی بات سے باخبر نہیں تھا اس طرح شہوار بھی' میں نے سوچا پہلے ولید کو بتادوں اس کے بعد سب شام میں ان کی طرف چلتے ہیں۔ افشاں بھابی مصطفیٰ کی طرف ہیں وہ تو خود سب سے ملنے کو بے چین ہیں۔''
''میں سب جانتا ہوں۔'' صبوحی بیگم کی بات کے جواب میں ولید نے کہا تو سبھی ایک پل کو ساکت ہوگئے تھے۔
''ولید......'' احسن نے اس کے کندھے پر بے اختیار ہاتھ رکھا۔
''جب ہمارا گھر جلا تھا میں اس وقت عمر کے جس دور میں تھا وہاں ایسے واقعات کبھی نہیں بھولتے' کسی بھیانک خواب کی طرح' ہماری عمر ذہن کی سلیٹ پر چپاں ہوجاتے ہیں۔ بابا نے جس طرح حالات سے سروائیو کرتے مجھے یہاں سے نکالا اور باہر لے گئے میں کسی بھی بات سے بے خبر نہ تھا۔'' ولید نے بہت حوصلے اور ضبط سے کہا۔
''ولید......'' صبوحی بیگم بے اختیار رو پڑی تھیں۔
''نہ میں اپنے باپ کی شکل بھول پایا ہوں اور نہ ہی اپنی ماں کی لیکن مجھے نہیں علم تھا کہ شہوار ہی میری بہن ہے۔ بابا

کی طرح میں نے بھی یقین کرلیا تھا کہ ان مرنے والوں میں سبھی مر چکے ہیں' میری دونوں بہنیں' میری ماں اور افشان آنٹی بھی۔" ولید کا ضبط کمال کا تھا۔ احسن نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔

"بابا نے مجھے بیٹے سے بڑھ کر چاہا اور پالا میں بھلا ان کی محبتوں کو کیسے فراموش کردیتا لیکن میرا سارا بچپن عجیب سے خوف میں گزرا تھا' مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی تھی میں ہر وقت اپنے گھر کو شعلوں میں لپٹے دیکھتا تھا اور پھر میں نے ان سب کو جان بوجھ کر بھلانا شروع کردیا' لیکن یہاں پاکستان آنے کے بعد ایک بار پھر وہ سب یاد آنے لگا اور پھر ایک دن میں نے اس شخص کو دیکھا تھا وہ شخص بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ میرے بچپن میں پرانے گھر میں گھس کر میری ماں کو دھمکاتا تھا۔ عبدالقیوم وہ نام بدل چکا تھا لیکن میں نے اسے پہچان لیا تھا۔ میرا حافظہ چہروں کو یاد رکھنے کے معاملے میں بہت شارپ ہے مجھے بچپن کے بہت سے چہرے ابھی تک نہیں بھولے یہ تو میرے اپنے تھے ان کو بھلا کیسے بھول جاتا۔" ولید نے سر جھکائے دل میں موجود ہر بات کہہ ڈالی سبھی گم صم اور افسردہ تھے۔

"ولید ادھر آؤ۔" ضیاء صاحب نے پکارا تو وہ اٹھ کر ان کے پاس جا بیٹھا' انہوں نے محبت سے ساتھ لگا کر پیشانی چومی' ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"تم میرے بیٹے ہو یہ بات کبھی مت بولنا۔" اور ولید نے محض سر ہلایا اس کے بعد صبوحی بیگم نے وہ سب کہہ ڈالا جو تابندہ بی نے بتایا تھا ہر بات ہر لفظ' ہر چیز...... سبھی گم صم صبوحی بیگم کو سن رہے تھے ولید نے ضبط سے لب دانتوں تلے دبا رکھے تھے۔ ضیاء صاحب کے دل کا درد بڑھتا جارہا تھا' وقار صاحب' احسن' انا سبھی حیرت زدہ تھے اور روشی اس کے چہرے پر محض آنسو تھے۔



بابا صاحب کی طبیعت کچھ ناساز تھی مہرالنساء بیگم نے ڈاکٹر کو بلالیا تھا۔ بابا صاحب مصطفیٰ سے ملنا چاہتے تھے مہرالنساء بیگم نے مصطفیٰ کو کال کردی تھی۔ کچھ دیر بعد مصطفیٰ آگیا تھا' بابا صاحب اپنے کمرے میں لیٹے ہوئے تھے اور تابندہ بی ان کے پاس تھیں۔ مصطفیٰ کو ساری صورت حال سمجھنے میں کچھ پل لگے تھے اس نے ایک ناراض سی نگاہ تابندہ بی پر ڈالی تھی۔

"ادھر آؤ۔" بابا صاحب نے پاس بلالیا' مہرالنساء بیگم بھی وہیں تھیں۔

"تم جانتے تھے کہ تابندہ کہاں ہے؟" بابا صاحب نے پوچھا تو مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

"جی بابا صاحب!"

"تو پھر مجھے کیوں نہیں بتایا؟" انہوں نے نحیف آواز میں پوچھا۔ مہرالنساء بیگم نے الجھ کر دیکھا یعنی تابندہ بی خود نہیں آئی تھیں مصطفیٰ کہیں سے لے کر آیا تھا۔

"یہ جب غائب ہوئی تھیں تب میں شہوار کے قادر کے آئی ڈی کارڈ پر موجود ایڈریس پر گیا تھا۔ وہ لوگ باہر شفٹ ہوچکے تھے ان کے کچھ رشتہ داروں کا ایڈریس ملا تھا' ان سے ملاقات ہوئی تو علم ہوا کہ سکندر صاحب تو سبحان احمد کے حقیقی بیٹے تھے ہی نہیں سبحان اور ان کی بیوی کی وفات کے بعد خاندان والوں نے سکندر کو نکال دیا تھا اور سکندر کہیں چلا گیا تھا اس کا کسی کو بھی علم نہیں۔" مصطفیٰ نے تابندہ بی کو دیکھا تھا انہوں نے گہرا سانس لیا جبکہ مہرالنساء بیگم الجھی ہوئی تھیں۔

"تب مجھے یہ کہانی بڑی عجیب سی لگی پھر ایک بار بوا جی نے شہوار کو کال کی تھی۔ وہ پی سی او کا نمبر تھا اس ایریا سے متعلق میں نے معلومات لینا شروع کردی اس کے بعد ان کی دوسری غلطی یہ رہی کہ انہوں نے آپ کو کال کرکے وہ

سب کہا جو آپ نے مجھے بتایا تھا۔" بابا صاحب چپ تھے جبکہ تابندہ بی سنجیدہ۔
"گاؤں کے اس نمبر پر آنے والی کال کا ریکارڈ حاصل کرنا مشکل نہ تھا اور پھر لوکیشن ٹریس کرتے میں جلد ہی اس گھر تک پہنچ گیا جہاں یہ موجود تھیں اس سلسلے میں میں نے اپنے ڈیپارٹمنٹ کی بہت ہی لائق خاتون انسپکٹر شہناز کی مدد لی تھی اور پھر مجھے علم ہوگیا تھا کہ سکندر صاحب کی خالہ زاد یہاں موجود ہیں۔" تابندہ بی نے بہت کرب سے ایک گہرا سانس لیا۔
"میں چاہتا تو ان تک پہنچ سکتا تھا لیکن میں سب کچھ جاننا چاہتا تھا کہ انہوں نے وہ سب کیوں چھپایا اور یہ سب کیوں کیا؟" تابندہ بی ابھی بھی خاموش تھیں۔ "ان دنوں میں ایک اور پرانے کیس پر کام کررہا تھا اور اتفاقاً ایک دن اس کیس کی فائل اسٹڈی کرتے اس میں موجود کچھ نام ایک دو تصویریں ایسی تھیں کہ مجھے لگا کہ اس کیس کا تعلق تابندہ بوا سے ہے۔ تابندہ بوا یعنی سکندر صاحب سے اور پھر میں نے اس کیس پر کام کرنا شروع کردیا اور پھر مجھ پر بہت سے انکشافات ہوتے چلے گئے تھے۔" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے تابندہ بی کو دیکھا تھا' بابا صاحب بھی افسردہ تھے۔ کہانی کتنی الجھی ہوئی تھی لیکن بالآخر مصطفیٰ اس اصل سرے تک پہنچ ہی گیا تھا لیکن وہ کچھ اسرار ابھی بھی باقی تھے جن سے وہ بے خبر تھا۔
"شام کو کچھ لوگ آرہے ہیں مصطفیٰ بیٹا! تم گھر پر رہنا یوں سمجھو تمہارے اس کیس میں موجود کچھ اور کڑیاں بھی ہیں جن سے تمہیں متعارف کروانا ہے۔" تابندہ بی نے کہا تو مصطفیٰ نے چونک کر دیکھا۔
"کیسی کڑیاں......کون لوگ ہیں وہ؟"
"شام تک انتظار کرلو خود بخود علم ہوجائے گا اور بابا صاحب میں جانتی ہوں میں نے بہت کچھ چھپایا اور بہت سی باتوں میں غلط بیانی کی تھی لیکن شہوار کے باپ کے معاملے میں جھوٹ نہیں بولا تھا وہ آپ کا خون تھی اور آپ کے خاندان میں ہی رہنے دیا اسے اب آپ کا فرض بنتا ہے ساری اولاد کے سامنے اسے قبول کرکے اسے اس گالی سے بچالیں جو آپ کا سارا خاندان اسے لاوارث اور بے شناخت کہہ کردیتا رہتا تھا۔" مصطفیٰ خاموش تھا جبکہ مہرالنساء بیگم حیرت زدہ تھیں۔
"کوئی مجھے بھی بتائے گا کہ یہ سب کیا ہورہا ہے...... کس کی بات کررہے ہیں آپ سب؟" انہوں نے سبھی کو دیکھا جبکہ تابندہ بی گہرا سانس لیے کھڑی ہوگئی تھیں۔
"میں بہت تھک چکی ہوں کچھ دیر آرام کروں گی شام میں مہمان آئیں تو مجھے بلا لیجیے گا۔" تابندہ بی کہہ کر چلی گئی جبکہ مہرالنساء بیگم نے الجھی نظروں سے مصطفیٰ اور پھر بابا صاحب کو دیکھا تھا۔
"صبر کرو بیٹا! شام میں تمہیں سب پتا چل جائے گا۔" بابا صاحب کہہ کر آنکھیں موند گئے جبکہ مصطفیٰ کسی گہری سوچ میں غرق نجانے اب کون سی گتھی سلجھا رہا تھا' مہرالنساء بیگم نے الجھ کر اسے دیکھا تھا۔



ضیاء صاحب کی حالت بڑی عجیب سی ہورہی تھی بی پی ہائی ہوگیا تھا انا نے ان کو میڈیسن دی تھی۔ آج کا دن ہی عجیب سا تھا انکشافات پر انکشاف ہورہے تھے۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ولید اس کا کزن نہیں ہوگا اور شہوار اس کی کہانی اور عجیب تھی عجیب تر تھی۔
مغرب کے وقت وہ سبھی تیار تھے ایک گاڑی میں احسن روشی اور انا تھے جبکہ دوسری میں ولید' وقار صاحب' صبوحی بیگم اور ضیاء صاحب تھے۔ مغرب کی نماز ہوچکی تھی جب وہ لوگ وہاں پہنچے تھے۔

عائشہ اور عباس شہوار کے پاس ہسپتال میں تھے جبکہ باقی سبھی گھر میں تھے شام سے پہلے صبا اور سجاد بھی لائبہ کو ڈسچارج کروا کر گھر لے آئے تھے۔ اس وقت زاہد کی بھی مکمل فیملی وہاں آ چکی تھیں۔
تابندہ بی الجھی ہوئی تھیں اور بابا صاحب گم صم، مصطفیٰ بھی آنے والوں کا منتظر تھا لیکن جب ولید اور اس کے گھر والوں کو آتے دیکھا تو چونکا وہ لوگ تو کچھ مہمانوں کے منتظر تھے لیکن یہ تو اس کے دوست کی فیملی تھی۔ وہ سمجھا کہ یہ لوگ عیادت کو آئے ہیں لیکن اس وقت چونکا جب سب ایک دوسرے کے گلے ملے تھے اور تابندہ بو ولید کے والد ضیاء صاحب کے سامنے جا کر ٹھہر گئی تھیں بڑا عجیب سا ماحول تھا۔
"بھائی دیکھا نا میں سچ کہہ رہی تھی کہ یہ افشاں بھابی ہی ہیں۔" صبوحی بیگم کی آواز نے وہاں موجود مہمانوں کو ساکت کر دیا تھا۔ سبھی رو رہے تھے مصطفیٰ چونکا۔
"تو کیا وہ یہی مہمان تھے جن کا بوا نے آنے کا ذکر کیا تھا۔"
"میں نے پاگلوں کی طرح تمہیں تلاش کیا تھا افشاں!" ضیاء صاحب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔
"اور میں نے بھی خطوط لکھ کر ان کے جواب کا انتظار کیا تھا۔" جواباً تابندہ بی نے کہا۔
"لیکن تم نہ ملیں۔" ضیاء صاحب نے ایک آہ بھری۔
"اور آپ نے کسی خط کا جواب نہ دیا۔"
"میں سمجھتا رہا تم بھی جل کر مر جانے والوں میں شامل تھیں۔" ضیاء صاحب نے تابندہ بی کے ہاتھ تھام لیے۔
"اور میں سمجھتی رہی آپ مجھے فراموش کر گئے ہیں۔"
"ہماری قسمت نے ہمارے مقدر میں امتحان لکھ دیا تھا۔" ضیاء صاحب کے آنسو بے اختیار تھے۔
"یہ امتحان ہماری ساری زندگی کھا گیا۔" تابندہ بی کی ہچکیاں بے اختیار تھیں۔ روشی اور صبوحی بیگم نے تابندہ بی کو تھام لیا تھا۔ وہ روشی کے گلے لگ کر شدت سے روتی تھیں۔ مصطفیٰ حیرت سے گنگ تھا تو احسن نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
"افشاں بو ہماری ممانی ہیں اور ولید شہوار کا بھائی یعنی سکندر صاحب کا بیٹا۔" مصطفیٰ نے بے یقینی سے دیکھا تو احسن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"لیکن وہ تو مر چکا تھا۔" مصطفیٰ نے جو فائل اسٹڈی کی تھی اس کے مطابق تو وہ بچہ مر چکا تھا۔
"لیکن ولید زندہ ہے کیا تمہیں نہیں لگتا ولید کی شکل سکندر صاحب سے بہت ملتی ہے۔ ماما نے پرانی تصویریں دکھائی ہیں ولید اپنے باپ کی کاپی ہے۔" مصطفیٰ چونکا۔ ولید نے ضیاء صاحب کو کندھوں سے تھام رکھا تھا۔
"یہ عیسیٰ ہے، سکندر کا بیٹا۔" ضیاء صاحب تابندہ بی سے اس کا تعارف کرا رہے تھے اور ولید نے آگے بڑھ کر تابندہ بی کے سامنے سر جھکا دیا اور تابندہ بی وہ بے اختیار ولید سے لپٹ گئی تھیں۔
مصطفیٰ کچھ نہ سمجھ کر بھی فوراً سنبھل گیا تھا۔ اس نے ایک طرف آنسو بہاتے صوفے پر بیٹھے بابا صاحب کو دیکھا تھا وہ یک ٹک ولید کو دیکھ رہے تھے۔ مصطفیٰ کو یاد آیا بابا صاحب ولید کو جب بھی دیکھتے تھے تو چونک جاتے تھے تو کیا وہ چونکنا اس کشش کے سبب تھا۔ صبوحی بیگم سب کچھ بتا کر لائی تھیں اب تو صرف ملنے کا دن تھا۔ تابندہ بی سے مل کر ولید بابا صاحب کے سامنے جا رکا تھا۔
"کیسے ہیں بابا صاحب۔" بابا صاحب لاٹھی ٹیکتے کھڑے ہوئے تھے لیکن لڑکھڑا گئے تھے مصطفیٰ فوراً آگے بڑھا جبکہ ولید نے ان کو تھام لیا تھا۔

پیار کے ایسے پھول چنیں

آؤ جاناں پیار کے ایسے پھول چنیں
کہ ہر سو خوشبو بکھر جائے
دیں ایک دوسرے کو اتنی خوشیاں
کہ مایوس چہرے نکھر جائیں
باندھ لیں مل کر عہد وفا
ساری عمر اسی موقف پہ ٹھہر جائیں
میں اور تم ہم بن کر جاناں
اس بے وفا دنیا سے بچھڑ جائیں

عائشہ علی، مصطفیٰ نگر.....فیصل آباد

مصطفیٰ نے دوسری طرف سے آ کر کندھوں سے تھاما تو ولید نے مصطفیٰ کو دیکھا ولید کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں، ضبط سے اس نے ہونٹ بھینچ رکھے تھے۔ شاہزیب صاحب جو بہت خاموشی سے سب دیکھ رہے تھے وہ بھی قریب آ رکے تھے۔

"میں سکندر کا بیٹا ہوں شہوار کا بھائی اور آپ کا پوتا۔" کچھ توقف کے بعد ولید نے کہا تو وہاں موجود کچھ لوگوں کے علاوہ ہر ذی نفس چونکا تھا۔

"کیا کہہ رہے ہو تم ولید؟" شاہزیب صاحب نے ناگواری سے کہا۔

"یہ سچ ہے بے شک بابا صاحب سے پوچھ لیں۔" ولید کا ضبط کمال کا تھا۔

"میرا فیضان۔" بابا صاحب نے بلکتے ہوئے ولید کو اپنے ناتواں بازوؤں میں بھر لیا اور وہاں موجود بابا صاحب کے خاندان کا ہر فرد گم صم ہو گیا تھا۔

بابا صاحب شدت سے روئے اور پھر روتے روتے وہ ولید کے بازوؤں میں گرے تو سبھی خوف زدہ ہو گئے تھے۔ ولید نے فوراً ان کو بازوؤں میں سنبھالا تھا۔ مصطفیٰ بھی ساتھ تھا۔ ولید نے فوراً انہیں صوفے پر لٹا دیا۔

"اناّ بابا صاحب کو دیکھو کیا ہوا ہے۔" احسن نے کہا تو اناّ فوراً قریب آئی تھی۔ اس نے بابا صاحب کو دیکھا ہلایا جلایا۔

"مجھے لگتا ہے صدمے سے بے ہوش ہو گئے ہیں۔"

"میں ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں۔" شاہزیب صاحب نے فوراً موبائل نکالا تھا۔

مصطفیٰ بابا صاحب کو ان کے کمرے میں لے آیا تھا۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر صاحب آ گئے تھے۔ آتے ہی انہوں نے ٹریٹمنٹ کیا۔ سبھی لاؤنج میں پریشانی سے ٹہل رہے تھے۔ مختلف باتیں اور مختلف سوالات تھے۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر نے اطمینان دلاتے ان سب کو ریلیکس ہونے کا کہا بابا صاحب صدمے سے نڈھال ہو کر بے ہوش ہوئے تھے۔ بابا صاحب ہوش میں آ گئے تھے لیکن ان کی طبیعت اس قابل نہ تھی۔ کہ کسی سے بات کرتے ڈاکٹر نے سکون کا انجیکشن لگا دیا تھا۔

"ان کا ذہن اس وقت صدمے میں ہے یہ کچھ دیر آرام کر لیں بھرپور نیند لے کر ریلیکس فیل کر لیں تب ان سے ملیے گا۔" ڈاکٹر صاحب یہ کہہ کر چلے گئے تھے۔

مہر النساء بیگم اور زہرہ پھوپو صوحی بیگم اور تابندہ بی کو گھیر چکی تھیں اور پھر جو کچھ سننے کو ملا تھا وہ ایسا تھا کہ سبھی بے یقین

تھیں۔ مردوں کو بھی ساری کہانی کا علم ہو چکا تھا تابندہ بی نے کچھ بھی نہ چھپایا' اب چھپانے کا کوئی فائدہ ہی نہ تھا۔ بابا صاحب جس شرعی رشتے کو گناہ کی طرح چھپاتے رہے تھے وہ آخر کار آج بے نقاب ہو گیا تھا ان کی ساری اولاد اس نئے انکشاف پر گم صم تھی۔

"تو بابا صاحب کے ان خوابوں کا یہ راز تھا۔" شاہ زیب صاحب کا دل بوجھل ہوا۔

مصطفیٰ تو ولید اور شہوار کے اس نئے رشتے کا جان کر خوش بھی تھا اور حیرت زدہ بھی۔ دنیا کتنی عجیب سی ہے کیا کچھ ہوتا ہے یہاں اور بالآخر سچ کبھی چھپ نہیں پاتا۔ ولید وہاں بہت دیر تک رکا رہا۔ رات گئے وہ لوگ وہاں سے واپسی کے لیے اٹھے تھے تو صبوحی بیگم نے تابندہ بی کو بھی ساتھ چلنے کا کہا تھا۔ تابندہ بی نے مصطفیٰ کو دیکھا تھا وہی انہیں یہاں دوبارہ لایا تھا۔

"یہ آپ کے حقیقی رشتے ہیں میں بھلا کیسے روک سکتا ہوں۔" ان کی نظروں کا مفہوم سمجھتے مصطفیٰ نے کہا۔

"کل اسپتال ضرور چکر لگا لیجیے گا شہوار آج آپ کا بار بار پوچھ رہی تھی وہ نہیں جانتی کہ آپ اس کی حقیقی ماں نہیں ہیں۔" مہر النساء بیگم نے بھی کہا۔

"قیامت کبھی بھلے میں اس کی ماں نہیں ہوں لیکن میں نے اسے حقیقی ماں کی طرح پالا ہے اور اس بات کی سب سے بڑی گواہ آپ ہی ہیں۔" تابندہ بی رو پڑی تھیں مہر النساء بیگم نے انہیں گلے سے لگا لیا۔

"کل ملاقات ہوتی ہے پھر ولید اگر رکنا چاہے تو ویلکم۔" ضیاء صاحب نے مصطفیٰ کے ساتھ کھڑے ولید کو دیکھ کر کہا تو ولید خود بھی ابھی کچھ دیر مصطفیٰ کے پاس رکنا چاہتا تھا۔ اس نے مصطفیٰ کو دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں آج رات ادھر ہی رکوں گا۔" وہ لوگ سب سے مل کر رخصت ہو گئے اور یہ رات مصطفیٰ کے سارے خاندان پر بہت بھاری تھی۔ اس رات کوئی بھی نہ سو سکا تھا۔



گھر آنے کے بعد بھی عجیب سی کیفیت سے دوچار تھے۔ رات بہت بیت چکی تھی انا نے سب کو چائے بنا کر پلائی تھی۔ روشی کتنی دیر تک ماں سے چپٹی بیٹھی رہی تھی۔ ضیاء صاحب گومگو کیفیت میں تھے کچھ دیر بعد سبھی سونے کے لیے اٹھ گئے تو روشی افشاں کو اس کمرے میں لے آئی تھی جہاں ضیاء صاحب بھی موجود تھے۔ روشی کچھ دیر ٹھہر کر چلی گئی تھی جبکہ کمرے میں ضیاء صاحب اور افشاں دونوں موجود تھے۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہا قسمت کی اس ستم ظریفی کو کیا نام دوں، جب ہم جدا ہوئے تو ہمارے پاس روشی ایک ننھی سی بچی تھی اور جذبات جوان تھے اور آج میری روشی خود ایک اور زندگی کو جنم دینے والی ہے۔" ضیاء صاحب افشاں کے پاس بیٹھ گئے تھے۔ لہجے میں آزردگی گھلی ہوئی تھی افشاں نے سر ہلایا تھا۔

"میں نے زندگی کے ہر لمحے میں آپ سب کو بہت مس کیا شاید ہی کوئی لمحہ ایسا ہو جس میں آپ اور اپنی بیٹی کو نہ یاد کر سکی ہوں شہوار کی صورت میں مجھے روشی ملی تھی لیکن میری ممتا پھر بھی تشنہ لب رہی۔" آزردگی تو افشاں کے لہجے میں بھی تھی۔

"کاش وہ تمام خطوط مجھے مل جاتے تو یہ جو دوریاں برسوں حائل رہیں یہ کب کی مٹ چکی ہوتیں۔" ضیاء صاحب گزرے وقت پر پچھتا رہے تھے افشاں نے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"اگر وہ وقت درمیان میں نہ آتا تو ہمیں کیسے علم ہوتا کہ ہم ایک دوسرے کے لیے کس قدر اہم ہیں شاید قسمت کا یہی فیصلہ تھا اور قدرت کو ان دونوں بچوں کی زندگی مقصود تھی جو ہم دونوں کو تنہا کر کے ان کا وسیلہ بنا دیا۔"

اک شمع فروزاں ہے

گردش ایام گردش میں ہے اور صفحۂ ہستی کے اوراق تیزی سے پلٹتے جا رہے ہیں۔ 1978ء میں آنچل کے نام سے ہماری عزیزی مدیرہ اور مشتاق قریشی کی کاوشوں سے جو اک شمع فروزاں کی گئی تھی آج ہر قلب ونگاہ میں نہ صرف اپنی منفرد پہچان بنا چکی ہے بلکہ علم وہدایت کی اس شمع سے ہزاروں دیے جگمگا اٹھے۔ آنچل کے فسوں خیز حسن بیاں نے حجاب کی صورت ایک اور شمع روشن کردی اور علم وادب سے شغف رکھنے والے مثل پروانہ اس کے گرد جمع ہو کر علم کی پیاس بجھانے لگے۔ آج آنچل کا 444 واں شمارہ اپنی جگمگاہٹوں سے سب کے دل اُجال رہا ہے گویا ہمارا اور آپ کا ساتھ پچھلے 37 برسوں پر محیط ہے۔ ان طویل مسافتوں نے ہمیں اور آپ کو اُلفت ومحبت کی مضبوط لڑی میں پرو دیا ہے۔ آپ کے اسی ساتھ نے جہاں رہبری ورہنمائی کی وہیں تشکر آمیز کلمات نے ہمارے شوق ولگن کو مہمیز عطا کی اور ہم آپ کے لیے خوب سے خوب تر کی جستجو میں گامزن ہیں۔ آج اس گلشن کی بہار آپ کی مرہونِ منت ہے لیکن سفر ابھی جاری ہے کہتے ہیں ناں کہ "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں" ابھی آنچل وحجاب کی اس روشنی کو مثل نجوم اور ہمسر ماہتاب کرنا ہے اور جس طرح ہمیں اپنے قارئین اور رائٹرز کا پہلے بھرپور تعاون حاصل رہا امید ہے آئندہ بھی یہ ساتھ قائم ودائم رہے گا۔ آنچل کی سالگرہ کے موقع پر اس بار بھی آپ کے لیے خصوصی سروے کا اہتمام کیا گیا ہے سوالات مندرجہ ذیل ہیں۔

OOO

:۱۔ سال گزشتہ میں آنچل کے کس ناول کو آپ نے بے حد سراہا اور کیوں؟

:۲۔ کس کہانی کے کردار میں آپ کو اپنے آئیڈیل کی جھلک دکھائی دی نیز وہ کس کہانی کا کون سا کردار تھا؟

:۳۔ عموماً کہا جاتا ہے کہ رسائل پڑھنے والی لڑکیاں حقیقت پسند ہونے کے بجائے تخیلاتی دنیا میں رہتی ہیں آپ کی اپنے متعلق کیا رائے ہے؟

:۴۔ رسائل کے مطالعہ کے دوران گھر والوں میں سے کس کی جانب سے تنقید کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

:۵۔ آنچل کی نئی مصنفین نے آپ کو کس حد تک متاثر کیا اور کس مصنفہ کو آپ بار بار پڑھنا پسند کریں گی؟

:۶۔ آنچل کی کوئی ایسی تحریر جس نے آپ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی ہو؟

:۷۔ آپ کے نزدیک آنچل کا سب سے پسندیدہ سلسلہ کون سا ہے اور کیوں؟

ان سوالات کے جوابات مختصراً تحریر کرکے ہمیں 8 مارچ تک ارسال یا ای میل کریں۔

Info@aanchal.com.pk

”بے شک اللہ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے اس کی حکمت بھی پتا چل جائے گی۔“ افشاں مسکرائی اور ضیاء صاحب کے کندھے پر اپنا سر رکھ دیا۔ یوں جیسے برسوں کی مسافت کے بعد آج کوئی گھنا سایہ میسر آیا ہو۔
افشاں نے آنکھیں موند لی تھیں اور ضیا صاحب نے بہت نرمی سے ان کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر دبایا تھا۔



اس گھر میں کوئی بھی نہیں سویا تھا۔ گیسٹ روم میں ولید اور مصطفیٰ دونوں جاگ رہے تھے رات بیتی جا رہی تھی دونوں نے ایک ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔ مصطفیٰ کو چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی وہ کمرے سے باہر نکلا تو صبا اپنی بیٹی کو گود میں لیے کمرے سے نکل رہی تھی۔
”فارغ ہو تو دو کپ اسٹرانگ سی چائے بنا کر بھیج دو۔“
”جی بھائی میں ابھی بناتی ہوں۔“
”گیسٹ روم میں بھیج دینا۔“ وہ واپس اس کمرے میں آ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد صبا خود ٹرے اٹھائے چلی آئی تھی۔
”تم کسی ملازم کو بھیج دیتی۔“
”سبھی اپنے کوارٹرز میں ہیں۔“ صبا چائے کی ٹرے تھما کر چلی گئی۔ مصطفیٰ نے چائے کا مگ ولید کو تھمایا تو اس نے خاموشی سے تھام لیا۔
”مجھے اپنا بچپن کبھی نہیں بھولا ایک ایک بات ہر لفظ یاد تھا لیکن مجھے یہ گمان تک نہ تھا کہ میرا تم لوگوں سے اتنا قریبی تعلق ہوگا۔“
”بابا صاحب نے مجھے جب وہ ساری حقیقت بتائی تو میرا دل ان کے اس ان دیکھے بیٹے فیضان کے لیے دکھا تھا اور پھر جب انہوں نے بتایا کہ وہ اس دنیا میں نہیں ہے تو اور بھی دکھ ہوا تھا لیکن کہانی کے اس رخ سے مجھے بھی انہوں نے آگاہ نہیں کیا تھا انہوں نے سب کچھ بتایا تھا لیکن فیضان چچا کی موت کس طرح واقع ہوئی اس کے متعلق کچھ نہ کہا تھا اور نہ ہی فیضان چچا کی اولاد کے بارے میں بتایا تھا۔ اب یہ کیس میرے پاس ہے اس کے مجرموں کو میں ہر حال میں کیفر کردار تک پہنچا کر رہوں گا کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گا جو جو ملوث رہا ہے سب کو کورٹ میں گھسیٹوں گا اب کسی کو بھی معافی نہیں ہوگی۔“ مصطفیٰ کا انداز اٹل تھا۔
”اپنے گھر کو جلتے ہوئے شعلوں میں گھرے دیکھنا اور پھر اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں کو ہمیشہ کے لیے کھو دینا کتنا اذیت ودردناک ہوتا ہے اس کا اندازہ کوئی کبھی بھی نہیں کر سکتا۔ بابا نے مجھے بہت محبت دی میرے لیے اتنا کچھ کیا۔ اپنا نام دیا میرے تحفظ کے لیے ہر قربانی دی اور پھر مجھے خاندان میں اپنے بیٹے کی حیثیت سے متعارف کرایا ان کے مجھ پر اس قدر احسانات ہیں کہ میں عمر بھر نہیں بھول پاؤں گا۔ چند سال کے بچہ کو وہ انگلی تھام کر اس مقام تک لائے اور میرے لیے والدین سے بڑھ کر تھے اور رہیں گے۔“ ولید نے چائے کے سپ لیتے ہوئے کہا۔
”اور تم نے اپنے بارے میں کبھی ایک لفظ تک نہ کہا ہم ایک طویل عرصہ ساتھ رہے، کبھی بھی اپنے دکھ سے آگاہ نہ کیا۔“
”میں نے تو کبھی بابا کو بھی احساس نہ ہونے دیا تھا کہ میں سب جانتا ہوں میں نے اپنے بچپن کو اپنے دل میں راز کی طرح دفنا لیا تھا یہ سب نہ ہوتا تو شاید میں اب بھی کبھی نہ بولتا۔“
”ان شاء اللہ اب سب ٹھیک ہو جائے گا اب کسی کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہوگی، میں بابا اور میرا سارا خاندان تمہیں سپورٹ کرے گا۔“ مصطفیٰ کا انداز پرعزم تھا۔

کے ایم نورالشال

السلام علیکم! اہل آنچل امید ہے خیریت سے ہوں گے تو جی جناب ہم سے ملئے ہمیں ادبی دنیا میں کے ایم نورالشال مقامی کے نام سے جانا جاتا ہے ہم 4/4/1998 کو قصور کے ایک شہر کھڈیاں خاص میں تشریف آور ہوئے ویسے تو میرے مشاغل بہت سارے ہیں۔ مثلاً پنسل جمع کرنا' کتابیں جمع کرنا' گڑیا کھیلنا' بچوں سے لڑنا' لیکن فی الحال یہ تمام مشاغل کچھ عرصہ کے لیے ملتوی کردیئے ہیں کیونکہ بقول شاعر کے

میکے سے ڈولی اٹھی سسرال آ گئی

اک لڑکی پیا من بھاگئی

جی ہاں شادی ہوچکی ہے ڈیٹ بھی بتادیتے ہیں 8 اگست 2015ء کو ہم کھڈیاں چھوڑ کر چونیاں آ گئے آہ اہلیان کھڈیاں کے لیے افسوس کہ انہیں ایک عظیم رائٹر سے ہاتھ دھونے پڑے (ہاہاہا) اب آتے ہیں پسند ناپسند کی طرف' ویسے کچھ حقیقت پسند ہوں' کپڑوں میں فراک پسند ہے' جیولری میں رنگ اور چوڑیاں پسند ہیں' فیورٹ استاد مس شازیہ ہاشم ہیں اور فرینڈز میں سائرہ' نبیلہ' امرینہ' ثمرینہ' سلمٰی شامل ہیں کزنز میں صبا' فرزانہ' رضوانہ سے زیادہ بنتی ہے اور ایک میری کیوٹ سی بہن ہے جو میرے لیے سب کچھ ہے وہ ہے ام ایمن شہزادی' جو تیرہ اگست کو اس دنیا میں تشریف لائی اور اقراء جنت الاطفال میں سکس کلاس کی اسٹوڈنٹ ہے اس کے ساتھ ماشاء اللہ دو سپارے حفظ کرلیے ہیں اور کچھ اپنے بارے میں بتادوں جامعہ فاروقیہ سے فارغ التحصیل ہوں او کے اللہ حافظ!!

"مجھے سپورٹ نہیں چاہیے مجھے بس اس معاشرے میں اپنا مقام اور حوالہ چاہیے۔ میرے والدین مرچکے ہیں لیکن مجھے ابھی جینا ہے بابا نے میرے لیے اتنا کچھ کیا ہے میرے لیے وہی سب کچھ ہیں۔" ولید کے الفاظ پر مصطفیٰ فی الحال خاموش رہا۔ وہ دونوں بہت دیر تک بات چیت کرتے رہے۔ باہر اب ناشتے کی تیاریاں ہورہی تھیں۔

مصطفیٰ' ولید اور مہرالنساء بیگم نے اسپتال جانا تھا یہ تینوں جلدی نکل آئے تھے عائشہ اور عباس وہیں تھے ان کے جانے کے بعد وہ دونوں گھر چلے آئے تھے۔

شہوار جاگ رہی تھی ولید جب کل آیا تھا تو باہر سے ہی عیادت کرکے چلا گیا تھا۔ لیکن اس وقت وہ مصطفیٰ کے ساتھ روم میں آیا تھا۔ شہوار کے ساتھ اس کا آج جو رشتہ تھا دنیا کی کوئی بھی طاقت اب اسے اس کے پاس آنے سے نہیں روک سکتی تھی۔

"کیسی ہو شہوار؟" آج لہجے میں بے تکلفی' محبت واپنائیت تھی۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ سنجیدہ تھی۔

ولید آگے بڑھ کر اسے ساتھ لگانا چاہتا تھا اس کے وجود میں اپنے ماں باپ کو محسوس کرنا چاہتا تھا۔ یہ فطری سا احساس تھا لیکن ابھی شہوار کسی بھی بات سے بے خبر تھی لہٰذا ولید خود پر ضبط کیے بیٹھا رہا۔ پھر احسن کی کال آئی تو مصطفیٰ بھی ساتھ ہی کھڑا ہوگیا تھا۔

"میں تمہیں گھر ڈراپ کردوں گا اور پھر خود آفس چلا جاؤں گا ماں جی ادھر ہی ہیں گھر سے کوئی اور بھی آجائے گا۔"

"وہ احسن بتارہا تھا کہ گھر سے بھی لوگ ادھر آرہے ہیں میں ان کے ساتھ چلا جاؤں گا تم ایزی ہوکر اپنے آفس جاؤ۔"

بارہ بجے کے قریب انا' صبوحی بیگم' روشی اور افشاں ضیاء صاحب اور احسن کے ساتھ آئی تھیں انا اور افشاں کے سبب شہوار کا دل بہل گیا۔

وہ جو شدید ڈپریشن خودترسی محرومی اور خاموشی کے حصار میں قید تھی۔ ان سب کی آمد کے سبب کچھ بہتر ہوئی تھی۔ وہ

سارا دن ان لوگوں کا ایک ساتھ گزرا تھا ضیاء صاحب اور احسن کچھ دیر بعد چلے گئے تھے۔ شہوار کے کہنے پر تابندہ بی آج رات شہوار کے پاس ہی رکنا تھا مغرب کے وقت ولید انا اور روشی کو لے کر گھر آ گیا تھا۔

"یہ سب کتنا عجیب سا لگ رہا ہے نا بھائی۔" روشی ابھی تک حیرت زدہ تھی وہ لوگ لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔

"سب رشتے، تعلق سب کچھ بدل گیا۔" انا نے بھی ایک گہرا سانس لیا تھا۔ وہ تو خود حیرت زدہ تھی کتنا اچانک بالکل ایک دم یہ سب ہوا تھا۔ اپنا پرایا اور پرائے اپنے بن گئے تھے۔

"ہاں شاید قسمت میں یہی تھا لیکن بعض رشتے خون کی بجائے روح کے ہوتے ہیں جن کو کسی نام کسی حوالے کی ضرورت نہیں ہوتی، بابا اور تم سے میرا رشتہ روح کا رشتہ ہے اور اس رشتے کو کوئی بھی جھٹلا نہیں سکتا اور نہ ہی کوئی رد کرسکتا ہے۔"

"ویسے میں بھی آپ سے ناراض ہوں۔" ولید نے چونک کر روشی کو دیکھا۔

"وہ کیوں؟"

"آپ کو اتنا کچھ علم تھا اور آپ نے کبھی بتایا ہی نہیں۔"

"کیا بتاتا کہ میں تمہارا بھائی نہیں یا اس خاندان سے میرا کوئی بھی خون کا رشتہ نہیں۔" ولید آزردہ سا ہوا۔ روشی نے آگے بڑھ کر محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"دنیا کچھ بھی کہے آپ میرے لیے آج بھی میرے بھائی ہیں میرا مان ہیں۔" ولید نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھپکا۔ اور انا کی طرف دیکھا وہ سنجیدگی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی لیکن ولید کے دیکھنے پر نگاہیں جھکا گئی تھی۔

"میں کچھ دیر آرام کروں گا لیکن اس سے پہلے ایک کپ اچھی سی چائے پلا دو؟" ولید روشی کے سر پر ہاتھ رکھ کر محبت سے کہہ کر چلا گیا تو روشی کچن کی طرف جانے لگی تو انا بھی ساتھ ہولی۔

"تم رہنے دو میں بنا دیتی ہوں۔" روشی نے اسے مسکرا کر دیکھا جبکہ انا کچن کی طرف بڑھ گئی۔ چائے بنا کر وہ ولید کے کمرے کی طرف آئی اور دستک دے کر اندر داخل ہوئی تو ولید کہیں نہ تھا البتہ باتھ روم کا دروازہ بند تھا وہ ٹیبل پر کپ رکھ کر واپس پلٹی تو ولید دروازہ کھول کر کمرے میں آیا ناول سے چہرہ صاف کرتے وہ انا کو دیکھ کر چونکا۔ انا کو دیکھ کر اس کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔

"وہ میں چائے دینے آئی تھی۔" ولید کے بدلتے تاثرات پر انا نے فوراً کہا۔

"تمہیں کس نے اجازت دی ہے میرے کمرے میں داخل ہونے کی گیٹ لاسٹ۔" وہ ناول ایک طرف پھینک کر بہت غصے سے پھنکارا۔ انا نے اس کا بہت بڑا نقصان کیا تھا۔ اس کے اعتماد بھروسے عزت نفس اور سب سے زیادہ دل کو ٹھیس پہنچائی تھی اور جب سے کاوش سے متعلق حقیقت کا علم ہوا تھا جی چاہ رہا تھا کہ سرعام سب کے سامنے اس کا حشر نشر کردے لیکن وہ بمشکل خود پر کنٹرول کر پا رہا تھا۔

"پلیز ولی۔"

"شٹ اپ۔" ولید ایک دم شدید غصے میں آیا۔

❁......❁......❁

سلام دعا اور ضروری اطلاعات کے بعد امجد خان نے جو رپورٹ دی تھی مصطفیٰ سن کر حیران و پریشان رہ گیا تھا۔

"ہم نے سب کچھ اچھی طرح چیک کرلیا ہے سر ایاز کے نمبر سے سب سے زیادہ جس نمبر پر کالز کی گئی ہیں اس نمبر کی لوکیشن چیک کرنے پر معلوم ہوا ہے کہ یہ آپ کے گھر کے کسی فرد کا نمبر ہے۔"

"فرق"

"آپ" اور "تم" میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ "آپ" کے سامنے دکھ بیان نہیں کیے جاسکتے اور "تم" کے سامنے دل کھول کر رکھ دیا جاتا ہے۔

(سیدہ بشریٰ گلزار ہمدانی......بھکر)

"ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟" مصطفیٰ کہا۔

"نمبر بولو۔" جواباً امجد خان نے جو نمبر دہرایا وہ سن کر مصطفیٰ چونکا۔ اسے اپنے گھر کے ہر فرد کا نمبر یاد تھا لیکن یہ نمبر۔

"سر ہم نے اس نمبر پر کال کی مگر فی الحال بند جارہا ہے لیکن پرانی کالز کا سارا ریکارڈ جو ہمارے پاس ہے اس کے مطابق یہ نمبر آپ کے گھر کا ہی کوئی فرد یوز کررہا ہے۔" مصطفیٰ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اوکے آپ ایسا کریں اس نمبر پر ہونے والی تمام کالز کا واکس ریکارڈ حاصل کریں پھر بات کرتے ہیں اگر ہمارے گھر کا ہی کوئی فرد ہے تو علم ہوجاتا ہے۔"

"یس سر۔"

"عبدالقیوم کے گھر کی کیا صورت حال ہے؟"

"سر ڈیڈ باڈی پہنچادی گئی ہے کل نماز جنازہ ہے۔"

"ہوں۔" ایاز نے مصطفیٰ کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچایا تھا لیکن ایاز کا یہ انجام دیکھ کر مصطفیٰ کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی تھی۔ برائی کا انجام آخر کار برائی ہی ہوتا ہے ایاز نے جو بویا وہی کاٹا اور ایاز کی فیملی یقیناً ان کے لیے یہ ایک بہت بڑا صدمہ تھا۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس خارج کرتے امجد خان کو چند اور ہدایات دیتے کال بند کردی تھی۔ اسے اب اسپتال جانا تھا جہاں یقیناً شہوار اس کا انتظار کررہی تھی مصطفیٰ نے اپنا سامان سمیٹا اور پھر آفس سے نکل آ گیا۔



ایاز کی لاش عبدالقیوم کے گھر پہنچی تو اس کی ماں اور دونوں بہنیں اس کی لاش دیکھ کر ساکت ہوگئی تھیں۔ بیگم عبدالقیوم تو پہلے ہی عجیب سی کیفیت میں تھیں کاشفہ کا بھی سارا نشہ ہرن ہوچکا تھا اپنے گھر میں ہر طرف پولیس اور لیڈی پولیس کے حصار میں خود کو مقید پا کر اسے لگ رہا تھا کہ اس کی ساری اکڑ دولت کا سارا نشہ ہرن ہوچکا ہے۔ ایک عادلہ ہی سب کچھ ڈیل کررہی تھی لیکن بھائی کی لاش دیکھ کر وہ بھی جیسے ڈھے گئی تھی۔ بیگم عبدالقیوم تو جیسے سکتے کی کیفیت میں تھیں۔

"مام کچھ بولیں، دیکھیں آپ کا لاڈلا ایاز اس دنیا سے جاچکا ہے۔" عادلہ بار بار اپنی مام کو جھنجوڑ رہی تھی رونے پر مجبور کررہی تھی لیکن ان پر تو گویا سکتہ کی کیفیت تھی۔ کاشفہ اور عادلہ کا برا حال تھا۔

ان کے رشتہ دار تو تھے نہیں دوست احباب کو بھی گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی ایاز کی میت پولیس کے حصار میں گھر کے باہر سڑک پر رکھ دی گئی تھی لوگ اسے دیکھ دیکھ کر توبہ توبہ کررہے تھے۔ عادلہ کا کروفر طنطنہ سب جھاگ کی طرح بہہ گیا تھا۔ کاشفہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے لیکن ذہن و دل میں ایک عجیب سی جنگ جاری تھی اور بیگم عبدالقیوم وہ نہ ہل رہی تھیں اور نہ ہی کچھ کہہ رہی تھیں۔ دیکھنے والوں کو ان پر ترس آرہا تھا لیکن کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ یہ سب ایک دن کے اعمال کا نتیجہ نہ تھا۔ یہ موت برسوں کے ظلم کی پیداوار تھی۔ ایسا ظلم جو بے گناہ اور معصوم جانوں پر ڈھایا گیا تھا وہ ظلم جس کی لپیٹ میں کئی معصوم بچے کچلے گئے تھے۔ وہ ظلم جو دولت اور طاقت کے نشے میں چور ہوکر ایک ظالم نے مظلوم پر ڈھایا تھا۔ نامہ اعمال سیاہ تھے۔ عبدالقیوم کا ظلم اس کی ساری اولاد کے گلے کا وہ طوق بن گیا تھا کہ جس کا

خراج صرف اور صرف موت تھا۔ دیکھنے والی آنکھ میں ترحم تھا لیکن آنسو نہ تھے پولیس کے حصار میں مقید لاش اور گھر والے ایک عبرت کا نشان تھے جو رہتی دنیا تک لوگوں کے لیے عبرت بن چکے تھے۔



مصطفیٰ شہوار کے پاس آ گیا۔ زہرہ پھوپو کی بہو شائستہ اور افشاں ادھر رکی ہوئی تھیں باقی سب گھر چلے گئے تھے مصطفیٰ کے آنے کے بعد عباس بھائی بھی چلے گئے تھے۔ افشاں مصطفیٰ کے آنے کے بعد نماز گاہ کی طرف عشاء کی نماز پڑھنے چلی گئی تھیں۔ شائستہ بھابی مصطفیٰ سے باتیں کرتی رہی اور پھر باہر چلی گئی تھیں۔ مصطفیٰ نے شہوار کو دیکھا وہ آنکھوں پر بازو رکھے چپ چاپ لیٹی ہوئی تھی۔ مصطفیٰ کی آمد پر بھی بس سلام دعا کی اور کھانا بھی برائے نام کھایا تھا۔

"کیا بات ہے، بہت خاموش ہو۔" بستر کے کنارے بیٹھ کر محبت سے شہوار کا بازو پکڑا تو اس نے آنکھیں کھول کر مصطفیٰ کو دیکھا۔

"بس ویسے ہی دل نہیں کر رہا کسی سے بھی بات کرنے کو۔" اس کی آواز افسردہ سی تھی۔ مصطفیٰ نے بہت نرمی سے اس کے چہرے پر بکھری لٹوں کو پیچھے کیا۔

"مجھ سے بھی بات کرنے کو دل نہیں کر رہا۔" جواباً شہوار کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

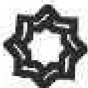
"میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا، مجھے یہ دنیا اچھی لگنے لگی تھی میں نے اتنا کچھ سہا ہے یہ دکھ کیوں لکھا تھا میرے مقدر میں۔" وہ اتنے دنوں سے کچھ نہیں بولی تھی اور اب بولی تو خود بخود شکوہ در آیا۔

"قدرت کو شاید اس طرح ہماری آزمائش مقصود تھی۔ ایاز نے اتنی بار تمہیں کڈنیپ کرنے کی کوشش کی اور تم ہر بار بچ نکلیں لیکن اس بار وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا شاید اسی لیے کہ اللہ ایسا ہی چاہتا تھا کوئی نہ کوئی وجہ تو بننا ہی تھی۔" "اللہ کسی اور طرح بھی تو آزما سکتا تھا۔"

"تم ناشکری کر رہی ہو، اللہ نے تمہاری زندگی بچائی ہے ایک چھوٹی جان لے کر تمہیں زندہ رکھا میرے لیے یہی کافی ہے شہوار آئندہ ایسا کچھ بھی مت کہنا تم ایک بار ٹھیک ہو کر گھر چلو اولاد اللہ اور دے گا اس کے پاس کسی بھی چیز کی کوئی کمی نہیں...... ہر حال میں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے خدانخواستہ ایاز تمہارے ساتھ کوئی غلط حرکت کرتا تو ہم کیسے تمہیں بچا پاتے؟" مصطفیٰ نے بہت تحمل اور نرمی سے اسے سمجھایا تو شہوار نے سر ہلا دیا۔ اللہ نے اس پر بھی بہت بڑا احسان کیا تھا۔ اس کی عزت محفوظ تھی اولاد تو پھر مل سکتی تھی زندگی مل گئی تھی ورنہ ایاز جیسے انسان سے کچھ بھی بعید نہ تھا۔ ایاز کا سوچ کر شہوار نے جھرجھری لی تھی۔ مصطفیٰ نے محبت سے اس کے آنسو صاف کیے۔ خلوص دل سے اس کی دلجوئی کرتا رہا اپنی باتوں سے اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتا رہا۔

زخم بہت بڑا تھا مندمل ہو جانا تھا۔ مگر دل میں ایک کسک چھوڑ گیا تھا ماں بننے سے پہلے ہی اس کی گود خالی ہو گئی تھی۔ دل میں عجیب سا درد جاگتا تھا لیکن اسے اب صبر کرنا تھا۔ وہ مصطفیٰ سے باتیں کر رہی تھی جب پہلے شائستہ بھابی لوٹ آئی اور پھر افشاں وہ مصطفیٰ کے ساتھ مل کر شہوار کو بہلانے لگ گئی تھیں۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارا

سمیرا شریف طور

سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر

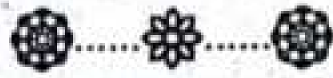
شب ڈھل گئی تو یادوں کے مضراب بھی تھک گئے
جتنے بھی تھے نقوش تہہ آپ تھک گئے
تھی اس قدر عجیب مسافت کہ کچھ نہ پوچھ
آنکھیں ابھی سفر میں تھیں کہ خواب تھک گئے

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

ہمایوں کے آدمی سکندر کو مار کر نہر میں پھینکنے کے بعد فرار ہو جاتے ہیں وہاں موجود چند لوگوں کی بدولت نہ صرف سکندر کی جان بچ جاتی ہے بلکہ وہ اسے اور رابعہ کو گاؤں کے مولوی صاحب کے پاس علاج کے لیے لے آتے ہیں۔ رابعہ کی ذمہ داری مولوی صاحب کی بیٹی ثریا سنبھال لیتی ہے' طویل عرصے کے علاج کے بعد سکندر ٹھیک ہو جاتا ہے اور مولوی صاحب کی زبانی یہ جان کر کہ اس کا گھر اور بیوی بچے سب ختم ہو گئے ہیں ایک بار پھر ٹوٹ جاتا ہے اپنی بیٹی کو دیکھ کر سکندر حیران ہوتا ہے اور پھر ہمایوں سے بدلہ لینے کی خاطر وہ شہر آتا ہے تو اس کے علم میں آتا ہے کہ وہ یہ ملک چھوڑ گیا ہے۔ سکندر دل برداشتہ ہو کر فیضان کے روپ میں امریکا چلا آ جاتا ہے لیکن وہاں کی پولیس ضیاء اور وقار والے کیس میں اسے بھی حراست میں لے لیتی ہے جبکہ ضیاء اور وقار کا اسے کچھ پتا نہیں ہوتا۔ طویل عرصے کی محنت کے بعد وہ اپنے وطن واپس لوٹتا ہے لیکن مولوی صاحب اور رابعہ گاؤں سے شہر منتقل ہو جاتے ہیں۔ فیضان نے مولوی صاحب سے رابعہ کی بابت استفسار کرتا ہے جبکہ ثریا رابعہ کے حق سے دستبردار ہونے سے انکاری کر دیتی ہے دوسری طرف رابعہ بھی ثریا کو اپنی ماں سمجھنے لگتی ہے اور ولدیت کے کوائف میں بھی سہیل کے باپ کا نام درج ہوتا ہے۔ ایسے میں فیضان مولوی صاحب کی تمام ذمہ داریاں خود سنبھال لیتا ہے۔ جبکہ رابعہ بھی اسے فیضان ماموں کہہ کر ہی مخاطب کرتی ہے اور تمام حقیقت سے بے خبر ہوتی ہے۔ تابندہ بی کے روپ میں افشاں کو دیکھ کر صبوحی بیگم حیران رہ جاتی ہیں ماضی کے متعلق جان کر انہیں بے حد افسوس ہوتا ہے روشانے بھی اپنی ماں کی صورت میں انہیں دیکھ کر ششدر رہ جاتی ہے تابندہ بی عیسٰی اور ضیاء صاحب کے متعلق جاننا چاہتی ہیں ایسے میں صبوحی ان سب کو لانے کا وعدہ کرتی ہیں۔ صبوحی بیگم گھر پہنچ کر سب کو افشاں سے ملنے کا بتا کر حیران کر دیتی ہیں۔ ایسے میں ضیاء صاحب کی حالت بگڑنے لگتی ہے ماضی کے تمام دکھ ایک بار پھر سے سامنے آ جاتے ہیں۔ جبکہ ولید اس بات سے آگاہ ہوتا ہے کہ وہ ضیاء صاحب کی سگی اولاد نہیں لیکن ان کی محبتوں کے آگے وہ اس تلخ حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے' اسے اپنے ماضی کے بہت سے تلخ حقائق آج بھی یاد ہوتے ہیں کہ کس طرح اس کا گھر جلایا گیا اور یہی وجہ تھی کہ پاکستان پہنچنے کے بعد وہ عبدالقیوم کی جانب ایک خاص مقصد کے تحت بڑھتا ہے۔ تابندہ بی بابا صاحب کے سامنے تمام حقیقت کا اعتراف کر لیتی ہیں کہ شہوار دراصل سکندر کی بیٹی اور ان کی پوتی ہے لیکن بابا صاحب کی دوسری شادی کے متعلق یہاں کسی کو علم نہ تھا لہٰذا تابندہ بی نے بھی مصلحت کے تحت اتنے برسوں سے خاموشی اختیار رکھتی ہیں۔ دوسری طرف بابا صاحب تابندہ بی سے عیسٰی کی بابت استفسار کرتے ہیں اور صبوحی کے ہمراہ اپنے پوتے کو ولید کی صورت میں دیکھ کر شرمندگی سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ جبکہ دیگر گھر والوں کے لیے یہ سب باتیں نہایت حیران کن ہوتی ہیں لیکن مصطفٰی بہت سی باتوں سے آگاہ ہوتا ہے۔ ایاز کی بھیانک موت اہل خانہ اور دیگر لوگوں کے لیے باعث عبرت بن جاتی ہے ان کڑے حالات میں بھی عبدالقیوم فرار رہتا ہے جبکہ مصطفٰی اور اس کے آدمیوں کی تلاش جاری رہتی ہے امجد خان کی زبانی مصطفٰی یہ جان کر دنگ رہ جاتا ہے کہ ایاز کے ساتھ اس کے اپنے گھر کا فرد ملا ہوا ہے۔ شہوار ان تمام حالات سے بے خبر اپنے نقصان پر غم کرتی ہے ایسے میں مصطفٰی اس کی

ڈھارس بندھاتا اسے زندگی کی نئی خوشیوں کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

(اب آگے پڑھیں)



بابا صاحب نے سب کو حقیقت بتادی تھی۔ ان کی ساری اولاد ماسوائے بڑے بیٹے کے ان کے پاس تھی اُن کا دوسرا بیٹا بھی آ گیا تھا انہوں نے سب کے سامنے اپنے برسوں پہلے اٹھائے گئے اقدام کا اقرار کرلیا تھا' سب گم صم اور حیرت زدہ تھے۔

''بابا صاحب! کاش آپ نے ہمیں یہ سب پہلے بتادیا ہوتا تو ہم خود اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھاتے۔ ہم سب آپ کی اولاد ہیں ہم اتنے تنگ نظر نہیں کہ ایک جیتے جاگتے وجود کی حقیقت سے منہ موڑ لیتے۔'' سب سے پہلے شاہزیب صاحب نے کہا' بابا صاحب کا سر ندامت سے جھک گیا تھا۔

''ماضی میں جو بھی ہوا ہو لیکن اب سوال دو انسانوں کی زندگی اور بقا کا ہے۔ بابا صاحب ہم سب کا فیصلہ ہے آپ ماضی پر پچھتانے کی بجائے اسے سدھار لیں۔ ہم سب شہوار اور اس کے بھائی کو خاندان کا فرد مانتے ہیں اسی طرح جس طرح مصطفیٰ یا عباس آپ کی نسل کہلاتے ہیں۔'' بہت سوچ کے بعد محسن نے بھی لب کشائی کی اور بابا صاحب رو پڑے۔

پھر دونوں بہنوں اور مہر النساء بیگم نے بھی تائید کی تو بابا صاحب کو لگا کہ جیسے وہ طویل عرصے بعد ایک بار پھر زندہ ہو گئے ہوں۔ ان کے بیٹے کو مرنے کے بعد ہی سہی اس کا جائز مقام مل گیا تھا۔ وہ اپنی اولاد کے ایک دم مشکور ہوئے تھے جنہوں نے کھلے دل کا مظاہرہ کرتے ان پر لعن طعن کرنے کی بجائے ان کو سمجھنے کی کوشش کی تھی۔

اگلے دن شہوار گھر آ گئی تھی' وہ اب کافی بہتر محسوس کررہی تھی سبھی اس کا بھرپور خیال رکھ رہے تھے خصوصاً مصطفیٰ' دو تین دن ایسے ہی گزر گئے تھے۔ مصطفیٰ اس دن گھر لوٹا تو عجیب سی کیفیت میں تھا۔

''دریہ کہاں ہے؟'' مصطفیٰ کا انداز بہت عجیب سا تھا مہر النساء بیگم نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیوں خیریت؟'' وہ زہرہ کے ساتھ کوئی بات کرتے پریشان ہوئیں۔

''وہ ہے کدھر؟'' مصطفیٰ نے پھر پوچھا۔ چہرے پر شدید غم و غصے کی کیفیت تھی۔

''اپنے کمرے میں ہے۔'' مصطفیٰ تیزی سے اس کے کمرے کی طرف بڑھا' زہرہ بھی حیران ہوئی تھیں۔ مہر النساء بیگم نے الجھ کر انہیں دیکھا۔

''پتا نہیں کیا بات ہے؟''

''میں آتی ہوں ذرا۔'' وہ زہرہ کو کہہ کر خود بھی مصطفیٰ کے پیچھے لپکی۔ مصطفیٰ کمرے میں پہنچا تو دریہ بستر پر لیٹی کوئی میگزین دیکھ رہی تھی۔ مصطفیٰ کو آتے دیکھ کر ایک دم اٹھی۔

''تمہارا موبائل کہاں ہے؟'' اس نے چھوٹتے ہی پوچھا' دریہ ایک دم الجھی۔

''کیوں؟''

''زیادہ سوال و جواب کی ضرورت نہیں' جو کہہ رہا ہوں وہ بتاؤ۔'' وہ بہت غصے میں تھا۔ مہر النساء بیگم بھی کمرے میں آ گئیں تھیں۔

''کیا بات ہے مصطفیٰ؟'' مصطفیٰ نے بہت سنجیدگی سے ماں کو دیکھا۔

کچھ دیر پہلے امجد خان نے اسے ایاز کے ساتھ ہونے والی کالز کی تمام تفصیلات فراہم کی تھیں اور اس کے بعد سے وہ سخت حیران اور پریشان تھا اور اس وقت غم و غصے سے اس کا برا حال تھا۔

''ماں کچھ مت پوچھیں یہ لڑکی کیا کچھ کرچکی ہے۔'' مصطفیٰ ایک دم پھٹا۔ مہر النساء بیگم نے حیران ہو کر اسے دیکھا' دریہ بھی اپنی جگہ چور سی بن گئی تھی۔ ایاز والے حادثے کے بعد تو وہ خاصی گم صم اور کمرہ نشین ہوگئی تھی۔ ایاز کی موت اور شہوار کے ساتھ ہونے والے حادثے پر بھی وہ خاموش رہی تھی بلکہ اپنا موبائل تک بند کیے وہ خود کو محفوظ کرچکی تھی لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ ایاز کا ساتھ دے کر وہ کتنی بڑی اور سنگین غلطی کرچکی ہے۔

''کیا کیا ہے میں نے؟'' وہ بھی ایک دم غصے سے بولی' مہر النساء بیگم نے دونوں کو دیکھا۔

"مجھے بتاؤ مصطفیٰ کیا ہوا ہے میں بات کرتی ہوں۔" انہوں نے دونوں کے درمیان آکر کہا تو مصطفیٰ نے بہت تلخی سے دریہ کو دیکھا۔ تبھی زہرہ بیگم بھی وہیں چلی آئی تھیں ان کے ساتھ شاہزیب بھی تھے جو آج خلاف معمول گھر پر ہی تھے۔

"کیا بات ہے مصطفیٰ! ہم سے کہو ہم دیکھتے ہیں؟" شاہزیب صاحب درمیان میں آئے۔

"بابا یہ ایاز کے ساتھ ملی ہوئی ہے اس نے ایاز کے ساتھ مل کر شہوار کو کڈنیپ کروانے میں مدد کی۔" دریہ کا رنگ ایک دم اڑا تھا' باقی لوگ بھی ساکت رہ گئے تھے۔ وہ تو اپنی طرف سے موبائل بند کر کے مجھی تھی کہ وہ سب ثبوت ختم کر چکی ہے ایاز مر چکا ہے اور اس کے خلاف ہر ثبوت بھی ختم ہو چکا ہے۔

"جھوٹ بولتا ہے یہ؟"

"شٹ اپ۔" مصطفیٰ نے ایک دم کھینچ کر اسے تھپڑ مارا۔ وہ لہرا کر بستر پر گری تھی۔

"مصطفیٰ......" مہر النساء بیگم تو دہل گئی تھیں۔

"مصطفیٰ! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔" زہرہ نے بھی کہنا چاہا جبکہ دریہ بستر پر گر کر سہم گئی تھی۔

"مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی' میرے پاس تمام ثبوت موجود ہیں یہ اس کے ایاز سے لنک تھے۔ موبائل پر رابطہ تھا اس کا اور اس نے سب کچھ پلاننگ کے ساتھ کیا بے شک امجد خان سے پوچھ لیں۔ میرا جی چاہ رہا ہے کہ میں اسے شوٹ کر دوں' اتنی گھٹیا لڑکی ہمارے خاندان کا حصہ ہے آئی ہیٹ ہر۔" وہ چیخ رہا تھا۔ شاہزیب صاحب بے یقین تھے۔ دریہ اپنی جگہ ساکت سی ہوگئی اس کے چہرے کا رنگ بالکل زرد پڑ گیا تھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔" وہ منمنائی۔

"بکواس نہیں کرو' میں تمہیں حوالات میں بند کر دوں گا۔ تم ایک کرمنل ہو اور میں تمہارا یہ جرم کبھی معاف کرنے والا نہیں اگر تم میری تایازاد نہ ہوتیں تو اب تک میری لیڈی پولیس تمہارا حشر نشر کر چکی ہوتی۔" مصطفیٰ کے لب ولہجے میں کسی بھی قسم کی کوئی رعایت نہیں تھی۔ شاہزیب صاحب نے ہاتھ اٹھا کر مصطفیٰ کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"جو بھی بات ہے مجھے آرام وسکون سے بتاؤ میں دیکھتا ہوں کیا ہوا ہے؟" مصطفیٰ نے کینہ توز نظروں سے دریہ کو دیکھا اور پھر اس نے اپنی پاکٹ میں رکھے ہوئے چند صفحات نکال کر شاہزیب صاحب کو تھما دیئے اور ساتھ ساتھ تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔

دریہ سب کے سامنے یوں پول کھل جانے پر فق چہرہ لیے بہت خوف زدہ تھی اس کی ساری تیزی وطراری کہیں جا سوئی تھی۔ اسے اپنے دفاع کے لیے کوئی نقطہ نہ سوجھ رہا تھا' وہ بالکل گونگی ہوگئی تھی۔ مہر النساء بیگم اور زہرہ دونوں نے اسے بہت نفرت سے دیکھا تھا۔

"جو یہ کر چکی ہے دل تو چاہ رہا ہے کہ سیدھا اسے پولیس کے حوالے کر دوں بابا جان میں اسے معاف نہیں کروں گا۔ اس نے ہمارے ساتھ ہمارے گھر میں رہتے ایک بہت بڑا گیم کھیلا' میں اسے قطعی معاف نہیں کروں گا۔" مصطفیٰ کا مارے ضبط کے برا حال تھا۔ شاہزیب صاحب نے ہاتھ اٹھا کر مصطفیٰ کو خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا۔

"دل تو ہمارا بھی بہت دکھ رہا ہے کاش یہ بچی ہمارے خاندان کا حصہ نہ ہوتی۔ تم نے ہمیں بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے لڑکی!" شاہزیب صاحب نے بہت دکھ سے دریہ کو دیکھا۔

"ہم تمہارے بارے میں نجانے کیا کیا سوچتے رہے لیکن تم نے...... ہمیں افسوس ہو رہا ہے تمہاری تربیت پر اور تمہاری سوچ پر۔" دریہ کی تو وہ حالت تھی کہ گویا ابھی زمین شق ہو اور وہ اس میں گڑ جائے۔ زہرہ اور مہر النساء بیگم نے بہت تاسف سے اسے دیکھا۔ زہرہ کو تو وہ ویسے بھی پسند نہ تھی اب تو دل میں اس کے خلاف مزید غبار بھر گیا تھا۔

"ہماری بچی کوئی ایسی حرکت کرتی تو زندہ زمین میں گاڑ دیتے۔ ہم نے بھی بچیوں کو گھر سے باہر نکالا ہے تربیت کی ہے لیکن ہماری تو کوئی بچی ایسی منہ زور نہ ہوئی تھی۔ ایسی بھی کیا دشمنی کہ اپنوں کو ہی کھانا شروع کر دیا۔" زہرہ پھپھو کے لہجے میں غم وغصہ اور بدگمانی بھی کچھ تھا۔

"کیوں کیا تم نے ایسا؟" مہر النساء بیگم پوچھ رہی تھیں اور دریہ سر جھکائے بالکل ساکت تھی۔

غزل

ہر بار مجھے زخم جدائی نہ دیا کر
گر میرا نہیں ہے تو دکھائی نہ دیا کر

سچ جھوٹ تیری آنکھ سے ہوجاتا ہے ظاہر
قسمیں نہ اٹھا اتنی صفائی نہ دیا کر

توفیق نہیں گر تجھے وعدہ نبھانے کی
اوروں کو بھی تو درس وفا نہ دیا کر

اڑجائیں تو پھر لوٹ کے کب آتے ہیں
ہر بار پرندوں کو رہائی نہ دیا کر

معلوم ہے تو رہتا ہے مجھے سے گریزاں
پاس آکے محبت کی دہائی نہ دیا کر

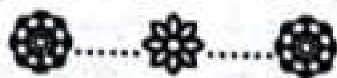
سیدہ لوبا سجاد...... کہروڑپکا

''ہمیں جس پی سی او سے ایاز کے ٹھکانے کی اطلاع ملی تھی ہم نے وہاں سے بھی معلومات لی تھیں تو معلوم ہوا تھا کہ اطلاع دینے والی کوئی لڑکی تھی تب میں نے سوچا تھا کہ شاید ایاز کی کوئی ساتھی ہو لیکن مجھے گمان نہ تھا کہ یہ دریہ ہوگی۔ مجھے چوکیدار نے سب بتایا تھا کہ اس دن دریہ کس لباس میں کس حلیے میں اور کس قدر پریشان گھر سے نکلی تھی اور اس سے پی سی او کا ایڈریس پوچھا تھا تب بھی میں نے دھیان نہیں دیا تھا۔ میرے گمان میں نہیں تھا کہ وہ اطلاع دینے والی لڑکی یہ دریہ ہوگی جبکہ پی سی او والے کی فراہم کردہ معلومات اور چوکیدار کی باتوں میں ذرا برابر بھی فرق نہ تھا لیکن امجد خان نے جب بتایا کہ ایاز کے نمبر سے ہمارے گھر کے نمبر پر کال کی جاتی رہی ہیں تو میں چونکا اور پھر وائس ریکارڈ نے سب بتادیا۔ ہمارے پاس ایک ایک کال کا ریکارڈ موجود ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دریہ نے یہ سب کیوں اور کس لیے کیا۔'' مصطفیٰ کے الفاظ پر شاہزیب صاحب نے بہت دکھ سے دریہ کو دیکھا۔

''تم ہمیں سب بتاؤ لڑکی ورنہ ہم مصطفیٰ کو اجازت دے دیں گے کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ پولیس اسٹیشن لے جائے۔'' ان کے انداز میں بہت سنجیدگی تھی۔ دریہ تھر تھر کانپنے لگی۔

''پلیز انکل! ایسا مت کریں۔'' وہ رودی لیکن وہاں موجود کسی بھی شخص کو اس پر رحم نہیں آیا' سبھی نے تنفر اور بے حسی سے اسے دیکھا تھا۔ دریہ روتے ہوئے وہ سب بتارہی تھی جو وہ کرچکی تھی سب کچھ ہر بات' اپنی نفرت' شہوار سے الجھنا' ایاز کو دیکھنا' اس سے نمبر لینا' شہوار کو تباہ کرنے کا پلان سب کچھ...... اور پھر شہوار کے اغواء تک کی کہانی' سبھی بہت سنجیدگی سے اسے سن رہے تھے۔

''اسے کمرے میں بند رہنے دو اس کے والد سے ہم بات کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد ہم فیصلہ کریں گے کہ اس کے ساتھ کیا کرنا ہے۔'' سب کچھ سننے کے بعد شاہزیب صاحب نے کہا' مصطفیٰ نے بہت نفرت سے پھوٹ پھوٹ کر روتی دریہ کو دیکھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس کے وجود کا حشر نشر کردے اور اسے الٹا لٹکادے وہ بڑی مشکل سے خود پر ضبط کرتا کمرے سے نکلا تھا۔



ہادیہ کے والد نے ابوبکر کو گھر انوائٹ کیا تھا' ابوبکر نکاح کے بعد ویسے تو ہادیہ سے ملتا تھا لیکن ایک داماد کی حیثیت سے کم ہی ان کے گھر جانا ہوتا تھا۔ ابوبکر کے علاوہ انہوں نے رابعہ کی پوری فیملی کو بھی انوائٹ کیا تھا۔ وہ لوگ وہاں پہنچے تو علم ہوا اس ڈنر میں ہادیہ کے والد صاحب نے ان لوگوں کے علاوہ چند اور قریبی رشتہ داروں کو بھی انوائٹ کیا تھا۔ مردوں کا انتظام ڈرائنگ روم میں جبکہ خواتین کی سیٹنگ ارینجمنٹ اندرونی ہال میں کی گئی تھی۔ ہادیہ کے والد ابوبکر کو اپنے خاندان سے متعارف کروانا چاہتے تھے۔ ابوبکر اب کافی حد تک سیٹل ہو چکا تھا سو ایک مقصد سب کا مل بیٹھ کر شادی کی ڈیٹ فکس کرنا بھی تھا۔ عباس صاحب بھی انوائٹڈ تھے وہ آج کافی دن بعد گھریلو جھمیلوں اور ہاسپٹلز کے چکروں سے فارغ ہو کر یہاں آئے تھے۔ ابوبکر' سہیل اور فیضان صاحب سے مل کر ذہنی

طور پر خود کو کافی فریش محسوس کیا تھا۔
ہادیہ کے گھر والوں نے استانی جی کو بھی بلا رکھا تھا وہ اکثر ہادیہ کے گھر والوں سے ملتی رہتی تھیں۔ ہادیہ نے بطور خاص رابعہ بھابی اور ثریا بیگم کو ان سے ملوایا تھا۔ ثریا بیگم بہت جلد ہادیہ کی آپی سے گھل مل گئی تھیں۔
گفتگو کے دوران ثریا بیگم نے کئی بار نوٹ کیا کہ ہادیہ کی آپی جان کی نگاہیں کئی بار بطور خاص رابعہ کی طرف اٹھی ہیں۔ انہوں نے ثریا بیگم سے رابعہ کے بارے میں کافی تفصیلی بات چیت کی تھی۔ رابعہ کے والد وغیرہ وہ کافی کرید کرید کر سوال کرتی رہی تھیں اور ثریا بیگم کچھ دیر بعد ایک دم سنجیدہ ہوگئی تھیں جبکہ آپی جان الجھی الجھی سی تھیں۔ کھانے کا دور چلا تو ہادیہ کی آپی جان نے کھانا کمرے میں ہی کھایا تھا جبکہ باقی تمام خواتین اس جگہ آ گئی تھیں جہاں مردوں و عورتوں کے لیے علیحدہ علیحدہ انتظام تھا۔
رابعہ ہادیہ کے ساتھ ہی کمرے میں کھانا کھا رہی تھی جہاں ہادیہ کے علاوہ اس کی آپی جان اور ساتھ ان کی خالہ بھی تھیں۔ کھانا خوش گوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔ کھانے کے بعد مرد حضرات کے درمیان شادی کی ڈیٹ فائنل کرنے کی بات چیت شروع ہو چکی تھی سب کی متفقہ رائے کے تحت اگلے ماہ کی کوئی تاریخ طے پائی تھی۔ تقریب کافی خوش گوار رہی تھی۔ سبھی مہمان جانے لگے تو وہ لوگ بھی ہادیہ کے والدین سے اجازت لے کر باہر نکل آئے تھے۔ ابوبکر نے اپنی گاڑی میں ان کو گھر چھوڑنے کی ذمہ داری لی تھی۔ فیضان صاحب ہادیہ کے والد سے الوداعی کلمات ادا کر رہے تھے جب کہ وہ تینوں خواتین ابوبکر کی گاڑی کی طرف آ گئی تھیں۔ گیٹ سے نکلا عباس ان کو دیکھ کر ان کی طرف چلا آیا تھا اس نے سلام دعا کی۔ ثریا نے کافی خوش دلی سے اس کے سلام کا جواب دیا۔
''آپ ہماری طرف آیئے نا؟'' رابعہ کو دیکھ کر اس نے کہا۔
''ارادہ تو ہمارا ہے لیکن تمہاری طرف سے ابھی تک بلایا نہیں گیا۔''
''جی ہمارے گھر میں کچھ مصروفیات تھیں جس کی وجہ سے سبھی بزی تھے ان شاء اللہ ماں جی ایک دو دن میں آپ کو کال کریں گی۔ اللہ سب کچھ خیر خیریت سے کرے۔'' عباس مسکرایا۔ ابوبکر بھی وہیں آ گیا تھا اور فیضان صاحب بھی۔ چند منٹ ان سے بات کی عباس نے پھر وہ سب عباس سے اجازت لے کر ابوبکر کے ساتھ رخصت ہوگئے تھے۔
فیضان صاحب کا انداز آج بھی سنجیدہ تھا۔ عباس کو نجانے کیوں آج ان سے مل کر عجیب سی کیفیت نے آ لیا تھا۔ وہ ابھی ادھیڑ بن میں کھڑا تھا کہ ہادیہ خالہ بی کا ہاتھ تھامے اپنی آپی کے ساتھ آتی دکھائی دی عباس نے ان کو دیکھا۔
''تم ٹینشن نہ لو ہم لوگ چلی جائیں گی۔'' بڑی سی چادر میں لپٹی چہرے پر چادر ڈالے اس خاتون نے کہا۔
''آپ ڈرائیور کا ویٹ کرلیں' کچھ مہمانوں کو ڈراپ کرنے گیا ہے' بس آتا ہی ہوگا۔''
''نہیں بیٹا پھر زیادہ دیر ہوجائے گی۔'' آپی جان نے منع کیا' عباس اپنی گاڑی میں بیٹھ رہا تھا جب ہادیہ نے کچھ سوچتے ایک دم سے پکارا۔
''ایکسکیوز می سر!'' عباس رک گیا' اس نے پلٹ کر ہادیہ کو دیکھا جو اس کے قریب آ گئی تھی۔
''یہ میری ٹیچر ہیں آپ جس روٹ سے گزر کر گھر جائیں گے اسی طرف ان کا گھر ہے۔ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو پلیز ان کو ڈراپ کردیں گے' ڈرائیور کچھ اور مہمانوں کو چھوڑنے گیا ہوا ہے۔'' عباس نے ان دونوں خواتین کی طرف دیکھا اور پھر ہادیہ کو جو منتظر سی کھڑی تھیں' عباس نے سر ہلا دیا۔
''اوکے۔'' ہادیہ ایک دم خوش ہوگئی تھی۔ وہ ان دونوں کو لے کر پچھلی سیٹ کی طرف بڑھیں۔
''آپ بالکل ٹینشن نہ لیں بالکل ایزی ہو کر جائیں۔'' آپی جان نے سر ہلا لیا' سارا رستہ خاموشی رہی تھی۔ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھیں' خالہ بی نے بس عباس کو ایک دو بار پوچھنے پر ایڈریس بتایا تھا ان لوگوں کا گھر عباس کے روٹ پر تھا لیکن علاقہ قدرے ہٹ کر' کافی پرانی رہائشی کالونی تھی' گھر بھی اسی نوعیت کا تھا۔ عباس نے ان دونوں کو ان کے گھر کے سامنے اتارا تھا۔
''جیتے رہو خوش رہو۔'' خالہ بی نے گاڑی سے اترنے سے پہلے عباس کے کندھے پر ہاتھ پھیرتے محبت سے کہا تھا۔
''آئیں آپ کو چائے پلاتے ہیں۔'' آپی جان نے پرخلوص انداز میں آفر کی۔
''نہیں شکریہ! کافی دیر ہوگئی ہے۔'' آپی جان نے محض سر ہلایا تھا۔ وہ دونوں اتر گئی تھیں۔ خالہ بی نے گھر کا دروازہ کھولا تب

عباس نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

❀......❀......❀

ثریا بیگم جب سے ہادیہ کے گھر سے لوٹی تھیں کچھ الجھی الجھی سی تھیں۔ انہوں نے آ کر عشاء کی نماز پڑھی اور پھر گم صم ہوگئی تھیں نیند کوسوں دور تھی۔ وہ کمرے سے نکلیں تو فیضان صاحب واش روم سے نکل کر بیٹھک کی طرف بڑھ رہے تھے انہیں دیکھ کر رکے۔

''سوئیں نہیں آپ ابھی تک؟'' انہوں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں بس نیند نہیں آ رہی۔'' انداز الجھا الجھا سا تھا۔

''کیوں، خیریت؟''

''بس ویسے ہی۔'' وہ پریشان تھیں۔ فیضان صاحب نے محسوس کیا کہ جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہو۔

''ادھر آ جائیں۔'' وہ ان کو لے کر بیٹھک کی طرف آ گئے۔ وہ ایک طرف بیٹھیں تو فیضان صاحب خود بستر کے کنارے ٹک گئے۔

''اب بتائیں کیا بات ہے؟''

''میں بہت پریشان ہوں فیضان!'' انہوں نے بے چارگی سے کہا۔

''کیوں...... کیا ہوا؟'' وہ حیران ہوئے۔

''میں سوچ رہی ہوں کہ اب رابعہ کی شادی کر رہے ہیں، اتنے بڑے لوگ ہیں وہ ہم ہمیشہ کے لیے تو نہیں چھپا سکتے کہ رابعہ کے والد کون ہیں۔ میں نے مصلحتاً جو جھوٹ بولا تھا اب اس پر پچھتاوا ہوتا ہے، میں چاہتی ہوں شادی سے پہلے میں رابعہ کو بتا دوں۔''

فیضان نے ایک گہرا سانس لیا۔

''میں خود کئی بار آپ سے یہی بات کرنا چاہتا تھا لیکن جس طرح آپ رابعہ کے معاملے میں جذباتی ہو جاتی تھیں تو میں خاموش ہو رہا۔ جب ابوبکر سے رابعہ کی شادی طے تھی تو بھی میں سوچتا تھا کہ رابعہ کو سچ بتا دیا جائے لیکن آپ کی وجہ سے خاموش رہا۔ میں سمجھتا ہوں رابعہ اب میچور لڑکی ہے وہ حالات اور سچوئشنز کو جسٹی فائی کرتے ہماری بات سمجھنے کی کوشش ضرور کرے گی۔''

''ہاں میں بھی کبھار بہت پریشان ہو جاتی ہوں، ابا مرحوم کہا کرتے تھے کہ میں یہ بہت بڑا گناہ کر رہی ہوں، جانتے بوجھتے بچی کی ولدیت چھپالی لیکن اللہ گواہ ہے فیضان! میں نے یہ سب محض رابعہ کی بھلائی کے پیش نظر کیا تھا ان دنوں تم بھی غائب تھے اور واپسی کی کوئی امید نہ تھی رابعہ کے ماں باپ کے حوالے سے کوئی ثبوت ہمارے پاس نہ تھا، مجبوراً مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا تھا۔''

''ہاں آپ کا کوئی قصور نہیں، میں اپنی پراپرٹی واپس لینے کی کوشش میں اس قدر گم ہو گیا کہ بالکل بھی رابعہ کا خیال تک نہ رہا تھا اور تھوڑی بہت پراپرٹی جو ملی وہی غنیمت جان کر لوٹ آیا۔ بہرحال میں سوچتا ہوں ہمیں رابعہ سے نہیں چھپانا چاہیے لیکن آپ کی رابعہ سے محبت کی وجہ سے میں نے کچھ نہیں کہا تھا۔''

''آج ہادیہ کے ہاں اس کی استانی سے ملاقات ہوئی تھی، بڑی خوب صورت اور دل موہ لینے والی ہستی تھیں ان کو دیکھ کر مل کر دل نجانے کیوں اٹک سا گیا تھا۔ وہ رابعہ کے بارے میں پوچھتی رہیں کہ کون ہے؟ والدہ کا نام کیا ہے؟ تب مجھے شدت سے احساس ہوا کہ رابعہ کے ساتھ سہیل کے باپ کا نام لگا کر میں نے بہت بڑی غلطی کی ہے تب سے ایک پل بھی چین نہیں آ رہا۔'' وہ محض مسکرائے تھے۔ ثریا بیگم تھوڑی دیر اور ان کے پاس بیٹھی تھیں، عباس کے حوالے سے بات کرتی رہی اور پھر اٹھ کر چلی گئیں تو فیضان صاحب پر سوچوں کے عجیب سے در کھل گئے اور پھر باقی ساری رات وہ سو نہیں سکے تھے ماضی اور حال کو یاد کرتے کرتے وہ نڈھال سے ہوتے چلے گئے تھے۔

❀......❀......❀

وہ ناشتا کر رہی تھی جب اس کا موبائل بجا۔ وہ ناشتا چھوڑ کر کمرے میں آئی، موبائل اٹھا کر دیکھا تو سر عباس کی کال تھی، وہ چونکی اتنی صبح صبح کیسے کال کر لی انہوں نے۔

''السلام علیکم سر!''

حلیمہ سعدیہ شوکت

سویٹ سویٹ میٹھی آنچل اور حجاب کی قارئین سلام! میں تل خالصہ کے گاؤں میں رہتی ہوں ویسے ہمارے گاؤں کو تل رابگان بھی کہتے ہیں اور میں نے 16 اپریل 1999 کو اس دنیا میں روشنی بکھیری ہم ذات کے راجہ ہیں۔ ہم چار بہنیں اور ایک پیارا معصوم سا بھائی میرا نمبر 4 ہے پہلے بہن ہے اس نے ایم اے اردو کیا ہے پھر بھائی پھر بہن پھر میں یعنی راجہ سعدیہ پھر چھوٹی بہن ہم سب میں پیار بھی بہت ہے مجھے اپنے امی ابو سے بہت پیار ہے میں 10 کلاس میں تھرڈ پوزیشن لی ہے اب کالج میں ایڈمیشن لوں گی اب بات ہو جائے پسند ناپسند کی تو دوستوں کلرز میں مجھے بلیک اسکائی بلو اور پسندیدہ مشغلہ ناول پڑھنا اور گھومنے کی بہت زیادہ شوقین ہوں شور شرابا پسند ہے کام سارے کر لیتی ہوں ترکی اور مدینے جانا چاہتی ہوں کھانے میں ہر چیز کھالیتی ہوں میٹھے میں آئس کریم پسند ہے اپنے بھائی سے بہت پیار ہے شاعری کرتی ہوں دوست میری بہت زیادہ ہیں میں دو مرتبہ آنچل میں اپنے خط شائع کروا چکی ہوں اب میں دوستی کرنا چاہتی ہوں پروین افضل شاہین جی آپ سے شاہ زندگی آپ سے رشک وفا آپ سب مجھے اپنی دوست بنائے ارم کمال آپ سے بھی اب آنچل کو اللہ دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا کرے۔ آمین

”وعلیکم السلام! کیسی ہیں؟“

”میں ٹھیک ہوں۔“

”میرا حال دریافت نہیں کریں گی؟“ دوسری طرف سے مسکرا کر پوچھا گیا۔

”جی آپ کیسے ہیں؟“

”بہت بُرے حال میں ہوں۔“ دوسری طرف مسکرا کر بتایا گیا۔

”جی...... وہ ابھی۔

”آپ تو گزشتہ شب یوں نظر انداز کیے گاڑی میں جا بیٹھی تھیں جیسے کوئی آشنائی نہ ہو ایسی بھی بھلا کیا بے مروتی۔“ عباس کے مسکراتے لہجے میں شکوہ کیا۔

”ایسی بات نہیں، بھی ساتھ تھے امی بھابی میں بھلا کیا بات کرتی۔“

”حال چال ہی دریافت کر لیتیں۔“

”امی نے پوچھا تو تھا۔“ دوسری طرف عباس ہنس دیا۔

”ویسے میں ایک چیز سوچ کر رات بھر بہت مطمئن ہوتا رہا۔“

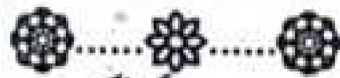
”وہ کیا؟“

”آپ جیسی لڑکی کے سامنے کوئی بھی ترغیب کوئی معنی نہیں رکھتی۔“ عباس کے اس سادہ سے جملے نے رابعہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی۔

”آپ جیسی شریک حیات بہت وفادار ہوتی ہے یہ میری آبزرویشن ہے۔ کچھ گھریلو مسائل کی وجہ سے بابا جان اس سلسلے پر توجہ نہیں دے سکے لیکن ان شاء اللہ ایک دو دن میں وہ آپ لوگوں کی فیملی کو انوائٹ کریں گے۔ میں چاہتا ہوں آپ جلد از جلد ہمارے گھر آجائیں۔“ رابعہ کے چہرے پر کچھ سرخی سی پھیلی گئی تھی۔

”رابعہ یقین مانئے مجھے آپ کے وجود سے زیادہ آپ کے کردار نے متاثر کیا ہے۔ میں کوئی جذباتی فیصلے کرنے والا سطحی ذہن کا حامل انسان نہیں ہوں لیکن آپ کی ذات نے مجھے بہت متاثر کیا ہے اور میں آپ کو کسی بھی حال میں اب کھونا نہیں چاہتا۔“ عباس کے لہجے میں جذبوں کا رچاؤ تھا۔ عجیب سی اثر انگیزی تھی رابعہ تو جیسے ان الفاظ کے جادو میں جکڑی گئی تھی۔ عباس اس سے کچھ اور بھی کہہ رہا تھا شاید زندگی بھر ساتھ نبھانے کے وعدے کر رہا تھا لیکن اسے کچھ بھی سنائی نہ دے رہا تھا۔ چند باتوں کے بعد عباس نے کال بند کر دی اور رابعہ کو لگ رہا تھا کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔

ایک وفادار اور نیک عورت کے لیے اپنے کردار کی گواہی سے بڑھ کر اور کچھ بھی اہم نہیں ہوتا اور وہ اسی گواہی کے جادو میں گھری رہ گئی تھی۔ وہ جواب تک عباس کی شخصیت کے جادو سے دامن بچا بچا کر چل رہی تھی ایسے لگا کہ عباس کے الفاظ نے اس کی دل پر اثر کیا ہے اس کے احساسات ایک دم سبک سے ہوگئے تھے۔ دل میں نرمی سی اتر آئی تھی۔ سر عباس اور ان کی باتوں کو یاد کرتے وہ عجیب سی خود فراموشی کی سی کیفیت میں مبتلا ہوگئی تھی۔



وہ کالج نہیں جاسکی اس کا خیال تھا کہ وہ شہوار کی طرف جائے گی لیکن دس بجے کے قریب مصطفیٰ بھائی کی پھوپو اپنی بہو اور بیٹے کے ساتھ ان کی طرف چلی آئی تھیں اور اتفاقاً ماموں، صبوحی بیگم اور وقار صاحب تینوں ہی گھر پر تھے البتہ افشاں احسن کے ساتھ صبح صبح شہوار کی طرف چلی گئی تھیں رات وہ ادھر ہی رکی تھیں۔

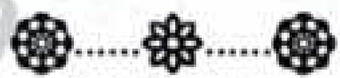
انا ان کی آمد پر الجھی تھی۔ اس کا دل بڑے خوف زدہ انداز میں دھڑکا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھی رہی وہ لوگ کچھ دیر بیٹھ کر چلے گئے روشی نے اس کے کمرے میں جھانکا تو وہ گم صم سی اپنے بستر کے کنارے پر براجمان تھی وہ اندر آ گئی۔

''کچھ پتا چلا حماد بھائی کی امی کیوں آئی تھیں؟'' اس نے بس سوالیہ دیکھا۔

''شادی کی تاریخ فکس کرنے حماد پاکستان آ رہا ہے اور وہ چاہتی ہیں کہ اب جلد از جلد شادی ہو جائے۔'' انا کا رنگ اڑا۔

''اور انکل نے اگلے ماہ کی کوئی بھی تاریخ فائنل کرنے کو کہہ دیا ہے وہ کہہ رہی تھیں کہ گھر جا کر سب سے مشورہ کر کے وہ رات کو کال کریں گی۔'' انا کا چہرہ بالکل زرد ہوگیا تھا۔ روشی اس کے پاس بیٹھ گئی۔ اس نے اس کا ہاتھ تھاما تو اندازہ ہوا انا بالکل ساکت ہے۔

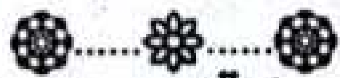
''انا پلیز ابھی بھی وقت ہے تم مجھے بتا سکتی ہو میں سب کو روک لوں گی میں جانتی ہوں تم یہ سب نہیں چاہتیں لیکن پلیز خود پر یہ ظلم مت کرو۔'' انا کے لب پھڑپھڑائے اس کا جی چاہا کہ وہ روشی کو سب کہہ دے وہ ایک دم روشی کے گلے لگ کر سسک اٹھی اور پھر وہ سب کہتی چلی گئی جو اس کے دل کا بوجھ بن گیا تھا اور روشی حیرت سے گنگ سب سن رہی تھی۔ جوں جوں وہ سن رہی تھی ویسے ویسے اس کا اپنا وجود ساکت ہوتا جارہا تھا۔



فیضان صاحب نے رابعہ کو بلوایا، وہ آئی تو وہاں فیضان کے ساتھ سہیل اور ثریا بیگم بھی موجود تھے۔ فیضان نے اسے اپنے پاس بیٹھنے کو کہا تو وہ بیٹھ کر سوالیہ انداز میں سب کو دیکھنے لگی۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر گفتگو کا آغاز کیا۔ وہ بہت الجھی نظروں سے سب کو دیکھ رہی تھی اور پھر وہ اپنی کہانی سناتے اپنے ماضی سے رابعہ کو آگاہ کرنے لگے رابعہ حیرت سے گنگ ساکت سی سنتی چلی گئی۔ انہوں نے رابعہ سے کچھ بھی نہ چھپایا تھا ایک ایک لفظ کہہ سنایا حتیٰ کہ عباس کی فیملی سے اپنے رشتے کی بھی وضاحت کردی تھی جبکہ رابعہ گم صم تھی اور بے یقین سی۔ وہ سہیل کی بہن نہ تھی بلکہ فیضان ماموں کی بیٹی تھی، حقیقی بیٹی۔ وہ بے یقین تھی، ثریا بیگم اور سہیل نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا اب شک کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی تھی۔

''میں جانتی ہوں میں نے کچھ حد تک غلط کیا لیکن یہ جو بھی کیا محض تمہاری بھلائی اور فلاح کے لیے کیا تھا۔'' وہ گم صم سی تھی، جب ثریا نے اسے ساتھ لگاتے مزید کہا۔

''فیضان تو مجھے کئی بار کہتا رہا کہ تمہیں اب حقیقت بتا دینی چاہیے لیکن میں ہی ڈرتی رہی کہ نجانے تمہارا کیا ردعمل ہو تم ہمیں کس انداز سے لو۔'' وہ اب بھی خاموش تھی، وہ یقین کرنے میں ابھی بھی متامل، وہ بار بار نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ فیضان، سہیل اور ثریا اسے کافی دیر تک سمجھاتے رہے اور وہ خاموش تماشائی بنی حیرت سے سنتی رہی تھی۔



شاہزیب صاحب نے دریہ کے والد سے فون پر بات کی تھی، وہ از حد شرمندہ تھے۔ وہ باہر کے ماحول میں رہتے ہوئے ہیں پلے بڑھے اور پھر وہیں ماموں زاد سے شادی ہوگئی تھی۔ ایسے میں ان کی اولاد بھی اسی ماحول کا حصہ بنتی چلی گئی۔ چند دن کے لیے پاکستان آنا اور بات تھی لیکن وہ چاہتے تھے کہ دریہ کی شادی وہ پاکستان میں ہی کریں مگر اب دریہ جو کر چکی تھی اس حرکت نے ان کو بہت تکلیف دی تھی۔ انہوں نے دریہ کو واپس بھیج دینے کا کہا اور خود بھی دریہ سے بات کر کے اسے سخت سست کہا تھا۔ دریہ کا خیال تھا کہ اس کی

ہوشیاری کا پول نہیں کھلے گا لیکن اب جس طرح ہر بات کھل کر واضح ہوئی وہ خود بھی خوف زدہ ہوگئی تھی۔ سب سے زیادہ مصطفیٰ کی اسے پولیس کے حوالے کردینے والی دھمکی نے کام کیا تھا' وہ بالکل خاموش ہوگئی تھی۔ وہ جانتی تھی اب یہ خاموشی ہی اس کی بھلائی ہے' مصطفیٰ اور اس گھر والوں سے کچھ بعید بھی نہ تھا کہ پکڑ کر اسے حوالات میں ہی بند کروادیتے۔

شاہزیب صاحب نے منع کردیا تھا کہ دریہ کی حرکتوں کی خبر شہوار تک نہ پہنچ پائے ورنہ وہ پھر ٹوٹ جائی گی وہ پہلے ہی بڑی مشکل سے خود کو بحال کررہی تھی۔ شاہزیب نے لائبہ کے بیٹے کا نام رکھتے اس کے عقیقے کا اعلان کیا تھا۔ وہ گھر میں چھائے اس ٹینشن زدہ ماحول کو بدلنا چاہتے تھے۔

تقریباً سارا خاندان ہی مدعو تھا اگلے دن عقیقہ تھا۔ شہوار کی طبیعت بھی کچھ بہتر تھی چونکہ کافی عرصے سے بابا صاحب شہر میں ہی موجود تھے تو عقیقے کی تقریب بھی شہر میں رکھی گئی۔ اگلے دن کافی مہمان جمع تھے' شہوار کا غم ایک طرف لائبہ کے بیٹے کی خوشی بھی اپنی جگہ تھی۔ شہوار بھی خود کو سنبھالتی لباس بدل کر صبا کی مدد سے ہلکا پھلکا تیار ہوئی تھی۔ مصطفیٰ آفس گیا ہوا تھا' کوئی ضروری کام تھا اس نے جلد آنے کا وعدہ کیا تھا۔ ولید اور انا کی فیملی بھی انوائٹڈ تھی لیکن انا نہیں آسکی تھی روشی بھی گھر رک گئی تھی باقی لوگ آئے تھے۔ مصطفیٰ گھر آیا تو شہوار کمرے سے نکل کر لائبہ کے روم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ مصطفیٰ کو یہ تبدیلی اچھی لگی تھی' لائبہ کا بیٹا اس کی گود میں تھا۔ مصطفیٰ سب سے سلام دعا کرتا ادھر ہی آ بیٹھا تھا' ساری نوجوان پارٹی اسی کمرے میں جمع تھی' خوش گپیاں چل رہی تھیں۔ وہ صوفے پر بیٹھے ہوئی تھی' مصطفیٰ بھی اس کے ساتھ ٹک گیا تھا۔

''کتنا پیارا بچہ ہے ماشاء اللہ۔'' شہوار کے لہجے میں حسرت تھی' انداز مدھم سا تھا۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ اس وقت شہوار کے اندر کس قسم کی فیلنگز پیدا ہورہی ہوں گی۔

''ان شاء اللہ' ہمیں بھی ایسا ہی بیٹا دے گا۔'' مصطفیٰ نے دھیمے سے جھک کر بچے کو پیار کرتے کہا تو شہوار کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ لہرائی تھی اس نے زیر لب آمین کہا۔

''میں چینج کرلوں' سیدھا ادھر ہی چلا آیا تھا۔'' مصطفیٰ کھڑا ہوا۔

''میں بھی چلتی ہوں۔'' اس نے بچہ ساتھ بیٹھی صبا کو تھمادیا۔ وہ مصطفیٰ کے ہمراہ اس کا ہاتھ تھامے باہر نکل آئی۔ وہاں موجود بھی لوگوں نے اسے بہت افسردگی سے دیکھا تھا' وہ مصطفیٰ کے ہمراہ چلتی ہوئی اپنے کمرے تک آئی تھی۔

''آج بہت دنوں بعد بہت اچھی اور کچھ حد تک فریش لگ رہی ہو۔'' مصطفیٰ نے کمرے میں لاکر بستر کے کنارے بٹھا کر کہا تو وہ مسکرائی۔

''کیوں باقی دنوں میں آپ کو اچھی نہیں لگتی تھی؟''

''لگتی تو تھیں لیکن آج کچھ پرسکون اور فریش لگ رہی ہو نا۔''

''کوئی بھی غم طویل مدت تک نہیں ہوتا' آپ نے ہی تو کہا تھا صبر کرو خود کو سنبھالو اللہ اور دے گا۔ بس اللہ ہی صبر دینے والا ہے میں تو بس کوشش کررہی ہوں۔'' اس کی آواز آخر میں پھر بھیگی۔ مصطفیٰ نے بہت محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر ہونٹوں سے لگایا۔

''بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ وہ اپنے بندوں پر ان کی بساط سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا' اس کی مصلحتیں وہی جانے۔'' شہور نے سر ہلایا۔

''تھک تو نہیں گئی اگر لیٹنا چاہو تو......''

''نہیں۔'' شہوار نے نفی میں سر ہلایا۔

''بلکہ میں اتنے دنوں سے لیٹے لیٹے تھکنے لگی ہوں۔'' مصطفیٰ مسکرا کر کھڑا ہوا۔

''میں باتھ لے لوں۔'' شہوار بھی کھڑی ہوگئی۔

''میں آپ کے کپڑے نکالتی ہوں۔'' اس کے انداز میں محبت تھی۔

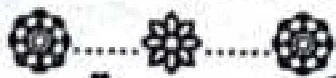
''تھک جاؤ گی رہنے دو میں کرلوں گا۔'' مصطفیٰ نے روکا۔

''آپ کی محبت ساتھ ہوگی تو میں نہیں تھکوں گی' ویسے بھی اس گھر میں ہر کام کے لیے ملازم موجود ہیں لیکن آپ کے یہ چھوٹے

موٹے کام کر کے مجھے روحانی خوشی محسوس ہوتی ہے۔" مصطفیٰ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس نے محبت سے کہا۔ مصطفیٰ نے اسے دونوں کندھوں سے تھام کر اپنے سامنے کرتے بغور دیکھا اور پھر ایک دم جھک کر اس کی صبیح روشن پیشانی چوم لیا۔ شہوار نے ایک گہرا سانس لیتے مصطفیٰ کے کندھے سے سر ٹکا دیا۔

"بس سب کچھ بھول کر اب جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ' ایگزیمز سر پر ہیں ان کی طرف توجہ دو اب تو تابندہ بوا بھی آ گئی ہیں ٹینشن کی کوئی بات ہی نہیں رہی۔" شہوار سر ہلا کر مسکرا کر پیچھے ہوئی۔

"میں آپ کے کپڑے نکالتی ہوں بس آپ فریش ہو لیں۔" وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے وارڈ روب کی طرف بڑھی جبکہ مصطفیٰ اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھتا واش روم کی طرف بڑھ گیا۔



وہ عجیب سی مضمحل سی کیفیت میں تھی۔ روشی تو خود گم صم اور پریشان تھی' وہ جو دعویٰ کر چکی تھی کہ سب کچھ روک لے گی اب خود بھی الجھ گئی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ رات حماد کی والدہ نے کال کی تھی یا نہیں وہ تو اپنے ہی ادھیڑ بن میں تھی۔ باقی سب لوگ لائبہ کے بیٹے کے عقیقے میں گئے ہوئے تھے وہ دونوں ہی گھر پر تھیں۔ انا بکس لے کر بیٹھی تھی لیکن دل ایک دم اچاٹ ہوا تو وہ بکس اٹھا کر کمرے سے نکل آئی' اسے اپنے کمرے میں شدید گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ لاؤنج میں آئی تو وہاں ٹی وی چل رہا تھا میوزیکل پروگرام میں کوئی فرمائشی سانگ چل رہا تھا' اسٹیج پر ابرار الحق تھا شاید روشی دیکھ رہی تھی لیکن روشی اب وہاں نہ تھی انا کے قدم گیت کے الفاظ سن کر ہی ساکت ہو گئے تھے۔

"بھیگا بھیگا سا یہ دسمبر ہے بھیگی بھیگی سی تنہائی ہے
ان کتابوں میں جی نہیں لگتا ہم کو بجنی کی یاد آئی ہے"

انا کو لگا وہ بالکل جامد سی ہو گئی ہے۔ گیت کے بول کیا تھے تیز دھار آلہ تھے وہ خود ہی صوفے پر گر گئی۔ سنگر کی آواز کا سوز' میوزک کا ردھم ہر چیز جیسے دل پر چوٹ لگا رہی تھی۔

شام کی کالی آنکھیں جب پلکوں کو جھپکاتی ہیں
کسی پیڑ کے نیچے کچھ یادیں گنگناتی ہیں
کچھ پیار کے آدھے نغمے آدھی پیار کی کہانی
اک شہر کا راجہ اور اک گاؤں کی رانی
دونوں بڑے پریمی تھے' بن میں آیا کرتے تھے
ان کے پیار کے میٹھے نغمے پنچھی گایا کرتے تھے
اب نہ پریمی ہیں نہ وہ باتیں ہیں
اور یادیں ہی اپنی کمائی ہے
ان کتابوں میں جی نہیں لگتا ہم کو بجنی کی یاد آئی ہے

الفاظ کا اثر تھا یا دل دکھا ہوا تھا آنسو بے اختیار رخساروں پر بہتے چلے گئے۔ انا کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کون سی چیز رلا رہی تھی۔ وہ بے حس و حرکت بیٹھی اسکرین کو دیکھتے بس روئے جا رہی تھی۔

"اس کمرے کی کھڑکی بارش کا شور سناتی ہے
اور تمہاری آہٹ ہم کو یہ روگ لگاتی ہے
اب کے سال دسمبر میں جب بن میں جاؤں گا
نیلی جھیل' درختوں کے سائے اور سوکھے پتے
سارے تیرا پوچھیں گے کہاں ہے تیرا پوچھیں گے
تیرا پریمی یار کہاں ہے سارے تیرا پوچھیں گے

کیا بتاؤں گا کیا کہانی ہے

اب تو قسمت میں اپنی جدائی ہے"

روتے روتے انا نے لب بھینچ لیے تھے۔ آج کل وہ پچھتاؤوں کے سفر میں تھی ولید اس سے مکمل طور پر بدظن ہو چکا تھا اور اس حماد کے وجود سے انکار کی کوئی راہ نہ مل رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ گویا اپنے ہی بچھائے ہوئے جال میں اس بری طرح مقید ہو گئی ہے کہ اب فرار کی کوئی راہ باقی نہیں بچی اسکرین پر اب بھی سنگر گا رہا تھا۔ سنگر کی پرفسوں آواز اور گیت کے بول سارے ماحول کو اپنے سحر میں جکڑے ہوئے تھے۔

وہ گم صم سی اسکرین پر نظریں جمائے گھورے جا رہی تھی جب ایک دم کسی نے ریموٹ کنٹرول اٹھا کر اسکرین آف کی تھی انا ایک دم چونکی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ وہاں ولید کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں ریموٹ تھا جسے اس نے صوفے پر پھینکا انا نے تیزی سے اپنے رخساروں کو رگڑا تھا۔

"کیا بات ہے؟" ولید کا انداز بڑا نپا تلا سا تھا وہ ایک دم کنفیوژ ہوئی اور نفی میں سر ہلا کر کھڑی ہوئی تھی اسے اس وقت خوامخواہ شرمندگی نے آ لیا تھا۔

نجانے وہ کب گھر آیا تھا وہ اپنی سوچوں اور گیت کے بول میں اتنی محو ہو گئی تھی کہ اس کی آمد کا قطعی علم نہ ہو سکا تھا۔ وہ اس وقت جس قسم کی کیفیت سے گزر رہی تھی ایسے میں ولید تو کیا کسی کا بھی سامنا کرنے کے قابل نہ تھی۔ وہ ولید کو دیکھے بغیر وہاں سے جانے لگی جب ولید ایک دم اس کے سامنے آ گیا تھا۔

"کیوں رو رہی تھیں؟" اس نے پھر سوال دہرایا تو انا نے بے اختیار سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اب بھی آنسو چمک رہے تھے۔

"کچھ نہیں۔" وہ خود پر ضبط کرتے سر جھکا کر بمشکل بول پائی۔

"اب تو تمہیں خوش ہو جانا چاہیے پھر یہ آنسو کیوں؟" انا نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں صاف کرتے پھر اسے دیکھا۔ انداز سوالیہ تھا ولید نے مسکرا کر اس کے رخسار پر اٹکے آنسو کو انگلی سے چھوا تو وہ بے اختیار پیچھے ہوئی تھی۔

"حماد سے کل رات انکل نے تمہاری شادی کی تاریخ فکس کر دی ہے سنا ہے جیسے ہی تمہارے ایگزامز ختم ہوتے ہیں تمہیں اس گھر سے رخصت کر دیا جائے گا۔" انا کی آنکھیں ایک دم خوف سے پھیلی تھیں۔ بے یقینی سے اس کا منہ تھوڑا سا کھل گیا تھا۔

"نہیں......!" اس نے بے اختیار نفی میں سر ہلایا۔

"کیا نہیں؟" ولید نے اسے بغور دیکھتے پوچھا اور انا بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھتے تیزی سے وہاں سے جانے لگی لیکن پھر اسے رک جانا پڑا تھا ولید نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"ہاتھ چھوڑیں میرا۔" شدت غم سے وہ صرف چلا سکی تھی ولید نے سختی سے اس کو دوبارہ اپنے مقابل کیا اور انا نے ولید کے اس جارحانہ انداز پر سہم کر اسے دیکھا۔

"تمہاری طرف میرے اتنے حساب نکلتے ہیں چاہوں تو ایک ایک کا بدلہ لے لوں لیکن تم نے جس طرح بدگمانی کا مظاہرہ کرتے کاشفہ جیسی گھٹیا لڑکی کا ساتھ دیتے وہ سب کیا تھا جی تو چاہتا ہے کہ تمہیں ایک لمحہ نہ لگاؤں اور شوٹ کر دوں۔" ولید کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔ اس نے بہت خوف زدہ نگاہوں سے ولید کو دیکھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے کاشفہ کے ساتھ مل کر تم جو گیم کھیلتی رہی ہو مجھے کبھی علم نہ ہو گا۔ خام خیالی تھی تمہاری مصطفیٰ مجھے سب بتا چکا ہے۔" انا نے لب بھینچ لیے تھے جبکہ آنکھوں سے بہنے والے آنسو بے اختیار تھے۔

"ترس آ رہا ہے مجھے تمہاری ذہنی حالت پر۔"

"پلیز ولید....." اس نے ایک دم نڈھال سے انداز میں کہا تو ولید نے سختی سے ہاتھ میں جکڑا اس کا ہاتھ جھٹکا۔

"تم ایک نہایت بداعتماد لڑکی ہو ہمیشہ مجھ پر شک کیا اپنے طے کردہ مفروضوں کی بنیاد پر مجھے جج کرتی رہی۔ میں سمجھتا رہا کہ تم کو میں اس طرح رسپانس نہیں دیتا اسی وجہ سے ناراض ہو لیکن تم نے تو حد ہی کر دی۔"

''پلیز ولید...... پلیز بس کریں۔'' وہ پہلے ہی بہت نڈھال تھی۔ دن رات ضمیر کی جنگ میں الجھی رہتی تھی ایسے میں اب ولید کا ری ایکشن وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رو دی۔

ولید نے لب بھینچ لیے تھے وہ تیزی سے ایک طرف سے ہو کر وہاں سے چلی گئی اور ولید نے لب بھینچ کر زور سے دیوار پر ہاتھ مارا تھا۔ وہ اسی انداز میں وہاں کھڑا تھا جب روشی پاس آئی۔

''تم کیا جانتی ہو؟'' ولید نے خاموش آنکھوں سے سوال کیا۔

''پتا نہیں آپ کیا جانتے ہیں لیکن مجھے انا نے کل ہی وہ سب بتایا ہے کہ کس طرح وہ کاشفہ جیسی لڑکی کی باتوں میں آ کر اس کے ساتھ چلی گئی تھی اور پھر اس کی وجہ سے بلیک میل ہوتی رہی تھی اس نے اب تک جو بھی کیا تھا محض کاشفہ کے کہنے پر اس کی باتوں سے خوف زدہ ہوتے ہوئے کیا تھا۔'' ولید نے ایک گہرا سانس لیا' وہ خاموشی سے صوفے پر ٹک گیا تھا۔

''مجھے رہ رہ کر اس بے وقوف لڑکی پر غصہ آتا ہے۔ جی چاہتا ہے اسے شوٹ کر دوں۔'' انداز میں بہت بے بسی تھی۔

''لیکن میں سمجھتی ہوں اس میں انا کا کوئی قصور نہیں وہ اپنے جذبات و احساسات میں قطعی بے بسی تھی اور وہ اب شرمندہ ہے تو آپ اسے یوں اس طرح مت ٹریٹ کریں وہ اندر سے بالکل ٹوٹ چکی ہے پلیز کچھ کریں۔'' ولید نے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔

''لیکن میں اسے بے قصور نہیں سمجھتا اور اس معاملے میں' میں اس کی قطعی کوئی ہیلپ نہیں کروں گا۔ وہ اپنے کیے کا بھگتان بھگت رہی ہے۔ ایسی لوگوں کی سزا احماد جیسے لوگ ہی ہوتے ہیں ویسے بھی حماد کو وہ خود درمیان میں لائی ہے اب بھگتے بھی۔''

''پلیز بھائی اتنے سنگ دل مت بنیں' وہ ہماری کزن ہے۔''

''صرف تمہاری' میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔'' ولید کے لب و لہجے میں کسی بھی قسم کی قطعی کوئی رعایت نہ تھی۔ روشنی نے بے یقینی سے دیکھا۔

''ویسے بھی اس کی شادی انکل نے طے کر دی ہے میں اب کچھ نہیں کر سکتا۔'' قطعی انداز تھا روشی نے تاسف سے دیکھا۔

''مجھے آپ سے ایسی بے حسی کی امید نہ تھی۔''

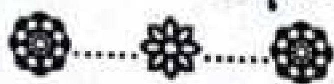
''تو کیا کروں؟ اس کی نفرت اور ناپسندیدگی کے باوجود خود کو پیش کر دوں سب کچھ بھول جاؤں۔''

''صرف آپ ہی ہیں جو انکل کو سب بتا کر قائل کر سکتے ہیں۔''

''ایم سوری میں کسی کی خاطر کوئی قربانی نہیں دوں گا۔'' ولید کے الفاظ پر روشی نے بہت دکھ سے دیکھا۔

''اس کے باوجود کہ وہ اب بھی آپ سے شدید محبت کرتی ہے اور حماد کو صرف اور صرف وہ کاشفہ کی وجہ سے درمیان میں لائی تھی۔'' ولید خاموش رہا۔

''آپ کچھ نہ کریں لیکن میں خاموش نہیں رہوں گی میں سب کی غلط فہمی ضرور دور کروں گی پھر چاہے انکل کا کوئی بھی فیصلہ ہو میں سب کو حقیقت سے آگاہ ضرور کروں گا مجھ سے انا کی یہ تکلیف نہیں دیکھی جاتی۔'' وہ قطعیت سے کہہ کر ولید کو سنجیدگی سے دیکھتے وہاں سے چلی گئی اور ولید خاموشی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔



شہوار کی طبیعت کے سبب کسی نے بھی اس سے تابندہ بوا یا بابا صاحب کے معاملے میں ڈسکس نہیں کیا تھا۔ شاہزیب صاحب نے فی الحال سب کو ہی منع کر دیا تھا کہ جب تک شہوار مکمل طور پر نارمل نہیں ہو جاتی اس سے یہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

کچھ دن گزرے تو انہوں نے دریہ کی واپسی کے انتظامات کر دیئے تھے۔ واپسی کے سفر میں دریہ شرمندہ تھی کہ نہیں لیکن اس کا سارا دم خم مٹی کا ڈھیر بن گیا تھا۔ شاہزیب صاحب کی خاص ہدایت کے سبب زہرہ' مہر النساء بیگم اور مصطفیٰ کے علاوہ کوئی بھی دریہ کی حقیقت نہ جان پایا تھا حتیٰ کہ شہوار سے ذکر کرنے سے بھی شاہزیب صاحب نے سختی سے منع کر دیا تھا۔

عباس نے حالات نارمل ہونے پر مہر النساء بیگم سے رابعہ کی فیملی کو اپنے ہاں بلوانے کی یاد دہانی کروائی تو انہوں نے شاہزیب صاحب سے بات کرنے کا کہا۔ ویسے بھی اس رشتے پر کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا سو شاہزیب صاحب سے پوچھا تو انہوں نے اسی وقت سہیل کے نمبر پر کال کی اور انہیں اگلے دن شام کی وقت اپنے ہاں انوائٹ کر لیا تھا۔ گھر میں سبھی خوش تھے' عباس اپنی زندگی کو

آگے بڑھانے کا خواہش مند تھا سو بھی اس کے حق میں دعا گو تھے۔
اگلے دن شام کے وقت سہیل کے ساتھ ثریا بیگم اور بھابی آئی تھیں۔ عباس کو اس نے دیکھ رکھا تھا لیکن گھریلو سطح پر یہ پہلی ملاقات تھی۔ یہاں بھی خوش دلی سے ملے تھے‘ سہیل کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر دونوں خواتین کو اندر لے آئے تھے۔ زہرہ پھپو بھی موجود تھیں‘ ثریا بیگم سے وہ لوگ بہت خوش اخلاقی سے ملے تھے۔ سبھی سے ملاقات ہوئی تھی‘ شاہزیب صاحب کے علاوہ محسن بھائی اور بابا صاحب بھی ڈرائنگ روم میں سہیل کے ساتھ موجود تھے۔
''آپ کے ماموں فیضان صاحب تشریف نہیں لائے؟'' شاہزیب صاحب نے پوچھا تو سہیل شرمندہ ہوا تھا جبکہ فیضان کے نام پر بابا صاحب ٹھٹکے تھے۔
''آپ نے کل اچانک کال کی تھی وہ دو دن سے شہر سے باہر ہیں‘ ایک دو دن میں لوٹیں گے۔ بس اسی وجہ سے وہ ہمارے ساتھ نہیں آسکے۔''
''اس دن بھی آپ کے ہاں ملاقات نہ ہوسکی تھی۔'' شاہزیب صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔
''بس اتفاق کہہ لیجیے‘ ماموں کو وہاں کچھ کام تھا جانا ضروری تھا۔''
''کوئی بات نہیں‘ رشتہ داری بن جاتی ہے تو پھر ملنا ملانا چلتا رہے گا۔'' فیضان کے نام سے بابا صاحب کے اندر ایک ہوک سی اٹھی تھی‘ وہ ہمیشہ یہ نام سن کر دکھی ہوجاتے تھے اب بھی یہی کیفیت ہوئی تھی لیکن خود کو سنبھال کر سہیل کو کہا تھا وہ مسکرا دیا۔
ان سب لوگوں میں بات چیت ہوتی رہی‘ مختلف موضوعات پر‘ مختلف سلسلوں میں جبکہ اندرونی لاؤنج میں گھر کی تمام خواتین کے ساتھ موجود ثریا بیگم اور بھابی بھی گھر والوں کی امارت‘ دولت کی فراوانی دیکھ کر مبہوت ہورہی تھیں۔ اب تو بھابی بھی جان چکی تھیں کہ ان لوگوں سے فیضان صاحب کا کیا رشتہ تھا‘ اندر ہی اندر دونوں خواتین ان لوگوں کی خاندانی حیثیت و مرتبے سے متاثر ضرور ہوئی تھیں۔ چائے کے بعد کھانے کا دور چلا تھا‘ بھی بہت خوش اخلاق تھے ثریا بیگم تو دل سے متاثر ہوئی تھیں‘ ان کے ہاں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا تھا۔
مہر النساء بیگم نے ثریا بیگم سے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ جلد از جلد عباس کی شادی کرنا چاہتی ہیں۔ وہ منگنی کی رسم کی بجائے ان کے ہاں ڈائریکٹ شادی کی تاریخ لینے آئیں گی۔ جب فیضان صاحب راضی تھے تو بھلا ثریا بیگم کو کیا اعتراض ہوسکتا تھا انہوں نے ہامی بھرلی۔ ان لوگوں نے ان کو رخصت کرتے وقت مٹھائی ساتھ کی تھی‘ سہیل کے لاکھ منع کرنے کے باوجود شاہزیب صاحب نے رات کے گیارہ بجے ان کو ڈرائیور کے ساتھ جانے پر راضی کرلیا تھا۔
گھر میں رابعہ اور فیضان صاحب موجود تھے‘ ڈرائیور ان کو باہر اتار کر چلا گیا تھا۔ فیضان صاحب شدت سے ان کی واپسی کے منتظر تھے۔ رابعہ بھی انتظار کررہی تھی وہ سبھی فیضان کے ساتھ بیٹھک میں آبیٹھے تھے۔
''وہاں سبھی لوگ آپ کا بار بار پوچھ رہے تھے ہمیں بہانے بنانا پڑرہے تھے۔'' سہیل نے بتایا۔
''کوئی بات نہیں ایک بار ہی ملاقات کرلیں گے‘ ویسے سب ٹھیک رہا نا۔'' وہ سنجیدہ تھے۔
''ہاں گھر تو بہت ہی خوب صورت ہے‘ سچ کہوں فیضان یہ گھرانہ خاندانی حسب ونسب مال دولت ہر لحاظ سے بہت اعلیٰ ہے۔ میں تو سارا وقت یہی سوچتی رہی کہ اگر تم ان لوگوں میں ہوتے تو اس خاندان کا حصہ ہوتے۔'' ثریا بیگم نے کہا۔
''مجھے کسی بھی قسم کا کوئی ملال نہیں آپا! میں اپنی زندگی سے بہت مطمئن ہوں‘ جس گھرانے نے میری ماں کو قبول نہیں کیا‘ وہ بھلا مجھے کیسے قبول کرلیتے‘ مجھے دولت کی چاہ کبھی نہیں تھی بات رشتوں کی ہوتی ہے مجھے فخر ہے کہ میں نے اپنی خودداری میں زندگی گزاری ہے مجھ پر کسی کے احسانوں کا بوجھ نہیں۔'' رابعہ کو دیکھتے انہوں نے کہا۔
''تو پھر آپ اب مجھے اس خاندان میں کیوں بھیج رہے ہیں جبکہ آپ سب کچھ جانتے بھی تھے آپ انکار کرسکتے تھے۔'' رابعہ نے پوچھا تو انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔
''میں تمہیں ایک انجانے رشتے میں باندھ کر نہیں بھیج رہا۔ تم اس خاندان کی بہو بن کر جاؤ گی‘ تمہارے اور میرے حوالے میں بہت فرق ہے بیٹا! تمہیں عباس خود بہت عزت واحترام سے لے جانا چاہتا ہے اور یہ سارا خاندان اس رشتے پر راضی ہے۔ میں نے

جیسی بھی سہی زندگی گزار لی لیکن میں چاہتا ہوں میری بیٹی بہت خوش رہے اور مجھے یقین ہے کہ تم عباس کے ہمراہ بہت خوش رہوگی۔" رابعہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"وہ لوگ کہہ رہے تھی کہ وہ منگنی نہیں کرنا چاہتے' وہ لوگ ڈائریکٹ شادی کی تاریخ مانگ رہے تھے۔" سہیل نے مزید بتایا۔

"کوئی حرج نہیں جس طرح وہ چاہیں گے ہم کریں گے۔" سہیل نے سر ہلایا' وہ سب آنے والے دنوں کا لائحہ عمل ترتیب دینے لگے تو رابعہ خاموشی سے اٹھ کر باہر آ گئی۔

وہ ابھی بھی حیرت زدہ تھی' وہ جس شخص کو ہمیشہ ماموں سمجھتی رہی وہ آج اس کے باپ کی حیثیت سے موجود تھا۔ وہ صحن کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی تھی' اسے اپنے باپ کا ماضی یاد آنے لگا' کیا کچھ برداشت کیا تھا انہوں نے۔ ان حالات کو سوچ کر عجیب سا خوف پیدا ہونے لگا تھا اس کی ماں اس کے بہن بھائی' کاش وہ ان رشتوں کو دیکھ سکتی' محسوس کر سکتی لیکن وہ سب جل کر راکھ ہو چکے تھے کبھی نہ ملنے کے لیے۔ ان کی اذیت ناک موت کا تصور کرتے اس کا دل غم کی اتھاہ میں ڈوبنے لگا تھا۔ اس کے دل میں فیضان کے لیے موجود محبت میں ایک دم شدید اضافہ ہو گیا تھا۔

❀......❀......❀

زہرہ پھپھو نے بتایا کہ وہ حماد کی شادی کی تاریخ طے کر چکی ہیں۔ مصطفیٰ اور شہوار نے سنا تو دونوں ہی پریشان ہو گئے۔ شہوار کو رہ رہ کر ولید پر غصہ آ رہا تھا۔

"آپ کو اسی لیے بتایا تھا کہ وہ آپ کے دوست تھے' آپ ان کو سمجھاتے انا جو غلطی کر چکی تھی اب وہی غلطی ولید بھائی کر رہے ہیں ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔" وہ مصطفیٰ سے الجھ رہی تھی اور مصطفیٰ نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"تمہارا خیال ہے میں نے اسے تمام حقیقت بتا کر سمجھایا نہیں ہوگا۔"

"اگر سمجھایا ہوتا تو آج یہ رزلٹ تو نہ ہوتا۔"

"کیا کروں تم دونوں۔ بہن بھائی ایک جیسی عقل کے ہو' تمہاری عقل میں جو بات سمانے میں مہینوں لگے تھے وہ بھلا کیسے اتنی جلدی سمجھ لیتا۔"

"کون دونوں۔ بہن بھائی؟" شہوار الجھی تو مصطفیٰ سنبھلا۔

"میرا مطلب ہے تمہاری طرح ولید بھی محض ضد پر ڈٹا ہوا ہے جب سب کچھ ہاتھ سے نکل جائے گا تو تب عقل آئے گی۔"

"اللہ نہ کرے۔" شہوار نے گھورا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔

"میں ولید سے بات کرتا ہوں بلکہ میں سوچ رہا ہوں ولید سے ملنے کے بعد پھپھو اور حماد سے بھی بات کروں گا۔"

"اور ولید بھائی نہ مانے تو؟" شہوار کے لہجے میں خدشات تھے۔

"تو میں افسوس ہی کر سکتا ہوں پھر۔"

"وہ آپ کے دوست ہیں آپ ان کو قائل کر ہی سکتے ہیں نا؟" وہ کسی امید کے تحت بولی۔

مصطفیٰ نے سر ہلایا' وہ آفس کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ وہ وہاں سے سیدھا آفس آیا' آفس میں کچھ ضروری کام تھے وہ دیکھے اور پھر وہ ولید کے آفس کی طرف چلا آیا۔ ولید سے سلام دعا کے بعد وہ آرام سے بیٹھ گیا۔

"شہوار ٹھیک ہے نا؟"

"فی الحال تو ٹھیک ہی ہے لیکن تمہیں کوس رہی تھی۔"

"کیوں؟" ولید کو تعجب ہوا۔

"پھپھو نے رات کو بتایا تھا کہ وہ حماد اور انا کی شادی کی تاریخ فکس کر چکی ہیں۔"

"اوہ......" ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

"یہ ٹھیک نہیں ہے یار تم سب کچھ جان چکے ہو اس کے باوجود یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔"

"تو کیا کروں' محترمہ انا صاحبہ کے سامنے جا کر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ جاؤں اور درخواست کروں کہ مجھے قبول کر لو۔" ولید کا انداز

بہت تلخ تھا۔ ”وہ جس طرح میری ذات کو ٹارچر کرتی رہی ہے یہ سب حقیقت جان کر میں خاموش ہوں تو یہی بہتر ہے ورنہ جی تو چاہتا ہے کہ ایک منٹ کی تاخیر کیے بغیر اس کا حشر نشر کردوں۔“ ولید جذباتی ہورہا تھا' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے دیکھا۔

”یعنی انا کی شادی حماد سے ہوجائے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔“ ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔ فرق تو کیا پڑتا اس کی پوری ذات ڈسٹرب ہوچکی تھی لیکن وہ پھر بھی سکون سے رہ رہا تھا۔

”دیکھو اگر تم اس معاملے میں سنجیدہ نہ ہوئے تو مجبوراً مجھے بابا صاحب اور پھپو کو اس معاملے میں انوالو کرنا پڑے گا۔“ ولید نے غصے سے کہا۔

”میں جانتا ہوں تمہاری عزت نفس پر چوٹ لگی ہے تم دکھی ہوئے ہو لیکن میں تمہیں ساری عمر پچھتاتے نہیں دیکھ سکتا۔ بہتر ہے تم خود اس معاملے کو ہینڈل کرلو ورنہ پھر میں اپنے انداز میں اس کو ڈیل کروں گا۔“ ولید نے گھورا تو مصطفیٰ مسکرا دیا۔

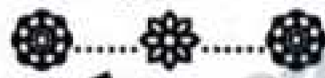
”بابا صاحب چاہتے ہیں کہ تم اب ان کے ساتھ رہو۔“ مصطفیٰ نے موضوع بدلا تو ولید کے اعصاب کچھ پرسکون ہوئے تھے۔

”وہ حویلی جانا چاہتے ہیں وہ سارے خاندان میں تمہیں متعارف کروانا چاہتے ہیں۔“

”شہوار کو بتادیا سب کچھ؟“ ولید نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں' ایک دو دن میں بتاؤں گا۔“ ولید نے سر ہلایا۔

مصطفیٰ اس سے انا اور حماد کے معاملے میں ڈسکس کرنے لگ گیا تو ولید خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔



عبدالقیوم کو ایاز کی موت کی خبر ملی تھی' اس نے کسی آدمی کے ذریعے گھر رابطہ کیا تھا گھر پر پولیس کا پہرہ تھا وہ آدمی پکڑا گیا۔ امجد خان کے ٹارچر سیل میں اس آدمی نے چند گھنٹوں میں ہی عبدالقیوم کے ٹھکانے کا راز اگل دیا تھا۔ وہ آج کل اسی شہر میں ہی کسی جگہ روپوش تھا۔ امجد نے فوراً مصطفیٰ سے رابطہ کیا اور پھر اس کی ہدایات کے مطابق خود نفری لے کر روانہ ہوا گیا تھا سب کچھ بہت رازداری سے کیا گیا تھا۔ رات کے وقت عبدالقیوم کو ان سب نے جالیا تھا۔ عبدالقیوم صبح تک لاک اپ میں آچکا تھا۔ عبدالقیوم کے گناہوں کا وہ سلسلہ جو ایک نسل تک محیط تھا بالآخر آج اختتام پذیر ہوگیا تھا۔

عبدالقیوم بزنس کی دنیا کا ایک نام تھا اس کی گرفتاری کوئی چھوٹی بات نہ تھی۔ مصطفیٰ نے پریس کانفرنس بلالی تھی اور میڈیا میں ہمایوں سے عبدالقیوم بننے تک کی ساری داستان موجود تھی۔ مصطفیٰ کے وہ دو تین دن بہت مصروف گزرے تھے۔ اگلے چند دنوں میں عدالت کے ذریعے عبدالقیوم کے تمام اثاثوں کو تحویل میں لینے اور اس کے ریمانڈ میں لینے کا حکم مل گیا تھا۔ اور پولیس کسٹڈی میں آتے ہی عبدالقیوم نے اپنے ماضی کے تمام گناہوں کا اعتراف کرلیا تھا۔ لالہ رخ کی ساری پراپرٹی حاصل کرنے کے بعد اس نے سکندر کو قتل کرواکر اس کی بیٹی سمیت نہر میں پھنکوادیا اس کے بعد لالہ رخ کو بھی مروانا چاہتا تھا لیکن لالہ رخ بھاگ نکلی تھی۔ اس کو یقین تھا کہ لالہ رخ اپنے گھر گئی ہوگی سو اس نے اپنے بندوں کو اس کے پیچھے دوڑایا تھا۔ لالہ رخ اور اس کے بچوں کو گھر میں بند کرکے گھر کو آگ لگادی تھی اور اس طرح وہ اپنے خلاف تمام ثبوت ختم کرواچکا تھا۔

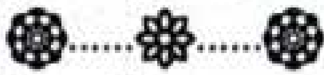
اس کے بعد اسی دن وہ شہر چھوڑ گیا تھا اور دو دن بعد وہ بیرون ملک شفٹ ہوگیا تھا۔ کچھ دن بعد اس نے اپنے بیوی بچوں کو بھی بلوالیا تھا اور پھر ایک نئے نام کے ساتھ طویل عرصے تک باہر رہنے کے بعد وہ اپنی فیملی سمیت واپس لوٹا تھا اب یہاں لوگ اسے ایک بہت بڑے بزنس مین کے طور پر جاننے لگے تھے اب اس کا نام کے ساتھ عزت اور پہچان تھی۔ اس کی نئی حیثیت' نیا نام نئی پہچان بن گئی تھی اس طرح وہ مختلف دھوکوں سے لوگوں سے ان کی پراپرٹی ہتھیالیتا تھا۔ یہ سلسلہ نجانے کب تک چلتا لیکن پولیس کی ہٹ لسٹ میں اس کا بیٹا ایاز آچکا تھا اور پھر یہاں سے اس کی بربادی کی کہانی شروع ہوئی تھی اور آج وہ پولیس کی تحویل میں تھا اس کے تمام اثاثے ضبط کرلیے گئے تھے اور اس کی حالت انتہائی قابل ترس تھی۔ عبدالقیوم کے گھر سے پولیس کا پہرہ ہٹادیا گیا تھا۔

بیگم عبدالقیوم بیٹے کی لاش دیکھ لینے کے بعد مسلسل سکتے میں تھیں اور جب عبدالقیوم کو پولیس کی تحویل میں دیکھا تو ان کا ذہنی توازن بگڑ گیا تھا۔ وہ سارے گھر میں چیختی چلاتی' چیزیں توڑتی پائی جانے لگی تھیں ڈاکٹر کے مطابق شدید صدمات نے ان کے ذہنی توازن کو متاثر کیا تھا۔ ان کو علاج کے لیے ہسپتال میں منتقل کردیا گیا تھا جبکہ گھر میں صرف عادلہ اور کاشفہ رہ گئی تھیں۔ کاشفہ ایک

جذباتی بے حس لڑکی تھی بھائی کی موت اور باپ کی گرفتاری نے اس پر کوئی خاطر خواہ اثر نہیں کیا تھا جیسے ہی پولیس کا پہرہ ہٹا وہ پھر سے اپنی روٹین میں آ گئی تھی وہی سب سے ملنا ملانا اور پرانی حرکتیں۔ وہ زخمی ناگن کی طرح ہر وقت ولید اور رانا کی ٹوہ میں رہنے لگی تھی جبکہ عادلہ کے وجود میں ایک مثبت تبدیلی آئی تھی۔ وہ جو تمام عمر اپنے حسن، دولت وجائیداد اور امارت پر فخر محسوس کرتی رہتی تھی آج سارا فخر ملیامیٹ ہو چکا تھا۔

وہ لوگ جو پہلے اس کے حسن سے مرعوب تھے اب اس کی طرف نگاہ تک نہ اٹھاتے تھے۔ لوگوں کی نگاہ میں ان کے لیے نفرت تھی اس نے باہر نکلنا چھوڑ دیا تھا اسے اب اللہ یاد آنے لگا۔ اسے اپنے بھائی اور باپ کے وہ تمام مظالم یاد آنے لگے تھے جن کی وہ چشم دید گواہ تھی جس پر وہ غرور کیا کرتی تھی۔ وہ اپنے باپ سے ملنے جاتی تو اس کا باپ ایک عبرت کا نشان بنا ہوا تھا وہ حیرت اور غم زدہ نگاہوں سے اپنے گھر کو بکھرتے اجڑتے اور ملیامیٹ ہوتے دیکھ رہی تھی۔ آج دولت کا لالچی ناگ ان کا سب کچھ نگل چکا تھا۔ وہ ہسپتال جاتی تو اپنی ماں کی قابل رحم حالت کو دیکھ کر گم صم ہو جاتی تھی۔ اس کی ماں نے حالت جنوں میں ایک ڈاکٹر پر حملہ کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں اس کی ماں کو اب زنجیروں سے جکڑ دیا گیا تھا۔

کچھ دن بعد ڈاکٹر نے اس کی ماں کو ناقابل علاج قرار دیتے ذہنی امراض کے ہسپتال میں منتقل کر دیا تھا اور بس یہ تھی غربت سے دولت کے معمول تک کی ایک طویل داستان۔ عادلہ سب کو عبرت کا نشان بنتے دیکھ کر گم صم ہو گئی تھی۔



ابوبکر فیضان صاحب کے سمجھانے پر سہیل کے ہمراہ اپنے والد کے پاس آیا تھا۔ وہ پہلے بھی ایک دو بار آیا تھا لیکن باپ موجود نہ تھا اور وہ گھر کے اندر نہیں گیا تھا، واپس لوٹ جاتا تھا لیکن اس بار سہیل ہمراہ تھا اور خوش قسمتی سے اس دن اس کے والد گھر پر تھے۔

"ابوبکر تم!" والد نے اسے دیکھ کر فوراً پہچانا اور فرط جذبات سے اسے سینے سے لگا لیا۔

"کوئی اس طرح بھی ناراض ہو کر باپ سے جدا ہوتا ہے، جانتے ہو میں نے تمہیں کہاں کہاں تلاش نہیں کیا۔" وہ رو دیئے اور ایک عرصے بعد ابوبکر کو ایک ندامت نے آ لیا تھا۔

وہ اپنے باپ کو ہمیشہ قصور وار سمجھتا تھا لیکن آج دل میں کوئی شکوہ نہ تھا' وہ ان دونوں کو گھر کے اندر لے گئے تھے۔ انہوں نے اسے اپنی بیوی اور بچوں سے ملوایا تھا۔

ابوبکر اب زندگی کے جس مقام پر تھا اسے کسی سے کوئی گلہ نہ تھا سو وہ خوش دلی سے سب سے ملا تھا' حتیٰ کہ اپنی سوتیلی ماں سے بھی۔

"یہ میری شادی کا کارڈ ہے آپ ضرور تشریف لائیے گا۔" کچھ توقف کے بعد ابوبکر نے کارڈ ان کو دیا تو انہوں نے بہت دکھی کیفیت میں بیٹے کو دیکھا۔

"شادی کر رہے ہو اور باپ کو خبر ہی نہیں۔" ان کے لہجے میں دکھ تھا۔

"آپ کو انوائٹ کر رہا ہوں نا۔"

"غیروں کی طرح۔" باپ کے انداز میں شکوہ تھا۔

"آپ نے تو کبھی مجھے حقیقی بیٹے کا احساس نہ ہونے دیا تھا۔" شکوہ لبوں سے پھسلا۔

"میرے ماضی کی غلطیوں کو میرا جرم بنا دیا تم نے۔" ان کا لہجہ غم زدہ تھا' ابوبکر خاموش ہو گیا۔

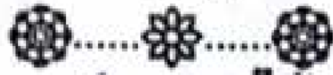
"کہاں رہ رہے ہو؟" باپ نے پوچھا۔ جواباً ابوبکر نے اپنی رہائش کا بتا دیا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم واپس لوٹ آؤ۔" انہوں نے کہا۔

"میں اب اپنی زندگی میں سیٹل ہوں آپ ٹینشن نہ لیں مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں بس میں چاہتا ہوں کہ آپ میری شادی میں میرے باپ کی حیثیت سے شامل ہوں۔" انہوں نے سر ہلا دیا تھا ان کی بیوی خاموش تھی اور بچے بھی۔ وہ دونوں کچھ دیر بیٹھے اور وہاں سے چلے آئے تھے۔

سہیل ابوبکر کے حالات سے واقف تھا اس نے کوئی سوال نہ کیا تھا۔ شام میں ابوبکر اپنے فلیٹ میں تنہا تھا جب اس کے فلیٹ کا

دروازہ بجا اس نے دیکھا اس کا باپ تھا۔
ابوبکر کو شدید خوشی نے آلیا تھا اس کا چہرہ ٹمٹمانے لگا تھا۔ اس کا باپ اس کے گھر میں تھا یعنی اس کے باپ کے دل میں اب بھی اس کے لیے جگہ موجود تھی یہ خیال ہی اس کو توانا کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس نے بہت پرجوش انداز میں اپنے باپ کو ویلکم کیا تھا۔



انا کے ایگزیمز قریب تھے وہ کسی کام سے کالج آئی تھی' مختلف لوگوں سے ملنا تھا چند ایک اساتذہ سے بھی۔ وہ سب سے مل کر باہر نکل رہی تھی جب ہاشم اینڈ گروپ سے مڈ بھیڑ ہوگئی تھی۔ وہ ایگزیمز کی تیاری کے بارے میں پوچھنے لگی' وہ سب کو بتاتی پلٹی تو چونکی۔

گیٹ کے باہر کاشفہ تھی اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے' کاشفہ کو دیکھ کر انا کے چہرے پر عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

''اینی پرابلم۔'' ہاشم نے شاید اس کے چہرے کی بدلتی رنگت نوٹ کرلی تھی سو فوراً پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے بمشکل مسکرانا چاہا اس کا ڈرائیور موجود تھا وہ سب کو اللہ حافظ کہہ کر فوراً کاشفہ کو نظر انداز کرتی اپنی گاڑی کی طرف بڑھی۔

ہاشم نے اسے اپنی گاڑی میں بیٹھ کر جاتے دیکھا اور پھر کاشفہ کو دیکھا جو بہت عجیب نگاہوں سے اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ بھی اپنی گاڑی میں بیٹھ کر اسی سمت چلی گئی تھی جس سمت انا گئی تھی۔ ہاشم نے نوٹ تو کیا تھا لیکن توجہ نہ دی تھی۔

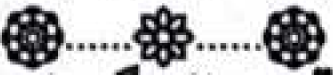
رستے میں ڈرائیور نے کچھ آگے جا کر فوٹو اسٹیٹ والی دکان کے سامنے گاڑی روکی تھی کاشفہ بھی عقب میں تھی۔ انا نے قطعی دھیان نہ دیا تھا اس نے کچھ نوٹس ڈرائیور کو دیے تھے ڈرائیور نوٹس لے کر شاپ کی طرف بڑھ گیا تھا۔ انا سنجیدگی سے بیٹھی ہوئی تھی جب کاشفہ نے اس کی کھڑکی کے ادھ کھلے شیشے کو بجایا۔ انا کاشفہ کو دیکھ کر خوف زدہ ضرور ہوئی تھی لیکن ساتھ ہی شدید نفرت کے ریلے نے آلیا تھا۔

''میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ ولید کو کچھ بھی نہیں بتاؤ گی۔'' وہ پھنکاری۔

''میں نے جتنا خوف زدہ ہونا تھا ہولیا لیکن میں اب تمہاری کسی بھی دھمکی سے نہیں ڈرنے والی۔'' وہ اس سے زیادہ تلخی سے بولی تھی۔ سارے نقصان اس کے حصے میں آئے تھے وہ اب کیوں ڈر ڈر کر جیتی۔

''ولید کو میرے خلاف کر کے تم نے اچھا نہیں کیا۔'' کاشفہ جیسی نہایت حسین وجمیل لڑکی کا چہرہ اس وقت نفرت کے شدید احساس سے سیاہ ہو رہا تھا۔ انا نے سر جھٹک کر دوسری سمت دیکھا۔

''لیکن تم نہیں جانتی میں تمہارا کیا حشر کرنے والی ہوں۔'' اس کے لہجے میں اژدھوں کی سی پھنکار تھی انا نے الجھ کر دیکھا لیکن اگلے ہی پل وہ ساکت ہوئی تھی۔ کاشفہ کے ہاتھوں میں کوئی چیز تھی اس نے اس ہاتھ میں موجود چیز کا ڈھکن کھولا تھا انا کی آنکھیں پھٹی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتی اس نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا اور انا اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ کر بے اختیار چیخی تھی۔



مصطفیٰ اپنے آفس میں تھا جب ولید کی کال آئی تھی۔ مصطفیٰ بھاگم بھاگ اسپتال پہنچا۔ وہاں پہنچا تو احسن، ولید، وقار صاحب بھی موجود تھے۔

''کیا ہوا خیریت؟'' اس نے پوچھا تو ولید نے لب بھینچ لیے تھے جبکہ احسن نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ولید نے بتایا تھا کہ کاشفہ نامی لڑکی نے انا پر تیزاب پھینکا ہے کیا واقعی سچ ہے۔'' اس نے پھر اپنا سوال دہرایا جبکہ ولید کا چہرہ بہت سنجیدہ اور تکلیف دہ تھا وقار صاحب نڈھال سے ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے اور احسن کو ڈاکٹر نے آواز دی تو وہ اس جانب چل دیا۔

''بتاتے نہیں کیا ہوا ہے؟'' مصطفیٰ نے پھر ولید کو جھنجوڑا تو اسی وقت ایک طرف سے ہاشم مصطفیٰ کے سامنے آرکا تھا۔

''السلام علیکم کیسے ہیں مصطفیٰ صاحب۔'' اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا اور مصطفیٰ نے الجھ کر دیکھا۔

''ہاشم کہتے ہیں مجھے انا کا کالج فیلو ہوں۔'' مصطفیٰ کو ایک دم یاد آیا تھا کہ وہ اسے جانتا ہے۔
مصطفیٰ نے اس سے مصافحہ کیا تو وہ مصطفیٰ کو لے کر ایک طرف چل دیا اور ولید وہ بہت سنجیدگی سے وقار صاحب کے ساتھ بیٹھ کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دینے لگ تھا۔

❁......❁......❁

سہیل ایک دو دن کے پرانے اخبارات اور کچھ میگزین لایا تھا۔ وہ سب چیزیں لا کر اس نے فیضان صاحب کو دی تھیں اور فیضان صاحب نے جب ان اخبارات کا جائزہ لیا تو ایک دم ساکت ہوگئے تھے۔ تقریباً ہر اخبار میں عبدالقیوم نامی شخص سے متعلق ایک ہی کہانی تھی۔ فیضان صاحب نے بغور سب اخبارات اور میگزین کا جائزہ لیا اور پھر آخر میں ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے انہوں نے سہیل کو دیکھا۔

''شاید مکافات عمل اسی کو کہتے ہیں۔'' سہیل نے سر ہلایا۔

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے
خون پھر خون ہے بہتا ہے تو جم جاتا ہے

سہیل کے لہجے میں افسردگی تھی۔

''ظالم کی رسی کتنی ہی دراز ہوجائے آخر ایک نہ ایک دن پکڑ میں آ ہی جاتی ہے ایک لمبا عرصہ لگا لیکن آخرکار ظالم اپنے انجام تک پہنچ گیا کاش ہم انسان اپنے انجام کی طرف نگاہ ڈال لیں تو دنیا میں زندگی گزارنا بہت آسان ہوجائے۔''

''بے شک دولت کی حرص انسان کو آخرکار تباہی کے دہانے پر ہی لا کر چھوڑتی ہے۔ مقام عبرت ہے اگر کوئی عبرت حاصل کرنا چاہے تو۔''

''قارون اپنے خزانوں سمیت زمین میں غرق کردیا گیا تھا وجہ صرف ایک غرور تھا اور اس انسان نے تو زندہ انسانوں کی زندگیوں سے کھیلنے کی کوشش کی تھی۔ زندہ جلا دیا میرا گھر میرے بچے اور میری بیوی کو اور بھی نجانے کس کس معصوم کی آہیں تھیں جو اس انسان کے ذمہ تھیں۔''

''دنیا سمجھتی ہے آپ مر چکے ہیں۔'' سہیل نے افسردگی سے کہا۔

''دنیا کا کیا ہے دنیا کو یقین دلانا کون سا مشکل ہے سمجھتی رہے ہمیں کسی سے کیا لینا ہم اپنی قناعت میں خوش ہیں۔'' ان کے لہجے میں تشکر اور قناعت تھی۔ سہیل نے سر ہلایا۔

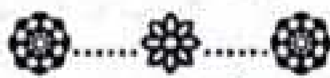
''عباس کے والد صاحب کی کال آئی تھی ان کی فیملی شادی کی ڈیٹ فکس کرنے آنا چاہ رہی ہے کیا جواب دوں۔''

''یعنی ان لوگوں سے ملاقات کا وقت آچکا ہے۔'' سہیل کے سوال کے جواب میں وہ بولے۔ ''اسی ہفتے کا کوئی سا بھی دن دے دو ملاقات کرتے ہیں پھر دیکھتے ہیں کیا ڈیٹ دینی ہے۔'' سہیل نے سر ہلا دیا جبکہ فیضان صاحب کے چہرے پر گہری سوچ کے سائے تھے۔

❁......❁......❁

''مجھے یہ لڑکی مشکوک لگی تھی لیکن پھر میں نے نظر انداز کردیا تھا مجھے بھی کالج روڈ پر ہی آنا تھا کچھ دور آیا تو چونکا تھا یہ لڑکی انا کو فالو کررہی تھی مجھے لگا کہ جیسے کوئی گڑبڑ تھی میں نے بھی فالو کیا چند منٹ بعد انا کی گاڑی رکی تھی ڈرائیور شاید کچھ فوٹو اسٹیٹ کرانے گیا تھا تبھی یہ لڑکی اپنی گاڑی سے نکل کر انا کی گاڑی کے پاس جارکی تھی ہاتھ میں کوئی چیز تھی نجانے کیوں مجھے لگا کہ جیسے کوئی گڑبڑ ہونے والی ہے میں بھی قدرے فاصلے سے چلتا اس لڑکی کے عقب میں چند قدم کے فاصلے پر جا کھڑا ہوا تھا پہلے تو یہ لڑکی انا کو دھمکاتی رہی اور پھر اس نے ہاتھ میں تھامی بوتل کا ڈھکن کھولا تھا میں چونکا تھا مجھے لگا کہ کچھ غلط ہونے والا ہے میں فوراً لڑکی کی طرف بڑھا تھا اس نے بوتل میں موجود چیز انا کی طرف اچھالنا چاہی تھی ابھی کوشش کی تھی کہ میں نے عقب سے اس لڑکی کو دھکا دیا تھا بوتل میں موجود تیزاب اس لڑکی کے چہرے پر گرا تھا یہ لڑکی وہاں تڑپنے لگی تھی جبکہ گاڑی کے ادھ کھلے شیشے سے تیزاب کے محض چند قطرے ہی اندر گرے تھے۔'' ہاشم مصطفیٰ کے ساتھ آئے ہوئے ساتھی کو اپنا بیان ریکارڈ کرا رہا تھا کاشفہ کو ایمرجنسی میں لے جایا گیا تھا۔ واردات

پر موجود اور لوگوں نے بھی معاملے کی تصدیق کردی تھی مصطفیٰ کے ساتھی متحرک تھے۔
انا کے ہاتھوں پر محض چند قطرے گرے تھے باقی وہ ٹھیک تھی محض خوف اور صدمے سے دوچار تھی اسے گھر بھیج دیا گیا تھا جبکہ باقی یہ تینوں ہاشم اور ڈرائیور کے کام کرنے پر اسپتال آ گئے تھے۔
وہاں موجود سبھی لوگ اللہ کا شکر ادا کررہے تھے کہ انا بچ گئی تھی جبکہ کاشفہ کی حالت ازحد تشویش ناک تھی۔ یہ پولیس کیس تھا اگر مصطفیٰ نہ ہوتا تو یقیناً وہ لوگ بری طرح پھنس جاتے۔ ہاشم کے کالج فیلوز کا گروپ بھی آ گیا تھا انہوں نے بھی کالج کے گیٹ پر کاشفہ کی موجودگی کی تصدیق کرتے اپنا بیان ریکارڈ کرایا تھا۔ مصطفیٰ نے ان لوگوں کو ریلیکس ہوکر گھر جانے کا کہا اور خود کاشفہ کی فیملی سے رابطہ کرانے کی کوشش کی تو یہ جان کر ازحد حیران ہوا کہ کاشفہ کوئی اور نہیں عبدالقیوم کی بیٹی اور عادلہ کی بہن تھی۔ مصطفیٰ شدید دھچکے کا شکار ہوا۔
عبدالقیوم کی ساری فیملی ہی اخلاقی لحاظ سے اس قدر زوال پذیر تھی کہ کوئی بھی ان کے شر سے نہیں بچا ہوا تھا۔ کیا باپ، کیا بہن اور کیا بھائی سبھی ایک ہی رستے پر تھے۔ مصطفیٰ پولیس کو ہدایات دیتے اور ڈاکٹرز سے بات کرتے خود بھی ولید کی طرف چلا آیا تھا۔ ہاشم کو بھی اس نے گھر جانے کا کہہ دیا تھا۔ وہ ولید کی طرف آیا تو سبھی لاؤنج میں جمع تھے آج افشاں بھی ادھر ہی موجود تھیں انا صبوحی بیگم کے ساتھ لگی شدت سے رو رہی تھی جبکہ وقار صاحب کا غم وصدمے سے برا حال تھا۔
ان کے نانج میں اب ساری کہانی آ گئی تھی بلکہ وہ کیا احسن نے ضیاء صاحب، صبوحی بیگم اور افشاں کو بھی ولید اور روشی نے سب بتا دیا تھا سب کے سامنے وقار صاحب صدمے سے پھٹ پڑے تھے لیکن مصطفیٰ کی آمد پر وہ اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔
مصطفیٰ نے انا کی خیریت پوچھی۔ اس کے ہاتھوں پر جو قطرے گرے تھے اس سے اس کے دونوں ہاتھ کئی جگہوں سے جھلسے ہوئے تھے لیکن بروقت چہرے پر ہاتھ رکھ لینے سے اس کا چہرہ بچ گیا تھا۔ ولید لب بھینچے ایک طرف بیٹھا ہوا تھا جبکہ باقی بھی حسب ضرورت اس کی دل جوئی کررہے تھے۔ مصطفیٰ کو ولید کا یہ ٹھس انداز قطعی نہیں بھایا لیکن اب وہ اس معاملے میں مزید کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ کچھ دیر ان لوگوں میں بیٹھا انا کو تسلی دی بھی انا کافی حد تک خوف زدہ ہوگئی تھی سبھی اسے سنبھال رہے تھے۔
ساری صورت حال کا علم ہونے پر بہت زیادہ صدمہ تو صبوحی بیگم کو بھی تھا لیکن شوہر کی طرح وہ اس پر گرجی برسی نہ تھیں بلکہ پیار و محبت سے اس کی دل جوئی کررہی تھیں مصطفیٰ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد رخصت ہوگیا تھا۔ روشی انا کو اس کے کمرے میں لے آئی تھی۔ بہلا پھسلا کر دودھ پلا کر اسے نیند کی گولی دی تھی کچھ دیر بعد وہ سوگئی تھی۔ اس ساری خواری میں سارا دن نکل گیا تھا۔ وقار صاحب نے سبھی کو اپنے کمرے میں بلالیا تھا۔ انہوں نے ایک بار پھر ساری صورت حال جاننا چاہی تھی روشی اور ولید کو جو علم تھا سب کچھ بتایا وہ بہت دیر تک اپنی بے وقوف بیٹی کی عقل کو کوستے تاسف کا شکار ہوتے رہے تھے۔
''اب جبکہ ساری بات کھل چکی ہے تو میرا خیال ہے حماد والے رشتے پر نظر ثانی کرلینی چاہیے۔'' ضیاء صاحب نے فوراً دل کی بات کہی۔
''میں زبان دے چکا ہوں اب میں زبان دے کر پھرنے والوں میں سے نہیں ہوں ویسے بھی انا کو اس کی بے وقوفی کی سزا ملنی چاہیے۔'' ان کا انداز قطعی تھا۔
سب نے ایک دوسرے کو دیکھا' ضیاء صاحب نے سنجیدگی سے وقار کو دیکھا' ان کا انداز پرسوچ تھا جبکہ وقار صاحب کا انداز قطعی۔



سب کا خیال تھا کہ شہوار کو اب سب بتا دینا چاہیے ویسے بھی وہ اب کافی بہتر تھی اور اپنی اسٹڈی کی طرف توجہ دے رہی تھی دریہ بھی دو دن پہلے واپس انگلینڈ جاچکی تھی سبھی پرسکون اور مطمئن تھے۔
بابا صاحب نے اسے اپنے پاس بلایا۔ افشاں بھی وہیں موجود تھیں آج کل وہ دن کے اوقات میں یہیں پائی جاتی تھیں جبکہ رات کے وقت وہ ولید کی طرف چلی جاتی تھیں شہوار ان کی روٹین سے قطعی بے خبر تھی۔ رات کا وقت تھا مہر النساء بیگم اور مصطفیٰ بھی پاس تھا آج وہ دن میں انا کی طرف گئی تھیں لیکن اب رات میں ادھر ہی تھیں۔

مصطفیٰ نے بات کا آغاز کیا تو شہوار ابھی اور پھر افشاں اور بابا صاحب نے بھی جب اسے سب کچھ بتایا تو وہ کئی ثانیوں تک بے یقینی کی کیفیت میں افشاں کو دیکھتی رہی تھی۔

"نہیں...... یہ نہیں ہوسکتا یہ بھلا کیسے ممکن ہے۔" وہ یقین کرنے کو تیار ہی نہ تھی لیکن سب نے جو حقائق بتائے وہ بھی نظر انداز کیے جانے والے نہ تھے وہ ایک دم رونے لگ گئی تھی۔ افشاں نے بہت محبت سے ساتھ لگالیا تھا۔

وہ اسے اپنی ساری زندگی کے حالات بتاتی رہی تھیں یا بابا صاحب اپنا ماضی سناتے رہے تھے اور شہوار وہ عجیب سے غم کا شکار تھی۔ افشاں کے وجود سے اسے ماں کی محبت، شفقت اور ممتا ملی تھی وہ بھلا کیسے مان لیتی کہ وہ اس کی ماں نہ تھیں بلکہ اس کے حقیقی ماں باپ تو نجانے کب کے مرچکے تھے۔ اوپر سے ولید اس کا بھائی تھا حقیقی بھائی۔ ولید کے وجود میں اسے ہمیشہ ایک انسیت کا احساس ملا تھا لیکن وہ اس کا بھائی تھا یہ بھلا کیسے ممکن تھا۔

وہ رات شہوار پر بہت بھاری تھی کچھ دیر بعد وہ بابا صاحب کے کمرے سے واپس آئی لیکن باقی ساری رات اس کی بہت بری گزری تھی۔ مصطفیٰ اس کے پاس تھا اس کا دل بہلانے والا اسے سمجھانے والا۔ سب حالات بتا کر قائل کرنے والا اور پھر جب اسے یقین آنے لگا تو دل میں نئے درد جاگنے لگے تھے وہ کتنی بدنصیب تھی اسے ماں باپ میں سے کسی کا بھی سایہ نصیب نہ ہوا اور بھائی جیسی نعمت ہونے کے باوجود وہ زندگی کے ہر مقام پر بے نام ونشان ہونے کے طعنے سہتی رہی تھی اور اپنے خاندان میں پلنے کے باوجود وہ اپنے خاندان کے لیے ایک اجنبی بن کر رہی تھی۔ ہر ایک لیے ایک سوالیہ نشان۔ وہ ساری رات اپنے مرے ہوئے والدین کو یاد کرکے روتی رہی تھی۔ اسے عبدالقیوم جیسے شیطان صفت لوگوں سے شدید نفرت محسوس ہوئی تھی جن لوگوں کی ہوس نے اس کا سارا گھر اجاڑ ڈالا تھا۔ اس کے دل میں افشاں ان کے لیے عقیدت کا گہرا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا انہوں نے اپنی ساری زندگی اس کی خاطر تیاگ دی تھی۔

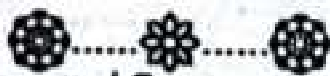
ایک گھر، شوہر اور بیٹی ہونے کے باوجود انہوں نے ایک لمبا ہجر کاٹا تھا اور ولید اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اڑ کر اپنے بھائی کے پاس پہنچ جائے۔ اس نے ہمیشہ خواہش کی تھی کہ کاش اس کا کوئی بھائی ہوتا جو ہر قسم کے سرد وگرم میں اس کی پناہ گاہ بن جاتا اور آج اسے بھائی مل گیا تھا۔ وہ رات اس کے لیے بڑی اذیت ناک تھی۔ مصطفیٰ کی محبت، تسلی دلاسے کچھ بھی تو کام نہیں آرہا تھا۔ اس رات کی صبح بڑی عجیب سی تھی وہ بمشکل صبح کا انتظار کرپائی تھی چھ بجتے ہی اس نے مصطفیٰ سے ولید سے ملنے کا کہا' مصطفیٰ اس کی بے قراری سمجھ سکتا تھا اس نے انکار نہ کیا۔ اسی طرح وہ گھر والوں کی اجازت سے افشاں کے ہمراہ اسے لے کر ولید کی طرف آ گیا تھا وہ لوگ ابھی ناشتے کی تیاریوں میں تھے۔ ان لوگوں کو اس قدر صبح آتے دیکھ کر چونکے تھے۔ مصطفیٰ ولید کو پہلے ہی کال کرچکا تھا وہ لاؤنج میں ہی موجود تھا باقی سب بھی وہیں آ گئے تھے۔

شہوار بڑے بے اختیارانہ انداز میں ولید کی طرف بڑھی لیکن قریب جاکر رک گئی تھی غم زدہ ولید بھی تھا۔

"بھائی......" وہ پکاری تو ولید نے خود آگے بڑھ کر اسے ساتھ لگالیا اور بھائی کی قربت پاتے ہی وہ ٹوٹ کر بکھری تھی۔

اسے بچپن سے لے کر اب تک کے تمام دکھ رلا گئے تھے تمام حسرتیں دل ودماغ کے دروازوں پر دستک دینے لگی تھیں۔ اور پھر وہ ٹوٹ کر روتی بھی اتنا زیادہ کہ افشاں کو خود آگے بڑھ کر اسے ولید سے جدا کرنا پڑا تھا۔ ولید کی آنکھیں نم ناک تھیں مصطفیٰ بھی افسردہ تھا اور وہاں موجود باقی سبھی لوگوں کی آنکھیں میں آنسو تھے۔

"بس صبر کرو بیٹا۔ جو بیت گیا اسے بھول جاؤ تم اب بھی میری بیٹی ہو میری روشی کی طرح، میری دعا ہے اللہ اب ہمیں کسی بھی غم سے دور رکھے آمین۔" افشاں اس کا سر تھپتھپا کر اسے سنبھال رہی تھیں اور وہ سسکیاں بھرتے ہلکورے لیتے جسم سے بس روئے جارہی تھی۔



کاشفہ کی طبیعت اب بہتر تھی لیکن اس کا چہرہ تیزاب گرنے سے جھلس گیا تھا جس کی وجہ سے ڈاکٹرز نے اسے مسلسل ٹرینکولائزر کے زیر اثر رکھا تھا عادلہ اس کے پاس آچکی تھی عادلہ عجیب سی کیفیت میں تھی۔ کاشفہ کو جب بھی ہوش آتا وہ چیخنے چلانے لگتی تھی وہ انا کو گالیوں سے نوازتے بدزبانی کرنے لگتی تھی۔ مصطفیٰ نے شہوار کو انا کی طرف ہی چھوڑ دیا تھا تبھی اسے کاشفہ والے سانحہ کا علم ہوا تو وہ

حیران ہوئی تھی۔

"اتنا کچھ ہوا اور مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں۔" وہ شکوہ کناں ہوئی۔

"تمہاری طبیعت کے پیش نظر کسی نے ذکر نہیں کیا ہوگا۔" انا نے اسے تسلی دی۔ وہ دونوں اس وقت انا کے کمرے میں تھیں۔

"کتنی عجیب سی بات ہے مجھے تو لگتا ہے کہ میں اب بھی کوئی خواب دیکھ رہی ہوں آنکھ کھلے گی تو سب کچھ بدلا ہوا ہوگا۔"

"مجھے بھی جب سب حقیقت کا علم ہوا تو ایسا ہی لگا تھا۔" انا نے بھی کہا تو شہوار نے اسے بغور دیکھا۔ وہ بڑی پژمردہ اور رنجیدہ سی تھی۔

"اب تو سب کو ساری بات کا علم ہو چکا ہوگا؟" انا نے محض سر ہلایا۔

"انکل کا کیا ری ایکشن ہے؟"

"بہت خفا ہیں مجھے تو دیکھ کر رخ موڑ لیتے ہیں بات کرنا تو دور کی بات ہے۔" شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔

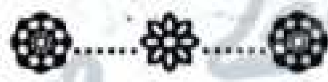
"ولی کو تم لوگوں نے بتایا تھا نا؟" کچھ توقف کے بعد اس نے پوچھا تو شہوار نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہمارا خیال تھا کہ اس طرح تم جو خود کو سزا دینے پر تلی ہوئی ہو اس میں کمی آ جائے گی لیکن ولی بھائی تو اور زیادہ ضد پر اتر آئے ہیں۔"

"یہ سب میرا قصور ہے میری بے وقوفی سے سزا تو مجھے ملنی ہی تھی۔"

"مجھے کاشفہ پر بہت ترس آ رہا ہے اور کتنی حیرت کی بات ہے یہ کاشفہ ایاز کی بہن نکلی یہ تو سارا خاندان ہی اخلاقی لحاظ سے انتہائی زوال پذیر تھا ماں باپ کیا اولاد تک اس روش پر تھی۔" انا خاموش رہی تھی تو شہوار نے اس کے ہاتھ تھام کر اس کے ہاتھ کی پشت پر بنے آبلوں کو دیکھا سرخ و سفید ہاتھوں پر یہ آبلے بڑے تکلیف دہ تاثر دے رہے تھے۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا شکر ہے اللہ نے تمہیں بچا لیا اور اپنے ہی دام میں شکاری آ گیا۔" انا خاموش رہی اور شہوار نے بہت نرمی سے اس کے ہاتھوں پر آئنٹمنٹ لگانا شروع کیا۔ وہ پچھلے دو دن سے انا ہی کی طرف تھی افشاں اور ولی اس کا بہت خیال رکھ رہے تھے مصطفیٰ بھی رات میں چکر لگاتا تھا۔ دونوں سہیلوں کو ایک دوسرے سے باتیں کرنے کا دل کھول کر بھڑاس نکالنے کا موقع ملا تو کسی نے مداخلت نہ کی تھی۔ ویسے بھی سب چاہ رہے تھے کہ دونوں زندگی کے جس جس بھنور میں پھنسی ہوئی ہیں کہہ سن کر جی کا بوجھ ہلکا کرتے بہت جلد اس سے باہر نکل آئیں۔



وہ لوگ آج سہیل کی طرف انوائیٹ تھے۔ شاہزیب صاحب، زہرہ پھپو، محسن انکل اور مہر النساء بیگم کے ساتھ ساتھ عائشہ اور صبا ان کے شوہر بھی تھے لائبہ کی جگہ عباس آیا تھا مصطفیٰ کام میں بزی تھا۔ وہ نہیں آ سکا تھا اور شہوار گھر میں لائبہ کے ساتھ رک گئی تھی۔

خواتین کا اندرونی کمرے میں بیٹھنے کا انتظام تھا جبکہ مرد حضرات کا بیٹھک میں فیضان صاحب مہمانوں کو ویلکم کرتے وقت موجود نہ تھے۔ شاہزیب صاحب کو عجیب سا لگا تھا انہوں نے سہیل سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ ریفریشمنٹ کا سامان لینے نکلے ہیں۔ کچھ دیر بعد وہ گھر آ گئے تھے ابوبکر بھی انوائٹڈ تھا۔ ان کا چہرہ بہت سنجیدہ تھا انہوں نے سامان کچن میں پہنچا کر خود بیٹھک کا رخ کیا۔ سہیل اور ابوبکر مہمانوں کے ساتھ مصروف گفتگو تھے ان کو آتے دیکھ کر بھی چونکے تھے۔

"یہ ماموں جان ہیں۔" سہیل نے تعارف کرایا تو سبھی گرم جوشی سے ملے تھے۔ جبکہ شاہزیب صاحب نے بہت سنجیدگی سے ان سے مصافحہ کیا تھا۔ وہ الجھے الجھے سے تھے۔

فیضان صاحب سب سے محو گفتگو ہو گئے تھے شاہزیب صاحب بھی شامل گفتگو تھے۔ اندرونی کمرے میں رابعہ صبا اور عائشہ میں گھری ہوئی تھی۔ وہ اس سے پہلے بھی مل چکی تھیں لیکن اس بار ملنا کسی اور نوعیت کا تھا۔ زہرہ کو بھی رابعہ پسند آئی تھی۔ بھابی سب کو ہینڈل کر رہی تھیں۔

مہر النساء بیگم رابعہ کے لیے کچھ سوٹ، جیولری، کاسمیٹک اور بھی نجانے کیا کچھ لائی تھیں۔ باہر مردوں میں شادی کی ڈیٹ فائنل ہوئی تو ان خواتین نے حسب ضرورت سلامی دی تھی۔ ماں جی نے رابعہ کو کنگن پہنائے تھے۔ کھانے کے کچھ دیر بعد گفتگو ہوئی اور

پھر ان لوگوں نے رخصت چاہی تھی۔ فیضان صاحب ان لوگوں کو خود گاڑی تک رخصت کرنے گئے تھے۔ سب کچھ بہت خوش اسلوبی سے ہوا تھا۔

وہ لوگ گھر واپس آئے تو سیدھے بابا صاحب کے پاس آ رکے تھے۔ مہر النساء بیگم اور زہرہ وہاں کا حال احوال سنانے لگ گئی تھیں جبکہ شاہزیب صاحب سنجیدہ تھے۔

"کیا بات ہے تم بہت خاموش ہو؟" دونوں خواتین چلی گئیں تو بابا صاحب نے بیٹے کو دیکھا۔

"نجانے کیوں مجھے لگ رہا ہے کہ میں سہیل کے ماموں سے پہلے کہیں مل چکا ہوں یا دیکھ چکا ہوں۔"

"ہوسکتا ہے کاروباری سلسلے میں تم ہزاروں لوگوں سے ملتے ہو۔"

"نہیں وہ اتنی بڑی کاروباری شخصیت نہیں ہیں پیشے کے لحاظ سے وہ چھوٹا موٹا کاروبار دوست کے ساتھ شراکت داری کی بنیاد پر کرتے ہیں اور ساتھ معلم ہیں۔"

"ہوسکتا ہے کہیں دیکھا ہو لیکن یاد نہ آ رہا ہو۔" وہ مسکرائے۔

"ویسے اخلاقی لحاظ سے بہت اچھے انسان تھے دو ماہ بعد کی تاریخ رکھی ہے شہوار بیٹی کے ایگزامز ہیں وہ بھی اس دوران کمپلیٹ ہو جائیں گے۔" وہ خوش دلی سے کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

باہر لڑکیوں نے عباس کو گھیر رکھا تھا اور خوب رونق لگا رکھی تھی۔

"دیکھیں ماں جی اس بار بھائی نے چن کر لڑکی تلاش کی ہے اگلے پچھلے سارے گلے شکوے ختم کردیے ہیں۔" عائشہ کو ذاتی لحاظ سے رابعہ بہت پسند آئی تھی۔

"ماشاء اللہ ہے بھی تو چندے ماہتاب بالکل شہوار کا پرتو لگی ہے مجھے تو۔" زہرہ پھوپو نے بھی کہا تو مہر النساء بیگم چونکیں۔

"ہاں مجھے بھی وہ کچھ شہوار جیسی ہی لگی تھی۔"

"شاید اس لیے کہ وہ انہی کی طرح سادہ اور دھیمے مزاج کی مالک ہیں۔" صبا نے بھی تبصرہ کیا۔

"اور اس دفعہ ایک تگڑا سا نیگ تیار رکھیے گا چھوٹی موٹی چیز پر ہم نہیں ماننے والے۔" لائبہ نے بھی دونوں بہنوں کے درمیان میں بیٹھے مسکراتے عباس کو کہا۔

"خالی نیگ کوئی اور بھی چیز مانگ لو مسکراہٹ نہیں دیکھ رہی تم لوگ ایسی مسکراہٹ ہو تو انسان کچھ زیادہ ہی مانگے۔" سجاد بھائی نے بھی اکسایا۔ بھی عباس کو خوب تنگ کر رہے تھے شہوار بھی ان میں آ بیٹھی تھی۔

"کتنے مزے کی بات ہے، ہم دونوں اپنی جیٹھانی بیاہ کرلائیں گے۔" شہوار نے کہا تو لائبہ ہنسی۔

"آفاق کو تو سچ مچ ایک ماں مل جائے گی۔" صبا نے بھی لقمہ دیا تو مہر النساء بیگم مسکرائی۔

"اللہ میرے بچے کے نصیب اچھے کرے جب تمہارے بابا نے دریہ کا کہا تو میرا دل ہولا تھا لیکن رابعہ سے مل کر پہلا خیال ہی آفاق کا آیا تھا یقیناً یہ لڑکی آفاق کو سنبھال لے گی۔"

"ان شاء اللہ۔" زہرہ پھوپو نے بھی کہا تو سبھی نے آمین کہا۔ رات گئے تک محفل جمی رہی تھی خوب رونق لگی ہوئی تھی ایک عرصے بعد اس گھر میں پھر سے خوشی کے قہقہے گونج رہے تھے۔ رات گئے مصطفیٰ لوٹا تھا اسے بھی سب نے گھسیٹ لیا تھا وہ بھی ان میں شامل ہو گیا تھا۔ صبا اور عائشہ تالیاں بجاتے گیت گانے لگی تھیں لائبہ اور شہوار بھی ان کا ساتھ دے رہی تھیں۔

ڈھولک میں تال ہے پائل میں چھن چھن
گھونگھٹ میں گوری ہے، سہرے میں ساجن
جہاں بھی یہ جائیں بہاریں ہی چھائیں
خوشیاں ہی پائیں میرے دل نے دعا دی ہے
میرے بھائی کی شادی ہے
ہمارے بھائی کی شادی ہے

صبا اور عائشہ کا تو مارے خوشی کے برا حال تھا دونوں کے چہروں سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔ ماں جی اور زہرہ پھپو بھی برابر ساتھ دے رہی تھیں۔ مصطفیٰ نے ہنستی مسکراتی شہوار کو دیکھا تو دل میں ایک گہری طمانیت کا احساس جاگا۔

''آج تو ہمارے عباس بھائی کے دل کی وہ کیفیت ہوگی۔'' سجاد بھائی نے محبت سے عباس کے گلے میں بانہیں ڈالی۔

گل تر ارنگ چرالائے ہیں گلزاروں میں

سجاد نے تان اڑائی تو سبھی نے ہوہا کا شور مچاتے خوب رنگ جمایا۔

''سجاد بھائی تو بڑے چھپے رستم ہیں۔'' صبا نے بے انتہا خوشی سے کہا۔

جل رہا ہوں بھری برسات کی پھواروں میں

عباس کی طرف سب نے بہت شرارت سے دیکھا تو عباس جھینپ کر رہ گیا۔

''بھئی یاد رکھیں یہ عباس بھائی کی رابعہ بھابی کے لیے دلی پکار ہے۔''

''بلے بھئی بلے۔'' مصطفیٰ نے بھی عباس کا کندھا تھپکا۔

''دیکھو بھئی مجھے گانا پورا کرنے دیں اب درمیان میں کوئی نہیں بولے گا ورنہ عباس بھائی ناراض ہوجائیں گے۔'' سجاد نے شرارتی نظروں سے عباس کو دیکھتے حاضرین کو کہا۔

''آپ اپنی سریلی آواز میں اپنے فن کو جاری رکھیں بھائی جان۔'' عائشہ نے شرارت کی پھر سب ہنسے تھے۔

مجھ سے کترا کر نکل جائے جان حیا

دل کی لو دیکھ رہا ہوں تیرے رخساروں میں

مجھ کو نفرت سے نہیں پیار سے مطلوب کرو

میں تو شامل ہوں محبت کے گنہگاروں میں

''اوئے ہوئے۔'' عباس بھائی کا خوب ریکارڈ لگا تھا۔ مصطفیٰ نے سجاد کی کمر تھپتھپائی تھی۔

''آپ اتنے زیادہ پرجوش مت ہوں ابھی آپ کی بھی باری ہے۔ سجاد بھائی تو اپنا فن دکھا چکے ہیں۔ اب آپ دکھائیں۔'' عائشہ نے مصطفیٰ کو بھی گھسیٹا۔ شہوار نے بھی پرشوق نظروں سے دیکھا۔

''نہ بھئی سجاد بھائی کی طرح میں کوئی سنگر ونگر نہیں ہوں۔''

''لیکن بھائی کی شادی طے ہوئی ہے اسی خوشی میں گانا تو ہوگا۔'' سبھی نے کورس میں کہا۔ ماں جی اور زہرہ پھپو کا ہنس ہنس کر برا حال تھا۔

''بھئی مجھے کوئی شاعری واعری نہیں آتی۔''

''چلیں بیگم کو ساتھ ملالیں اس کو تو آتی ہوگی۔'' لائبہ نے شرارت سے دونوں کو دیکھا تو شہوار بھی جھینپی۔

''مجھے تو بس ایک ہی غزل آتی ہے قتیل شفائی کی۔'' سب کے پرزور اصرار پر شہوار نے کہا تو سب اس کے سر ہوگئے۔

''جو آتا ہے وہی سنادیں شرط ہے کہ سنانا ضرور ہے۔''

لاکھ پردوں میں رہوں بھید میرے کھولتی ہے

شاعری سچ بولتی ہے

شہوار نے آواز اٹھائی تو سبھی نے بے اختیار تالیاں پیٹ ڈالی تھی۔

''یاد رکھیں مصطفیٰ بھائی پہلی بار آپ کی بیگم صاحبہ یوں برملا سب کے سامنے آپ سے بازبان شاعری اظہار محبت فرما رہی ہیں۔'' عائشہ نے تو خوب شرارت کی تھی۔ سبھی ہنس دیے تھے۔ مصطفیٰ کی آنکھوں میں شہوار کے لیے محبتوں کا ایک جہاں آباد ہوگیا تھا۔

''اگر تم لوگ مجھے ایسے تنگ کروگی تو میں نہیں سناؤں گی۔'' اس نے عائشہ کو آنکھیں دکھائی۔

''نہیں بھئی تم جاری رکھو کوئی کچھ نہیں بولے گا۔'' سجاد نے حوصلہ افزائی کی۔

تیرا اصرار کہ چاہت کا کبھی اظہار نہ ہو
واقف اس غم سے میرا حلقہ احباب نہ ہو
تو مجھے ضبط کے صحراؤں میں کیوں رہتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے۔

''ارے واقعی مصطفیٰ بھائی نے اتنی پابندیاں لگا رکھی ہیں۔'' عائشہ کی چونچ بھلا کیسے بند رہ سکتی تھی ایک بار پھر زبردست قہقہے پڑے۔

''خبردار کسی نے میری بیٹی کو ستایا تو۔'' ماں جی نے فوراً شہوار کی طرف داری کی' سب نے پھر حوصلہ افزائی کی تو اس نے پھر بولنا شروع کیا۔

شہوار کا بولنے کا انداز بہت اچھا تھا سبھی ایک دم سنجیدہ ہو گئے تھے۔

یہ بھی کیا بات ہے کہ چھپ چھپ کر تجھے پیار کروں
سب کے ہونٹوں پر شریری مسکراہٹ مچلی تھی لیکن سبھی ضبط کر گئے تھے۔
اگر کوئی پوچھ ہی بیٹھے تو میں انکار کروں

''شوہر ہیں تمہارے انکار کیوں کرو گی بھلا؟'' وہ عائشہ ہی کیا جو مان جائے شہوار تو ایک دم سرخ پڑ گی تھی۔

''تم ان کی پروا مت کرو بس بولو۔'' مصطفیٰ نے اسے حوصلہ دلایا تو وہ ہنس دی۔

وقت کی ہر بات کو دنیا کی نظر تولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے

''در پردہ تم پر چوٹ کی ہے شہوار نے۔'' لائبہ بھابی نے بھی عائشہ پر چوٹ کی تھی جو وہ سر جھٹک کر اڑا گئی تھی۔

میں نے اس فکر میں کاٹیں کئی راتیں کئی دن
میرے شعروں میں تیرا نام نہ آئے لیکن
جب تیری آنکھ میری سانس میں رس گھولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے

سب کے چہروں پر بڑی دل آویز مسکراہٹ تھی۔ اس بند پر زبردست تالیاں بجائیں تھیں۔

''یہ سب کچھ آپ کو سنایا جا رہا ہے۔'' صبا نے مصطفیٰ کے کان میں سرگوشی کی تھی مصطفیٰ ہنسا تھا۔

بہت عرصے بعد اسے یہ سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا بلکہ شہوار کا یہ پر اعتماد انداز، یہ الفاظ یہ خوب صورتی سب کچھ بہت شدت سے اٹریکٹ کر رہا تھا۔

تیرے جلوؤں کا اثر تو میرے ایک ایک غزل
تو میرے جسم کا سایہ ہے تو یوں کترا کے نہ چل
پردہ داری تو خود اپنا بھرم کھولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے

زبردست تالیوں نے شہوار کے اس انتخاب پر داد دی تھی۔

''زبردست چوائس۔'' عباس بھائی نے بھی خوب سراہا۔ مصطفیٰ نے بھی دل کھول کر داد دی۔

''بس ثابت ہوا کہ کم بولنے والے جب بولتے ہیں تو خوب بولتے ہیں۔'' سجاد نے بھی سراہا' لائبہ نے شہوار کی کمر تھپکی' عائشہ اور صبا نے شرارتی نظروں سے دیکھا تھا۔

''اب مصطفیٰ بھائی کی باری ہے جھوٹ نہیں، کچھ بھی سنائیں کوئی سونگ نہ سہی اپنی بیگم کی طرح زبان شاعری ہی دل کا احوال کہہ دیں لیکن سنانا ضرور ہے۔'' عائشہ نے اعلان کیا اور مصطفیٰ سوچنے لگا۔

"اک بار کہو تم میری ہو۔" مصطفیٰ نے کہا تو سبھی نے خوب ہلا مچایا۔
"یہ مصطفیٰ بھائی ہی ہیں نا۔" عائشہ نے آنکھیں پٹپٹائی۔

کوئی ساجن ہو، کوئی پیارا ہو
کوئی دیپک ہو، کوئی تارا ہو
جب جیون رات اندھیری ہو
اک بار کہو تم میری ہو

مصطفیٰ کی نگاہیں شہوار کی طرف اٹھی اور پھر اس کے سرخیاں چھلکاتے رخ زیبا پر جیسے ثبت سی ہوگئی تھی۔ اور شہوار کی نگاہیں بار حیا سے جھک گئی تھیں۔ سب کی دبی دبی ہنسی لیکن جیسے مصطفیٰ کو کوئی پروا ہی نہ تھی۔

جب ساون بادل چھائے ہوں
جب بھاگن پھول کھلائے ہوں
جب چندا روپ لٹاتا ہو
جب سورج روپ نہاتا ہو
یا شام نے بستی گھیری ہو
اک بار کہو تم میری ہو

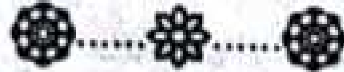
"زبردست یار تم نے تو کمال کر دیا محفل ہی لوٹ لی۔" عباس بھائی نے ایک دم داد دیتے ہوئے کہا اور مصطفیٰ نے بڑے اسٹائل میں کورنش بجالاتے تسلیمات کہا۔

ہاں دل کا دامن پھیلا ہے
کیوں گوری کا دل میلا ہے
ہم کب تک پیت کے دھوکے میں
تم کب تک دور جھروکے میں
کب دید سے دل کو سیری ہو
اک بار کہو تم میری ہو

لفظوں کا انتخاب اور لب ولہجہ سب کچھ اس قدر دلنشیں تھا کہ شہوار خود مبہوت ہوئے دیکھے گئی تھی۔

کیا جھگڑا سود خسارے کا
یہ کاج نہیں بنجارے کا
سب سونا روپا لے جائے
سب دنیا دنیا لے جائے
تم ایک مجھے بہتیری ہو
اک بار کہو تم میری ہو

خوب صورت آواز میں مصطفیٰ نے اختتام کیا تھا۔ سبھی نے دل کھول کر داد دی تھی۔
"جی اوئے میرے بھائی تم نے تو دل ہی لوٹ لیا۔" سجاد بھائی کون سا کم تھے اپنے انداز میں داد دی تھی۔
سبھی خوش تھے پر جوش تھے۔ دل میں محبتوں کا سمندر لیے ایک دوسرے کی خوشیوں میں ہنستے مسکراتے چہرے سبھی عباس کو اب فورس کر رہے تھے کہ اب وہ کچھ گنگنائے اور عباس مسلسل دامن بچا رہا تھا۔
ماں جی مسکراتی جھلملاتی نگاہوں سے سب کو دیکھتے دل ہی دل میں اپنی خوشیوں کے دائمی ہونے کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔



دونوں اپنے اپنے ایگزیمز کی تیاریوں میں لگ گئی تھیں جبکہ گھر والے شادی کی تیاریوں میں تھے انا مضمحل افسردہ اور سب کچھ ہوتے دیکھ رہی تھی۔ انا بڑی مشکل سے خود کو مجتمع کرتے سارا فوکس بکس کی طرف کرنے میں کامیاب ہوئی تھی اور دلجمعی سے تیاری کر رہی تھی۔ اکثر شہوار آ جاتی تھی تو دونوں مل کر تیاری کرتی تھیں۔ یا پھر انا اس کی طرف چلی جاتی تھی۔ اس دوران کیا کچھ ہوا تھا قطعی بے خبر تھیں۔ آنے والے دنوں میں بس شہوار کے ذریعے انا کو اتنا علم ہوا تھا کہ مصطفیٰ نے بابا صاحب سے ولید کے سلسلے میں کوئی بات کی تھی اور اس کے بعد بابا صاحب نے اپنی بیٹی، انا کے والدین اور ولید کو بلوایا تھا کافی دیر بحث ہوتی رہی تھی اور اس کے بعد فیصلہ کیا ہوا تھا کسی کو کوئی خبر نہ تھی نتیجتاً انا کی طرف تیاریوں کا سلسلہ رک گیا تھا۔

دونوں پرسکون انداز میں اپنے پیپرز دے رہی تھیں۔ اس دوران انا کو معلوم ہوا کہ کاشفہ اب پہلے سے بہتر تھی عادلہ اسے ڈسچارج کروا کر اپنے گھر لے جا چکی تھی مزید کیا ہوا تھا علم نہ تھا۔ وہ دونوں تو بس کتابوں، جرنلز، نوٹس میں ہی سر کھپائے ہوئے تھیں۔ دن رات کی محنت رنگ لائی تھی۔ دونوں کے ایگزیمز بہت اچھے ہوئے تھے۔ اس دن شہوار انا کے ساتھ ہی گھر آ گئی تھی آج کل وہ ایک دوسرے کے گھر آ جاتی تھیں اور پھر بعد میں ڈرائیور پک کر لیتا تھا۔ دونوں بہت ریلیکس ہو کر لوٹی تھیں روشی نے ان کو مزیدار سی چائے پلائی تھی۔

''اب شادی کی تیاریوں میں جت جاؤ تم دونوں کی وجہ سے ابھی کچھ بھی نہیں کر پائے ہم۔'' روشی نے خوش دلی سے کہا تو انا کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ شہوار نے اسے دیکھا اور ایک گہرا سانس لیا۔

''رات پھپھو کی کال آئی تھی بتا رہی تھیں حماد بھی اسی ہفتے میں واپس لوٹ رہا ہے۔'' اس نئی خبر پر انا کے چہرے کا رنگ مزید زرد ہوا۔

''میں نے احسن سے کہہ دیا ہے کہ آج رات وہ ہمیں ڈنر کرائیں گے تم مصطفیٰ بھائی کو بھی کہہ دو وہ آج رات فری رہیں۔'' روشی نے الٹیمیٹ دیا تھا تو شہوار نے سر ہلایا۔

باقی وقت اچھا گزرا تھا رات کو بھی ڈنر کے لیے تیار ہو گئے تھے بڑے نہیں جا رہے تھے بس روشی احسن، انا ولید اور شہوار تھے مصطفیٰ کو آفس سے ہی سیدھا ہوٹل پہنچنا تھا۔ وہ پانچوں ایک ہی گاڑی میں گھر سے نکلے تھے۔ تینوں خواتین پیچھے تھیں ولید گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور احسن فرنٹ سیٹ پر تھا۔

''قسم ہے جتنے دنوں انا کے ایگزامز رہے تھے روشی میڈم نے گھر پر کرفیو لگا رکھا تھا اب اللہ اللہ کر کے خیر سے چھوٹے ہیں ہم۔'' احسن نے بیوی کو چھیڑا۔

''تو اور کیا کرتی پہلے آپ نے اسے ہولا کر رکھا ہوا ہے اتنا سامنے نکل آیا ہے۔ انکل کا غصہ کم تھا کیا جو باقی سب بھی ہاتھ میں لٹھ لیے اس کے پیچھے پڑ گئے تھے کم از کم اسے سکون سے ایگزیمز تو دینے دیتے۔'' روشی نے بھنا کر کہا تو شہوار ہنس دی۔ ویسے بھی روشی کو سارا غصہ ولید پر تھا جواب بھی لاتعلق سا بنا ہوا تھا جبکہ انا خاموش تھی۔

وہ لوگ ڈنر ہال میں جلدی پہنچ گئے تھے کچھ دیر بعد مصطفیٰ نے بھی ان کو جوائن کر لیا تھا۔ بہت خوش گپیوں میں انہوں نے کھانا کھایا تھا۔ انا زیادہ تر خاموش تھی اور ولید کا انداز انا کے علاوہ باقی سب کے ساتھ بہت خوش گوار تھا اور انا کو یہ بات بہت تکلیف دے رہی تھی وہ اس کی طرف اب تو نگاہ بھی نہ ڈالتا تھا۔

''اب کیا ارادے ہیں بھئی۔'' مصطفیٰ نے بیگم کو دیکھا جو اتنے دنوں سے کبھی ادھر اور کبھی ادھر گھوم رہی تھی اور گھر میں بھی جو وقت ہوتا تھا بس کتابوں میں گم رہتی تھی مصطفیٰ بھی اس سے بات کرنے کو جیسے ترس گیا تھا۔

''کل آپ کے ساتھ گھر چلی جاؤں گی آج ادھر ہی رکوں گی۔'' انا بھی یہی چاہتی تھی شہوار نے کہہ دیا تو مصطفیٰ نے گھورا۔

''تمہیں مجھ پر ترس نہیں آ رہا۔'' آواز دھیمی تھی۔

''ایک رات کی ہی تو بات ہے مصطفیٰ بھائی رکنے دیں نا۔'' انا نے بھی سفارش کی، مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''چلو دیکھ لیتے ہیں ایک رات اور سہی۔'' مصطفیٰ نے سرد آہ بھری تو شہوار ہنس دی۔

''تم بھی آج ہماری طرف ہی چلو کافی دن ہو گئے ہیں اکٹھے بیٹھے ہوئے۔'' ولید نے کہا تو مصطفیٰ نے کچھ سوچا اور پھر سر ہلا

دیا۔ وہ لوگ کافی دیر تک باہر رہے تھے۔ ایک عرصے بعد شہوار بہت کھل کر ہر چیز سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ انجوائے کر رہی تھی ورنہ جب بھی باہر نکلتی تھی ایاز کا ہیولا ہر وقت آسیب کی طرح سر پر مسلط رہتا تھا۔

"عباس بھائی کی شادی کی تیاریاں بہت زور و شور سے ہو رہی ہیں گھر میں صبا اور عائشہ ہر وقت متحرک رہتی ہیں ہر وقت رونق سی لگی رہتی ہے۔" روشی کے پوچھنے پر کہ شادی کی تیاریاں کہاں تک پہنچی ہیں شہوار تفصیل سے بتا رہی تھی اور انا کا دل سرد خانے میں مقید ہوتا جا رہا تھا۔ کاش وہ کسی سے کہہ سکتی کہ اس کے دل کی کیا کیفیت تھی۔

ولید نے تو اب پلٹ کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا اور وقار صاحب نجانے وہ اس کے ایگزیمز کو لے کر اس کے ساتھ نرم ہوئے تھے مصطفیٰ کے بابا صاحب سے ملنے کے بعد سے وہ اس سے اب سرد مہری سے پیش نہیں آئے تھے۔ نجانے بابا صاحب نے ان سے کیا کہا تھا۔ شہوار کو علم نہ تھا اور روشی سے وہ پوچھ نہیں سکتی تھی۔ وہ عجیب سی کیفیت میں تھی۔

وہ لوگ گھر آ چکے تھے مصطفیٰ ولید اور احسن ولید کے کمرے میں براجمان تھے۔ بڑے لوگ سو چکے تھے وہ تینوں لاؤنج میں خوش گپیوں میں لگی ہوئی تھیں روشی اور شہوار کی اپنی باتیں تھیں اور انا وہ محض ان کو سنتی رہی تھی۔

"لائبہ بھابی تو آفاق کے ساتھ ساتھ چھوٹے کے ساتھ بزی رہتی ہیں صبا اور عائشہ وارن کر چکی ہیں کہ ایگزیمز کے بعد ان کے ساتھ مل کر شادی کی تیاریاں دیکھنی ہیں۔"

"ہاں پھپھو بھی کہہ رہی تھیں کہ جو کافی کام ہیں جو دیکھنے والے ہیں میری تو طبیعت ایسی ہے کہ میں بھاگ دوڑ نہیں کر سکتی پھپھو خود ہی دیکھ رہی ہیں سب کچھ۔" دونوں بس یہی باتیں کر رہی تھیں انا کا دل ایک دم بھر آیا تو وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رو دی۔

"ارے......ارے کیا ہوا؟" روشی پریشان ہوئی۔

"تم لوگ میرے سامنے اس قسم کا ذکر مت کیا کرو۔" روشی نے شہوار کو دیکھ کر گہرا سانس لیا۔ انا روتی رہی اور پھر چہرہ صاف کر کے اس نے دونوں کو دیکھا دونوں سنجیدہ تھیں۔

"کیا یہ شادی رک نہیں سکتی۔" اس کے لہجے میں آس و امید تھی۔

"عباس بھائی کی شادی۔" روشی نے جیسے بھولپن کی حد کر دی تھی۔ انا نے خفگی سے دیکھا تو اس نے ہاتھ تھاما۔

"ہم بھلا کیا کر سکتے ہیں انکل کا بس ایک ہی موقف ہے وہ زبان دے چکے ہیں اور اپنی زبان سے نہیں ہٹ سکتے۔ دوسری طرف مصطفیٰ کی پھپھو ہیں وہ بھی اتنی اچھی لڑکی ہاتھ سے نکلنے نہیں دینا چاہتی ویسے بھی ولید بھائی تو اب تمہارا نام بھی نہیں سننا چاہتے۔" روشی کی صاف گوئی نے انا کے وجود میں جیسے نشتر اتار دیے تھے۔

"میں شرمندہ ہوں سب سے معافی مانگ چکی ہوں بابا، ماما، احسن بھائی، ماموں جان سب سے اب تو سب کو اصل حقیقت کا پتا بھی چل چکا ہے اب بھی مجھے ہی سب قصوار سمجھتے ہیں کیا؟" وہ بہت مایوس ہوئی تھی۔ دونوں خاموش رہی تھیں انا خود ہی اپنے آنسو صاف کرتے تیزی سے وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

"ویسے انا کے ساتھ بہت زیادتی ہو رہی ہے ولید بھائی سے بات کروں گی ایسے نہیں ہونا چاہیے۔" شہوار نے دکھ سے کہا جبکہ روشی خاموش رہی۔

کچھ دیر بعد روشی نے گیسٹ روم کو شہوار لوگوں کے لیے کھول دیا تھا مصطفیٰ بھی تھکا ہوا تھا وہ کمرے میں آتے ہی لیٹ گیا۔

"میں آتی ہوں آپ ویٹ کریں ذرا۔" شہوار کمرے میں سے جانے لگی تو مصطفیٰ نے تعجب سے دیکھا۔

"اب کدھر کی تیاری ہے۔"

"ولی بھائی سے بات کرنی ہے بس ابھی آتی ہوں۔" وہ کہہ کر کمرے سے نکل آئی جبکہ پیچھے مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ ولید کے کمرے میں آئی تو وہ بھی بستر پر لیٹ چکا تھا اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔

"آپ سونے لگے تھے۔" اس نے محض سر ہلایا تھا۔ شہوار مسکراتی ہوئی ولید کے پاس آ بیٹھی۔

"ایک بات کہنی تھی آپ سے۔" ولید نے سنجیدگی سے دیکھا۔

"آپ کی بابا صاحب سے کیا بات ہوئی تھی؟"
"کیوں؟"
"مجھے کوئی کچھ بھی نہیں بتاتا جس سے پوچھتی ہوں ٹال جاتا ہے دیکھیں مجھے صاف صاف بتائیں آپ سب کیا کرنا چاہتے ہیں۔"
"کچھ نہیں کرنا چاہ رہے ہم لوگ۔" شہوار نے سنجیدگی سے بھائی کو دیکھا۔
"انا بہت ڈسٹرب ہے اس کا اتنا بڑا جرم تو نہیں کہ آپ انا کا مسئلہ بنالیں۔ پلیز آپ اسے معاف کردیں۔"
"ڈونٹ وری میں کسی سے ناراض نہیں ہوں۔"
"تو پھر آپ انا سے شادی کرلیں نا پلیز میری خاطر۔" وہ انا اور بھائی دونوں کی محبت میں مجبور تھی ولید نے گھورا۔
"شادی کوئی بچوں کا کھیل نہیں تمہاری دوست نے انگوٹھی اٹھا کر میرے منہ پر ماردی اور اب اپنی غلطیوں پر شرمندہ ہوکر معافی مانگ لی اور سب ٹھیک ہوجائے گا۔ مصطفیٰ کی پھپھو کی بھی خاندان میں ایک عزت ہے اور ادھر انکل بھی اپنی زبان کے پابند ہیں جو جیسا ہورہا ہے ہونے دو بجائے اس کے اپنی دوست کی جذباتیت کو دیکھتے تم مجھے آکر سمجھاؤ بلکہ جاکر اسے سمجھاؤ کہ جو ہورہا ہے ہونے دے۔"
"آپ کو ذرا دکھ نہیں ہورہا۔" اس نے بہت دکھ سے پوچھا۔
"دکھ کیسا؟" ولید سنجیدہ ہوا۔
"کیا آپ کے دل میں کبھی بھی انا کے لیے کوئی احساس پیدا نہ ہوا تھا۔"
"بے وقوف لوگوں کی خاطر میں دل کے عارضے پالنے کا قائل نہیں ہوں میں پریکٹیکل بندہ ہوں میرے پاس ان فالتو کاموں کے لیے کوئی وقت نہیں۔" سنجیدہ انداز تھا۔
شہوار نے بہت دکھ سے ولید کو دیکھا اور پھر بغیر کچھ کہے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ولید نے اسے نہیں روکا تھا۔ وہ کمرے سے نکلی تو بہت افسردگی سے مسکراتے بستر پر آبیٹھی تھی۔
"یہ چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔" مصطفیٰ نے فوراً نوٹ کیا۔
"مجھے ولید بھائی سے ایسی سنگ دلی کی امید نہ تھی۔" وہ بہت دکھی ہوئی۔
"میں اتنی محبت سے ان کے پاس گئی تھی اس مان کے ساتھ کہ وہ میری بات نہیں ٹالیں گے لیکن انہوں نے تو مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کی اتنے عرصہ بعد مجھے ایک بھائی جیسا مان ملا ہے اتنے ارمان تھے میرے دل میں لیکن وہ تو اتنے روڈ اور سنجیدہ ہورہے ہیں کہ میرا دل ہی ٹوٹ گیا۔" بات کرتے کرتے اس نے آخر میں باقاعدہ رونا شروع کردیا اور مصطفیٰ نے سنجیدگی سے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے دیکھنا شروع کردیا۔
"کیا ہوا ہے آپ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں۔" آنسو صاف کرتے اس نے مصطفیٰ کا انداز دیکھا تو پوچھا انداز شکایتی تھا۔
"سوچ رہا ہوں تم دونوں دوستیں بہت ہی بے وقوف ہو۔" شہوار کے چہرے پر بے وقوف کہنے پر ایک دم سرخی چھائی۔
"ولید انا کے ساتھ جو کررہا ہے بالکل ٹھیک کررہا ہے انا کی شادی جہاں ہورہی ہے چپ چاپ ہونے دو خوامخواہ روڑے اٹکانے کی کوئی ضرورت نہیں۔" ڈانٹنے والا قطعی انداز تھا۔
"آپ ولید بھائی کا ساتھ مت دیں وہ غلط کررہے ہیں انا ولید بھائی کی ہی دلہن بنتی کتنی خواہش تھی میری۔"
"سونے کا ارادہ ہے یا ساری رات اپنی دوست کا غم منانا ہے۔" مصطفیٰ نے لیٹتے ہوئے اس پر چوٹ کی۔
وہ کلس کررہ گئی اور غصے کے اظہار کے طور پر اپنا تکیہ اٹھا کر بالکل کنارے رکھ کر مصطفیٰ کی طرف سے کروٹ بدل کر لیٹ گئی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے دیکھا تو مسکرادیا۔
"اس طرح مجھ سے دور لیٹ کر نیند آجائے گی۔" اسے چھیڑا۔
"میری نیند کسی کی پابند نہیں۔" اس نے غصے سے کہا۔

عائشہ رحمٰن عاشی

نام تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں' پیار سے کچھ لوگ عاش' اور کچھ عاشی اور میری نانی اماں عاشو کہتی ہیں' بہر حال مجھے عاشی اچھا لگتا ہے 26 اپریل 1996 کو اس اندھیری دنیا میں سائباں بن کر آئی "آہم" اسٹار کا کوئی پتہ نہیں' میری کاسٹ عباسی ہے اور آنچل سے دوستی پانچ سال پرانی ہے ہم چھ بہن بھائی ہیں' پہلے بھیا اویس رحمٰن عباسی پھر مہارانی صاحبہ خود' پھر آمنہ رحمٰن' پھر حارث رحمٰن عباسی' پھر خولہ رحمٰن عباسی اور آخری میں آئرہ رحمٰن عرف پری۔ اپنی فیملی سے بے حد پیار ہے میری منگنی ہوئی تھی جو دو سال بعد ٹوٹ گئی منگیتر صاحب حسن پرست نکلے خوبی آمنہ سے پوچھا تو جواب آیا ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی اور خامیاں بے شمار ہیں ویسے میری نظر میں خوبی یہ ہے کہ دشمن کو بھی معاف کر دیتی ہوں کبھی بدلہ نہیں لیتی معصوم جو ٹھہرے کھانے میں دال چاول اینڈ آلو کی چپس پسند ہیں ڈریسنگ میں فراک' چوڑی دار پاجامہ' لانگ شرٹ اور بڑا سا آنچل پسند ہے۔ ہار سنگھار کا کوئی شوق نہیں۔ جسٹ پیاری سی انگوٹھی اور سادہ چوڑیاں پسند ہیں' گھنٹوں تنہا اور اندھیرے میں بیٹھنا اچھا لگتا ہے۔ ایف ایم شوق سے سنتی ہوں۔ فرینڈز ایک ہو تو بتاؤں نا' سب بیسٹ فرینڈ ہیں حمیرا' عاصمہ' طیبہ' مصباح' فوزیہ' عشرت' نیلم' صبا' رینا اور سسٹر آمنہ رحمٰن میمونہ ارم آمنہ تاج نمرہ مبارک رابعہ اعوان مہوش' ناظمہ' عاصمہ' ثانیہ' شبنہ' مہوش غفور' ثمن سحر آپی سونیا اقراء' سدرہ اور بھی بے شمار ہیں پھر سب کے نام لکھنا ممکن نہیں۔ فیورٹ رائٹرز نازیہ کنول نازی' سمیرا شریف طور' نمرہ احمد' عمیرا احمد' سباس گل' فرحت اشتیاق' راحت وفا' فاخرہ گل' راحت جبیں اور عائشہ نور محمد ہیں۔ آخر میں دعا ہے اللہ تعالیٰ میرے گھر والوں بالخصوص میرے امی اور پاپا کو صحت کاملہ عطا فرمائیں اور ان کا سایہ ہمیشہ ہمارے سر پر قائم دائم رکھے پاکستان کو آنچل اللہ تعالیٰ نظر بد سے بچائے (آمین)

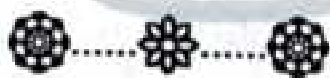
"سوچ لو۔" مصطفیٰ نے ہونٹ دانت تلے دبا کر مسکراتے ہوئے کہا تو شہوار نے پلٹ کر دیکھا۔ مصطفیٰ ہنس رہا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر شہوار کو بازو کے حصار میں لے لیا۔

"اتنے دنوں تو تم بالکل کتابوں کی قید سے آزاد ہو کر میرے قریب آئی ہو جانتی ہو کتنا زیادہ صبر کیا ہے میں نے۔"

"زیادہ پھیلنے کی ضرورت نہیں...... یہ آپ کے گھر میں آپ کا ذاتی کمرہ نہیں ہے۔" وہ اب بھی ناراض ناراض سی تھی۔

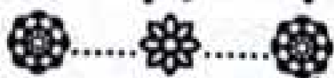
"چلو وعدہ اپنا موڈ درست کرو میں ولید سے بات کروں گا۔" مصطفیٰ کو اس کے ناراض ناراض چہرے پر ترس آ گیا تھا۔ شہوار کے چہرے پر ایک دم رونق آ گئی تھی۔

"آپ ان کو سمجھائیے گا...... انا کے لیے قائل کرنا ہے پلیز۔" وہ پھر وہی موضوع شروع کر چکی تھی مصطفیٰ نے مسکرا کر ایک گہرا سانس لیا۔



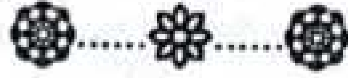
بابا صاحب اپنے ماہانہ چیک اپ کے لیے ڈاکٹر کے پاس آئے تھے شاہزیب صاحب ساتھ تھے واپسی پر بابا صاحب نے عباس کے سسرال جانے کی فرمائش کی تو شاہزیب صاحب نے ڈرائیور کو رابعہ کے گھر کی طرف جانے کا کہا۔ بابا صاحب اپنی طبیعت کے سبب نہیں جا سکے تھے سو اب چلے آئے تھے۔ ان لوگوں نے سہیل یا کسی کو بھی اطلاع نہ دی تھی۔ ڈرائیور نے گاڑی روکی تو شاہزیب صاحب بابا صاحب کو سہارا دیتے رابعہ کے گھر کی طرف چل دیے تھے۔ انہوں نے گھر کے دروازے پر دستک دی تھی اور چند سیکنڈ بعد دروازہ کھل گیا تھا۔ فیضان صاحب اپنے سامنے موجود شخصیت کو دیکھ کر ساکت رہ گئے تھے۔

"چوہدری حیات علی۔" ان کے لبوں سے نکلا تھا۔ چونکے تو چوہدری حیات علی بھی تھے اور شاہزیب صاحب بھی۔



کاشفہ پر پھر سے جنون طاری تھا وہ بھی گھر سے نکلی تھی وہ کچھ دوستوں سے ملنے گئی تھی لیکن دوستوں کی طرف سے اس کے ساتھ جو سلوک کیا گیا تھا اس نے اسے پاگل کر دیا تھا۔ وہ گھر لوٹ آئی تھی لیکن عادلہ کی جان مصیبت میں آ چکی تھی۔ نشے کی عادت نے اس کی طبیعت کو بہت بگاڑ دیا تھا۔ اوپر سے اپنی شکل کا بگڑ جانا وہ سارے گھر میں چیختی چلاتی چیزیں توڑتی پھر رہی تھی۔

"میں کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گی میں سب کو قتل کردوں گی میں ولید اور انا کو جان سے ماردوں گی۔" وہ مغلظات بکے جا رہی تھی۔
عادلہ حیرت سے گنگ مکافات عمل کا یہ مظاہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس کے دل میں عجیب سا خوف بیٹھنے لگا تو اس نے خود کو اپنے کمرے میں بند کرلیا تھا کافی دیر تک سارے گھر میں کاشفہ کے چیخنے چلانے اور چیزیں توڑنے کی آوازیں گونجتی رہی اور پھر ایک دم خاموشی چھا گئی تھی۔ عادلہ گم صم اپنے کمرے میں بیٹھی تھی دو تین گھنٹے گزرے تو وہ حالات کا جائزہ لینے کمرے سے نکلی تھی اور کاشفہ کو ہر جگہ دیکھتے نہ پا کر الجھتی ہوئی وہ کچن کی طرف آئی تھی اور یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں اور حلق سے بے اختیار چیخیں بلند ہونے لگی تھیں۔
کاشفہ نے اپنا بایاں ہاتھ کاٹ لیا تھا کچن کے فرش پر چاقو گرا ہوا تھا اور سارے فرش پر سرخ خون بہہ رہا تھا۔ عادلہ چیختے چلاتے ہوئے کچن کے دروازے پر گر گئی تھی۔ مکافات عمل کے سلسلے میں لگنے والا یہ زخم سب سے کاری تھا۔



"یہ فیضان صاحب ہیں۔" بیٹھک میں آ کر شاہزیب صاحب بابا صاحب اور فیضان صاحب کا تعارف کرا رہے تھے۔
بابا صاحب گم صم سے تھے اور فیضان صاحب نڈھال۔ بابا صاحب کے ماضی سے جھانکتا توانا، مضبوط، چہرہ اب وقت کی گرد میں دب کر کچھ رنگ بدل چکا تھا چہرے پر داڑھی تھی وہ شاید نہ پہچان پاتے جو شاہزیب صاحب تعارف نہ کراتے۔
"فیضان، تم میرے فیضان ہونا۔" بابا صاحب کے لہجے میں یقین تھا۔ شاہزیب صاحب چونکے۔
"شاہزیب یہ فیضان ہے میرا فیضان۔" بابا صاحب بضد تھے جبکہ شاہزیب صاحب ششدر۔ وہ بابا صاحب کو سمجھانا چاہتے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ عبدالقیوم نے خود اعتراف کیا تھا کہ سکندر کو مار کر نہر میں ڈلا دیا گیا تھا وہ سکندر تو مر چکا تھا جوان کا فیضان تھا لیکن وہ بابا صاحب کو نہ جھٹلا سکے تھے۔
شہوار کے باپ کے آئی ڈی کارڈ میں جو تصویر تھی وہ یقیناً اسی سکندر کی تھی جو اب فیضان کے روپ میں ان کے سامنے تھا اگر چہرے پر داڑھی نہ ہوتی تو وہ فوراً پہچان لیتے لیکن وہ سکندر تو مر چکا تھا اور یہ فیضان کہاں سے آ گیا تھا۔
"بابا صاحب یہ کیسے ممکن ہے۔" وہ پکارے تھے جبکہ بابا صاحب ہر چیز فراموش کیے فیضان کے چہرے پر اپنا لرزتا ہاتھ رکھ کر اس کے قریب ہوئے تھے۔
"میں یہ چہرہ یہ رخسار یہ آنکھیں نہیں بھول سکتا، یہ میرا بیٹا ہے۔" وہ لرزتی آواز میں کہہ رہے تھے اور فیضان صاحب کی آنکھوں میں نمی آ ٹھہری تھی۔ وہ ایک عرصہ سے ان سے موجود ہر رشتے کو جھٹلاتے رہے تھے لیکن آج ان کی بے قراری اور تڑپ دیکھ کر دیکھ پسیجا تھا۔
"تم میرے بیٹے ہونا، میرے فیضان۔" وہ بہت تڑپ کر پوچھ رہے تھے۔
فیضان صاحب کو لگا کہ اگر اب کے انہوں نے انکار کیا تو وہ شاید عمر بھر خود کو معاف نہ کر سکیں۔ ساری عمر انہوں نے اس رشتے کو جھٹلایا تھا انکار کیا تھا لیکن اس بار انکار نہ کر پائے تھے۔ غیر مرئی انداز میں ان کی گردن اثبات میں ہلی تھی۔ بابا صاحب اس حرکت کو دیکھ کر ساکت ہو گئے تھے۔
"ہاں بابا جان میں ہی آپ کا وہ بدبخت فیضان ہوں جس کے ماضی کا ایک نام سکندر بھی تھا۔"

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)





ٹوٹا ہوا تارا

سمیرا شریف طور

بہت ہیں خواب مگر خواب ہی سے کیا ہوگا
ہمارے بیچ جو حائل ہے، وہ حقیقت ہے
سمجھ رہے تھے مسافر قیام کو منزل
خبر نہیں تھی کہ آگے بھی ایک ہجرت ہے

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

دریہ کی اصل حقیقت سامنے آنے پر مصطفیٰ شدید اشتعال کا مظاہرہ کرتا ہے جبکہ دیگر گھر والے بھی شہوار کے نقصان کا اسے ذمہ دار ٹھہراتے ہیں ایسے میں شاہزیب صاحب اس کے باپ سے بات کرکے اسے واپس بھیج کر معاملے کو ختم کرادیتے ہیں۔ دوسری طرف شہوار کو دریہ کی اصل حقیقت سے بے خبر رکھا جاتا ہے۔ ہادیہ اور ابوبکر کی رخصتی کی تاریخ طے کرنے پر گھر والے ہادیہ کے گھر پر موجود ہوتے ہیں۔ ایسے میں عباس ہادیہ کی آپی کو چھوڑنے ان کے گھر تک جاتا ہے ہادیہ کی آپی رابعہ کو دیکھ کر چونک جاتی ہیں اور اس کے متعلق استفسار کرتی ہیں لیکن ثریا بیگم کی زبانی رابعہ کے متعلق جان کر انہیں مایوسی ہوتی ہے۔ فیضان اور ثریا بیگم رابعہ کو تمام حقائق سے آگاہ کردیتے ہیں رابعہ فیضان ماموں کے روپ میں اپنے باپ کو دیکھ کر ششدر رہ جاتی ہے جبکہ دیگر رشتوں کو کھودینے کا دکھ اسے افسردہ کردیتا ہے۔ بیگم عبدالقیوم جوان بیٹے کی موت کے صدمے سے ڈھے جاتی ہیں ان کی ذہنی حالت اس قدر متاثر ہوتی ہے کہ انہیں مینٹل اسپتال میں داخل کرانا پڑتا ہے دوسری طرف عبدالقیوم بھی پولیس کی گرفت میں آجاتا ہے ایسے میں کاشفہ ایک مرتبہ پھر بدلے کی آگ میں جلتی انا پر تیزاب پھینکنے کی کوشش کرتی ہے لیکن اس دوران بھی انا بچنے میں کامیاب ہوجاتی ہے انا اور ولید کے درمیان سرد مہری بڑھتی جاتی ہے۔ جبکہ حماد کی وطن واپسی اور انا کے ایگزامز کے فوراً بعد شادی کی ڈیٹ فکس کردی جاتی ہے یہ تمام صورت حال انا کے لیے مزید پریشانی کا سبب بنتی ہے گھر والوں کے سامنے انا کی تمام سچائی اور کاشفہ کا دھمکی آمیز رویہ بھی ظاہر ہوجاتا ہے لیکن وقار صاحب حماد کے رشتے کو لے کر اپنے فیصلے میں ردوبدل کرنے پر تیار نہیں ہوتے ہیں۔ مصطفیٰ کی محبت و اپنائیت کے سنگ شہوار بھی زندگی کی طرف راغب ہونے لگتی ہے ایسے میں عباس اور رابعہ کی شادی کی تاریخ طے ہونے پر وہ سب گھر والوں کے ساتھ ہنسی مذاق میں شامل ہوکر اپنا غم بھولنے کی کوشش میں کامیاب ہوجاتی ہے۔ جب ہی مصطفیٰ اسے تابندہ بوا کی اصل حقیقت سے آگاہ کرتا ہے شہوار یہ سب جان کر ششدر رہ جاتی ہے اور اپنے بھائی ولید سے ملنے کے لیے اصرار کرتی ہے دوسری طرف تابندہ بی شہوار کے ساتھ اسی شفقت آمیز رویے سے پیش آتی ہیں۔ ولید سے ملنے کے بعد شہوار اسے انا کے لیے قائل کرنے کی کوشش کرتی اسے معاف کردینے کا کہتی ہے لیکن ولید اپنے فیصلے سے پیچھے ہٹنے پر آمادہ نہیں ہوتا ایسے میں شہوار مصطفیٰ سے بات کرکے تمام حالات کو بہتر طور پر سنبھالنے کا کہتی ہے جبکہ مصطفیٰ بابا صاحب سے بات کرنے کا ارادہ کرتے اسے تسلی دیتا ہے۔ بابا صاحب ماضی کے تمام حقائق سے اپنے بچوں کو آگاہ کرتے اپنے بیٹے فیضان کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کا بتاتے ہیں جس پر تمام گھر والے بابا صاحب کا ساتھ دیتے ہیں اور ان کے ہر فیصلے پر راضی ہوجاتے ہیں۔ کاشفہ ہر طرح سے مایوس ہونے کے بعد خود اپنی ذات کو نقصان پہنچا بیٹھتی ہے اور عادلہ جگہ جگہ خون کے نشان دیکھ کر خوف زدہ ہوجاتی ہے عبدالقیوم کے گرفتار ہونے کی خبر پڑھ کر فیضان صاحب کو رب کی طرف سے انصاف مل جاتا ہے وہیں بابا صاحب رابعہ سے ملنے ان کے گھر آتے ہیں اور وہاں اپنے بیٹے فیضان کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے ہیں دوسری طرف فیضان صاحب بھی ان کے گلے لگ کر تمام حقیقت کا اعتراف کرلیتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......❀......❀

بابا صاحب کی پتلیاں سکڑی اور ان کو لگا کہ جیسے ان کی حرکت قلب بند ہو جائے گی۔ ان کے اعصاب کھنچ گئے اور حواس نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ وہ ساکت سے فیضان کے بازوؤں میں جھول گئے تھے۔

''بابا صاحب۔'' شاہزیب اور فیضان دونوں نے تڑپ کر ان کو سنبھالا۔

❀......❀......❀

بابا صاحب اسپتال میں تھے ان کا دل اچانک ملنے والا یہ دھچکا برداشت نہیں کر پایا تھا۔ ان کی ساری اولاد ان کے گرد جمع تھی۔ شاہزیب صاحب فی الحال خاموش تھے۔ بھی بابا صاحب کی اس اچانک خراب ہو جانے والی طبیعت کو لے کر پریشان تھے۔ شام تک طبیعت سنبھلی تو انہوں نے فیضان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی' شاہزیب صاحب کے ساتھ وہ بھی اسپتال میں ہی تھے۔

سبھی نے چونک کر فیضان صاحب کو دیکھا تھا جو شاہزیب صاحب کے ساتھ بابا صاحب کے کمرے میں جا رہے تھے۔ بابا صاحب فیضان کو دیکھ کر ایک دفعہ پھر بکھرے تھے۔ بابا صاحب کی آنکھوں میں اشک ندامت اور فیضان صاحب کی آنکھوں میں اشک شرمندگی تھے۔ فیضان صاحب نے خود پر بیتنے والی قیامت بیان کی تھی۔ اگلی صبح بابا صاحب ڈسچارج ہوئے لیکن گھر پہنچنے پر گھر والوں کو شاہزیب صاحب نے جب سب کچھ بتایا تو وہ بھی حیرت زدہ تھے۔ شہوار بے یقین تھی۔ اس کا باپ زندہ تھا۔ وہ جو ہمیشہ رشتوں کے لیے ترستی رہی تھی اب ایک دم ایک کے بعد ایک رشتے کو زندہ پا کر وہ تو جیسے ساکت سی ہو گئی تھی۔ فیضان صاحب مسلسل ساتھ تھے۔

''میں بہت بدنصیب ہوں میری اولاد میری بزدلی کی بھینٹ چڑھ گئی اور میں کچھ بھی نہ کر سکا۔'' بابا صاحب ایک بار پھر پچھتاؤں کی زد پر تھے۔

''آپ کا بھلا کیا قصور آپ نے تو ہر ممکن کوشش کی شاید قدرت کو ہی یہ سب منظور نہ تھا۔'' زہرہ پھوپو نے بابا صاحب کا حوصلہ بڑھانا چاہا تو فیضان صاحب ان کے پاس بیٹھ گئے۔ ان کے نحیف و کمزور ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

''خطا کار تو پھر میں ہوں بابا صاحب آپ تو کئی بار مجھ سے ملنے آئے تھے میں ہی بدنصیب تھا جو اپنا ظرف بڑا نہ کر سکا آپ نے تو مجھے میرا حق دلانا چاہا تھا معاشرے میں جینے کے لیے سہارا دینا چاہا تھا میں نے ہی ہر بار آپ کو نامراد لوٹایا' یہ نہیں تھا کہ میرے دل میں آپ کے لیے کوئی بھی احساس یا جذبہ نہ تھا میں تو بس اس خوف میں جیتا رہا کہ کہیں آپ کا خاندان مجھے ایک گالی سمجھ کر رد نہ کر دے میں اپنی ذات کے وقار اور قناعت میں جیتا رہا اور کبھی نہ سوچا کہ آپ کا کیا حال ہوا ہو گا۔'' زندگی میں پہلی بار فیضان صاحب نے اپنے دل کا درد اپنے باپ کے سامنے بیان کیا تھا وہاں موجود سبھی لوگ گم صم سے تھے اور بابا صاحب وہ ایک بار پھر ندامت کے گہرے سمندر میں گھر گئے تھے۔

❀......❀......❀

وہ عجیب سا دن تھا مصطفیٰ کل سے آفس کے کام کے سلسلے میں آؤٹ آف سٹی تھا۔ فیضان صاحب کے ہاں جب بابا صاحب کی طبیعت خراب ہوئی تو وہ انہیں شاہزیب صاحب کے ہمراہ فوراً اسپتال لے آئے تھے۔ سہیل کو فیضان صاحب نے کال کر کے مختصراً صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا اور کل سے وہ اب تک ان لوگوں کے ساتھ ہی تھے۔ بابا صاحب کی طبیعت کچھ سنبھلی تھی مگر اب ایسی بھی نہ تھی کہ وہ بہت دیر تک باتوں میں لگے رہتے وہ آرام کرنے لگے تو فیضان صاحب سب کے ساتھ لاؤنج میں آ بیٹھے۔ وہ ابھی باقاعدہ طور پر کسی سے متعارف نہ ہوئے تھے۔ بس اپنے بارے میں ہی سب کو بتایا تھا۔ خود پر بیتنے والی کہانی سنائی تھی۔ شاہزیب صاحب ایک ایک کر کے ان کو سب سے متعارف کرا رہے تھے سب کا بتاتے بتاتے جب شہوار کی باری آئی تو وہ ساکت ہو گئے۔ کتنا عجیب لمحہ تھا وہ ایک باپ سے اس کی بیٹی کو متعارف کرانے والے تھے۔ جس کے وجود سے وہ باپ قطعی بے خبر تھا۔

''شہوار بیٹا ادھر آؤ۔'' شہوار جو اس سارے عرصے میں بمشکل خود پر قابو پائے ہوئے تھی رو رو کر البتہ چہرہ سرخی مائل ہو گیا تھا شاہزیب صاحب کے پکارنے پر ان کے پاس آ رکی تھی۔

"یہ شہوار ہے ہماری بہو۔" انہوں نے شہوار کے سر پر ہاتھ رکھ کر فیضان صاحب کے سامنے کیا تو وہ کئی پل تک ساکت رہے۔ شہوار کی سرخی مائل آنکھیں اور کپکپاتے ہونٹ شہوار کے وجود میں انہیں کوئی جیتا جاگتا وجود دکھائی دیا تو چونکے۔

"لالہ رخ......" ان کے لب ہلے اور شہوار دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی تو شاہزیب صاحب نے بہت محبت سے اسے ساتھ لگالیا۔ وہ اس وقت شہوار کی کیفیت سمجھ سکتے تھے جبکہ فیضان صاحب الجھے تھے۔

"فیضان بھائی دل تھام کر رکھیے گا آپ کے لیے ہمارے پاس کچھ ایسی خوش خبری ہے کہ آپ شاید سن کر حواس باختہ ہوجائیں۔" زہرہ پھوپو نے نم آنکھوں سے قریب آ کر کہا تو انہوں نے حیرت سے دیکھا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"کہانی طویل ہے سنانے میں وقت لگے گا بس یہ سمجھ لیں کہ اس وقت آپ کے سامنے جو بچی کھڑی ہے وہ کوئی اور نہیں آپ کی اپنی حقیقی بیٹی عائشہ ہے۔" شاہزیب صاحب نے بازو سے تھام کر شہوار کو فیضان صاحب کے سامنے کیا۔

"کیا......!" ان کی آنکھیں پھٹی اور وہ حیرت سے گنگ رہ گئے جبکہ شہوار کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔ اور فیضان صاحب وہ تو حیرت سے گنگ نت نئے انکشافات ہوتے دیکھ رہے تھے اور جب ساری کہانی کھلی تو وہ بے قرار سے ہوگئے۔

ایک بیٹی ان کی آنکھوں کے سامنے رہی تھی لیکن اپنے باقی دونوں بچوں کے لیے وہ کیسے تڑپتے رہے تھے وہ نہیں بتا سکتے تھے۔ شہوار کو سینے سے لگایا تو گویا سینے میں ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ ایک طویل ہجر آبلہ پا چلتے گزارا تھا۔ وہ تو بیٹی کے ساتھ ساتھ بیٹے کا سن کر ہی بے چین ہوگئے تھے۔ شہوار تو آج جیسے زندگی بھر کا سکون محسوس کر رہی تھی۔ اسے اپنا وجود بہت معتبر سا لگنے لگا تھا۔ اس کے ساتھ نہ صرف باپ جیسی گھنی چھایا تھی بلکہ بھائی جیسا توانا وجود بھی تھا وہ جتنا بھی خوش ہوتی کم تھا۔

"مجھے اپنے بچے سے ابھی ملنا ہے کہاں رہتے ہیں افشاں اور اس کی فیملی مجھے ابھی لے چلیں۔" وہ جب تک بے خبر تھے تو پروا نہ تھی اور اب جب سب جان لینے کے بعد حقیقت کھلی تو کیسے دور رہ سکتے تھے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اڑ کر ان تک پہنچ جاتے۔ ولید اور دیگر گھر والے فیضان صاحب کے وجود سے قطعی بے خبر تھے۔ فیضان صاحب کے وجود کی کہانی تو ابھی ان لوگوں کو ہی پتا چلی تھی۔

"ہم آپ کو ان کی طرف لے چلتے ہیں۔" شاہزیب صاحب نے تسلی دی تو وہ بے چینی سے وہاں جانے کے منتظر ہوگئے۔ شہوار کو انہوں نے بدستور سینے سے لگا رکھا تھا اور وہ بھی صدیوں کی ترسی ہوئی ایک پل کو بھی باپ سے جدا ہونے کو تیار نہ تھی۔ وہ جس وقت ولید کی طرف پہنچے دوپہر ہوگئی تھی۔ شہوار نے ولید کو پہلے ہی کال کر کے گھر آنے کا کہہ دیا تھا وہ لوگ وہاں پہنچے تو بھی موجود تھے۔

شہوار کے ساتھ چلتے ہوئے وہ جب اندر داخل ہوئے تو ضیاء صاحب کے ساتھ وہاں موجود افشاں سکندر کو دیکھ کر ساکت رہ گئے تھیں۔

"سکندر......" ان کے لب ہلے اور فیضان صاحب نے بھی افشاں، ضیاء، وقار اور صبوحی سب کو پہچان لیا تھا۔ پہچان تو ان لوگوں نے بھی لیا تھا لیکن وہ سب حیرت زدہ تھے۔

"مرنے والا زندہ کیسے ہوسکتا ہے۔" وہ پریشان تھے۔ ایک بار پھر وہی کہانی دہرائی گئی۔ کبھی بے قرار سے ملنے، گلے شکوے، ماضی کو دہرایا جا رہا تھا۔

فیضان صاحب ولید سے مل کر کئی لمحوں تک ساکت رہے اور ولید بھی حیرت سے گنگ تھا اس کا باپ زندہ تھا کیسی انہونی ہوئی تھی یہ، دل یقین کرنے پر آمادہ ہی نہ تھا لیکن سامنے کھڑا وجود ایک حقیقت تھا۔ اگر صبوحی وقار ضیاء اور افشاں پہچان نہ چکے ہوتے تو وہ ماننے سے انکار کر دیتا۔ لیکن انکار کرتا بھی تو کیسے وہ اپنے وجود سے کیسے منکر ہوجاتا کہ اس کے وجود کی شباہت اس کے باپ کے وجود سے صاف دکھائی دے رہی تھی۔ آج تو جیسے انکشافات کا دن تھا۔ ایک کے بعد ایک انکشاف ہو رہا تھا۔ انا حیرت سے گنگ اس پل پل بدلتی صورت حال کو دیکھ رہی تھی۔ فیضان صاحب نے کال کر کے سہیل کو رابعہ اور باقی سب کو لے کر ضیاء کی طرف آنے کا کہا تھا۔ ولید نے ایڈریس سمجھایا لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ کچھ دیر بعد فیضان صاحب ان سب کو جس وجود سے

ملوانے والے ہیں وہ کون ہے۔ فیضان صاحب نے سب کو اپنی کہانی تو سنادی تھی لیکن رابعہ کی اصلیت کے بارے میں نہ بتا سکے تھے لیکن اب ان لوگوں سے کچھ بھی چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

سہیل، ثریا بیگم اور بھابی کے ہمراہ رابعہ وہاں آئی تو فیضان صاحب نے خود آگے بڑھ کر اپنی بیٹی کو سب کے سامنے لا کھڑا کیا۔ سبھی نے الجھ کر دیکھا۔

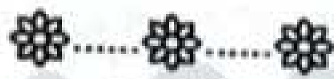
"یہ رابعہ ہے میری اور لالہ رخ کی بیٹی۔" انہوں نے بہت سنجیدگی سے کہا۔ سبھی چونکے تھے خصوصاً ولید اور شہوار۔

"لیکن یہ تو سہیل کی بہن ہے۔" شاہزیب صاحب نے حیرت سے کہا۔

"اس کی حقیقت بھی آپ کو بتادیتے ہیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ جہاں لالہ رخ اور میرے باقی دونوں بچے مجھ سے بچھڑ گئے تھے وہیں معجزاتی طور پر میری بچی رابعہ بچ گئی تھی اور نہ زندہ بچ گئی تھی بلکہ میرے زندہ رہنے کی آس اور امید تھی میری یہ بچی۔" ان کے الفاظ پر سبھی نے الجھ کر رابعہ کو دیکھا۔

اور پھر اس کے بعد انہوں نے وہ سب بتادیا جس کی وجہ سے رابعہ ان کی بجائے ثریا بیگم کی بیٹی کہلائے جانے پر مجبور ہوگئی تھی۔ عجیب سا منظر تھا اور عجیب سی صورت حال، رابعہ تو اتنے سارے رشتے ایک دم مل جانے پر بے حد پرجوش سی ہوگئی تھی۔ ولید اور شہوار کا بھی مارے خوشی کے برا حال تھا۔ سب کچھ کھل چکا تھا سبھی خوش و پرسکون تھے۔ اب کوئی راز راز نہ رہا تھا۔ لیکن سبھی کے دل و دماغ میں سوالات گردش کررہے تھے۔

"آخر وہ مرنے والے بچے کون تھے؟"



مصطفیٰ واپس لوٹا تو ایک نئی صورت حال دیکھ کر حیران رہ گیا۔ فیضان صاحب نہ صرف زندہ تھے بلکہ ان کی دوسری بیٹی رابعہ بھی زندہ تھی۔ مصطفیٰ کے کیس میں یہ ایک نیا ٹرن آیا تھا۔

"میں بہت خوش ہوں میرا جی چاہتا ہے کہ میں ان تمام لوگوں کو بتاؤں جو مجھ پر طنز کرتے تھے میرا مذاق اڑایا کرتے تھے میری کردار کشی کرتے تھے لیکن میں کوئی بے نام و نشان نہیں ہوں میرے پاس بھی وہ سب رشتے ہیں باپ، بھائی، بہن وہ سب رشتے جو انسان کی پہچان بنتے ہیں اس کا فخر ہوتے ہیں۔" شہوار بہت خوش تھی اس کی خوشی اس کے ہر ہر انداز سے ظاہر ہورہی تھی۔

فیضان صاحب رات فی الحال بابا صاحب کی خاطر مصطفیٰ وہیں رک گئے تھے رابعہ اور ولید بھی ہمراہ تھے۔

بابا صاحب بے انتہا خوش تھے اور ان کو خوش دیکھ کر باقی سب گھر والے بھی۔ مصطفیٰ تو یہ نئی سچویشن دیکھ کر حیرت زدہ بھی تھا اور خوش بھی اور شہوار اس سے تو جیسے خوشی سنبھالے نہیں جارہی تھی۔ مصطفیٰ کے سامنے دل کی بات کہہ رہی تھی۔

مصطفیٰ نے مسکرا کر محبت سے دیکھا۔ آج شہوار کے چہرے کی سرخی اور رونق دیکھنے والی تھی۔ مصطفیٰ فیضان صاحب اور رابعہ سے بھی ملا تھا۔ رابعہ تو متوقع سسرال میں اس طرح آمد پر جھینپی جھینپی سی تھی صبا اور لائبہ کے نرغے میں وہ کافی مظلوم اور لاچاری لگ رہی تھی۔ سبھی ایک جگہ جمع تھے بڑے البتہ بابا صاحب کے کمرے میں تھے۔

"اچھا سچ سچ بتا ئیں بھابی عباس بھائی نے آپ کو کس طرح پٹایا تھا۔" عائشہ کے لہجے میں ازحد شرارت تھی۔

"دیکھو بھئی کوئی بھی میری بہن کو کچھ نہیں کہے گا ورنہ......!" شہوار نے فوراً رابعہ کا دفاع کیا۔

"لو جی مینڈکی کو بھی زکام ہوگیا۔" صبا نے گھورا۔

"یہ مینڈکی کس کو کہا ہے۔" شہوار نے فوراً برا مانا۔

"دیکھیں مصطفیٰ بھائی ہم تو شہوار کو بھلی مانس سی مخلوق سمجھتے تھے لیکن یہ تو اچھی خاصی حاضر جواب ہوچکی ہے۔" صبا نے بھائی کے سامنے دہائی دی۔

"تمہارے بھائی کی محبت کا اثر ہے۔" شہوار نے دونوں کو گھورا اور مصطفیٰ کے پاس سے اٹھ کر رابعہ کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

"ان سے ذرا بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں میں آپ کے ساتھ ہوں۔" اس نے رابعہ کو تسلی دی۔ مصطفیٰ ہنس دیا تھا کبھی سجاد بھائی عباس بھائی کا ہاتھ تھامے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ عباس سے رابعہ کا یہ ڈائریکٹ سامنا تھا ورنہ ان لوگوں کے ہاں

آنے کے بعد وہ زیادہ تر شہوار و گھر والوں کے ہمراہ ہی رہی تھی۔

''لو جی صدر محفل حاضر خدمت ہیں اب جلدی سے بھابی صاحبہ کے پہلو میں جگہ خالی کی جائے تا کہ عزت مآب بیٹھنے کا شرف حاصل کرسکیں۔'' سجاد بھائی پر شرارت سوار ہوئی جبکہ باقی سب نے تالیاں بجا کر داد دی۔ عباس بھائی کی آمد سے ایک دم رونق سی ہوگئی تھی۔ جبکہ عباس کی آمد کے بعد تو رابعہ حقیقتاً پریشان ہوئی تھی۔

وہ اتنے سارے لوگوں میں اس ماحول کی عادی نہ تھی دونوں ہتھیلیاں پسینے سے تر ہونے لگی تھیں۔ سجاد نے عباس کو اس کے سامنے لا کھڑا کیا اور اب رابعہ کے پہلو میں بٹھانے پر بضد تھا۔ رابعہ کے دائیں بائیں شہوار اور لائبہ نے نشست جمار کھی تھی۔ شہوار تو اٹھنے پر راضی نہ ہوئی' تاہم لائبہ نے کچھ نخرے دکھائے مگر جگہ خالی کردی۔ عباس رابعہ کے دائیں طرف بیٹھا تو سبھی نے شرارتی نظروں سے دیکھتے ہوئے ہو ہا کیا۔

بڑی آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرتے
ہم اور بلبل بے تاب گفتگو کرتے

صبا نے اپنی شرارتی آواز میں شعر داغا تو سبھی بے اختیار ہنس دیے۔

''مجھے نہیں بیٹھنا یہاں۔'' رابعہ شہوار کے کان میں منمنائی۔

''یہ کیا کھسر پھسر ہورہی ہے۔'' صبا نے فوراً نوٹ کیا۔

''تم سے مطلب۔'' شہوار نے فوراً کہا۔

''ہیں..... زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں آج بہن کیا مل گئی ہے تم نے تو آنکھیں ماتھے پر رکھ لی' یہ مت بھولو تم اس سے پہلے لڑکے والوں کی طرف سے تھی۔'' عائشہ کو جواب ہضم نہ ہوا سو فوراً ٹوکا تو شہوار ہنس دی۔

''لیکن آج سے میں لڑکی والی ہوں۔'' شہوار کے تو آج رنگ ہی نرالے تھے۔

مصطفیٰ کو یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا ایک صوفے پر وہ ولید کے ہمراہ بیٹھا سب انجوائے کررہا تھا۔

''دیکھ رہے ہیں بھائی اپنی بیگم کے تیور۔'' صبا نے بھی دہائی دی۔

''بھئی تم اتنے سارے بے چاری رابعہ بھابی کو گھیر کر بیٹھ گئے ہو اب میری معصوم سی بیگم اپنی بہن کا دفاع بھی نہ کرے۔''

''اوہ......!'' سب نے گھورا تو شہوار نے منہ چڑا دیا۔

''اچھا سب چھوڑیں عباس بھائی رابعہ بھابی نے تو نہیں بتایا آپ بتائیں آپ کو یہ سب کیسا لگ رہا ہے آئی مین ان کو کزن کی حیثیت سے اور شہوار کی بہن پاکر۔'' سجاد بھائی نے بڑے مہذب انداز میں ہاتھ کا مائیک بنا کر عباس کے سامنے کرتے ہوئے کہا تو سب نے ہنس کر دیکھا۔ عباس نے ایک مسکراتی نگاہ اپنے پہلو میں مہکتے وجود پر ڈالی اور پھر مسکرا کر کہا۔

''بہت اچھا۔''

''بس اتنا مختصر جواب۔'' سجاد بھائی کو مایوسی ہوئی۔

''تو کیا اس ایونٹ پر میں پوری غزل کہہ دوں۔'' عباس نے گھورا۔

''کہہ بھی سکتے ہیں۔'' ''دیکھیں بھئی وہ کیا کہتے ہیں کہ رسم دنیا بھی ہے موقع بھی ہے اور دستور بھی۔'' یہاں سب کے سب انتہائی شرارت پر آمادہ تھے سجاد کے جواب پر عباس ہنس دیا۔

''ویسے ایک دو غزل تو ضروری ہونی چاہیے اس خاص موقع کی مناسبت سے۔'' سجاد کا اصرار بڑھا۔

''بھئی مجھ کو تو معاف رکھو مجھے کوئی غزل وزل نہیں آتی۔'' عباس نے انکار کیا۔

''یہ تو زیادتی ہے رابعہ بھابی کیا سوچتی ہوں گی کہ وہ پہلی بار ہمارے گھر آئی ہیں اور آپ نے ان کی شان میں کچھ اظہار بھی نہیں فرمایا۔'' عائشہ بھی سجاد کا ساتھ دینے کو فوراً میدان میں کود ی۔

''دیکھو بھئی اگر زیادہ تنگ کیا میری بہن کو تو میں ماں جی کو بلالوں گی۔'' رابعہ بے حد کنفیوژ ہورہی تھی سو شہوار نے آنکھیں دکھائیں۔

رابعہ کا تمام اعتماد آج تو جیسے پانی کا بلبلا بن کر رہ گیا تھا۔ وہ از حد گھبرا رہی تھی۔ عباس نے ایک بہت پرسکون اور اطمینان بھری نگاہ رابعہ پر ڈالی تبھی رابعہ نے بھی نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا۔ عباس کے چہرے پر اطمینان، اعتماد بھری مسکراہٹ محبت و خوشی کی چمک و روشنی تھی۔ وہ ایک پل کو مبہوت ہوئی تھی۔ عائشہ کی شرارتی نگاہوں سے بھلا یہ ایک پل کیسے چھپ سکتا تھا۔

سب سے نظر بچا کر وہ مجھ کو کچھ ایسے دیکھتا
ایک دفعہ تو رک گئی گردش ماہ و سال بھی

وہ شرارت سے گنگنائی تھی۔

رابعہ نے جھینپ کر سر جھکایا جبکہ عباس کے وجود میں ایک سرشاری سے لہرائی تھی۔ وہ بہت اطمینان سے پھیل کر بیٹھا تھا۔

''تو تمہیں کیا مسئلہ ہے۔'' بہن کو دیکھا وہ شرارت سے ہنس رہی تھی۔

''یہ سب بہت بدتمیز ہیں آپ میرے ساتھ چلیں ادھر رہیں تو یہ ایسے ہی درگت بناتے رہیں گے۔'' شہوار نے رابعہ کا ہاتھ تھام کر کھڑا کیا۔

''یہ تو فاؤل ہے۔'' صبا اور عائشہ فوراً چلائیں۔

''یہ تھک چکی ہیں کیوں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں۔'' شہوار نے فوراً بہانہ بنایا رابعہ نے سر ہلایا تو وہ سب کے ہوہا اور شور مچانے کے باوجود شہوار رابعہ کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

''یہ سب کتنا اچھا لگ رہا ہے نا۔'' شہوار نے اپنے کمرے میں لا کر بستر پر بیٹھنے کے بعد کہا تو رابعہ محض مسکرائی تھی۔

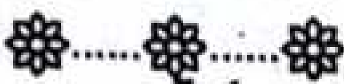
''میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ مجھے یہ اتنے سارے رشتے بالکل اچانک یوں اس طرح مل جائیں گے پہلے ولید بھائی ملے اور پھر اب آپ اور بابا میں بہت خوش ہوں لگتا ہے جیسے زندگی کے تمام غم مٹ گئے ہوں۔'' واقعی اس کا خوشی سے برا حال تھا۔

''میں خود حیران ہوں کچھ دن پہلے تک تو میں خود اپنے اصل رشتے کے بارے میں بے خبر تھی جب بابا نے اصل حقیقت بتائی تو میں حیران رہ گئی تھی ایک دم اچانک سے کوئی ماموں کا رشتہ باپ کے رشتے میں بدل جائے حیرانی تو ہوتی ہے نا لیکن سب حقائق ایسے تھے کہ میں سوال اٹھا ہی نہیں سکی۔ تب دل میں اپنے بھائی اور بہن کے ساتھ ساتھ ہمیشہ کے لیے بچھڑ جانے والی ماں کا خیال آیا تھا ان سب پر ہونے والے ظلم پر میں کتنے دنوں تک پر ملال رہی تھی لیکن سوچا ہی نہ تھا کہ یوں اچانک مجھے ایک دم سے بہن اور بھائی مل جائیں گے اور وہ بھی ایسے۔''

''ہماری زندگی میں یہ بڑا فلمی سا ٹریک ہے کاش یہ رشتے مجھے بہت پہلے سے مل چکے ہوتے آپ نے تو پھر ایک گھر ایک فیملی میں ایک نام کے ساتھ زندگی گزاری ہے جبکہ مجھے تو کچھ علم ہی نہ تھا کہ تابندہ امی نے جو بتایا وہی میرے لیے سچ تھا لیکن جستجو ہوتی تھی کہ کاش میں سب جان سکوں اپنے اصل تک پہنچ سکوں اور آج میری یہ خواہش مکمل ہوگئی۔'' رابعہ کا ہاتھ تھام کر وہ پھر بہت خوشی سے کہہ رہی تھی۔

''میں خود کچھ دن پہلے تک ہر بات سے بے خبر تھی کہ میرے اصل والدین کون ہیں اور پھر جب بابا نے وہ سب بتایا میں تو خود گم صم ہوگئی پھر جو احساس تھا وہ بس یہی تھا کہ میرے والدین نے بہت دکھوں سے بھری زندگی گزاری ہے۔'' شہوار ہلکا سا مسکرائی۔

''عباس بھائی بہت اچھے انسان ہیں، بہت کائنڈ اور محبت کرنے والے عادلہ ان کا انتخاب تھی لیکن میں جانتی ہوں عادلہ کے ساتھ انہوں نے ایک پل بھی خوشی کا نہیں گزارا تھا آفاق کی آمد بھی عادلہ کو نہ بدل سکی اور پھر انہوں نے طلاق لے لی اس خاندان میں طلاق پہلا واقعہ تھا سو ہر کوئی عباس بھائی اور آفاق کے معاملے میں بہت کانشس تھا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ آپ ان کی وائف بن رہی ہیں مجھے یقین ہے آپ آفاق اور عباس بھائی کی زندگی کی ہر محرومی دور کر دیں گی۔'' بہن کا ہاتھ تھام کر شہوار نے خلوص دل سے کہا تو رابعہ مسکرادی۔



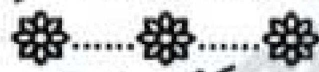
عادلہ زخمی کاشفہ کو ایمبولینس میں فوراً اسپتال لے کر بھاگی تھی۔ وہ تنہا ساری بھاگ دوڑ کر رہی تھی یہ خودکشی کا کیس تھا عادلہ

اکیلی سارے کرائسز سے گزر رہی تھی۔ پچھلے تین دن سے کاشفہ زندگی اور موت کی کشمکش میں تھی۔ کلائی کاٹنے سے اس کا بہت زیادہ خون بہہ گیا تھا۔ ڈاکٹرز ٹریٹمنٹ دے رہے تھے لیکن امید کی کوئی کرن نہ تھی۔ وہ ساری رات عادلہ نے جو کبھی اللہ کے سامنے بھی نہ گڑگڑائی تھی اس نے رو رو کر کاشفہ کی زندگی کی بھیک مانگی تھی لیکن اگلی صبح کی سپیدی پھیلتے ہی ڈاکٹر نے اسے جب وہ خبر سنائی تو وہ ساکت رہ گئی تھی۔

''ایم سوری شی از ڈیڈ۔'' اسے نہیں علم تھا کہ اس کے بعد کیا کیا ہوتا رہا۔

وہ جب کاشفہ کی ڈیڈ باڈی لے کر گھر پہنچی تو وہاں کاشفہ کی میت پر رونے والا اس کے سوا کوئی نہ تھا پولیس کے علاوہ چند ارد گرد کے لوگ تھے۔ باپ جیل میں تھا اور ماں مینٹل اسپتال میں۔ وہ اپنی حرماں نصیبی پر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ وہ جو رونق محفل تھی آج حالات کی گردش نے سب کچھ چھین لیا تھا۔ اس کے باپ کو پولیس کی طرف سے بیٹی کے جنازے میں شرکت کی اجازت مل گئی تھی رشتے دار تو تھے نہیں جو تھے کبھی کسی سے شاید واسطہ بھی نہ پڑا تھا۔ دوست احباب وقت کی گردش کا شکار ہو گئے تھے اس کو تسلی دلاسہ دینے والا کوئی نہیں تھا۔ کوئی کندھا ایسا نہ تھا جس پر سر رکھ کر وہ سسک سکتی۔ اور عبدالقیوم کو پولیس نے عادلہ سے ملنے نہیں دیا تھا۔ دونوں باپ بیٹی ایک دوسرے کو دور سے دیکھ کر تڑپتے رہے تھے۔ بہن کا جنازہ اٹھا تو وہ نیم جاں سی ہو گئی تھی۔ آج مکافات عمل تھا۔

اس کے خاندان کو وہی مل رہا تھا جو انہوں نے کبھی دوسروں کو دیا تھا۔ باپ کو بیٹی کے جنازے کے بعد واپس پولیس لے گئی تھی اور وہ اس رات اپنے اونچے عالی شان گھر میں بالکل تنہا دو ملازموں کے آسرے زندگی کا ایک نیا رنگ دیکھ رہی تھی۔



مصطفیٰ کی کال آئی تھی اس نے بتایا تھا کہ کاشفہ نے خودکشی کر لی ہے کاشفہ کا ایسا عبرت ناک انجام سن کر ولید تو کیا ہر کوئی گم صم ہو گیا تھا۔ عبدالقیوم نے اپنی زندگی ظلم و ستم کرنے اور غلط کاموں میں گزار دی تھی اور آخر کار وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھا بیوی پاگل خانے اور اولاد تباہ و برباد ہو چکی تھی مقام عبرت تھا سب کے لیے۔ آنے والے دنوں میں ہر کوئی اس واقعے کو لے کر کئی دن تک افسردہ رہا۔ انا خود بے یقین تھا اس نے سنا کہ کاشفہ کی شکل بگڑ چکی ہے لیکن وہ خودکشی کر لے گی ایسا تو اس نے کبھی نہیں چاہا تھا۔

کاشفہ سے لاکھ نفرت سہی لیکن اس کا یہ انجام سب کو دکھی کر گیا تھا۔ انا گم صم تھی۔ ولید اس دن ان کی طرف آیا تو وہ لان کی سیڑھیوں پر افسردہ سی بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے گاڑی سے نکلتے دیکھ کر سیدھی ہوئی۔ ولید کو جب سے اپنے باپ اور بہن کی خبر ملی تھی وہ تب سے ان کے ساتھ ہی زیادہ تر رہ رہا تھا بابا صاحب کی خواہش تھی کہ فیضان صاحب ولید اور رابعہ ان کے ساتھ ہی قیام کریں۔ لیکن فیضان صاحب کی خوددار طبیعت ابھی یہ قبول نہیں کر پا رہی تھی۔ باپ کو باپ کی حیثیت سے قبول کرنا اور بات تھی لیکن ان کے ساتھ ہمیشہ کے لیے قیام کرنا اور بات تھی۔ وہ ابھی بھی خود کو ان کی دولت جائیداد اور وراثت میں حصہ دار نہیں سمجھتے تھے جبکہ بابا صاحب کی خواہش بھی کہ وہ ان کے ساتھ حویلی میں چل کر رہیں۔ بابا صاحب کی طبیعت اب بہتر تھی ایک عرصے بعد وہ خود کو بہت توانا اور مضبوط محسوس کرنے لگے تھے وہ واپس حویلی جانا چاہتے تھے فیضان صاحب اور ان کے بچوں کے ہمراہ۔ ابھی تک فیضان ان کی خواہش پر رابعہ سمیت شاہزیب صاحب کے ہاں قیام پذیر تھے۔ ولید بھی زیادہ تر ادھر ہی پایا جاتا تھا۔ اس وقت بھی وہ ادھر کسی کام سے آیا تھا انا کو دیکھ کر وہ لان کی سیڑھیوں کی طرف آ گیا۔

''کیسی ہو؟'' بہت عرصے بعد ولید بہت نارمل انداز میں انا سے براہ راست مخاطب ہوا تھا۔ انا حیرت کا شکار ہوئی تھی اس نے اثبات میں سر ہلایا تو ولید مسکرا دیا۔

''کیا کر رہی ہو آج کل۔'' اس کا انداز دوستانہ تھا۔ انا کنفیوژ ہونے لگی۔

''کچھ نہیں فائنل ایئر کی کلاسز اسٹارٹ ہونے والی ہیں تو اسی کی تیاری میں ہوں۔''

''گڈ..... شہوار بھی بتا رہی تھی ایک دو دن میں کلاسز اسٹارٹ ہو رہی ہیں۔'' انا نے محض سر ہلایا۔ تبھی اندر سے روشی وہاں چلی آئی۔

"آپ تو ہمیں بھول ہی گئے ہیں کتنے دنوں بعد چکر لگا رہے ہیں۔" وہ یقیناً گاڑی کی آواز سن کر باہر آئی تھی سلام دعا کے بعد شکوہ کیا۔ ولید محض مسکرا دیا۔

"پاگل ہو، میں کیوں بھولوں گا تم سب کو، بس وہاں سبھی کا اصرار ہے کہ ادھر رہوں تو رکنا پڑ رہا ہے۔" ولید نے محبت سے روشی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تو اس نے منہ بنالیا۔

"تو آپ چلے جائیں گے وہاں ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے۔" لہجے میں افسردگی تھی۔

"بابا صاحب کو ایک عرصے بعد بیٹے کی صورت دکھائی دی ہے ان کا بس چلے تو وہ ایک پل کو بھی ہمیں خود سے جدا نہ کریں یہ تو بس بابا کی خودداری ہے کہ وہ ان کے ساتھ ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے رہنے پر آمادہ نہیں ہو رہے۔" ولید اور روشی بھی وہیں انا کے ساتھ ہی سیڑھیوں پر ٹک گئے تھے۔ انا خاموشی سے دونوں کو سن رہی تھی۔

"فرض کریں آپ کے والد اپنے باپ کی بات مان لیتے ہیں تو یقیناً آپ بھی ان کے ساتھ ہی جائیں گے نا۔" روشنی نے پوچھا تو ولید مسکرا دیا۔

"نہیں ہمیشہ کے لیے تو نہیں جاؤں گا ادھر بھی آتا رہوں گا۔" روشی نے افسردگی سے دیکھا تو ولید نے مسکرا کر اس کا سر تھپتھپایا۔

"پریشان نہیں ہوتے، میں آتا رہوں گا۔" روشی نے محض سر ہلایا افسردہ تو انا بھی تھی۔ وہ یہاں تھا تو روز دکھائی دیتا تھا اور اب پتا نہیں دکھائی دے گا بھی کہ نہیں۔

"باقی سب لوگ کدھر ہیں اور بابا کہاں ہیں۔"

"بابا کمرے میں ہیں اور باقی اپنے اپنے کاموں پر کچھ کھائیں گے؟" روشی نے جواب دے کر پوچھا تو ولید نے سر ہلا دیا۔

"ہاں چائے پلا دو۔"

"میں بنا کر لاتی ہوں۔" روشی اٹھ کر چلی گئی تو ولید نے انا کو دیکھا۔ وہ خاموشی سے گود میں رکھے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ چہرے پر گہری سنجیدگی کا عکس تھا۔

"کہاں تک پہنچی تمہاری شادی کی تیاری۔" ولید کا انداز نارمل تھا۔ انا نے بہت کرب سے دیکھا۔ اسے ولید سے ایسے سوال کی قطعی توقع نہ تھی۔ اسے لگا کہ جیسے اس کے زخم ایک بار پھر سے ہرے ہو گئے ہیں۔

"کیا ہوا؟" انا کے چہرے پر گہرے دکھ کی کیفیت دیکھ کر ایک پل کو ولید بھی نادم ہوا تھا۔ انا کھڑی ہو گئی۔ وہ بہت پشیمان تھی اور رنجیدہ بھی ایسے میں ولید کا یہ سوال اسے اور زیادہ دکھی کر گیا تھا۔

"ایم سوری تمہیں شاید برا لگا۔" ولید بھی اس کے مقابل کھڑا ہو گیا۔

"میں کئی بار ایکسیوز کر چکی ہوں آپ مجھے معاف نہیں کر سکتے کیا......؟" اس کے لہجے میں دکھ و ندامت تھی ولید تو چند پل کے لیے اپنی جگہ جم سا گیا۔

"میں نے بہت غلط کیا آپ کے ساتھ آپ پر شک کرتی رہی میں بہت گلٹی فیل کرتی ہوں لیکن کاشفہ چاہتی تھی کہ میں ایسا کروں میں نے وہ سب کاشفہ کی بلیک میلنگ میں آ کر کیا تھا۔" وہ دکھ سے سر جھکائے کہہ رہی تھی اور ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

"اوکے اسے بھول جاؤ یار۔" ولید کا انداز ایک دم نارمل ہوا تھا۔ مسکرا کر کہا تو انا نے حیرت سے دیکھا۔

"آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے کیا؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

"میں تم سے خفا نہیں ہوں بس تھوڑا بہت غصہ تھا رہ گئی کاشفہ اس کی اصلیت وہ سب کے سامنے ہے اس نے جو بویا وہ کاٹ لیا اور آخر کار موت اس کا مقدر بن گئی مجھے اس کی اس قدر اذیت ناک موت پر بہت دکھ ہے، بحیثیت انسان میں افسردہ بھی ہوں لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے ہم۔" ولید نے حوصلہ افزا نگاہوں سے انا کو دیکھا تو اس کے چہرے کی رنگت میں کچھ امید کی کرن جاگی تھی۔

''آپ واقعی مجھ سے خفا نہیں ہیں نا......؟'' وہ پھر یقین دہانی چاہ رہی تھی۔

''کیا کسی اسٹامپ پیپر پر لکھ کر دوں۔'' مسکرا کر کہا تو وہ مسکرادی آج بہت دنوں بعد اسے لگا کہ وہ مسکرائی ہے۔

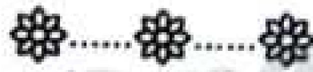
''حماد سے میری بات ہوئی تھی کافی خوش ہے وہ آج کل میں واپس آرہا ہے بابا صاحب کہہ رہے تھے کہ عباس بھائی کی شادی کے ساتھ ہی پھوپو شادی کرنا چاہتی ہیں تاکہ ولیمہ کا فنکشن ایک ساتھ انجام پذیر ہو۔'' ولید نے فوراً بات پلٹی تو انا کا رنگ ایک دم اڑا تھا۔ اس کے چہرے کی تمام جوت ایک دم بجھ گئے تھے۔

''ویسے حماد کافی اچھا انتخاب ہے تمہارے ساتھ بہت سوٹ کرے گا۔'' وہ یہ سب کہتے ہوئے انا کو بے حد برا لگا۔ اس کا چہرہ ایک دم تاریک سا ہوگیا جبکہ ولید مسکرا رہا تھا۔ انا دکھ سے ولید کو دیکھ رہی تھی اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ ولید جان بوجھ کر ایسا کر رہا ہے یا محض اسے تنگ کر رہا ہے۔ وہ بس ولید کو دیکھ رہی تھی کہ روشی چائے کے لوازمات سے سجی ہوئی ٹرے اٹھائے ادھر چلی آئی۔

''چائے تیار ہے میں نے سوچا لان میں ہی بیٹھ کر پیتے ہیں۔'' وہ چائے کی ٹرے لیے لان کی گھاس کی طرف بڑھی اور پھر اس نے ٹرے گھاس پر رکھ دی۔

''آجاؤ تم دونوں کباب بھی فرائی کیے ہیں میں نے ولید بھائی کو تو بہت پسند ہیں نا۔'' وہ دونوں کو کہہ رہی تھی۔

''آجاؤ تم بھی تمہارے ساتھ مل کر بیٹھ کر چائے پیے بھی عرصہ بیت گیا ہے اسی بہانے کچھ اچھا وقت گزار لیتے ہیں ہم بھی۔'' وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا جبکہ انا کو لگا کہ وہ جان بوجھ کر اسے ستا رہا ہے۔ وہ کہہ کر روشی کی طرف بڑھا جبکہ انا گم صم سی کھڑی دکھ سے اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔



ابوبکر کی شادی تھی فیضان صاحب رابعہ کے ہمراہ سہیل کی طرف آگئے تھے ولید چند دن سے ضیاء صاحب کی طرف تھا رابعہ ایک دن پہلے ہی ہادیہ کی طرف چلی گئی تھی۔ بارات ابوبکر کے اپارٹمنٹ سے جانی تھی وہ لوگ تیار ہوکر ابوبکر کے اپارٹمنٹ میں ہی چلے آئے تھے شہوار نے بھی عباس بھائی کے ہمراہ ہادیہ کی طرف سے آنے کا وعدہ کیا تھا جبکہ فیضان صاحب نے ولید کو بھی بلوالیا تھا وہ بھی ابوبکر کی طرف آگیا تھا۔ وہ سب ابوبکر سے ملے تھے امجد خان بھی بمعہ فیملی موجود تھا۔ امجد خان کو دیکھ کر فیضان چونکے تھے انہیں یہ شکل دیکھی بھالی لگی تھی۔

''امجد خان تم......!'' امجد خان کافی ایکٹیو اور پالش انسان لگ رہا تھا۔

''آپ سکندر احمد ہیں نا......؟'' امجد خان بھی ان کو پہچان گیا تھا۔

''ہاں۔'' انہوں نے سر ہلایا۔ ''میں خود بھی ملنا چاہتا تھا لیکن میں ایک جگہ ٹک ہی نہیں رہا تھا آفس کے سلسلے میں کبھی یہاں تو کبھی وہاں جانا پڑ رہا تھا آپ کو زندہ دیکھ کر اور سب بچوں کو زندہ پا کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔'' امجد خان واقعی بہت خوش لگ رہا تھا۔

''آپ ابوبکر کے کیا لگتے ہیں۔'' انہوں نے پوچھا۔

''بیٹا ہے میرا۔'' وہ حیران ہوئے ابوبکر کے ساتھ امجد خان کا نام جانتے ہوئے بھی وہ کبھی اندازہ نہ لگا سکے تھے کہ یہ وہی امجد خان ہوگا۔

''بس میری دوسری شادی کے بعد حالات کچھ ایسے ہوئے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے بدظن ہوگئے تھے میرا بیٹا بہت غصیلا اور خوددار ہے بس ایک دن بغیر کچھ کہے سنے گھر سے نکل گیا تھا اور جب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ میں بہت تڑپا ہوں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے آخرکار مجھے میرے بیٹے سے ملوادیا۔'' فیضان صاحب ساری کہانی سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ابوبکر سہیل کا دوست ہے سہیل اور اس کی والدہ ہی وہ لوگ ہیں جن کے گھر نے مجھے پناہ دی اور پھر مجھے اور میری بیٹی کو زندہ رہنے کی لگن دی۔'' فیضان صاحب اپنی یہاں موجودگی کا سبب بتانے کے ساتھ ساتھ انہیں اور بھی بہت کچھ بتاتے گئے اپنے متعلق ماضی سے متعلق ابوبکر کے بارے میں اور وہ سب کچھ جو ان کے ساتھ بیتا تھا۔

''آپ مصطفیٰ کو کیسے جانتے ہیں۔'' امجد خان مسکرایا۔

''آپ کو یاد ہو شاید آخری بار جب ہماری بات ہوئی تھی تو میں نے بتایا تھا کہ میں نے پولیس میں اپلائی کیا ہوا ہے حوالدار کے طور پر میں سلیکٹ ہوا تھا پھر لگن تھی اپنی تعلیم جاری رکھتے مختلف امتحانات پاس کرتے آج اس مقام پر ہوں کہ مصطفیٰ شاہزیب صاحب جیسے لوگوں کا رائٹ ہینڈ ہوں، میں پہلے ڈی آئی جی شاہزیب صاحب کا رائٹ ہینڈ ہوتا تھا اور پھر جب سے مصطفیٰ صاحب نے پولیس فورس جوائن کی ہے میں ان کے ساتھ ہوتا ہوں میرا تعلق اسپیشل پولیس فورس سے ہے۔''

''اوہ......!'' فیضان صاحب کو امجد خان کو اس قدر کامیاب دیکھ کر حقیقی خوشی حاصل ہوئی تھی۔

''لیکن مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ آپ نے دوسری شادی کیوں کی۔'' فیضان صاحب کے سوال پر امجد خان نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ایک لمبی کہانی ہے پھر کبھی سناؤں گا فی الحال تو مہمانوں کو دیکھ لیتے ہیں۔'' بارات کی روانگی کا وقت قریب تھا سو فیضان صاحب بھی خاموش ہو گئے تھے بارات ہال میں جانی تھی شام کا وقت تھا۔

ہادیہ کے گھر والوں کی طرف سے بڑا زبردست ریسپشن دیا گیا تھا۔ ہادیہ دلہن بن کر بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ہادیہ کے پاس اس کی آپی جان بھی آئی ہوئی تھیں اماں بی کے ہمراہ ہمیشہ کی طرح وہ اس بار بھی ہادیہ کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں ہادیہ برائیڈل روم میں تھی اور وہ دونوں خواتین بھی اس کے ساتھ وہاں موجود تھیں۔ رابعہ کے ساتھ ان کی سلام دعا تو تھی ہی لیکن شہوار بھی عباس بھائی کے ہمراہ آئی تو رابعہ اسے بھی ہادیہ کے پاس ہی لے آئی تھی رابعہ نے آپی جان سے ملایا تو وہ شہوار کو دیکھ کر چونک گئی تھیں۔

''یہ تمہاری بہن ہے۔'' وہ بار بار شہوار کو دیکھ رہی تھیں انہیں یقین نہیں آ رہا تھا رابعہ نے ہنس کر بتایا کہ شہوار اس کی بہن ہے حقیقی بہن۔ آپی جان کے چہرے پر عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ انہوں نے ساتھ بیٹھی اماں بی سے کچھ کہا تو وہ بھی چونکی تھیں۔ شہوار کچھ دیر بیٹھ کر رابعہ کے ساتھ باہر نکل گئی تھی۔

''اماں بی اس بچی کو دیکھ کر نجانے کیوں ہر بار میرے اندر عجیب سی بے کلی پیدا ہونے لگتی ہے اور اب یہ نئی بچی......'' ان کے لہجے میں آزردگی تھی اماں بی نے ہاتھ تھام کر دلاسہ دیا۔

''تمہارا وہم ہو سکتا ہے۔'' انہوں نے کہا تو آپی جان افسردہ سی مسکرا دیں۔

''تمہاری رابعہ سے کب سے دوستی ہے۔'' انہوں نے پوچھا تو ہادیہ چونکی۔

''کافی پرانی دوستی ہے کالج لائف سے ہم ساتھ ہی ہیں۔''

''اور اس نے آج جس لڑکی کو ملوایا ہے یہ بتا رہی تھی کہ یہ اس کی بہن ہے۔''

''ہاں بڑی فلمی سی کہانی ہے رابعہ کی بھی بچپن سے ہی یہ سب بہن بھائی آپس میں بچھڑ گئے تھے ان کے والد بھی کسی بہت بڑے گھرانے کے بیٹے تھے لیکن خاندان سے جدا ہو گئے تھے کافی عرصے بعد والد اپنے خاندان سے ملے تو ان کو اولاد مل گئی۔ رابعہ کو تو پتا ہی نہیں تھا کہ اس کے اصل والد کون ہیں ابوبکر کے جو دوست ہیں ان کی والدہ نے ہی پالا پوسا تو ان کی ہی بیٹی کہلاتی تھی یہ تو اب جا کر اسے علم ہوا ہے کہ وہ جن کو ماموں سمجھ رہی تھی وہی اس کے حقیقی والد ہیں۔'' کہانی ایسی تھی کہ آپی جان چونکی تھیں۔

''کیا نام ہے رابعہ کے والد صاحب کا؟''

''فیضان......''

''فیضان......'' آپی جان نے یہ نام زیر لب دہرایا چہرے پر شدید الجھن تھی۔ ان کی یادداشت میں یہ نام کہیں بھی نہ تھا۔

''اس دن رات میں جن کے ساتھ آپ کو گھر بھجوایا تھا وہی رابعہ کے فیانسی ہیں اور اب تایا زاد بھی رابعہ کی ان سے شادی ہو رہی ہے۔'' آپی جان نے سر ہلایا۔

وہ ہادیہ سے کچھ اور بھی پوچھنا چاہ رہی تھیں۔ سوالات کا ایک ریلا تھا جو امڈتا چلا آ رہا تھا لیکن ہادیہ کے پاس کچھ اور خواتین آ گئی تھیں اور وہ اپنے سوالات کو اندر ہی دبا کر بیٹھ گئی تھیں۔ اماں بی ان کی کیفیت سمجھ رہی تھیں لیکن کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔ نکاح تو

ہو چکا تھا کچھ دیر بعد کھانے کا دور چلا تھا مرد و خواتین کا سیٹنگ ارینج منٹ الگ الگ تھا خواتین کا ہال اوپر تھا جبکہ مرد حضرات کا نیچے تما م قریبی احباب اوپر نیچے جا رہے تھے۔ مصطفیٰ بھی امجد خان کے انوائٹ کرنے پر آیا تھا۔ لیکن یہاں آ کر اسے علم ہوا کہ شہوار اور دیگر لوگ جس کی شادی پر آئے ہیں وہ امجد خان کا ہی بیٹا ہے۔ اس وقت کھانے کے بعد وہ اور عباس اوپر آ گئے تھے۔ شہوار اور رابعہ ثریا بیگم اور بھابی کے ہمراہ ہادیہ کی والدہ اور دیگر خواتین میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ کھانا کھایا جا چکا تھا سو اب خواتین ادھر ادھر گھوم رہی تھیں۔

''کیا خیال ہے واپسی کا کیا پروگرام ہے؟'' مصطفیٰ نے شہوار سے پوچھا۔

''ابھی تو رخصتی میں کافی دیر ہے۔'' شہوار نے کہا۔ جبکہ عباس رابعہ کو دیکھ رہا تھا۔ نک سک سی تیار عام حالات میں دکھائی دینے والی رابعہ سے قطعی ایک مختلف روپ میں خوب صورت لباس اور میک اپ سے سجی سنوری وہ کافی اچھی لگ رہی تھی۔ عباس سے صرف سلام دعا ہوئی تھی اور پھر اس کے بعد وہ مسلسل رخ موڑے بھابی سے باتیں کرتی رہی تھی۔

''آپ ہمارے ساتھ چلیں گی کیا؟'' شہوار نے رابعہ سے واپسی کا پروگرام پوچھا۔

''نہیں ہادیہ کہہ رہی تھی کہ میں اس کے ساتھ چلوں گی امی اور بھابی بھی ابوبکر والے اپارٹمنٹ میں آج رات رکیں گی تو یقیناً مجھے بھی وہیں جانا ہوگا، کل ولیمہ ہے اس کے بعد جیسا بابا کہیں گے وہیں چلی جاؤں گی۔'' اس نے تفصیلاً بتایا تو شہوار نے سر ہلا دیا۔

''بابا صاحب تو دو تین دن بعد حویلی جا رہے ہیں ان کی خواہش ہے کہ شادی حویلی سے ہی ہو، ہوسکتا ہے دو تین دن بعد آپ لوگ بھی حویلی شفٹ ہو جائیں اور میری طرح آپ کی رخصتی بھی یقیناً حویلی سے ہی ہوگی۔'' شہوار نے چھیڑا تو عباس کے سامنے رخصتی کے الفاظ پر رابعہ جھینپی تھی۔

کچھ دیر بعد ابوبکر کچھ لوگوں کی ہمراہی میں اوپر آ گیا تھا اب رسم کے مطابق سلامی اور تحائف وغیرہ کا سلسلہ چلنا تھا۔ ہادیہ کو بھی وہیں اسٹیج پر لے جایا گیا تھا اب زیادہ تر لوگ اسٹیج کی طرف ہی متوجہ تھے۔ شہوار اور مصطفیٰ بڑے ریلیکس موڈ میں کرسیوں پر براجمان آپس میں بات چیت کر رہے تھے عباس بھی رابعہ اور شہوار کے درمیان خالی چیئر پر ٹک گیا تھا۔ جبکہ بھابی کی توجہ اسٹیج کی طرف تھی اور ثریا بیگم گیدرنگ بڑھنے کے سبب اٹھ کر برائیڈل روم کی طرف چلی گئی تھیں۔

''کیا بات ہے میں نوٹ کر رہا ہوں جب سے ہمارا نیا ریلیشن دریافت ہوا ہے آپ نے تو لفٹ کرانا ہی چھوڑ دیا ہے۔'' عباس نے دھیمے سے پوچھا تو رابعہ نے سر اٹھا کر دیکھا عباس مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں مسکراہٹ ضرور تھی لیکن ساتھ میں ان کہے سے جذبات کی کرمائش بھی تھی وہ فوراً نظریں جھکا گئی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے ہلکی سی آواز میں کہا۔

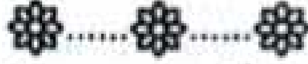
''ہمارے لیے یہ سب کچھ بھی بہت نیا نیا سا ہے پہلے بابا (فیضان صاحب) سے اپنے حقیقی تعلق کا علم ہونا اور پھر ایک دم ان کا آپ کے خاندان سے تعلق ظاہر ہونا اور ساتھ ہی بہن بھائی کا ملنا۔ بن آہستہ آہستہ ہی قبول کرتا ہے نا۔'' وہ پر اعتماد تھی سو اس نے نرمی کے ساتھ وضاحت کی۔

''ویسے آج آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں معمول سے ہٹ کر دل کے کافی قریب قریب سی۔'' وہ جھینپ سی گئی۔ اس نے کن انکھیوں سے عباس کے دوسری طرف بیٹھے شہوار اور مصطفیٰ کو دیکھا نجانے وہ اتنے ہی بے خبر تھے یا جان بوجھ کر بے خبر ہونے کی ایکٹنگ کر رہے تھے ان کی توجہ اس کے بجائے اسٹیج کی طرف تھی جبکہ عباس بہت ریلیکس موڈ میں بیٹھا ہوا تھا بات کرنے کا انداز دھیما ضرور تھا لیکن نظر انداز کیا جانے والا نہیں تھا۔

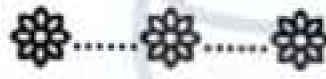
''میں سوچ رہا تھا کہ اب چند ہی دن رہ گئے ہیں ہماری شادی میں بھی کل عائشہ اور لائبہ کہہ رہی تھیں کہ کسی دن رابعہ کو ساتھ لے جا کر شادی کا جوڑا پسند کرا دو زیور وغیرہ تو ماں جی کا ہیڈک ہے البتہ برائیڈل ڈریس مجھ پر چھوڑا گیا ہے۔ آپ بتائیں کب چل رہی ہیں میرے ساتھ۔'' عباس نے موضوع ہی ایسا چھیڑ دیا تھا کہ وہ ایک دم کنفیوژ ہوگئی تھی۔

''مجھے کچھ نہیں پتا میں اس قسم کی شاپنگ کی عادی نہیں۔''

''ہاں میں تو جیسے بڑا عادی ہوں نا۔'' عباس نے ہنس کر کہا تو وہ شرمندہ ہوگئی۔
''میرا مطلب یہ نہیں تھا۔'' اسے لگا کہ جیسے عباس کو برا لگا ہو۔
''پھر کس دن چل رہی ہیں میرے ساتھ۔'' عباس نے کہا تو اس نے شہوار کی طرف دیکھا وہ اسٹیج پر موجود دلہا دلہن پر کمنٹس پاس کررہی تھی۔ دونوں میاں بیوی ان کی طرف سے مکمل طور پر بے خبر تھے حتیٰ کہ بھابی بھی نظرانداز کررہی تھیں۔
''ڈونٹ وری ان پر بھی ایسا وقت آیا تھا سو کچھ نہیں کہتے۔'' عباس نے بار بار اس کا بھابی اور شہوار وغیرہ کی طرف دیکھنا نوٹ کیا تو ہنس کر کہا۔
''یہ لوگ بہت عقل مند ہیں کچھ نہیں کہیں گے۔'' رابعہ محض مسکرائی تھی۔ اس کے علاوہ عباس کچھ اور بھی کہہ رہا تھا رابعہ محض مسکراتی ہوئی اس کی باتیں سنتی رہی تھی۔



گھر آکر بھی وہ بہت مضمحل سی تھی۔ اماں بی نے ان کو بہت دلاسہ دیا کہ یہ تمہارا وہم ہوگا لیکن ان کا دل تھا کہ اس کو کسی بھی پل کوئی قرار نہ تھا۔ وہ سب لوگ جو عرصہ دراز سے مرمٹ چکے ہوں اور اب اچانک ان کی یاد ستانے لگے یہ بھلا کیسے ممکن تھا وہ تو سب کو رو دھو کر بھلا چکی تھیں۔
وہ رات بڑی عجیب سی تھی۔ سوچ سوچ کر ماضی کو یاد کرتے کرتے ان کے اعصاب شل ہونے لگے تھے تو اگلے دن تک ان کو شدید بخار نے آلیا تھا۔ اماں بی نے ان کو بخار میں پھنکتا دیکھا تو تشویش کا شکار ہوئی تھیں انہوں نے قریبی ڈاکٹر سے میڈیسن لا دی تھی۔ خود تو وہ کہیں باہر نکلتی نہ تھیں اور نہ ہی آتی جاتی تھیں بس ہادیہ لوگوں سے ہی تعلقات استوار تھے باقی تو ساری دنیا تیاگ تھی۔ اماں بی حتی المقدور ان کی دل جوئی کرتی رہی تھیں۔ ان کو بخار دو دن رہا اور پھر وہ ٹھیک ہوگئی تھیں لیکن اندر کی بے کلی تھی کہ کسی پل بھی چین نہ تھا۔ اگلے دن انہوں نے ہادیہ کا نمبر ملایا۔ سلام دعا کے بعد انہوں نے دل کی بات کہہ دی۔
''مجھے تمہاری دوست رابعہ سے ملنا ہے نجانے کیوں جب سے اس سے اور اس کی بہن سے ملی ہوں دل کو عجیب سی بے چینی لگی ہوئی ہے۔''
''آپی جان خیریت ہے نا۔'' دوسری طرف ہادیہ پریشان ہوگئی تھی۔
''ہاں سب خیر ہے لیکن میرا دل بہت بے چین ہے۔''
''آپ کہتی ہیں تو میں آپ کی طرف آجاتی ہوں۔''
''نہیں تمہیں خوامخواہ زحمت ہوگی بس مجھے اپنی دوست کا نمبر دے دو۔'' جواباً ہادیہ نے رابعہ کا نمبر لکھوا دیا کچھ دیر بات ہوئی اور پھر انہوں نے کال بند کردی۔ انہوں نے اپنے سامنے لکھے نمبر کو دیکھا اور پھر کچھ سوچا تھا۔ ان کے چہرے پر فیصلہ کن کیفیت تھی۔



وہ کالج سے لوٹی تو ولید اسے دیکھ کر مسکرایا۔
''اچھا ہوا تم خود آگئیں ورنہ تمہیں کالج سے پک کرنا پڑتا۔'' اس نے ناسمجھی سے پہلے ولید اور پھر روشی کو دیکھا روشی نگاہیں چرا گئی جبکہ ولید مسکرا دیا۔
''کیوں؟''
''مجھے شاپنگ کے لیے جانا ہے شہوار کی کافی منت سماجت کے بعد وہ راضی ہوئی ہے تم بھی ساتھ چلو پلیز۔'' ولید نے مسکرا کر کہا۔
''لیکن آپ کی شاپنگ میں میرا کیا کام؟''
''کیوں تم کوئی اچھا مشورہ بھی نہیں دے سکتیں کیا؟'' ولید ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔
''وہ تو ٹھیک ہے لیکن جینٹس کی شاپنگ کا مجھے خاص کوئی تجربہ نہیں۔'' وہ جو مارے بندھے ولید سے مخاطب ہوئی تھی سنجیدگی سے کہا۔

"کوئی بات نہیں، شہوار بھی ہوگی تم دونوں مشورہ دینا۔" ولید نے کہا تو اس نے روشی کو دیکھا۔ وہ کندھے اچکا گئی۔ انا کو یہ سب بڑا تکلیف دہ لگ رہا تھا۔ ولید کا رویہ اس کے ساتھ بہت بہتر ہوگیا تھا بلکہ پہلے جیسا ہی ہوگیا تھا لیکن وہ خود تو اسی اذیت میں گھری ہوئی تھی جہاں کسی بھی پل چین نہ تھا۔

"میں چینج کرلوں۔" بادل نخواستہ اسے ہامی بھرنا پڑی۔ "میں آتی ہوں۔" ولید نے سر ہلایا۔

"آپ جو بھی کررہے ہیں بالکل اچھا نہیں کررہے ہیں سچ کہہ رہی ہوں بہت بُری طرح پٹیں گے......" وہ لاؤنج سے نکلی تو روشی کی جھنجھلائی ہوئی آواز سنائی دی تو ساکت رہ گئی۔

"ہائے کیا کہا ہے میں نے' پہلے تم سب کو گلہ تھا کہ میرا رویہ انا کے ساتھ ٹھیک نہیں اور جبکہ میں نے خود پہل کرتے اپنا رویہ تبدیل کرلیا ہے بالکل پہلے جیسا ہورہا ہوں تو تم سب کو اعتراض ہورہا ہے۔"

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں۔" روشی کی آواز میں کافی غصہ سنائی دیا تو جواباً ولید نے ایک جاندار سا قہقہہ لگایا تھا۔ انا کا دل جل کر راکھ ہونے لگا وہ تیزی سے وہاں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ نجانے ولید نے کیا کہا تھا لیکن ولید کا یہ رویہ اسے اور زیادہ تکلیف سے دوچار کررہا تھا' وہ اس سے بہت زیادہ خفا و ناراض تھا لیکن اب ایک دم اس کا رویہ بدل گیا تھا۔

کمرے میں آئی تو آنکھیں آنسوؤں سے جلنے لگی تھیں۔ اس نے سوچا کہ وہ اب نہیں روئے گی' اپنا دل نہیں جلائے گی جو جیسا ہورہا ہے سزا کے طور پر قبول کرے گی لیکن دل تھا کہ کسی بھی پل قرار و چین نہ تھا۔ وہ خود کو سنبھالتی بمشکل تیار ہوئی تھی۔ سی گرین لائٹ سا ڈریس پہنے وہ بالکل سادہ سی اور کافی مضمحل سی لگ رہی تھی۔ وہ بیگ اور چادر لے کر باہر آئی تو روشی اور ولید دونوں دھیمے لہجے میں کچھ ڈسکس کررہے تھے اسے دیکھ کر دونوں خاموش ہوگئے' ولید نے اسے بغور دیکھا۔ سی گرین لباس میں اداس افسردہ سی آنکھیں وہ چند پل کے لیے ساکت رہ گیا' بڑا سوگوار سا حسن...... وہ یک ٹک دیکھے گیا' انا نے ناگواری سے رخ بدلا تو وہ مسکرایا۔

"اوکے چلتے ہیں ہم...... واپسی پر ادھر ہی ڈراپ کردوں گا۔" وہ روشی کو کہہ رہا تھا۔

آج کل وہ مصطفیٰ کی طرف قیام پذیر تھا۔ اب تو اس کے رنگ ڈھنگ انداز و اطوار ہر چیز بدلی ہوئی تھی۔ بابا صاحب نے نئی گاڑی دلائی تھی' وہ اس کے ساتھ باہر آئی تو نئی گاڑی دیکھ کر چونکی۔

"بابا صاحب کی طرف سے گفٹ ملا ہے' آج ہی شوروم سے نکلوا کر لایا ہوں۔ سوچا تمہارے ساتھ پہلا سفر انجوائے کروں۔" وہ بتا رہا تھا اور آخری الفاظ تو انا کو جلا کر خاکستر کر گئے تھے۔ اس نے بہت شکوہ بھری نگاہوں سے ولید کو دیکھا لیکن اس نے مسکرا کر اس کے لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔

"پلیز ہیو یور سیٹ میم۔" انا نے لب بھینچ لیے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ واپس پلٹ جائے لیکن دل پر جبر کرتے وہ بیٹھ گئی' ولید نے گاڑی گیٹ سے نکالی۔ وہ بالکل چپ چاپ ساکت سی بیگ کے اسٹریپ سے کھیلتی باہر دیکھ رہی تھی۔

"کیسی لگی تمہیں یہ گاڑی؟" اس نے پوچھا۔

"اچھی ہے۔" وہ مختصراً کہہ کر پھر خاموش ہوگئی تھی باقی کا سفر خاموشی سے کٹا تھا۔ وہ اس وقت چونکی جب ولید نے ایک شاندار سے ہوٹل کی پارکنگ کی طرف رخ کیا اور پھر کچھ پل بعد اس نے گاڑی روکی۔

"ہم تو شاید شاپنگ کے لیے نکلے تھے نا؟" اس نے سنجیدگی سے ولید کو جتانا چاہا تو وہ ہنس دیا۔

"یس آف کورس۔" انا نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو اس نے مسکرا کر وضاحت کی۔

"اصل میں پیٹ میں چوہوں کا میچ چل رہا ہے تم بھی کالج سے لوٹی ہو یقیناً تمہیں بھی بھوک لگی ہوگی اور میں اتنا بے مروت تو نہیں کہ شاپنگ کروالوں اور کھلاؤں' پلاؤں کچھ نہیں سو ڈیئر انا صاحبہ...... پہلا کام پیٹ پوجا پھر کوئی کام دوجا۔" ولید کا موڈ واقعی بہت خوش گوار تھا۔ انا نے حیرت سے دیکھا۔

"لیکن مجھے بھوک نہیں۔" اس نے ٹالنا چاہا۔

''نو ایکس کیوز پلیز کم ان۔'' اگنیشن سے چابی کھینچ کر اس نے قطعی بے پروائی سے کہا' انا کا دل جلنے لگا۔ عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی' یہ سب بڑا عجیب سا لگ رہا تھا اور دل سے ہوک بھی اٹھ رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ ہوٹل کے اندر داخل ہوئی۔ ولید نے اس کے لیے خود کرسی کھینچ کر بیٹھنے کو کہا' ولید کا ہر ہر انداز نا قابل فہم تھا۔

''میری گاڑی کی خوشی میں یہ لنچ قبول کرلو۔'' انا نے سنجیدگی سے دیکھا' ولید کے چہرے پر جیسے مسکراہٹ چپک سی گئی تھی۔ وہ زندگی میں شاید پہلی بار اسے اس قدر خوش گوار موڈ میں دیکھ رہی تھی۔

''کیا کھاؤ گی؟'' مینو کارڈ اسے تھماتے اس نے پوچھا تو انا کے تیور بدلے۔

''جب لنچ آپ کروار ہے ہیں تو جو مرضی کھلادیں کیا فرق پڑتا ہے۔'' اس کا لہجہ تیکھا ہوا تو ولید ہنس دیا۔

''اوکے جیسے تمہاری مرضی۔'' وہ واقعی مینو کارڈ کو پڑھنے لگا۔ انا کا جی چاہا کہ اٹھ کر یہاں سے چلی جائے لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اب ولید کے سامنے مضبوط رہے گی کسی بھی قسم کے بچگانہ رویے کا مظاہرہ نہیں کرے گی۔ ولید نے تین چار آئٹمز سلیکٹ کیے تھے دونوں کی پسند کو ملحوظ خاطر رکھا تھا اس نے۔ کھانا سرو ہونے میں کچھ وقت لگا تھا۔

''آپ تو اپنی فیملی سے مل جانے پر بہت خوش ہوں گے نا۔'' اس نے پوچھا تو ولید مسکرایا۔

''آف کورس' بابا صاحب چاہتے ہیں کہ ہم سب ان کے ساتھ حویلی شفٹ ہو جائیں لیکن بابا (فیضان) ابھی نہیں مان رہے لیکن بابا صاحب کی ضد ہے کہ رابعہ کی شادی حویلی سے ہوگی۔ دیکھیں کون کس کو مناتا ہے' بابا نے ساری زندگی خودداری میں گزاری ہے اور اس عمر میں آ کر وہ کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتے لیکن مجھے لگتا ہے کہ بابا صاحب کی ضد اور خواہش کے سامنے ان کی یہ خودداری بہت دیر تک قائم نہیں رہ سکے گی۔'' ولید نے بھی سنجیدگی سے بتایا۔

''آپ واقعی چاہتے ہیں کہ انکل آپ کے خاندان میں چلے جائیں؟''

''میں بس یہ جانتا ہوں کہ میرے والد کے ساتھ ماضی میں جو زیادتیاں ہوئیں ان کا ازالہ ہو جائے۔ بے شک انہوں نے بابا صاحب کو والد کے طور پر قبول کرلیا ہے لیکن جائیداد و دولت کسی میں بھی وہ حصہ دار نہیں بننا چاہتے لیکن میں سمجھتا ہوں یہ سب ان کا حق ہے۔ مصطفیٰ کی فیملی کو میں ایک عرصہ سے جانتا ہوں مجھے علم ہے ان سب کے دل بہت فراخ اور محبت کے لیے دل نرم ہیں اور بابا صاحب کی ضد کے سامنے بابا بہت دیر تک قائم نہیں رہ سکیں گے۔ میں بس ہر حال میں اپنی بہنوں اور اپنے باپ کو سکیورڈ دیکھنا چاہتا ہوں۔'' ولید کا موقف اچھا تھا' انا نے سر ہلایا۔

''تو پھر اب آپ اپنے والد صاحب کے ساتھ حویلی میں رہا کریں گے؟'' اس نے پوچھا تو وہ مسکرا دیا۔

''ابھی تک تو کچھ ڈیسائیڈ نہیں کیا' وقار انکل چاہتے ہیں کہ میں ابھی بھی اسی طرح ان کا بزنس ورک دیکھوں اور شاہزیب انکل چاہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ عباس و سجاد بھائی کے ساتھ مل کر کام کروں' دیکھو کیا کرتا ہوں۔'' ولید نے کندھے اچکائے۔

''تو پھر آپ کس کے ساتھ کام کریں گے؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ابھی تو میں پرانی روٹین ہی نبھا رہا ہوں' نیکسٹ دیکھیں کیا کرتا ہوں فی الحال تو کچھ بھی فیصلہ نہیں کیا۔'' ولید کندھے اچکا کر کہا' کھانا سرو کردیا گیا تھا۔

دونوں نے کھانا کھایا...... کھانا کھاتے ہوئے انا کا موڈ کچھ بہتر ہو گیا تھا۔ کھانے کے دوران شہوار کی کال آئی تھی وہ سب شاپنگ سینٹر پہنچ چکے تھے اور اب ولید کا پوچھ رہی تھی' ولید نے کچھ دیر میں پہنچنے کا کہا۔ وہ لوگ وہاں پہنچے تو وہاں شہوار' صبا' عائشہ کے علاوہ شائستہ بھابی بھی تھیں اور تو اور رابعہ کے علاوہ عباس بھائی بھی تھے سبھی گرم جوشی سے ملے تھے۔

''پھوپو کہہ رہی تھیں کہ بس آج ساری شاپنگ فائنل کرلیں۔'' شہوار نے بتایا تو انا کا چہرہ بجھ سا گیا اور جب شاپنگ کا دور چلا تو انا کے حقیقتاً ہاتھوں کے طوطے اڑے تھے۔

وہ جو سمجھ رہی تھی کہ یہ سب لوگ رابعہ کی شاپنگ کے لیے آئے ہیں تو خیال غلط تھا۔ رابعہ کے علاوہ شائستہ بھابی اس کے لیے بھی شاپنگ کر رہی تھیں اور ہر چیز اس کی پسند سے لینا چاہ رہی تھیں' ان کا ارادہ تو آج برائیڈل ڈریس بھی خریدنے کا تھا۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ اتنے سارے لوگ' ان کی باتیں اس کا دماغ مفلوج ہو رہا تھا۔ ولید بہت خوش تھا وہ تو شاید

اپنی شاپنگ بھول بھال گیا تھا یا پھر محض انا کو ساتھ لانا مقصد تھا۔ انا کو لگ رہا تھا کہ سب بہت غلط ہو رہا ہے۔ شائستہ بھابی ہر چیز میں اس کی رائے لے رہی تھیں بلکہ وہ کیا ہر کوئی اس کی رائے کو مقدم جان رہا تھا حتیٰ کی ولید بھی۔

رابعہ کنفیوژ تھی لیکن خوش تھی۔ خوشی اس کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی ایسے میں عباس کا ساتھ اور اس کے چھوٹے موٹے جملے خوشی سے رابعہ کا چہرہ دمک رہا تھا۔ انا بمشکل خود کو سنبھالے ہوئے تھی ان لوگوں نے نجانے کیا کیا خریدا تھا اور کیا کیا نہیں وہ تو حواس گم اور خطا و سان لیے سب کے ساتھ تھی۔ اللہ اللہ کر کے ان سب کی شاپنگ ختم ہوئی تو انا نے گھر جانے کی ضد شروع کر دی تھی۔ وہ سب لوگ شاپنگ کے بعد کچھ کھانے پینے کے موڈ میں تھے جبکہ اس کا موڈ قطعی آف ہو چکا تھا۔ ولید کو اس کے موڈ کا اندازہ ہو رہا تھا جو وہ بمشکل بحال کیے ہوئے تھی وہ سب کے اصرار کے باوجود اسے لے کر گاڑی کی طرف بڑھ آیا۔

''یہ میرے ساتھ کیا ڈرامہ ہو رہا ہے' کیا تھا یہ سب آپ تو اپنی شاپنگ کا کہہ کر مجھے ساتھ لائے تھے لیکن یہاں تو......'' اس کا ضبط بس یہاں تک ہی تھا ولید نے جیسے ہی گاڑی ڈرائیو کی وہ پھٹ پڑی' ولید نے سنجیدگی سے دیکھا۔

''یہ لوگ تمہیں کئی دن سے ساتھ چلنے کا کہہ رہی تھیں لیکن تم مان ہی نہیں رہی تھیں۔ کل شائستہ بھابی نے مجھ سے بات کی تو میں نے کہہ دیا' تمہیں ساتھ لے آؤں گا۔'' ولید کا انداز نارمل تھا' انا نے بہت دکھ سے اسے دیکھا۔

''آپ کو شرم آنی چاہیے مجھے چیٹ کرتے ہوئے' بہانے سے مجھے لے کر آئے ہیں۔'' وہ پھٹ پڑی۔

''لو میں کیوں شرم کروں' بھابی بے چاری پریشان تھیں میں نے اس طرح ذرا ہیلپ کر دی ہے ان کی۔''

''نہیں کرنی مجھے یہ شادی...... سب کو صاف علم ہو گیا ہے کہ میں یہ سب کیوں کر رہی تھی' اس کے باوجود آپ سب لوگ مجھے تنگ کر رہے ہیں۔'' ولید نے بہت اطمینان سے اس کی بات سنی۔

''جو ہونا تھا ہو چکا ہم سب نے صورت حال سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ کاشفہ اپنے انجام کو پہنچ چکی ہے' سب کچھ کلیئر ہے لیکن اس سب سے زیادہ کلیئر صورت یہ ہے کہ وقار انکل کا کہنا ہے کہ وہ زبان دے کر پھرنے والوں میں سے نہیں ہیں۔ رہ گئی تمہاری رضامندی انہیں تمہاری خواہش سے زیادہ اپنی عزت پیاری ہے۔ اگر سنجیدگی کے ساتھ ان کا موقف دیکھا جائے تو وہ غلط نہیں ہیں۔ حماد کے گھر والوں کی بھی کوئی عزت ہے' خاندان بھر میں بات پھیل چکی ہے اور اب جبکہ شادی میں دن بھی بہت کم رہ گئے ہیں تو ایسے میں انکل کو بیٹی کی خواہش سے زیادہ دونوں خاندانوں کی عزت کا خیال ہے۔'' انا بے یقینی سے ولید کو سن رہی تھی۔ وہ تو ولید کے بدلے رویوں سے نجانے کیا کیا سوچنے لگی تھی اور اب۔

''اور یہ جو آپ کا بدلتا ہوا رویہ ہے کیا یہ سب بھی ڈرامہ ہے؟'' اس کے لہجے میں بے یقینی و تلخی تھی۔ ولید نے اس کو بغور دیکھا' چہرے پر عجیب سی اذیت بھری کیفیت تھی۔ اس وقت وہ بہت زیادہ قابل رحم لگ رہی تھی۔

''میں ڈرامہ نہیں کر رہا' میرے دل میں تمہارے لیے کوئی کدورت و بدگمانی نہیں ہے اب۔ تم میری بہت اچھی دوست تھی اور رہو گی۔'' ولید نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر دوسرے ہاتھ کی گرفت میں لیتے نرمی سے کہا تو انا کو لگا کہ اس کے سر پر گاڑی کی چھت آ گری ہو۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے' انا کو لگ رہا تھا کہ اطراف میں جیسے آکسیجن کی ایک دم شدید کمی ہو گئی ہے۔ وہ تو نجانے کیا کیا سمجھنے لگی تھی۔ وہ ولید کا اچھا رویہ دیکھ کر خوش گمانیوں کے حصار میں جکڑنے لگی تھی لیکن ولید نے تو گویا بکھیر کر رکھ دیا تھا۔

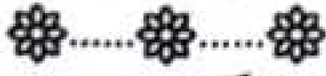
''میں آپ سے کئی بار معافی مانگ چکی ہوں آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ آپ میرے لیے کیا ہیں آپ بے خبر نہیں ہیں' اس کے باوجود آپ یہ سب ہونے دیں گے۔'' وہ لحظہ بہ لحظہ مدھم ہوتی آواز کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ ایک پل کو تو اس قدر واضح اور صاف اظہار پر ولید کا دل رکا تھا لیکن اگلے ہی پل اس پر حواس غالب آ گئے تھے۔

''ایم سوری انا......'' ولید نگاہیں پھیر گیا۔ انا کو لگا کہ جیسے ایک دم فضا میں ساری آکسیجن ختم ہو گئی ہو۔ وہ لڑکی ہونے کے باوجود دل کی بات کہنے سے باز نہیں آئی تھی اور ولید...... اس نے بے یقینی سے ولید کو دیکھا تھا۔ ولید کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری ہو چکا تھا۔ انا نے ولید کی گرفت سے اپنے ہاتھ نکالا۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ ابھی بے جان ہو کر گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر ڈھے جائے گی لیکن وہ اپنی عزت نفس اور وقار کھو جانے کے بعد اب ولید کے سامنے مزید بکھرنا نہیں چاہتی تھی۔

اس کے لاکھ ضبط کرنے کے باوجود چہرے پر آنسوؤں کی لکیریں بنتی چلی گئی تھیں وہ چہرہ موڑ کر دوسری طرف رخ پھیر گئی تھی۔ ولید اس کا ایک ایک انداز نوٹ کررہا تھا‘ اس کے اندر شدید تاسف نے سر اٹھایا تھا اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر لب دانتوں تلے دبالیا۔ وہ دیکھ رہا تھا وہ رو رہی ہے لیکن انا کا وجود بالکل ساکت تھا۔ اس نے ایک بار پھر انا کو دیکھا اس کے چہرے پر انا کے لیے تشویش پھیل رہی تھی۔

”انا تم......“ کچھ توقف کے بعد اس نے پکارا تو انا کے ساکت وجود میں جنبش ہوئی تھی۔

”مجھے گھر جانا ہے پلیز مجھے گھر ڈراپ کردیں۔“ انداز بہت اجنبی سا تھا۔ وہ رو نہیں رہی تھی لیکن اس کا لہجہ بہت عجیب سا تھا اس کے بعد ولید کے اندر اتنی ہمت نہ ہوسکی کہ وہ اسے مخاطب کرتا‘ اس نے اسے دیکھتے گاڑی آگے بڑھادی تھی۔



وہ گھر آئی تو بہت عجیب سی کیفیت میں تھی۔ گھر میں سبھی موجود تھے وہ بمشکل خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔ گھر آتے ہی وہ کمرے میں گھس گئی۔ روشی کو اس کے رویے سے تشویش لاحق ہوئی تھی۔ اس نے انا کو ڈسٹرب کرنے کی بجائے ولید کو کال ملائی اور ادھر سے جو سننے کو ملا تھا روشانے کا جی چاہ کہ اپنا سر پیٹ لے۔

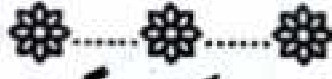
”بہت بُرا کررہے ہیں آپ انا کے ساتھ‘ میں سچ کہہ رہی ہوں بہت پچھتائیں گے آپ۔“ غصے سے کہہ کر اس نے کال بند کردی۔ روشی انا کے کمرے میں آئی تو وہ بہت دل گرفتہ سی قالین پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ تھا اور آنکھیں متورم۔ روشی کو شدید تاسف نے آلیا۔ انا نے اسے دیکھ کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

”کیا ہوا؟“ روشی اس کے پاس ہی قالین پر بیٹھ گئی۔ انا نے خاموشی سے روشی کو دیکھا۔ اس وقت وہ سخت بکھری ہوئی اور آزردہ سی لگ رہی تھی۔

”مجھے لگتا تھا کہ جیسے میرا اقرار ولید کا رویہ بدل دے گا اور آج میں اپنی انا اپنا وقار سب کچھ اس کے قدموں میں ڈال آئی لیکن وہ......“ وہ ایک پل کو رکی تھی انا کے چہرے پر آنسوؤں کی لکیریں پھر جگہ بنانے لگیں تھیں۔

”وہ مجھے ایک دوست سے زیادہ درجہ دینے کو تیار ہی نہیں۔ میں جانتی ہوں وہ ابھی بھی کاٹیفہ والے واقعے کو لے کر انا کا مسئلہ بنائے ہوئے ہے۔ بظاہر اس نے مجھے معاف کردیا ہے لیکن وہ اس واقعے کو بھولا نہیں‘ میں سمجھتی تھی کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے لیکن اسے مجھ سے محبت تو کیا انسیت تک نہیں۔“ وہ روشی کا ہاتھ جکڑ کر شدت سے روئی تھی۔ روشی نے ایک گہرا سانس لیا۔

”ٹھیک ہے اگر ایسا ہے تو ایسا ہی سہی‘ وہ چاہتا ہے میں پچھتاؤں ساری عمر اس کے سامنے بھیک مانگوں لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں اب خود کو مزید ارزاں نہیں کروں گی‘ تمہارا تو وہ بھائی ہے تم سب اسی کی فیور کرتے ہو۔ تم سب کے نزدیک میں قصوروار تھی تو ٹھیک ہے میں سزا بھگتوں گی میں حماد سے شادی کرلوں گی اور کہہ دینا اپنے چہیتے بھائی سے کہ میں اس سے شدید نفرت کرتی ہوں شدید ترین نفرت......“ وہ اندر کا غبار نکال رہی کررو رہی تھی۔ ولید کو کوس رہی تھی اور روشی وہ گہرا سانس لیتے بس اسے اندر کا غبار نکالتے دیکھ رہی تھی۔ اس کے پاس تسلی کے لیے کوئی لفظ نہ تھے ماسوائے چپ رہنے کے۔



لالہ رخ تڑپ رہی تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر اپنے گھر اپنے بچوں کے پاس پہنچ جائے لیکن وہ بالکل بے بس تھی۔ وہ جن لوگوں کو اپنا مددگار سمجھ رہی تھی اب وہی لوگ اس کو اپنے دشمن لگ رہے تھے۔ وہ لوگ اس کے گھر لانے کی بجائے دھوکے سے ایک ایسی جگہ لے آئے تھے جہاں ان جیسے اور بھی بہت سے لوگ تھے۔ وہ عجیب سے لوگ تھے اور کوئی نہ کوئی مرد و عورت چلا آتا اور اس کی خوب صورتی اس کے حسن و جوانی کو بازاری نظروں سے ٹٹولنے لگتا تھا۔ لالہ رخ سخت خوف زدہ ہوگئی تھی‘ اسے اب اندازہ ہورہا تھا کہ وہ کن لوگوں میں پھنس گئی ہے۔ یہاں آکر ان دونوں میاں بیوی کی اصلیت کھل کر سامنے آئی تھی۔ یہ دونوں میاں بیوی خانہ بدوش تھے‘ کبھی یہاں اور کبھی وہاں‘ یہ لوگ مختلف قسم کی وارداتوں اور غلط کاموں میں ملوث تھے۔ کبھی کوئی بچہ اٹھا کر بیچ دیا یا کبھی کوئی چوری کرلی لیکن اس بار ایک حسین و جمیل عورت کو دیکھ کر ان لوگوں نے ایک مختلف پلاننگ کی تھی۔

وہ عورت چند دن پہلے ہی اس علاقے میں آئی تھی اور کام کے غرض سے اس جگہ لگی تھی اور پھر اس دن وہ کھانا لے کر آئی تو

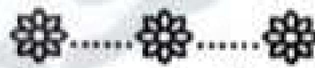
لالہ رخ کا حسن دیکھ کر چونکی تھی۔ اس نے اپنے شوہر سے بات کی اور شوہر فوراً آمادہ ہوگیا تھا اور پھر ان دونوں نے مل کر لالہ رخ کو وہاں سے نکال لیا اور اسی رات اپنا مختصر سا سامان لے کر وہ اپنی رہائش سے بھی بھاگ نکلے تھے۔ لالہ رخ ان سے کہتی رہی کہ وہ اسے اس کے گھر جانے دیں اور وہ دونوں میاں بیوی اسے تسلیاں دیتے رہے کہ جیسے ہی حالات نارمل ہوتے ہیں وہ اسے جانے دیں گے اور پھر لالہ رخ ان کے جال میں مکمل طور پر پھنس گئی۔ اس بار وہ اس کا سودا کرنا چاہتے تھے لیکن گاہک انہیں اپنی مرضی کا نہیں مل رہا تھا۔ ان دونوں نے اسے ایک بوسیدہ سے کمرے میں بند کر رکھا تھا جہاں بس ایک وقت اس کو کھانا پہنچا دیا جاتا تھا۔ لالہ رخ کو اپنی جان سے زیادہ اپنی عزت کی فکر پڑ گئی تھی' پھر بچوں کے خیال سے جان سوکھنے لگتی تھی اور پھر اس دن وہ عورت آئی تھی۔

''ہم نے سودا کردیا ہے تیرا رات کو کچھ آدمی تجھے لینے آئیں گے۔ آرام وسکون سے ہمارے ساتھ تعاون کرے گی تو ٹھیک ورنہ بے ہوش کر کے باندھ کر ڈال دیں گے ان کے آگے تجھے۔'' کاروباری انداز تھا۔ لالہ رخ شدت سے رو پڑی تھی۔

''کیوں کررہے ہو تم میرے ساتھ ایسا' تم جانتی ہو میں ایک مظلوم عورت تھی۔ اپنے بچوں کے لیے دن رات تڑپ رہی' میں نے تم لوگوں پر اعتبار کیا اور تم نے میری بے بسی کا فائدہ اٹھایا تمہیں اللہ کا واسطہ ہے' مجھ پر رحم کرو جانے دو مجھے۔''

''زیادہ بک بک نہ کر' آرام سے رہ' رات کو لینے آویں گی ذہن تیار کرلے اپنا۔'' اس شقی القلب عورت پر کچھ اثر نہ ہوا تھا۔ وہ کہہ کر اس کے سامنے کھانا رکھ کر چلی گئی تھی اور لالہ رخ وہ تو عجیب سے عذاب میں گھر گئی تھی۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا اسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ عورت اس کے تعاقب میں چلی آرہی ہے۔ وہ ماہی بے آب کی مانند تڑپ رہی تھی لیکن نجات کا کوئی سرا نہیں مل رہا تھا۔ وہ سارا دن اللہ سے دعائیں مانگتی رہی' نجات کا رستہ ڈھونڈتی رہی لیکن کچھ بھی نہ ہوسکا تھا روتے سسکتے وہ وقت آپہنچا جب ان ظالم میاں بیوی نے اس کے روتے بلکتے وجود کو ان دو مردوں کے حوالے کردیا تھا۔



رابعہ سہیل کی طرف تھی اسے ایک کال آئی تھی۔ وہ کال کرنے والی ہستی کا تعارف جان کر حیران ہوئی تھی اور پھر جب انہوں نے اس سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تو وہ اور بھی چونکی' اس نے اپنا ایڈریس لکھوا دیا تھا۔

اگلے دن وہ آگئی تھیں اس کے ساتھ اماں ہی تھیں۔ ثریا اور بھابی کا ان سے پہلے ہی تعارف تھا وہ ان سے مل کر بہت خوش ہوئی تھیں۔

''مجھے رابعہ کے بارے میں بات کرنی ہے۔'' رابعہ ان کے لیے چائے بنانے چلی گئی تو انہوں نے ثریا بیگم سے کہا۔

''میں نے جب بھی رابعہ کو دیکھا مجھے نجانے کیوں لگا کہ جیسے اس سے کوئی بہت قریبی رشتہ ہے کوئی کشش ہے جو مجھے اس کی طرف کھینچتی ہے۔ آج میں روک نہیں پائی خود کو یہاں تک پہنچنے سے۔'' انہوں نے تمہید باندھی' ثریا بیگم چونکی تھیں تاہم خاموش رہیں۔

''مجھے ہادیہ سے پتا چلا کہ رابعہ آپ کی حقیقی بیٹی نہیں......''

''جی میرے بھائی کی بیٹی ہے۔'' انہوں نے رسانیت سے کہا۔

''لیکن ہادیہ بتارہی تھی کہ یہ آپ کے حقیقی بھائی نہیں ہیں۔'' انہوں نے کہا تو ثریا بیگم مزید الجھیں۔

''لیکن اپنوں سے بڑھ کر ثابت ہوئے ہیں۔'' ان کے لہجے میں فیضان صاحب کے لیے ازحد مان اور احترام تھا۔ ''لیکن آپ یہ سب کیوں جاننا چاہتی ہیں؟'' ثریا بیگم نے استفسار کیا تو ان کا چہرہ بجھ گیا۔

''ہادیہ کی شادی والے دن رابعہ کی چھوٹی بہن سے ملاقات ہوئی تھی' دونوں بہنیں ماشاء اللہ بہت پیاری ہیں۔'' انہوں نے افسردگی سے کہا۔

''میری بھی بڑی بیٹی کا نام رابعہ تھا۔'' انہوں نے مزید بتایا تو ثریا بیگم مسکرائیں۔

''لیکن پھر وہ مجھ سے بچھڑ گئی سنا ہے مرگئی تھی بے چاری۔'' ان کے لہجے میں آنسوؤں کی نمی در آئی تھی۔

''اوہ......'' ثریا بیگم کو شدید دکھ ہوا۔

''لیکن رابعہ کو دیکھتی ہوں تو لگتا ہے جیسے میری بیٹی پھر سے زندہ ہوگئی ہے۔ رابعہ نے اس دن اپنی چھوٹی بہن سے ملوایا تو لگا کہ جیسے رابعہ کے بعد اب عائشہ بھی زندہ ہو کر میرے سامنے آ گئی ہے۔'' ثریا بیگم چونکیں۔

''عائشہ کون؟''

''میری چھوٹی بیٹی کا نام تھا۔'' ثریا بیگم کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔

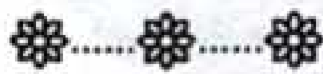
''لیکن وہ بے چاری بھی اللہ کو پیاری ہوگئی تھی۔''

''کیا نام ہے آپ کا؟'' ثریا بیگم نے اپنی آواز کی لرزش خود بھی محسوس کی تھی۔

''لالہ رخ......''

آپی جان کے ہونٹوں سے یہ نام ایک تڑپ بن کر نکلا تھا اور ثریا بیگم وہ پھٹی پھٹی آنکھیں لیے اپنے اردگرد اس نام کی بازگشت سن رہی تھیں۔

''لالہ رخ......لالہ رخ......لالہ رخ......''



فیضان بابا صاحب کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے فون کر کے بلوایا تھا۔

''لگتا ہے تم نے ابھی تک اپنے باپ کو معاف نہیں کیا۔'' بابا صاحب کے لہجے میں آزردگی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں بابا صاحب۔''

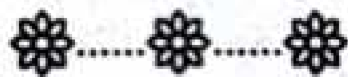
''تو پھر میری بات مان کیوں نہیں لیتے یہ کاغذات رکھ لو بیٹا...... ایک عرصے سے اس امانت کا بوجھ لیے زندہ ہوں۔ تم چاہتے ہو کہ کل قیامت والے دن تمہارے باپ کو جہنم میں ڈال دیا جائے۔'' وہ دکھی تھے فیضان صاحب تاسف کا شکار ہوئے۔

''میں ایسا کچھ بھی نہیں چاہتا' میں نہیں چاہتا کہ دولت و جائیداد کو لے کر آپ کی باقی اولاد میں سے کسی کو اعتراض ہو اور لڑائی جھگڑے کی نوبت آئے۔ میں اپنی زندگی میں بہت خوش ہوں یقین جانئے مجھے کسی بھی چیز کی طلب نہیں۔'' باپ کا ہاتھ تھام کر یقین دلانا چاہا۔

''تو ٹھیک ہے تم یہ کاغذات رکھ لو میری باقی اولاد کو کوئی اعتراض نہیں بلکہ یہ جائیداد تو عرصہ دراز سے میں نے نکال کر الگ کردی تھی سبحان نے ضد کی تھی اور تمہارے بہتر مستقبل کو دیکھتے میں نے اسے سونپ دیا تھا لیکن تمہارے حق سے کبھی غافل نہ ہوا تھا۔ سبحان منع کرتا رہتا تھا لیکن تمہارے نام بینک میں رقم جمع کرواتا رہتا تھا اور پھر سبحان چلا گیا لیکن تب بھی میں چاہتا تھا کہ تم میرے پاس آ جاؤ لیکن تم نہ مانے' تمہاری اولاد کو دیکھا تو سوچا وقت کے ساتھ ساتھ تم قائل ہو جاؤ گے تو یہ حصہ تمہاری اولاد کو دے دوں گا لیکن پھر وہ حادثہ ہو گیا اور میں جیتے جی مر گیا۔'' بابا صاحب رونے لگے تھے' فیضان صاحب نے بہت محبت سے ان کو بازوؤں میں لے کر سمیٹ لیا تھا۔

''تمہیں اپنے بیٹے کی حیثیت سے ہر جگہ متعارف کروانا چاہتا ہوں' تمہاری اولاد کو جائز حق دینا چاہتا ہوں۔ بیٹا انکار مت کرنا' اپنے باپ کی آخری خواہش سمجھ کر قبول کرلو۔'' بابا صاحب کا انداز بہت زیادہ التجائیہ تھا' فیضان صاحب نے ایک گہرا سانس لیتے ان کے سامنے سر خم کردیا۔

''جیسے آپ کی خواہش بابا صاحب۔'' اور بابا صاحب نے خوشی سے نہال ہوتے بیٹے کو سینے سے لگا لیا تھا۔



اس کا رونا دھونا ان دونوں میاں بیوی کے کسی کام نہ آیا نیتجتاً رات کے وقت وہ ان کی گاڑی میں سفر کر رہی تھی۔ ایک گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور دوسرا اس کے ساتھ عقبی سیٹ پر بیٹھا مسلسل اس پر اپنی نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ ان کی گفتگو سے لالہ رخ کو اندازہ ہوا تھا وہ اسے کسی عورت کے پاس لے کر جا رہے تھے جو عورتوں سے مختلف قسم کا دھندا کرواتی تھی۔ ابھی انہیں سفر کرتے چند منٹ ہی گزرے تھے جب ایک جھٹکے سے گاڑی رک گئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' پچھلے سیٹ پر بیٹھے شخص نے پوچھا تو فرنٹ سیٹ پر بیٹھا شخص بار بار اگنیشن میں چابی گھمانے لگا تھا۔

"پتا نہیں کیا ہوا ہے ایک دم ہی گاڑی بند ہوگئی ہے۔"

"اتر کر دیکھو شاید انجن میں کوئی مسئلہ ہوگیا ہو۔" پچھلی سیٹ والے نے مشورہ دیا تھا۔

لالہ رخ کے بہتے آنسو بھی ٹھہر گئے تھے وہ جو چادر میں چہرہ چھپائے خود کو دروازے سے لگائے خوف سے کانپ رہی تھی اس نے چادر کی اوٹ سے دیکھا۔ گاڑی ایک سنسان اور تاریک سڑک پر رکی ہوئی تھی۔ یہ شہر کا کون سا علاقہ تھا لالہ رخ شناخت نہ کرپائی تھی لیکن وہ چوکنا ہوگئی تھی۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا شخص باہر نکل کر گاڑی کا بونٹ اٹھا کر انجن چیک کررہا تھا۔

"کچھ پتا چلا کہ کیا ہوا؟" ساتھ والے نے اونچی آواز میں پوچھا تھا۔

"نہیں اندھیرا ہے ٹارچ بھی نہیں ہے کچھ پتا نہیں چل رہا۔" دوسری طرف سے اونچی آواز میں جواب ملا تھا۔

دونوں کچھ دیر کے لیے لالہ رخ سے غافل ہوگئے تھے اور پھر لالہ رخ کے ساتھ بیٹھا شخص خود بھی اتر کر گاڑی کا انجن دیکھنے لگا تھا ان کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ گاڑی میں اچانک کوئی بڑا فالٹ ہوا ہے جو رک گئی ہے اور اسٹارٹ ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی۔ چند پل مزید سرکے تو لالہ رخ کے حواس کام کرنے لگے۔ اس نے دیکھا اس کے دوسری طرف کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندھیری رات میں دور دور تک سڑک تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ شاید قدرت اس کا ساتھ دینے پر آمادہ تھی وہ لوگ اس کی وجہ سے کسی سے مدد لینے کو بھی تیار نہ تھے کہ کہیں وہ چیخنے چلانے نہ لگ جائے۔

لالہ رخ نے خود کو سیٹ پر گرالیا تھا اور آہستہ آہستہ سرکتے وہ کھلے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ قدرت کی طرف سے ملنے والے اس موقع کو ضرور آزمائے گی اگر کامیاب ہوگئی تو ٹھیک ورنہ اپنی بدقسمتی پر وہ رو دھو تو رہی تھی۔ وہ آہستہ سے گاڑی سے نکلی تھی وہ دونوں گاڑی کا انجن چیک کررہے تھے اس کی طرف سے اپنے مسئلے میں الجھ کر شاید کچھ دیر کے لیے بے پروا ہوگئے تھے۔ لالہ رخ اسی طرح کھردری سڑک پر رینگتے گاڑی کے عقب سے ہوتے پچھلی طرف بڑھی تھی سڑک کے دوسری طرف کوئی گلی تھا۔ وہ اسی طرح سانس روکے رینگتے ہوئے اس کی طرف بڑھی اور پھر سڑک سے اٹھ کر وہ اندھا دھند اندر کی طرف بھاگی تھی۔ انجن پر جھکے دونوں آدمی چونکے تھے۔

"ارے دیکھو وہ عورت بھاگ رہی ہے۔" وہ دونوں حواس باختہ ہوگئے تھے۔ وہ دونوں اس کے عقب میں بھاگے تھے۔

لالہ رخ کے اندر نجانے کہاں سے اتنی طاقت آسمائی تھی کہ وہ بجلی کی تیزی سے سمت کا تعین کیے بغیر بھاگتی جارہی تھی۔ وہ دونوں آدمی اس کے پیچھے تھے بھاگتے بھاگتے وہ ایک گلی میں گھس گئی تھی وہ دونوں آدمی مسلسل پیچھے تھے وہ ایک گھر کے سامنے دروازے کے دونوں طرف بنے گھروں میں سے ایک میں چھپ گئی تھی۔ وہ دونوں آدمی بھاگتے ہوئے آگے چلے گئے تھے۔ لالہ رخ دم سادھے بیٹھی رہی تھی اس کے کپڑوں پر گندگی لگ گئی تھی لیکن اسے قطعی پروا نہ تھی۔ چند پل گزرے تھے اسے تسلی ہوگئی تھی کہ وہ آدمی کافی آگے جاچکے ہیں اس نے گھر کا دروازہ بجانا شروع کردیا تھا اور بار بار خوف زدہ نظروں سے اطراف میں بھی دیکھ رہی تھی۔

"کون ہے بھئی آدھی رات کو کون آگیا ہے؟" کچھ دیر بعد کسی خاتون کی جھنجلائی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔

"پلیز دروازہ کھولیں پلیز......" اس کے لہجے میں خوف تھا بے بسی تھی۔

"کون ہو تم؟" اب کی بار چونک کر پوچھا گیا تھا۔

"پلیز دروازہ کھول دیں۔" وہ بار بار عقب میں اور اطراف میں دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا تو لالہ رخ اندھا دھند اندر گھسی تھی۔ دروازہ کھولنے والی خاتون بھی خوف زدہ ہوگئی تھی لالہ رخ نے اندر گھس کر دروازہ بند کردیا تھا۔

"ارے کون ہو تم...... کیوں اندر گھسی آرہی ہو؟" وہ خاتون ایک دم گھبرا کر چیخی تھیں۔

"پلیز گھبرائیں نہیں میری وجہ سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی وہ لوگ میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں پلیز مجھے تھوڑی دیر کے لیے رکنے دیں پھر میں چلی جاؤں گی۔" وہ بتاتے بتاتے رو پڑی تھی خاتون نے حیران ہو کر دیکھا۔

"گھر سے بھاگی ہو کیا؟" غصے سے پوچھا تو اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"نہ...... نہیں...... پلیز میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں میں کوئی غلط عورت نہیں ہوں میں کچھ دیر میں چلی جاؤں گی۔" لالہ رخ

سیدہ لوبا سجاد

میرا نام سیدہ لوبا سجادہ ہے ضلع لودھراں کی تحصیل کہروڑپکا سے تعلق ہے۔ میں نے ایم اے اردو بی ایڈ کیا ہے۔ ہم تین بہن ہیں بھائی کوئی نہیں۔ نئی نئی ڈشز ٹرائی کرنا' بکس پڑھنا اور شاعری کرنا میرا شوق ہے۔ خامیاں خوبیاں تو سب میں ہوتی ہیں مجھ میں بھی ہیں۔ امی کے مطابق بہت بھلکو ہوں بعض چیزیں ایسی سنبھال کے رکھتی ہوں کہ مجھے ہی نہیں ملتیں (ویسے انہوں نے یہ الفاظ کافی عزت سے کہے تھے)۔ اچھی راز دار ہوں جس سے دوستی رکھتی ہوں تو خلوص سے رکھتی ہوں۔ احمد میرا پیارا بھائی (آنٹی کا بیٹا) کہتا ہے خامی کوئی نہیں ساری خوبیاں ہیں۔ مجھے میری خامی یہ لگتی ہے کہ میں ایک جگہ سے کئی بار دھوکا کھا کر بھی اعتبار کرلیتی ہوں۔ 9th کلاس سے ڈائجسٹ پڑھنا شروع کیا۔ 4 جون کے گرم دن میں پیدا ہوئی اور مزے کی بات یہ ہے کہ بیس سال تک ہر سال میری برتھ ڈے پر طوفانی بارش آتی تھی اب شکر ہے سکون ہے اور دو تین سال سے بس کیک کاٹتی ہوں۔ بہت سی کتابیں پڑھی ہیں جن میں مجھے "پیر کامل' کوئی لمحہ گلاب" طاہر لاہوتی بہت پسند ہیں۔ ہاشم ندیم اور علیم الحق حقی کے تو ہر ناول ہی بہترین ہوتے ہیں (میں مرد رائٹرز کے ناولز زیادہ پڑھتی ہوں)۔ شاعری کا تو بہت سوق ہے ناصر کاظمی میرے پسندیدہ شاعر ہیں' باقی جو بھی اچھا لکھے وہی پسند ہے۔

روتے ہوئے خاتون کے قدموں میں جھک گئی تھی' وہ خاتون بھی ساکت ہوگئی تھی۔

"کون ہے خالہ؟" اندر سے ایک اور ینگ سی عورت بھی ادھر آ گئی تھی دونوں کو دیکھ کرا لجھی تھی۔

"پتا نہیں کہتی ہے کچھ لوگ پیچھے لگے ہوئے ہیں کچھ دیر میں چلی جائے گی۔"

"خالہ نکالیں اسے میرے گھر سے یقیناً کوئی چور ڈاکو ہوگی ابھی خود گھسی ہے ساتھ میں پورا گروپ ہوگا۔" وہ ینگ سی عورت تو اور بھی زیادہ خوف زدہ ہوگئی تھی۔

"نہیں پلیز میں کوئی ایسی ویسی عورت نہیں ہوں پلیز میرا اعتبار کریں میں بس پناہ لینے کے لیے ادھر آئی ہوں ابھی کچھ دیر میں چلی جاتی ہوں۔" وہ دوسری عورت کے سامنے ہاتھ جوڑ کر رونے لگی تھی' دونوں خواتین نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

"آپ نے دروازہ ہی کیوں کھولا تھا نجانے کون ہے کیا مقاصد ہیں' گھر میں ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی ہے بھی نہیں۔" وہ عورت پہلی خاتون سے الجھ رہی تھی جبکہ لالہ رخ وہیں پر بیٹھ کر رو رہی تھی۔

"شکل سے کافی مظلوم لگ رہی ہے۔"

"شکلوں کا اعتبار کون کرے آج کل تو اچھے بھلے شریف لوگ گھروں میں گھس جاتے ہیں۔" وہ ابھی بھی مشکوک تھی جبکہ لالہ رخ دروازے کے ساتھ لگی زمین پر بیٹھی سسکتی رہی تھی' کچھ دیر اسی حالت میں گزری تھی۔

"پانی پیو گی؟" پہلی خاتون نے پوچھا تو اس نے ہاں میں سر ہلا دیا تھا۔ انہوں نے پانی لا کر اسے دیا تو وہ ایک ہی سانس میں پی گئی تھی۔ دونوں خواتین اسے کچھ نہیں کہہ رہی تھیں بس خاموشی سے دیکھ رہی تھیں' کچھ وقت مزید سرکا تو لالہ رخ سنبھل چکی تھی۔ دونوں خواتین کو بھی شاید اس پر اعتبار آچکا تھا وہ اندر سے چارپائی گھسیٹ لائی تھیں اور اسے بیٹھنے کو کہا تھا۔

"کہاں سے آئی ہو تم...... اور کون لوگ ہیں جو تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہیں؟" پہلی خاتون نے پوچھا تھا۔ لالہ رخ کے آنسو اپنی مظلومیت کا سوچتے پھر بہنے لگے تھے۔ آنسوؤں کے درمیان ہی اس نے مختصر خود پر بیتنے والی ساری کتھا سنا ڈالی تھی' دونوں خواتین نے بے یقینی سے دیکھا تھا۔

لالہ رخ کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ انہوں نے یقین کیا ہے یا نہیں وہ تو بس کچھ وقت عزت کے ساتھ اس چار دیواری میں گزارنا چاہتی تھی۔ رات بھر وہ دونوں خواتین اس سے مختلف سوالات کرتی رہی تھیں اور وہ اپنے اوپر بیتنے والی قیامت کا احوال سناتی رہی تھی۔ صبح ہوئی تو لالہ رخ نے وہاں سے نکلنے کا قصد کیا تھا۔

"سنو ہوسکتا ہے وہ لوگ اردگرد ہی ہوں ابھی مت جاؤ' میں باہر دیکھ کرآتی ہوں تم آرام سے ادھر بیٹھی رہو۔" بڑی عمر کی خاتون کو جیسے اس پر یقین آ گیا تھا انہوں نے روک لیا تھا اور لالہ رخ رک گئی تھی۔ اچھی طرح صبح کا سویرا پھیلا تو وہ خاتون باہر نکلی تھیں' وہ برقع پہنتی تھیں اور کچھ دیر بعد وہ لوٹی تھیں۔

"خاص طور پر تو کچھ دکھائی نہیں دیا بس بڑی سڑک کے کنارے جیسی گاڑی تم نے بتائی ہے وہ ابھی بھی کھڑی ہے۔ ہوسکتا ہے وہ آدمی بھی اردگرد ہی ہوں۔" لالہ رخ پھر سہم گئی تھی۔

"فکر نہیں کرو میں ناشتا بناتی ہوں' کھاؤ پیو حالات بہتر ہوتے ہیں تو چلی جانا۔" وہ برقع اتار کر اندر کی طرف چلی گئی تھیں۔ یہ ایک بہت ہی پرانا گھر تھا' دو کمرے تھے ایک کچن اور ایک باتھ روم' ان لوگوں کے اصرار پر اس نے ناشتا کرلیا تھا۔

صبح دوپہر اور دوپہر شام میں ڈھلنے لگی تو گھر میں ایک درمیانی عمر کا مرد داخل ہوا تھا' وہ اسے دیکھ کر چونکا تھا بڑی عمر والی خاتون اس آدمی کو لے کر ایک الگ کمرے میں گھس گئی تھیں پھر وہ آدمی آیا تھا اور اس سے مختلف سوالات کرتا رہا تھا۔ پتا نہیں وہ مطمئن ہوا تھا کہ نہیں البتہ خواتین کی نسبت اس نے زیادہ شکوک وشبہات کا اظہار نہیں کیا تھا۔

وہ رات بھی عجیب سی تھی۔ اتنی راتوں کی بے خوابی بھی رات گئے اسے نیند آ گئی تھی۔ وہ غافل ہوکر سوئی تھی اور کسی نے جگایا بھی نہ تھا اور وہ اگلے دن چڑھے تک سوتی رہی تھی۔ اگلے دن دوپہر کو اٹھی تو خاتون نے اسے ناشتا لا دیا تھا۔

"یہ میری بھتیجی کا گھر ہے اس کا شوہر باہر ہوتا ہے بچے کی ولادت کے سبب میں آج کل ادھر رکی ہوئی ہوں۔ یہ جو تم سے کل ملے تھے یہ میرے شوہر تھے اسکول ماسٹر ہیں کہہ رہے تھے کہ تم بے فکر ہوکر یہاں رہو۔"

لالہ رخ نے سر ہلا دیا تھا' وہ مزید چند دن وہاں رہی تھی پھر ایک رات برقع پہنا کر وہ خاتون اور اس کے شوہر اسے اپنے گھر میں لے آئے تھے۔ ان خاتون کے شوہر اس کے دیئے گئے ایڈریس پر گئے تھے اور واپس آ کر جو خبر انہوں نے دی تھی وہ لالہ رخ کو پاگل کردینے کو کافی تھی۔ لالہ رخ کے گھر کو آگ لگ چکی تھی اس رات سب کچھ جل کر تباہ ہوگیا تھا اور اس کے بچے بھی اس آگ میں جل کر خاک بن گئے تھے۔ افشاں کے بارے میں بس اتنا پتا چل سکا تھا کہ مرنے والی ایک خاتون دو بچیاں اور ایک بچہ تھا۔

لالہ رخ سمجھ گئی تھی کہ افشاں اور اس کی بچی بھی اس کے بچوں سمیت مرگئی ہے۔ وہ کسی طرح ضیاء تک پہنچنا چاہتی تھی لیکن ضیاء باہر واپس جاچکا تھا۔ ماسٹر صاحب نے اپنے طور پر پتا کیا تھا ہمایوں بھی ملک چھوڑ چکا تھا۔ کیس پولیس کی تحویل میں تھا لیکن پیروی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ لالہ رخ کئی دن تک پاگلوں کی طرح روتی رہی ان دونوں میاں بیوی کی کوئی اولاد نہ تھی دونوں اس کے دکھ پر دکھی تھے۔ دونوں اس کا بیٹی کی طرح خیال رکھ رہے تھے۔ لالہ رخ خود باہر جانا چاہتی تھی لیکن انہوں نے روک لیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ باہر ابھی بھی بہت سے لوگ اس کے تعاقب میں ہوں گے بہتر ہے وہ بھی گم نام ہی رہے۔ حالات بہتر ہوں گے تو وہ خود ہی اسے لے کر تھانے جائیں گے۔

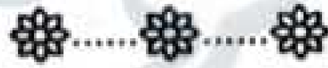
وقت کب رکا تھا وقت کا تو کام ہی چلتے رہنا تھا۔ لالہ رخ کا صدمہ ایسا تھا کہ شاید ہی بھر پاتا۔ وہ جب تک سنبھلی ماسٹر صاحب فوت ہوگئے تھے اور لالہ رخ جو اُن خاتون کو اماں بی کہنے لگی تھی وہ اپنا دکھ بھول کر ان کو سنبھالنے لگ گئی تھی۔ خالہ بی نے سب سے اسے اپنی بھانجی کہہ کر متعارف کروار کھا تھا اور خالہ بی کا چند ایک رشتہ داروں کے علاوہ اس دنیا میں اور کوئی تھا بھی نہیں۔ سب کی اپنی اپنی زندگی تھی کون کسی کے لیے اتنی دیر رکتا۔

لالہ رخ کا تو سب کچھ ختم ہوچکا تھا۔ شوہر اور ایک بیٹی کو ہمایوں کے آدمی قتل کرچکے تھے' گھر کو آگ لگادی گئی تھی افشاں اس کی بچی اور اس کے اپنے دونوں بچے جل گئے تھے اب وہ واپس جاتی تو کس کے پاس؟ افشاں کا پرانا گھر بند تھا۔ وہ کس کے پاس جاتی اور کس لیے۔ اس کے پاس اب بچا بھی کیا تھا۔ دنیا کے اصل رنگ کو اس نے بہت قریب سے دیکھا تھا' زندہ رہنے کی لگن اور خواہش جیسے ختم ہوگئی تھی اب تو بس سانس کی ڈور کو نبھانا تھا سو وہ سب کچھ بھلا کر خود کو کسی کال کوٹھڑی میں بند کرتے زندہ رہنے کا طریقہ سیکھ گئی تھی۔ وہ اماں بی کا سہارا بن گئی تھی اور اماں بی اس کے دکھوں کا مداوا۔ خود کو مصروف رکھنے کے لیے محلے کے بچوں کو پڑھانا شروع کردیا تھا ان میں ایک ہادیہ بھی تھی ایک پیاری سی گول مٹول سی بچی۔

ہادیہ میں انہیں اپنی رابعہ دکھائی دیتی تھی۔ ہادیہ سے انہیں خاص انسیت پیدا ہوگئی تھی۔ وہ تھانے پولیس ہمایوں ہر طرح کے جھمیلوں کو بھلا کر خود کو مصروف کر چکی تھیں۔ یہاں کوئی بھی ان کی حقیقت نہیں جانتا تھا سو وہ لالہ رخ سے آپی جان بن گئی تھیں۔ وقت بہت تیزی سے گزر رہا تھا۔ ماہ و سال بیتتے چلے گئے تو ان کے وجود پر بھی نشان ثبت ہوتے گئے لیکن لالہ رخ کے حسین سراپے کی وہ دلکشی وہ رعنائی سوز اور وقار میں ڈھل کر انمی اور بھی پر وقار بنا گئی تھی۔

ہادیہ کے گھر والے وہاں سے شفٹ ہوگئے تھے لیکن ہادیہ کبھی کبھار ملنے آجاتی تو انہیں لگتا کہ ان کی پیاسی ممتا سیراب ہونے لگی ہے اور پھر بہت سالوں بعد انہیں وہ چہرہ دکھائی دیا تھا۔ نام بھی رابعہ تھا لیکن باپ کا نام مختلف تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ ان کے بچے مر چکے ہیں لیکن رابعہ کو دیکھ کر دل میں خوش گمانیاں سی پیدا ہونے لگی تھیں۔ ہوسکتا ہے رابعہ اور سکندر زندہ ہوں اس خانہ بدوش عورت نے اس سے جھوٹ بولا ہو لیکن ان کی رابعہ اور اس رابعہ میں بے پناہ مماثلت ہونے کے باوجود وہ اس سے کچھ بھی نہ پوچھ سکی تھیں۔ وہ دوسری بار ملیں تو دل اور بے قرار ہوا تھا اور پھر تیسری بار رابعہ کے ساتھ اس کی بہن شہوار بھی تھی انہیں لگا کہ جیسے شہوار ان کی ننھی عائشہ ہو۔

شہوار کا رنگ و روپ نین نقوش بھی چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ دونوں میں کچھ نہ کچھ مماثلت ہے لیکن وہ پھر دل پر پتھر رکھ گئی تھیں لیکن ہادیہ کی زبانی رابعہ کے حقیقی باپ کا سن کر وہ چونکی تھیں۔ سکندر کا ماضی کیا تھا وہ کون تھا انہیں کبھی خبر نہ ہوئی تھی بس ایک بار سکندر نے یہ ضرور بتایا تھا کہ وہ سبحان احمد کا لے پالک بیٹا ہے۔ وہ کس خاندان سے تھا کون تھا کبھی جاننے کی جستجو ہی نہ کی تھی اور اب سب جان کر وہ رہ نہیں پائی تھیں۔ نجانے انہیں کیوں لگ رہا تھا کہ رابعہ اور شہوار کے والد اور ان کے سکندر میں کوئی قدر مشترک ضرور ہے بس یہی کشش ان کو یہاں تک کھینچ لائی تھی اور آج وہ ثریا بیگم اور رابعہ کے سامنے اپنی گزری زندگی کا حرف حرف سنا رہی تھیں۔

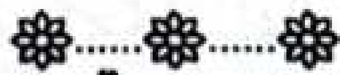


ثریا بیگم نے فیضان صاحب کو کال کی اور فوراً پہنچنے کا کہا تھا۔ ساتھ میں ولید اور شہوار کو بھی لانے کا کہا تھا۔ انہوں نے ولید کو کال کی تھی کچھ دیر بعد ولید آ گیا تھا ولید اور شہوار کے ہمراہ وہ سہیل کی طرف چلے آئے تھے لیکن وہاں آ کر تو جیسے ایک قیامت ان کی منتظر تھی۔

''دیکھیں تو سہی فیضان......! کون آیا ہے؟'' وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئے تھے ثریا بیگم نے آنسوؤں سے بھیگی آواز میں کہتے ایک وجود کو ان کے سامنے کیا تھا اور لالہ رخ اور فیضان کو لگا کہ جیسے ان کے اطراف میں ہزاروں بم پھٹ گئے ہوں۔

''لالہ رخ......'' وہ پکارے تھے۔

''سکندر......'' وہ سسکی اور ان کے عقب میں کھڑے ولید اور شہوار دونوں اپنی جگہ پتھر بن گئے تھے۔ لالہ رخ کو بازوؤں کے حصار میں لے کر روتی رابعہ کا وجود ایک لہراتی ڈال بن گیا تھا۔



مصطفیٰ حیران تھا اگر لالہ رخ زندہ تھیں مرنے والی افشاں بھی نہ تھیں تینوں بچے بھی زندہ تھے تو پھر وہ مرنے والی عورت اور تینوں بچے کون تھے؟ ایسا سوال تھا کہ سبھی الجھے ہوئے تھے۔ لالہ رخ کو مصطفیٰ کی طرف لے آئے تھے اماں بی بھی ساتھ تھیں سبھی وہاں جمع تھے صبوحی افشاں وقار ضیاء ثریا بیگم اور بھی نجانے کون کون، کہانی ہی کچھ ایسی تھی جو سنتا حیران ہوتا۔ ایک بکھرا ہوا خاندان آج ایک مرکز پر جمع ہوا تھا اور فیضان اس بکھرے ہوئے خاندان کا وہ ٹوٹا ہوا تارا تھا جو سالوں سے اپنے مدار سے ٹوٹ کر خلا کی وسعتوں میں چکر کاٹ رہا تھا وہ ٹوٹا ہوا تارا اپنے مدار سے کیا آکے ملا تھا گویا سبھی افراد ان تک آ پہنچے تھے۔

لالہ رخ بے یقین تھیں بے یقین تو فیضان ولید شہوار اور رابعہ بھی تھے۔ وہ سب ایک دوسرے کے لیے مر چکے تھے اور کہیں نہ کہیں زندگی کے مدارج طے کر رہے تھے اور آج سب اکٹھے تھے۔

بابا صاحب اپنے بیٹے کے خاندان کو پھر سے آباد دیکھ کر ایک دم نہال ہوگئے تھے۔ وہ پھر سے اپنے اندر زندگی کی حرارت محسوس کرنے لگے تھے۔ انہوں نے دل کھول کر صدقہ و خیرات کیا تھا۔

مصطفیٰ نے امجد خان کو بلوالیا تھا' امجد خان لالہ رخ سے مل کر حیران ہوا تھا۔
''یہ کیسے ممکن ہے سر! لالہ رخ زندہ ہے تو پھر وہ عورت اور تینوں بچے کون تھے؟'' وہ خود بھی حیرت زدہ تھا۔
''اللہ بہتر جانتا ہے لیکن آج ایک بات پر یقین اور بھی پختہ ہوگیا کہ جسے اللہ بچانا چاہے اسے کوئی بھی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ لالہ رخ اور اس کے سارے خاندان کو ہمایوں نے ختم کرنا چاہا تھا اور اپنی طرف سے کر بھی چکا تھا لیکن قدرت نے کیسے کیسے انداز میں اور کن کن لوگوں کے توسط سے لالہ رخ اور اس کے شوہر اور بچوں کی حفاظت کی تھی۔'' امجد خان حیرت سے ساکت تھا۔
''تمہیں میں نے ان مرنے والوں' بچوں اور عورت کی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ حاصل کرنے کو کہا تھا۔''
''جی سر......! میں نے بہت کوشش کی تھی کہ کسی طرح وہ رپورٹس مل جائیں لیکن نہیں مل سکی۔''
''کیوں؟''
''لاشیں اس قدر جل چکی تھیں کہ ثبوت اکٹھے کرنا ناممکن سی بات تھی پھر بھی پوسٹ مارٹم کے بعد جو رپورٹ بنی تھی وہ شکوک وشبہات پر مبنی تھی میں پھر پتا کرتا ہوں شاید کچھ اصل حقائق مل جائیں' اب تو میں بھی اس کیس کے اصل سرے تک پہنچنا چاہتا ہوں آخر ہمیں بھی تو پتا چلے کہ وہ مرنے والے کون تھے؟'' مصطفیٰ نے پرسوچ نظروں سے امجد خان کو دیکھا۔
''کچھ دن پہلے میں نے آپ کے بیٹے کی شادی اٹینڈ کی۔'' مصطفیٰ نے پرسوچ لہجے میں کہا تو امجد خان نے سر ہلایا۔ وہ دونوں لالہ رخ سے ملنے کے بعد ڈرائنگ روم میں آگئے تھے اور تب سے مسلسل اسی کیس کو ڈسکس کررہے تھے۔
''آپ نے کبھی نہیں بتایا تھا کہ آپ کا ایک بیٹا بھی ہے اور آپ نے دو شادیاں کررکھی ہیں۔''
''ایم سوری سر...... لیکن یہ بہت ذاتی سا سوال ہے اور آپ جانتے ہیں کہ میں نے کبھی اپنی ذاتیات کو ڈسکس نہیں کیا۔'' مصطفیٰ نے سر ہلایا۔
''آپ نے جب مجھے یہ فائل دی تھی تو کہا تھا کہ اس کیس سے اور ہمایوں سے متعلق معلومات کو اکٹھا کرنے کے پیچھے کچھ خاص وجوہات تھیں۔ میں نے وجوہات کے بارے میں پوچھا تھا تو آپ نے کہا تھا کہ وقت آنے پر بتاؤں گا' میں اب وہ سب وجوہات جاننا چاہتا ہوں۔'' امجد نے ایک گہرا سانس لیا۔
''سب سے پہلی وجہ یہ تھی کہ میں لالہ رخ کی والدہ کے ملازمین کی اولاد میں شمار ہوتا تھا اور جب ان کی ناگہانی حادثاتی موت کے بارے میں کئی ماہ بعد سنا تو میں پریشان ہوگیا تھا۔ ان کے شوہر غائب تھے جس سے بھی ملا کچھ اور ہی سننے کو ملا پھر کیس کا رخ ضیاء صاحب اور ان کی بیگم افشاں کی طرف بھی جاتا تھا جو کیس درج تھا اس کے مطابق جلنے والی افشاں اور لالہ رخ کے دو بچے تھے لیکن بعض لوگوں کے خیال میں اس کیس کے پیچھے سکندر صاحب کا ہاتھ ہے جبکہ ضیاء صاحب کی طرف سے جو کیس دائر کیا گیا تھا اس کے مطابق یہ سارا کیا دھرا ہمایوں کا تھا۔ مختلف پوائنٹس تھے جو ملے تھے پھر ان کی روشنی میں جائزہ لیا تو جو جو معلومات حاصل ہوئیں وہ سب اس فائل میں درج تھیں جو آپ کو دی تھی لیکن سب سے زیادہ اہم وجہ جو اس کیس میں انوالو ہونے کا سبب بنی تھی وہ میری بیوی اور میرے بچوں کا غائب ہوجانا تھا۔'' امجد خان نے کہا تو مصطفیٰ چونکا۔
''کیا مطلب؟''

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارا

سمیرا شریف طور

پھر سن رہا ہوں گزرے زمانے کی چاپ کو
بُھولا ہوا تھا دیر سے میں اپنے آپ کو
رہتے ہیں کچھ ملول سے چہرے پڑوس میں
اتنا نہ تیز کیجئے ڈھولک کی تھاپ کو

السلام علیکم!
مزاج بخیر۔
آج جب ٹوٹا ہوا تارا ناول مکمل ہو چکا ہے تو اس کی آخری قسط لکھتے ہوئے میری عجیب سی کیفیت ہے۔ اس ناول کو مکمل ہونے میں تقریباً ۴۴ ماہ لگے ہیں۔ ان ۴۴ ماہ میں جہاں میرے اس ناول کے کرداروں کی زندگی میں مختلف نشیب و فراز آئے وہیں میری اپنی ذاتی زندگی میں بھی بہت سی تبدیلیاں رونماء ہوئی ہیں۔ یہ ناول ۲۰۱۲ء کے نومبر میں شروع ہوا تھا۔ جب میں نے اس کو لکھنا شروع کیا تو مجھے قطعی اندازہ نہ تھا کہ یہ اتنا طویل ناول ہو جائے گا۔ میرا خیال تھا کہ کم از کم ۲۰، ۲۵ اقساط ہوں گی لیکن اس ناول کے پلاٹ نے ایسا الجھایا کہ کسی اور طرف دھیان ہی نہ رہا۔ زندگی میں اور بھی مصروفیات تھیں لیکن چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اس ناول کے بارے میں ہی ذہن الجھا رہتا۔ اب اگلی قسط میں یہ لکھنا ہے، اس طرح کرنا ہے۔ میں ان ۴۴ ماہ تک اس ناول کے ساتھ رہی ہوں۔ دن رات، صبح شام...... اور بس یہی کوشش رہی کہ ناول بہت ٹاپ پر جانا چاہیے۔

کافی پرانی بات ہے تب لوگ صرف ریڈیو بہت سنا کرتے تھے تب ایک دن ایک پروگرام میں فرمائشی غزل کا سلسلہ چل رہا تھا۔ کہیں سے چمکتے چاند کو ٹوٹا ہوا تارا بنا ڈالا کی فرمائش آئی تھی۔ غزل چلی اور ہم نے سنی۔ میری سس (بشریٰ) کہتی ہے سمیرا اس پر ایک کہانی بن سکتی ہے۔ بس وہیں بیٹھے بیٹھے کہانی بن گئی۔ وقت کے ساتھ ساتھ ہم اس کہانی پر ڈسکشن کرتی رہتی تھیں۔ اب یہ ہوگا، فلاں وہ ہوگا، لیکن میرے پاس یہ ریٹن فارم میں نہیں تھا۔ پھر میرا پبلشنگ کیریئر شروع ہوا، بشریٰ نے کئی بار کہا کہ یہ ناول لکھو مگر میں ٹالتی رہی کہ میں اس کو محض دو تین اقساط میں نبٹا کر پلاٹ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بہت سے ناولز چھپے۔ بہت سا وقت گزرا...... لوگوں نے بہت عزت دی، محبت، شہرت ملی...... پھر ایک مقام آیا کہ مجھے لگا کہ اب اس ناول پر لکھنے کا وقت آ چکا ہے۔ اور پھر میں نے اس پر کام کرنا شروع کیا۔ آپ قارئین بہنوں نے میرے اس سفر میں میرا بہت ساتھ دیا۔ جس کے لئے میں تہہ دل سے آپ کی مشکور ہوں۔

اس ناول کے دوران زندگی میں بہت سی مصروفیات دامن گیر رہیں۔ اپنی اکیڈمی کی مصروفیات (جو کہ شادی کے بعد ختم ہو چکی ہیں)، ۲۰۱۳ء میں بھائی اور بہن کی شادی ہوئی (ماشاء اللہ دونوں کے اب دو دو بیٹیاں ہیں) لاسٹ ایئر مئی میں میری اپنی شادی ہوئی۔ اپنے گھریلو مسائل و مصروفیات۔ بہت بار ایسا ہوا کہ میں قسط نہ لکھ پاتی تھی اور پھر طاہر بھائی کی کال آتی تو بڑی مشکل سے وقت نکال کر کچھ نہ کچھ لکھنا پڑتا۔

اس ناول میں، میں نے ایک ایک لفظ بہت دل، محنت و محبت سے دل لگا کر لکھا ہے اور خاص کر صرف آپ قارئین، بہنوں کے لئے لکھا ہے...... میں نے جب یہ لکھنا شروع کیا تھا تو یقین تھا کہ اس کو ایک بہت زبردست ناول بنانا ہے اس کے لئے میں نے اول و آخر کوشش کی...... یہ ایک تخیلاتی کہانی ضرور تھی لیکن میں نے اس میں ہمیشہ کوشش کی کہ حقیقت کا تاثر برقرار رہے۔ جب کوئی پڑھنے بیٹھے تو اسے ماورائی باتیں نہ لگیں۔ اپنی پہنچ سے دور کردار نہ دکھیں، بلکہ ہر ممکن کوشش کی کہ یہ کہانی سب کے جذبات و احساسات کی ترجمان بن جائے۔ جو بھی پڑھے اسے اپنی فیلنگز اس میں دکھائی دے۔ اس میں، میں کہاں تک کامیاب رہی اس کا پتا مجھے ہر ماہ آپ سب بہنوں کے فیڈ بیک سے چلتا رہا۔ تنقید، تعریف ہر پہلو کو میں نے بہت غور سے پڑھا اور نوٹ کیا اور پھر کہانی لکھتے ہوئے اُس کو ذہن میں بھی رکھا۔ میں نے اول روز سے جو کہانی کا پلاٹ بنایا تھا آخر تک وہی رہا لیکن آپ قارئین بہنوں کی آراء کی روشنی میں اس کہانی کو سنوارا ضرور ہے۔

آج کل شوشل میڈیا نے بہت ترقی کرلی ہے خصوصاً فیس بک پر تو چھوٹی سے چھوٹی بات پر بھی تعریف وتنقید اور بحث و مباحثہ چلتا رہتا ہے۔ اس کہانی کے ایک ایک پوائنٹ پر بات ہوتی تھی، ایک ایک کردار کو ڈسکس کیا جاتا تھا۔ یہ شوشل میڈیا یہ ہماری صلاحیتوں کو پرکھنے کا ایسا مقام ہے جہاں بے تحاشا تعریف ہے تو اسی حساب سے تنقید بھی۔ فیس بک پر اس ناول کی ایک ایک قسط پر نہ صرف ہر ماہ تبصرے چلتے رہے بلکہ قارئین کی آراء نے بھی مجھے متاثر کیا۔ ذاتی تنقید کا بھی سامنا رہا...... فیس بک پر اس کا گروپ بنانے والوں میں ایک بہت ہی پیاری دوست میرب عباسی (نازیہ عباسی) ہے...... اس کے علاوہ لبنیٰ خالد، سدرہ مرتضیٰ، فہمیدہ انجم، رابعہ (روشنی روشانے) آمنہ نور، پری اصبار، مہر ڈاہری، حنا مہر، شہنی خان اور بھی بہت ساری بہنیں جن کی محبتیں اور اصلاحی تنقید شاملِ حال رہی ہیں...... اور میں ان سب کے تعاون اور محبتوں کی مقروض ہوں۔

اب بات کرتی ہوں ناول کی۔ اس ناول کا مرکزی کردار سکندر یا فیضان تھا جو کہ اس ناول کا ٹوٹا ہوا تارا تھا جسے بابا صاحب نے بچپن میں ہی خود سے جدا کر دیا تھا اور یہ وجود اجنبیوں کی زندگی میں اپنی زندگی کے مدارج طے کرتا رہا۔

یہ تین جنریشنز پر مشتمل کہانی تھی ولید یا شہوار لوگوں کا حال، لالہ رخ اور سکندر کی زندگی کے اتار چڑھاؤ پر مبنی ماضی اور بابا صاحب کے خواب کی کہانی...... یہ کہانی بابا صاحب کے خواب سے شروع ہوئی تھی اور اس ساری کہانی نے اس خواب کی حقیقت تک کی تلاش کی کوشش کو اپنے اندر سمو کر لوگوں کے سامنے لانے کی کوشش کی تھی۔ زندگی میں کبھی سے بہت سی غلطیاں ہوتی ہیں بابا صاحب سے بھی ہوئی اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ ضمیر کی خلش کا شکار ہوتے رہے...... اور یہی خلش ان کو خواب بن کر ڈرانے لگی۔

سکندر جس نے حقیقی رشتے نہیں دیکھے تھے اس ساری کہانی میں سب سے زیادہ اسی نے Suffar کیا اور اپنے سب رشتوں کو کھو دیا...... لالہ رخ ایک مثبت کردار تھا سب سے کم میں نے اسی کردار پر لکھا لیکن سب سے زیادہ اٹریکٹو ماضی کا یہی کردار تھا جس کی وجہ سے سکندر کی زندگی میں آنے والے مصائب تھے جو سب کو بکھیر کر رکھ گئے۔

مصطفیٰ، ولید، شہوار، انا یہ سب حال کے کردار تھے اور سب کے محبوب بھی......کبھی شہوار نے سب کو بہت تنگ کیا تو کبھی انا نے سب کو اریٹیٹ کیا اور کہیں ولید نے سب سے مہذبانہ انداز میں گالیاں کھائیں لیکن یہی کردار اس کہانی کو ایک مضبوط پلاٹ فراہم کرنے کا سبب بنے۔

اس کہانی میں، میں نے ہر ممکن کوشش کی کہ کوئی بھی کردار نظر انداز نہ ہو، چاہے وہ نیگیٹو کردار ہو یا پازیٹو، ہیرو کا ہو ولن کا، ہیروئن ہو یا کوئی اولڈ کردار میں نے ہر ممکن کوشش کی کہ سبھی کے ساتھ انصاف کروں......یہ ایک خاندانی کہانی تھی۔ اس میں، میں نے کزنز شپ پر لکھا لیکن کوشش کی کہ کہیں بھی کوئی عامیانہ پن نہ ہو وہی ہو جو حقیقت ہو، ہلکا پھلکا انداز گفتگو رکھا۔

اس کہانی میں میرے سب سے زیادہ فیورٹ جو کردار تھے وہ ولید اور انا کے تھے اور سب سے زیادہ نظر انداز ہونے والا کردار انا کا تھا میری شادی سے پہلے تک یہ کردار بہت اچھا چل رہا تھا لیکن میری شادی کے بعد میں کچھ ایسی الجھی کہ اس کردار کے ساتھ کئی مقام پر زیادتی ہوئی مجھ سے......اور اس کے ساتھ ساتھ ولید کے کردار کے ساتھ زیادتی ہوئی۔ لیکن لاسٹ تک میں نے کوشش کی کہ ان کے ساتھ ہونے والی وہ لاشعوری زیادتی کا ازالہ ہو جائے......اس میں کہاں تک کامیاب رہی ہوں یہ آپ نے بتانا ہے۔

یہ کوئی رومینٹک ناول نہ تھا اور اس ناول میں، میں اپنے رائٹنگ اسٹائل سے ہٹ کر لکھنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے کوشش کی کہ اس ناول میں رومینس صرف فیل ہو، سب کی محبت، خلوص، چاہت میں اور کہانی کے پلاٹ میں لیکن دکھائی نہ دے۔ بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ یہ ناول اگر بہت زیادہ رومینٹک ہوتا تو بہت کامیاب رہتا لیکن اس بات نے مجھے چیلنج دیا تھا کہ اگر کہانی میں رومینس کو بہت کھول کر (ولگر پن جیسا کہ آج کل بہت سے ناولز میں بہت سی رائٹرز لکھ بھی رہی ہیں) بیان نہ کروں تو کیا میری یہ کہانی کامیاب نہیں ہوگی؟

لیکن قارئین کی آراء نے مجھے احساس دلایا کہ میری یہ کوشش کامیاب رہی ہے۔ یہ میرا دوسرا طویل ترین ناول ہے۔ (پہلا یہ چاہتیں، یہ شدتیں جو کہ ۳۵ اقساط پر مشتمل تھا) اس ناول سے مجھے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ اس کا اختتام لکھ چکی ہوں، اب یہ ناول آپ کو کیسا لگا اس کا فیڈ بیک آپ نے دینا ہے۔ میں کامیاب رہی یا ناکام صرف کسی ایک قسط کو پڑھ کر فیصلہ نہیں کرنا بلکہ مکمل ناول کی روشنی میں اپنی قیمتی آراء سے آگاہ کرنا ہے۔

میں آپ سب کی محبتوں کی بہت مقروض ہوں۔ کوشش کروں گی کہ اس ناول کے بعد اسٹاپ نہ لوں اور ایک اور اچھا سا پلاٹ لے کر آپ کے سامنے آؤں۔ آج کل طبیعت خراب رہتی ہے۔ میرے لئے خصوصی طور پر دعا کیجئے گا۔

ایک بار پھر میری کامیابیوں میں سب سے زیادہ حصہ آپ کا ہے۔ امید ہے آپ سب کو یہ ناول پسند آیا ہوگا۔ اس ناول کے بارے میں اپنا فیڈ بیک ضرور دیجئے گا۔ میں آپ کی ہر طرح کی آراء کی منتظر رہوں گی۔

آپ کی محبتوں کی متلاشی آپ کی دعاؤں کی طالب

سمیرا شریف طور

❀......❀......❀

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

بابا صاحب کے کمزور اعصاب اپنے بیٹے کے مل جانے کی خوشی سنبھال نہیں پاتے جب ہی ایک دم نڈھال سے ہوجاتے ہیں فوری علاج کے بعد ان کی طبیعت سنبھل جاتی ہے۔ دوسری طرف فیضان بھی شہوار کے روپ میں اپنی بیٹی سے مل کر بے حد خوش ہوتے ہیں اور ولید سے ملنے کی خاطر سب گھر والوں کے ساتھ افشاں اور ضیاء کے گھر پہنچ جاتے ہیں۔ سکندر کو اپنے سامنے پاکر سب دنگ رہ جاتے ہیں ولید کے لیے بھی یہ صورت حال بہت حیرت انگیز ہوتی ہے ایسے میں فیضان اپنی بیٹی رابعہ کو بھی وہیں بلا لیتے ہیں اور اس کا تعارف سب سے کراتے ہیں اس طرح رابعہ پر بھی بہت سے نئے رشتوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ شہوار اپنی بہن رابعہ کو پاکر بے حد مسرور ہوتی ہے رابعہ ایک نئی حیثیت سے بابا صاحب سے ملنے گھر پہنچتی ہے اور وہاں اس کا والہانہ خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ عباس کے لیے بھی یہ ساری صورت حال خوش گوار ہوتی ہے۔ ہادیہ اور ابوبکر کی شادی میں فیضان کی ملاقات امجد خان سے ہوتی ہے جو کہ ابوبکر کے باپ کی حیثیت سے وہاں موجود تھا وہ سکندر اور ان کے بچوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے۔ ہادیہ کی آپی رابعہ اور شہوار کو شادی میں دیکھ کر چونک جاتی ہیں اور رابعہ کے والد فیضان کا جان کر افسردہ ہوجاتی ہیں لیکن پھر ہادیہ سے رابعہ کا نمبر لے کر بالمشافہ ملاقات کی غرض سے ثریا بیگم کے پاس جاتی ہے اور انہیں ماضی سے آگاہ کرتے اپنی اولاد کے بچھڑنے اور رابعہ سے مماثلت کا بتاتی ہیں ثریا بیگم لالہ رخ کے یوں اچانک سامنے آنے پر دنگ رہ جاتی ہیں۔ کاشفہ ہر طرف سے مایوس ہوکر خودکشی کرلیتی ہے ڈاکٹر اس کی جان بچانے میں ناکام رہتے ہیں عادلہ کے لیے بہن کی موت ایک کڑا مرحلہ ہوتا ہے اور گھر کی تنہائی اس کے لیے عجیب اذیت کا سبب بنتی ہے۔ انا اپنے گزشتہ رویوں کی معافی ولید سے مانگ کر موجودہ صورت حال کو درست کرنا چاہتی ہے تاکہ اس کی شادی حماد سے نہ ہوسکے اس غرض سے وہ ولید پر اپنے جذبات کا اظہار کرکے مدد طلب کرتی ہے لیکن ولید کے رویے کی لاتعلقی اسے توڑ دیتی ہے اپنی ذات کا مان کھو کر وہ آنے والے حالات اور سزا کے لیے خود کو تیار کرلیتی ہے جبکہ روشنی بھی اس سلسلے میں اس کی کوئی مدد نہیں کرپاتی۔ مصطفیٰ امجد خان کی دوسری شادی اور ابوبکر کو بیٹے کے روپ میں دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے ثریا بیگم لالہ رخ کی موجودگی میں فیضان کو بلواکر تمام خاندان کو ایک جگہ جمع کردیتی ہیں جبکہ رابعہ اپنی ماں کو پاکر حیرت وانبساط کا شکار ہوجاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



افشاں، خالہ کو اپنے ہمراہ لے آئی تھیں، ان کی بہو ساجدہ بھی ہمراہ تھی جبکہ بیٹے کو باقاعدہ علاج کے لیے ہسپتال داخل کروادیا تھا اور دونوں بچوں کو اچھے اسکول میں داخلہ مل گیا تھا۔ خالہ بی ان سب لوگوں سے مل کر بہت خوش تھیں دوسری طرف لالہ رخ اماں بی کو اپنے ساتھ لائی تھیں۔ وہ لوگ چند دن شہر میں رہے تھے اور پھر بابا صاحب، فیضان، لالہ رخ، اماں بی، ثریا بیگم اور بھابی کے ہمراہ حویلی روانہ ہوگئے تھے۔ سہیل کچھ ضروری امور کی وجہ سے رک گیا تھا جبکہ رابعہ کو سب نے شاپنگ کا بہانہ بنا کر روک لیا تھا۔ باقی ان سب نے شادی کے نزدیک گاؤں جانا تھا، ولید بھی کبھی مصطفیٰ کی طرف تو کبھی ضیاء صاحب کی طرف پایا جاتا تھا۔

شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں، انا نے بھی رونا چھوڑ کر اپنے دل کو مار کر حالات سے سمجھوتہ کرلیا تھا۔

حماد پاکستان آچکا تھا تاہم انا کی اس سے نہ ہی ملاقات ہوئی تھی اور نہ ہی فون پر رابطہ ہوا تھا۔

افشاں، صبوحی کے ساتھ مل کر شادی کی تیاریوں میں پیش پیش تھیں۔ انا اپنے کمرے سے باہر آئی تو روشنی، صبوحی اور افشاں اچھا خاصا بکھیڑا پھیلائے بیٹھی ہوئی تھیں جبکہ خالہ بی پاس ہی صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ افشاں نے اسے دیکھا تو مسکرا کر اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔

"باباصاحب کے ہاں رسم ہے لڑکی والوں کی طرف سے شادی بیاہ کا سارا خرچ لڑکے والے اٹھاتے ہیں تاکہ لڑکی والوں پر بوجھ نہ بنے انہوں نے تمہاری بری کا سارا سامان بھیجا ہے ایک دفعہ دیکھ لو۔" انہوں نے زرق برق چمکتے دمکتے خوب صورت ملبوسات اور دیگر اشیاء کی طرف اشارہ کرتے اسے کہا تو اس نے سنجیدگی سے بھی کچھ دیکھا تھا۔

"کمی تو ہم بھی کوئی نہیں رکھیں گے ماشاءاللہ سے ایک ہی بیٹی ہے ہماری جو کچھ بھی کریں کم ہیں۔" صبوحی بیگم نے بھی محبت سے بیٹی کو دیکھ کر کہا۔

"ویسے انا ہر چیز کی کوالٹی اعلیٰ پائے کی ہے بہت عمدہ ذوق رکھتے ہیں یار...... تمہارے سسرالی تو۔" روشی نے بھی چھیڑا لیکن انا کے چہرے کے زاویوں میں قطعی فرق نہ پڑا تھا۔

"یہ سامان کون دے کر گیا ہے؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"زہرہ بہن خود آئی تھیں۔" افشاں نے بتایا تو اس نے سر ہلا دیا۔

"تم کالج گئی ہوئی تھیں انہیں اور بھی کام تھے کچھ دیر بیٹھی اور پھر چلی گئیں۔" روشی نے مزید اضافہ کیا۔

"بس اللہ ساتھ خیریت کے وقت لائے میرے تو بہت سارے ارمان ہیں۔" صبوحی بیگم کے لہجے میں خالص ماؤں والی محبت تھی انا نے لب بھینچ لیے تھے تبھی ولید وہاں چلا آیا تھا۔ وہ آج کل مصطفیٰ کی طرف تھا سلام دعا کے بعد وہ روشی کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

"یہ سب کیا پھیلاوا پھیلا رکھا ہے؟" اس نے سنجیدگی سے انا کو دیکھتے بہن سے پوچھا۔

"انا کی سسرال سے سامان آیا تھا بس وہی دیکھ رہے ہیں۔" روشی نے مسکرا کر کہا ولید نے انا کو دیکھا اس کا چہرہ ایک دم لودینے لگا تھا۔

"آپ کدھر گم ہیں دو دن بعد چکر لگا رہے ہیں؟" کپڑوں کو سمیٹتے روشی نے پوچھا تو وہ مسکرایا۔

"گم کہاں ہونا ہے؟ میری بہن اور دو عدد کزنز کی شادی ہیں۔ عباس بھائی کی شادی میں چند دن ہی باقی ہیں وہاں تو خوب تیاریاں ہو رہی ہیں سب کو میں ہی نظر آ رہا ہوں ڈرائیور کے طور پر کبھی یہاں تو کبھی وہاں۔"

"یعنی خوب موجیں ہو رہی ہیں۔" روشی ہنسی۔

"شہوار کو ہی لے آتے بیٹا...... دو دن سے ملاقات ہی نہیں ہو سکی ٹھیک ہے نا وہ......؟" افشاں کو آج بھی شہوار سے وہی لگاؤ تھا ہر دوسرے دن اس سے ملنے جاتی تھیں۔ مصروفیات کے سبب دو دن سے نہیں جا سکی تھیں تو اب پوچھ لیا تھا۔

"بالکل ٹھیک ٹھاک ہے پھوپو زہرہ کی طرف گئی ہوئی ہے۔" میں نے ساتھ چلنے کو کہا تھا کہہ رہی تھی کہ شام میں رابعہ اور مصطفیٰ کے ساتھ آئے گی۔" انا کو دیکھ کر کہا تو انا کو لگا کہ جیسے اس کا خون جلنے لگا ہو۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں؟" روشی نے دیکھ کر پوچھا۔

"کھانا کھالوں کالج سے آنے کے بعد کچھ نہیں کھایا تھا۔" وہ کہہ کر وہاں سے نکل گی۔ کچن میں ساجدہ تھیں اسے دیکھ کر مسکرائی۔

"آپ کیوں کام کر رہی ہیں صغریٰ کہاں ہے؟"

"اسے افشاں باجی نے کچن کے لیے کچھ سامان لانے بھیجا ہے میں فارغ ہی تھی سوچا کوئی کام ہی دیکھ لوں۔" مسکرا کر کہا۔

"آپ کے شوہر تو اب کافی امپروو کر رہے ہیں آج بھی میں نے وارڈ کا چکر لگایا تھا فزیشن نے کافی امید دلائی

ہے کہ کچھ ماہ بعد ان شاء اللہ وہ سہارے سے چلنے کے قابل ہوجائیں گے۔" وہ اس کے ہسپتال میں ہی ایڈمٹ تھے انا ان کا خاص خیال رکھ رہی تھی۔ ساجد اور خالہ بی بہت مشکور تھیں اس کی۔

"ویسے اتنے سال بعد علاج کروایا جارہا ہے اس وجہ سے کافی پرابلمز ہو رہی ہیں اگر وقت پر علاج ہوجاتا تو اتنے مسائل نہ ہوتے۔" ساجدہ نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

"علاج کہاں سے کرواتے، بڑی مشکل سے پیٹ کا ایندھن میسر ہوجاتا تھا تو یہ بھی بڑی بات تھی، اللہ بھلا کرے افشاں باجی کا وہ جب سے لوٹی ہیں ان کے علاج کے لیے کوششیں کرنے لگی تھیں ورنہ ہم غریب لوگ کہاں اتنے مہنگے مہنگے علاج کرواتے۔" ساجدہ کی آواز میں گزرے وقت کا دکھ تھا۔ انا نے ایک گہرا سانس لیتے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ڈونٹ وری اب ہم سب ساتھ ہیں تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔ ہم لوگ آپ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑیں گے۔" اس نے دلاسہ دیا تو ساجدہ نے آنکھوں میں درآنے والی نمی دوپٹے کے پلو سے صاف کی۔

"جلدی سے کھانا دیں بہت بھوک لگی ہے۔" ساجدہ کا دھیان ہٹانے کو اس نے جلدی مچائی۔ ساجدہ نے بھی فوراً کھانا نکال کر اس کے سامنے ٹیبل پر رکھ دیا۔

ساجدہ کھانا دے کر کچن سے نکل گئی تھیں۔ وہ ابھی کھانا کھا رہی تھی جب ولید کچن میں داخل ہوا۔

"لگتا ہے میرا آنا تمہیں اچھا نہیں لگا؟" ولید نے کرسی کے پاس رکتے ہوئے کہا تو انا کو لگا جیسے اس کے تن بدن میں آگ ہی لگ گئی ہو۔

"بڑی خوش فہمیاں ہیں اپنے بارے میں۔" اس نے تلخی سے کہا، ولید تک دم ہنس دیا۔

"غلط فہمیاں نہیں کہہ سکتیں تم۔" انا نے بہت ضبط سے اسے دیکھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ یہ سب جان بوجھ کر کررہا ہے اسے ٹیز کرنے کے لیے۔

"کچھ چاہیے؟" ولید کے ہونٹوں پر موجود عجیب سی مسکراہٹ کو نظر انداز کرتے اس نے غصے سے پوچھا۔

"تم کیا دے سکتی ہو مجھے؟" انا کو لگا کہ جیسے ولید اس کا مذاق اڑا رہا ہو، اس نے ضبط سے لب بھینچ لیے۔

"ویسے بھی تم اس گھر میں اب چند دن کی مہمان ہو پھر تم اپنے حماد کے ساتھ رخصت ہوجاؤ گی، ایسے میں تم سے کچھ مانگتا میں اچھا تو نہیں لگوں گا۔" ولید نے مسکرا کر کہا۔ حماد کے ذکر پر انا کا جی چاہا کہ سامنے رکھا پانی کا گلاس اٹھا کر ولید کے سر پر دے مارے۔

"حماد سے ملاقات ہوئی تھی کافی خوش لگ رہا ہے۔ بڑے جوش وخروش سے شادی کی تیاریوں میں مصروف ہے۔" ولید کا انداز اب بھی جی جلانے والا تھا۔

"ظاہر ہے شادی ہے اس کی وہ خوش تو ہوگا ہی۔" وہ اب ولید کو خود پر کوئی بھی بات بنانے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی، ولید ہنس دیا۔

"دیٹس گریٹ، تم میں یہ چینج بہت اچھا لگ رہا ہے، آئی لائک اٹ۔" اپنی طرف سے تو اس نے ولید کو شرمندہ کرنا چاہا تھا لیکن ولید کے جواب پر وہ کلس کررہ گئی۔

"جب انسان اپنی مرضی اور پسند سے شادی کررہا ہو تو یقیناً وہ خوش بھی ہوتا ہے۔" وہ ولید کے سامنے کچھ دن پہلے اپنی انا اور وقار کو ایک طرف رکھ کر اظہار کرچکی تھی، اس کے بعد ولید نے جو جواب دیا تھا وہ اپنی جگہ مجرم بن گئی تھی اور اب اس نے سوچ لیا تھا دل کے جذبات کا خون ہو ہی رہا ہے تو پھر وہ کیوں اپنی نظروں سے گرے۔ جب صلیب پر چڑھنا

ٹے ہے تو پھر پورے وقار کے ساتھ سب کچھ برداشت کرے گی چاہے اس کو اپنے دل کے ہی ٹکڑے کرنے پڑیں۔

''ویری نائس۔'' ولید مسکرایا۔

انا کو لگا جیسے وہ اس کا مذاق اڑا رہا ہے' اس نے سختی سے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔ اس نے کھانے سے ہاتھ کھینچا' برتن اٹھا کر سنک میں رکھے اور اپنے لیے چائے کا پانی چولہے رکھ دیا۔

''میرے لیے بھی ایک کپ چائے پلیز۔'' ولید نے اسے برتن چولہے پر چڑھاتے دیکھ کر کہا۔

ولید وہاں مسلسل موجود تھا اسے اس کی موجودگی سے الجھن اور پریشانی ہو رہی تھی لیکن وہ صبر کرنے پر مجبور تھی۔ اس نے ولید کے کپ میں چائے ڈال کر اس کے قریب آ کر چائے کا کپ اسے تھمایا۔

''شکریہ۔'' ولید نے کپ تھام لیا۔ ''ویسے تم چائے بہت اچھی بناتی ہو' میں اب جب بھی اس گھر میں آیا کروں گا تمہارے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے کو بہت مس کیا کروں گا۔'' ولید کے الفاظ پر انا ساکت رہ گئی۔ وہ جو بڑی مشکلوں سے خود کو سنبھال رہی تھی پھر بکھرنے لگی۔ اس نے خود پر ضبط کرتے کچھ کہے بغیر باہر کی طرف قدم بڑھادیئے تھے۔

''رکو تو سہی......'' ولید فوراً اس کے سامنے آیا تھا۔ انا کے ہاتھ میں موجود کپ سے چائے چھلکی تھی اس نے بہت غصے سے ولید کو دیکھا۔

''سوری ڈیئر!'' ولید نے مسکرا کر کہا تو انا غصے سے دیکھ کر سائیڈ سے نکل کر باہر لان کی طرف آ گئی ولید بھی ساتھ ساتھ تھا۔

''مانا کہ تم میں یہ چینج اچھا لگ رہا ہے لیکن ایسی بھی کیا بے مروتی کہ تم سیدھے منہ بات کرنے پر ہی آمادہ نہیں۔'' وہ سیڑھیوں پر جا کر بیٹھی تو ولید نے بھی ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا۔ انا نے کپ سائیڈ پر پٹخا اور بہت غصے سے ولید کو دیکھا۔

''کیا چاہتے ہیں آپ؟'' اس کا انداز دوٹوک تھا۔

''بھئی ہم اچھے دوست ہیں کیا ہم اچھے انداز میں بات چیت بھی نہیں کرسکتے۔'' ولید نے بظاہر مسکرا کر کہا تھا۔ انا سلگ اٹھی' اس کا ضبط بالکل جواب دے چکا تھا۔

''نہیں ہیں' ہم اچھے دوست......'' اس کے انداز میں قطعیت تھی۔

''اس دن آپ کی گاڑی میں آپ کے سامنے میں نے نہ صرف اپنی انا کو ختم کرتے اپنے وقار کو ملیا میٹ کیا تھا بلکہ اس دن میں نے اپنے دل میں موجود انمول جذبوں کی بھی تذلیل کروالی تھی۔ آپ ضیاء ماموں کی بیٹے تھے میں آپ سے اس رشتے ناتے انسیت ولگاؤ محسوس کرتی تھی اب آپ کا ان سے کوئی خونی رشتہ نہیں اس لیے میرا بھی آپ سے کوئی رشتہ نہیں۔'' وہ تلخی سے بڑی شدت سے سچائی رد کر رہی تھی۔

''لیکن انا......'' ولید نے کچھ کہنا چاہا تو اس نے انگلی اٹھا کر اسے روک دیا۔

''میں نے ماضی میں جو غلطیاں کیں مجھے ان کا ادراک ہے۔ میں ان پر شرمندہ بھی ہوں اور معافی بھی مانگ چکی ہوں۔ آپ کا اور میرا اس سے بڑھ کر اب کوئی رشتہ نہیں' کبھی جو تھا وہ اب سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ میں حماد سے شادی کر رہی ہوں اور اس رشتے کو قبول بھی کر رہی ہوں تو آپ کو اب کیا مسئلہ ہے' کیوں بار بار میرے سامنے آتے ہیں بلکہ مجھے آپ سے کچھ بھی لینا دینا نہیں ہے۔'' وہ جو بات کرتے کرتے ہر بار آخر میں جذباتی ہو کر رونے لگتی تھی اس بار قطعی مختلف انداز میں بڑے حوصلے اور اعتماد کے ساتھ ولید کو سپاٹ نظروں سے دیکھتے اس نے یہ سب کہا تھا۔

''تم مجھ سے اس دن والی باتوں کو لے کر بہت خفا ہو نا؟'' اس کی اتنی ساری باتوں کے جواب میں ولید نے یہ کہا تو انا استہزائیہ ہنسی ہنس دی۔

''بڑی خوش فہمی ہے آپ کو اپنے بارے میں۔'' اس نے استہزائیہ انداز میں سر جھٹکا۔ ''ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ خفا اپنوں سے ہوا جاتا ہے اور میرا اور آپ کا ایسا کوئی رشتہ نہیں کہ میں آپ سے خفگی کا اظہار کروں۔''

''لیکن تمہارا ری ایکشن تو کچھ اور ہی کہہ رہا ہے۔'' ولید نے طنز سے جتایا اس نے غصے سے دیکھا۔ اس کا تن من جلنے لگا تھا' وہ غصے سے اٹھی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے جاتی ولید نے اس کا ہاتھ تھام لیا' اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''ایم سوری' تم میری وجہ سے اس دن ہرٹ ہوئیں لیکن تم جانتی ہو اب ایسا کچھ بھی ممکن نہ تھا۔ تم جو چاہتی تھیں میں جانتا ہوں تم کو دکھ ہوا تھا لیکن انا تم......''

''بس......'' انا نے غصے سے کہتے اپنا ہاتھ کھینچا۔ ''مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی اور پلیز آئندہ میرے سامنے مت آیئے گا' میں آپ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔'' بہت غصے سے کہہ کر تیزی سے وہ وہاں سے چلی گئی تھی۔ ولید نے ایک گہرا سانس لیتے اسے جاتے دیکھا تھا۔



رات کو شہوار انا کی طرف آئی تو ساتھ رابعہ بھی تھی ولید ابھی تک اُدھر ہی تھا۔ مصطفیٰ ساتھ آیا تھا۔ مصطفیٰ ولید کے ساتھ اس کے کمرے میں چلا گیا جبکہ رابعہ روشی کے ساتھ گپ شپ میں لگ گئی تھی۔ شہوار انا کے ساتھ اوپر ٹیرس پر چلی آئی تھی۔ انا گم صم سی تھی' شہوار نے اسے دیکھا۔ انا کے لیے وہ خود بھی افسردہ تھی۔

''ایک کام کروگی۔'' دونوں کے درمیان موجود خاموشی کو انا نے توڑا تو شہوار نے اسے دیکھا۔

''تم اپنے بھائی کو ہمارے ہاں آنے سے منع کردو۔''

''کیوں؟'' شہوار نے حیرت سے دیکھا۔

''تم میری دوست ہو لیکن ان سے ہمارا کوئی رشتہ نہیں۔ ماضی میں جو بھی رشتہ تھا وہ ماضی کا حصہ بن چکا ہے' میں نہیں چاہتی وہ ہمارے گھر آیا کریں۔''

''لیکن کیوں؟''

''یہ تو اپنے بھائی سے ہی پوچھنا' میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ میں بڑی مشکل سے اپنے تمام حوصلوں کو مجتمع کرتے اس شادی کے لیے خود کو تیار کرپائی ہوں اور یہ شخص ہر بار میرے سامنے آکر اپنی طنزیہ اور دل چیر دینے والی باتوں سے میرے زخموں کو کریدنے لگتا ہے اور میں ہر بار پلِ صراط کے عمل سے گزرتی ہوں۔ میں اپنی غلطیوں کی سزا جھیلنے کو تیار ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمہارا بھائی بار بار آکر میرے زخموں کو کریدے۔''

''اوہ......'' شہوار سب سمجھ گئی تھی۔ اس نے انا کا ہاتھ پکڑا۔

''میں تمہاری تکلیف کا اندازہ کرسکتی ہوں کاش میں کچھ کرسکتی۔ میں نے کئی بار ولید بھائی سے بات کی لیکن وہ اس موضوع پر بات ہی نہیں کرنا چاہتے اور باقی لوگ وہ سب اس طرح شو کررہے ہیں کہ جیسے کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ کبھی کبھار تو میرا دل چاہتا ہے کہ بابا صاحب کے پاس جاؤں اور ان سے ڈائریکٹ بات کروں۔'' شہوار کے لہجے میں انا کے لیے محبت اور خلوص تھا۔ انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

''جو ہونا تھا ہوچکا' میں نے خود ولید سے بات کی تھی۔'' وہ کچھ پل کو رکی تھی' شہوار نے حیرت سے اسے دیکھا۔

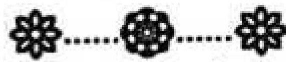
''پھر کیا کہا انہوں نے؟'' جواباً انا نے ولید کے ساتھ ہونے والی تمام گفتگو سنادی' شہوار نے بے یقینی سے سنا تھا۔

''مجھے یقین نہیں ہے ولید بھائی اتنے سنگ دل کیسے ہوسکتے ہیں؟'' انا خاموش رہی۔

"بخشوں گی نہیں میں اب انہیں، تم نے جو کچھ بھی کہا ان کی محبت میں کہا اور وہ بھلا کیسے ایسا رویہ اختیار کر سکتے ہیں؟ حماد سے رشتہ ہونا بڑوں کا فیصلہ تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس رشتے پر نظر ثانی نہیں ہو سکتی تھی لیکن ان سب نے اس بات کو اپنی عزت کا مسئلہ بنالیا ہے اور بس۔" شہوار کو ایک دم شدید غصہ آیا تھا۔

"جو بھی ہے وہ سب ایک طرف اتنے صاف اور واضح انکار کے بعد ولید بھائی کو اب تمہیں کو یوں تنگ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مجھے حیرت ہو رہی ہے ان پر وہ کیسے اتنے بے حس ہو سکتے ہیں؟" اسے غصہ بھی آ رہا تھا اور بس نہیں چل رہا تھا کہ ولید سامنے ہو تو وہ اس سے لڑ پڑے۔

"جو بھی ہے تم ان کو منع کر دو میں شادی کو قبول کر چکی ہوں، ٹھیک ہے ابھی یہ سب بہت مشکل لگ رہا ہے۔ اپنے جذبات واحساسات سب پر قابو پانا بھی بہت تکلیف دہ ہے لیکن میں ولید کے بار بار سامنے آجانے پر اس دہری اذیت سے چھٹکارا چاہتی ہوں، پلیز تم سمجھ سکتی ہو میں کس اذیت سے گزر رہی ہوں۔" وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی تو شہوار اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔ اس نے بہت محبت سے انا کو ساتھ لگا کر جذباتی سہارا دیا اور انا شہوار کا سہارا پا کر اور بھی ٹوٹ کر بکھری تھی۔



شہوار ولید کے کمرے میں آئی تو دونوں کسی بات کو لے کر اچھا خاصا مسکرا رہے تھے۔ شہوار کو دیکھ کر دونوں سنبھلے تھے۔ مصطفیٰ نے شہوار کو دیکھا وہ کھا جانے والی نظروں سے ولید کو گھور رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" مصطفیٰ نے پوچھا تو ولید نے بھی دیکھا۔

"مجھے آپ سے ایسی بے حسی کی قطعی امید نہ تھی۔" مصطفیٰ کے سوال کو نظر انداز کیے وہ ولید کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی، دونوں نے حیران ہو کر دیکھا۔

"کیا، کیا ہے میں نے؟" ولید نے حیران ہو کر شعلہ جوالہ بنی بہن کو دیکھا۔

"جب آپ انا کو صاف انکار کر چکے ہیں تو بار بار اسے یوں ٹینز کرنے کا کیا مطلب ہے؟" اس نے غصے سے پوچھا۔ ولید کو ایک پل میں سارا معاملہ سمجھ میں آ گیا تھا یعنی انا شہوار کے سامنے دل کے دکھڑے بیان کر چکی تھی۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا جبکہ مصطفیٰ ناسمجھی سے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری عقل مند دوست کے دماغ کا کچھ علاج کر رہا ہوں اس میں ٹینز کرنے کی تو بات نہیں۔" ولید کا انداز بڑا مطمئن تھا، شہوار کے تن بدن میں آگ سی لگی تھی۔

"آپ اتنے بے حس اور سنگ دل ہو سکتے ہیں میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ آپ کو ذرا بھی رحم نہیں آ رہا انا پر، اس نے جو کچھ کیا آپ کی محبت میں بے بس ہو کر کیا تھا۔ ٹھیک ہے اس نے آپ کے معاملے میں بے اعتباری دکھائی تھی لیکن بعد میں وہ سنبھل بھی گئی تھی، اس کے بعد وہ اتنی بڑی سزا کی مستحق تو نہیں تھی۔ آپ سب مل کر اس کے ساتھ جو کر رہے ہیں وہ اسے زندہ درگور کرنے کے لیے کافی ہے۔ اوپر سے آپ کا یہ ظالمانہ رویہ وہ تو وقت سے پہلے ہی مر جائے گی۔" شہوار کے لہجے میں انا کے لیے ترحم، محبت، پرواتھی جبکہ ولید کے لیے غصہ اور ملامت تھی۔

"اتنی نازک مزاج نہیں ہے تمہاری دوست کہ اتنی جلدی مر جائے۔ ابھی تو میں نے اسے ایسا کچھ بھی نہیں کہا جو تم اس کی سفارشی بن کر چلی آئی ہو۔" ولید پر تو شہوار کی کسی بات کا کوئی اثر نہ ہوا تھا وہ تو الٹا ہی بولنے لگا تھا۔ شہوار کو ولید کے رویے نے ازحد تکلیف دی تھی۔

"کیا بات ہے کچھ مجھے بھی تو بتاؤ؟" غصے سے شہوار کو ولید کو گھورتے پا کر مصطفیٰ نے پوچھا۔

''بہتر ہے ان سے ہی پوچھئے ویسے بھی آپ کے یارِ غار ہیں آپ کب ان کی حرکتوں سے بے خبر ہوں گے۔'' وہ تو مصطفیٰ پر بھی چڑھ دوڑی تھی اور پھر انگلی اٹھا کر ولید کو دیکھا۔

''ایک بات یاد رکھیے گا اب کی بار مجھے آپ کی کوئی شکایت ملی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ میں سیدھا بابا صاحب' امی (لالہ رخ) اور ابو (فیضان) کے پاس جاؤں گی پھر نبٹ لیں گے وہ آپ سے اچھی طرح۔'' غصے سے کہہ کر وہ جس آندھی طوفان کی طرح آئی تھی اسی طرح واپس چلی گئی تھی۔ مصطفیٰ نے سوالیہ نظروں سے ولید کو دیکھا تو وہ محض مسکرا دیا۔

''مسکرانے سے کام نہیں چلے گا شہوار کیوں خفا ہو رہی تھی آرام وسکون سے بتاؤ مجھے۔'' مصطفیٰ کا انداز صاف اور دو ٹوک تھا' ولید ہنس دیا۔



وہ تینوں گھر آئے تو بھی شہوار مصطفیٰ سے خفا خفا سی تھی۔ مصطفیٰ نے کئی بار اسے پکارا' متوجہ کیا لیکن وہ صاف نظر انداز کر گئی تھی۔ مصطفیٰ کمرے میں آیا تو بھی وہ سونے کی ایکٹنگ کرنے لگ گئی تھی۔

''میں جانتا ہوں تم جاگ رہی ہو اس لیے اب آرام وسکون سے اٹھ کر میری بات سنو۔'' مصطفیٰ نے اس کے پاس نیم دراز ہوتے آنکھوں سے بازو ہٹا کر کہا تو شہوار نے غصے سے آنکھیں کھولیں۔

''بات نہیں کریں مجھ سے آپ نے مجھے بہت ناامید کیا ہے۔''

''یار...... یہ اچھی رہی تمہاری تو...... قصور تمہارے بھائی کا ہے اور تم الزام مجھے دے رہی ہو۔''

''وہ جو کچھ بھی کرتے رہے ہیں آپ سے چھپا ہوا تو نہیں ہوگا نا۔''

''وہ اب ہر بات مجھے بتانے سے تو رہا' میں اس معاملے میں قطعی بے خبر ہوں یار۔'' شہوار کے جواب میں مصطفیٰ نے رسانیت سے کہا۔ شہوار اٹھ کر بیٹھ گئی' چہرے کے زاویے ابھی بھی بگڑے ہوئے تھے۔

''انا بہت اذیت میں ہے' کتنی تکلیف دہ بات ہے ایک انسان اس قدر گلٹی فیل کر رہا ہے۔ سب سے شرمندہ ہے معافیاں مانگ رہا ہے' اس کے باوجود اسے سزا دی جا رہی ہے۔ ولید بھائی کو کیا کہوں یہاں تو سب بڑے اپنے فیصلوں سے ہٹنے کو تیار نہیں ہیں' عزت وانا کا مسئلہ بنا لیا ہے اور ولید بھائی میں ان کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' آخر میں اس کی آواز رندھ گئی تو وہ رونے لگی تھی۔

''ارے...... ارے تم کیوں اس قدر کانشس ہو رہی ہو بھلا تمہارا اس میں کیا قصور۔'' مصطفیٰ نے اسے ساتھ لگایا تو وہ اور زیادہ آنسو بہانے لگی۔

''میں آج انا کے سامنے اس قدر شرمندگی محسوس کر رہی تھی کہ حد نہیں۔ ولید میرے بھائی ہیں انا کے سامنے ان کے بہت سے اعمال کی جواب دہ ہوں' ولید بھائی کو ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ انا نے ان سے نہ صرف معافی مانگی تھی بلکہ صاف لفظوں میں ان سے محبت کا اظہار بھی کر دیا تھا اور وہ اس قدر بے حس ہیں کہ صاف انکار کر دیا تھا۔'' مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''جو کچھ ہو رہا ہے انا کو سمجھانے کے لیے یہی کافی تھا لیکن تمہارے بھائی کی ضد کے سامنے ہم بھی بے بس ہیں۔''

''آپ ان کے دوست ہیں ان کو سمجھانے کی کوشش تو کر سکتے تھے' ہونے کو تو ابھی بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ میں نے سوچ لیا ہے میں صبح بابا صاحب سے بات کروں گی امی اور ابو سے بھی۔ میں ولید بھائی کی سنگ دلی کی وجہ سے انا کے ساتھ اتنی بڑی زیادتی نہیں ہونے دوں گی۔'' اس کا انداز اٹل تھا' مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیتے شہوار کے دو ٹوک انداز کو دیکھا اور پھر کچھ سوچتے اس نے شہوار کو دیکھا تھا جس کے رخساروں پر بہتے آنسو اس کی انا سے محبت کے

گواہ تھے۔

"اچھا بات سنو۔" مصطفیٰ کا انداز پرسوچ تھا' شہوار کے آنسو صاف کرتے مصطفیٰ مسکرا کر اس کے قریب ہوا۔

"تمہیں کچھ بتانا ہے۔" شہوار کی آنکھوں میں دیکھتے اس نے دھیمے لہجے میں کہا تو شہوار نے سوالیہ نظروں سے مصطفیٰ کو دیکھا۔



امجد خان نے پرانے ریکارڈ سے جو رپورٹ حاصل کی تھی وہ مصطفیٰ کو پیش کردی۔ مصطفیٰ وہ رپورٹ دیکھ کر الجھ کر رہ گیا تھا' مرنے والی عورت' اس کا بچہ اور دونوں بچیاں سب کی رپورٹ کے مطابق وہ ایک ہی خاندان کا حصہ تھے۔ وہ عورت ان بچوں کی سگی ماں تھی' پرانے ریکارڈ سے جو حقائق سامنے آئے تھے وہ بہت نامکمل سے تھے چونکہ اس وقت اس کیس کی پیروی کرنے والا سوائے ضیاء صاحب کے (وہ بھی چند دن تک) کوئی نہ تھا اور ضیاء صاحب نے بھی شاید پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نہ دیکھی تھی ورنہ وہ اتنا عرصہ ایک تکلیف دہ اذیت میں نہ گزارتا' خیر مصطفیٰ بذات خود ان حقائق کی جانچ پڑتال کروا رہا تھا۔

عبدالقیوم ماضی کا ہمایوں جیل میں تھا اس کا کیس عدالت میں چل رہا تھا اس کی منقولہ اور غیر منقولہ سب جائیداد فی الحال حکومت کی تحویل میں تھی۔ اس کے گھر کو بھی خالی کروالیا تھا' عبدالقیوم کی بیٹی عادلہ مکمل طور پر خالی ہاتھ ہوچکی تھی۔ دولت' جائیداد' گھربار ہر چیز ہاتھ سے نکل گئی تھی اسے مجبوراً ہاسٹل میں پناہ لینا پڑی تھی۔ مکافات عمل کا یہ سلسلہ بڑا اذیت ناک تھا۔ ظلم کے ہاتھ پیر نہیں ہوتے' زبان بھی نہیں ہوتی لیکن آخر کار انجام میں وہ چیختا چلاتا ہے' احتجاج کرتا ہے اور اس کی آواز سن لی جاتی ہے۔

عادلہ سوچ کی گہرائیوں میں غرق تھی' وہ اپنے تمام دوست احباب منہ بولے تمام رشتہ داروں کے پاس پناہ لینے کے لیے گئی تھی لیکن کوئی بھی اسے منہ لگانے کو تیار نہ تھا۔ دوست احباب کنارہ کشی اختیار کرگئے تھے اور نام نہاد رشتہ دار وہ بھی چڑھتے ہوئے سورج کے پجاری نکلے تھے۔ وہ عادلہ جس نے بڑے نازوں سے زندگی گزاری تھی اب زندگی کا اصل روپ دیکھا تو حقیقت میں اسے "رب" یاد آیا تھا۔ باپ پر مقدمہ چل رہا تھا' ماں پاگل خانہ میں تھی اور بہن بھائی اس دنیا سے رخصت ہوچکے تھے۔ اس کے پاس ڈگری تھی لیکن اب قسمت ساتھ نہ تھی اسے ایک مقامی اسکول میں ایک ٹیچر کی جاب ملی تھی وہ بھی ایک پرانی دوست کے توسط سے جسے شاید اس کے حالات پر ترس آگیا تھا اور وہ ملنے پر آمادہ ہوگئی تھی۔

زندگی کے روز و شب گزارتے اسے اپنا چند سال کا بیٹا اب شدت سے یاد آتا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ عباس کے گھر جائے اور اپنے بیٹے سے مل لے لیکن وہ مارے خوف کے کہیں نہیں جارہی تھی۔ اس کا سارا دم خم ماضی کا قصہ بن چکا تھا۔ اس کا باپ سب اعترافات کرچکا تھا سب جرائم قبول کرچکا تھا۔ جرائم کی ایک طویل فہرست تھی' لالہ رخ اور فیضان کے علاوہ اس کے مظالم پر گواہی دینے والے بہت سے لوگ تھے نجانے کون کون کہاں کہاں سے نکل آیا تھا۔ ایاز کے ڈھائے ہوئے مظالم بھی باپ کے کھاتے میں تھے۔ اس دن بھی وہ باپ سے ملنے جیل آئی تھی۔ عبدالقیوم کی حالت بہت ناگفتہ بہ تھی' شاید وہ بھی پچھتاوؤں کی منزل طے کررہا تھا' باپ کی حالت دیکھ کر وہ شدت سے روئی تھی۔

"ہمارے ساتھ آپ نے بہت بُرا کیا ڈیڈ...... آپ نہ ہماری اچھی تربیت کرسکے اور نہ ہی خود کو اس احتساب سے بچا سکے۔ کاش میں آپ کی کوئی مدد کرسکتی۔ بہت بُرا کیا آپ نے اپنے ساتھ بھی اور ہمارے ساتھ بھی۔" باپ اس کے الفاظ پر خاموش رہا وہ کچھ دیر باپ کی حالت پر ماتم کناں رہی اور پھر وہاں سے نکل آئی تھی۔ وہ ذہنی امراض (پاگل

خانہ) کی عمارت میں آئی تو اس کی ماں اپنے مخصوص بستر پر بیٹھی ہوئی تھی بال بکھرے ہوئے اور پاؤں زنجیروں میں قید تھے۔ وہ عادلہ کو دیکھ کر ایک دم متوجہ ہوئی تھی۔

"ایاز آ گیا...... میرا ایاز آ گیا......" انہوں نے عادلہ کے ہاتھ تھام لیے تھے۔ اس کی ماں کے ذہن میں صرف ایاز تھا اور باقی سب کچھ محو ہو چکا تھا۔

"وہ تو کب کا آ کر اس دنیا سے بھی جا چکا ہے بلکہ وہ کیا آپ کی کاشی بھی اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہے۔" عادلہ ماں کا ہاتھ پکڑ کر رو دی تھی۔ وہ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھی شکوے شکایتیں نجانے کیا کیا کرتی رہی تھی وہاں سے لوٹی تو عصر کا وقت تھا۔

اس کے دل کو عجیب سی بے چینی لگی ہوئی تھی وہ گھٹن سے بھرا ہاسٹل کا کمرا اسے کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وقت کا پہیہ الٹا چل جائے اور وہ سب کچھ سدھار دے۔ عباس کے ساتھ شادی شدہ زندگی کو بالکل اسی طرح گزارے جس طرح عباس اور اس کے خاندان کی خواہش تھی وہ زندگی جس میں اس کا بیٹا تھا اور خوشیوں کی ریل پیل تھی۔ جنہیں اپنی ناعاقبت اندیشی کے سبب وہ اپنے ہاتھوں سے کھو چکی تھی۔ اسے عباس سے کی جانے والی اپنی تمام تر زیادتیاں یاد آنے لگیں تو وہ سسک اٹھی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے خالی تھی اور عباس......

نجانے دل میں کیا سمائی کہ وہ رکشے میں بیٹھ کر عباس کے گھر کی طرف چلی آئی تھی۔ عباس کے عالی شان گھر کے سامنے رکشہ رکا تو وہ چونکی۔ اس گھر کو وہ اپنے غرور اور دولت کے نشے میں چور ہو کر ٹھوکر مار کر چلی گئی تھی اور آج وہ اس گھر کے سامنے کھڑی تھی۔ چوکیدار وہی پرانا تھا' عادلہ اس گھر کی پرانی مالکوں میں سے تھی اس نے عادلہ کو دیکھ کر سلام کیا تو ہمیشہ اپنے کروفر میں ملازمین کو کبھی نہ پلٹ کر دیکھنے والی عورت نے مسکرا کر جواب دیا۔

"مجھے اندر جانا ہے۔" رکشے والے کو کچھ دیر میں آنے کا کہہ کر اس نے چوکیدار کو کہا تو وہ الجھا۔ عادلہ عرصے بعد اس گھر کی دہلیز پر آئی تھی وہ اندر اطلاع کر کے اجازت طلب کرتا تو شاید عادلہ کو برا لگتا اور ویسے ہی جانے دیتا تو نجانے کیا ردعمل ہوتا۔ اس نے کچھ سوچا اور پھر اسے جانے دیا۔

عادلہ اندر آئی تو وہاں ایک محفل آباد تھی' لاؤنج میں سبھی لوگ موجود تھے وہ دروازے پر ہی رک گئی تھی۔ اندر عائشہ اور صبا دو تین ملازماؤں کے ہمراہ ڈھیروں ملبوسات اور اشیاء پھیلائے ان کی پیکنگ میں مصروف تھیں۔ مہرالنساء بیگم صوفے پر براجمان تھیں ساتھ زہرہ پھوپو اور شائستہ بھی تھیں۔ لائبہ لاؤنج میں کھلنے والے دوسرے دروازے سے وہاں داخل ہوئی تھی عادلہ کی نگاہ اٹھی تو وہ حیران ہوئی لائبہ کے ہمراہ رابعہ تھی۔ رابعہ نے آفاق کو اٹھا رکھا تھا' عادلہ کی ساری حسیات اس کی آنکھوں میں سمٹ آئی تھیں' وہ ایک عرصہ بعد اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھی۔ عادلہ کے دل میں بے شمار محبتوں کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا۔

"ماں جی خوش ہو جائیں' رابعہ نے آتے ہی اس چھٹکو پر نجانے کیا جادو کر دیا ہے ہر وقت ماما ماما کہتے اس کی گود میں چڑھا رہتا ہے۔" لائبہ نے قریب آ کر کہا تو رابعہ جھینپ گئی تھی۔

"بچے تو محبت کے بھوکے ہوتے ہیں' جہاں سے محبت ملی اسی کے ہو گئے۔ ماشاء اللہ سے ہماری رابعہ محبت بھی تو بہت کرتی ہے۔" زہرہ پھوپو نے بھی ہنس کر کہا۔

"اماں جی اچھی طرح دیکھ لیں کہیں کوئی کمی تو نہیں رہ گئی یہ نہ ہو کہ وہاں جا کر آپ کہیں کہ یہ کمی رہ گئی' وہ کمی رہ گئی ہے۔" صبا نے پیکنگ کرتے کہا۔

"ابھی دو دن باقی ہیں گاؤں جانے میں کچھ رہ بھی گیا تو ہم کر لیں گے۔" زہرہ پھوپو نے تسلی دی تبھی رابعہ سے

بات کرتے لائبہ پلٹی اور اس کی نگاہ دروازے کی اوٹ میں کھڑی عادلہ پر ٹھہری تھی؛ پہلے تو نگاہ میں حیرت ابھری اور پھر ناگواری۔

"عادلہ بھابی......!" لائبہ کی آواز اتنی اونچی ضرور تھی کہ سبھی نے پلٹ کر ان کی نگاہوں کے تعاقب میں دروازے کی طرف دیکھا اور عادلہ کو دیکھ کر سبھی حیرت زدہ ہوئیں تھیں۔ عادلہ دروازے کی اوٹ سے نکل کر اندر کی طرف بڑھی تو سبھی نے حیرت سے اور سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ شہوار جو کچھ دیر پہلے کالج سے لوٹی تھی لباس بدل کر سیدھا لاؤنج میں آئی تھی لیکن اندر کا منظر دیکھ کر نہ صرف حیران ہوئی بلکہ عادلہ کی یہاں موجودگی پر چونکی بھی تھی۔

"کیوں آئی ہو تم یہاں؟" ماں جی کا انداز بہت کرخت تھا۔

"مجھے بس اپنے بیٹے سے ملنا ہے۔" عادلہ کے لہجے میں ماضی کا ایک عکس بھی نہ تھا وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"کون سا بیٹا؟" ماں جی کے لہجے میں تحکم تھا۔ "وہی بیٹا جسے تم بڑے کروفر سے یہاں پھینک کر چلی گئی تھیں۔"

"میں غلطی پر تھی؛ میں نے اپنے بیٹے کے ساتھ ساتھ آپ سب کے ساتھ بھی بہت زیادتیاں کی ہیں لیکن پلیز مجھے ایک بار میرے بیٹے سے ملنے دیں۔" اس نے ماں جی کے سامنے روتے ہوئے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ اس کی نگاہیں رابعہ کے کندھے سے لگے آفاق پر تھیں۔

"رابعہ تم آفاق کو لے کر یہاں سے جاؤ۔" ماں جی نے رابعہ کو حکم دیا تو رابعہ فوراً چلی گئی۔

"پلیز ایک بار ملنے دیں؛ وہ میرا بیٹا ہے مجھے اس سے ملنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

"وہ ہمارا پوتا ہے لڑکی...... تمہارا اس خاندان اور ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ تمہارے باپ نے ماضی میں جو کچھ کیا ہے وہ کیس تو عدالت میں چل رہا ہے لیکن تم نے ہمیں جو ذہنی اذیتیں دی تھیں اس کا بدلہ لینے لگ گئے تو بہت برا ہوگا تمہارے ساتھ۔ آفاق ہمارا وارث ہے اس کی طرف غلط نگاہ سے بھی دیکھا تو اس خاندان کے سب مرد غیرت اور عزت کے اصول بھول کر تمہیں تمہارا انجام یاد دلا دیں گے۔ ہم تمہیں اس گھر سے نہیں نکال رہے لیکن بہتر ہے کہ تم خود عزت کے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ ورنہ......" ماں جی سارا لحاظ ومروت بھول گئی تھیں؛ عادلہ سسک سسک کر رو رہی تھی سبھی لوگ خاموش تھے۔

عادلہ کچھ دیر وہاں رکی اور پھر بڑی شکستہ سی وہاں سے چلی گئی تھی۔ مہر النساء بیگم تو خاصا تپ چکی تھیں؛ انہوں نے چوکیدار کو بلا کر اس کی اچھی خاصی کلاس لی تھی۔

"عادلہ جیسی عورتوں کا کوئی بھروسہ نہ تھا؛ جس کا باپ اتنا بڑا کرمنل تھا اس کی بیٹی سے بُرے سے بُرے عمل کی توقع کی جاسکتی تھی۔ کیا پتا وہ گھر میں گھس کر پسٹل کے زور پر آفاق کو چھین کر لے جاتی تو...... ایسی عورتوں سے کچھ بھی بعید نہ تھا۔" ان کے دل میں اور بھی نجانے کون کون سے وسوسے آرہے تھے وہ عادلہ کے اندر ہونے والی تبدیلی سے بے خبر تھیں ان کے ذہن میں تو ماضی کی بدتمیز؛ ہر حد تک جانے والی کرپٹ عادلہ کی شبیہہ تھی۔

شام تک یہی موضوع زیر بحث رہا تھا۔ ماں جی تو سخت خوف زدہ تھیں۔ شام کے بعد مرد حضرات گھر آئے تو انہوں نے سارا واقعہ کہہ سنایا؛ عباس بھی وہیں موجود تھے سب نے خاموشی سے سنا تھا۔

"آپ ملنے دیتیں؛ نجانے اب وہ کیا کرے ایسی لڑکیوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔" شاہزیب صاحب نے سارا معاملہ سن کر کہا۔

"خواہ مخواہ ملنے دیتی؛ جگر کا ٹکڑا بنا کر پال رہے ہیں ہم آفاق کو؛ میں تو اپنے بچے پر ایسی عورت کی پرچھائیں بھی نہ اب پڑنے دوں۔ مجھے اس عورت کا سلوک نہیں بھولتا؛ کبھی اس نے بچے کو سینے سے نہ لگایا۔ ایسا سلوک تو لوگ

جانوروں سے بھی نہیں کرتے جیسا اس نے آفاق کے ساتھ کیا تھا۔ اب ممتا جاگ گئی جب اس کی ضرورت تھی تب تو کہتی تھی کہ کسی یتیم خانے میں چھوڑ دو اس سے نہیں پالے جاتے ایسے بچے۔'' ماں جی کو ماضی نہیں بھولا تھا' سبھی خاموش ہوگئے تھے۔ عباس خاموشی سے اٹھا' وہ باہر آیا تو لائبہ سے پوچھا۔

''آفاق کہاں ہے؟''

''رابعہ کے پاس اس کے کمرے میں ہے۔'' رابعہ آج کل شہوار کے شادی سے پہلے والے کمرے میں ٹھہری ہوئی تھی۔ عباس سر ہلاتا اُدھر آیا تھا' ناک کر کے دروازہ کھولا تو رابعہ نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ آفاق کو تھپک تھپک کر سلا رہی تھی' عباس کو دیکھ کر بستر کے کنارے سے کھڑی ہوگئی اس نے دوپٹہ سلیقے سے سر پر جمایا تھا۔

''سو گیا آفاق؟''

''جی۔'' عباس نے قریب آ کر سوئے ہوئے بیٹے کی پیشانی چومی اور پھر سیدھا ہو کر قریب کھڑی رابعہ کو دیکھا۔

''شکریہ۔'' سنجیدگی سے کہا تو رابعہ نے چونک کر دیکھا' انداز سوالیہ تھا۔

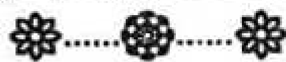
''آپ نے جس طرح آتے ہی آفاق کی ذمہ داری لے لی ہے وہ قابل ستائش ہے۔ میں آفاق کے سلسلے میں پریشان تھا وہ چلتا پھرتا ہے' باتیں کرتا ہے' بہت حساس ہے۔ پتا نہیں کیا ری ایکشن دیتا ماں جی کے علاوہ وہ لائبہ بھابی کے سب سے زیادہ قریب رہا ہے ایسے میں آپ کو قبول کرنا' میں پریشان تھا۔''

''بچے تو محبت کے بھوکے ہوتے ہیں' تھوڑی سی توجہ' کچھ محبت اور بے پناہ چاہت جس سے مل جائے اس کے ہو جاتے ہیں۔ ماشاءاللہ اتنا پیارا بچہ ہے یہ تو' جو دیکھے توجہ دینے پر مجبور ہو جائے۔'' آفاق کو دیکھتے رابعہ نے مسکرا کر کہا تو عباس مسکرا دیا۔

''مجھے عادلہ کی آمد کی خبر مل گئی ہے' میں حیران ہوں وہ عورت اب کیا چاہتی ہے۔ میں آفاق کو لے کر ہمیشہ کانشس رہا ہوں رابعہ...... میں چاہتا ہوں شادی کے بعد آپ اسے حقیقی ماں کی سی محبت دیجیے گا ورنہ میرا بیٹا بکھر کر رہ جائے گا۔''

''آپ کو یہ سب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں' یہ سب میرا فرض ہے میں اس کو خوش اسلوبی سے نبھانے کی کوشش کروں گی۔'' عباس رابعہ کو دیکھ کر مسکرایا۔

''شکریہ۔'' رابعہ محض مسکرائی تھی۔ عباس اس سے اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا اور وہ مسکرا کر اس کو سن رہی تھی۔



امجد خان بے شک ملازم کی اولاد تھا لیکن تعلیم کا شوق بچپن سے ہی تھا۔ وہ دل لگا کر پڑھتا رہا تھا میٹرک کے بعد مختلف جگہ اپلائی کیا تھا۔ چھوٹی موٹی جابز کرتا رہا تھا۔ گلناز امجد خان کی ماموں زاد تھی کم عمری میں ہی شادی ہوگئی تھی۔ شادی کے ایک سال بعد بیٹا پیدا ہوا تھا جب وہ لوگ لالہ رخ کو لے کر سکندر کے پاس پہنچے تھے ان کا بیٹا ابوبکر ایک سال کا تھا۔ لالہ رخ کی والدہ کے ان کے خاندان پر بہت احسانات تھے' امجد خان والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ لالہ رخ کے حویلی چھوڑنے کے ایک سال بعد اس نے ماں باپ کو بھی بلوالیا تھا۔ اس کی جاب پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ایک معمولی کانسٹیبل کے طور پر ہوئی تھی لیکن وہ اپنی محنت اور قابلیت کے سبب اپنی تعلیم کو جاری رکھے ہوئے تھا۔ لالہ رخ سے بھی کبھی کبھار رابطہ ہو جاتا تھا' کچھ عرصہ پہلے اس کی شفٹنگ راجن پور کے پسماندہ علاقہ میں ہوگئی تھی۔ بیوی بچے ساتھ تھے' وقت کے ساتھ اس کے بڑے دو بیٹے اور پھر ایک بیٹی تھی۔ اس کا بڑا بیٹا اسلام آباد میں زیر تعلیم تھا' جاب شفٹنگ کی وجہ سے اس نے بیٹے کو وہیں ہاسٹل میں ہی ڈلوا دیا تھا۔ چھوٹے بچے ابھی بہت چھوٹے تھے' دوسرے بیٹے کو مقامی

اسکول میں داخل کروادیا تھا۔ اس کی بیوی ایک بار پھر امید سے تھی' ڈلیوری میں چند ماہ باقی تھے جب ڈیپارٹمنٹ میں کچھ جابز نکلی تھیں اس نے بھی اپلائی کرلیا تھا۔ امتحان ہوا تو وہ کامیاب ٹھہرا تھا' ٹریننگ کے لیے اسے اسلام آباد بھجوادیا گیا تھا۔ پیچھے بیوی بچے اکیلے تھے' چھ ماہ کی ٹریننگ تھی۔ گلناز بہت سمجھدار اور باشعور عورت تھی لیکن انجان جگہ اور انجان لوگوں میں رہنا عجیب مشکل سا کام تھا۔ امجد خان نے ان کو کرائے پر گھر لے کر رکھا ہوا تھا۔ ٹریننگ کی وجہ سے وہ ان سب کو ساتھ نہیں رکھ سکتا تھا' دونوں ماں باپ گزرے وقت میں دنیا سے چل بسے تھے وہ دو ماہ بعد صرف دو دن گھر آسکا تھا۔ اسے گلناز کچھ پریشان دکھائی دی تھی لیکن اس کے بار بار پوچھنے پر بھی وہ ٹال گئی تھی۔

اعلیٰ جاب اور عہدہ حاصل کرنا امجد خان کا خواب تھا اور گلناز اس کے کسی بھی خواب کے رستے میں نہیں آنا چاہتی تھی۔ اس کی ڈلیوری کے دن نزدیک تھے' راجن پور میں امجد خان کے ڈیپارٹمنٹ کا ایک شخص اور اس کی بیوی ان کی خبر گیری کرلیا کرتے تھے۔ گلناز کے ہاں بیٹی نے جنم لیا تھا اس شخص اور اس کی بیوی نے کافی تعاون کیا تھا اور تبھی گلناز مزید پریشان ہوگئی تھی اس نے محسوس کیا تھا کہ امجد خان اس شخص کو ان کی خبر گیری کا کہہ کر تو چلا گیا تھا لیکن یہ شخص کوئی اچھا انسان نہ تھا' وہ شخص جب جی چاہتا گھر میں گھس آتا تھا۔ نت نئی فرمائشیں اور باتیں' گلناز اس اجنبی جگہ اور انجان لوگوں میں بڑی مشکل سے دن گزار رہی تھی وہ کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ لالہ رخ کا فون نمبر موجود تھا ایک دو بار اس سے بات ہوئی تھی تو اس نے لالہ رخ سے سب کہہ دیا تھا جواباً لالہ رخ نے اسے محتاط رہنے کا کہا تھا۔ لالہ رخ نے اسے بتایا کہ کس طرح ہمایوں نے انہیں ڈھونڈ نکالا ہے اور پریشان کردیا ہے۔ اس کے باوجود لالہ رخ نے اسے کہا تھا کہ اگر زیادہ پریشانی والی بات ہے تو وہ اس کے پاس آجائے جب تک امجد خان کی ٹریننگ نہیں ہوجاتی وہ بچوں سمیت اس کے پاس رہ سکتی ہے۔ لالہ رخ نے اپنے پرانے اور نئے دونوں گھروں کا ایڈریس لکھوادیا تھا' کچھ دن مزید سرکے تو ایک عجیب سی بات ہوئی تھی۔

اس کی بیٹی کی طبیعت بہت خراب تھی وہ کافی دنوں سے بیمار تھی وہ مجبوراً امجد خان کے بتائے ہوئے شخص اور اس کی بیوی کی مدد لینے پر مجبور تھی اس کی بیوی اچھی عورت تھی وہ اس کے ساتھ ہسپتال چلی گئی تھی۔ سردیوں کی پیدائش تھی بچی کو نمونیا ہوگیا تھا ڈاکٹر نے دو دن ہسپتال میں رکھنے کو کہا تھا۔ وہ دو دن گلناز کے لیے بڑے تکلیف دہ تھے اس شخص کی نوازشیں اور مہربانیاں وہ پتا نہیں کیسے برداشت کررہی تھی۔ اگلے دن شام کے وقت ان کو ڈسچارج کردیا گیا تھا بچی اب بہتر تھی۔ اس نے بچی کی طبیعت کی اطلاع بذریعہ خط امجد خان کو بھجوادی تھی جواباً اس کا خط بھی ملا تھا کہ ٹریننگ کا شیڈول بہت سخت ہے' چھٹی ملنا مشکل ہے۔ اب ٹریننگ مکمل ہوگی تو گھر آسکے گا تب تک وہ اپنا اور بچوں کا خیال رکھے۔

رات کا پہر تھا بچی کو سلا کر گلناز کی ابھی آنکھ ہی لگی تھی جب گھر کا دروازہ بجنے لگا تھا۔ وہ اٹھ کر باہر آئی اس نے پوچھا تو پتا چلا وہ ہی شخص ہے' وہ حیران ہوئی بھلا رات کے اس پہر یہ شخص کیا کرنے آیا ہے۔

"بھابی ہم لوگ آپ اور بچوں کی خیریت پوچھنے آئے ہیں۔" وہ شش و پنج میں تھی جب دروازے کے دوسری طرف سے کہا گیا تھا۔ گلناز کو تھوڑا سا سکون ہوا یعنی وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس نے دروازہ کھول دیا تھا وہ اندر داخل ہوا تو گلناز نے اس کے عقب میں دیکھا' وہ وردی میں ملبوس تھا۔

"بھابی کدھر ہیں؟"

"وہ تو گھر پر ہی ہے میں آفس سے لوٹا تو سوچا ادھر سے گزر رہا ہوں آپ اور بچوں کی خیریت پوچھ لوں۔" اس نے کہا تو گلناز چونکی اس کے چہرے کے تیور بدلے تھے۔ وہ چار بچوں کی ماں تھی اتنا تجربہ ضرور ہوچکا تھا کہ تنہا مرد رات

کے اس پہر کسی تنہا عورت کے گھر میں یوں چلا آئے تو کیا کچھ ہو سکتا ہے۔

"آپ کو اس وقت اُدھر نہیں آنا چاہیے تھا۔" گلناز نے ازحد ناگواری سے کہا تھا۔ "آپ کو علم ہے میں تنہا عورت اس وقت گھر میں اکیلی ہوتی ہوں، محلے والے پہلے ہی میرے بارے میں مشکوک رہتے ہیں۔ میں لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع نہیں دینا چاہتی، آپ براہ کرم اس وقت یہاں سے جا سکتے ہیں۔" اس نے بہت صاف لہجے اور رکھائی میں کہا تھا۔

"ارے آپ تو غصہ ہی کر گئیں، میں تو بس خیریت پوچھنے آیا تھا۔" وہ کھسیا گیا تھا۔

"خیریت ہی پوچھنی تھی تو دن کی روشنی میں آتے۔" گلناز کا انداز بے لچک تھا۔

"غصہ کیوں کرتی ہیں، بھلائی کا تو کوئی زمانہ ہی نہیں۔ امجد صاحب نے کہا تھا تو میں ان کی مروت میں سب کرتا ہوں ورنہ کون ہے جو اس زمانے میں کسی غیر کے لیے اتنی دوڑ دھوپ کرے۔" جواباً وہ بھی غصہ کر گیا تھا۔ گلناز الجھی تھی، وہ شخص واپس جانے کی بجائے صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

"ایک گلاس پانی پلا دیں پھر چلا جاتا ہوں۔" گلناز کو اس کا انداز بہت عجیب سا لگا تھا وہ خاموشی سے وہاں سے ہٹی اور ایک طرف بنے چھوٹے سے کچن میں آئی۔ وہ ابھی گلاس میں پانی نکال کر پلٹی تھی جب ہی وہ شخص کچن کے دروازے کے پاس کھڑا تھا۔

"آپ اُدھر کیوں آ گئے میں پانی لا رہی تھی نا؟" گلناز کا لہجہ لڑکھڑایا تھا لیکن پھر فوراً خود پر قابو پائے غصے سے کہا تھا۔

"پانی کی کس کو طلب ہے تم جانتی ہو مجھے یہاں کیا چیز کھینچ کر لاتی ہے۔" وہ شخص فوراً اپنی اوقات میں آیا تھا۔

"ہاں اچھی طرح جانتی ہوں، تم ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے نکلو۔ بہت برداشت کر لیا میں نے تمہیں، تم میرے گھر سے نکلو ورنہ میں شور مچا دوں گی۔" گلناز گلاس ایک طرف پٹخ کر چلائی تھی۔

"شور مچاؤ گی تو اپنا ہی نقصان کرو گی، لوگوں کو کیا جواب دو گی میں تو اُدھر آتا جاتا رہتا ہوں، لوگ تو کہیں گے کہ تم نے خود مجھے بلوایا ہے۔" گلناز کا رنگ لٹھے کی مانند سفید ہوا تھا۔

"مجھے ترس آتا ہے تمہاری نیک سیرت بیوی پر، کس قدر گھٹیا انسان ہو تم۔" وہ دکھ سے بس یہی کہہ سکی تھی۔

"دیکھو تمہارا شوہر یہاں نہیں ہے کیوں اتنی خوب صورت جوانی یوں برباد کر رہی ہو، میرے ساتھ تعاون کرو فائدے میں رہو گی۔" وہ شخص خباثت پر اتر آیا تھا۔ گلناز کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس شخص کو مار مار کر یہاں سے نکال دے۔

"تم یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" اس نے کہا تو وہ شخص اس کی طرف بڑھا تھا۔

"اتنے ماہ سے تم پر محنت کر رہا ہوں، وقت اور پیسہ ضائع کر رہا ہوں ایسے کیسے دفعہ ہو جاؤں، عرصہ بعد تو اتنا اچھا موقع ملا ہے۔" وہ اس کی طرف بڑھا تھا۔ گلناز مارے خوف کے کچن کی اندرونی دیوار سے جا لگی تھی۔ وہ شخص جانے کیا کیا کہہ رہا تھا۔

گلناز نے اپنے بچاؤ کے لیے ارد گرد دیکھا اور پھر اس کی نگاہ برتنوں والی ٹوکری پر پڑی تھی، اس نے تیزی سے وہاں سے کفگیر اٹھایا تھا اور اپنی طرف بڑھتے شخص کے سر پر دے مارا تھا۔ وہ شخص بلبلا کر پیچھے ہٹا تھا۔ اس شخص کے سر سے خون بہہ نکلا تھا، گلناز نے یہ موقع غنیمت جانا تھا، وہ اندھا دھند ساتھ والے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ سردی کے موسم کے سبب بچے اور وہ خود ایک ہی کمرے میں سو رہے تھے اس نے کمرے میں گھس کر کنڈی لگائی تھی اور دروازے سے

ٹیک لگا کر تھر تھر کانپ رہی تھی۔ باہر سے اس شخص کے کراہنے اور بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

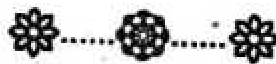
"میں تمہیں جیل کروادوں گا۔ تم جانتی نہیں میری پہنچ کہاں تک ہے تم نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا ہے اب تم دیکھنا میں تمہارا کیا حشر کرتا ہوں۔" وہ دھمکیاں دے رہا تھا۔

کچھ دیر تک اس کی آوازیں آتی رہی تھیں اور پھر گھر میں خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ رات گلناز کے لیے عجیب قیامت خیز تھی۔ وہ ساری رات روتے سسکتے اس نے وہ فیصلہ کیا تھا۔ فجر کی نماز پڑھ کر ابھی اندھیرا ہی تھا کہ اس نے بچوں کو اٹھایا اور ضروری اشیاء لی اور ایک کپڑوں کا بیگ تیار کیا اور صبح کی روشنی پھیلنے سے پہلے اپنے گھر کے دروازے پر تالا لگا کر وہ گھر چھوڑ دیا تھا۔ اسے جلد ہی ایک تانگہ مل گیا تھا جس نے اسے ریلوے اسٹیشن پہنچادیا تھا۔ وہ اکیلی عورت حالات کی ستائی ہوئی تھی۔ بچوں کا ساتھ تھا وہ خوف زدہ بھی تھی لیکن ہمت کرتے اس نے وہ ٹرین کا سفر کیا تھا۔ کئی گھنٹوں پر مشتمل وہ سفر اس کی زندگی کا تنہا سفر تھا جو وہ امجد خان کے بغیر کررہی تھی اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ منزل پر پہنچتے ہی اگلے دن امجد خان کو خط لکھ کر سب حالات سے آگاہ کردے گی۔

رات گئے ان کا سفر ختم ہوا تھا' اس کے بعد اس نے اسٹیشن سے تانگہ لیا تھا' وہ سکندر اور لالہ رخ کے پاس آ گئی تھی۔ لالہ رخ نے اسے نئے اور پرانے دونوں گھروں کا ایڈریس دے رکھا تھا' پرانے گھر میں وہ کئی بار آ چکی تھی لیکن ہر بار امجد خان ہمراہ ہوتا تھا لیکن اس بار تنہا تھی اس لیے ایڈریس اس کے بہت کام آیا تھا۔ تانگے والے نے اسے گھر کے سامنے اتارا تھا لیکن بدقسمتی سے گھر کے دروازے پر تالا پڑا ہوا تھا۔ گلناز پریشان ہوگئی تھی' تانگے والا ابھی سامان اترنے کا انتظار کررہا تھا گلناز نے کچھ سوچتے اسے دوسرے گھر کا ایڈریس سمجھاتے وہاں اتارنے کو کہا تھا۔ تانگے والی نے اسے دوسرے گھر اتار دیا تھا' گھر کے اندر روشنی ہورہی تھی گلناز کے اندر سکون سا اترا تھا۔ اس نے سامان اور بچوں کو اتروا کر تانگے والے کو فارغ کیا تھا اور خود گھر کی طرف بڑھی تھی۔ وہ لالہ رخ کا یہ گھر پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ اس نے دستک کے لیے داخلی دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا' وہ سوئی ہوئی دونوں بچیوں اور بیگ کو سنبھالتی بچے کو لیے گھر میں داخل ہوئی تھی لیکن وہاں تو اور ہی ماجرا تھا جہاں داخل ہوتے ہی دو آدمیوں نے اسے کھینچ لیا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے تم بھاگ کر واپس آؤ گی تو ہم یہاں سے چلے گئے ہوں گے۔ پکڑو اس کو سنبھالو رسیوں سے باندھ دو اب بھاگنے نہ پائے۔" وہ کئی آدمی تھے۔ گلناز تو اس افتاد پر خوف زدہ ہوگئی تھی۔ وہ تو پہلے ہی عجیب سے حالات سے گزر کر یہاں تک پہنچی تھی لیکن اس نئی صورت حال نے اسے مزید خوف زدہ کردیا تھا۔

کچھ اور آدمی آ گئے تھے ان سب نے مل کر اس کے چیخنے چلانے کے باوجود اسے اور اس کے بیٹے کو ایک جگہ کرسی کے ساتھ رسیوں سے باندھ دیا تھا۔ اس کی دونوں بیٹیاں اس کے پاس ہی زمین پر گری چیخ رہی تھیں' سامان باہر دروازے پر ہی رہ گیا تھا۔ وہ بین کررہی تھی ان کو صورت حال سمجھانا چاہتی تھی کہ وہ...... وہ نہیں ہے جو سمجھا جارہا ہے لیکن کسی نے مہلت ہی نہ دی تھی۔ انہوں نے اس پر اور بچوں پر پیٹرول چھڑکا تھا' ایک شخص نے آگ دکھائی اور پھر چیخیں تھیں...... آہیں تھیں۔ شعلے تھے...... آگ تھی' تپش تھی...... یوں آگ نے سارے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔



مصطفیٰ خود اس کیس کی پڑتال کررہا تھا' سالوں پرانا ریکارڈ نکالا گیا تھا' اس نے بذات خود اس جگہ کا معائنہ کیا تھا۔ وہ گھر جلا تھا اس کے مکین جل کر راکھ کا ڈھیر ہوئے تھے لیکن بہت سی باقیات بھی بچی تھیں جو بعد کے لیے ثبوت کے طور پر پیش کی جاسکتی تھیں جن میں ایک چھوٹی سی ڈائری تھی جس پر مختلف ایڈریسز درج تھے۔ یہ شاید فون کی ڈائری تھی'

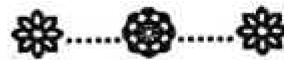
بوسیدہ سے کاغذات گھر کے بیرونی دروازے پر سے ہی مل گئے تھے اور پھر وہ ریکارڈ میں رکھ دی گئی تھی۔ یہ ڈائری اتنی اہم نہ تھی کہ اس کی جانچ پڑتال کی جاتی۔ مصطفیٰ نے وہ ڈائری بغور دیکھی تھی اور پھر اس پر درج تمام ایڈریسز کی چھان بین کروائی تو الجھا تھا' ایڈریسز کے علاوہ چند ایک فون نمبر بھی تھے۔ مصطفیٰ نے امجد خان کو بلوا بھیجا تھا' اس نے وہ ڈائری اس کے سامنے رکھ دی تھی۔ امجد خان ڈائری دیکھ کر چونکا تھا۔

''یہ ڈائری آپ کو کہاں سے ملی؟''

''یہ ڈائری مجھے فیضان چچا اور لالہ رخ چچی کے کیس والی فائل سے ملی ہے۔'' امجد خان نے چہرے پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

''یہ...... یہ ڈائری تو میری بیوی کے پاس ہوتی تھی لیکن یہ یہاں کیسے پہنچی؟''

''آپ کو مجھے اپنی بیوی اور بچوں کے بارے میں ڈیٹیل میں سب بتانا ہوگا امجد صاحب! مجھے لگ رہا ہے کہ اس کیس میں ان لوگوں کی موجودگی ایک بہت بڑا راز ہے۔'' امجد خان نے سر ہلایا اور پھر اس نے اپنے بارے میں بتانا شروع کر دیا تھا۔



امجد خان چھ ماہ کی ٹریننگ کے بعد لوٹا تو گھر پر تالا لگا ہوا تھا اور مالک مکان از حد غصے میں تھا۔ امجد خان حیرت زدہ تھا' مالک مکان کو کرایہ ادا کر کے اس نے جیسے تیسے مطمئن کیا اور خود اس آدمی کے پاس آیا تھا جسے اس نے اپنی غیر موجودگی میں اپنے گھر اور گھر والوں کی خبر گیری کرنے کو کہہ رکھا تھا۔ وہ شخص تو بھرا بیٹھا تھا' اس نے گلناز کے متعلق وہ وہ الزامات لگائے کہ دونوں کا جھگڑا ہو گیا تھا۔ اس آدمی کے کہنے کے مطابق گلناز کے کسی اور مرد سے ناجائز تعلقات قائم ہو گئے تھے جس کی اسے خبر ہو گئی تھی اور پھر ایک رات وہ اس کی بچی کی خبر گیری کرنے گیا تو دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔ دونوں کو برا بھلا کہا تھا جواباً گلناز شرمندہ ہونے کے بجائے دوسرے آدمی کے ساتھ مل کر اسے نہ صرف زدوکوب کیا تھا بلکہ غلط نتائج کی دھمکیاں بھی دی تھیں۔ وہ رات کو چلا گیا تھا اور اگلی صبح گلناز اس آدمی اور بچوں سمیت غائب ہو چکی تھی۔ امجد خان یہ سب ماننے کو تیار نہ تھا' اس نے مختلف رشتہ داروں کے ہاں فون کیے تھے گلناز اور بچے کہیں بھی نہ تھے۔ امجد خان کو گلناز پر پختہ یقین تھا جو دن گزرنے کے ساتھ ساتھ متزلزل ہونے لگا تھا۔ اس نے چند دن گلناز کو تلاش کیا لیکن گلناز کا کوئی اتا پتا نہ مل سکا تھا۔

اس کو ٹریننگ کے بعد صرف چند چھٹیاں ملی تھیں اسے فوراً جوائننگ کرنا تھی۔ وہ نوکری پر چلا گیا تھا اور پھر کچھ عرصہ بعد اسے سکندر اور لالہ رخ والے سانحہ کی خبر ہوئی تو وہ وہاں آیا تھا۔ عجیب سے حالات تھے' کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی اس کی اپنی جاب تھی گلناز کی طرف سے بھی پریشانی تھی۔ وہ کچھ عرصہ تک اپنی پریشانیوں میں گھرا رہا تھا۔ گلناز کو ملنا تھا نہ وہ ملی تھی' بچے بھی غائب تھے وہ اب رفتہ رفتہ اس شخص کی سنائی ہوئی کہانی پر یقین کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ کچھ عرصہ مزید بیتا وہ اب اپنی جاب میں مستحکم تھا۔

اس نے گلناز کو بھول کر اپنی زندگی کو ایک نیا موڑ دینا چاہا اور شادی کر لی تھی اس کا بیٹا ابوبکر بہت چیخا' چلایا جواباً سوتیلی ماں اور ابوبکر کے درمیان حالات کشیدہ رہنے لگے تھے۔ گلناز کی وجہ سے وہ بعض اوقات ابوبکر سے بھی برگشتہ ہو جاتا تھا۔ دوسری بیوی سے اللہ نے اسے اولاد دی تو وہ گلناز کی بے وفائی کو مکمل طور پر بھلا چکا تھا لیکن لالہ رخ والے کیس پر وہ مسلسل کام کر رہا تھا' اس نے بہت سے حقائق جمع کر لیے تھے لیکن کوئی سرا ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔ وقت کا کام تھا گزرنا وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ ابوبکر حالات سے برگشتہ ہو کر گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ امجد خان کے لیے اپنی جاب'

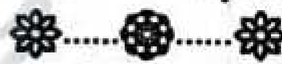
بیوی بچے اور گھریلو ذمہ داریاں تھیں۔ اسے چلے جانے والے لوگ شدت سے یاد آتے تھے لیکن اس نے خود کو پتھر بنالیا تھا۔ گلناز کے خاندان والے اس کی بتائی گئی کہانی پر یقین کرنے پر آمادہ نہ تھے سوان سے بھی عرصہ دراز سے قطعی تعلق تھی اور پھر عرصہ بعد ابوبکر خود آیا تھا ان کے پاس اپنی شادی کا کارڈ لے کر وہ بھی نادم تھے شرمندہ تھے۔ بیٹے کو فوراً قبول کرلیا لیکن گلناز اور باقی تینوں بچے ابھی شدت سے یاد آتے تھے جنہیں وہ دل پر پتھر رکھ کر بھول جانے کی کوشش کیا کرتا تھا۔



مصطفیٰ نے ساری کہانی سنی اور پھر افسردگی میں ایک گہرا سانس لیا تھا۔

''مجھے نجانے کیوں لگ رہا ہے امجد صاحب...... وہ عورت اور تینوں بچے وہ آپ کے ہی اہل خانہ تھے۔'' امجد خان کا رنگ ایک دم زرد ہوا تھا۔

''عبدالقیوم کی نشان دہی پر جو ملوث لوگ تھے ان کی فہرست کے مطابق وہ لوگ کرائے کے غنڈے تھے جن میں صرف دو گرفتار ہوسکے ہیں' باقی کچھ مر کھپ گئے ہیں اور کچھ روپوش ہیں جو گرفتار ہوئے ہیں ان کے بیانات کے بعد میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ عورت جو تینوں بچوں کے ہمراہ اس گھر میں اس رات داخل ہوئی تھی اس کے پاس بیگ تھا جسے ایک آدمی اٹھا کر اپنے گھر لے گیا تھا' جس میں کپڑے اور قیمتی زیور اور روپے تھے۔ وہ عورت ان کو بتانا چاہتی تھی کہ وہ لالہ رخ نہیں ہے بلکہ اس کی رشتہ دار ہے۔ اب صرف ایک ہی حل ہے آپ کا اور آپ کے بیٹے ابوبکر کا ڈی این اے ٹیسٹ لیا جائے اور پھر اسے اس پرانی پوسٹ مارٹم رپورٹ سے میچ کیا جائے۔ میری دعا ہے کہ جیسا میں سوچ رہا ہوں ویسا کچھ نہ ہو' آپ پلیز ہمت کریں۔'' امجد خان کے نڈھال سے انداز پر مصطفیٰ نے کندھا تھپتھپا کر تسلی دینا چاہی تھی۔ امجد خان تب بھی ساکت و خاموش رہا تھا۔



مصطفیٰ گھر آیا تو اس نے حویلی کال کی اور لالہ رخ سے بات کروانے کو کہا تھا۔ لالہ رخ فون پر آئیں تو مصطفیٰ نے سلام دعا اور حال چال دریافت کرنے کے بعد ڈائریکٹ پوچھا تھا۔

''آپ ماضی میں کسی گلناز نامی خاتون کو جانتی ہیں؟''

''گلناز......'' لالہ رخ نے کچھ سوچا۔

''امجد خان کی بیوی کا نام تھا گلناز۔'' مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''مجھے اس سلسلے میں آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے' کیا یہ ممکن ہے آپ اس سلسلے میں چچا جان کے ساتھ شہر آجائیں۔''

''خیریت ہے نا بیٹا؟''

''جی' آپ کے کیس کے سلسلے میں کچھ کارروائی رہتی ہے جس کے سلسلے میں آپ کا اور چچا جان کا شامل ہونا بہت ضروری ہے۔''

''ٹھیک ہے' میں آپ کے چچا سے بات کرتی ہوں۔''

''شکریہ' کل تک تشریف لے آئیے گا' بہت ایمرجنسی ہے۔'' مصطفیٰ نے کہہ کر ایک دو اور باتوں کے بعد کال بند کردی تھی اور کچھ سوچتے اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا' یہ کیس اب تقریباً تکمیل کے مراحل میں تھا۔



عبدالقیوم کے کیس کی عدالتی کارروائی پر فیضان اور لالہ رخ شہر پہنچے تو مصطفیٰ کے کہنے پر سیدھا کورٹ چلے آئے تھے۔ وہاں ضیاء صاحب اور افشاں بیگم بھی موجود تھے شاید ان کو بھی عدالت نے گواہی کے لیے بلا رکھا تھا۔ کورٹ میں تین چار گھنٹوں کی کارروائی چلی تھی۔ ہتھکڑیوں میں جکڑا عبدالقیوم لالہ رخ کو دیکھ کر ساکت رہ گیا تھا' وہیں فیضان کو دیکھ کر اس کا رنگ بالکل بدل گیا تھا۔ عبدالقیوم کا کیس اس کے مخالف چل رہا تھا' گواہی دینے والے بہت سے لوگ تھے۔ امجد خان سے لے کر لالہ رخ تک' بڑی دیر تک عدالتی کارروائی چلی تھی۔ سب نے اپنے اپنے بیانات قلم بند کروائے تھے' ابوبکر بھی امجد خان کے ہمراہ تھا۔ عدالتی کارروائی کے اختتام کے بعد مصطفیٰ ان سب کو لے کر گھر آ گیا تھا۔ ضیاء صاحب اور افشاں بیگم بھی ساتھ تھے' امجد اور ابوبکر بھی۔ مصطفیٰ بھی وہیں چلا آیا تھا' گھر کے کچھ اور افراد بھی آ گئے تھے۔

''آپ نے بتایا تھا کہ آپ جب دوبارہ اس گھر کے سامنے پہنچی تو وہاں سے کسی عورت اور بچوں کے رونے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں اور پھر گھر کو آگ لگا دی گئی۔ کیا آپ نے خود اپنی آنکھوں سے وہ سب ہوتے دیکھا تھا' مطلب اس عورت کی شکل دیکھی تھی۔'' مصطفیٰ نے افشاں سے پوچھا تو انہوں نے گہرا سانس لیا۔

''اتنا پرانا واقعہ ہے لیکن اتنا ہی خوفناک کہ میں بھول نہیں سکتی۔ میں نے صرف بچوں کے چلانے اور عورت کی فریاد کرنے کی آوازیں سنی تھیں' میں نے عورت کی شکل نہیں دیکھی تھی۔'' افشاں نے صاف گوئی سے کہا تو مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لے کر لالہ رخ کو دیکھا۔

''ہمیں آپ سے گلناز کے بارے میں جاننا ہے' جیسا کہ آپ جانتی ہیں کہ گلناز امجد خان صاحب کی پہلی بیوی تھیں اور ابوبکر ان کا سب سے بڑا بیٹا لیکن بعد کے حالات ایسے ہوئے کہ ان کی وائف اور باقی بچے کہیں غائب ہو گئے تھے یہ ان کو بہت تلاش کرتے رہے ہیں لیکن کچھ سراغ نہ مل سکا۔'' لالہ رخ نے سنجیدگی سے مصطفیٰ کی بات سنی تھی۔

''باقی گلناز کے بارے میں آپ کو اچھی طرح امجد خان بتا دیتے ہیں۔'' مصطفیٰ نے امجد خان کو اشارہ کیا۔ اس کے بعد امجد خان نے وہ تمام واقعات سنا دیئے تھے جو اسے ٹریننگ کی دوران اور پھر بعد میں پیش آئے تھے' لالہ رخ نے حیرت کے ساتھ وہ سب سنا تھا۔

''جھوٹ بولتا تھا وہ شخص تم جس شخص کو گلناز اور گھر کی خیر خبر رکھنے کا کہہ کر گئے تھے وہ خود ہی دھوکے باز شیطان فطرت انسان تھا۔ اپنی نیک سیرت بیوی ہونے کے باوجود وہ گلناز کو تنگ کرتا رہا تھا' تمہاری جاب اور شوق دیکھتے گلناز تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سو وہ سب برداشت کر رہی تھی لیکن مجھے اس نے سب حالات کے بارے میں بتایا تھا میں نے اسے کئی بار کہا تھا کہ وہ میرے پاس آ جائے۔'' لالہ رخ نے سب بتایا تو کئی ثانیے تک وہاں موجود ہر شخص گم صم ہو گیا تھا۔

''گلناز تو ایک نیک سیرت اور باوقار عورت تھی وہ ہمیشہ اپنے شوہر کی وفادار رہنے والی تھی۔ وہ کوئی غلط حرکت کر ہی نہیں سکتی۔ امجد خان اس شخص نے تمہیں بھڑکایا تھا اور تم اس کی باتوں میں آ کر اپنی بیوی پر شک کرتے رہے۔'' لالہ رخ نے بہت دکھ سے کہا تو امجد خان نے ایک گہرا سانس لیا۔

''میں نے اول تو شک نہیں کیا تھا لیکن جس طرح گلناز اور بچے مسلسل غائب تھے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے دل میں ملال آتا چلا گیا۔ اس میں میں بھی بے قصور ہوں' حالات ہی کچھ ایسے رہے تھے کہ میں کیا کوئی بھی شخص ہوتا وہ شاید آخر میں جا کر یہی سوچتا۔''

''بس ثابت ہوا کہ گلناز اس شخص کی وجہ سے پریشان تھی اور اگر کہیں گئی بھی تھی تو وجہ وہی شخص تھا۔'' افشاں نے بھی

اپنی رائے دی۔

"کل تک ڈی این اے ٹیسٹ کی رپورٹ مل جائے گی اس کے بعد پوسٹ مارٹم کی رپورٹس کے ساتھ ان کا جائزہ لیا جائے گا اس کے بعد ہی اب کوئی حتمی رائے دی جاسکتی ہے لیکن جہاں تک میری آبزرویشن ہے مجھے حقائق کو دیکھتے اندازہ ہو رہا ہے اس رات اس گھر میں داخل ہونے والی عورت اور بچے یہی تھے اور وہ بدقسمتی سے ان لوگوں کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔" مصطفیٰ نے کہا تو سب نے افسردگی سے امجد خان کو دیکھا تھا۔

امجد خان کا چہرہ گہرے دکھ اور ملال کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ یہی کیفیت ابوبکر کی بھی تھی تاہم سبھی خاموش تھے۔ ضیاء صاحب اور افشاں بیگم کچھ دیر مزید بیٹھنے کے بعد رخصت ہو گئے تھے۔ امجد اور ابوبکر بھی چلا گیا تو باقی لوگ کافی دیر تک انہی حالات کو ڈسکس کرتے رہے تھے۔

لالہ رخ اس ساری بھاگ دوڑ سے تھک گئی تھیں وہ ذہنی طور پر کشیدگی محسوس کر رہی تھیں۔ وہ اندرونی کمرے میں آرام کرنے کی غرض سے لیٹیں تو سکندر بھی چلے آئے تھے۔ گزرے وقت کو ان دونوں نے اتنی بار دہرایا تھا کہ اب یہ نئی صورت حال سن کر دونوں ہی افسردہ تھے۔

"میں گلناز اور اس کے بچوں کو لے کر بہت افسردہ ہوں بے چاری نہایت ابتر حالات کا شکار ہو کر وہاں تک پہنچی تھی اور ان ظالموں نے اسے آگ میں دھکیل دیا۔" لالہ رخ کا دل غم سے نڈھال تھا۔

"دعا کرو وہ گلناز نہ ہو کوئی اور ہو میرا تو دل ماننے کو تیار نہیں۔"

"اللہ کرے......" لالہ رخ نے افسردگی سے کہا۔

"قدرت نے ہمیں بہت آزمائشوں کے بعد ملایا ہے ہم سب ایک دوسرے کے لیے مر چکے تھے لیکن اللہ کی حکمت کہ کس کس طرح ہمیں پھر سے ایک کر دیا۔ دعا ہے کہ امجد خان کا خاندان بھی مل جائے جیسا ہم سوچ رہے ہیں ویسا کچھ نہ ہو۔" لالہ رخ کا ہاتھ تھام کر تسلی دیتے ہوئے کہا تو لالہ رخ نے افسردگی سے آمین کہا تھا' سکندر نے لالہ رخ کو دیکھا۔

لالہ رخ پر وقت اثر انداز ہوا تھا لیکن وہ آج بھی ویسی ہی تھی اس کے حسن کی تابناکی اور وجود کی جگمگاہٹیں آج بھی دل افروز تھیں۔

"میں نے زندگی کا شاید ہی کوئی موقع ہو جب آپ کو یاد نہ کیا ہو۔ گزری ہوئی رفاقت پر افسردہ نہ ہوا ہوں۔" لالہ رخ کا ہاتھ تھام کر محبت سے کہا تو لالہ رخ نے افسردگی سے اپنے محبوب شوہر کو دیکھا۔

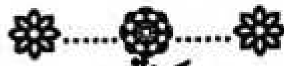
"سب نے اپنی اپنی جگہ ہجر کا ایک لمبا بن باس کاٹا ہے لیکن مجھے خوشی ہے کہ میرے بچے زندہ سلامت ہیں۔ میں آپ سب کے لیے بہت تڑپی ہوں' پہروں آنسو بہائے ہیں' دل زخمی ہو جاتا تھا اس سوچ کے ساتھ ہی کہ میرے بچے اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ میرے اندر زندہ رہنے کی لگن خواہش سب ختم ہو چکیں تھیں لیکن اب اپنی جوان ہنستی مسکراتی اولاد کو دیکھتی ہوں تو دل میں سکون سا اترنے لگتا ہے۔" لالہ رخ نے کہا تو سکندر نے مسکرا کر بیوی کو دیکھا۔

"ہمارے بچے بہت سمجھ دار ہیں' مختلف مقامات پر رہنے اور پرورش پانے کے باوجود وہ بگڑے نہیں ہیں بلکہ زندگی کا شعور رکھتے ہیں۔" فیضان نے کہا تو لالہ رخ نے مسکرا کر سر ہلایا تھا۔

"افشاں کہہ رہی تھیں کہ ہم کل ان کی طرف چکر لگائیں' جب سے آپ ملے ہیں کسی اور کا ہوش ہی نہیں تھا۔ میں خود بھی ان سب کی طرف جانا چاہتی ہوں۔ صبوحی' افشاں' ضیاء اور وقار بھائی وہ تو ہمارے محسن ہیں آج کے دور میں بھلا کون کسی کے لیے اتنا کچھ کرتا ہے جتنا کچھ ضیاء بھائی اور افشاں نے ہمارے لیے کیا ہے۔ میرے بیٹے کو اپنا نام دیا بلکہ

تحفظ تک فراہم کیا اور افشاں ان کا احسان تو عمر بھر نہ بھلا سکوں۔ انہوں نے تو ساری زندگی میری بیٹی کے لیے وقف کردی تھی۔"

"ہاں بالکل' افشاں کی عظمت کا قائل ہو چکا ہوں میں تو' بغیر کسی لالچ کے ہمارے بچوں کو دونوں میاں بیوی نے جس طرح سنبھالا ہے شاید ہی کوئی ایسا کر پاتا۔ ہم کل ضرور ان کی طرف جائیں گے۔" محبت سے بیوی کی ہاں میں ہاں ملاتے کہا تو لالہ رخ نے مسکرا کر سر ہلایا تھا۔



مصطفیٰ کے پاس ڈی این اے ٹیسٹ کی رپورٹ آچکی تھی لیبارٹری میں پوسٹ مارٹم رپورٹ سے میچ ہونے کے بعد جو حقائق اس کے پاس آئے تھے۔ انہیں دیکھ کر مصطفیٰ کئی لمحوں تک گم صم رہا تھا۔ نتائج اکٹھے کرتے ایک رائے قائم کرنا اور بات تھی لیکن اب ان نتائج کا رزلٹ سامنے آیا تھا تو دل افسردہ سا تھا۔ مصطفیٰ نے امجد خان اور ان کے بیٹے کو بلا کر رپورٹ ان کو دکھائی تو کبھی کسی بھی واقعے پر دل چھوٹا نہ کرنے والا امجد خان شدت سے رو دیا تھا۔ آنسو تو ابوبکر کے بھی بہہ رہے تھے لیکن امجد خان کے آنسوؤں کی روانی میں کوئی اور ہی احساس تھا۔ اپنی نیک' پارسا بیوی پر شک کرنا کتنا تکلیف دہ عمل تھا جبکہ آج حقیقت کچھ اور ہی نکلی تھی۔ ابوبکر باپ کو دلاسہ دے رہا تھا' مصطفیٰ بھی ساتھ تھا لیکن امجد خان زندگی میں پہلی بار اس قدر شدت سے ٹوٹ کر بکھرا تھا۔

ابوبکر امجد خان کو گھر لے آیا تھا' مصطفیٰ کو بھی عدالت میں کچھ ضروری کام تھا وہ ادھر چلا گیا تھا' عبدالقیوم کے کیس کے سلسلے میں عدالت میں کچھ ضروری کاغذات جمع کروانے تھے وہ سب کر کے وہ گھر چلا آیا تو شہوار اور رابعہ فیضان اور لالہ رخ کے ہمراہ ضیاء صاحب کی طرف جانے کے لیے تیار تھے لیکن گلناز اور بچوں کے متعلق سن کر افسردہ ہوگئے تھے۔ فیضان صاحب نے اسے بھی ساتھ چلنے کو کہا تو وہ تیار ہوگیا۔

وہ لوگ عجیب غم وخوشی کی کیفیت میں گھرے ضیاء صاحب کی طرف پہنچے تھے۔ صبوحی اور افشاں لالہ رخ سے ملیں تو کتنی دیر تک گلے لگائے رکھا تھا' خالہ بی بھی بہت گرم جوشی سے ملی تھیں۔ لالہ رخ نے انا اور روشی کو خصوصی طور پر پیار کیا تھا۔ پرانی باتیں چلیں تو موضوع گفتگو نجانے کیا کیا کہہ رہا تھا' ہنسی مذاق' قہقہے' افسردگیاں......

"ہماری ماؤں کے درمیان کتنی محبت رہی ہے ماضی میں۔ ماما بتا رہی تھیں احسن بھائی کی سالگرہ تھی تب روشی بہت چھوٹی سی تھی تبھی ماما نے ان کو احسن بھائی کے لیے مانگ لیا تھا۔" انا نے روشی کو دیکھ کر کہا تو وہ ہنسی۔

"پھوپو نے نہ صرف بہو منتخب کی تھی بلکہ اس وقت اکلوتا داماد بھی سلیکٹ کرلیا تھا۔" وہ بھی ان کے پاس ہی ذرا فاصلے پر بیٹھی ہوئی تھیں انا کے کہنے پر روشی نے بھی کہا تو انا چونکی' شہوار کے لیے یہ اطلاع نئی تھی۔

"بلکہ پھوپو کا تو پکا ارادہ تھا کہ اگر ان کے اور بچے ہوتے تو وہ ان کی شادیاں بھی آپس میں ہی کریں گی۔" روشی نے مزے سے کہا تو انا سنجیدہ ہوگئی۔

"کیا فائدہ' یوں رشتے طے کرنے کا بڑے ہو کر جب بچوں کا مزاج اور سوچ بدلتی ہے تو بہت کچھ بکھر جاتا ہے پھر......" وہ افسردہ تھی۔ روشی اور شہوار نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

ولید آج بھی ادھر ہی تھا احسن' مصطفیٰ اور ولید بھی ضیاء صاحب' وقار صاحب اور فیضان صاحب کے ساتھ بیٹھ کر عبدالقیوم والے کیس کو ہی ڈسکس کر رہے تھے۔

"ہم لوگ کل واپس جا رہے ہیں رابعہ اور شہوار بھی ساتھ جائیں گی' آپ سب بھی ساتھ چلیں نا۔ ہماری تو خواہش ہے کہ عباس اور رابعہ کی شادی کی طرح انا کی رخصتی بھی حویلی سے ہی ہو۔" لالہ رخ صبوحی بیگم سے کہہ رہی تھیں انا کے

کان کھڑے ہوگئے۔

"یہ تو مناسب نہیں لگتا' عباس کی شادی میں ہم سب شامل ہوں گے دو تین دن کا فرق ہے شادی میں پھر یہاں سب انتظامات ہو چکے ہیں رخصتی تو ہم لوگ یہاں سے ہی کروائیں گے۔" صبوحی بیگم نے کہا۔

"اللہ ساتھ خیریت کے سب کچھ کروائے' ایک عرصہ بعد اتنی خوشیوں کا موسم دیکھنے کو ملے گا۔" افشاں بیگم نے بھی خلوص دل سے کہا۔

"انتظامات تو سب مکمل ہیں' ماشاء اللہ سے۔" وہ تینوں خواتین شادی کے معاملات کو ہی ڈسکس کررہی تھیں' انا خاموشی سے اٹھ کر وہاں سے نکلی تو شہوار نے اسے بغور دیکھا تھا۔ اس نے رابعہ اور روشی کو کچھ کہا اور پھر خود بھی انا کے پیچھے چلی آئی تھی۔

"کیا ہوا ادھر کیوں آ گئیں؟"

"بس ویسے ہی۔"

"حماد سے بات ہوئی۔"

"نہیں۔"

"میں نے ولید بھائی سے بات کی تھی۔" انا نے حیران ہو کر دیکھا۔

"انہوں نے پھر ایسی ویسی کوئی بات تو نہیں کی نا؟" انا نے نفی میں سر ہلا دیا۔

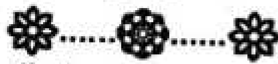
"اب کریں گے بھی نہیں۔"

"میں نے اچھی خاصی برین واشنگ کردی ہے ویسے تو مصطفیٰ سے بھی لڑی ہوں وہ بھی کہہ رہے تھے کہ وہ ان کو سمجھائیں گے اب وہ تم سے ایسی ویسی کوئی بات نہیں کریں گے۔" انا نے محض سر ہلایا۔

"انا دیکھو اب تم یہ سب قبول کر چکی ہو تو سب کچھ خوشی خوشی قبول کرو۔ مجھے یقین ہے تم شادی کے بعد بہت خوش رہو گی۔" شہوار نے کہا تو انا محض مسکرائی تھی' اس کی مسکراہٹ میں اذیت سی تھی۔

"اگر دل کو مار کر حالات سے سمجھوتہ کر لینا' خوشی کا نام ہے تو ہاں میں بہت خوش ہوں' میں نے اپنے والدین کو بہت اذیت پہنچائی ہے اور اگر آج میں یہ سب برداشت کررہی ہوں تو صرف اور صرف اپنے والدین کی عزت کی خاطر ورنہ....." وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر لب بھینچ گئی۔

"ڈونٹ وری' سب ٹھیک ہو جائے گا۔" شہوار نے تسلی دی تو اس نے محض سر ہلایا۔



امجد خان کی فیملی کا سن کر سبھی افسردہ تھے' سبھی اس کے ہاں جا کر تعزیت کر کے آئے تھے۔ اب اس بات میں کوئی شک وشبہ والی گنجائش نہیں رہی تھی کہ مرنے والی عورت اور بچے کون تھے۔ لالہ رخ اور فیضان بطور خاص امجد خان کے پاس گئے تھے۔

سانحہ تو برسوں پہلے بیتا تھا لیکن تکلیف واذیت تو اب محسوس ہو رہی تھی' ابوبکر بھی افسردہ تھا۔ شاہزیب صاحب نے خصوصی طور پر تسلی تشفی دی تھی' بابا صاحب نے بھی حویلی سے کال کر کے امجد خان سے تعزیت کی تھی۔ اس سے اگلے دن سب کو حویلی کے لیے روانہ ہونا تھا۔ ولید کی بہن کی شادی تھی وہ بھی مصروف تھا سبھی کے ساتھ وہ بھی حویلی جا رہا تھا۔ وہ ضروری ساز وسامان لینے گھر آیا تو انا گم صم سی لان میں بیٹھی دکھائی دی' وہ اسی طرف چلا آیا تھا۔

"السلام علیکم!" انا نے اسے دیکھا اور محض سر ہلایا تھا۔

"تمہیں علم تو ہے کہ رابعہ کی شادی حویلی سے ہی ہو رہی ہے چلو گی ساتھ۔"
"نہیں۔" وہ صاف گوئی سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"کیوں؟"
"میرے پاس وقت نہیں ہے۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر وہاں سے چل دی تو ولید بھی ساتھ ساتھ ہولیا۔
"یوں کہو نا کہ اپنی شادی کی وجہ سے نہیں جانا چاہ رہی ہو۔" انا نے ایک اجنبی نگاہ ولید پر ڈالی۔
"سنا ہے رخصت ہو کر تم بھی حویلی ہی آؤ گی۔" انا نے حیران ہو کر دیکھا اسے ایسے کسی بھی پروگرام کا علم نہ تھا۔
"پھوپو بتا رہی تھیں کہ حسب روایت وہ یہ شادی بھی حویلی میں ہی کریں گی۔ وہیں سے بارات شہر آئے گی اور تمہیں رخصت کروا کر واپس گاؤں لے جاؤں گی اس کے بعد تم لوگ جہاں مرضی رہو تم لوگوں کی مرضی۔" ولید کے الفاظ پر وہ الجھ گئی تھی۔ حویلی جانے کا مطلب شادی کے بعد مسلسل ولید سے سامنا' ایک مسلسل اذیت...... ایک لایعنی سوچوں کا سلسلہ جس سے وہ چھٹکارا نہیں حاصل کر پا رہی تھی۔
"مصطفیٰ اور شہوار کے نکاح اور شادی کی تقریب کے دوران تم گاؤں جا چکی ہو' گاؤں کے اور ان لوگوں کے حویلی کے رہن سہن سے تم باخبر رہی ہو' سنا ہے پھوپو وغیرہ کا تمہیں بڑا لمبا چوڑا پروٹوکول دینے کا ارادہ ہے۔" انا نے بہت غصے سے ولید کو دیکھا تھا۔
"آپ کا ان سب باتوں سے آخر کیا مطلب ہے' کیا چاہتے ہیں آپ؟" اس کا انداز بہت دوٹوک اور قطعی تھا' ایک پل کو ولید نے اسے بغور دیکھا اور مسکرا دیا۔
"میں تو کچھ نہیں چاہتا بس نیک خواہشات رکھتا ہوں آخر کو اتنا پرانا تعلق رہا ہے تو حق بنتا ہے تمہارا۔" ولید کے الفاظ پر انا بھک سے اڑی تھی۔
"شٹ اپ۔" وہ بہت غصے سے بولی۔
"بھاڑ میں جائیں آپ اور آپ کی یہ سو کالڈ نیک خواہشات' آپ جیسا اذیت پسند انسان تو میں نے زندگی بھر نہیں دیکھا۔ حیرت کے ساتھ ساتھ مجھے دکھ بھی ہو رہا ہے جب آپ مجھے صاف لفظوں میں انکار کر چکے ہیں تو پھر بار بار میرے سامنے آ کر مجھے یوں زچ کرنے کا کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ بہت غصے سے چلائی تھی' ولید ایک پل کو حیران ہوا تھا۔
"میں تو بس تمہارا حوصلہ بڑھانا......" ولید نے کچھ کہنا چاہا جب انا نے انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا۔
"مجھے آپ کی کسی بھی ہمدردی اور رحم کی ضرورت نہیں' آئندہ خبردار میرے سامنے آ کر مجھے کچھ کہا تو میں بھی پرانے تعلق کی وجہ سے یہ سب برداشت کر رہی ہوں ورنہ......" ولید ہنسا تو انا کا پارہ ایک دم شدید ہائی ہو گیا۔
"تم تو مائنڈ ہی کر گئی ہو میں تو تمہارے فائدے کی ٹپس دے رہا تھا۔"
"نہیں چاہیے مجھے آپ کی کوئی ٹپس' میں سچ کہہ رہی ہوں اگر آپ نے اب مجھے ایک لفظ بھی کہا تو انکل سے (لالہ رخ) اور آنٹی سے آپ کی شکایت کر دوں گی۔"
"ہائے' کیا کہو گی؟" انا نے بہت غصے سے اسے دیکھا۔
"یہی کہ میں تمہیں اچھے اچھے مشورے دے رہا ہوں اور شادی سے متعلق بریفنگ دے رہا ہوں۔" ولید کا انداز تپانے والا تھا اور انا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کچھ کر بیٹھے۔ "خیر وہ سب ایک طرف تم نے شہوار سے میری شکایت کیوں کی؟ شادی سے تم نے انکار کیا تھا حماد کو تم درمیان میں لائی تھیں محترمہ! میں نے تو بزرگوں کے فیصلے کا احترام کیا

ہے بس ان کو مزید ذہنی ٹینشن سے بچایا ہے میں نے' تمہیں تو میرا احسان مند ہونا چاہیے نہ کہ ہر دوسرے بندے کے سامنے مظلوم بن کر میری شکایتیں کرتی پھرو۔" انا نے بہت غصے سے اسے دیکھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ ولید کے سامنے اپنے دلی جذبات کو آشکار کر کے وہ اتنی بڑی غلطی کر گئی ہے وہ تو نجانے کس امید میں اس سے حال دل کہہ بیٹھی تھی اسے علم نہیں تھا کہ ولید اسے یوں خوار کرے گا۔ وہ اب اس گھڑی کو پچھتا رہی تھی۔ جس گھڑی جذبات میں آ کر وہ ولید کے سامنے کمزور پڑ گئی تھی۔

"مجھے نہیں پتا تھا آپ اس قدر بے رحم' سنگ دل اور مطلب پرست انسان ہیں' کاش...... کاش!" وہ اسے دیکھ کر لب بھینچ کر وہاں سے تیزی سے چلی گئی تھی۔ ولید نے سنجیدگی سے اسے جاتے دیکھ کر کندھے اچکائے تھے۔



حویلی میں اچھی خاصی رونق لگی ہوئی تھی۔ رابعہ کی شادی پہلے ہوئی تھی اس کے چند دن بعد انا کی شادی تھی۔ البتہ ولیمہ بابا صاحب کی خواہش کے مطابق شہر میں ہونا تھا اور حماد' عباس اور مصطفیٰ کا جواب تک پینڈنگ تھا تینوں ویسے ایک ساتھ طے پائے تھے۔ بابا صاحب بہت خوش تھے' عرصہ بعد ان کا دل ایک ان دیکھے بوجھ سے آزاد ہو کر سانس لے رہا تھا۔ انہوں نے فیضان' لالہ رخ' رابعہ' ولید اور شہوار سب کو سارے خاندان میں ایک نئی حقیقت اور رشتے سے متعارف کروایا تھا۔ اب ماضی میں ایسے رشتے موجود نہ تھے جو ان کے کسی عمل پر ردعمل ظاہر کرتے اور جو تھے ان کی انہیں پروانہ تھی ان کے بچے ان سے خوش تھے فیضان اور اس کے بچوں کو کھلے دل سے قبول کیا تھا۔ بابا صاحب تو گویا نئے سرے سے جی اٹھے تھے۔ شہوار کی شادی انہوں نے خود کروائی تھی لیکن تب وہ شہوار سے اپنے اصل رشتے سے باخبر نہ تھے لیکن اب رابعہ سے اپنے رشتے سے وہ نہ صرف باخبر تھے بلکہ وہ اب اس شادی میں ہر طرح کی خوشی پوری کرنا چاہتے تھے۔

مہمانوں کی ایک طویل لسٹ تھی۔ وہ جب سے حویلی لوٹے تھے شادی کے انتظامات میں لگے ہوئے تھے۔ حویلی میں مہمانوں نے آنا شروع کر دیا تو حویلی کی رونقیں ایک دم بڑھ گئیں تھیں۔ بابا صاحب خود کو بہت تروتازہ اور جوان محسوس کر رہے تھے۔

اگلے دن شاہزیب صاحب بھی آ گئے تھے باقی اہل خانہ تو پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ دونوں پھوپیاں ان کے بچے' چچا دیگر رشتہ دار ایک لمبا چوڑا خاندان تھا' رابعہ کو مایوں بٹھا دیا گیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں محدود ہو کر رہ گئی تھی' باقی گھر والوں سے ماسوائے خواتین کے اس کا سخت پردہ تھا۔ مہندی کا فنکشن کمبائن تھا ایک دن گیپ اور اس سے اگلے دن بارات تھی۔ ہادیہ بطور خاص حویلی آئی ہوئی تھی' ان کی طرف سے ساجدہ اور ان کے علاوہ باقی سب مہندی کے فنکشن کے لیے آئے تھے۔

"میں نے شہوار کی شادی کا فنکشن مس کر دیا تھا لیکن رابعہ کی شادی تو ضرور اٹینڈ کرنی تھی۔" وہ لائبہ کی طبیعت کے بارے میں پوچھنے پر ہنس کر بتانے لگی تھی۔ شہوار کی شادی کی طرح اس بار بھی مہندی کا انتظام ہال کمرے میں کیا گیا تھا۔ ساجدہ بھابی رابعہ کو سجانے سنوارنے میں پیش پیش تھیں۔

"شہوار کی شادی میں سبھی نے بہت انجوائے کیا تھا تمہیں یاد ہو گا روشانے کہ جب شہوار کا نکاح تھا اور ہم سب ہال میں بیٹھیں مہندی لگا رہی تھیں شہوار کا آرڈر تھا کہ کوئی بھی لڑکا ادھر نہیں آئے گا لیکن سب لڑکوں نے ایک دم ہلہ بول دیا تھا اور پھر بڑی مشکل سے نکال کر پائی تھیں ہم۔" شائستہ رابعہ کو مہندی کے فنکشن کے لیے تیار کرتے کرتے اسے ماضی کے واقعات بھی سنا رہی تھی۔

"ہائے اس کا مطلب ہے یہاں دلہن کو بہت تنگ کیا جاتا ہے۔" رابعہ واقعی اندر سے خوف زدہ ہوگئی تھی۔ شہوار کی شادی وہ دیکھ چکی تھی لیکن نکاح اٹینڈ نہیں کیا تھا۔

"تم دیکھنا ذرا باہر لڑکوں نے کیسے بھنگڑے کا انتظام کیا ہے۔"

"عباس بھائی کی شادی پر تو سبھی دل کے ارمان نکالیں گے دیکھنا ذرا۔" لائبہ نے بھی لقمہ دیا۔

کھانے کے بعد باہر ڈھول بجنے کی آواز سنائی دی تو سبھی ایک دم پُرجوش ہوگئے تھے سبھی لڑکے باہر حویلی کے سامنے اکٹھے ہوگئے تھے۔ لڑکیاں اندر اپنی تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں شہوار نے اس موقع کے لیے زرد اور سبز رنگ کے امتزاج والی ہلکے پھلکے کام والی ساڑھی بنوائی تھی۔ وہ ساڑھی پہن کر اس کی فال درست کررہی تھی جب مصطفیٰ کمرے میں داخل ہوا تھا۔ شائستہ بھابی سے میک اپ اس نے پہلے ہی کروالیا تھا' شہر سے چند بیوٹیشنز لڑکیاں آئی ہوئی تھیں دن میں اس نے مہندی لگوائی تھی۔ وہ اس وقت سولہ سنگھار کیے قیامت ڈھارہی تھی۔ مصطفیٰ تو ایک پل کو اسے دیکھ کر ساکت رہ گیا تھا۔ ہمیشہ سادہ سے حلیے میں رہنے والی شہوار اس وقت غضب ڈھارہی تھی۔

"ماشاء اللہ' آج تو رنگ ڈھنگ ہی نرالے ہیں۔" مصطفیٰ نے قریب آتے مبہوت سے انداز میں کہا تو شہوار جھینپی۔

"اب ایسی بھی بات نہیں۔" اس نے مصطفیٰ کے تیور دیکھتے ٹالنا چاہا۔

"یہ ذرا آئینے میں دیکھ کر بتاؤ ذرا یہ تمہی ہو یا تم سا کوئی اور ہے۔" اسے کندھوں سے پکڑ کر آئینے کے سامنے کرتے مصطفیٰ نے کہا تو شہوار کنفیوژ ہوگئی۔

"یار اس وقت تم تو وہ لگ رہی ہو جسے شاعر دیکھ کر کہتے ہیں......

حسن کو چاند جوانی کو کنول کہتے ہیں

تیری صورت نظر آئے تو غزل کہتے ہیں......"

"زیادہ پھیلنے کی ضرورت نہیں آئی سمجھ' وقت کم ہے آپ بھی جلدی سے تیار ہوجائیں۔" شہوار نے مسکراہٹ ضبط کرتے سنجیدہ ہوتے کہا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔

"پولیس والا میں ہوں تھانیدارنی تم بن رہی ہو ذرا اُدھر آؤ تو سہی بغور دیکھ تو لوں۔" ہاتھ تھام کر قریب کرنا چاہا تو شہوار ہنس کر پیچھے ہوئی۔

"آج آپ کو کیا ہوگیا ہے؟" مصطفیٰ کے تیور عجیب سے تھے اس نے پہلو بچاتے کہا تو مصطفیٰ نے اسے خود کے قریب کرتے اس کی پشت پر بکھرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے بڑی مخمور نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"تمہارا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔" شہوار ہنس دی تھی دونوں ہاتھ مصطفیٰ کے سینے پر رکھ کر پیچھے ہٹی۔

"آپ کے کپڑے میں نے واش روم میں لٹکا دیئے ہیں مجھے رابعہ کو بھی دیکھنا ہے آپ جلدی سے تیار ہوکر آجائیں رابعہ بہت کنفیوژ ہورہی تھی۔"

"کیا ہے یار!" شہوار کے یوں پہلو بچانے پر مصطفیٰ بدمزہ ہوا تھا' شہوار ہنس دی تھی۔

"پولیس افسر صاحب کو اول تو رومینس کے لیے ٹائم ہی نہیں ملتا اور اگر ملتا ہے تو وہ بھی بے وقت' مجھے سبھی بلانے آچکی ہیں بس کمرے سے نکلنے ہی والی تھی۔" وہ جلدی جلدی چیزیں سمیٹنے لگی تھی۔ اس نے ہلکی سی ہیل پہن رکھی تھی بال ایک کیچر میں جکڑ کر پشت پر کھلے چھوڑ دیئے تھے' اس نے بہت زیادہ میک اپ اور بہت زیادہ جیولری استعمال نہیں کی تھی بس ہلکے پھلکے انداز میں بہت ڈیسنٹ لگ رہی تھی۔

"اوکے۔" مصطفیٰ واش روم میں گھس گیا' وہ تیار ہو کر باہر آئی تو تقریباً سبھی تیار تھیں وہ رابعہ کے کمرے میں آئی وہاں کافی رونق تھی۔ وہ زرد لباس میں بہت ہلکی سی لپ اسٹک اور پھولوں کی جیولری سجائے بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"ماشاء اللہ! عباس بھائی تو گئے آج کام سے۔" بہن کے پاس جاکر اسے بغور دیکھتے اس نے سراہا تھا رابعہ مزید جھینپی تھی۔

"یار یہ بھی تمہاری ہی بہن ہے' کہہ رہی ہے کہ سب کے سامنے نہیں جائے گی۔" لائبہ نے شہوار کو بتایا تو اس نے رابعہ کو دیکھا وہ واقعی بہت کنفیوژ ہو رہی تھی۔

"ارے کچھ نہیں ہوتا ہم سب آپ کے پاس ہوں گی ڈونٹ وری۔"

"لیکن میں اس قسم کے فنکشنز کی عادی نہیں ہوں۔"

"یہاں کوئی بھی لڑکی عادی نہیں ہوتی ہر کوئی اپنی شادی پر پہلا پہلا تجربہ کرتی ہے۔" شائستہ بھابی نے لقمہ دیا۔

"لڑکے بھی تیار ہو گئے ہیں وہ اب اندر آنا چاہ رہے ہیں۔" رمشاء نے آکر اطلاع دی۔

"ہماری دلہن بھی تیار ہے پہلے وہ لوگ عباس بھائی کو ہال میں لے جائیں گے پھر ہم لوگ رابعہ کو لے کر آئیں گے۔" شائستہ نے پروگرام بتایا' تبھی عائشہ اور صبا بھی وہیں آگئی تھیں۔

"ماشاء اللہ آج تو عباس بھائی کی سج دھج دیکھنے والی ہے۔" صبا نے بتایا۔

"ہماری دلہن بھی کسی سے کم نہیں۔" شہوار نے کہا تو سبھی ہنسی تھیں۔

"واقعی یہ تو سورج چاند کی جوڑی بن گئی۔" عائشہ نے بھی کہا۔ کچھ دیر بعد ان سب کو دلہن کو باہر لے جانے کا عندیہ ملا تو سبھی کنفیوژ سی رابعہ کے اردگرد ہو گئی تھیں سبھی کے جھرمٹ میں وہ ہال کمرے میں لائی گئی تھی۔ ہال کمرے میں مردوں میں صرف خاندان کے ہی لڑکے تھے جبکہ خواتین خاصی تعداد میں تھیں۔ اسے لاکر عباس کے پہلو میں صوفے پر بٹھا دیا گیا تھا۔

رسم کا آغاز مہر النساء بیگم اور دوسری طرف لالہ رخ نے کیا تھا۔ مہندی کی رسم بڑوں کی موجودگی کے سبب سنجیدگی سے سرانجام پائی تھی۔ بڑے مہندی لگا کر چلے گئے تو ینگ جنریشن کو ایک دم چھوٹ ملی تھی۔ سبھی لڑکیاں ڈھولک لے کر عباس اور رابعہ کے سامنے قالین پر آ بیٹھی تھیں۔

"عباس بھائی آپ کی آزادی کی آخری رات ہو گی کل کے بعد پرسوں آپ کو رابعہ بھابی کی قید میں دے دیا جائے گا سو آج دل کھول کر انجوائے کرلو۔" ساریہ نے اونچی آواز میں کہا تو وہاں کا ماحول ایک دم زعفران بن گیا۔

"تمہیں کیا پتا عباس بھائی تو اس قید پر بھی جی جان سے فدا ہونے کو تیار ہیں' باہر باقاعدہ بھنگڑا ڈال کر آئے ہیں۔" آفاق نے بھی "توا" ریکارڈ لگایا تھا' عباس جھینپ گیا۔

"جان بوجھ کر گھسیٹ رہے تھے تم اس کو بھنگڑا کب کہتے ہیں۔"

"ہم نے سوچا کہ بعد میں رابعہ بھابی کے اشاروں پر تو ناچنا ہی ہے' ہمارے سامنے بھی ناچ لیں۔" سبھی لڑکیاں ہنس دی تھیں۔ بیک گراؤنڈ میں "آئی مہندی کی یہ رات' لائی خوشیوں کی بارات" کا ریکارڈ بج رہا تھا۔

"ویسے عباس بھائی اور مصطفیٰ دونوں ہی بہت لکی ہیں خاندان کی سب سے خاص لڑکیاں ان کا مقدر بنی ہیں۔" زبیر بھائی نے بھی سراہا۔

"چلو بھئی اس بار لڑکوں کو بھرپور موقع ملنا ہے جتنا بھی فارم میں آنا چاہتے ہیں آجائیں پھر کوئی نہ کہے کہ ہم نے شادی میں اپنے ارمان پورے نہیں کیے۔" عائشہ نے آواز لگائی تو سبھی لڑکے ایک دم پرجوش ہو گئے تھے۔

''سب سے پہلے تو دلہن کے چہرے کی رونمائی کروائی جائے۔'' مصطفیٰ جو عباس کے ساتھ ہی بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا۔

''نہ بھئی رخصتی تک تو اب یہ چہرہ پردے میں ہی رہے گا۔'' رابعہ جو لمبے سے گھونگھٹ کی اوٹ میں تھی وہ اندر ہی اندر کنفیوژ ہو رہی تھی جبکہ ان سب کو شرارت سوجھ رہی تھی۔

''مصطفیٰ اپنے نکاح والا بدلہ لینا چاہ رہا ہے...... ہے نا مصطفیٰ۔'' کسی کزن نے کہا تو سبھی ہنس دیے۔

''بدلہ کیسا' بھئی ہمارے دلہے کے بھی کچھ ارمان ہیں۔'' مصطفیٰ نے بھائی کا دفاع کیا۔

''لیکن ہم تو رخصتی تک اپنی دلہن کا چہرہ کسی کو بھی نہیں دکھانے والے۔'' شہوار نے فوراً کہا۔

''مائنڈ اٹ آپ محترمہ لڑکے والوں کی طرف سے ہیں۔'' سجاد نے بھی دھاوا بولا۔

''لیکن میں تو لڑکی کی بہن پہلے ہوں باقی سب بعد میں۔''

''عباس بھائی یاد رکھیں پرسوں ان محترمہ کو نیگ لینے والوں کی لسٹ سے خارج کردینا ہے۔'' آفاق نے بھی شرارت کی تھی۔

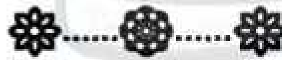
''یہ بھی یاد رکھیں کل لڑکی والوں کی طرف سے مجھ سے ہی سامنا ہوگا لمبی چوڑی ڈیل کے بعد بھی دلہن نہیں دیں گے ہم۔'' شہوار نے بھی ڈرانا چاہا تھا' سبھی ہنس دیئے تھے۔

وہاں ایک ہنگامہ تھا قہقہے تھے خوشیاں تھیں' ایک عرصہ بعد بابا صاحب کی حویلی میں زندگی اپنے جوبن پر تھی تبھی سب کی پرجوش فرمائش پر زاہد بھائی اور مختلف لڑکیوں نے خوب صورت سا بھنگڑا پیش کیا تھا۔

ایک میرا رنگ گلابی تے اوتے نین نشیلے میرے
او میری انکھ نے شرارت کیتی کہ شہر وچ رولا پے گیا

شاؤٹ اچھا تھا لڑکوں نے مصطفیٰ اور سجاد کو بھی گھسیٹ لیا تھا اور پھر اس کے بعد لڑکوں نے وہ وہ کرتب پیش کیے کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔

''ہوہا......'' کی آوازوں سے حویلی کے در و دیوار گونجنے لگے' شاہزیب صاحب نے ہی آخر وقت گزرنے کا احساس دلاتے یہ محفل برخاست کروائی تھی۔



انا کی شہوار کو کال آئی تھی۔ اس نے رات کی تقریب کے بارے میں بتایا تو اس نے سنجیدگی سے سنا تھا۔ وہ خاصی افسردہ اور مضمحل سی لگ رہی تھی' شہوار کے دل کو کچھ ہوا تھا لیکن وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ کال بند ہوئی تو وہ افسردہ سی بیٹھی ہوئی تھی۔ مصطفیٰ کمرے میں آیا تو وہ کپڑے گود میں لیے اداسی کا مجسمہ بنی ہوئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے ایک گہرا سانس لیتے مصطفیٰ کو دیکھا۔

''کچھ نہیں۔'' مصطفیٰ نے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا اس میں موبائل تھا۔

''کس کی کال تھی؟''

''انا کی۔'' وہ بستر پر دراز ہوگیا۔

''اب کیا ہوا' خیریت؟''

''انا کے ساتھ یہ سب مل کر جو کر رہے ہیں اچھا نہیں ہو رہا' ایک لڑکی ذات کے جذبات و احساسات پر اتنا بوجھ مت ڈالیں کہ بعد میں پچھتانا پڑے۔''

قرآنی آیات کی عام فہم تفاسیر جنہیں

مشتاق احمد قریشی

نے مستند تفاسیر اور حوالوں سے آراستہ کیا ہے

کتاب کا نام	
تفسیر سورۃ اخلاص	تفسیر آیات ربنا اتنا
تفسیر معاذ اللہ	تفسیر سورۃ النصر
تفسیر سورۃ العصر	تفسیر سورۃ الہب
تفسیر سورۃ الکفرون	تفسیر آیات اللہ ذوالجلال
تفسیر سورۃ الفاتحہ	تفسیر سورۃ الشمس
تفسیر سورۃ کلمہ طیبہ	تفسیر سورۃ القریش
تفسیر سورۃ معوذتین	لقد خلقنا الانسان
تفسیر سورۃ الکوثر	تفسیر سورۃ القدر
تفسیر آیات السلام علیکم	آسمانی صحیفے اور قرآن
تفسیر آیات یایھا الذین امنو	تفسیر سورۃ الماعون
امام اعظم حیات و فقہی کارنامے	

ملنے کا پتا: نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز۔ 7 فرید چیمبر عبداللہ ہارون روڈ کراچی

اسلامی کتب خانہ۔ فضل الٰہی مارکیٹ چوک اردو بازار لاہور

"کیوں کیا کہہ دیا اس نے؟"

"بہت زیادہ ایموشنل ہو رہی ہے ولید بھائی بہت زیادتی کر رہے ہیں اس کے ساتھ آپ نے مجھے پابند نہ کر دیا ہوتا تو میں ضرور انا کے پاس جا کر اس سے بات کرتی یہ سب نہ ہونے دیتی جو اَب ہو رہا ہے۔"

"بھئی ہم کیا کر سکتے ہیں؟ تمہارے بھائی کی ضد ہے ویسے بھی شادی دلوں کے معاملات ہوتے ہیں اب اسے جو مناسب لگا وہ کر رہا ہے کیا کر سکتے ہیں۔" مصطفیٰ نے پھر ہری جھنڈی دکھائی۔

"دس از ناٹ فیئر' میں سچ کہہ رہی ہوں اگر انا کو زیادہ پریشان کیا گیا تو میں پھر کسی بھی وعدے کا لحاظ نہیں کروں گی اور رہ گئے ولید بھائی ان کو تو میں اچھی طرح دیکھ لوں گی۔" مصطفیٰ ہنسا۔

"بھئی یہ تو تمہارا اور تمہارے بھائی کا معاملہ ہے جو مرضی کرو۔" شہوار نے اسے غصے سے دیکھا۔

"ہر وقت آپ کے ساتھ سر جوڑے رکھتے ہیں آپ ان سے کم تو نہیں۔"

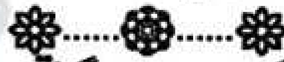
"بھئی میری پیاری سی بیگم مجھ ناتواں پر اتنا نزلہ کیوں گرا رہی ہیں۔" مصطفیٰ نے ہاتھ تھامنا چاہا تو اس نے غصے سے ہاتھ جھٹک دیا۔

"آپ ان کو سمجھا سکتے تھے نہ کہ ان کی بے وقوفی میں ان کا ساتھ دیتے۔ ایک دفعہ حالات ٹھیک ہو جائیں پھر دیکھوں گی آپ کو بھی اور ان کو بھی۔" وہ غصے سے کہہ کر بستر سے کھڑی ہوگئی۔

"او کے دیکھ لینا لیکن اس وقت تو کچھ دیر بیٹھو۔" مصطفیٰ نے اسے جانے کے لیے قدم بڑھاتے دیکھا تو کہا۔

"امی نے بلوایا ہے ان کی بات سن لوں تو آتی ہوں۔" وہ کپڑے ایک طرف پر رکھتے کہہ کر پلٹی۔

"اچھا ایک کپ چائے بنوا کر بھجوا دو' کچھ دیر سوؤں گا پھر اٹھا دینا۔" شہوار سر ہلا کر چلی گئی۔ مصطفیٰ نے اسے مسکرا کر جاتے دیکھا اور پھر ولید کے متوقع حشر کا سوچتے ہنس دیا تھا۔



آج رابعہ کی بارات تھی' انا ساجدہ کے ساتھ گھر میں ہی رک گئی تھی خالہ بی تو گھر پر تھیں انا کا وقت اچھا گزر رہا تھا' روشی بھی پل پل کی رپورٹ دے رہی تھی وہ اچھی خاصی تصاویر بنا کر واٹس اپ کرتی جا رہی تھی۔ انا فنکشن میں نہ ہونے کے باوجود ہر پل سے آگاہ ہو رہی تھی۔

ایسے میں ولید کے مختلف لوگوں کی ساتھ مختلف پوز دیکھ کر اس کا دل ڈوبا' ولید اپنی شاندار وجاہت کے ساتھ ساری محفل میں نمایاں تھا۔ ولید کی تصویر کو دیکھتے انا کے اندر شدید اکھاڑ پچھاڑ شروع ہوئی تو وہ کمرے میں بند ہو کر شدت سے روئی تھی۔ وہ دعاؤں پر یقین رکھتی تھی لیکن اس نے جتنی بھی دعائیں مانگی تھیں وہ سب رد کر دی گئی تھیں شاید ورنہ ولید تو اس کی طلب تھا۔ اس کے دل کی اولین خواہش' شدید تمنا...... اس نے تو ہوش سنبھالتے ہی اپنے اردگرد یہی نام سنا تھا اور جب دیکھا تھا وہ دل ہار گئی تھی پھر چراغوں میں روشنی نہ رہی کہ مصداق اس نے دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ اپنی محبت میں جنونی تھی' بہت شدت پسند تھی۔ شکی تھی لیکن اس نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ ولید اس سے چھن جائے' کاش وہ وقت کا پہیہ الٹا سکتی۔ وہ نجانے کب تک روتی رہی تھی کہ اچانک موبائل بجنے لگا تو چونکی' اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا ان نون نمبر تھا اس نے اپنا چہرہ صاف کیا اور کال پک کی۔

"ہیلو۔" اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔

"انا بات کر رہی ہیں۔" اجنبی مردانہ آواز تھی وہ الجھی۔

"آپ کون؟" اس اجنبی آواز پر وہ کچھ بھی نہ سمجھ پائی تھی۔

"حماد بات کر رہا ہوں۔" انا کو لگا کہ جیسے اس کا سارا وجود ایک دم ساکت ہوگیا ہو۔

"ہیلو......" اس کی طرف سے خاموشی پر اس نے پکارا تو انا نے خود کو سنبھالا۔

"جی بول رہی ہوں۔" وہ جب سے پاکستان لوٹا تھا یہ پہلی کال تھی لیکن حماد کا نمبر تو اور تھا جو پاکستان سے جانے سے پہلے وہ استعمال کیا کرتا تھا لیکن یہ نمبر......

"مجھے پتا چلا ہے آپ اس شادی سے ناخوش ہیں۔"

"جی......؟" انا ایک دم خوف زدہ ہوئی۔

"آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں آپ کو پسند کرتا تھا لیکن آپ کو کسی نے بھی یہ حق نہیں دیا تھا کہ آپ میرے جذبات سے کھیلتیں۔ میں بہت فیئر ہو کر آپ کی طرف بڑھا تھا لیکن آپ نے میرے ساتھ بہت غلط کیا ہے آپ ولید سے محبت کرتی تھیں تو بتایا ہوتا میں خود اپنے والدین کو انکار کر دیتا۔" دوسری طرف تو وہ جیسے ایک دم اسٹارٹ ہوا اور پھر سب کہتا چلا گیا تھا۔

"دیکھیں حماد! ایسی کوئی بات نہیں وہ سب یک طرفہ تھا میں تو اب......" انا نے کچھ کہنا چاہا تھا حالات کو قابو کرنا چاہا تھا۔

"جھوٹ مت بولیں، میں اپنے والدین کی وجہ سے مجبور ہوگیا ہوں یہ شادی کرنے کے لیے، میں تو بہت خوش تھا مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا کہ ایک دھوکے باز لڑکی میری زندگی کا حصہ بننے جارہی ہے۔" دوسری طرف تو جیسے وہ کچھ سننے پر تیار ہی نہ تھا۔ انا جو پہلے ہی حالات وواقعات کو لے کر از حد ڈسٹرب تھی ایک دم پھٹ پڑی تھی۔

"عجیب انسان ہیں آپ پہلے میری بات تو سن لیں۔"

"کیا سنوں؟ آپ کے جھوٹ پر مبنی ڈائیلاگز۔"

"شٹ اپ۔" انا کا دماغ گھوم گیا۔

"جو جی میں آتا ہے سمجھتے پھریں، مائی فٹ، میں ابھی آزاد ہوں آپ کی پابند نہیں ہوں کہ آپ کو تاویلیں دیتی پھروں۔" غصے سے کہہ کر اس نے جھٹ سے کال بند کی اور سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

"مائی گاڈ یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ۔" اس کا دماغ پھٹنے لگا تھا تبھی پھر موبائل بجا تھا وہی نمبر تھا اس نے لب بھینچے کال پک کی تھی۔

"سنئے انا صاحبہ! انسان میں اتنی ہمت ضرور ہونی چاہیے کہ سچ کا مقابلہ کر سکے آپ نے مجھے دھوکہ دیا ہے اور آپ نے میرے ساتھ قطعی اچھا نہیں کیا، کاش...... کاش......" اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ بکواس کرتا انا نے پھر کال کاٹ دی تھی۔ اس کے دماغ کا ٹمپریچر ایک دم ہائی ہوا تھا وہ اٹھ کر اندھیرے کمرے میں ٹہلنے لگ گئی ابھی وہ ٹہل رہی تھی کہ ایک بار پھر موبائل بجا اس نے دیکھا وہی نمبر تھا انا نے غصے سے موبائل کو گھورا تھا۔

کال بیل بج بج کر خاموش ہوگئی تھی ابھی وہ کھڑکی کے پاس آ کر رکی تھی کہ بیل پھر بجی تھی، انا نے بہت غصے سے موبائل کو دیکھے بنا آگے بڑھ کر موبائل اٹھا کر ریس کا بٹن دبا کر موبائل کان سے لگا لیا تھا۔

"مسٹر حماد! تم جو سمجھتے ہو سمجھتے رہو ہاں میں ہوں دھوکے باز لڑکی، کیا کر لو گے تم مجھ سے شادی سے انکار کرو گے تو جاؤ کرو انکار رہ گیا ولید اس کی میری زندگی میں جو بھی حیثیت تھی میں اس کے بارے میں تمہیں کسی بھی قسم کی کوئی بھی کلیئرفیکشن دینے کی پابند نہیں ہوں۔ میری طرف سے تم سب جاؤ بھاڑ میں، مائی فٹ......" بہت غصے سے کہہ کر اس نے موبائل کان سے ہٹا کر آف کا بٹن کلک کرنا چاہا تو ٹھٹک گئی۔ ٹچ اسکرین پر جھلملاتے نام نے ایک دم اس کے

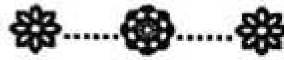
حواس سلب کیے تھے۔

''ولید......'' اس نے زیر لب دہرایا اور ڈرتے ڈرتے موبائل کان سے لگایا تھا۔

''ہیلو انا...... ہیلو...... انا سن رہی ہو...... انا'' وہ بلاشبہ ولید ہی تھا۔ انا کو لگا وہ منوں کے حساب سے شرمندگی کے بھاری بوجھ تلے دب گئی ہو۔

''انا میں ولید بول رہا ہوں' سن رہی ہو نا۔'' اور انا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ اس نے کال کاٹ دی تھی' نہ صرف کال کاٹی تھی بلکہ موبائل بھی آف کردیا تھا۔

وہ جو کرچکی تھی وہ بہت زیادہ تھا' شرمندگی پہ شرمندگی...... اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ خود کو ایک دم شوٹ کردے لیکن اس کے اختیار میں کچھ بھی نہ تھا سوائے رونے دھونے کے اور وہ یہ کام خوش اسلوبی سے کرسکتی تھی اس نے خود کو بستر پر گرالیا تھا اور تکیے میں منہ چھپا کر وہ ایک بار پھر شدت سے رودی تھی۔



''کیا ہوا......؟'' مصطفیٰ نے ولید کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ پلٹا تھا' مصطفیٰ کو دیکھ کر مسکرایا۔

''کچھ نہیں دوست کو کال کررہا تھا مگر نمبر بند جارہا ہے؟'' مسکرا کر کہتے موبائل پاکٹ میں ڈالا۔

''تم تیار نہیں ہوئے ابھی تک؟'' مصطفیٰ نے اسے اسی طرح صبح والے لباس میں دیکھ کر پوچھا جبکہ وہ اچھی طرح ڈریس اپ تھا۔ آج عباس کی بارات اور رخصتی تھی اس کے بعد انا کی شادی کے بعد سب کا ولیمہ کے فنکشن ایک ساتھ تھا۔ بابا صاحب نے مصطفیٰ کو بطور خاص بلوا کر بتایا تھا کہ اس کا ولیمہ بھی ساتھ ہوگا' وہ ولیمہ جو اس کے ساتھ اچانک پیش آجانے والے حادثے کے سبب کینسل ہوگیا تھا اور پھر بعد میں پینڈنگ ہوتا چلا گیا تھا۔ ولیمہ شہر میں ہونا تھا تاکہ وہ تمام احباب جو گاؤں نہیں آسکتے وہ شہر کے فنکشن میں شرکت ضرور کرسکیں۔

''بس تیار ہونے ہی جارہا تھا۔'' ولید نے عجلت سے کہا۔

''اچھا بات سنو۔'' دونوں ساتھ چلتے رکے تھے' مصطفیٰ کا انداز پرسوچ تھا۔

''شہوار بہت ناراض ہورہی تھی۔''

''کیوں؟''

''وجہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔'' مصطفیٰ نے تادیبی انداز میں دیکھا تو ولید مسکرایا۔ ''صبح اس نے انا کو کال کی تھی ویسے تو اس کا ہر وقت انا سے رابطہ ہے لیکن مجھ سے کئی بار الجھ چکی ہے' کہہ رہی تھی کہ میں تمہیں سمجھاؤں جو ہورہا ہے اچھا نہیں ہورہا۔ انا بہت زیادہ پوزیسو ہورہی ہے یہ نہ ہو وہ کوئی غلط قدم اٹھالے۔'' ولید نے سنجیدگی سے سنا اور مسکرا دیا۔

''ڈونٹ وری' وہ جتنی بھی ایموشنل ہوجائے کچھ غلط نہیں کرے گی۔'' مصطفیٰ نے گھورا۔

''زیادہ اوور کانفیڈنٹ ہونے کی ضرورت نہیں' آخر کار وہ ایک لڑکی ہے' آخر کب تک برداشت کرسکتی ہے۔ ویسے بھی میں سمجھ رہا ہوں کہ وہ کچھ زیادہ ہی سزا جھیل چکی ہے اب یہ سب اس کے لیے کچھ زیادہ ہی ہورہا ہے۔''

''او کے تمہارا کیا خیال ہے اب کیا کیا جائے؟'' ولید نے بظاہر سنجیدگی لیکن طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''تمہیں انا سے ایکسکیوز کرلینا چاہیے۔''

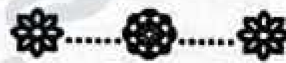
''ایکسکیوز تو اب اس سے صرف ایک بار ہی ہوگا اس سے پہلے تو قطعی نہیں۔'' مصطفیٰ نے دیکھا وہ سنجیدہ تھا۔

''او کے جیسے تمہاری مرضی لیکن اگر شہوار نے اس دوران ایسا ویسا کچھ کہہ دیا تو پھر مجھے سزامت دینا۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔

''اور ہاں' چچا جان بلا رہے تھے تمہیں۔''
''کب؟''
''کچھ دیر پہلے تیار ہو کر بابا صاحب کے ساتھ پنڈال (جس جگہ بارات کے لیے بیٹھنے کا انتظام تھا) کی طرف جا رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ تمہیں بھی لے کر اسی طرف آ جاؤں۔''
''میں چینج کر کے ادھر ہی جانے والا تھا' تم چلو میں بھی آتا ہوں۔'' وہ کہہ کر تیزی سے اس کمرے کی طرف چل دیا' جہاں آج کل اس کا قیام تھا۔

بارات کا انتظام بہت اچھے انداز میں کیا گیا تھا۔ شہر سے ایونٹ آرگنائزر کو بلایا گیا تھا ذرا بھی فیل نہیں ہو رہا تھا کہ ایک گاؤں میں شادی ہو رہی ہے' بہت اچھا سیٹ اپ تھا سارا۔ خواتین اور مرد حضرات کے لیے علیحدہ علیحدہ بیٹھنے کے انتظامات تھے۔ عباس دلہا بن کر بہت جچ رہا تھا' آفاق شہ بالا بنا تھا۔ بارات تین بجے پہنچی تھی' نکاح اور کھانے کے بعد گاؤں کے رسم ورواج کے مطابق سلامی' تحائف اور مختلف رسومات کا سلسلہ چلتا رہا تھا۔
شام کے بعد تک رخصتی کا عمل سرانجام دیا گیا تھا۔ لالہ رخ جو ساری عمر اولاد کے لیے ترستی رہی تھی' بیٹی کی رخصتی کے وقت پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔ ثریا بیگم جنہوں نے ہمیشہ ماں بن کر رابعہ کو پالا تھا وہ بھی غم زدہ تھیں۔ سہیل اور ولید بھائی بن کر بہن کو گاڑی تک لائے تھے اور فیضان صاحب جو ساری عمر رابعہ کے ساتھ گزارنے کے باوجود بھی اسے باپ کی طرح پیار نہ کر سکے تھے' نم آنکھیں لیے بیٹی کو رخصت ہوتے دیکھ رہے تھے۔ بابا صاحب بھی دکھی تھے لیکن غم زدہ بیٹے کو سینے سے لگا کر انہوں نے تسلی دی۔ فیضان صاحب کو لگا کہ آبلہ پائی کا سفر جیسے آج مکمل طور پر اختتام پذیر ہو گیا ہے۔ باپ کے سینے سے لگ کر وہ ایک دم پرسکون ہو گئے تھے۔ رابعہ کا بڑے پُرجوش انداز میں خیر مقدم کیا گیا تھا۔ شہوار اور باقی سبھی لوگ بارات کے ساتھ ہی واپس آ گئے تھے اور گھر آ کر شہوار اب دلہا والوں کی پارٹی کا ممبر بن چکی تھی سب کہہ رہے تھے کہ یہ فاؤل ہے لیکن وہ ماننے کو تیار ہی نہ تھی۔ مصطفیٰ اسے یوں مکمل طور پُراعتماد کے ساتھ زندگی کے رنگ کشید تے ہنستے مسکراتے اور خوشی سے بھرپور قہقہے لگاتے دیکھ کر ایک دم مطمئن سا ہو گیا تھا اس نے شہوار کے مزاج کے بہت سے رنگ دیکھے تھے جس میں سب سے گہرا رنگ افسردگی' غم اور ناامیدی کا تھا لیکن اب جو شہوار تھی وہ پُراعتماد تھی' بہت پُرجوش' حاضر جواب اور خوشیوں کے لمحات کو انجوائے کرنے والی۔
مصطفیٰ قدم قدم پر اس کے ساتھ دے رہا تھا اور یہی اعتماد اور محبت کا احساس شہوار کے انگ انگ سے چھلک کر اسے بہت خوب صورت' باوقار اور معتبر بنا رہا تھا۔ رابعہ کو مختلف رسموں سے گزار کر لاؤنج میں لا کر بٹھا دیا گیا تھا۔ سب نے خوب ہنگامہ مچا رکھا تھا' بڑوں کو ایک طرف بٹھا دیا گیا اور سب میدان میں کود پڑے' دلہا دلہن کو خوب ستایا جا رہا تھا۔
''سچ سچ بتائیں عباس بھائی کیسا فیل کر رہے ہیں؟'' عائشہ سب سے آگے تھی۔
''بالکل ویسا جیسا بقرعید کے موقع پر قربانی کا جانور فیل کرتا ہے۔'' سہیل نے جملہ پاس کیا تو سب لڑکوں نے ہُوہا مچا دی تھی۔
''تم سب بہت بدتمیز ہو خبردار اب کسی نے مداخلت کی تو......'' عائشہ نے وارن کیا۔
''سن لیں آفاق بھائی' عائشہ بھابی آپ کو بدتمیز کہہ رہی ہیں۔'' عدیل نے بی جمالو کا کردار ادا کیا تھا جواباً عائشہ نے کھینچ کر تھپڑ اس کے کندھے پر دے مارا تھا جس کے بعد وہ ادھم مچا رہا تھا۔
''چلیں عباس بھائی میرے سوال کا جواب دیں۔''
''بہت اچھا۔'' عباس نے اپنے پہلو میں بیٹھے وجود کو دیکھ کر کہا تو لڑکوں نے وسلنگ کر کے پھر شور مچایا۔

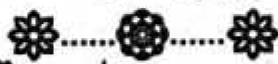
"تو یہ لڑکے تو......" ماریہ اور رمشاء کا ہنس ہنس کر برا حال تھا۔
"سر کر کے لائے ہیں وہ بھی ڈنکے کی چوٹ پر خوش کیوں نہ ہوں دل کی مراد بر آئی ہے۔" لائبہ نے بھی جملہ کسا تھا' رابعہ کنفیوژ ہوچکی تھی۔ شہوار اور شائستہ اسے برابر تسلیاں دے رہی تھیں۔
"اچھا ہم سب کے نیگ نکالیں اتنی اچھی پیاری سی دلہن آپ کے حوالے کر رہے ہیں' کچھ حق تو ہمارا بھی بنتا ہے۔" صبا بھائی کا گھٹنا پکڑ کر بیٹھ گئی۔
"یار اتنے دنوں سے تم لوگوں نے نیگ کے نام پر میری جیبیں خالی کروادی ہیں' اب کس قسم کا نیگ باقی رہ گیا ہے۔" عباس نے دہائی دی۔
"یہ رسم ہوتی ہے وہ تو دینا ہی ہوگا۔" عائشہ بھی ساتھ بولی۔
"لو جی یہ نیگ نہ ہوا جگا ٹیکس ہوگیا۔"
"زیادہ بڑکیں مت ماریں' نیگ تو دینا ہی ہوگا۔" لائبہ بھی ساتھ آ بیٹھی۔
"اچھا ایسا ہے کہ ادھار کرلیتے ہیں اتنا لمبا سفر کر کے آئے ہیں بھی تھکے ہوئے ہیں' کل بات کریں گے۔" عباس بھی ان کو ستا رہا تھا' ان سب نے شور مچا دیا تو مہر النساء بیگم کو خود میدان میں کودنا پڑا تھا انہوں نے سب کو نیگ دیا' بہنوں' بھابیوں' کزنز سب کو' تب کہیں جا کر ان سب نے محفل برخاست کی تھی۔ رابعہ کو شہوار اور لائبہ عباس کے سجے سجائے کمرے میں لے آئی تھیں' رابعہ بہت ہی کنفیوژ تھی۔
"ڈونٹ وری عباس بھائی' بہت اچھے ہیں۔ بہت مخلص اور ہمدرد' آپ ان کے ساتھ بہت خوش رہیں گی۔" شہوار نے تسلی دی تو رابعہ کی ہتھیلیاں بھیگنے لگی تھیں۔



وہ لوگ لیٹ گھر پہنچے تھے' پہلے مصطفیٰ کی طرف گئے تھے کچھ دیر وہاں رک کے پھر گھر لوٹ آئے تھے۔ روشی تو بہت تھکی ہوئی تھی وہ آتے ہی کمرے میں چلی گئی تھی۔ افشاں اور ضیاء صاحب بھی اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ وقار صاحب اور احسن بھی سونے چل دیئے تھے' ساجدہ نے بتایا تھا کہ انا اپنے کمرے میں سو رہی ہے۔ وہ سارا دن کمرے میں بند رہی تھی دوپہر اور رات کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا صبوحی بیگم اس کے کمرے کی طرف چلی آئی تھیں' دروازہ کھلا ہوا تھا کمرہ بالکل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ انہوں نے لائٹس آن کیں تو انا منہ کے بل بستر پر دراز تھی' انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے سر کے نیچے تکیہ رکھنا چاہا تو انہیں محسوس ہوا کہ انا کا جسم گرم ہے۔ انہوں نے اس کے چہرے پر ہاتھ رکھا' نبض چیک کی تو پتا چلا کہ وہ تو شدید قسم کے بخار کے زیر اثر تھی۔
"انا......" انہوں نے پکارا تو انا نے ذرا آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا اور پھر پلکیں موند لی تھیں۔
"آپ لوگ آگئے۔" کراہتی آواز تھی۔
"ہاں ابھی لوٹے ہیں اور یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے' تمہیں اتنا شدید ٹمپریچر ہے' کال کردیتیں ہم جلدی گھر آجاتے۔"
"میں ٹھیک ہوں ماما۔" وہ بمشکل بولی تھی۔ صبوحی بیگم کو محسوس ہوا کہ بخار کے ساتھ ساتھ وہ شدید نقاہت سے بھی دوچار ہے۔
"خاک ٹھیک ہو' اتنا تیز بخار ہے ساجدہ بتا رہی تھی کہ کچھ کھایا پیا بھی نہیں۔ بیٹا ہم گھر پر نہیں تھے کم از کم تم کال کردیتیں یا ڈاکٹر کے پاس ساجدہ کے ساتھ چلی جاتی اب اس قدر ٹمپریچر ہے نجانے کب سے اس حالت میں ہو۔" وہ

فکر مندی سے اس کو سیدھا کر کے محبت سے اس کی پیشانی چوم کر کھڑی ہوگئی تھیں۔ انہوں نے کچن میں آ کر انا کے لیے چائے بنائی تھی۔ بسکٹ اور میڈیسن لے کر اس کے پاس آ گئی تھیں۔

انا کو زبردستی چائے اور بسکٹ دے کر میڈیسن کھلائی تھی، میڈیسن کھا کر وہ غنودگی میں چلی گئی تھی۔ وہ کمرے میں جانے کی بجائے انا کے سرہانے بیٹھ کر اس کا سر دبانے لگ گئی تھیں۔ بیٹی کچھ دن میں پرائی ہونے والی تھی۔ انا کو دیکھتے ان کا دل بھر آیا تو انہوں نے جھک کر اس کی پیشانی چومی اور اس کے سکھ اور خوشیوں کے لیے ڈھیر ساری دعا کی تھیں۔



عباس کمرے میں داخل ہوا تو رابعہ بہت ریزرو انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔

"السلام علیکم۔" عباس نے سلام کیا تو رابعہ نے محض سر ہلایا تھا۔

اس کا دوپٹا اس انداز میں سیٹ تھا کہ ایک طرح سے ہلکے سے گھونگھٹ کا گمان ہوتا تھا۔ ان سب لوگوں نے عباس کو ستانے کے لیے گھر لا کر بھی عباس کو اس کا چہرہ دیکھنے نہیں دیا تھا بلکہ ایک بڑی سی چادر میں چھپائے رکھا تھا اور وہ بڑی سی چادر کمرے میں آ کر اتاری تھی۔ کچھ دیر بعد عباس رابعہ کے سامنے بستر پر بیٹھا تھا تو رابعہ کے پورے وجود میں ایک عجیب سی سنسنی خیز لہر دوڑ گئی تھی۔

"سنا ہے، بہت خوب صورت لگ رہی تھیں آپ؟" عباس نے کہا اور ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر گھونگھٹ الٹ دیا تھا۔ رابعہ ایک دم سر جھکا گئی تھی اور عباس مبہوت سا بیٹھا رابعہ کے خوب صورت نین نقوش کو اس قدر خوب صورتی اور مشاقی سے سجا سنورا دیکھ کر ساکت ہو گیا تھا۔ یہ وہ لڑکی تھی جس سے پہلی ملاقات لڑتے جھگڑتے ہوئی تھی بڑی سی چادر اوڑھے اس کے آفس میں کام کرنے والی یہ رابعہ نہ صرف کزن تھی بلکہ اب بیوی کی حیثیت سے ان کے بیڈ روم میں تھی۔ عباس نے بہت نرمی سے اس کا گداز ہاتھ تھاما تو علم ہوا کہ دوسری طرف وہ گھبراہٹ کا شکار تھی۔ عباس مسکرا دیا۔

"خوش ہیں؟" عباس نے پوچھا تو مختلف رنگوں سے سجی آنکھیں تھوڑا سا اوپر اٹھا کر عباس کو دیکھا تھا چہرے پر رنگوں کا نمایاں عکس نظر آ رہا تھا۔

"میں تو بہت خوش ہوں آپ جانتی ہیں رابعہ آپ میرے لیے اس گوہر نایاب کی طرح ہیں جو اگر مجھے نہ ملتا تو مجھے اپنی زندگی نامکمل سی لگتی۔" عباس کے انگ انگ سے خوشی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔

"محبت دنیا کا بہت بڑا سچ ہے اور یہ محبت مجھے آپ کی ذات سے ہوئی ہے میں دعویٰ کرتا ہوں نہ لمبے چوڑے وعدے کرتا ہوں لیکن یقین دلاتا ہوں کہ ہم دونوں بہت خوش رہیں گے میں آپ کو بہت خوش رکھوں گا۔" عباس نے کہا تو رابعہ کے چہرے پر خوب صورت مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"کچھ کہیں گی نہیں۔" ہاتھ کو نرمی سے دبا کر پوچھا تو وہ جھینپی۔

"کیا؟"

"کوئی اچھی سی بات۔"

"آپ نے تو کہہ دی......"

"لیکن اب آپ کی باری ہے۔" وہ مسکرائی۔

"میں کوشش کروں گی کہ اس یقین کو قائم رکھنے میں ہمیشہ آپ کا ساتھ دوں۔" مختصر سا جملہ تھا لیکن یہ جملہ عباس کے لیے بہت خاص تھا۔ عباس نے بہت محبت سے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر گرم جوشی سے دبائے تھے۔

"اجازت ہے نا۔" عباس نے پاکٹ میں سے ایک مخملی کیس نکال کر اس میں سے ایک خوب صورت سا لاکٹ اور

چین نکال کر رابعہ کو دیکھا اور رابعہ وہ پلکوں کی چلمن گرا گئی تھی۔

❀......❀......❀

انا کو شدید بخار تھا شہوار کو علم ہوا تو وہ ملنے آ گئی تھی انا گم صم سی تھی اس کی چپ اسے بہت فیل ہوئی تھی گھر واپس آ کر اس نے ولید کا نمبر ڈائل کیا۔

"آپ نے انا کو کچھ کہا ہے؟" سلام دعا کے بعد اس نے پوچھا تو دوسری طرف ولید چونکا۔

"کیا ہوا؟"

"انا کو شدید بخار ہے آج سے پہلے میں نے اسے اتنا افسردہ اور ناامید نہیں دیکھا مجھے یقین ہے آپ نے ہی کچھ کہا ہے اسے۔"

"لو تمہاری دوست کو اگر چھینک بھی آ جائے تو الزام مجھ پر آئے گا یہ اچھی رہی تمہاری وہ تو آل ٹائم جذباتی لڑکی ہے اب مجھے کیا پتا اسے کیا ہو گیا ہے؟" دوسری طرف سے وہ بھی خفا ہوا۔

"تو پھر وہ ایسے ری ایکٹ کیوں کر رہی ہے میں اسے اچھا بھلا چھوڑ کر گئی تھی وہ شادی کو لے کر پازیٹیو بھی ہو گئی تھی لیکن اب آنٹی بتا رہی تھیں کہ وہ بخار کی حالت میں نجانے کیا کیا کہتی رہی تھی وہ یہ شادی ہی نہیں کرنا چاہتی وہ آپ سے بھی نفرت کرتی ہے اور حماد سے بھی آنٹی بہت پریشان ہیں۔"

"اب مجھے کیا پتا وہ ایسے ری ایکٹ کیوں کر رہی ہے؟" دوسری طرف ولید کا وہی انداز تھا۔

"او کے دیکھیں اب اس کی شادی کے دن قریب ہیں محتاط رہیے گا وہ بہت کنفیوژ ہو رہی ہے اگر اس نے جذباتیت میں ایسا ویسا کچھ کر لیا تو پھر ہمیں یا خود کو الزام مت دیجیے گا۔" شہوار نے کہہ کر کال بند کر دی تھی۔ وہ انا کے بارے میں حقیقتاً بہت پریشان تھی خصوصاً صبوحی بیگم خود بھی پریشان تھیں اور انہوں نے اس سے انا کی پریشانی کی وجہ پوچھی تو اس نے بظاہر لاعلمی کا اظہار کیا لیکن اندر ہی اندر اندازہ ہو رہا تھا کہ کہیں نہ کہیں ولید کا ہاتھ ضرور ہو گا اور اب ولید سے بات کرنے کے بعد وہ مزید الجھ گئی تھی۔

❀......❀......❀

انا بستر پر لیٹی ہوئی تھی اس کا بخار بڑھتا ہی جا رہا تھا گھر میں مہمانوں کی آمد شروع ہو چکی تھی ایسے میں اسے بخار میں بستر پر دراز دیکھ کر بھی خیر خیریت پوچھ رہے تھے۔ کل اس کی مہندی تھی اور پرسوں بارات۔ وہ عجیب سا مضمحل اور سوگوار حسن لیے اپنے بستر پر دراز تھی۔

"لڑکی سب کی شادی ہوتی ہے کوئی تمہاری طرح جوگ نہیں لیتا اٹھو کھاؤ پیو سب ہیں انجوائے کرو، شادی کے یہ دن پھر نہیں آنے والے۔" اس کی سوگواریت پر روشانے نے اسے پمپ کرنا چاہا تھا لیکن انا بغیر کوئی رسپانس دیے لیٹی رہی تھی۔ دوپہر کے وقت ولید کی کال آئی تو وہ کتنی دیر تک موبائل کو پکڑے ساکت سی رہی تھی۔

"ہیلو۔" کال ریسیو کرنے پر کان سے لگا کر بھی وہ خاموش رہی تو دوسری طرف سے ولید نے کہا۔

"ہیلو انا۔" اس نے پھر پکارا تو انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

"سن رہی ہوں۔" اس کا انداز سپاٹ تھا۔

"شکر ہے، خبر ملی ہے کہ تم شدید بخار میں پھنک رہی ہو اب کیسی طبیعت ہے۔" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"بہتر ہوں۔" اس نے اسی مخصوص سنجیدہ انداز میں جواب دیا۔

"بالکل اب تو بہتر ہو جانا چاہیے پرسوں تمہاری بارات ہے ویسے حماد سے میری بات ہوئی تھی کافی خوش لگ رہا

ہے۔شادی کی رسموں کو خوب انجوائے کررہا ہے تم بھی انجوائے کرو یار۔“ ولید کے الفاظ پر انا کو لگا کہ جیسے اس کا دل جھلس کر راکھ ہو گیا ہو۔

”یہ لو امی (لالہ رخ) بات کرنا چاہتی ہیں ان سے بات کرلو۔“ ولید نے کہہ کر موبائل لالہ رخ کو تھما دیا۔

”کیسی ہو انا بیٹا۔“ سلام دعا کے بعد انہوں نے پوچھا تو وہ مضمحل سے انداز میں مسکرائی۔

”ٹھیک ہوں آنٹی۔“

”مجھے شہوار سے علم ہوا تھا کہ تمہیں بخار ہے اپنا خیال رکھو بیٹا خوش رہو ہمیں تو بہت فریش سی بہو چاہیے۔“ انہوں نے لاڈ سے کہا۔ انداز میں انا کے لیے بے پناہ محبت اور چاہت تھی انا محض مسکرائی تھی تبھی ولید کی آواز گونجی تھی۔

”امی مجھے دیں ایک ضروری بات کرنی ہے۔“ اور پھر موبائل ولید کے پاس تھا۔

”سنو تمہارے لیے حماد صاحب کی طرف سے ایک پیغام ہے۔“ ولید کے الفاظ پر وہ چپ رہی تھی۔

”وہ تمہیں بار بار کالز کررہا ہے تم اس کی کالز پک نہیں کررہیں وہ کہہ رہا تھا کہ اگر میری تم سے بات ہو تو تمہیں کہہ دو کہ اس کی کال پک کرو۔“ انا نے موبائل کان سے ہٹایا اور کال کاٹ دی تھی۔ کبھی یہ آواز اسے جینے کا سبب لگتی تھی اور اب اس نے موبائل بند کرکے ایک طرف ڈال دیا تھا۔

ان لوگوں کی طرف مہمانوں کی آمد ہو چکی تھی رات تک شہوار کے گھر والوں کی طرف سے بھی سبھی لڑکیاں اور دیگر لوگ آگئے تھے پھر خوب رونق لگی تو اسے بھی بستر چھوڑ کر ان سب کے درمیان بیٹھنا پڑا تھا۔ وہ حماد سے شادی کے لیے ذہنی طور پر خود کو تیار کرچکی تھی لیکن جس طرح اس نے کال کرکے اسے ولید کا حوالہ دیتے وہ سب کہا تھا اس کے دل سے خواہشوں و خوابوں کی خوشنما تتلیاں پھر سے اڑ گئی تھیں۔

وہ نہ تو خوش کن لمحات کا تصور کرسکتی تھی اور نہ ہی اب سوچنے کے لیے کچھ بچا تھا ولید کا کردار کھل کر سامنے آ گیا تھا۔ وہ محض اس کی حالت سے حظ اٹھا رہا تھا۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ ولید چاہتا ہے کہ وہ اس کے سامنے روئے، گڑگڑائے اور توجہ کی بھیک مانگے لیکن اب جو بھی تھا حماد کی اس کال کے بعد اس نے سوچ لیا تھا کہ اب جیسا بھی ہے یہ جوا اسے کھیلنا ہے۔ ولید کے سامنے اسے مزید تماشا نہیں بننا تھا اور حماد...... حماد کے ساتھ شادی اب اپنی انا اور وقار کی جنگ ساری زندگی لڑنا تھی، رات بڑی ہنگامہ خیز رہی تھی دونوں طرف مہمان تھے۔ ڈھولک، گانے، ہنسی مذاق شہوار کے گھر والے رات ادھر ہی رک گئے تھیں۔ اگلے دن متوقع رسم کی تیاری کے لیے وہ اپنے گھروں کو سدھاری تھیں اور انا نے بھی دوبارہ بستر سنبھالنے کے بجائے خود کو بحال کرنے کا سوچتے حالات کے دھارے پر بہنے دیا تھا۔ انا اپنا موبائل بند کرکے الماری میں رکھ چکی تھی زہرہ پھوپو کی فیملی گاؤں شفٹ ہو چکی تھی اور بقول سبھی کے وہیں سے بارات آنی تھی سو شہوار کی فیملی ہی ساری رسمیں کرنے ان کی طرف آرہے تھے۔

رات مہندی کا فنکشن تھا روشی کے ساتھ وہ پارلر چلی گئی تھی۔ وہ سارا وقت اس کا پارلر میں گزرا تھا۔ خوب صورت تو وہ پہلے ہی بہت تھی تھوڑی سی اضافی محنت نے اس کے روپ کو اور بھی نکھار دیا تھا۔ شام کو واپسی ہوئی تھی مہندی پارلر والی نے لگادی تھی۔ عشاء کے بعد روشی اس کے ہاتھ پاؤں دیکھ کر ایک دم چیخی تھی۔

”اف انا تمہارے ہاتھوں پر کتنا زبردست رنگ آیا ہے، کتنے پیارے لگ رہے ہیں تمہارے ہاتھ پاؤں۔“ وہ تو ایک دم لٹو ہوگئی تھی انا مضمحل سے انداز میں محض مسکرائی تھی۔ شہوار کی فیملی والے مہندی لے کر آرہے تھے۔ روشی کے کہنے پر اس نے زہرہ پھوپو کی طرف سے بھیجا گیا لباس اور دیگر لوازمات زیب تن کرلیے تھے۔ وہ سنجیدہ و افسردہ تھی لیکن اس کے باوجود اس کے سوگوار حسن میں دل موہ لینے والی کشش تھی۔ سبھی سراہ رہے تھے۔ عباس اور رابعہ بھی ساتھ

آئے تھے۔رابعہ دلہنوں والے سراپے میں عباس کے ساتھ خوب جچ رہی تھی۔ جو بھی ان کا کپل دیکھتا خوب سراہ رہا تھا۔ شہوار اور رابعہ ہر رسم میں پیش پیش تھیں۔ انا ان دونوں بہنوں کے خلوص اور محبت پر دل سے مشکور ہوئی تھی۔ وہ رات بھی بہت خوش گوار تھی۔ انا کو شہوار اور رابعہ نے ہر وقت الجھائے رکھا تھا اسے کچھ اور سوچنے ہی نہ دیا تھا۔ شہوار نے بتایا تھا کہ وہ لوگ صبح گاؤں کے لیے روانہ ہو جائیں گے اور پھر بارات کے ساتھ بھی آئیں گے۔ ہنگاموں اور خوشیوں سے سجی وہ رات گزری تو اگلا دن شروع ہوا تھا ہر کوئی مصروف تھا۔ وقار صاحب، احسن اور ضیاء صاحب میرج ہال کے انتظامات میں مصروف تھے اور خواتین گھریلو ذمہ داریوں میں الجھی ہوئی تھیں بارات کی ٹائمنگ تین چار بجے کی تھی۔ 12 بجے کے بعد احسن نے اسے پارلر چھوڑ دیا تھا اور وہیں سے سیدھے میرج ہال جانا تھا انا کا موبائل مسلسل بند تھا۔ پارلر سے اسے احسن نے ہی پک کیا تھا وہ میرج ہال پہنچی تو ابھی بارات نہیں آئی تھی۔ دلہن بن کر اس پر جو روپ اور نکھار آیا تھا ہر دیکھنے والی نگاہ مبہوت سی ہو گئی تھی جیسے ہی صبوحی بیگم نے اسے دیکھا۔ ان کی نگاہ بھر آئی تھی۔ چہیتی بیٹی آج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پرائی ہو جانے والی تھی۔ افشاں اور روشانے بھی افسردہ سی تھیں لیکن انا کے خیال سے خود کو سنبھالے ہوئے تھیں۔ مغرب سے ذرا پہلے بارات کی آمد کا شور اٹھا تھا۔ روشی اس کے پاس آئی تھی۔

''آؤ بارات دیکھتے ہیں۔'' اس نے برائیڈل روم کی کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

''مجھے نہیں دیکھنی۔'' اس کا انداز قطعی تھا۔ روشانے کو کچھ اور لڑکیاں بلا کر لے گئی تھیں ایک دو لڑکیوں کے ساتھ وہ برائیڈل روم میں اکیلی تھی وہ لڑکیاں بھی کھڑکی سے باہر بارات دیکھنے لگی تھیں۔

''ارے زبردست دلہا کتنا ہینڈسم اور گڈ لکنگ ہے یار۔'' صبوحی بیگم کی جان پہچان میں سے کچھ لڑکیاں تھیں۔

''ڈریسنگ بھی کیا کمال کی ہے۔''

''بارات کے ساتھ نظر آنے والے بھی لڑکے گڈ لکنگ ہیں یار۔'' وہ آپس میں باتیں کر رہی تھیں یہ کمنٹس پاس کرتے وہ کھلکھلا کر ہنس بھی رہی تھیں۔

''سنا تھا بارات گاؤں سے آئی ہے لیکن یہ تو کہیں سے بھی گاؤں سے آئی بارات نہیں لگ رہی۔'' وہ لڑکیاں کمنٹس پاس کر رہی تھیں اور انا خاموشی سے سر جھکائے ان کو سن رہی تھی۔ بارات کی آمد بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ شہوار اس سے ملنے فوراً پہنچی اور پھر اسے دیکھ کر ساکت رہ گئی تھی۔

''ماشاء اللہ۔'' اس نے بے اختیار کہا۔

''یار تم تو بہت ہی پیاری لگ رہی ہو اتنی حسین تو میں بھی اپنی شادی پر نہیں لگ رہی تھی۔'' اس نے ایک دم فرط محبت سے انا کا رخسار چوما۔

''ریئلی تمہارا دلہا بھی بہت پیارا لگ رہا ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی انا نے محض مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ شہوار کے علاوہ باقی لڑکیاں بھی وہیں جمع ہو گئی تھیں۔ وہ کچھ دیر وہیں بیٹھی تھیں اور پھر ہال میں چلی گئی تھیں نکاح کا شور بلند ہوا تو انا چونکی۔ اس کا دل بڑے عجیب سے انداز میں دھڑکنے لگا تھا نکاح کا رجسٹر لے کر آنے والوں میں احسن اور ضیاء ماموں تھے۔ انہوں نے انا کے سر پر ہاتھ رکھا تو اس کا سر خود بخود جھک گیا تھا۔

احسن نے اس کے سامنے نکاح کا رجسٹر رکھا تھا۔ اس کے اردگرد کافی لوگ تھے صبوحی بیگم بھی وہیں آ گئی تھیں۔ احسن نے دستخط کرنے والی جگہ پر انگلی رکھی تھی نکاح نامے کی دوسری سائیڈ کور تھی اور احسن کا ہاتھ دلہا کے دستخط والی جگہ پر اس طرح پھیلا ہوا تھا کہ وہ کچھ دیکھ ہی نہیں سکی تھی ضیاء صاحب نے اسے قلم تھمایا تھا۔ انا کے پاس روشی بیٹھ گئی تھی دوسری طرف افشاں بھی آ گئی تھیں قلم تھامے بغیر کسی پر توجہ دیے وہ قلم کو گھور رہی تھی۔

aanchal.com.pk

رنگا رنگ کہانیوں سے آراستہ دلچسپ جریدہ





onlinemagazinepk.com/recipes

تازہ شمارہ شائع ہوگیا ہے

جون ۲۰۱۶ء کے شمارے کی ایک جھلک

عورت زاد: کہانی ہے اس حسینہ کی جسے اس ظالم معاشرے نے جنم دیا لیکن اس نے ظلم قبول نہ کیا اور ظالم کے خلاف بغاوت کردی۔ آہنی ارادوں والی اس ریشم بدن نے زمانے کے بھگنٹ گھوڑے کی لگامیں اپنے ہاتھ میں لے لیں اور اس پر سوار ہو کر وقت کو اپنا قیدی بنالیا۔ اس کا مقصد حقیقی عورت کو آزاد کرنا تھا۔ جس کے لئے وہ خود حالات کی بنائی ہوئی سنگلاخ راہوں چل پڑی۔ آبلہ پائی کے اس سفر میں آگ اور خون سے گذر کر اپنی منزل کی طرف گامزن رہنے والی برق صفت دلربا کو، صنف نازک اپنا مسیحا ماننے لگیں۔ ایک عورت زاد کی سرگذشت، جو باغی دلوں پر حکومت کرنا جانتی تھی۔ قارئین کے پسندیدہ قلم کار محترم امجد جاوید کے قلم سے نئے افق کے قارئین کے لیے ہنگامہ خیز سلسلے وار کہانی۔

پل صراط عشق: الیکٹرونک میڈیا کے ناجائز استعمال سے جنم لینے والے واقعات کا شاخسانہ۔ اس ماں کی کہانی جس نے اپنی محبت کے کھوجانے کا انتقام اپنی بیٹی کی محبت چھین کرلیا۔ اس نوجوان کی داستان الم جس نے محبت کے حصول کی خاطر اپنی زندگی داؤ پر لگادی تھی۔ معروف ادیب ریاض حسین شاہد کے قلم سے سسپنس سے بھرپور سلسلے وار کہانی۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

"انا بیٹی دستخط کرو نا۔" ماموں کا ہاتھ اس کے سر پر مسلسل تھا۔ اس کے لب بھینچ کر آنکھیں بند کرلی تھیں۔ وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی بازی ہارنے جارہی تھی۔

اس نے گم صم انداز میں دستخط کردیے تھے۔ اگلے صفحات پر بھی جہاں جہاں ماموں کہتے رہے اس نے بن دیکھے گم انداز میں دستخط کیے تھے۔ جیسے ہی دستخط ہوئے تھے ضیاء صاحب نے اسے سینے سے لگالیا تھا۔ وہ رونا چاہتی تھی پھوٹ پھوٹ کر دل کھول کر لیکن آنسو تھے کہ نکل ہی نہیں رہے تھے ضیاء ماموں نے اسے چیک تھمایا تھا۔

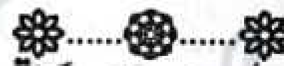
"یہ تمہارے حق مہر کی رقم ہے۔"

احسن بھائی نے بھی نم آنکھوں سے بہن کو ساتھ لگالیا تھا وہ لوگ وہاں سے چلے گئے تو صبوحی بیگم اسے ساتھ لگا کر بے اختیار رو دی تھیں۔ روشی خود بھی آنکھوں میں آنسو لیے ہوئے تھی اس نے صبوحی بیگم کو انا سے جدا کیا اور پھر وہ ان کو لے کر باہر چلی گئی تھی۔ عجیب افسردہ سا منظر تھا۔ ایک لڑکی نے تو ماحول کی افسردگی دیکھتے باقاعدہ گانا شروع کردیا تھا۔

بابل کی دعائیں لیتی جا' جا تجھ کو سکھی سنسار ملے......

نکاح کے بعد کھانے کا دور چلا اس کے بعد دلہا کے ساتھ مختلف رسمیں ہوتی رہی تھیں بارات چونکہ واپس گاؤں جانا تھی سو جلدی جلدی مچادی گئی تھی دلہن کو دلہا کے ساتھ بٹھا کر مووی یا تصاویر بنانے والا سلسلہ ادھورا رہ گیا تھا انا کا دل عجیب سے انداز میں گھبرا رہا تھا۔ اس نے روشی کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا تھا اس کا ہاتھ شدید گرم تھا۔

"لگتا ہے تمہیں پھر بخار ہو رہا ہے۔" روشانے کو تشویش لاحق ہوئی تھی۔ رخصتی کے وقت ماں باپ اور گھر والوں سے ملتے اس کی طبیعت ایک دم بگڑی تھی۔ اتنے دنوں کی شدید ٹینشن تھی یا رخصت ہونے کا صدمہ تھا۔ وہ چند منٹ کے لیے اپنے حواس پر قابو نہ رکھ پائی تھی۔ سبھی ایک دم پریشان ہوئے تھے۔ رخصتی کے وقت وہ نیم جاں سی تھی۔ گاڑی میں بٹھا کر شہوار ساتھ بیٹھ گئی تھی فرنٹ سیٹ پر رابعہ اور عباس بھائی تھے دلہا نے علیحدہ گاڑی میں آنا تھا۔ خوشیوں کا وہ بھرپور دن بڑے غم زدہ انداز میں سرانجام پایا تھا۔



طویل سفر تھا حویلی پہنچتے پہنچتے ایک بج گیا تھا دلہن شدید تھک چکی تھی۔ مختلف رسموں کا طویل سلسلہ تھا جسے موقوف کرتے دلہن کی خرابی طبیعت کے سبب اسے فوراً اس کے سجے سجائے کمرے میں پہنچادیا گیا تھا۔ شہوار، رابعہ، شائستہ بھابی پھوپو اور دیگر کزنز پیش پیش تھیں۔ شہوار دوران سفر اس کا کافی برین واش کرچکی تھی سو حویلی پہنچ کر انا کی طبیعت کافی بہتر تھی۔ گھبراہٹ اور پریشانی البتہ اپنی جگہ پر تھی۔ آنے والے وقت کا خوف اور لمحوں کا حساب۔

"کچھ نہیں ہوگا تم بس کانفیڈنٹ رہنا، ہمارے دلہا میاں اب اتنے بھی خونخوار نہیں ہیں تمہاری اتنی پیاری شکل دیکھ کر تو وہ ویسے بھی اپنے حواس کھو بیٹھیں گے۔" شہوار نے مطمئن کرنا چاہا۔ وہ محض مسکرادی تھی۔

اسے اپنے لباس، حلیے سے سخت وحشت ہو رہی تھی جی چاہ رہا تھا کہ سب کچھ ایک دم اتار پھینکے لیکن ہائے رے یہ دنیاداری۔ شہوار اور رابعہ آخری لمحوں تک اس کے پاس رہی تھیں اور اس کا دل بہلاتی رہی تھیں ڈھائی بجے کے قریب دلہا صاحب اپنے کمرے میں آرہے ہیں کا شور بلند ہوا تو انا کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ اسے یہ سب بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔ جب سے حماد پاکستان آیا تھا ایک بار بھی اس نے ملنے کوشش نہیں کی تھی اور ایک کال کی بھی تھی تو انا کے دل سے خوش گمانیوں کی ساری تتلیاں اڑادی تھیں۔ رخصتی کے بعد سے لے کر اب تک ایک بار بھی اس نے دلہا کا ذکر سننا تو دور کی بات حماد صاحب کا نام تک نہیں سنا تھا نجانے اب کیا ہونے والا تھا۔

انا کورہ رہ کر حماد کی فون پر کہی باتیں یاد آنے لگیں تو اس کا حلق خشک ہونے لگا وہ جو ساری عمر کسی اور کے خواب

دیکھتی رہی تھی آج کسی اور کے نام پر کسی اور کے لیے سجی سنوری اس کی سیج کو رونق بخش رہی تھی۔ انا کا جی چاہ رہا تھا کہ اس دو غلے پن پر دل کھول کر روئے لیکن ماحول جگہ اور صورت حال ایسی تھی کہ وہ دل پر بند باندھ رہی تھی۔

"چلو جی ہم تو چلتے ہیں اب تم جانو اور تمہارے دلہا صاحب۔" شہوار نے شرارت سے کہا اور جھک کر اس کا گال چوم لیا۔

"بیسٹ آف لک ڈیئر بھابی جان۔" رابعہ نے بھی بہت محبت سے کہا تھا۔ انا کا وجود ہولے ہولے لرزنے لگا تھا۔ شہوار نے اس کے ماتھے کی بندیا درست کی تھی لباس ٹھیک کر کے اسے اچھی اور نیک خواہشات سونپ کر رابعہ کے ساتھ باہر نکل گئی تھی۔ انا ساکت وصامت سی اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی تھی جوں جوں وقت گزر رہا تھا تھا اس کا دل بند ہوتا جا رہا تھا۔ گھبراہٹ، پریشانی، الجھن اور شدید وسوسے وہ آنکھیں بند کر کے اللہ کو یاد کرنے لگی تھی۔ وہ پورے دل سے اللہ کو یاد کر رہی تھی جب کمرے کا دروازہ کھلا اور پھر بند ہو گیا...... انا کا سر جھکا تھا۔ اس کی بند آنکھیں کچھ اور شدت سے بند ہوئی تھیں۔ آنے والا چلتا ہوا اس کے سامنے بستر پر بیٹھا اور اس کے جھکے سر کو دیکھ کر مسکرایا تھا آنے والے کے کلون کی مہک سے۔ انا کا دل گھبرا رہا تھا لیکن اس نے آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے دلہا صاحب نے اس کا ہاتھ تھاما تھا انا کو لگا جیسے اس کا پورا وجود کانپ اٹھا ہو۔ وہ اس کا ہاتھ دھیرے دھیرے سہلا رہا تھا۔ لمس کی نرمی اور ہاتھ کی گرمی انا کا دل مزید ڈوبا تھا۔ ہاتھ کو چھوڑ کر اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھاما تو انا کی لرزتی پلکیں کچھ اور سختی سے ایک دوسرے سے ہمکنار ہوئی تھیں۔ اس کے پاس موجود شخص کا لمس بول رہا تھا۔

"اب اتنا بھی ڈریکولا نہیں ہوں کہ تم آنکھیں کھولنے سے ہی انکار کر دو۔" ہنس کر کہا گیا۔ انا جس کا سارا وجود کان بنا ہوا تھا ایک دم چونکی تھی۔

"یہ آواز۔"

"سنا تھا بہت حسین لگ رہی ہو ایک نظر دیکھ کر ہی جھٹ سے گروں گا اور پٹ سے بے ہوش ہو جاؤں گا۔" مزید کہا گیا تھا لہجے میں ہنسی کی آمیزش تھی انا نے خوف زدہ ہو کر آنکھیں کھولی تھیں اور اگلے ہی پل اس کی کھلی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھی اس کے سامنے کوئی اور نہیں ولید تھا۔ وہ ولید جس کے اس وقت یہاں موجود ہونے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"آ...... آپ......!" وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہوئی تھی۔ جھٹکے سے ولید کے ہاتھ جھٹکے تھے۔

"کیسا لگا یہ سرپرائز۔" وہ مسکراہٹ لیے پوچھ رہا تھا۔ انا نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس کی آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں لیکن یہ دھوکا نہیں حقیقت تھی۔ ولید مجسم اس کے سامنے تھا۔

"آ...... آپ کیوں آئے ہیں یہاں؟" وہ جو سمجھ رہی تھی اس پر یقین کرنے کو تیار نہ تھی ایک منٹ بھی ضائع کیے بغیر وہ تیزی سے بستر سے اتری اور پھنکاری تھی۔

"تو اور کہاں جاتا؟" ولید نے ہنس کر کہا تو انا کا جی چاہا کہ کاش زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ اس کی آنکھیں اس منظر پر یقین کرنے کو تیار نہ تھیں۔

"آپ اس قدر گر سکتے ہیں میں نے سوچا بھی نہ تھا آپ کی ہمت کیسے ہوئی ہے یہاں آنے کی۔"

"انا......" ولید ایک پل کو رکا۔

"خبردار میرا نام بھی لیا تو...... آپ اب تک میرے ساتھ جو کرتے آئے ہیں میں نے سب کچھ سہہ لیا لیکن اب آپ کی اس گھٹیا حرکت پر خاموش نہیں رہوں گی آپ کی ہمت کیسے ہوئی یہاں آنے کی میں شور مچا دوں گی اگر آپ

یہاں سے نہ نکلے تو......!" وہ تو ایک دم مرد مار والی کیفیت میں آ گئی تھی۔

"وہ تم جو سمجھ رہی ہو ایسا کچھ نہیں ہے میں ہی تمہارا شوہر نامدار ہوں، میری تم سے شادی......!" ولید کو اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کیا سمجھ رہی ہے اس نے ہنس کر اسے بتانا چاہا تھا۔

"شٹ اپ!" اس نے ایک دم بھڑک کر ولید کو پیچھے دھکیلا تھا۔

"خبردار میرے ساتھ کوئی جھوٹ بولا تو میری شادی حماد سے ہوئی ہے اور آپ محض مجھے تکلیف دینے کے لیے اس قدر گھٹیا پن پر بھی اتر سکتے ہیں ناقابل یقین لیکن مجھے اتنا کمزور مت سمجھیں شرافت سے اس کمرے سے باہر نکل جائیں ورنہ میں شور مچا مچا کر سب کو اکٹھا کرلوں گی۔" وہ تو بھڑک کر پھٹ پڑی تھی۔ ولید نے ایک گہرا سانس لیا تھا اسے اپنا یہ سرپرائز بہت مہنگا پڑتا محسوس ہو رہا تھا۔ گزرتے دنوں میں اس انا کے ساتھ جو رویہ رکھا تھا ایسے میں انا کا یہ ری ایکشن کچھ ایسا غلط بھی نہ تھا لیکن ویسا نہ تھا جیسا وہ سوچ رہا تھا وہ تو بپھری ہوئی شیرنی بن بیٹھی تھی۔

"انا کول ڈاؤن یار سن میں تمہیں ساری سچویشن سمجھاتا ہوں۔" خود کا توازن بحال کرتے وہ انا کی طرف بڑھا تو ایک دم پیچھے ہٹی تھی۔

"دور رہیں مجھ سے۔" وہ چیخی تھی۔ ولید اپنی جگہ رک گیا تھا۔

"مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی' آپ میرے ساتھ جو کچھ کر چکے ہیں اس کے بعد تو میں آپ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی آپ انتہائی برے انسان ہیں ذرا بھی لحاظ نہیں کہ اس وقت آپ کس کے سامنے کیا کہہ رہے ہیں۔" وہ غصے سے کہہ کر دروازے کی طرف پلٹی تو ولید ایک دم چونکا تھا۔ انا اگر باہر جاتی تو مطلب یہ تھا کہ سبھی بڑوں کو خبر ہو جاتی۔

"ارے انا رکو پلیز۔" وہ فوراً اس کے رستے میں حائل ہوا۔

"میرے رستے سے ہٹ جائیں ورنہ نتائج کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔ میں مر جاؤں گی لیکن آپ کی کسی بھی گھٹیا پلاننگ کا حصہ نہیں بنوں گی۔" وہ دھاڑی۔

"شٹ اپ۔" ولید نے سختی سے کہا تو انا نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔

"تم آرام وسکون سے میری بات سن لو تو بہتر ہوگا۔" ولید نے خود پر قابو پاتے نرمی سے کہا تو انا کے تنے اعصاب میں ذرا فرق نہ پڑا تھا۔

"بات ساری یہ ہے کہ ہم سب مل کر تمہیں تنگ کر رہے تھے حماد پاکستان لوٹا ہی نہیں وہ ابھی بھی ملک سے باہر ہے بلکہ جب سب کے سامنے تمہارا منگنی توڑ دینے والا قدم اور پھر حماد سے رشتہ جوڑنے والی ڈیمانڈ آئی تو بات بابا صاحب تک بھی پہنچی تھی اور پھر انہوں نے مجھے طلب کرلیا تھا مجھے تم پر غصہ ضرور تھا لیکن اب اتنا بھی کم فہم نہیں تھا کہ تم سے ہاتھ دھو بیٹھتا سو اپنی مشروط ہاں کے ساتھ میں نے بابا صاحب کو پازیٹو جواب دے دیا تھا اس طرح تم سے میرا رشتہ طے پا گیا لیکن شرط یہ تھی کہ تمہیں نہیں بتایا جائے گا اور اس سلسلے میں سب نے میری مدد کی تھی۔ سب نے تمہیں یہ باور کرایا کہ حماد سے تمہاری شادی ہو رہی ہے۔ جبکہ حماد تمہارا مجھ سے رشتہ طے ہو جانے پر ڈس ہارٹ ہوا تھا لیکن جب ساری صورت حال کا اسے علم ہوا تو اس نے خود کو سنبھال لیا تھا تمہاری شادی کسی اور سے نہیں صرف مجھ سے ہوئی ہے تمہیں آخر تک اس بات سے بے خبر رکھنا یہ سب پلاننگ تھا یار۔" انا حیرت اور بے یقینی سے سن رہی تھی۔

"اتنی بڑی پلاننگ۔" وہ نڈھال سی بستر کے کنارے گری تھی۔ ولید ایک دم گھبرا گیا تھا۔

"دیکھو اب بے ہوش ہونے کا پروگرام اگر ہے تو پلیز ملتوی کردو۔" انا نے بہت غصے سے اسے دیکھا۔

"تمہاری وجہ سے پہلے ہی مجھے بہت سی صلواتیں اور گالیاں سننے کو مل رہی ہیں۔" ولید نے بے چارگی سے کہا تو انا بے اختیار ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رو دی۔

"ارے یہ کیا کر رہی ہو پلیز چپ کر جاؤ اگر کسی کو خبر بھی ہوگئی تو میری بابا صاحب سے شامت پکی۔" وہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل قالین پر بیٹھ کر منتوں پر اتر آیا تھا۔ اس نے انا کے ہاتھ ہٹانا چاہے تھے لیکن اس نے سختی سے اسے پیچھے دھکیل دیا۔

"آپ بہت برے انسان ہیں۔ میں مرتی رہی، تڑپتی رہی اور آپ مجھے......!" وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تو ولید کو پہلی بار اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔

"ایم سوری یار، مجھے یہ تھا کہ تمہیں جب ساری صورت حال کا علم ہوگا تو یقیناً تم بہت خوش ہوگی۔"

"میرا دل کر رہا ہے خود کو شوٹ کرلوں، ساری دنیا میں میرا تماشا بنایا تھا حماد کا نام لے لے کر مجھے ملامت کرتے رہے ایک پل ایک لمحے کو بھی ذہنی اذیت سے چھٹکارہ نہ مل سکا تھا مجھے اور اوپر سے آپ کو ہمیشہ کے لیے کھو دینے کا دکھ۔" ولید نے بے چارگی سے اسے دیکھا تھا۔ وہ جی بھر کر رو رہی تھی۔ اتنے دنوں کا غبار تھا جو اب بہہ رہا تھا اس نے پتا نہیں ولید کی بات کا یقین کیا تھا یا نہیں لیکن اسے رونے کا موقع ضرور ملا تھا۔ کچھ دیر تک خوب رونے کے بعد اس نے سر اٹھایا تو میک اپ کا ستیاناس ہو چکا تھا اور اس کی شکل دیکھ کر ولید کی ہنسی چھوٹی تھی۔

"مائی گاڈ، بالکل بھوتنی لگ رہی ہو تم۔" شادی کی رات شاید یہ دنیا کا واحد دلہا تھا جو اپنی دلہن کی تعریف اس انداز میں کر رہا تھا۔ انا کا پارہ ہائی ہوا تھا۔ غصے سے ولید کو دیکھ کر جھٹکے سے اٹھی تھی۔ سامنے ہی ڈریسنگ ٹیبل تھی جس کے قد آور آئینے میں اس کی شبیہ لہرائی تھی اسے دیکھ کر وہ ایک دم شاکڈ ہوئی تھی اور پھر ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی تھی۔ ولید نے چند پل اسے دیکھا اور پھر سائیڈ پر رکھے ٹشو کا رول اٹھا کر اس کے زبردستی ہاتھ ہٹا کر اس کا چہرہ صاف کیا تو انا نے لب بھینچے بہت غصے سے اسے دیکھا تھا۔

"میں جانتا ہوں تم بہت خفا ہو لیکن اگر تم یہ بھول بھال کر مجھے کچھ اور کہنے کا موقع دو تو میں بھی کچھ عرض کروں۔" ولید کا انداز اب بھی غیر سنجیدہ تھا۔ انا کو پھر رونا آنے لگا تھا۔

"مجھے آپ کی کسی بھی بات کا یقین نہیں میں ابھی اور اسی وقت یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔" بھاری کام والے دوپٹے سے بار بار چہرہ صاف کرتے اس نے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ میں اب بھی جھوٹ بول رہا ہوں۔"

"آپ میرے ساتھ پچھلے دنوں جو کچھ کر چکے ہیں اس کے بعد میں کیا ہر کوئی یہی کہے گا۔" وہ غصے سے کہہ کر دوبارہ دروازے کی طرف لپکی تھی دروازے کے ہینڈل پر ابھی ہاتھ ہی رکھا تھا کہ ولید نے ایک دم اس کو پکڑ کر رخ اپنی طرف کرلیا تھا۔

"تمہیں اس بات پر شک ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں تو میں ابھی تمہاری کسی سے بات کرا دیتا ہوں پھر تو تمہیں یقین آجائے گا نا۔"

"مجھے کیا پتا آپ کس کو کال کر رہے ہیں آپ پیچھے ہٹیں میں خود پتا کرلوں گی۔" اپنا ہاتھ چھڑا کر ولید کو گھورتے وہ اپنے حلیے اور صورت حال کی پروا کیے بغیر دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی۔ وہ اس حویلی میں شہوار کی شادی اور نکاح پر آئی تھی لیکن اس کے باوجود باہر نکل کر اسے سمجھ نہیں آیا کہ اب کدھر جائے۔ ولید نے اسے باہر نکلتے دیکھ کر فوراً شہوار کو کال ملائی تھی۔

”جلدی سے کمرے میں آؤ مصطفیٰ کو بھی ساتھ لے آؤ۔“ فوراً یہ کہہ کر وہ انا کی طرف لپکا تھا جو اس دوران سیڑھیوں کی طرف بڑھ چکی تھی ولید کا کمرہ اوپر والے حصے میں تھا۔

وہ اگر نیچے پہنچ جاتی تو مطلب سارے گھر والوں کو خبر ہو جاتی تھی ولید بھاگ کر اس کے رستے میں آیا تھا۔

”ہم یہ مذاکرات کمرے میں بیٹھ کر آرام و سکون سے طے کر سکتے ہیں۔“

”آپ کو یہ سارا ڈرامہ شروع کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا مجھے کیا پتا آپ کے اس ڈرامے میں کون کون شامل ہے میرے نزدیک تو اب سارے ہی دھوکے باز فراڈی اور ڈرامے باز ہیں۔“ انا کا انداز بے لچک تھا۔ ولید نے بہت ضبط سے انا کو دیکھا تھا تبھی شہوار اور مصطفیٰ آتے دکھائی دیے تو اس نے کچھ سکون محسوس کیا انا بھی ان کو آتے دیکھ کر مزید تن گئی تھی۔

”کیا ہوا؟“ دونوں نے فوراً قریب آ کر پریشانی سے پوچھا۔

”ان محترمہ کو یقین ہی نہیں آ رہا کہ ان کی شادی حماد سے نہیں بلکہ مجھ سے ہوئی ہے۔“ ولید نے بتایا تو مصطفیٰ کی ہنسی چھوٹی تھی اور شہوار نے بہت خفگی سے دیکھا تھا۔

”دیکھ لیا اس سارے ڈرامے کا انجام، میں نے کتنا سمجھایا تھا۔“ اس نے کہا تو انا نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

”یعنی تم بھی اس ڈرامے میں اپنے بھائی کے ساتھ تھی۔“ شہوار نے چارگی سے دیکھا تو انا نے ایک بار پھر رونا شروع کر دیا۔ یعنی وہ واقعی کتنی بے وقوف تھی سبھی اس کے جذبات سے کھیلتے رہے اور وہ اپنا تماشا خود بنواتی رہی۔

”پلیز اس کو کمرے میں تو لے جائیں نا۔“ ولید کو نیچے سے کسی کے آ نہ جانے کی تشویش لاحق تھی۔ شہوار ولید کو غصے سے دیکھ کر انا کو بڑی مشکل سے دوبارہ کمرے میں لے جانے میں کامیاب ہوئی تھی۔ کمرے میں آ کر ایک دفعہ پھر ساری صورت حال سمجھائی گئی تھی۔ مصطفیٰ نے ثبوت کے طور پر آج کے فنکشن کی ساری تصاویر دکھائی تھیں بلکہ اس نے نکاح نامے کی بھی ایک پک بنا رکھی تھی جس پر ولید سائن کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ نکاح کے بعد بھی نکاح کی چند تصاویر تھیں جہاں ولید کے سائن کے نیچے انا کے اپنے سائن تھے۔

”میں اس سارے ڈرامے میں ان کے ساتھ نہیں ہوں ان کو سمجھاتی رہی ہوں مصطفیٰ سے پوچھ لو مجھے خود چند دن پہلے علم ہوا تو ولید بھائی سے کتنا خفا ہوئی تھی۔“ شہوار اپنی صفائیاں دے رہی تھی۔ انا کو اتنے سارے ثبوت دیکھ کر یقین آ گیا تھا اور آخر میں مصطفیٰ نے اس کی احسن سے بھی بات کرا دی تھی۔ سب لوگ ڈرامہ کر سکتے تھے لیکن اس معاملے میں احسن جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔

”ولید کا کہنا تھا کہ تمہیں تھوڑی بہت سزا تو ضرور ملنی چاہیے تا کہ آئندہ تم اس پر شک نہ کر سکو اور کسی بھی کاشفہ جیسی لڑکی کی باتوں پر یقین نہ کر سکو سو اس نے یہ پلان بنایا تھا اور ہم سب اس کا ساتھ دینے پر مجبور تھے حماد سے ہم نے ایکسکیوز کر لیا تھا وہ صورت حال سمجھ گیا تھا تمہاری شادی حماد سے نہیں ولید سے ہوئی ہے۔“ یہ احسن بھائی کے الفاظ تھے۔ باقی دنیا تو جھوٹ بول سکتی تھی لیکن ایک بھائی نہیں، انا نے بہت غصے سے ولید کو دیکھا تھا۔ شہوار اور مصطفیٰ کے بار بار ایکسکیوز کرنے پر اس نے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

”اگر میں ٹینشن میں کچھ کر لیتی یا میرا ہارٹ فیل ہو جاتا ان کا کیا جانا تھا۔“ اس نے ولید کو خفگی سے دیکھا اور شہوار سے شکوہ کیا۔

”اسی لیے تو تم سے فون پر رابطہ رکھا ہوا تھا تمہاری طرف سے بے خبر نہیں تھا میں۔“ ولید نے کہا تو اس نے غصے سے دیکھا۔

"ہاں جتنی پروا تھی اندازہ ہوگیا ہے مجھے اور وہ حماد بن کر کالز بھی یقیناً آپ کرتے رہے تھے۔" وہ اب روبرو ولید سے مخاطب تھی۔

"کیا کرتا تم اتنی آسانی سے بے وقوف بن رہی تھی تو سوچا کچھ انجوائے منٹ اور سہی۔" ولید نے پھر چڑایا تھا مصطفیٰ اور شہوار ہنس دیے تھے۔

"لگتا ہے آج رات لڑ جھگڑ کر گزارنی ہے دیکھو یار اب ان محترمہ کو کیسے ہینڈل کرنا ہے خود سوچو ہمیں نہیں بلوانا اب ورنہ نیچے سے بڑوں کی پوری فوج لے کر آئیں گے ہم۔ اپنے مسائل خود حل کرو ہمیں تو سخت نیند آرہی ہے۔" مصطفیٰ نے کہا اور شہوار کا ہاتھ پکڑ کر اسے لے گیا تھا۔ ولید نے دروازہ بند کیا اور اس بار حفظ ماتقدم کے طور پر لاک بھی کردیا تھا۔ انا اسی طرح تنے تنے سے اعصاب لیے بیٹھی ہوئی تھی۔

"او کے سیز فائز۔" ولید نے اس کے سامنے بیٹھتے مسکرا کر کہا تو اس نے گھور کر دیکھا۔

"اس طرح کے تیور دکھاؤ گی تو میں تو ڈر کے مارے ہی فوت ہوجاؤں گا ویسے بھی رو دھو کر چہرے کا ستیاناس مار چکی ہو۔" ولید نے کہا تو انا کو پہلی بار احساس ہوا کہ وہ اس وقت دلہن کے روپ میں ولید کے سامنے ہے۔ احسن سے بات کر لینے کے بعد اسے یقین آ گیا تھا کہ اس کی شادی ولید سے ہی ہوئی ہے اس کے تنے تنے اعصاب ایک خوش گوار احساس کی لپیٹ میں آ کر ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ اس نے دوپٹے کے پلو سے ہی اپنا چہرہ رگڑا تھا۔

"یہ لے لو۔" ولید نے اسے ٹشو دیے تو اس نے خاموشی سے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا چہرہ صاف کیا تھا۔ آئی میک کافی حد تک دھل گیا کاجل نے چہرے پر رنگ بکھیرا تھا۔ باقی چہرہ کچھ نارمل ہی تھا اس نے چہرہ صاف کرتے اپنی صورت کو کچھ اور نارمل بنانے کی کوشش کی تھی۔ اس کام سے فارغ ہوئی تو کچھ سمجھ نہ آئی کہ اب کیا کرے۔ لڑ بھی لیا تھا شکوے شکایتیں بھی سب ہوگئی تھیں شہوار اور مصطفیٰ بھی آ کر سب معاملہ کلیئر کر گئے احسن سے بھی بات ہوگئی تھی جو جو باتیں تھیں سب کلیئر تھیں اب کیا کرنا تھا۔ وہ شش و پنج میں پڑ گئی تھی ولید چل کر خود اس کے پاس آ رکا تھا۔ ولید کے شاندار سراپے میں اس کا رویا رویا متورم وجود جیسے چھپ سا گیا تھا۔

"ہاں بھئی اب کیا ارادہ ہے؟" مسکرا کر پوچھا تو انا کا سر ایک دم جھکا تھا۔

اس وقت دل و دماغ میں بس یہی احساس حاوی تھا کہ وہ ولید کی دلہن بنی اس کے سامنے ہے آئینے میں نظر آتا دونوں کا عکس بھرپور تھا انا کے دل کی دھڑکنیں مچلی تھیں۔

"چلو آؤ صلح کر لیتے ہیں۔" ولید نے کہا تو انا کا سارا وجود ایک نئے احساس سے اجاگر ہوا تھا۔

"آج ہماری شادی کی رات ہے باقی کی لڑائی کل۔" گمبھیر لہجے میں کہا تو انا کسمسائی۔

"میں جان بوجھ کر نہیں لڑ رہی تھی آپ سے لڑنے کا تو میں سوچ بھی نہیں سکتی لیکن جب آپ مجھے اگنور کرتے ہیں اور مجھے ایٹی ٹیوڈز دکھاتے ہیں تو میرا دل کرتا ہے آپ سے بہت لڑوں آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ میرے لیے کیا ہیں لیکن اس کے باوجود آپ نے یہ سب کیا میں واقعی مرجاتی تو......" وہ اس وقت سنجیدہ تھی اور شکوہ کرتی انا ولید کو اس قدر اچھی لگی تھی کہ اس نے ایک دم اسے ساتھ لگا لیا تھا۔

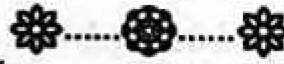
"ایم سوری...... ایم سوری فار ایوری تھنگ۔" ولید کے گمبھیر لہجے میں کچھ تھا جو وہ ایک عرصے سے اس کی ذات میں تلاشتی رہی تھی۔

ولید کے لمس میں محبت کی گرمی تھی چاہت کی نرمی تھی اور انا وہ تو جیسے آج بن مانگے ہی سب کچھ پا کر ایک دم شانت سی ہوگئی تھی۔

شہر کے فائیو اسٹار ہوٹل میں ان تینوں کے ولیمے کاری سیپشن تھا۔ تینوں دلہا حضرات چہرے پر خوش کن مسکراہٹ لیے مہمانوں کو ویلکم کررہے تھے اور تینوں دلہنیں اسٹیج پر بیٹھیں لوگوں کی دادو تحسین حاصل کررہی تھیں۔ بیک گراؤنڈ میں میوزک چل رہا تھا۔

جنم جنم ساتھ چلنا یونہی
قسم تمہیں قسم
آگے ملنا یونہی
اک جان ہو بھلے اور بدن ہوں جدا
میری ہو کے ہمیشہ ہی رہنا
کبھی نہ کہنا الوداع
میری صبح ہو تمہی
اور تمہی شام ہو
تمہی درد ہو، تمہی آرام ہو
میری دعاؤں سے آتی ہے بس یہ صدا
میری ہو کے ہمیشہ ہی رہنا
کبھی نہ کہنا الوداع

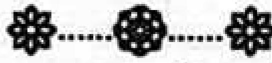
بابا صاحب اپنے بہو اور بیٹے کے ساتھ بہت ہی خوش وخرم انداز میں بڑے اعتماد کے ساتھ سبھی لوگوں سے ان کو متعارف کرارہے تھے۔ آج ان کے تین چہیتے پوتوں کی دعوت ولیمہ تھی۔ وہ بہت خوش تھے ان کی آج ساری اولاد ان کے ساتھ تھی ان کو اب کوئی خواب تنگ نہیں کرتا تھا۔ ان کے ذہن پر اب کوئی بوجھ نہ تھا۔ ان کا ضمیر اب مطمئن تھا۔ وہ بہت خوش باش انداز میں اپنے بیٹے فیضان اور بہو لالہ رخ کو قریبی حلقۂ احباب سے ملوارہے تھے۔ ان کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی خوف اور کوئی ملال نہ تھا ان کے مدار سے جو تارا ٹوٹ کر خلا کی وسعتوں میں کہیں کھو گیا تھا وہ ان سے آملا تھا اور اس بار دوبارہ کھونے کا کوئی خدشہ بھی نہ تھا۔ ان کا یہ ٹوٹا ہوا تارا ان کا بیٹا فیضان حیات علی تھا۔



وہ تینوں کپلز اسٹیج پر بیٹھے اسٹیج کو رونقیں بخش رہے تھے خاندان کے سبھی لڑکے لڑکیاں ان کے گرد جمع تھے۔ قہقہے تھے، خوشیاں تھیں رونقیں تھیں، لالہ رخ نے اپنے تینوں بچوں کو دیکھا تھا ان کے مسکراتے چہرے تھے۔ شہوار کی طرف جھک کر کچھ کہتا مصطفیٰ اور شہوار کے رخساروں پر پھوٹتی شفق رابعہ کا ہاتھ بڑے اعتماد سے تھام کر ایک کزن کے کیمرے کا مرکز بنے عباس اور رابعہ اور رانا کی گھوریوں اور نخریلی اداؤں کو نظر انداز کرتا ولید' سبھی بہت پیارے لگ رہے تھے۔ ان کے دل سے ان سب کے لیے دعائیں نکل رہی تھیں۔

ان کے آشیانے کے یہ تینوں پھول آج اس خاندان کا حصہ بن چکے تھے۔ ایک بہت بھرپور منظر تھا۔ دلکش ہنستے مسکراتے چہروں سے سجا یہ منظر ان کے دل کی رونقیں بڑھا رہا تھا انہوں نے مسکرا کر اپنے محبوب شوہر کو دیکھا تھا۔ وہ بھی شاید انہی جیسے جذبات لیے اسی منظر میں کھوئے ہوئے تھے ان دو کھوئے ہوئے لوگوں نے ساری عمر اذیت و تکلیف کی زندگی گزاری تھی اپنی اپنی جگہ اولاد سے جدائی کا درد سہا تھا لیکن آج ان کا آشیانہ پھر سمٹ چکا تھا۔ ان کے یہ

خواب اپنے انجام کی طرف گامزن تھے اور یہ دونوں ایک عمر کا طویل ہجر کاٹنے کے بعد پھر سے ایک جان تھے کبھی نہ بچھڑنے کے لیے۔ فیضان نے بہت محبت اور گرم جوشی سے محبوب بیوی کا ہاتھ تھام کر دبایا تھا۔ اس دباؤ میں دوبارہ کبھی نہ بچھڑنے کا عندیہ تھا جواباً لالہ رخ نے ایک مسکراہٹ اپنے محبوب شوہر کی نظر کی تھی یہ احساس تھا کہ وہ ہمیشہ اسی محبت کے حصار میں رہنا چاہتی تھیں۔



ولیمے کے بعد بھی شاہزیب صاحب کے گھر میں جمع تھے وقار صاحب اور ضیاء صاحب اپنی اہل خانہ کے ساتھ ہی اُدھر ہی تھے خوب رونق لگی ہوئی تھی فوٹو سیشن ہو رہا تھا۔ تینوں دلہنیں ایک ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں اور تینوں دلہا حضرات ہمراہ تھے۔ فیملی فوٹو سیشن ہو رہا تھا۔ بھی لوگ اس سیشن میں حصہ لے رہے تھے۔ کیمرے والے کو رخصت کرنے کے بعد وہ بھی کزنز پارٹی میں گھر گئے تھے بزرگوں کی اپنی محفل جم چکی تھی۔

”بے چاری انا کو تو سبھی نے خوب بے وقوف بنایا تھا یہ شادی یادگار رہے گی دلہن صاحبہ آخری لمحے تک شادی کس سے ہو رہی ہے کے بارے میں بے خبر تھیں۔“ عائشہ ریکارڈ لگا رہی تھی۔

”یادگار کیا بلکہ ریکارڈ میں رہے گی۔“ لائبہ نے ہنس کر کہا تو انا جھینپی۔ اس نے ولید کو دیکھا وہ مصطفیٰ کے ساتھ بیٹھا

سروے

ہر بار کی طرح اس بار بھی عید کی خوشیوں میں آپ کو شریک کرنے کے لیے خصوصی سروے کا اہتمام کیا گیا ہے سروے کے سوالات مندرجہ ذیل ہیں:۔

☆ سسرال والوں کی جانب سے آنے والی پہلی عیدی پر آپ کے تاثرات کیا تھے؟

☆ عید کے دن کی کوئی خاص بات جو آپ کو بے حد پسند ہو نیز عید کے دن آپ کے معمولات کیا ہوتے ہیں؟

☆ خواتین کے ہار سنگھار ہمیشہ تاخیر کا سبب بنتے ہیں ایسے میں آپ کہاں جانے کے جھٹ پٹ تیار ہو جاتی ہیں اور کہاں تاخیر کا مظاہرہ کرتی ہیں؟

☆ عید کی شاپنگ کے لیے آپ شوہر یا بھائی وغیرہ کی جیب کیسے خالی کراتی ہیں؟

☆ رمضان المبارک میں کن تسبیحات وظائف کو اپنا معمول بناتی ہیں؟

☆ گھریلو امور میں عید کی تیاری کے حوالے سے کون سا کام آپ کے سپرد کیا جاتا ہے گھر کی آرائش و زیبائش کوکنگ یا کچھ اور......؟

☆ عید کے پہناوں پر آپ کی پسند (پسندیدہ لباس)؟

☆ عید کی شاپنگ عموماً کس کے ساتھ جا کر کرتی ہیں؟

☆ کوئی سب سے یادگار چاندرات جس کا حسن فسوں خیز آج بھی سحر میں مبتلا کر دے؟

☆ عید کی تیاری کے لیے کوئی ٹپ (میک اپ ڈش) طریقہ کار وغیرہ۔

❖ تمام بہنیں ان سوالات کے جوابات 8 جون تک ارسال کردیں۔ ای میل کے لیے ایڈریس یہ ہے۔

info@aanchal.com.pk

کوئی بات کررہا تھا۔ آج ان کی شادی کو چوتھا دن تھا شادی کے چوتھے دن ولیمہ تھا۔ اور گزارے دن انا کی زندگی کے سب سے یادگار دن تھے۔ ولید جس سے اسے ہزار شکوے تھے شکایتیں تھیں گلے تھے وہ اب سب رفع ہوچکے تھے۔ بحیثیت شوہر اس نے ولید کا جو روپ دیکھا تھا وہ انتہائی خوب صورت تھا بے حد محبت کرنے والا اور پروا کرنے والا انسان۔ جس کی سوچ محبت ڈائیلاگز میں کہہ دینے کا نام نہیں بلکہ محبت عمل مانگتی ہے۔

وہ محبت کو لفظوں میں ضائع کرنے کا قائل نہ تھا وہ محبت کو محبوب کے ساتھ بانٹ کر شیئر کرکے اس کی کیئر اس کی ذات کو اپنے ہونے کا افتخار بخش کر بلندیوں کو چھو لینے کی سوچ کا قائل تھا۔ وہ جان چکی تھی ولید اس سے بہت محبت کرتا تھا وہ محبت جو وہ شک کی نظر سے دیکھتی رہی تھی وہی محبت تو ولید کا غرور تھی اس کی ذات کا فخر تھی اور انا جیسی جذباتی لڑکی اس کی محبت کو اپنے جذباتی پن میں نہ سمجھ پائی تھی اور اب اسے ولید کے علاوہ اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ہر طرف ولید، ولید اور بس ولید ہی تھا۔ ولید نے اسے یوں مسلسل اپنی طرف دیکھتے پاکر بھنویں سکیڑ کر ''کیا ہے'' پوچھا تو اس نے مسکرا کر نفی میں گردن ہلاتے دوسروں کی طرف توجہ دی تھی۔

''بھئی ان کے تو خوب مزے ہیں بابا صاحب نے تینوں کو بیرون ملک ہنی مون کی آفر کی ہے بلکہ سارے اخراجات وہی ادا کریں گے۔'' سجاد بھائی نے ہنس کر بتایا۔

''پھر کس جگہ جارہے ہو تم لوگ۔'' صبا نے شہوار سے پوچھا۔

''ابھی جگہ ڈیسائیڈ نہیں ہوئی مصطفیٰ کو چھٹیاں مل جائیں پھر ان کے مطابق پروگرام سیٹل کریں گے۔'' شہوار نے بتایا۔

''پھر تو سمجھو ہنی مون گیا ہاتھ سے مصطفیٰ بھائی کو چھٹیاں نہیں ملنے والیں۔''

''نہیں انہوں نے وعدہ کیا ہے وہ چھٹیاں لے لیں گے اور ہم سب اکٹھے جائیں گے جہاں بھی گئے۔''

''زبردست...... بیسٹ آف لک۔'' سبھی نے خوش دلی سے کہا تھا' کافی دیر تک محفل جمی رہی تھی۔ انا رابعہ والے کمرے میں آگئی تھی۔ وہ لوگ سیدھا میرج ہال سے یہاں پہنچے تھے فوٹو سیشن کے بعد کچھ دیر آرام کی غرض سے کمرے میں آئی تھی' وہ آئینے کے سامنے کھڑی تھی جب ولید بھی کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''کیا سوچا جارہا ہے۔'' ولید نے عقب سے آکر اس کے گرد بازو حمائل کرتے کندھے پر ٹھوڑی ٹکا کر آئینے میں اسے دیکھا۔

''میں سوچ رہی ہوں آپ کتنے خوش قسمت ہیں آپ کو مجھ جیسی لڑکی ملی۔'' اس کے انداز میں شرارت تھی' ولید نے گھورا۔

''کیوں بھئی تم میں ایسی کیا خوبی ہے؟''

''دیکھیں نا' آپ پر مرنے والی آپ کے لیے کسی بھی حد تک چلی جانے والی لڑکی دنیا میں کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔'' وہ چھیڑ رہی تھی۔

''محبت تو وہ کاشفہ بھی کرتی تھی۔'' ولید نے جواباً چھیڑا۔ انا کا حلق تک کڑوا ہوگیا تھا۔

''نام مت لیں' اس چڑیل کا۔'' ولید ہنس دیا۔ ہاتھ سے پکڑ کر بستر پر لا بٹھایا تھا۔

''خوش ہو نا؟'' بغور دیکھا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے؟'' مسکرا کر جواباً دیکھا' ولید نے دونوں ہاتھ مضبوطی سے تھام لیے تھے۔

''جب ہم کسی کی پروا کرتے ہیں اس کی اداسی آنکھوں کی نمی اس کی مسکراہٹ کی کمی ہمیں محسوس ہونے لگے اور ہم

معروف مصنف و کالم نگار مشتاق احمد قریشی کے قلم سے ایک اور شاہکار

پیہم خیال



مشتاق احمد قریشی

شائع ہوگئی ہے



ملنے کا پتا: کمرہ نمبر، 7 فرید چیمبر عبداللہ ہارون صدر، کراچی

بے چین ہوجائیں تو یہ بھی محبت ہوتی ہے۔ محبت ضروری نہیں الفاظ کا پیراہن پہنا کر پیش کی جائے' محبت تو محسوس کرتے اور دل سے دل تک کے سفر کو کہتے ہیں۔'' ولید نے کہا تو وہ مسکرائی۔

''ان گزرے دنوں میں جو حویلی میں جو آپ کے ساتھ گزرے ہیں وہ میری زندگی کے سب سے قیمتی دن ہیں اور ان گزرے لمحوں میں میں نے جانا ہے کہ آپ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ مجھے اپنے ہونے پر فخر ہونے لگتا ہے اور یہ احساس اور بھی معتبر کردیتا ہے کہ آپ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میرے ہیں۔'' وہ ولید کے سینے پر سر رکھ کر وہ سب کہہ رہی تھی جو اس کے دل میں تھا اور ولید اس نے جواباً اسے کچھ کہنے کی بجائے' بہت محبت سے سمیٹتے اس کی روشن چمکتی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے تھے۔

اس لمس میں بے پناہ وارفتگی تھی

جوش تھا

محبت تھی اور احساس تھا

اور انا ایک دم مطمئن سی ہوکر آنکھیں موند گئی تھی۔



تین سال بعد......

انا کے نمبر پر بار بار کال آرہی تھی۔

''ہم کچھ دیر میں پہنچ رہے ہیں' ایم سوری ایک پیشنٹ آگیا تھا' جی شہوار بھی میرے ساتھ ہے......بس پلیز تھوڑی دیر......'' کال بند کرکے اس نے شہوار کو دیکھا جو مسکرا کر اپنا کوٹ اتار کر دوپٹہ درست کررہی تھی۔ ''بھائی کی کال تھی۔''

''لیں......عیسیٰ نے سارے گھر والوں کو تنگ کر رکھا ہے خفا ہورہے تھی کہ کب گھر پہنچ رہے ہیں روشی کے بھی کئی فون آچکے ہیں۔'' اس نے جلدی جلدی سامان سمیٹتے بتایا تھا اور پھر گھنٹی بجا کر نرس کو بلوایا تھا۔

''ہم گھر جارہے ہیں کوئی بھی مسئلہ ہو ڈاکٹر حامد اور ڈاکٹر فرح موجود ہیں وہ ڈیل کرلیں گی۔'' نرس نے سر ہلا دیا تھا۔ دونوں اپنا اپنا بیگ موبائل اور دیگر چیزیں سمیٹ کر باہر نکلیں تو گاڑی موجود تھی۔

''آج اس سیزیرین کے کیس نے تو ڈرا ہی ڈالا تھا۔''

''لیکن اللہ کا شکر ہے ماں اور بچے دونوں کی جان بچ گئی۔'' شہوار نے بھی کہا تھا' وہ دونوں اپنا ایک چھوٹا سا ہسپتال چلا رہی تھیں۔ یہ ہسپتال ایک سال پہلے بابا صاحب نے بنوا کردیا تھا۔

''زیب النساء ہسپتال۔'' انہوں نے اپنی بیگم کے نام پر بنوایا تھا اور اس کا چارج شہوار اور انا کے ہاتھوں میں تھا' جہاں کچھ اور ڈاکٹر اور پیرامیڈیکل اسٹاف بھی تھا۔ دونوں نے فائنل ائر اور ہاؤس جاب کے بعد اپنا ہسپتال جوائن کرلیا تھا۔ انا شہوار کے ہمراہ ہی اوپر والے پورشن میں رہائش پذیر تھی جبکہ بابا صاحب' لالہ رخ' فیضان' ثریا بیگم اور ان کی بہو کے ہمراہ حویلی میں رہتے تھے' سہیل بھائی واپس باہر جاچکے تھے۔ انا اور شہوار دونوں کا ایک ایک بیٹا تھا' روشانے کی بیٹی پیدا ہوئی تھی جو اب تین سال کی تھی۔ رابعہ کی بھی بیٹی تھی' لائبہ کے دو بیٹے ہوگئے تھے۔ ولید شاہ زیب صاحب کے ہمراہ مل کر بزنس کررہا تھا جس میں احسن کے ساتھ اس کی پارٹنرشپ تھی' عبدالقیوم کا کیس تقریباً ایک سال تک کورٹ میں چلا تھا اور پھر اسے پھانسی ہوگئی تھی۔

مصطفیٰ کی بھرپور کوششوں کی بدولت لالہ رخ کو اپنی تمام جائیداد مل چکی تھی جو انہوں نے مختلف رفاہی کاموں کے لیے وقف کردی تھی۔ عادلہ اپنے جیسے کسی مرد سے شادی کرکے ملک چھوڑ کر جاچکی تھی۔ ابوبکر بھی ہادیہ کے ہمراہ باہر

شفٹ ہوگیا تھا سبھی لوگ اپنی اپنی زندگی میں اچھی طرح سیٹل تھے۔
آج روشانے کی بیٹی کی تیسری سال گرہ تھی' وہ انا کو بار بار کال کررہی تھی۔ انا نے بیٹے کا نام لالہ رخ کی پسند پر عیسیٰ رکھا تھا۔ عیسیٰ ولید کا بچپن میں نام تھا جو اسے بہت پسند آیا تھا جبکہ شہوار کے بیٹے کا نام عمر تھا جو مصطفیٰ کی پسند سے رکھا گیا تھا۔ وہ دونوں گھر پہنچیں تو سبھی تیار ان کے منتظر تھے۔
"یار کتنی دیر کردی ہے معلوم بھی تھا کہ آج احسن کی طرف جانا ہے۔" ولید نے دونوں کو آتے دیکھ کر کہا تو دونوں مسکرائی تھیں۔
"بالکل علم تھا لیکن ایمرجنسی کیس آ گیا تھا۔" شہوار نے بتایا۔
"مصطفیٰ آ گئے ہیں کیا؟" شہوار اپنے کمرے میں جاتے جاتے پلٹی تھی۔
"نہیں کال آئی تھی کہ وہ لیٹ ہوجائیں گے آفس سے سیدھا وہیں پہنچ جائیں گے۔" رابعہ نے بتایا تھا وہ سر ہلاتی اپنے کمرے کی طرف چل دی تھی۔ ان دونوں کی غیر موجودگی میں رابعہ اور لائبہ عیسیٰ اور عمر کو بھی سنبھال لیتی تھی۔ اس کے علاوہ بچوں کے لیے علیحدہ سے گورنس رکھی ہوئی تھی۔ رابعہ نے عیسیٰ کو تیار کررکھا تھا عمر بھی تیار تھا۔ وہ دونوں بھی جلدی جلدی تیار ہوئی تھیں۔ وہ لوگ روشی کی طرف پہنچے تو وہاں خوب رونق لگی ہوئی تھی۔
اچھی خاصی گیدرنگ تھی' روشانے کی بیٹی آبگینے بہت پیاری بچی تھی۔ گول مٹول سی سفید فراک پہنے اِدھر اُدھر بھاگ رہی تھی۔ نانا نانی اسے دیکھ کر واری صدقے جارہے تھے۔ صبوحی بیگم اور وقار صاحب بھی خوش تھے' ہر کسی آنکھ کا تارا تھی یہ ننھی سی آبگینے۔
"بہت دیر کی آنے میں' فائن ہوگا آپ لوگوں پر؟" روشانے کہا تو وہ ہنس دی۔
شاہزیب صاحب کے علاوہ باقی سبھی افراد آئے تھے۔ بڑے تو اپنی محفل جما کر بیٹھ گئے تھے جبکہ یہ سب ایک طرف لان میں جہاں سال گرہ کا ارینجمنٹ کیا گیا تھا اسی طرف چلے آئے تھے کچھ دیر بعد آفس لباس میں مصطفیٰ بھی وہیں آ گیا تھا۔
آبگینے نے کیک کاٹا تو بڑوں سے زیادہ ننھے ننھے بچے پُرجوش تھے آفاق چھ سال کا بچہ تھا' ان بچوں میں سب سے سینئر اور سینئر ہونے کا رعب بھی دکھاتا تھا۔ کھانے کے بعد خوش گپیوں کا دور چلا تھا۔ دوست احباب کچھ دیر بعد رخصت ہوگئے تھے۔ رات گئے تک ان لوگوں کی محفل جمی رہی تھی' صبوحی بیگم اور وقار صاحب نے ان سب کو زبردستی روک لیا تھا۔ بچے ماؤں کی گود میں ہی سو گئے تھے جنہیں ساجدہ باجی اٹھا کر اندر کمروں لٹا آئی تھیں۔ ساجدہ باجی کے شوہر کافی بہتر ہوچکے تھے وہ لاٹھی کے سہارے اب چلتے پھرتے تھے۔ ساجدہ باجی اور ان کے شوہر صبوحی بیگم کے ہمراہ ان کے بوتیک میں ہوتے تھے اس گھر میں آ کر یہ لوگ بہت خوش تھے۔
"آج بہت دنوں بعد یوں محفل جمی ہے' کتنا اچھا لگ رہا ہے نا۔" روشانے نے کہا۔ سبھی بے فکر ہو کر لان کی کرسیوں پر براجمان تھے ساجدہ باجی ان سب کو چائے دے گئی تھی۔
"بالکل ایسی چھوٹی موٹی گیدرنگ ہوتی رہنی چاہیے' مل بیٹھنے کا بہانہ ہی سہی ورنہ عام روٹین میں تو فرصت ہی نہیں ملتی کسی سے ملنے ملانے کو۔" شہوار نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔
"آنٹی کتنے دنوں سے حویلی بلارہی ہیں' ہسپتال سے فرصت ہی نہیں ملتی وہ لوگ بھی عیسیٰ کے لیے اداس ہورہے ہیں بلکہ انکل تو چاہ رہے تھے کہ عیسیٰ کو ان کے پاس ہی چھوڑ دوں لیکن عیسیٰ میرے بغیر رہتا نہیں ہے نا۔" انا نے کہا تو ولید ہنس دیا۔

"بیٹے کا نام کیوں بدنام کررہی ہو تم کب اس کے بغیر رہتی ہو نجانے ہسپتال میں کیسے وقت گزار لیتی ہو۔"
"ہاں تو ماؤں سے زیادہ بچوں کے لیے اور کوئی بھی اتنا کانشس نہیں ہوسکتا۔" شہوار نے بھی کہا۔
"چلو مل کر پروگرام بناتے ہیں آؤٹنگ ہی سہی میں بھی ایک کیس نبٹا لوں پھر فارغ ہوں چکر لگا لیتے ہیں۔" مصطفیٰ نے بھی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔
"او کے تم پروگرام بناؤ ہم سب چلیں گے۔" عباس بھائی نے بھی او کے کردیا تھا' وہ سبھی اپنی اپنی بیگمات کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے' ہنسی مذاق' قہقہے سبھی کچھ تھا۔
"عباس بھائی ہامی بھریں تو میں آ بگینے کی منگنی ابھی کرنے کو تیار ہوں ویسے بھی مجھے آفاق بہت پسند ہے۔" کسی بات کے جواب میں روشانے نے کہا تو عباس نے ہنس کر دیکھا۔
"بھئی میں تو بچپن کے رشتوں کے حق میں نہیں ہوں۔"
"کیوں بھئی میں اور احسن آپ کو سمدھی کے طور پر پسند نہیں آئے کیا؟" اس نے فوراً کہا تھا' انداز میں شرارت تھی سبھی ہنس رہے تھے۔
"ایسی بات نہیں آ بگینے تو بہت ہی پیاری بچی ہے لیکن میں قبل از وقت ایسے کسی بھی فیصلے کے حق میں نہیں ہوں۔ میں سمجھتا ہوں اس سے بچوں کے ذہن متاثر ہوتے ہیں۔" عباس سنجیدہ ہوا۔
"بھئی مجھے اپنی پھوپو کا تجربہ ہے' ہمارا رشتہ انہوں نے ہی جوڑا تھا بلکہ انا اور ولید بھائی کا بھی انہوں نے ہی کیا تھا۔ مجھے یقین ہے ہم کوئی غلط فیصلہ نہیں کریں گے آپ کو تو خوش ہونا چاہیے۔ بیٹھے بٹھائے آپ کو اتنی پیاری سی بہول رہی ہے جو ہماری انا کی ہی طرح نخریلی' حساس اور ذہین بھی ہے۔" انا سمیت سبھی ہنس دیئے تھے' انا جھینپ گئی تھی آ بگینے واقعی اسی کا پرتو تھی۔
"سوچ لیں عباس بھائی بیٹھے بٹھائے رشتہ مل رہا ہے ناشکری مت کریں۔" سجاد نے چھیڑا تھا' وہ ہنس دیئے۔
"چلیں بات ذہن نشین کرلیتے ہیں لیکن قبل از وقت کچھ بھی نہیں کہوں گا۔"
"مبارک ہو روشی! بیٹھے بٹھائے رشتہ طے کرلیا ہے تم نے تو۔" شہوار ہنسی۔
"تم لوگ بھی طے کرلو ویسے عباس بھائی نے ابھی باقاعدہ ہاں نہیں کی۔" انا نے ولید کو دیکھا اس کے وجود کی دلکشی آج بھی اسی طرح برقرار تھی۔
مصطفیٰ کے ساتھ باتیں کرتا وہ بہت اٹریکٹو اور دلکش لگ رہا تھا۔ ولید نے اسے اپنی طرف متوجہ پا کر بھنوئیں اچکائی تھیں اور انا نے مسکرا کر نفی میں سر ہلاتے شہوار کی طرف رخ موڑا تھا اور اس سے کوئی بات کرنے لگ گئی تھی' وہاں موجود ماحول بہت مکمل تھا۔
سبھی بے فکری کی زندگی جیتے بہت خوش تھے۔ ان کے قہقہوں میں زندگی تھی' جوش تھا اور محبت تھی۔ وہ محبت جس نے ان سب کے دلوں کا باندھ رکھا تھا جو ان کو بکھرنے نہیں دیتی تھی اور دور افق پر ایک تارا مکمل تھا۔

(ختم شد)

